سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

موت کے سوداگر

4

چوتھا حصہ



موت کے سوداگر

اقلیم علیم

ہتھیار کبھی لغزش مارتے ہیں مگر ان کا نشانہ خطا بھی ہو جاتا ہے۔ مگر وہی سسکا سسکا کر مارتی ہے اور اسی کا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا۔ موت کی سوداگری کرنے والے اُن بین الاقوامی فنون کی ہولناک داستان جو نگر نگر طاقت و اقتدار کی بساط الٹ کر من مانے مہرے سجاتے ہیں۔ اُن سفاک اور درندہ صفت مسیحاؤں کا آلۂ کار بننے والے ایک پُرعزم نوجوان کی ولولہ انگیز سرگزشت جس نے اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہہ کر قہر و جبروت کے ناخداؤں کو للکارا اور دہشت و انتقام کی نادیدہ زنجیر کو توڑ کر اُن کے قدم اُکھاڑ دیے۔ اپنے دامن میں اَن گنت کہانیاں سمیٹے ہوئے پل پل رنگ بدلنے والی ایک انوکھی کہانی

حقیقت سے زیادہ فکر انگیز سسپنس کا ایک تعمیری سلسلہ

ڈرائیور زندہ دل اور لاابالی سا نوجوان تھا۔ اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ ”یہ ڈبل کام دیتے ہیں۔ پچھلے ٹریفک کا پتا چلتا رہتا ہے اور دل بھی پشوری ہوتا رہتا ہے۔“ آخری نقرہ ادا کرتے ہوئے وہ سڑک کے بجائے آئینوں میں میری آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

”میں سمجھا نہیں۔“ میں نے قدرے حیرت کے ساتھ کہا۔

”کراچی میں آدھا چریا ڈرائیور ہے کچھ پتا نہیں ہوتا کہ کدھر سے آئے گا اور کیسے سائڈ سے دباتا ہوا جائے گا۔“ وہ کبھی سڑک کی طرف اور کبھی میری آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

”وہ تو ٹھیک ہے مگر دل کیسے پشوری ہوتا ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”پیچھے زنانی سواریاں ہوں تو یہ شیشے بڑا مزہ دیتے ہیں جس نے بھی شیشہ بنایا، بڑا آفت بنایا ہے۔ اسٹیئرنگ اپنے ہاتھ میں ہو تو یہ شیشے بڑا کام دیتے ہیں۔ جب چاہا سواریوں کو اچھال دیا، جدھر چاہا ادھر موڑ کاٹ کر جھٹکا دیا۔“

”یہ تو بری بات ہے، تاک جھانک سے سواریاں بے آرام ہوتی ہوں گی۔“ میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

”جب سے برقع ختم ہوا ہے زیادہ تر زنانیاں بن سنور کر اسی امید پر نکلتی ہیں کہ ہر مرد انھیں دیکھے گا اور بس دیکھتا رہ جائے گا۔ شاید کوئی بے آرام بھی ہوتا ہو مگر شکایت کسی نے نہیں کی۔ ہاں، دوستیاں کئی ہو چکی ہیں۔“ یہ کہہ کر وہ زور سے ہنسا اور پھر بولا۔ ”یہ شیشے ہمارے ہی نہیں، سواریوں کے کام بھی آتے ہیں۔ تمھیں معلوم ہے کہ رکشا کھلی سواری ہے، دو چار میل کے سفر ہی میں ہوا بال بکھیر دیتی ہے۔ منزل قریب آتی ہے تو اسی آئینے میں دیکھ کر سواریاں بال بناتی اور سرخی پوڈر بھی ٹھیک کر لیتی ہیں۔“

”اور ان شیشوں پر پولیس کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا، یہ ڈرائیور کی توجہ بھی تو ہٹاتے ہیں۔“

”ہم لوگ عادی ہو گئے ہیں، کوئی توجہ نہیں ہٹتی۔“ اس نے بے پروائی سے کہا۔ ”اپنی پولیس کو کہاں اتنا وقت ہے کہ ایک ایک رکشا اور ٹیکسی کے شیشے اور ہارن دیکھتی پھرے، پھر ہم بھتا بھی دیتے ہیں۔“ اس وقت وہ آئینوں میں میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اسی لمحے شہید ملت روڈ کے کراسنگ پر لگا ہوا ٹریفک سگنل سبز سے زرد پھر سرخ ہوا، شہید ملت روڈ سے آنے والا ٹریفک رواں ہو گیا مگر ڈرائیور میری طرف متوجہ تھا۔ خطرناک چوراہے پر رونما ہونے والی تبدیلیوں سے وہ بے خبر رہا اور اگر میں چیخ کر اسے ہوشیار نہ کرتا تو رکشا شہید ملت روڈ سے شارع فیصل پر شہر کی طرف گھومنے والے ایک فوجی ٹرک کے نیچے گھس کر پچھلے پہیوں میں پس گیا ہوتا۔

رکشا ڈرائیور نے اچانک پوری قوت سے بریک لگائے اور میں اپنی نشست سے اچھل کر پائپوں کی اگلی ریلنگ پر جا رہا۔

”بچ گئے، ورنہ ابھی کام ہو گیا ہوتا۔“ میں نے سنبھل کر اپنی جگہ پر سرکتے ہوئے گہرا سانس لے کر کہا۔

”یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے۔“ وہ بے پروایانہ لہجے میں بولا۔ ”لوگ ہمیں گالیاں دیتے ہیں، برا بھلا کہتے ہیں مگر تم خود دیکھ لو کہ ہم ہر روز موت کے منہ میں ہاتھ ڈال کر اپنی روزی نکالتے ہیں۔“

”شیشے کم ہوں تو تمھاری یہی روزی آسان بھی ہو سکتی ہے۔“

”شیشوں میں کچھ نہیں رکھا، بابو! موت آنی ہو تو بستر میں بھی آجاتی ہے، وہاں تو چھت میں کوئی شیشہ نہیں ہوتا۔“ یہ کہہ کر وہ یوں فخریہ انداز میں ہنسا جیسے اس نے کوئی عظیم الشان طنز کیا ہو۔

میں نے اس کی بات کا جواب نہ دینا ہی مناسب سمجھا ورنہ میں اس سے یہ پوچھ سکتا تھا کہ بلندی سے کود کر یا پٹری پر آتی ہوئی تیز رفتار ریل کے سامنے لیٹ کر زندگی کی امید رکھنا کہاں کی عقل مندی تھی؟

سگنل سبز ہوا اور رکشا ایک تیز جھٹکے سے آگے بڑھ گیا۔

میں بظاہر تو خاموش ہی رہا لیکن یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ ہمارا ٹریفک پولیس کا عملہ پبلک ٹرانسپورٹ کی فٹنس سے ہٹ کر شاہراہوں پر گاڑیوں کے انجن، بریک، پریشر ہارن، ٹیپ ریکارڈ اور آئینوں کی قطاریں کیوں چیک نہیں کرتا جن کی بنا پر ہر روز سڑکیں انسانی لہو سے غسل کرتی ہیں۔

پبلک ٹرانسپورٹ کے شعبے سے تعلق رکھنے والی گاڑیوں کی فٹنس کی ہر چھ ماہ بعد تجدید لازمی ہوتی ہے۔ اس موقع پر ہر چیز کو قانون کے مطابق کر لیا جاتا ہے حتیٰ کہ کرایہ بتانے والے میٹر تک درست ہو جاتے ہیں مگر فٹنس گراؤنڈ سے گاڑی باہر نکلتے ہی ہر چیز پرانی ڈگر پر لوٹا دی جاتی ہے۔ عملے کا ریکارڈ صاف رہتا ہے کہ اتنی ہزار گاڑیوں میں سے ایک میں بھی کوئی چیز خلافِ قانون نہیں ہے۔ شہری اخباری مراسلات میں جھوٹ بکتے ہیں۔ رہا شاہراہوں پر چشم پوشی کا معاملہ تو اس کے لیے کالی بھیڑوں کو بھتا ادا کر دیا جاتا تھا۔

دوسری چیزیں تو جو تھیں سو تھیں مگر آئینوں کا معاملہ بہت سنگین تھا کیونکہ اس کا مقصد چادر کے تقدس کو پامال کرنا تھا اور یہ زاویے سے پڑنے والی دو نگاہیں لباس کی چار دیواری کو بھی تسلیم کرنے سے شاید گریزاں ہی رہتی ہوں۔

رکشا چلتا رہا۔ گفتگو کے اختتام پر ڈرائیور کا موڈ قدرے خراب ہو گیا تھا جس کا اظہار کرتے ہوئے اس نے رکشے کی رفتار تیز کر دی تھی مگر میرا ذہن اس سے کہیں تیز چلتا رہا اور آخر کار رکشا صیہونی ستارۂ داؤدی کے سائے سے گزر کر ایئرپورٹ ٹرمینل نمبر ایک کی طرف جانے والی سڑک پر گھوم گیا۔

رکشا میں نے پارکنگ لاٹ کے قریب ہی چھوڑ دیا۔

جب میں کرایہ ادا کر رہا تھا تو سلطان شاہ ٹیکسی میں قریب سے گزرا۔ میں اس کا منتظر تھا اور وہ بھی میری ہی طرف متوجہ تھا۔ لمحہ بھر کے لیے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشاروں کا تبادلہ ہوا اور یہ طے پا گیا کہ میں بخیر و عافیت ایئرپورٹ تک پہنچ چکا تھا لہٰذا وہ واپس لوٹ جائے گا اور پروگرام کے مطابق خریداری کر کے مقررہ وقت پر ایئرپورٹ پر آجائے گا۔

پرواز رات گیارہ بجے روانہ ہونے والی تھی یعنی لفت ہنسا کی اس پرواز کے لیے کاؤنٹر پر چیک ان کا آغاز نو بجے ہو جاتا۔ اس اعتبار سے میرے پاس کم و بیش ساڑھے تین گھنٹے باقی تھے جو مجھے کسی کی نظروں میں آئے بغیر ایئرپورٹ کی ان ہی عمارات میں گھوم پھر کر گزارنے تھے۔ اتنی دیر کے لیے اگر میں کسی ایک جگہ جم کر بیٹھ جاتا تو لامحالہ کسی نہ کسی کی نظروں میں آسکتا تھا پھر دوسری خطرناک بات یہ تھی کہ ایکسپلوڈر میگزین سمیت میری جیب میں موجود تھا اور حفاظتی عملے سے ٹکراؤ یا ان کی کسی باز پرس کے نتیجے میں، اس کا راز بھی فاش ہو سکتا تھا۔

میں عمومی انداز میں ٹرمینل نمبر ایک کے سامنے والے چوراہے کے فٹ پاتھ پر سے گزرتا ہوا ٹرمینل نمبر دو اور تین کی طرف ہو لیا، وہاں پہنچ کر میں نے کلوزڈ سرکٹ ٹیلی وژن اسکرین پر پروازوں کی آمد و رفت کے شیڈول کا جائزہ لیا اور پھر باتھ روم کی طرف ہو لیا۔ اندر میدان صاف تھا اور میری متجسسانہ نظریں کسی ایسی جگہ کا جائزہ لے رہی تھیں جہاں میں ایکسپلوڈر کو اس طرح ٹھکانے لگا سکوں کہ وہ میری روانگی تک کسی کی نظروں میں نہ آسکے مگر ان صاف ستھرے اور چمکتے ہوئے باتھ رومز میں مجھے ڈسٹ بن کے علاوہ کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آئی جہاں ایکسپلوڈر چھپایا جا سکے۔

پھر اچانک مجھے خیال آیا کہ ان دنوں شہر میں دہشت گردی کی متوقع وارداتوں کے پیش نظر ایئرپورٹ پر حفاظتی انتظامات سخت کر دیے گئے تھے اور ایئرپورٹ کی عمارات میں کئی مقامات پر ایسے خفیہ کیمرے نصب کیے گئے تھے جن سے لی جانے والی تصاویر ایک مرکزی کمرے میں مانیٹر کر کے اسکرین پر دیکھی جاتی رہتی تھیں۔ اس طرح مشتبہ افراد کی نگرانی کرتے ہوئے انھیں رنگے ہاتھوں پکڑا جا سکتا تھا!

اندرونی اور بیرونی لاؤنج کے درمیانی دروازے پر لگا ہوا

متحرک کیمرا میں خود دیکھ چکا تھا، مجھے شبہ ہوا کہ کہیں باتھ روم کے کسی مقام پر کوئی خفیہ کیمرا نصب نہ ہو کیونکہ کسی بھی تخریبی کارروائی کے لیے وہ سب سے محفوظ جگہ تھی جہاں بھیڑ بھاڑ سے الگ ہو کر کوئی بھی شخص رازدارانہ انداز میں کوئی کارروائی سرانجام دے سکتا تھا۔

میں نے باتھ روم کے کوڑے دان کو استعمال کرنے کا ارادہ ملتوی کیا اور منہ ہاتھ دھو کر وہاں سے باہر نکل آیا۔

اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ وقتِ ضرورت ہتھیار کا حصول ہی دشوار نہیں ہوتا بلکہ اس سے گلو خلاصی بھی بسا اوقات گلے کی ہڈی بن جاتی ہے۔

رات کا اندھیرا اس معاملے میں بڑا مہربان ہوتا ہے، چلتے چلتے کسی بھی سنسان مقام پر کچھ بھی کیا جا سکتا ہے لیکن دن کے اجالے میں، جب نگاہیں دور تک تعاقب کرتی ہوں تو ایسا ہر کام کٹھن ہو جاتا ہے۔

کشادہ اور نیم آباد ریستوران کے ایک گوشے میں کافی پیتے ہوئے میں وقت گزاری کے ساتھ ایکسپلوڈر کے مسئلے پر بھی غور کرتا رہا۔ آخر کار مجھے اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی ایک ترکیب سوجھ ہی گئی اور میں بل ادا کر کے وہاں سے اٹھ گیا۔ اس وقت تک میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹا گزار چکا تھا اور میری رسٹ واچ سات بجا رہی تھی۔

میں ٹرمینل نمبر تین کے سامنے سے براہِ راست شاہراہِ فیصل سے ملنے والی سڑک پر ہو لیا۔ سورج غروب ہو چکا تھا اور اندھیرا دور کرنے کے لیے ہر طرف اسٹریٹ لیمپس جل اٹھے تھے مگر میری مطلوبہ سڑک پر زیادہ روشنی نہیں تھی۔

کچھ دور چلنے کے بعد میں بالکل سناٹے میں آگیا جہاں میرے سوا کوئی نہیں تھا۔ میں نے جیب سے ایکسپلوڈر نکال کر اس کا میگزین الگ کیا اور اسلحہ ایک طرف اچھال دیا۔ لمبی لمبی نرم گھاس سے بھری ہوئی زمین نے بڑی نرمی سے ایکسپلوڈر کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ پھر یہی حشر میگزین کا بھی ہوا اور مجھے اپنے سر سے ایک بڑا بوجھ اترنے کا احساس ہوا۔

میرا کام ہو گیا تھا اس لیے اس سڑک پر مزید آگے تک جانا بے سود تھا۔ میں تھوڑی دور چل کر داہنی طرف والی پختہ سڑک پر مڑ گیا جو آگے جا کر ٹرمینل نمبر ایک کے سامنے نکلتی تھی۔

میں کسی عجلت کے بغیر خراماں خراماں راستہ طے کرتا ہوا دوبارہ ٹرمینل نمبر ایک میں پہنچا اور بیرونی لاؤنج میں ایک بینچ پر بیٹھ کر سگریٹ نوشی میں مصروف ہو گیا کیونکہ ابھی تک سلطان شاہ کا کہیں پتا نہیں تھا۔

وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا اور میں اپنے قرب و جوار سے گزرنے والے لوگوں کے بارے میں دلچسپ نکات نوٹ کر کے محظوظ ہوتا رہا اور آخر کار ساڑھے آٹھ بجے وہاں فٹ پاتھ کے کنارے ایک ٹیکسی آکر رکی جس کی اگلی نشست سے سلطان شاہ برآمد ہوا تھا۔

قریب ہی کہیں سے ٹریفک کے سپاہی نے تیز سیٹی بجا کر شاید ٹیکسی والے کو آگے بڑھنے کا اشارہ دیا مگر اس وقت تک ڈرائیور ڈکی کھول کر سپاہی کو یہ سمجھا چکا تھا کہ وہ وہاں مسافر کا سامان اتارنے کے لیے رکا ہے، بھتا گول کر کے براہِ راست کسی مسافر کو لے جانے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

سلطان شاہ کو دیکھتے ہی میرے وجود میں مسرت آمیز اطمینان کی لہر دوڑ گئی اور میں اپنی جگہ سے اٹھ کر جلدی سے اس کے پاس پہنچ گیا۔

اس نے دانت نکال کر میرا استقبال کیا۔ اس وقت تک کئی قلی اس پر یلغار کر چکے تھے جنھیں اس نے سختی سے ٹال دیا اور ٹیکسی کا کرایہ ادا کر کے خود ایک خالی ٹرالی لے آیا۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اس نے بہت معقول خریداری کی تھی جو اس سفر کے لیے شاید ناگزیر تھی۔

سارا سامان دو مختصر سے سوٹ کیسوں اور ایک بریف کیس پر مشتمل تھا۔ میں نے وہیں کھڑے کھڑے دستاویزات کا لفافہ بریف کیس میں منتقل کر دیا۔

قلی مایوس ہو کر لوٹ گئے تو میں نے میدان صاف دیکھ کر اس سے پوچھ ہی لیا۔ ”ایکسپلوڈر کا کیا رہا؟“

”میں اس وقت نہتا ہوں۔“ اس نے ٹرالی آگے دھکیلتے ہوئے کہا۔ ”آتے ہی تم سے ملاقات نہ ہوتی تو ایکسپلوڈر پر دوبارہ قبضہ کر لیتا۔“

”تو کیا وہ ٹیکسی میں ہی چھوڑا ہے؟“ میں نے حیرت سے سوال کیا۔

اس نے مسکراتے ہوئے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔ ”ڈکی میں سامان ڈالتے ہوئے میں نے ڈرائیور کی نگاہ بچا کر ایکسپلوڈر سیٹ کے نیچے فاضل ٹائر کی درمیانی جگہ میں ڈال دیا تھا۔ جب وہ ٹائر کی ضرورت محسوس کرے گا تب ہی اسے وہ ہتھیار نظر آسکے گا۔ پھینکنے سے بہتر یہی تھا کہ اسے جان بوجھ کر کسی کے حوالے کر دیتا۔“

داخلی دروازے پر ایئرپورٹ سیکیورٹی فورس کے جوان کو ٹکٹ دکھا کر ہم دونوں اندر داخل ہوئے، سامان ایکسرے مشین سے گزارنے کے بعد کلیئرنس ملنے پر دوبارہ ٹرالی پر لادا اور اس کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئے جس پر لفت ہنسا کی مطلوبہ پرواز کا نمبر آویزاں تھا۔ کچھ مصروف کاؤنٹرز پر ایئر فرانس اور کیتھی پیسفک

کی چیک ان جاری تھی۔

بورڈنگ کارڈ، امیگریشن اور جامہ تلاشی کے مراحل سے گزر کر لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے بھی مجھے ہر آن کسی ناگہانی رکاوٹ کا خدشہ لاحق تھا۔ اس لیے میں بریف کیس لیے لاؤنج کے بالکل انتہائی سرے پر دروازے کے قریب والی نشست پر جا بیٹھا جہاں لگے ہوئے شفاف شیشوں کے پیچھے ٹارمک صاف نظر آ رہا تھا۔ اس وقت تک لاؤنج میں چند ہی مسافر تھے اور غالباً وہ بھی کسی دوسری پرواز کے منتظر تھے۔ وہاں بھیڑ بڑھنے سے پیشتر میں نے اگلی نشستوں پر اس خیال سے قبضہ کیا تھا کہ بورڈنگ کا اعلان ہوتے ہی پہلی بس سے طیارے کی طرف روانہ ہو سکوں۔

ہمارے پہنچنے کے چند منٹ بعد ہی لاؤنج بہت تیزی کے ساتھ بھرنے لگا۔

ساڑھے نو بجے ایئر فرانس کی ٹوکیو جانے والی پرواز کی بورڈنگ کا اعلان ہوا اور مختلف قومیتوں کے لوگ بھانت بھانت کا دستی سامان اٹھائے دروازے کے سامنے قطار بند ہونے لگے۔ دروازے کے اوپر لگا ہوا کیمرا کوئی آواز پیدا کیے بغیر گھوم گھوم کر قطار اور دروازے سے گزرتے ہوئے مسافروں کا جائزہ لے رہا تھا۔

دو پروازوں کی بین الاقوامی روٹ پر روانگی کے لیے بورڈنگ کے اعلان کے بعد آخر کار سوا دس بجے لفتھانسا کے فرینکفرٹ جانے والے طیارے پر بورڈنگ کے آغاز کا اعلان کیا گیا اور ہم دونوں سب سے پہلے دروازے پر پہنچ گئے۔ اس بار نشستوں سے اٹھنے والے مسافروں کی تعداد بہت کم تھی۔

اس پرواز کے لیے کراچی سے سوار ہونے والے سارے ہی مسافر آرام سے پی آئی اے کی دیو ہیکل بس میں سما گئے اور وہ طیارے کی طرف روانہ ہو گئی۔

وہ پرواز بنکاک سے شروع ہوئی تھی اور وسیع و عریض بوئنگ ۷۴۷ طیارے میں مشرق بعید اور یورپ سے تعلق رکھنے والے مسافروں کی بھاری تعداد موجود تھی۔

ہم دونوں اپنی نشستوں تک پہنچے تو مجھے اپنی کھڑکی کے ساتھ والی سیٹ پر ایک جواں سال لڑکی براجمان نظر آئی جو خاصی دلکش تھی اور شاید کراچی ہی سے طیارے پر سوار ہوئی تھی مگر میں لاؤنج میں اس کو دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ مجھے وہاں ٹھٹکتے دیکھ کر کیبن کے عملے کی ایک خوش اندام دوشیزہ میری مدد کے لیے آگے آئی اور میرا بورڈنگ کارڈ دیکھ کر معذرت خواہانہ انداز میں لڑکی سے کچھ کہنے ہی والی تھی کہ میں نے اسے روک دیا۔

"نہیں، ان خاتون کو بیٹھا رہنے دیں۔ شاید طیارے میں خاصی نشستیں خالی ہیں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" ایئر ہوسٹس مسکراتی ہوئی واپس لوٹ گئی۔

"آپ چاہیں تو میں آگے اپنی سیٹ پر جا سکتی ہوں۔" لڑکی نے اپنے پرس سے بورڈنگ کارڈ نکال کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "غلطی میری ہے۔"

"ساتھی اچھا مل جائے تو طویل سفر خوشگوار گزرتا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ مجھے اپنی ہم نشینی کے اعزاز سے کیوں محروم کرنا چاہتی ہیں؟"

وہ غیر ارادی طور پر اپنی سیٹ میں قدرے سمٹ سی گئی۔

"آ جائیں۔ آگے بھی کسی نہ کسی کو میرے برابر میں بیٹھنا ہی تھا۔"

میں بے تکلفی کے ساتھ اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔ میرے ایما پر سلطان شاہ نے اگلی سیٹ سنبھال لی۔

"آپ کہاں جا رہی ہیں؟" چند ثانیوں کے بعد میں نے گفتگو کا آغاز کرنے کی نیت سے رسمی سوال کیا۔

"روم۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "اور آپ؟"

اس کی زبان سے روم کا نام سنتے ہی میرے ذہن میں ڈان مرسیانو کا نام ابھر آیا جو روم میں کیشن پر قحبہ گری کا گھناؤنا کام کرتا تھا مگر دوسری طرف جمی لائیڈ کی حیثیت سے نہ صرف ویرا کا باپ تھا بلکہ ہیروئن فروشوں اور اسلحہ کی اسمگلنگ کرنے والے ایک منظم بین الاقوامی گروہ کا سربراہ بھی تھا۔

"میں لندن جا رہا ہوں۔" میں نے خود کو ذہنی جھٹکے سے سنبھالتے ہوئے اسے جواب دیا۔ "فرینکفرٹ میں رات قیام کے بعد صبح دوسری پرواز لینا ہوگی۔"

"موقع ملا تو میں بھی روم میں اپنے کام سے فارغ ہو کر لندن کی سیر کروں گی۔ سنا ہے کہ قابلِ دید شہر ہے۔"

"روم میں کیا کام ہے آپ کو؟" میں اضطراری طور پر سوال کر بیٹھا۔

میں نے محسوس کیا کہ میرے اس سوال پر وہ یوں بوکھلا گئی جیسے میں نے اس کی کوئی چوری پکڑ لی ہو۔ وہ ہکلاتے ہوئے بولی تھی۔ "م م... مجھے تو کوئی کام نہیں ہے وہاں، بس ایک سہیلی سے ملنا ہے وہاں۔ وہ تین سال سے روم ہی میں رہ رہی ہے۔ بڑی اچھی لڑکی ہے۔"

"شاید یہ پہلا سفر ہے آپ کا؟" میں نے تفہیمی انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ج ج... جی ہاں۔" وہ تھوک نگلتے ہوئے بولی۔ "ملک سے باہر کا پہلا ہی سفر ہے۔"

میرے ذہن میں پہلا خیال یہی ابھرا تھا کہ کہیں وہ کوئی

کیریئر نہ ہو۔ تنظیم میں اپنے سرگرم دور میں میں خود جواں سال طالب علموں کو غیر ممالک کی مفت بلکہ بامعاوضہ سیاحت کے لالچ میں ہیروئن کی اسمگلنگ کے لیے استعمال کر چکا تھا۔ پھر اس نے جس انداز میں روم میں کام کا ذکر کر کے اس کی تردید کی تھی، اس سے بھی میرے شبہے کو تقویت پہنچتی تھی۔ تیسری بات یہ تھی کہ وہ اس جوان لڑکی کا پہلا غیر ملکی سفر تھا جس پر وہ تنہا جا رہی تھی۔ ہمارا معاشرہ لاکھ آزاد اور ترقی یافتہ کہلانے کے جنون میں مبتلا ہو گیا ہو لیکن اب بھی اِس عمر کی لڑکی کے والدین اپنی اولاد کو محض کسی سہیلی سے ملاقات کے لیے تنہا سمندر پار کے سفر پر روانہ ہونے کی اجازت نہیں دے سکتے تھے۔

"غالباً بڑی گہری سہیلی ہے وہ آپ کی؟" لحظہ بھر کی پُرخیال خاموشی کے بعد میں نے قیاس آرائی کی۔

"جی ہاں۔ بچپن سے ہم ساتھ پلے بڑھے تھے، میری کوئی بہن بھی ہوتی تو شاید مجھے اس سے زیادہ عزیز نہ ہوتی۔" اس نے اپنی گھبراہٹ پر خاصی حد تک قابو پا لیا تھا۔

"بھائی کتنے ہیں آپ کے؟" میں نجانے کیوں اس لڑکی کی اصلیت کا کھوج لگانے پر تل گیا تھا۔

"میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہوں۔" یہ کہہ کر وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی جس کا مطلب تھا کہ وہ اس موضوع پر مزید گفتگو نہیں کرنا چاہتی تھی۔

طیارے کی ہر نشست کے اوپر انگریزی اور جرمن زبان میں تمباکو نوشی کی ممانعت اور حفاظتی بند باندھنے کی ہدایات روشن تھیں۔ طیارے سے سیڑھیاں وغیرہ شاید ہٹائی جا چکی تھیں کیونکہ فضا میں طیارے کے جیٹ انجنوں کا شور گونجنے لگا تھا اور کیبن کریو ٹیک آف کی تیاریوں میں مصروف تھا۔

مقررہ وقت پر طیارہ کپتان کے اعلان کے بعد حرکت میں آ گیا اور ٹارمک پر دھیمی رفتار سے ٹیکسی کرتا ہوا اپنے ٹیک آف رن وے کی طرف بڑھنے لگا۔ میں بظاہر لڑکی کی طرف سے بے پروا بنا ہوا تھا لیکن کن انکھیوں سے اس کی اضطراری حرکات کا جائزہ لے رہا تھا۔

رن وے کے سرے پر طیارہ چند ثانیوں کے لیے ٹھہرا، کیبن کریو نے اپنی نشستیں سنبھالیں اور طیارہ پوری رفتار سے رن وے پر دوڑتا ہوا قلیل سی مدت میں تیزی سے فضا میں بلند ہوتا چلا گیا۔

"بلندی سے شہر کی روشنیاں کس قدر خوبصورت اور ترتیب وار نظر آتی ہیں۔" لڑکی نے میری طرف متوجہ ہوتے ہوئے گہرا سانس لے کر کہا۔ شاید اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس نے خود کوئی نیا موضوع نہ چھیڑا تو میں وہیں سے گفتگو کا آغاز کر دوں گا جہاں سے ذرا دیر پہلے سلسلہ ٹوٹا تھا۔

"بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو دور سے بہت حسین اور سہانی نظر آتی ہیں مگر قریب جانے پر ان کی دلفریبی کی آڑ میں ہزار برائیاں اور خامیاں پوشیدہ نظر آتی ہیں۔ سچ بتائیں کیا ہمارا شہر واقعی اسی قدر خوبصورت ہے جتنا اس وقت نظر آ رہا ہے؟"

"نہیں۔" اس نے اگلی نشست کی جیب سے ہنگامی ہدایات والا کارڈ نکالتے ہوئے کہا۔ "نہ جانے کیوں، مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ آپ ذومعنی باتیں کرنے کے عادی ہیں۔"

"یہ نتیجہ کیسے اخذ کر لیا آپ نے؟" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"شاید آپ مجھے یہ احساس دلانا چاہ رہے ہیں کہ میں جس سہیلی سے ملنے کے لیے اتنا لمبا سفر مول لے بیٹھی ہوں، ملاقات ہونے پر وہ پہلے جیسی مخلص ثابت نہیں ہوگی۔" اس نے اپنی وضاحت سے مجھے خود ہی راہ دے دی۔ میں نے اس سے دانستہ ذومعنی بات کی تھی لیکن اس نے جو نتیجہ اخذ کیا تھا، وہ میرے ذہن کے کسی دور دراز گوشے میں بھی موجود نہیں تھا۔

"میرا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا کیونکہ تمباکو نوشی کی ممانعت کے الفاظ مترنم گھنٹی کی آواز کے ساتھ معدوم ہو چکے تھے۔ "دراصل یہ خود آپ کے خدشات ہیں جنہیں آپ میری ذات سے وابستہ کر رہی ہیں، میں نے تو دور کے ڈھول سہانے والے محاورے کی سیدھی سی وضاحت کی تھی، مجھے کیا پڑی ہے کہ میں آپ کے ذاتی معاملات میں مداخلت کروں۔ کہنا ہی چاہتا تو میں یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ صرف سہیلی سے ملاقات کے لیے ہزاروں میل کے سفر والی بات میرے حلق سے نہیں اترتی، اس کے پس پردہ کوئی اور مقصد کارفرما ہے لیکن میں نے یہ نہیں کہا۔ اگر آپ کسی بات کو اپنی ذات تک محدود رکھنا چاہتی ہیں تو مجھ جیسے اجنبی کو اس میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔"

وہ یک بیک مضطرب نظر آنے لگی۔ "نہیں، آپ کھل کر بات کر سکتے ہیں، اتنی دیر کی گفتگو کے بعد ہم اجنبی نہیں رہے ہیں، اگر ہم اپنے اپنے خول میں سمٹے رہے تو یہ سات آٹھ گھنٹے اکٹھے گزارنے دشوار ہو جائیں گے۔"

"اے مسٹر!" اچانک پچھلی نشست سے ایک تحقیر آمیز نسوانی آواز بلند ہوئی۔ پیچھے سے ابھرنے والی بڑبڑاہٹیں میں کئی سیکنڈ سے سن رہا تھا لہٰذا وہ آواز سنتے ہی اضطراری طور پر پلٹ پڑا۔ شوخ و شنگ اور ضرورت سے زیادہ میک اپ میں لدی ہوئی ایک ادھیڑ عمر خاتون اپنی پیشانی پر ہزاروں بل ڈالے ناک

کے آگے داہنی ہتھیلی کو پنکھے کی طرح لہراتے ہوئے میری طرف نگراں تھیں۔

"سگریٹ بجھا دیں"، خاتون نے ناگواری کے ساتھ حکم دیا۔ "آپ اس تنگ سی جگہ میں بھی چند گھنٹے سگریٹ کے بغیر نہیں گزار سکتے؟"

اس کا تحکم اور تنفر آمیز لہجہ میرے لیے ناقابل برداشت تھا، اگر وہ شرافت سے درخواست کرتی تو شاید میں سگریٹ بجھا ہی دیتا یا اپنی نشست بدل لیتا مگر اب مصالحت کا کوئی امکان نہیں رہ گیا تھا۔ میں نے اپنی اور برابر والی خالی نشست کی پشتگاہوں کی درمیانی جگہ سے پیچھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں پورا ٹکٹ لے کر اس جہاز پر سفر کر رہا ہوں اور ان نشستوں پر تمباکو نوشی کی کھلی اجازت ہوتی ہے، اگر دھواں آپ کو گراں گزر رہا ہے تو نو اسموکنگ ایریا میں جا کر بیٹھیں۔"

اس دوران میں ہماری اردو میں ہونے والی بحث سے لاعلم دو غیر ملکی قرب و جوار کی نشستوں پر سگریٹ جلا چکے تھے۔ ادھیڑ عمر عورت کا ساتھی بھیگی بلی بنا ہوا بیٹھا تھا۔ میں سیدھا ہوا تو عورت کی آواز آئی۔ "جان! دوسری جگہ تلاش کرو، یہاں تو سب ہی اسٹیم انجن بنے ہوئے ہیں، میرا تو دم گھٹ جائے گا۔"

طرز تخاطب سے ظاہر ہو گیا تھا کہ موصوف ان خاتون کے شوہر زوجہ نما تھے اور ان خاتون کے لیے دھوئیں کی بو سے زیادہ یہ احساس پریشان کن تھا کہ ان کے جہاز میں ان کی حکم عدولی کی جا رہی تھی۔

"بہت اچھا کیا" میرے ساتھ والی لڑکی دھیمی آواز میں بولی۔ "سگریٹ کا دھواں مجھے کبھی اچھا نہیں لگتا لیکن میں اس سے مر تو نہیں جاؤں گی۔ ایسے مقامات پر بہت سے سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں۔"

"تم کہو تو میں سگریٹ بجھا دوں۔" میں نے یک بیک بے تکلفی اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں، یہ تو ہرگز نہ بجھانا۔" اس نے میرے تخاطب کو تسلیم کرتے ہوئے خود بھی فوری طور پر وہی انداز اپنا لیا۔ "اس کا دماغ خراب ہو جائے گا۔ کہیں وہ غیر ملکیوں سے الجھ پڑی تو ہمیں بھی خفت اٹھانا پڑے گی۔ چین اسموکنگ نہ کرو تو میں اِکا دُکا سگریٹیں برداشت کرتی رہوں گی۔"

"شکریہ۔" میں نے مسکراتے ہوئے ایک گہرا کش لے کر دانستہ اس کا دھواں کیبن کی فضا میں اگل دیا۔ "تو تم کیا کہہ رہی تھیں؟ اور ہاں، تم نے ابھی تک نام بھی نہیں بتایا اپنا۔"

"میرا نام ایمی ہے... مس ایمی فرانسس۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اور مجھے اکبر کہتے ہیں۔" اس نے داہنا ہاتھ بڑھایا جو میں نے گرمجوشی کے ساتھ قبول کر لیا۔ اب تک اس کی قمیص شلوار سے میں اسے مسلمان سمجھتا رہا تھا لیکن نام معلوم ہوتے ہی اس کا مذہب بھی سامنے آگیا تھا، مجھے خوشی ہوئی تھی کہ کرسچین ہونے کی بنا پر وہ شاید مے نوشی میں بھی میرا ساتھ دے سکے گی۔

"تم کچھ نہ کہنے کی آڑ میں بہت کچھ کہہ گئے ہو۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد وہ سنجیدگی کے ساتھ بولی۔ "دراصل اس وقت میں بہت پریشان ہوں، سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ اب ہم سفر کی صورت میں تم جیسا سمجھ دار ساتھی ملا ہے تو چاہتی ہوں کہ کھلے دل سے چند باتیں کر لی جائیں۔"

"ضرور کرو، مشورے کی حد تک تم مجھے مخلص پاؤ گی۔" میں نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا۔

"تم نے ٹھیک اندازہ لگایا ہے کہ میں کسی سہیلی سے ملنے نہیں جا رہی۔ دراصل یہ میرا ایک تفریحی دورہ تھا لیکن عین موقع پر گڑبڑ ہو جانے کی وجہ سے اب میں مجبوراً سفر کر رہی ہوں۔" اس نے سوچتے ہوئے کہا۔

"ایسی کیا مجبوری پیش آگئی؟" میں اس کی کہانی میں دلچسپی محسوس کر رہا تھا۔

"کہانی ذرا لمبی ہے۔ تم بور تو نہیں ہو جاؤ گے؟"

"تم شروع کرو، بوریت محسوس ہوئی تو آگاہ کر دوں گا۔" میرے اور اس کے درمیان تکلف کی دیوار تیزی کے ساتھ گرتی جا رہی تھی جس کا دونوں کو ہی بخوبی احساس تھا۔

"یہ سارا کیا دھرا میرے ایک مسلمان بوائے فرینڈ کا ہے۔" وہ بتانے لگی۔ "میں شہر کے ایک دفتر میں کام کرتی ہوں اور اپنے وسائل سے ایسی کسی سیاحت کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ ہمارے معیارِ زندگی کا اندازہ تم اس بات سے لگا لو کہ میں دفتر آنے جانے کے لیے بسوں میں سفر کرنے کی عادی ہوں مگر میرا بوائے فرینڈ مجھے نئی ہنڈا کار ڈ میں شہر کی بہترین تفریح گاہوں اور مہنگے ہوٹلوں میں لے جاتا رہا ہے۔ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے، میرے گھر والے راضی ہیں مگر اس کے والدین کے لیے کرسچین بہو ناقابلِ قبول ہے مگر وہ یہ جانتے ہیں کہ ان کا بیٹا ایک عیسائی لڑکی میں دلچسپی لے رہا ہے۔ اس گھٹن سے اکتا کر موسیٰ نے میرے ساتھ روم جانے کا پروگرام طے کیا، اس کا خیال تھا کہ وہاں شادی رچانے کے دو تین ماہ بعد وہ گھر لوٹے گا تو اس کے والدین کو مجبوراً مجھے قبول کرنا ہوگا۔ میرے گھر والوں نے مجھے اس کے ساتھ سفر کی اجازت دے دی، آج ہم دونوں سامان لے کر ساتھ ہی ایئرپورٹ پہنچے تھے لیکن ٹرالی میں سامان لے جاتے ہوئے اسے بھیڑ میں اپنا باپ نظر آگیا جو شاید کوئی خبر مل جانے کی وجہ سے اسی کی تلاش میں آیا تھا۔ موسیٰ اپنے کروڑپتی باپ کے غصے اور وسائل سے ڈرتا ہے، اس نے عجلت میں مجھے اپنا سفر جاری رکھنے کا مشورہ دیا اور اپنا ٹکٹ لے کر بوکھلاہٹ میں واپس چلا گیا۔ اس نے مجھے روم کے ایک ہوٹل کا پتا دیا ہے، وہ کل مجھے وہاں فون کرے گا اور موقع پا کر پہلی فرصت میں مجھ سے وہیں آملے گا۔ اسے ڈر تھا کہ وہ جہاز میں سوار ہو بھی گیا تو اس کا باپ اسے بے عزت کر کے طیارے سے اتروا لے گا اور ایک بار رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کے بعد وہ زندگی بھر مجھ سے شادی کے بارے میں سوچ بھی نہ سکے گا۔ آخری لمحات پر ہونے والی اس گڑبڑ نے میرا دماغ ماؤف کر کے رکھ دیا جس کے نتیجے میں میں تمہارے ساتھ سفر کر رہی ہوں۔"

"موسیٰ کا سامان کہاں ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"میرے ہی ساتھ ہے۔ سامان کیا، بس ایک مختصر سا سوٹ کیس ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ جب وہ دو چار دن میں پہنچنے ہی والا ہے تو سامان میرے ساتھ نکل جانا چاہیے تاکہ وہ موقع ملتے ہی بے فکری کے ساتھ کراچی سے روم کے لیے روانہ ہو سکے مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"میرا خیال ہے کہ تم موسیٰ کی سازش کا شکار ہوئی ہو، وہ تم سے شادی کے بارے میں ہرگز سنجیدہ نہیں ہے نہ وہ روم پہنچے گا۔ اسے تم سے جو کام لینا تھا، وہ اپنی دانست میں لے چکا ہے۔ یہ بتاؤ کہ موسیٰ واپس بھاگ گیا تو اس کے باپ نے تم کو کیوں نہیں گھیرا؟"

"وہ مجھ سے واقف ہی نہیں ہے، نہ میں نے کبھی اس کی صورت دیکھی ہے، کبھی کبھار وہ اس کا ذکر ضرور کرتا رہتا تھا۔"

"پھر یہ کیسے پتا چلا کہ اس کا باپ واقعی ایئرپورٹ پر پہنچا ہوا تھا؟"

"موسیٰ نے ہی بتایا تھا۔ وہ اپنے باپ کی موجودگی سے خوفزدہ ہو کر اتنی عجلت میں ایئرپورٹ سے بھاگا تھا کہ میں اس سے یہ بھی نہ کہہ سکی کہ وہ دور سے اپنے باپ کی صورت ہی دکھا جائے۔"

"اور تمہارے گھر والے موسیٰ کو جانتے ہیں؟"

"بس اسی حد تک کہ وہ میرا بوائے فرینڈ ہے۔ یہ گھر والے اس سے ملنا چاہتے تھے لیکن وہ کبھی میرے ساتھ گھر نہیں گیا، اس کا کہنا تھا کہ کسی شناسا نے اسے میرے گھر آتے جاتے دیکھ کر اس کے باپ کو خبر کر دی تو وہ علاقہ پولیس کے ذریعے ہمارے گھرانے کو اس قدر تنگ کرے گا کہ شاید ہم شہر چھوڑنے پر مجبور کر دیے جائیں جب کہ موسیٰ مجھے ہر وقت اپنی نگاہوں کے سامنے دیکھنا چاہتا تھا۔ مناسب موقع آنے سے پہلے وہ ہر طرح محتاط رہنا چاہتا تھا۔"

"اور شہر کے ہوٹلوں اور تفریح گاہوں میں کسی نے اسے تمہارے ساتھ نہ دیکھا ہوگا؟"

"یہ میں نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ جو کچھ وہ کہتا رہا اس پر آنکھ بند کر کے یقین کرتی رہی۔ اب بھی اگر مجھے اکیلے سفر نہ کرنا پڑتا تو شاید میں اس کے بارے میں کسی الجھن کا شکار نہ ہوتی۔ تمہارے سوالات پر یاد آ رہا ہے کہ موسیٰ نے مجھے سختی سے تاکید کی ہوئی تھی کہ اپنے ساتھ کسی گھر والے کو ایئرپورٹ نہ لے جاؤں ورنہ معاملہ بگڑ جائے گا۔ اس نے مجھے سوٹ کیس سمیت فلیٹ کلب سے ساتھ لیا تھا۔ اس وقت یہ سب ایڈونچر محسوس ہو رہا تھا لیکن اس کی موجودگی کا طلسم ٹوٹتے ہی ہر بات کچھ مضحکہ خیز سی نظر آنے لگی ہے۔"

"اگر وہ اسی قدر اجنبی تھا تو تمہارے ساتھ اس کی دوستی کیسے ہو گئی تھی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ایک دن چھٹی کے بعد گھر واپسی کے لیے بس کے انتظار میں اسٹاپ پر کھڑی ہوئی تھی کہ اس نے گاڑی میرے قریب روک کر لفٹ کی پیشکش کی جو میں نے قبول کر لی۔ صدر تک پہنچتے پہنچتے ہم کافی گھل مل گئے اور اس نے اگلے دن آنے کا وعدہ کر کے مجھے ایمپریس مارکیٹ پر اتار دیا۔ اس کے بعد سے ہمارا یہ معمول بن گیا تھا کہ صبح میں بس سے دفتر جاتی اور شام کو وہ مجھے لینے کے لیے آجاتا اور چند گھنٹے ساتھ گزارنے کے بعد مجھے گھر کے پاس چھوڑ دیتا تھا۔"

"اس کی حیثیت کا اندازہ تم نے کس بات سے لگایا؟"

"لباس، رکھ رکھاؤ، گاڑی۔ پھر وہ بڑی فراخ دلی کے ساتھ پیسہ خرچ کرتا تھا۔ اس نے مجھے میری پسند کی کئی چیزیں دلوائیں، دو تین بار نقد رقم بھی لفافے میں بند کر کے میرے پرس میں ڈالی تھی۔"

"مقدر اچھا ہے کہ تم زنداں کے سفر سے پہلے مجھ سے مل بیٹھیں ورنہ اٹلی کی کوئی بدترین جیل ہی تمہارا ٹھکانا بنتی۔" میں نے نئی سگریٹ سلگاتے ہوئے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

ایمی کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ "تم کھل کر بات کیوں نہیں کرتے؟ میں نے کون سا جرم کیا ہے کہ مجھے جیل جانا پڑتا؟"

"تمہیں منشیات بلکہ ہیروئن کی اسمگلنگ کے لیے بڑی خوبصورتی کے ساتھ آلۂ کار بنایا گیا ہے۔ میں شرط لگا سکتا ہوں کہ موسیٰ کے مختصر سے سوٹ کیس میں کئی کلو ہیروئن پوشیدہ ہوگی، نہ اس کا باپ ایئرپورٹ پر آیا تھا نہ اسے تم سے عشق ہے۔ اس نے سب کچھ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کیا۔ تم اٹلی میں کسٹم

والوں سے بچ نکلیں تو تمھاری مفت کی سیاحت کے ساتھ موسٹی کے وارے کے نیارے ہو جائیں گے، پکڑی گئیں تو تمھاری زندگی تباہ ہوگی، موسٹی کی نشاندہی کوئی نہ کر سکے گا۔ تمھیں تو اس نے اپنا گھر بھی نہ دکھایا ہوگا۔"

اس خوف ناک انکشاف پر اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ "گھر تو واقعی مجھے معلوم نہیں مگر اس کی کار کا نمبر یاد ہے۔۔"

"وہ جعلی رہا ہوگا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"لیکن سوٹ کیس میرے قبضے میں ہے، اسے فائدہ کیسے ہوگا؟"

"ہوٹل کا پتا اس نے اسی لیے فراہم کیا ہے۔ کل وہ تمھیں فون کر کے مزید سبز باغ دکھائے گا اور آخر کار سوٹ کیس کسی خاص آدمی کے حوالے کرنے کی ہدایت دے گا۔ سوٹ کیس مطلوبہ آدمی تک پہنچتے ہی تمھارا کردار ختم ہو جائے گا۔"

"مگر میں سوٹ کیس اسے دوں ہی کیوں؟"

"یہ تم مجھ سے گفتگو کے بعد کہہ رہی ہو۔ اگر بے خبری میں کسٹم سے سوٹ کیس نکال لے جانے میں کامیاب ہو جاتیں تو عشق اور ایک کروڑپتی کے لڑکے سے شادی کے سنہرے خواب کی رَو میں ہر وہ بات کر گزرتیں جس کی موسٹی ہدایت دیتا۔ یہ لوگ اپنے مال کے بارے میں بہت بے رحم اور سخت گیر ہوتے ہیں۔ اگر کسی وجہ سے تم سوٹ کیس دینے سے انکار کر دیتیں تو روم کی زیرِ زمین دنیا کے خونی بھیڑیے تمھاری راہ پر لگ جاتے اور تمھارا انجام ایسا عبرت ناک ہوتا کہ تم جیل اور سزا کو اس کے مقابلے میں جنت تصور کرنے پر مجبور ہو جاتیں۔"

"نہیں، میں ایسے بھیانک انجام سے دوچار نہیں ہونا چاہتی۔ تم فرشتہ بن کر آئے ہو تو میری مدد کرو، مجھے بتاؤ کہ اس انجام سے بچنے کے لیے مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

"پہلی اور سب سے سیدھی بات یہ ہے کہ موسٹی کے دیے ہوئے سوٹ کیس کو بھول جاؤ۔۔۔" میں نے اسے سمجھانا چاہا مگر اس نے میری بات کاٹ دی۔

"میں سب کچھ بھول جانے کو تیار ہوں، تمھاری ذات میں مجھے بڑا بھرپور اعتماد نظر آرہا ہے کیا یہ ممکن نہیں کہ تم بھی میرے ہی ساتھ اتر جاؤ۔"

"ناممکن۔" میں نے مایوسانہ انداز میں کہا۔ "تمھارا ٹکٹ روم تک کا ہے تم روم میں اترے بغیر لندن تک سفر کا ٹکٹ حاصل نہیں کر سکتیں۔ میرا ٹکٹ لندن تک کا ہے، میں اچانک روم میں اپنا سفر ختم نہیں کر سکتا اوّل تو اٹلی کا ویزا ضروری ہے جو اتفاق سے میرے پاسپورٹ پر لگا ہوا ہے پھر حفاظتی وجوہ آتی ہیں۔ کسی مسافر کی یوں اچانک روپوشی سے اس دور میں یہی شبہ کیا جاتا ہے کہ کہیں وہ اپنے سامان میں تخریب کاری کا مواد نہ چھوڑ گیا ہو۔ ایسی غلطی کر بیٹھا تو اٹلی کی پولیس سے مجھے اپنی جان چھڑانا مشکل ہو جائے گی۔"

"مجھے تو اب خوف آرہا ہے۔ نہ جانے وہ کون سا لمحہ تھا جب میں نے اس سفر پر آمادگی ظاہر کی تھی۔"

"جو ہو چکا اسے بھول جاؤ۔" میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ "اور اپنے اوسان بحال رکھ کر آنے والی دشواریوں کے سدِباب کی کوئی راہ سوچو۔ سب سے مناسب ترکیب یہی ہے کہ تم روم میں اتر جاؤ، اپنا سوٹ کیس سنبھالو اور موسٹی کے دیے ہوئے سوٹ کیس کو لاوارث چھوڑ کر اسی ہوٹل میں قیام کرو جس کا پتا موسٹی نے دیا ہے۔ کل یقیناً اس کا فون آئے گا۔ سوٹ کیس کی بات کرے تو تم اس سے کہہ سکتی ہو کہ اس کے سوٹ کیس پر منشیات کا سراغ لگانے والے کتوں نے خون آشام انداز میں حملہ کیا تھا لہٰذا تم نے خوفزدہ ہو کر سوٹ کیس کو ائیرپورٹ پر ہی چھوڑ دیا۔ یہ اس کی اپنی ذمّے داری ہوگی کہ وہ روم ائیرپورٹ سے سوٹ کیس نکلوائے یا اپنے ناکام منصوبے پر سر پیٹ کر رہ جائے۔ اس کے علاوہ کوئی اور کہانی غیر محفوظ ہوگی۔"

"اگر وہ واقعی اتنا خود غرض اور ہیروئن کا اسمگلر ہے تو وہ مجھے معاف نہیں کرے گا۔ وہ فوراً روم میں اپنے آدمیوں کو فون کرے گا اور وہ مجھے ہوٹل سے اٹھا لے جائیں گے۔ وہ ہوٹل تو میرے لیے جال ثابت ہو سکتا ہے جس سے میں کوشش کے باوجود نہ نکل سکوں گی۔"

"تمھارا خیال بالکل درست ہے۔ موسٹی سے فون پر گفتگو ہوتے ہی تم پر اس کی گھناؤنی اصلیت ظاہر ہو جائے گی تم اسی وقت ہوٹل تبدیل کر سکتی ہو یا روم میں مزید کوئی کام نہ ہو تو کسی بھی ائیرلائن کا ٹکٹ خرید کر پہلی پرواز سے لندن روانہ ہو سکتی ہو۔"

"مگر میرے پاس برطانیہ کا ویزا نہیں ہے۔" اس وقت وہ ذہنی طور پر مفلوج ہو کر رہ گئی تھی حالانکہ سفر اور گفتگو کے آغاز میں وہ خود کہہ چکی تھی کہ روم کے بعد اس کا لندن کی سیر کا ارادہ تھا۔

میں نے اسے اس کی ابتر ذہنی حالت کا احساس دلانا مناسب نہ سمجھا اور دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "ہم دولتِ مشترکہ میں نہیں رہے ہیں لیکن پھر بھی ہمیں برطانیہ کے لیے ویزا کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"لیکن وہاں میں تم کو کیسے تلاش کر سکوں گی؟" وہ اس وقت ہر بات اور تجویز کے منفی پہلوؤں پر خاص طور پر توجہ دے رہی تھی۔

"موسٹی کی طرح میں بھی تمھیں ایک ہوٹل کا پتا دے دوں گا اور مناسب وقفوں سے وہاں چیک کرتا رہوں گا۔ میں نہ بھی ملوں تو لندن میں تمھیں کوئی خوف نہیں ہونا چاہیے موسٹی کے وہم و گمان میں بھی نہ آسکے گا کہ تم اتنی قلیل مدت میں روم سے لندن پہنچ گئی ہوگی۔"

"لیکن میرے لیے موسٹی کے بتائے ہوئے ہوٹل میں ٹھہرنا کیوں ضروری ہے؟" چند ثانیوں تک خاموشی سے سوچتے رہنے کے بعد وہ بولی۔ "کیوں نہ اسے انتظار کی خلش میں مبتلا رکھوں؟"

"اگر تمھارا پاکستان واپس جانے کا ارادہ نہیں ہے یا تمھیں اپنے گھر والوں کی سلامتی عزیز نہیں ہے تو ضرور ایسا کرو ورنہ یہ بھول کہ موسٹی بنیادی طور پر ایک بُرا آدمی ہے تمھیں اس کی نگاہوں میں اپنی ذات کو ہر شبہے سے بالا رکھنا ہوگا تاکہ وہ تمھاری نیت پر شبہ نہ کر سکے۔ سوٹ کیس کی اصلیت اس نے تم سے چھپائی ہے لہٰذا اس کے کہے کے رشتے پر وہ براہِ راست تم سے بازپرس نہ کر سکے گا۔"

اس اثنا میں طیارے کی راہداریوں میں مشروبات کی ٹرالیاں حرکت میں آچکی تھیں، میں نے اسکاچ کا انتخاب کیا مگر ایمی بیئر سے آگے بڑھنے پر راضی نہ ہوئی۔

"فرصت ہو تو چند منٹ مجھے بھی درکار ہیں۔" مشروبات کی ٹرالی گزرتے ہی سلطان شاہ مسکراتا ہوا میرے سر پر آکھڑا ہوا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے لڑکی کو دیکھا ہی نہ ہو۔

"یہیں بیٹھ جاؤ۔" میں نے اپنے برابر والی خالی نشست کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

سلطان شاہ اپنی نشست سے جوس کا مختصر گلاس لے کر تیسری نشست پر آگیا۔

"یہ کون ہے؟" ایمی میرے کان کے نیچے منمنائی۔ "میں تو اب تک تمھیں اکیلا ہی سمجھ رہی تھی۔"

"اکیلا ہی ہوں۔" میں نے اپنے لبوں کو ترکرتے ہوئے ہنس کر کہا۔ "ہزار مردوں کی بھیڑ میں بھی ہر مرد خود کو تنہا اور خالی خالی محسوس کرتا ہے، ویسے یہ میرا دوست علی شیر ہے۔" میں نے سلطان شاہ کا پاسپورٹ والا نام دہراتے ہوئے کہا۔ "اور یہ مس ایمی فرانسس ہیں، شاید اینگلو پاکستانی۔"

میں نے آخری فقرہ ادا کرتے ہوئے تائید طلب نگاہوں سے ایمی کی طرف دیکھا اور وہ بے اختیار بول پڑی۔ "میں خالص پاکستانی ہوں، میرے والدین ضرور اینگلو انڈین تھے۔"

"پرانی شناسائی معلوم ہوتی ہے۔" سلطان شاہ معنی خیز لہجے میں بولا۔

"یہ روم جارہی ہیں، شاید بعد میں لندن میں بھی ملاقات ہو جائے۔"

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔" سلطان شاہ نے اس کی طرف جھک کر شائستگی کے ساتھ کہا۔ "لندن میں مل کر مزید خوشی ہوگی۔"

"اور مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ تم دونوں صورت سے پڑھے لکھے نظر آئے اور لندن جاتے کے باوجود انگریزی کے بجائے اردو بول رہے ہو ورنہ بیشتر پڑھے لکھے پاکستانی مجھے دوغلی نسل کی لڑکی سمجھتے ہی الٹی سیدھی انگریزی پر اتر آتے ہیں۔"

"اسے قابلیت کا ہیضہ کہتے ہیں۔" میں نے آتشیں سیّال میں گھلتے ہوئے برف کے ڈلوں پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "تمھاری اردو دانی سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمھارے والدین بھی اردو بولتے ہوں گے۔"

"نہیں۔" وہ بیئر کا گھونٹ لے کر بولی۔ "سمجھ لیتے ہیں مگر بولنے میں دشواری ہوتی ہے، ہوش سنبھالنے کے بعد سے ہی انھیں انگریزی میں لڑتے جھگڑتے دیکھتی آئی ہوں۔"

شاید بیئر نے اسے خاصا ذہنی سکون پہنچایا تھا کیوں کہ گلاس خالی ہونے تک وہ اپنی مشکلات کو بھول کر خاصی چہکنے لگی تھی۔ میں اپنا گلاس خالی کر کے دوسرے پیگ کے لیے کچن کی طرف ہولیا اور سلطان شاہ بھی میرے پیچھے لگ گیا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ عورتیں تم سے اتنا کیوں چپکتی ہیں۔" چند قدم آگے نکل آنے کے بعد اس نے تبصرہ کیا۔

"عورتیں سماجی جانور ہوتی ہیں جہاں انھیں ہمدردی کے دو بول مل جائیں وہیں ڈھیر ہو جاتی ہیں اور یہ تو بڑی نفرت انگیز سازش کا شکار ہوئی ہے۔"

"وہ کیا؟" اس نے حیرت سے منہ پھاڑ دیا۔

"چلے آؤ، ابھی بتاتا ہوں۔"

لفت ہنسا واقعی مہمان نواز ائیرلائن تھی، اسکاچ کی دوسری ننھی سی بوتل بلا تامل دے دی گئی اور جب میں نے اس فاضل عیاشی کے دام ادا کرنے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا تو ہوسٹس نے مسکرا کر مجھے منع کر دیا۔ "تم ہمارے مہمان ہو، یہ ہماری طرف سے ہوتا ہے۔" اس نے انگریزی میں کہا تھا۔

بوتل گلاس میں خالی کر کے میں نے اس میں برف کے دو ڈلے ڈلوائے اور وہیں راستے سے ہٹ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

حقیقت یہ تھی کہ ایمی کے معاملے میں میں اپنی کامیابی

پر رشک کر رہا تھا۔ اگر وہ غلطی سے میری نشست پر نہ بیٹھ جاتی تو نہ اس سے تعارف ہوتا اور نہ اسے ہوشیار کرنے کا موقع ملتا، وہ اطمینان سے ہیروئن کی قابلِ ذکر مقدار روم میں انجانے طور پر کسی گروہ کو پہنچا دیتی یا بے خبری میں کسٹم والوں کے شکنجے میں آجاتی۔

یہ درست تھا کہ ہیروئن کی تیاری کے لیے بہت سا بنیادی خام مال باہر سے آتا تھا۔ افغانستان کے نظم و نسق سے آزاد تہ در تہ پہاڑی سلسلوں میں کاشت کی جانے والی ٹنوں افیون سرحد پار ہیروئن بنانے کے کارخانوں میں لائی جاتی تھی۔ پھر افیون کو اس کے ہولناک الکلائڈ میں تبدیل کرنے کے لیے استعمال کی جانے والی تمام کی تمام سائیکوٹراپک ادویات یا عام طور پر کیمیکل کہلائے جانے والے مرکبات ترقی یافتہ مغربی ممالک سے برآمد کیے جاتے تھے مگر ایک ملک کی حیثیت سے ہیروئن کی تیاری اور برآمد میں پاکستان کا نمایاں حصہ تھا۔

اس گھناؤنے کھیل میں جمی لائیڈ کے بے ضمیر تنخواہ دار ملوث رہے ہوں یا چھوٹے موٹے افراد اور گروہ۔ میرے نزدیک وہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے۔ اس اعتبار سے موسی بھی ان ہی کی صفوں کا آدمی تھا جس نے ایمی جیسی محبت سے ترسی ہوئی لڑکی کو اپنی بے پناہ چاہت اور دولت کی چکا چوند میں الجھا کر اپنا آلۂ کار بنانے میں کامیابی حاصل کر لی تھی مگر میں نے پاکستان سے باہر نکلتے نکلتے بھی ایمی کو پورے کھیل سے آگاہ کر کے اس کی بساط الٹ دی تھی۔

میرے لیے وہ ایک مشن تھا جس میں ہر کامیابی خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی، اپنی جگہ اہم تھی۔ میں نے اختصار کے ساتھ سلطان شاہ کو ایمی کی سنسنی خیز کہانی سے آگاہ کیا تو اس ناقابلِ یقین اتفاق پر وہ ششدر رہ گیا کہ اتنے بڑے جہاز کے مسافروں میں ایمی اسی شخص سے ٹکرائی تھی جو ہیروئن اور ہیروئن فروشوں کی بیخ کنی پر تُلا ہوا تھا۔

"اور اس نے تمھاری باتوں میں آکر اپنے محبوب پر لعنت بھیج دی۔" اس نے میرے خاموش ہونے پر حیرت کے ساتھ سوال کیا۔ دوسرے مسافروں کی آمد و رفت کی وجہ سے اس کا لہجہ دھیما ہی تھا۔

"ہر بات منطقی ہے، وہ میرے ایک اندازے کو بھی نہ جھٹلا سکی۔ موسٰی نے اس پر اپنی ذات کا ایسا سحر باندھا تھا کہ جب تک وہ اس سے ملتی رہی اس کی ہر بات کو من و عن تسلیم کرتی رہی مگر اس سے الگ ہوتے ہی وہ اس کی مکاریاں سمجھنے لگی ہے، مجھے خوشی ہے کہ میں نے اس کی زندگی تباہ ہونے سے بچالی۔"

"خدا کرے کہ تمھاری یہ خوش فہمی دیرپا ثابت ہو۔" اس نے دعائیہ انداز میں کہا۔ "ایسی جذباتی عورتوں کی کھوپڑیاں الٹی ہوتی ہیں، اگر پاکستان واپسی پر موسٰی اس سے پھر ملا تو وہ اس کی معصومیت کی قائل ہو جائے گی اور تم شاید اپنا سر پیٹتے رہ جاؤ گے۔"

"محض اسی خدشے کی وجہ سے میں نے اسے روم کے طے شدہ ہوٹل میں قیام پر آمادہ کیا ہے تاکہ اس پر موسٰی کی اصلیت ظاہر ہو سکے۔ بات شبہات تک رہتی تو وہ اپنی رائے کبھی بھی بدل سکتی تھی۔" میں نے کہا۔

"اگر وہ روم جا ہی رہی ہے تو کیوں نہ ڈان مرسیانو کا سراغ بھی لگاتی آئے۔" سلطان شاہ نے رائے دی۔

"میں نے سوچا تھا لیکن اس طرح وہ دشواریوں میں پڑ سکتی ہے۔ میں تنظیم سے بہت دنوں سے کٹا ہوا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ موسٰی ان ہی لوگوں میں سے رہا ہو۔ اس کے معاملے میں ملوث ہونے کی وجہ سے ایمی کی ذات بہت مخدوش ہو گئی ہے۔ وہ ڈان مرسیانو جیسے گھاگ کے ہاتھ لگ گئی تو وہ کسی تشدد کے بغیر اس سے سب کچھ اگلوا لے گا۔"

"اگر میں علی شیر ہوں تو تم اس کے لیے اکبر ہی ہو گے؟" اس نے تائید طلب لہجے میں سوال کیا۔

"ظاہر ہے کہ اب ہمارے یہی نام ہیں۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "یہ بات ہمیں ہر لمحے یاد رکھنا ہوگی۔"

"ہم پہلے اتریں گے یا وہ؟" اس نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

میں نے بمشکل اپنا قہقہہ ضبط کیا۔ "روم فرینکفرٹ سے بہت پہلے آتا ہے۔ دیکھو وہاں کیا ظہور میں آتا ہے، شاید تمھیں علم نہ ہو کہ مغربی دنیا میں مافیا کا ہیڈ کوارٹر اٹلی ہی میں ہے۔"

"ہوا کرے، مجھے کون سی اس کی رکنیت لینا ہے۔" اس نے بے پروائی سے کہا اور میں اسے گھورتا ہوا اپنی نشست کی طرف واپس چل دیا۔

ایمی اپنی نشست کی پشت گاہ پیچھے کیے کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"میں سوچ رہی ہوں کہ روم ایئرپورٹ پر کیوں نہ اپنا سوٹ کیس بھی چھوڑ دوں۔" میرے پہنچتے ہی اس نے یوں سوال کیا جیسے میرے جانے کے بعد اسی بارے میں سوچتی رہی ہو۔

"کیوں؟ کیا اس نے تمھارا سوٹ کیس کھولا تھا؟" میں نے سوال کیا۔

"نہیں، لیکن پھر بھی احتیاط ضروری معلوم ہوتی ہے۔" وہ ہولے سے بولی۔

"یہ احتیاط گلے بھی پڑ سکتی ہے۔ تم بلا وجہ لوگوں کی نظروں میں آجاؤ گی۔ بین الاقوامی پرواز سے کسی نئے ملک میں پہنچنے والے غیر ملکی کا ایئرپورٹ کی عمارت سے خالی ہاتھ باہر نکلنا بہتوں کو الجھن میں ڈال سکتا ہے۔"

"مجھے تو یہ سوچ سوچ کر وحشت ہو رہی ہے کہ میں اتنے دنوں تک منشیات کے ایک اسمگلر کے ہاتھوں میں کھلونا بنی رہی ہوں۔" وہ گہرا سانس لے کر بولی۔

"ذہن پر زیادہ زور نہ دو، ایسا نہ ہو کہ عین موقع پر تمھارے اعصاب جواب دے جائیں۔" میں نے اسے مشورہ دیا۔ "اور ایک بات ضرور یاد رکھنا کہ اپنا سوٹ کیس لیتے ہی اس کا ٹیگ نمبر دیکھ کر اپنے ٹکٹ سے چپکا ہوا دوسرا ٹیگ ضائع کر دینا۔ بعض اوقات کوئی چھوٹی سی بھول بھی بڑی پریشانی کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تمھارا یہ احسان کیسے اتار سکوں گی۔" اس نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں کہا اور پشت گاہ سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

*

روم کا ہوائی اڈا کراچی سے زیادہ مختلف ثابت نہیں ہوا تھا۔ [illegible] زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں تھی اور طیارے سے اُترنے کے لیے مسافروں کو سیڑھیاں استعمال کرنا پڑی تھیں جہاں سے وہ بس میں سوار ہو کر ٹرمینل کی عمارت کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ روم میں طیارے سے اُترنے والے مسافروں کی تعداد کافی تھی جب کہ وہاں سے سوار ہونے والے بہت کم تھے اور ... ایئرپورٹ کو دیکھتے ہوئے ان معاشی اسباب کا اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا جن کی بنا پر اٹلی کا شمار یورپ کے غریب ترین ملک کے طور پر ہوتا تھا۔

جتنی دیر وہاں طیارے کی فیولنگ اور چیکنگ ہوتی رہی، طیارے میں نشہ آور مشروبات کی سروس موقوف رہی۔ مسافروں کو اس عرصے میں طیارے سے اُترنے کی اجازت نہیں تھی لہٰذا میں دروازے پر کھڑا گندمی مائل سُرخ رنگت والے مقامیوں کی سرگرمیوں کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر میں ایک ایئر ہوسٹس سے گفتگو میں مصروف ہو گیا۔ اس نے میری فرمائش پر مجھے اسکاچ کے بجائے جُوس کا گلاس دیتے ہوئے بتایا کہ دورانِ سفر کہیں بھی لینڈ کرتے ہوئے طیارے کے عملے کو ڈیوٹی وغیرہ کے نفاذ کے باعث ہر قسم کی اسپرٹ اور الکحل کا گوشوارہ تیار کرنا ہوتا ہے جس میں کوئی بھی کمی بیشی قابلِ مواخذہ ہوتی ہے لہٰذا طیارے کے دوبارہ ٹیک آف سے قبل کسی بھی قسم کی شراب مسافروں کو نہیں دی جاتی۔

ایمی مجھ سے جذباتی انداز میں رخصت ہوئی تھی اور چند گھنٹوں کی رفاقت میں میرے وجود میں کسی غیر مرئی سی کمی کا موہوم سا احساس چھوڑ گئی تھی جس کا ازالہ میں ایئر ہوسٹس کی پیشہ ورانہ مسکراہٹوں سے کر رہا تھا۔

روم سے پرواز کرتے ہوئے سلطان شاہ میرے ساتھ والی نشست پر مستقل براجمان ہو گیا۔ اپنے پہلے بین الاقوامی سفر پر وہ خاصا خوش اور پُرجوش نظر آرہا تھا۔

پھر جب فرینکفرٹ پر پرواز کا اختتام ہوا تو اس کی حیرت دیدنی تھی۔ طیارے کے دروازے کے قریب پہنچتے ہی جب نیچے اُترنے والی سیڑھیوں کی جگہ ٹیلی اسکوپک گینگ وے نظر آیا تو وہ کچھ بوکھلایا ہوا سا نظر آنے لگا۔ اس چوکور سرنگ کا دوسرا دہانہ ٹرمینل کی عالیشان عمارت سے منسلک تھا۔ وسیع و عریض راہداریوں کے وسط میں بھاری سامان کے ساتھ عمارت کے دور افتادہ حصوں میں آمد و رفت کے لیے بھاری مشینی کنوے چل رہے تھے۔ عمارت میں ہر طرف اطلاعی نشانات جرمن زبان میں لگے ہوئے تھے۔ گزرنے والا مقامی عملہ بھی بلا استثنٰی جرمن بول رہا تھا۔

لیکن نشانات اس قدر واضح اور علامتی تھے کہ ہم ان کے سہارے نکاسی کے راستے پر پہنچ گئے جہاں محافظوں سے گزر کر بارڈر پولیس کے دفتر سے رجوع کرنا پڑا کیوں کہ... لفت ہنسا کے ٹرانزٹ مسافروں کے لیے بھی رات بھر قیام کے لیے چوبیس گھنٹوں کا عارضی ویزا حاصل کرنا لازمی تھا۔

باوردی جرمن افسر سے گفتگو کرتے ہوئے میرے ذہن میں بے اختیار ہٹلر کا تصور اُبھر آیا۔ وہ مجھ سے مسکراتے ہوئے خلیق انداز میں انگریزی میں بات کر رہا تھا مگر اس میں انکساری کی جگہ نخوت سی نمایاں تھی، جیسے وہ واقعی خود کو نطشے کا فوق البشر تصور کر رہا ہو۔

اس نے یکے بعد دیگرے ہم دونوں کے ویزا فارم پاسپورٹ کے مطابق مکمل کیے اور پھر تین مارک فی کس کے حساب سے چھ جرمن مارک کا مطالبہ کر دیا۔ مگر وہ فضا میں اپنی فضائی میزبانوں کی فیاضیوں سے لاعلم تھا جنھوں نے کراچی سے فرینکفرٹ تک کے سفر میں طیارے میں نہ رقم کے استعمال کی نوبت آنے دی نہ میں نے ڈالر ترکیش کرائے۔

میرا ہاتھ جیب سے برآمد ہوا تو سو ڈالر کا نوٹ دیکھ کر وہ باوردی افسر عارفانہ شان سے ہنسا جیسے جتا رہا ہو کہ ہم اتنے بڑے نوٹوں سے مرعوب ہونے والوں میں سے نہیں ہیں پھر اس نے شکستہ انگریزی میں واقعی وہ چھ مارک معاف کر دیے۔
"تم جاؤ، ہم ادا کر دیں گے۔"
میں نے عمارت میں پھیلی ہوئی دن جیسی روشنی میں ویزا فارموں کا جائزہ لیا تو ہر فارم پر ہاتھ سے لکھی ہوئی ویزا فیس کی رقم موجود تھی جو ظاہر ہے کہ سرکاری خزانے میں جمع ہونا تھی، وہ کوئی غیر سرکاری بھتا نہیں تھا جسے معاف کر دینے کی صورت میں سرکاری حساب کا کچھ نہیں بگڑتا۔ میری سمجھ میں نہیں آسکا کہ وہ ڈیوٹی پر دن بھر اسی طرح فیاضی دکھانے کا عادی تھا تو تنخواہ میں سے گھر کیا لے جاتا ہوگا؟ لیکن اس کی انگریزی کچی تھی، میں جرمن زبان سے نابلد تھا لہٰذا تفصیل دریافت کرنے کی ہمت نہ کر سکا اور شکریے کے انداز میں سر کو جنبش دے کر شیشے کے دروازوں کی طرف ہو لیا۔
دروازے سے نکلتے ہی خیال آیا کہ طیارے کو خیرباد کہنے سے ویزا کے حصول تک سامان کا کہیں درشن نہیں۔ "واوا اور ویزا لینے کے بعد ہم دونوں شاید عملاً ایئرپورٹ سے باہر آچکے تھے تو پھر ہمارا سامان کہاں غائب ہو گیا تھا۔ میں نے پلٹ کر دروازے سے دوبارہ اندر گھسنا چاہا لیکن وہاں موجود اکھڑ محافظ نے دروازے میں ٹانگ اڑا کر میرا راستہ روک دیا۔ "آؤت" یہ کہہ کر اس نے مجھے روکنے کے لیے زور لگایا۔ میں نے مشق نہ ہونے کے باوجود فصیح و بلیغ انگریزی میں اپنے سامان کے بارے میں تشویش کا اظہار کیا مگر اس پر میری تقریر کا الٹا ہی اثر ہوا۔
وہ وہی ایک لفظ دہرائے جا رہا تھا۔ اس کا لہجہ کرخت ہو گیا تھا۔ جب اس نے یہ اندازہ کر لیا کہ محض جسمانی طاقت کے بل پر مجھے باہر نہ روک سکے گا تو اس نے شاید آخری بار "آؤت" کہتے ہوئے اپنی شہادت کی انگلی اوپر اٹھا دی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ سارا ہی یورپ مادیت پرست نہیں ہو گیا تھا۔ کم از کم جرمنوں میں خوفِ خدا اور یادِ خدا باقی تھی۔ اس نے مجھے شاید خدا کا واسطہ دے کر روکنے کی کوشش کی تھی۔ لہٰذا میں تھم گیا لیکن سنبھالا لیتے ہوئے ذرا پیچھے ہٹا تو نگاہ خود بخود دروازے کے اوپر اٹھ گئی جہاں جرمن زبان کے ساتھ ہی انگریزی میں بھی اخراج اور داخلہ ممنوع کے الفاظ منہ چڑا رہے تھے۔
شاید میں پہلا آدمی نہیں تھا جس کے ساتھ وہ صورت پیش آئی ہو، اسی وجہ سے انگریزی کو بھی شرفِ باریابی بخش دیا گیا تھا۔
میں دوسری بار محافظ کو ذرا متوسط قسم کی انگریزی میں مخاطب کرنے والا تھا کہ بارڈر پولیس کا ایک باوردی افسر جو دور کھڑا سارا تماشا دیکھ رہا تھا، باوقار انداز میں چلتا ہوا دروازے کے قریب آیا اور انگریزی میں کچھ ایسے فقرے ادا کیے جن کا مطلب "تمہارا سامان مڑ وہاں نکلتا تھا" اس وقت تک مجھے جرمنوں کی علمی قابلیت کا بخوبی اندازہ ہو چکا تھا لہٰذا میں نے اس کے فقرے کے بجائے الگ الگ الفاظ پر غور کیا کہ وہ مجھے سامان کے لیے نیچے گراؤنڈ فلور پر جانے کا مشورہ دے رہا ہے۔
معاملہ کچھ سلجھتا نظر آرہا تھا لہٰذا میں سلطان شاہ کے ساتھ ہو لیا۔ وہاں ہمارا سامان واقعی ایک طرف پڑا ہوا تھا۔ اس سے آگے فٹ پاتھ تھی اور فٹ پاتھ سے آگے صاف ستھری سڑک جہاں کئی ایئرکنڈیشنڈ مائکروبسیں قطار میں کھڑی ہوئی تھیں۔ شاید کسٹم چیکنگ کسی خودکار مرحلے پر پہلے ہی کر لی گئی تھی۔
پاکستان ہوتا تو نقل و حمل اتنی وافر سہولتوں کی موجودگی میں کوئی بھی ان لاوارث سوٹ کیسوں کو اٹھا کر لے جا سکتا تھا، جرمنی کے باشندے ایسے موقع شناس نہیں تھے۔ سوٹ کیسوں کو ہاتھ لگاتے ہی کہیں سے ایک باوردی اہلکار نمودار ہوا۔ میں نے اپنے ٹیگ اس کی طرف بڑھا دیے۔ اس نے نمبروں کا موازنہ کیے بغیر بے پروائی سے ٹیگ پھاڑ کر ڈسٹ بن میں ڈال دیے اور مجھے شبہ ہونے لگا کہ وہاں چوری کا تصور صرف پیشہ ور چوروں تک ہی محدود تھا۔
ایئرلائن کے ٹکٹ کے ساتھ متفرق فری کوپن بھی فولڈر میں موجود تھے۔ مفت ٹرانسپورٹ، مفت شبینہ قیام، مفت طعام ان سب پر ہوٹل برگر کا نام نمایاں تھا۔
مائکروبسوں کی طرف دیکھا تو دو پر اسی ہوٹل کا نام درج تھا۔ میں سلطان کو اشارہ کرتے ہوئے بس کی طرف لپکا تو داہنی سمت سے سارنگی، طنبورے لٹکائے تین ادھیڑ عمر مردوں اور دو سالونی سلونی دلکش لڑکیوں پر مشتمل ایک قافلہ آڑے آگیا۔
ان میں سے ایک مرد نے کسی زبان میں کچھ کہا جو میرے پلے نہ پڑ سکا، لیکن اتنا اندازہ ہو گیا کہ وہ جرمن نہیں بول رہے تھے جس سے اس وقت تک کان قدرے مانوس ہو چکے تھے کیونکہ دورانِ پرواز طیارے کا کپتان بھی کبھی کبھار فضا کی بیکراں یکسانیت سے اکتا کر جرمن بولنے لگتا تھا۔
میں نے انگریزی میں انھیں بتایا کہ ان کی زبان میری فہم سے بالاتھی، اسی کے ساتھ اردو میں دونوں لڑکیوں کا جائزہ لیا تو ایک شپٹا کر دوسری طرف دیکھنے لگی، دوسری کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں سے گلابی ہونٹوں تک مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس بار وہی بولی تھی پورے فقرے میں صرف اطالیہ لو میرے، پلے پڑ سکا پھر معاً مجھے یاد آگیا کہ وہ موسیقی کے ردم سے ہمارے ہی طیارے پر سوار ہوئے تھے۔
طیارے میں رنگ و نو کا ایک ہجوم ہمسفر تھا اس لیے اس

بھیڑ میں اُن پر نگاہیں نہ رک سکیں لیکن اس بھیڑ سے الگ ہوتے کے بعد وہ سب ہی خاصے دلکش نظر آرہے تھے۔
رات خاصی ڈھل چکی تھی۔ طیارے سے اترنے والے سارے مسافر نجانے کہاں غائب ہو چکے تھے۔ اِدھر اُدھر بس کا اِکا دُکا اہلکار نظر آرہا تھا یا وہ پانچوں اور ہم دونوں۔
صحیح معنوں میں زبان کا بحران بس وہی تھا جس انگریزی پر ہمیشہ ناز رہا تھا وہ فرینکفرٹ کی سرزمین پر جواب دے گئی تھی جرمن تو جرمن، اطالوی بھی ہمارے منہ آنے لگے تھے۔
میں نے قیاس سے کام لیا اور سابقہ تجربوں کے مطابق فقروں کے بجائے الفاظ سے کام لینے کا فیصلہ کر لیا۔
"ٹکٹ" میں نے سیاہ آنکھوں والی کی تلاہٹ کو دہراتے ہوئے ٹکٹ مانگے جو اسی کے پرس سے برآمد ہوئے۔ میں نے پہلی ہی نظر میں بھانپ لیا کہ اُن کے پاس بھی وہی سب تھا جو ہمارے پاس تھا تو پھر انھیں کس کی تلاش تھی؟
"ہوتیل؟" میں نے سوال کیا اور پانچوں کھوپڑیاں بے صبری کے ساتھ اثبات میں ہلنے لگیں۔ میں نے کسی فاتح کمان دار کی طرح انھیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور ہوٹل کی بس کی طرف بڑھ گیا۔
لیڈیز فرسٹ کے اصول پر عمل کرتے ہوئے پہلے دونوں لڑکیوں کو بس میں سوار کرایا گیا۔ ڈرائیور نے سب سے سامان لے کر عقبی حصے میں ڈالنا شروع کر دیا۔ سلطان شاہ مروت میں پیچھے رہ گیا۔ موسیقی نوازوں کو میں نے غیر محسوس طریقے سے پیچھے دھکیل دیا۔ اور یوں کالی آنکھوں والی کے برابر میں جگہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ مائکروبس میں آمنے سامنے چھ سواریوں کی گنجائش تھی۔ ان نشستوں پر سات بیٹھے تو وہاں من تو شدم تو من شدی کا سماں پیدا ہو گیا اور ڈرائیور نے دروازہ بند کر کے گاڑی پھولوں سے لدے ہوئے تختوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے روشن اور خوبصورت شاہراہ پر آگے بڑھا دی۔
اونچے اونچے اسٹریٹ لیمپس کے انعکاس میں کبھی کبھی میں اپنی ہم نشین کی طرف دیکھ لیتا تھا۔ اس کے لب بھنچے ہوئے تھے مگر آنکھیں مسکرائے جا رہی تھیں۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس سے گفتگو کا آغاز کیسے اور کس زبان میں کیا جائے۔
وہ ہوٹل خاصا شاندار تھا سفر بمشکل چند منٹ میں ختم ہو گیا۔ میرا خیال تھا کہ ہوٹل ایئرپورٹ سے ذرا اور دور ہوتا تو بہتر رہتا کم از کم بکھرا بچھے لوگوں کو ایک دوسرے سے متعارف ہونے کا موقع مل جاتا۔
ہوٹل کے استقبالیہ کاؤنٹر پر مجھے پھر خدمتِ خلق کرنا پڑی کیونکہ فارم جرمن، فرنچ اور انگریزی میں چھپے ہوئے تھے اور ان میں سے کوئی زبان اطالوی سے مشابہ نہیں تھی۔ اس بار فارم پُر کرنے کے لیے

ان کے پاسپورٹ لینے پڑے اور ان سے پتا چلا کہ دوسری لڑکی ان میں سے ایک کی بیوی تھی جبکہ کالی آنکھوں والی کا آخری نام اُن میں سے کسی سے نہیں ملتا تھا۔
"یہ میراثیوں میں کہاں پھنس گئے تم؟" میری طول پکڑتی ہوئی مصروفیات پر آخر کار سلطان شاہ بول ہی پڑا۔ "ان سے جان چھڑا کر سیدھے کمرے میں چلو ورنہ تمہارے ستارے آج گردش میں نظر آرہے ہیں۔"
"اچھا ہوا کہ تم جاگ رہے ہو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ذرا یہ تو بتاؤ کہ کس مدار پر گردش کے امکانات ہیں میرے ستارے کے؟ میرا تو ان سے غزلیں سننے کا ارادہ ہو رہا ہے۔"
"یہ لوگ تو شاید اپنے سازوں کو صحیح طرح پکڑ بھی نہ سکیں گے۔" وہ بولا۔ "یہ پانچوں مظلوم اور سادہ لوح بن کر بیوقوف بنانے والوں میں سے معلوم ہوتے ہیں۔"
میں نے ان کے فارم مکمل کر کے انھیں لوٹائے تو ایک شخص نے اپنی جیبیں ٹٹولنا شروع کر دیں۔ مجھے شبہ ہوا کہ کہیں وہ فارم بھرنے کی اُجرت نہ دینا چاہتا ہو مگر اس کا بایاں ہاتھ دو ماچسوں کے ساتھ برآمد ہوا جو اس نے میری طرف بڑھا دیں۔ ان ماچسوں پر ایک طرف ان پانچوں کی آلاتِ موسیقی سمیت تصاویر چھپی ہوئی تھیں اور اوپر انگریزی میں السولیڈو گروپ لکھا ہوا تھا۔
مجھے ماچس دینے والا کسی حوصلہ افزائی کی اُمید میں دانت نکالے کھڑا تھا۔ جب تک میں نے سر نہیں ہلایا اس نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی اور پھر وہ ہوٹل کے رجسٹر پر دستخط کرنے بڑھ گیا۔
ہمیں نویں منزل پر کمرے ملے، انھیں پانچویں منزل کے کمروں کی چابیاں ملیں۔ اس اثنا میں پورٹر ہم سب کا سامان کارگو لفٹ میں ڈال چکے تھے۔ لفٹ کی طرف جاتے ہوئے سیاہ آنکھوں والی اپنے ساتھیوں سے کٹ کر دانستہ میرے قریب آگئی اور پھر بھیگی بھیگی مخمور سرگوشیانہ آواز میں بولی۔ "شوگر اسموکنگ ۔۔۔ م ۔۔۔ ردم۔"
میں نے آنکھیں پھاڑ کر حیرت سے اسے دیکھا اور دل ہی دل میں 'یا وحشت' کا نعرہ لگاتا ہوا اس سے الگ ہو گیا۔ وہ جو کچھ کہہ گئی تھی وہ میرے لیے ناقابلِ فہم نہیں تھا۔
پتا نہیں میری پیشانی پر میروئن کا لفظ تحریر تھا کہ ہر جگہ اور ہر موڑ پر اس حوالے سے کچھ نہ کچھ رونما ہو رہا تھا یا پھر مغرب کی جوان نسل میں وہ نشہ اتنا مقبول ہو چکا تھا کہ تشکر کے اظہار کے لیے کسی کو ہیروئن نوشی کے لیے اپنے کمرے میں مدعو کرنا معیوب نہیں رہا تھا۔
"کیا کہہ دیا اس نے جو ایک دم بھڑک گئے؟" شاہ سلطان

نے تکلف انداز ہوتے ہوئے سوال کیا۔
"آنکھیں کس قدر جاندار ہیں۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔ "مگر یہ بھی ہیروئن پیتی ہے۔ مجھے اپنے کمرے میں مدعو کر رہی تھی۔ لعنت ہو ایسے شوق پر۔"
"یہ بات بڑی آسانی سے سمجھا دی اُس نے۔" وہ زور سے ہنسا۔
ہم ایک ساتھ لفٹ میں سوار ہوئے۔ لڑکی نے اپنی دعوت پر میرے حوصلہ شکن ردِعمل کو محسوس کر لیا تھا مگر پھر بھی پانچویں منزل پر لفٹ سے نکلتے ہوئے اُس نے بڑے دلآویز انداز میں میری طرف ہاتھ لہرایا تھا۔
"میرا خیال ہے کہ تمھیں اس لڑکی سے مل بیٹھنا چاہیے۔" لفٹ میں تخلیہ میسر آتے ہی سلطان شاہ نے کہا۔
"وہ ہیروئن کی دعوت نہ دیتی تو میں خود شب بیداری کے فراق میں تھا۔ آتو کی پٹھی نے سارا موڈ چوپٹ کر دیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس جیسی دلکش اور صحت مند لڑکی اس شوق میں مبتلا ہوگی۔"
"ہوسکتا ہے تمھارے سننے میں غلطی ہوئی ہو۔ کیا اُس نے ہیروئن کا نام لیا تھا؟"
"میں اتنا بھی ناسمجھ نہیں ہوں۔" میں نے چڑ کر کہا۔ "شوگر گلوکوز کو تو نہیں کہتے نا؟"
لفٹ نویں منزل پر تھم گئی۔ اس سے قریب ہی راہداری میں ایک کمرے کے سامنے پورٹر پہلے سے ہمارے سوٹ کیسوں سمیت موجود تھا۔ ہم دونوں سے چابیاں لے کر اس نے باری باری دونوں کمرے کھولے اور سوٹ کیس اندر پہنچا دیے۔ وہ ٹپ کے انتظار میں ٹھٹکا تھا مگر میں نے اُسے نظر انداز کر دیا کیوں کہ ابھی تک میرے پاس بڑے کرنسی نوٹ ہی موجود تھے۔ اس کے باہر نکلنے سے پہلے سلطان شاہ اپنا کمرہ مقفل کر کے میرے کمرے میں آگیا۔
پورٹر کے جاتے ہی میں دروازہ بند کر کے جوتوں سمیت نرم اور آرام دہ بستر پر گر گیا۔
"شاید تم میری بات کو مذاق سمجھ رہے تھے۔" سلطان شاہ نے کرسی سنبھالتے ہوئے پھر اپنی بات شروع کر دی۔ "میں کسی مقصد کے تحت مشورہ دے رہا تھا۔"
"نہ مذاق، نہ مشورہ، میں اس لڑکی کے ساتھ اب پندرہ منٹ بھی نہیں گزار سکتا۔"
"ایمی کو تم نے اُلجھانا نہیں چاہا۔ اب یہ خود ہی آٹکرائی ہے۔ اطالوی نژاد ہے اور ہیروئن بھی پیتی ہے تو اس لائن کے لوگوں سے بھی روابط رکھتی ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ اسی سے ڈان مرسیانو کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکے۔"
"پتا نہیں وہ کیوں تمھارے سر پر سوار ہو گیا ہے۔" میں نے قدرے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "تم یہ بھول رہے ہو کہ ڈان مرسیانو ہمارا نہیں ویرا کا ذاتی معاملہ ہے۔"
"لیکن کسی مرحلے پر ہمیں بھی ویرا کا ساتھ دینا ہوگا۔"
"وہ بعد کی بات ہے۔ سب سے پہلے ہمیں غزالہ کو تلاش کرنا ہے۔ اس کے بغیر ہم کسی بات کے پابند نہیں ہیں۔ میں نے اپنی یہ شرط ویرا پر بھی واضح کر دی تھی۔"
"ٹھیک ہے۔ اب تم میری زبان سے ڈان مرسیانو کا تذکرہ نہیں سنو گے۔ میرا تو خیال تھا کہ تم خود بھی اسے کیفرِ کردار کو پہنچانا چاہو گے۔ اسی لیے بار بار یاد دہانی کرا رہا تھا۔"
"اس میں شبہ نہیں کہ وہ بہت دلچسپ شکار ثابت ہوگا مگر ہم نے ... کے ساتھ بہت وقت ضائع کر لیا۔ یہاں ہم اس کے آنے تک پوری طرح آزاد ہیں اور اپنی ترجیحات کے مطابق کام کریں گے۔"
سلطان شاہ نے خاموشی اختیار کر لی اور میں سوٹ کیس سے شب خوابی کا لباس نکال کر غسل خانے میں گھس گیا۔ کئی دن کی تکان اور بھاگ دوڑ میں مجھے نہانے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اس وقت کا غسل گہری نیند کے ساتھ ہی تھکے ہوئے اعصاب کے لیے بھی مفید ہوگا۔
نہاتے ہوئے میرا ذہن ایک مرتبہ پھر ہیروئن میں اُلجھ گیا۔
شاور سے گرنے والی نیم گرم پانی کی تیز دھاریں بدن کے مساموں کے ساتھ ہی ذہن کے دریچے بھی وا کر رہی تھیں اور میں سوچ رہا تھا کہ لوگ اس دور کو خلا سے بلاوجہ ہی موسوم کرتے ہیں، یہ خلائی نہیں بلکہ بدترین ذہنی خلا کا دور تھا۔ ہر ذہن میں ہولناک ویرانے سنسنا رہے تھے۔ ہجوموں میں گھرے ہوئے انسان تنہائی کا شکار تھے۔ زردار اپنے افلاس کے شاکی تھے اور جو مفلس تھے وہ محرومی کے عذاب میں جھلس رہے تھے۔ مادی ترقیوں نے انسان کو ہوس میں مبتلا کر کے رکھ دیا تھا۔ ہر شخص پیسا کمانے کی مشین بننے پر تُلا ہوا تھا۔ خواہ اس کے لیے راتیں سیاہ کرنا پڑیں یا دنوں کی مشقت سہنا پڑے اور اس دوڑ میں وہ ساری قدریں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہی تھیں جو کسی بھی معاشرے کو ایک مضبوط اکائی کی صورت میں مربوط رکھتی ہیں۔ خلوص اور محبت عنقا ہو گئی تھی۔ ہوس کے مہیب سائے ہر روپ کو نگلنے کے لیے بے تاب تھے، زندگی کا حسن ماند پڑ گیا تھا، سانسوں میں حرارت باقی نہیں رہی تھی۔ اس گھٹن سے ہر فرد گھبرایا ہوا تھا۔ اپنے گرد و پیش کو بھول کر بس اپنی ذات میں گم ہو جانا چاہتا تھا۔
اور یہ خواب — خود فراموشی کی کیفیت بس نشے ہی فراہم کر سکتے تھے، جن میں ہیروئن سب سے آگے تھی۔ سب جانتے ہیں کہ یہ زہر ہے مگر وقتی نشاط اور کیف و سرور کے لیے اس کی طلب دن بدن بڑھ رہی تھی۔ چند گھنٹوں کے سفر میں بھی میرے کان اس نام سے نامانوس نہیں رہے تھے۔ ایمی بہتر مستقبل کی اُمید پر ہیروئن کے ایک اسمگلر کے وار سے بال بال بچی تھی اور کالی آنکھوں والی بے زبان لڑکی نے بڑی ہی فصاحت کے ساتھ ہیروئن سے اپنے تعلق کا واضح اظہار کیا تھا اور وہ سب اپنے اپنے ذہن کے کسی مہیب خلا کو پاٹنے کے لیے کوشاں تھے۔

*

ٹھیک نو بجے طیارہ کسی سبک اندام پرندے کی طرح ہیتھرو ایئرپورٹ کے رن وے پر لینڈ کر گیا۔ جوں جوں میں منزلیں طے کرتا غزالہ سے قریب ہوتا جا رہا تھا، میرے اعصاب پر ہیجان طاری ہوتا جا رہا تھا اور اب تو آخرکار میں پاکستان میں اپنی ذات کو لاحق تمام خطرات کو فریب دے کر آخرکار برطانیہ کی سرزمین پر آہی پہنچا تھا۔ جہاں ویرا نے غزالہ کو یرغمال بنا کر رکھا ہوا تھا۔
میرا ذہن غزالہ میں اُلجھا ہوا تھا مگر نگاہیں پُرتجسس انداز میں کھڑکی سے باہر بھٹک رہی تھیں کیوں کہ اس سرزمین پر میری وہ پہلی لینڈنگ تھی۔ باہر سے ہیتھرو ایئرپورٹ فرینکفرٹ کے مقابلے میں سال خوردہ اور گندا نظر آ رہا تھا لیکن ٹرمینل کی روشن اور صاف ستھری عمارت اندر سے بہت پُرشکوہ تھی۔
گینگ وے سے نکل کر کئی راہداریوں میں گھومتی ہوئی برٹش ایئرویز کے مسافروں کی بھیڑ ایک ہی سمت میں چلتی رہی اور آخرکار امیگریشن ہال میں داخل ہو گئی جہاں پائپ ریلنگ کے سامنے ایک سرے سے دوسرے سرے تک متعدد قطاریں بننے لگیں۔ ہر قطار کے سامنے اونچی ڈسک اور کرسی پر مرد اور عورت امیگریشن افسران براجمان تھے۔
پائپ ریلنگ کے پیچھے سے مسافر باری باری اندر داخل ہوتے تھے اور چند ثانیوں میں فارغ ہو کر خوشی خوشی آگے بڑھ جاتے تھے۔ آخرکار میری بھی باری آ گئی۔ امیگریشن افسر نے عینک کے محدب عدسوں کے پیچھے سے تیز نگاہوں سے میرا جائزہ لیا، پھر پاسپورٹ کی ورق گردانی کرتے ہوئے نام، برطانیہ آمد کا مدعا اور مدتِ قیام دریافت کی پھر ایک خالی صفحے پر مُہر لگا کر تین ماہ کے ویزے کا اندراج کر دیا۔
میں افسر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا اور اس ہال میں جا پہنچا جہاں کنویئر پر سامان آتا ہے۔ چند ثانیوں بعد سلطان شاہ بھی مجھ سے آ ملا اور میں نے وہ کٹھن مرحلے طے ہو جانے پر اطمینان کی سانس لی۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں برطانوی افسران ہمارے پاسپورٹوں میں جعل سازی نہ پکڑ لیں مگر ویزا لگنے کے بعد وہ خطرہ ٹل گیا تھا۔
سامان آ جانے کے بعد ہمیں کسٹم افسران کا سامنا کرنا پڑا۔
"یہ تمھارا ہی ہے؟" کسٹم افسر نے دونوں ہاتھوں سے میرے سوٹ کیس کو قربانی کے بکرے کی طرح تھپکتے ہوئے سوال کیا۔
"اسے تم نے خود پیک کیا ہے؟" میرا جواب اثبات میں پا کر دوسرا سوال کیا گیا اور میں نے اس بار بھی اثبات میں جواب دیا۔
"کھولو۔" اُس نے اچانک سخت لہجے میں کہا اور میں نے نہایت اطمینان کے ساتھ تالے کھول کر سوٹ کیس کا ڈھکن اُٹھا دیا۔ میں اپنے سوٹ کیس کی طرف سے بے فکر تھا۔ لہٰذا میری توجہ اُسی کاؤنٹر پر برابر والے ایک سفید فام جوڑے پر مرکوز ہو گئی۔ کسٹم افسر نے مرد کے دونوں جوتے اُتروا لیے تھے اور جوتے کو بیٹ سے لگائے اس کی اونچی ایڑی میں ایک کھوکھلا سوا پیوست کر رہا تھا۔ اس کارروائی کا شکار ہونے والا سخت مضطرب تھا اور بار بار اپنا نچلا ہونٹ دانتوں سے کاٹ رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کی ٹانگیں بھی کانپ رہی تھیں۔
"شکریہ۔ اسے بند کر لو۔" میرے سامنے والے افسر کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ وہ سوٹ کیس کی اچھی طرح تلاشی لینے کے بعد اسے میرے آگے کھسکا چکا تھا۔
میں نے کپڑوں وغیرہ کو یوں ہی ٹھونس کر سوٹ کیس بند کیا اور اُسی لمحے برابر والے سفید فام نے ننگے پاؤں اچانک نکاسی کے راستے کی طرف دوڑ لگا دی۔
اس کے جوتے کی تلاشی لینے والا افسر جوتا وہیں چھوڑ کر بجلی کی سی سُرعت کے ساتھ کاؤنٹر پر سے کود کر باہر نکلا تھا اور اسی کے ساتھ اُس نے جیب سے نکال کر وِسل بجا دی تھی۔ وہ صورتِ حال اس قدر اچانک رونما ہوئی تھی کہ کسی کو کچھ پتا نہ چل سکا کہ کیا ہوا تھا اور وہاں افراتفری کے ساتھ سنسنی پھیل گئی مگر بھاگنے والا کسٹم ہال سے باہر جانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ وِسل بجنے تک دو باوردی سپاہی اسے اپنی مضبوط گرفت میں لے چکے تھے اور

وہ مغلّظات بکتا ہوا خود کو اُن کی گرفت سے چھڑانے کی جان توڑ کوشش کر رہا تھا۔

اسی اثنا میں اُس کی تلاشی لینے والے افسر نے پیچھے سے اُس کا کالر پکڑ لیا۔ اس وقت تک ہال میں تلاشی کا عمل موقوف ہو چکا تھا اور عملے کا ہر فرد اپنی جگہ مستعد کھڑا ایک ایک مسافر کی نقل و حرکت کا جائزہ لے رہا تھا۔

"چھوڑو، میرا کالر چھوڑ دو اُلّو کے پٹھے!" ننگے پیروں بھاگنے والا مزاحمت کرتے ہوئے چیخ رہا تھا۔ "میں نے کوئی جُرم نہیں کیا۔ تم لوگ شریف شہریوں کو بلاوجہ ہراساں کرتے ہو۔"

"شریف شہری!" اس افسر نے گالی کھا کر اُس کے کالر کو زور سے جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔ "کوئی جُرم نہیں کیا تو جوتے کیوں چھوڑ بھاگے تھے؟ آؤ تم کو دکھاؤں کہ ایڑیوں میں تم کیا لائے ہو۔"

"تم جھوٹے ہو، میرے جوتوں میں کچھ نہیں تھا۔ تم بلاوجہ مجھ پر تشدّد کر رہے ہو، میں تم پر دعویٰ کر دوں گا۔۔۔ میرا ڈاکٹر گواہی دے گا کہ میں گُردوں کا مریض ہوں۔ گُردے کے درد سے بے چین ہو کر میں غیر ارادی طور پر اچانک دوڑ پڑا تھا۔"

وہ شخص مسلسل حلق پھاڑ پھاڑ کر چلّائے جا رہا تھا۔

آثار سے صاف ظاہر تھا کہ وہ مجرم تھا اور راز فاش ہونے کے خوف سے اُس نے انجام پر غور کیے بغیر فرار ہونے کی ناکام کوشش کی تھی مگر اُس کے واویلا مچانے پر وہاں موجود بھیڑ میں اُس کا ایک حمایتی بھی پیدا ہو گیا۔

"اِس کا کالر چھوڑ دو آفیسر!" ایک دراز قد سفید فام نے آگے بڑھ کر دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔ "تم وردی میں ہوتے ہوئے اِس پر تشدّد کر کے دوہرے جُرم کا ارتکاب کر رہے ہو۔"

"تشدّد!" افسر پلٹ کر حیرت سے بولا۔ "اگر میں بروقت اسے نہ پکڑتا تو یہ دونوں محافظوں کو گرا کر فرار ہو گیا ہوتا۔ شاید تم اِس کی مغلّظات بھی نہیں سُن رہے۔"

"یہ مجرم ہے، مغلّظات بک رہا ہے تو اسے عدالت میں لے جاؤ۔ تم وردی میں ہونے کی بنا پر دھاندلی نہیں کر سکتے۔ ہم جنگل میں نہیں، قانون کے سائے میں رہ رہے ہیں۔ میں نے خود تمھیں اِس کے کالر کو جھٹکا دیتے دیکھا تھا۔"

افسر اُس شخص کو گھور کر رہ گیا لیکن مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اُس نے فوراً ہی اپنے شکار کا کالر چھوڑ کر ہاتھ تھام لیا تھا اور مسلح محافظوں نے اُس پر پستول تان لیے تھے۔

وہ صورتِ حال میرے لیے ناقابلِ یقین تھی کہ روئے زمین پر ایک معاشرہ ایسا بھی تھا جہاں ملزم نہیں بلکہ مجرم کے بھی کچھ مستند قانونی حقوق ہوتے ہیں۔ کیسی عجیب بات تھی کہ مجمع میں سے ایک عام تماشائی نے ایک با اختیار افسر کو الزام لگایا تھا اور اس افسر نے دخل انداز ہونے والے پر اعانتِ جرم کا الزام عائد کرتے ہوئے اسے بھی ساتھ گھسیٹنے کے بجائے اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے مجرم کا کالر چھوڑ دیا تھا۔ ہمارے ملک میں تو اسی ایک جسارت پر ننگے پاؤں بھاگنے والے کو گولیوں سے بھون کر پولیس مقابلے کی ڈرامائی کہانی تیار کی جا سکتی تھی۔

اس شخص کی ساتھی بدستور اپنی جگہ کھڑی رومال میں منہ چھپائے رو رہی تھی۔ چند افسران اِن دونوں کو مشتبہ جوتوں سمیت ایک کمرے کی طرف لے گئے اور ہال میں چند لمحوں بعد دوبارہ سامانوں کو نمٹانے کا کام شروع ہو گیا۔

سلطان شاہ کے فارغ ہونے تک میں وہاں رُکا تھا پھر ہم دونوں ہی ایک ساتھ باہر نکل آئے اور انڈر گراؤنڈ کے نشانات کے سہارے ہیتھرو ٹیوب اسٹیشن کی طرف ہو لیے۔

میری معلومات کے مطابق لندن میں تیز ترین اور سستے سفر کے لیے زیرِ زمین چلنے والی برقی ٹرینیں سب سے بہتر تھیں، جو ایئرپورٹ سے شہر کے کسی بھی حصّے میں پہنچا سکتی تھیں۔

زیرِ زمین اسٹیشن پر ہی سیاحوں کے لیے معلومات کا مرکز اور ہوٹلوں کی بکنگ کا انتظام بھی تھا جہاں سے کم و بیش ہر بجٹ کے اعتبار سے رہائش کا انتظام کیا جا سکتا تھا۔ گو میرے لیے بھی وہ نیا تجربہ تھا لیکن سلطان شاہ کے لیے زندگی کے ہر شعبے میں اتنا نظم و ضبط حیران کن تھا۔

میں نے مختلف نقشوں اور کتابچوں کے حصول کے بعد معلومات کے کاؤنٹر پر تھوڑا سا وقت ضائع کیا اور یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ کنگز کراس کا علاقہ رہائش کے لیے مناسب ہوگا جہاں قرب و جوار میں سستے ہوٹل بکثرت واقع تھے۔ اس کے بعد ٹیوب کے روٹ کے نقشے پر تھوڑی سی دماغ سوزی کرنے کے بعد یہ بھی اندازہ ہو گیا کہ کسی اسٹیشن سے باہر نکلے بغیر آدمی کئی ٹرینیں بدل کر ایسے مقامات پر بھی رسائی حاصل کر سکتا تھا جو براہِ راست کسی ایک ٹیوب سروس سے منسلک نہیں تھے۔

پلیٹ فارم پر ٹرین موجود تھی اور ایئرپورٹ سے آنے والے اپنے جملہ ساز و سامان سمیت ٹیوب میں سوار ہو رہے تھے۔ میں نے قریب کے کاؤنٹر سے سوڈالر کا نوٹ پاؤنڈز میں تبدیل کرایا اور پکاڈلی لائن کی اسٹیشن پر موجود ٹرین میں سوار ہو گیا جو براہِ راست کنگز کراس پر اُتارتی تھی۔

چند منٹ بعد ٹیوب کے خودکار دروازے بند ہوئے اور وہ برق رفتاری کے ساتھ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئی۔ زیرِ زمین

تاریک سُرنگوں کے بعد کھُلے آسمان کے نیچے سفر شروع ہوا۔ ٹیوب راستے میں ہر اسٹیشن پر مقررہ مدّت کے لیے رکتی ہوئی آگے بڑھتی رہی، پھر مضافات سے نکلنے کے بعد سفر کا بیشتر حصّہ سُرنگوں میں طے ہونے لگا۔

لندن میں اپنے وقت کو زیادہ سے زیادہ کار آمد بنانے کے لیے میں نے ٹیوب کے جیبی نقشے کا مطالعہ شروع کر دیا تاکہ کم سے کم وقت برباد کر کے مطلوبہ مقامات پر پہنچنے میں کامیاب ہو سکوں۔

اس مطالعے کے دوران انکشاف ہوا کہ شیفرڈز بش کا علاقہ جہاں کے بارٹینڈر سے ویرا کے بارے میں تازہ ترین معلومات حاصل ہو سکتی تھیں کنگز کراس اسٹیشن سے خاصی دور سینٹرل لائن پر واقع تھا۔ میں سارے راستے اسی معاملے میں منہمک رہا اور سلطان شاہ باہر کے دلفریب مناظر یا سُرنگوں کے اندھیرے سے لُطف اندوز ہوتا رہا۔

میں نے کچھ دیر بعد اُکتا کر نقشہ موڑ کر جیب میں رکھ لیا اور بے بسی سے شیشوں پر بنے ہوئے ان نشانات کو دیکھنے لگا جن پر تمباکو نوشی کی واضح ممانعت درج تھی۔

ہیتھرو پر ٹیوب کا ٹکٹ خریدتے ہوئے مجھے کرایہ مہنگا ہونے کا احساس ہوا تھا مگر سفر کی طوالت کو دیکھتے ہوئے یہ احساس زائل ہو گیا اور آخر کار ٹیوب کنگز کراس کے اسٹیشن میں داخل ہو گئی۔

پلیٹ فارم سے گزرنے کے بعد اوپر اور نیچے چلنے والی عظیم الشان سیڑھیوں پر سیکڑوں افراد کھڑے نظر آئے، جنھیں اوپر نیچے کی آمد و رفت میں ذرا بھی زحمت نہیں کرنا پڑ رہی تھی۔ ہم دونوں اپنے سامان سمیت اوپر جانے والی سیڑھیوں پر سوار ہو گئے۔ بظاہر وہ لندن کی شہری ٹرانسپورٹ کا ایک مقامی نظام تھا مگر اس کا رابطہ ملک گیر ٹرینوں سے بھی ملا ہوا تھا کیوں کہ کنگز کراس کا اسٹیشن غیر معمولی طور پر بڑا تھا اور وہاں موجود سہولیات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ برٹش ریل سروس اس اسٹیشن سے گزرتی تھی جو ہمارے لیے شاید ایک اضافی سہولت ہوتی۔

مشرق سے آنے والوں کے لیے اس شہر کی فضا بڑی سحر آمیز تھی۔ ہر شخص اپنی دھن میں مگن تھا۔ کسی کو دوسروں کی مصروفیات سے کوئی غرض نہیں تھی۔ نوجوان جوڑے سرِ عام ایک دوسرے کو روایتی مغربی انداز میں الوداع یا خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ سیاحوں کے پرے کے پرے بھانت بھانت کے کپڑوں اور ساز و سامان کے ساتھ گھومتے پھر رہے تھے اور کسی کو اجنبیت کا کوئی احساس نہیں تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ سب وہیں کے شہری ہوں۔

ہمارے پاس نہ زیادہ وزنی سامان تھا نہ ہم پر تھکان غالب تھی۔ اس لیے ہم سوٹ کیس اٹھائے کافی دیر تک اس علاقے میں گھومتے رہے اور آخر ہم نے بلگریو اسٹریٹ کے ایک سستے لیکن آرام دہ ہوٹل میں قیام کا فیصلہ کر لیا جہاں انگریزوں کے معیار کے مطابق ملحقہ باتھ روم کی سب سے بڑی عیّاشی میسّر تھی۔

رات کو فرینکفرٹ کے ہوٹل میں گہری نیند لینے کے باعث ہم دونوں ہی تازہ دم تھے اور اس شہرِ نگاراں میں اپنا وقت ہوٹل کے کمروں میں بند رہ کر ضائع کرنا نہیں چاہتے تھے اس لیے سامان سے چھٹکارا پا کر ہم نے اپنے پاسپورٹوں کے علاوہ کچھ رقم ساتھ لی اور ہوٹل سے نکل کھڑے ہوئے۔

میرے پاس ویرا کا دیا ہوا وہ خاص کریڈٹ کارڈ بھی موجود تھا جس کے ذریعے میں ایک وقت میں کسی بھی جگہ سے پانچ ہزار ڈالر کے مساوی مالیت کی خریداری کر سکتا تھا۔ خرابی بس یہ تھی کہ کارڈ کسی بی۔ سی۔ گلمور کے نام پر تھا مگر ویرا نے مجھے دو ایسی مصدّقہ دستاویزات بھی دی تھیں جن میں سے ایک پر میں نے اپنی تصویر چسپاں کر لی تھی اور میں کہیں بھی خود کو اس نام سے شناخت کروا سکتا تھا۔

لندن سے باہر اس کی بہت سی چیزوں کا شُہرہ ہے جن میں دریائے ٹیمز، بگ بین، پکاڈلی اسکوائر اور ٹریفالگر اسکوائر شامل ہیں، مگر سلطان شاہ نے اِن سب کو نظر انداز کرتے ہوئے پہلے آکسفورڈ سرکس چلنے کی فرمائش کی اور ہم اپنے اسٹیشن میں داخل ہو کر وکٹوریا لائن کے پلیٹ فارم پر پہنچ گئے۔

آکسفورڈ سرکس کی نیم دائرے نما سُرنگ میں پلیٹ فارم سے گزر کر ہم باہر نکلے تو وہاں ہر طرف سیاحوں کا اژدہام تھا۔ سلطان شاہ کچھ دیر تو میرے ساتھ بازار کی سیر کرتا رہا، پھر وہ پوچھ ہی بیٹھا۔ "یہ آکسفورڈ سرکس کہاں ہے؟"

"جہاں ہم اسٹیشن سے نکلے تھے وہی آکسفورڈ سرکس تھا۔ وہاں بورڈ بھی لگا ہوا تھا۔" میں نے کہا۔

"وہ بورڈ تو میں نے بھی دیکھا تھا مگر سرکس کہیں نظر نہیں آیا۔" اُس نے سادگی سے کہا۔

"اوہ! تو تم اُسے وہ جانوروں والا سرکس سمجھ رہے تھے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر ہنستے ہوئے سوال کیا۔

"تو کیا کوئی اور بھی سرکس ہوتا ہے؟" اُس نے معصومیت سے جوابی سوال کیا۔

"انگریز عجیب قوم ہے، اس کا سرکس ایسا ہی ہوتا ہے۔" میں نے اُس کی سادہ لوحی سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔ "یہ سرکل یعنی

چوراہے کو سرکس کہتے ہیں۔ اس شہر میں تمھیں جا بجا سرکس نظر آئیں گے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ہر جگہ جانوروں کے بجائے انسانوں کے ہجوم چلتے پھرتے نظر آئیں گے۔"

"لاحول ولاقوۃ۔" وہ خفت آمیز انداز میں ہنسا۔ "میں نے تو اسی خیال سے آکسفورڈ سرکس کے لیے کہا تھا کہ یہاں تھوڑی دیر بیٹھ کر مسخروں اور جانوروں کا تماشا دیکھیں گے اگر سرکس صرف چوراہے ہی ہوتے ہیں تو لعنت بھیجو اِن پر ــــ کیوں نہ ہم اسی لمحے سے اپنے کام کا آغاز کر دیں؟"

میں اس پر اپنی رائے مسلط نہیں کرنا چاہ رہا تھا لیکن اُس نے ولایتی سرکس سے مایوس ہو کر میرے دل کی بات کہہ دی تھی جسے میں نے بلا تامل قبول کر لیا۔

ہمارے کام کا آغاز دو مقامات سے ہو سکتا تھا۔ پہلا تو رسل اسکوائر کے قریب امپیریل ہوٹل تھا جہاں ویرا کو قیام کرنا تھا مگر وہاں ویرا کے علاوہ کسی اور سے رابطہ قائم نہیں کیا جا سکتا تھا اور مجھے پورا یقین تھا کہ ویرا اتنی جلدی لندن نہیں آ سکے گی۔ اس کے بعد دوسرا ٹھکانا شیفرڈ زبش کے علاقے میں ایسکیوز آرمز نامی پب تھا جہاں کا جیکب میکفرسن نامی بارٹینڈر میگی ہاروے کے بوائے فرینڈ کے حوالے پر ویرا کے بارے میں تازہ ترین معلومات فراہم کر سکتا تھا۔

اس وقت ہم دونوں کافی آگے نکل گئے تھے۔ تھوڑی دیر تک بھٹکنے کے بعد ہم بانڈ اسٹریٹ کے ٹیوب اسٹیشن پہنچ گئے۔ میں نے جیب سے نقشہ نکال کر دیکھا اور ہم بے دھڑک اندر گھس گئے کیونکہ شیفرڈ زبش جانے والی سینٹرل لائن ٹیوب اسی اسٹیشن سے گزرتی تھی۔

لیکن ٹیوب کا ٹکٹ خریدنے سے پہلے ہی میں نے اپنا ارادہ تبدیل کر دیا، کیونکہ سامنے ہی فون بوتھ موجود تھے۔

ٹونی یا جیکب میکفرسن لاکھ ویرا کے اعتماد کا آدمی سہی لیکن اُس سے براہِ راست ملنا حفظِ ماتقدم کے منافی ہو سکتا تھا۔ بہتر یہی تھا کہ ٹیلی فون ڈائرکٹری سے پب کا نمبر تلاش کر کے اسے فون کر لیا جائے۔

تھوڑی سی تلاش کے بعد ڈائریکٹری سے ایسکیوز آرمز کا فون نمبر مل گیا جو میں نے ٹیوب کے جیبی نقشے پر نوٹ کر لیا اور چند ہی ثانیوں بعد میں گھنٹی کے جواب میں دوسری طرف سے ریسیور اٹھائے جانے کا انتظار کر رہا تھا۔

"گڈ مارننگ۔" میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔ "کیا میں ٹونی سے بات کر سکتا ہوں؟"

"میں بول رہا ہوں۔" ریسیور پر اُس کی سرد مہرانہ آواز اُبھری۔

"مگر تمھاری آواز نہیں پہچان سکا۔"

"میں میگی ہاروے کا بوائے فرینڈ بول رہا ہوں۔" میں نے آہستگی سے کہا۔

"ہیلو جونی!" دوسری طرف سے لہجے میں اچانک گرم جوشی عود کر آئی۔ "تو تم یہاں پہنچ ہی گئے، کہاں ٹھہرے ہوئے ہو؟"

"شہر کے ایک ہوٹل میں ہوں اور تم سے ملنا چاہتا ہوں۔" میں نے محتاط لہجے میں کہا۔ "کیا تمھیں میری آمد کے بارے میں پہلے سے علم تھا؟"

"اوہ یس۔" میگی ہاروے کا نام لیتے ہی اس کا لہجہ بہت دوستانہ ہو گیا تھا۔ "میڈم از گریٹ ـــ وہ جو کہتی ہے وہ کسی نہ کسی طرح ہو ہی جاتا ہے۔ ابھی پونے بارہ بجے ہیں۔ دو بجے پب بند ہو جائے گا اور چار بجے تک میری چھٹی ہو گی مگر میں پب میں رُک کر تمھارا انتظار کروں گا۔ پب بند ہو گا۔ تم پچھلے دروازے پر گھنٹی بجا دینا۔ میں ٹھیک ڈھائی بجے تمھارا منتظر ہوں گا۔"

"شکریہ ٹونی!"

میں نے ریسیور ہُک سے لٹکایا اور واپس ہو لیا۔

"یہ ویرا بھی بڑے غضب کی عورت ہے۔" سلطان گفتگو کی تفصیل سُن کر بولا۔ "کراچی میں بیٹھی ہے مگر لندن سے رابطہ برقرار ہے۔ پل پل کی خبر رکھتی ہے۔"

میں اُسے ساتھ لے کر اسی علاقے کے ایک پب میں جا بیٹھا۔ سلطان شاہ کے لیے اسکواش اور اپنے لیے بیئر کا مگ لیا تھا۔ اس وقت پب میں زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں تھی، بس چار چھ ہی گاہک جمے ہوئے تھے ورنہ بیشتر تو بس کاؤنٹر پر ہی فارغ ہو کر لوٹ رہے تھے۔

ہم دونوں ایک بجے تک وہاں بیٹھے اپنی آئندہ حکمتِ عملی طے کرتے رہے۔ ٹونی کے حوصلہ افزا رویّے سے مجھے اُمید ہو چلی تھی کہ ہم جلد ہی غزالہ سے جا ملیں گے لیکن اس بارے میں وقت کا تعیّن ٹونی سے ملاقات سے پہلے نہیں کیا جا سکتا تھا۔

وہاں سے شیفرڈ زبش ٹیوب اسٹیشن کا فاصلہ چند منٹ سے زیادہ نہیں تھا لیکن باہر دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ مطلوبہ پب اسٹیشن سے خاصی دُور واقع تھا۔ ہمارے پاس وقت کافی تھا۔ اس لیے ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے پیدل ہی پب کی طرف چل دیے۔ اسی راستے میں ایک بڑا بس اسٹاپ بھی آیا جہاں ایشیائی مردوں، عورتوں اور بچوں کی کثرت تھی، اِن میں کئی سکھ اپنی وضع قطع کے اعتبار سے دُور سے پہچانے جا سکتے تھے۔ قریب سے گزرتے ہوئے بورڈ پڑھنے سے معلوم ہوا کہ لندن کے مشہور سکھ اکثریتی علاقے ساؤتھ آل جانے والی بسیں وہاں سے گزرتی تھیں۔

چہل قدمی کے انداز میں بازار اور دکانیں دیکھتے ہم دو بجے کے بعد مطلوبہ پب کے قریب پہنچ گئے۔ سیاہ بیک گراؤنڈ پر بڑے بڑے سنہرے حروف میں ایسکیوز آرمز کا نام دُور ہی سے دیکھا جا سکتا تھا۔

ٹونی نے ہمیں بلکہ مجھے ڈھائی بجے کا وقت دیا تھا لیکن یہ بھی بتا دیا تھا کہ پب دو بجے بند ہو جاتا ہے لہٰذا سلطان شاہ کو قرب و جوار میں چوکنا رہنے کی ہدایت کرتے ہوئے سوا دو بجے میں پب کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

حسبِ توقع پب بند تھا۔ میں اس کے عقبی دروازے پر جو فی الحقیقت بغلی دیوار میں واقع تھا، پہنچا اور دیوار گیر بٹن دبا دیا۔ پب کے اندرونی حصّے سے گھنٹی کی آواز بلند ہوتے ہی میں نے بٹن سے انگلی ہٹا لی۔

کافی دیر گزرنے کے بعد بھی اندر سے جواب نہ ملا تو میں نے رسٹ واچ دیکھتے ہوئے دوبارہ ذرا طویل گھنٹی بجاتے ہوئے سوچا کہ کہیں ٹونی پابندیٔ وقت کے بارے میں پکا انگریز ہی نہ ہو، اگر میرا وہ خیال درست تھا تو موصوف سے ملاقات کے طے شدہ وقت میں ابھی چھ منٹ باقی تھے۔

میں نے فیصلہ کر لیا کہ اگر ٹونی دوسری گھنٹی کے جواب میں نہ آیا تو تیسری گھنٹی ٹھیک ڈھائی بجے بجاؤں گا۔

اس وقت مجھ پر ایک ایک لمحہ بھاری گزر رہا تھا۔ ٹیلی فون پر ہونے والی بے تکلفانہ گفتگو کے بعد اطلاعی گھنٹی کی طرف سے اُس کی سرد مہری غیر فطری سی لگ رہی تھی۔ لیکن پھر میں نے سوچا کہ وہ انگریز نسل سے تھا۔ وہ لوگ گھر میں چھٹی منا رہے ہوں تو لنگوٹ میں آرام کرتے ہیں لیکن احتیاطاً ٹائی لگا کر جوتے موزے بھی پہن لیتے ہیں کہ اچانک کوئی ملاقاتی نکل ہی آئے تو لباس کے معاملے میں بدذوقی کا طعنہ نہ دے سکے۔

میں ایسی ہی خرافات سوچ کر وقت گزارتا رہا۔ سلطان شاہ نے کوئی ایسا ٹھکانا تلاش کیا تھا جو میری نگاہوں سے اوجھل تھا۔

آخرکار ٹھیک ڈھائی بجے میں نے تیسری اطلاعی گھنٹی بجائی مگر جواب میں اندر سناٹا ہی چھایا رہا۔ اس مرتبہ ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ مجھے تشویش ہونے لگی۔ پھر میں نے غیر ارادی طور پر دروازے پر ہاتھ کا ہلکا سا دباؤ ڈالا تو وہ اندر کھلتا چلا گیا اور میرا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔

ویرا لائیڈ کا معتمدِ خاص اتنا غیر ذمّے دار نہیں ہو سکتا تھا کہ مجھ سے ملاقات کا وقت طے کر کے کوئی پیغام دیے بغیر اپنے پب کا عقبی دروازہ کھلا چھوڑ جاتا۔

میں نے گرد و پیش کا جائزہ لیا تو ہر طرف میدان صاف تھا۔ میں نے پھرتی کے ساتھ اندر داخل ہو کر دروازہ بند کیا اور بولٹ چڑھا دیا۔

سنسنی اور ہیجان کے ساتھ ہی مجھے خطرہ بھی لاحق تھا کیونکہ اس وقت میں بالکل نہتا تھا۔ محتاط اور بے آواز قدموں سے میں اندرونی کمرے سے ہوتا ہوا آگے بڑھا تو میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

بار کاؤنٹر کے قریب شفاف اور چکنی کھوپڑی والے

ایک ادھیڑ عمر اور دراز قامت سفید فام کی خون میں نہائی ہوئی لاش فرش پر پڑی ہوئی تھی اور وہ یقیناً ٹونی تھا جو ڈھائی بجے خلافِ معمول پب میں رک کر مجھ سے ملنے والا تھا۔

دُور ہی سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اسے کسی تیز دھار آلے سے ذبح کیا گیا تھا۔

اُس نے فون پر بتایا تھا کہ دو بجے پب بند ہوتا تھا جب کہ میں سوا دو بجے پب کے عقبی دروازے پر پہنچ گیا تھا اور دروازہ بظاہر بند ہونے کے باوجود اندر سے غیر مقفل تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ قاتل اسی راہ سے اندر داخل ہوا تھا اور جو کچھ ہوا وہ دو اور سوا دو کے درمیان ہوا تھا۔

ٹونی اپنی صحت اور جسامت کے اعتبار سے کوئی گیا گزرا انسان نہیں تھا جو شہ رگ پر چھری چلتے ہی جان دے دیتا۔ [illegible] نے دم توڑنے میں بھی کئی منٹ لیے ہوں گے اور قاتل اپنی [illegible] کے انجام تک پہنچنے تک ضرور وہاں ٹھہرا ہو گا۔ میرا اندازہ تھا کہ جب میں نے سوا دو بجے پہلی بار گھنٹی بجائی تو قاتل وہاں موجود تھا اور ٹونی دم توڑ رہا تھا۔ اس کے بعد میں مسلسل باہر موجود تھا اور قاتل کو فرار کا موقع نہیں مل سکا تھا۔

اچانک میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ایک سفّاک اور شہ زور قاتل اپنے ہتھیاروں سمیت اس چار دیواری میں موجود تھا۔ ٹونی کو ذبح کرنے کے بعد اس کے سر پر خون سوار تھا۔ دوسرا شکار اس کے مشتعل اعصاب کے لیے بہت آسان ثابت ہوتا اور میں بالکل نہتا اس کے رحم و کرم پر تھا۔

شاید وہ اندر میری موجودگی سے آگاہ تھا اور کہیں چھپ کر میری نگرانی بھی کر رہا تھا۔

اچانک ایک آواز پیدا ہوئی، میں بھڑک کر پلٹا اور موت کی بے یقینی سے میرے بدن کے سارے مساموں سے ٹھنڈے ٹھنڈے پسینے کی دھاریں بہہ نکلیں۔

گٹھے ہوئے جسم والا ایک تنومند سفید فام نوجوان، خون آلود خنجر تھامے میرے سامنے موجود تھا۔ بالوں سے محروم گھٹی ہوئی کھوپڑی سے اس کی پیشانی تک رنگین نقوش و نگار بنے ہوئے تھے اور آدھی آستین کی بش شرٹ کے نیچے کلائیوں پر آہنی زنجیر پر مشتمل وزنی ڈھیلے کڑے جھول رہے تھے۔

اس کی آنکھوں سے جھلکتی ہوئی موت کی سرد پیاس اور حلیے سے یہ اندازہ کرنا دشوار نہیں تھا کہ اس کا تعلق لندن کے ان بدنام اسکن ہیڈز یعنی گنجوں کے جنونی گروہ سے تھا جو ذرا ذرا سی بات پر کوئی بڑے سے بڑا جرم کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ پاکستانی اخبارات میں آئے دن ان کی دہشت انگیز، مجرمانہ سرگرمیوں کے بارے میں خبریں چھپتی رہتی تھیں، کیونکہ ان کے جرائم کا نشانہ بیشتر رنگ دار نسل کے لوگ اور ان کے اہل و عیال ہی بنتے تھے۔

ان میں بیشتر وہ بگڑے ہوئے نوجوان لڑکے لڑکیاں ہوتے تھے جو سن بلوغت کو پہنچنے کے ساتھ ہی اپنی فلاحی مملکت کے خزانے پر بوجھ بن جاتے تھے اور کوئی کام کیے بغیر ہر ہفتے خزانۂ عامرہ سے بے روزگاری الاؤنس وصول کیا کرتے تھے۔ ایسے بے روزگاروں کو پورے برطانیہ میں ایسا تحفظ میسّر تھا کہ وہ رعایتی نرخوں پر سفر کے ساتھ ہی مقررہ مقامات پر قیام و طعام کے رعایتی داموں کے حق دار بھی ہوتے تھے اور یوں اپنے معاشرے میں ایک الگ اکائی کی صورت اختیار کر کے منشیات نوشی، تشدد، خون ریزی اور جنسی بے راہ روی کا شکار ہوتے چلے جاتے تھے۔

لیکن میرے خنجر بردار مقابل نے چند منٹ قبل کسی ایشیائی کا نہیں بلکہ کسی انگریز کا خون کیا تھا۔ جیکب میکفرسن کی خون میں نہائی ہوئی لاش اس کی درندگی کا کھلا ثبوت تھی۔

"ہاتھ اوپر اٹھا دو۔" وہ آہستہ آہستہ میری طرف پیش قدمی کرتے ہوئے دھیمی مگر سفاکانہ آواز میں غرایا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ آدم زاد نہیں بلکہ لہو کا پیاسا بھیڑیا ہو۔

میں نے اس پر سے نظریں ہٹائے بغیر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔

وہ مختصر سے ہال کے وسط میں آ کر تھم گیا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی بھی لمحے خنجر سمیت مجھ پر ٹوٹ پڑے گا۔

"اسے تم نے ذبح کیا ہے؟" میں نے جمود توڑتے ہوئے گمبھیر لہجے میں سوال کیا۔

اس نے خلافِ توقع بھڑکنے کے بجائے فخر اور اعتماد کے ساتھ اپنے سر کو اوپر نیچے جنبش دی۔ "کالا ہان سے تصادم مول لینے والوں کو زیادہ دن زندہ رہنے کی مہلت نہیں ملتی۔"

"اوہ! تو تم ہی کالا ہان ہو!" میں نے بے اختیار تحیّر آمیز لہجے میں کہا۔

وہ فقرہ بالکل اضطراری طور پر میری زبان سے نکلا تھا، بالکل اسی طرح جیسے کوئی کلید دباتے ہی ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں کمپیوٹر کا ننھا سا سرکٹ آناً فاناً میں حساب لگاتا ہے اور کسی توقف کے بغیر جواب اس کی اسکرین پر روشن ہو جاتا ہے۔

اس نے جس زعم سے کالا ہان کی قوت اور دسترس کا اظہار کیا تھا اس سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ بلا کا مغرور اور انا پرست تھا۔ شاید وہ اسے اپنی خوبی تصور کرتا ہو لیکن میری نظروں میں جسمانی طاقت سے اسلحے تک وہ ہر اعتبار سے مجھ سے برتر تھا۔ اگر اس میں کوئی کمی تھی تو بس یہی کہ وہ انا پرست تھا اور اس کی انا کو ابھار کر میں شاید اسے اپنی راہ پر لا سکتا تھا ورنہ اس ویران اور بند شراب خانے میں میری چیخ و پکار بھی مجھے اس کے ہاتھوں ذبح ہونے سے نہیں بچا سکتی تھی۔

اس کے چہرے پر بہت حوصلہ افزا ردِ عمل رونما ہوا تھا۔ لمحہ بھر کے لیے کسی خود پسند احمق کی طرح اس کا منہ کھلا، سرد اور بے رحم آنکھوں میں حیرت موجزن نظر آئی۔ پھر وہ بولا۔ "تم مجھے کیا جانو؟"

"ملاقات پہلی ہی ہے لیکن شہرہ بہت دنوں سے سنتا آیا ہوں، مجھے امید نہیں تھی کہ تم سے اتنی آسانی کے ساتھ ملاقات ہو سکے گی، شاید اب میرا کام بن ہی جائے گا۔"

اس وقت یقین آیا کہ خوشامد واقعی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں پر زہرِ قاتل کا اثر رکھتی ہے۔ میرے جھوٹ پر اس کا دیو ہیکل سینہ ذرا اور پھیل گیا۔

"تم کون ہو اور مجھ سے کیا کام آ پڑا ہے تمہیں؟" اس نے گردن تان کر سوال کیا۔

"بات لمبی ہے، اجازت دو تو ذرا ایک سگریٹ سلگا لوں۔" میں نے کوئی کہانی تراشنے کے لیے وقت حاصل کرنے کی نیت سے کہا مگر اس نے سختی سے انکار کر دیا۔

وہ جس ذوق کا مالک تھا وہ میرے سامنے تھا۔ صورتِ حال کے ہر پہلو سے ظاہر ہو رہا تھا کہ جیکب کا قتل اسی نے کیا تھا لہٰذا میں اس سے ایسے ہی کسی کام کی امید ظاہر کر سکتا تھا لیکن "میں کون تھا؟" یہ میں اسے کیا بتاتا۔

میرے ذہن میں تیزی کے ساتھ ریل چلنے لگی۔

جیکب نے مجھے میگی کے بوائے فرینڈ کے طور پر پہچانا تھا اور مجھے وہ حوالہ ویرا نے بتایا تھا۔ فون پر مجھے شناخت کرنے کے بعد ہی جیکب نے ڈھائی بجے مجھے ملاقات کے لیے ایسکویز آرمز میں بلایا تھا مگر بار بند ہونے کے بعد یعنی دو بجے سے ساڑھے دو بجے کی قلیل سی درمیانی مدت میں کالا ہان نے بے رحمی کے ساتھ اسے ہلاک کر دیا۔

جیکب کے قتل کا سبب کچھ بھی رہا ہو، میرے نزدیک اصل اہمیت واردات کے وقت کی تھی۔ کالا ہان کو اگر اس سے کوئی دشمنی تھی تو وہ اسے پہلے یا بعد میں بھی مار سکتا تھا۔ آخر اس نے ایسے ہی وقت کا انتخاب کیوں کیا جب میں جیکب سے ملنے وہاں پہنچنے والا تھا۔ پھر یہ نکتہ بھی قابلِ غور تھا کہ کالا ہان دو بجتے ہی اندر نہ گھسا ہو گا ورنہ تھوڑی بہت بحث اور شاید ہاتھا پائی کے بعد ٹھیک ساڑھے دو بجے اس کے نرخرے پر چھری نہ پھیر چکا ہوتا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ بہت پہلے سے پب میں موجود تھا اور وقت ختم ہو جانے کے باوجود باہر نہیں گیا تھا ورنہ پب بند ہو جانے کے بعد جیکب اپنے کسی دشمن کو اتنی آسانی کے ساتھ عقبی دروازے سے اندر نہ آنے دیتا۔

یہ بھی ممکن تھا کہ بار بند ہونے کی گھنٹی بجتے ہی کالا ہان... سوچے سمجھے منصوبے کے تحت باتھ روم میں جا چھپا ہو اور پھر اندازے کی بنا پر میدان صاف ہوتے ہی باہر نکل آیا۔

لیکن ان سب نکات میں وقت کا انتخاب سب سے اہم تھا اور وہی مجھے اپنی شناخت کے اخفا پر اکسا رہا تھا۔

ویرا کا آدمی ہونے کے ناتے جیکب میرا دوست اور ہمدرد تھا لہٰذا اس کا جانی دشمن میرا دوست ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔

"میرا نام اکبر ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہنا شروع کیا۔ "میں یہاں ایڈم کی تلاش میں آیا ہوں۔ تمہارا ہم نسل وہ چھوکرا بھارت سے میری منگیتر کو ورغلا لایا ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ کام تم ہی بہترین طریقے پر سرانجام دے سکو گے۔"

"بھارت سے؟" اس نے برا سا منہ بنا کر دہرایا۔ "نام کیا ہے لڑکی کا؟"

"ہاں بھارت سے۔ اس کا نام شکتی ہے۔ بہت سادہ لوح اور معصوم ہے، ہر ایک کی باتوں میں آ جاتی ہے۔" میں نے اپنے الفاظ میں زور پیدا کرنے کے لیے اداس لہجے میں کہا۔

وہ یوں چپ ہو گیا جیسے میری کہانی سن کر کسی گہری سوچ میں پڑ گیا ہو لیکن اس کی نگاہیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں اور ہاتھ میں دبا ہوا خون آلود خنجر کسی بھی لمحے وار کرنے کے لیے تیار تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ میری سنائی ہوئی کہانی کی کڑیاں کسی اور واقعے سے ملا رہا ہو۔

"تمہیں میرا نام کس نے بتایا تھا؟" آخر کار اس نے مجھے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"کرشن لال نے... وہ کچھ عرصہ پہلے یہاں رہ چکا ہے۔" میں نے محتاط لہجے میں کہا۔

"میں کسی کرشن لال کو نہیں جانتا۔" اس نے چند ثانیوں تک ذہن پر زور دینے کے بعد کہا۔

"میرے لیے یہی کافی تھا کہ وہ اجنبی ملک میں کسی کو جانتا تھا۔ ضروری نہیں کہ وہ براہِ راست تم سے آشنا رہا ہو۔ وہ خود بھی شہ زور آدمی ہے، ہو سکتا ہے کہ کسی سے تمہارے بارے میں سنا ہو۔"

وہ عجیب سے انداز میں یوں ہنسا کہ اس کا پورا بدن ہلنے لگا پھر فخر آمیز لہجے میں بولا۔ "یہ مان سکتا ہوں۔ میرا نام تو نیک ڈسٹرکٹ تک میں جانا پہچانا جاتا ہے۔"

"اجازت ہو تو میں اپنے ہاتھ گرا لوں؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"ابھی نہیں۔" وہ اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔ "میرے پاس وقت کم ہے اور ابھی اہم ترین سوال کا جواب ملنا باقی ہے، اسی پر تمہاری زندگی کا انحصار ہو گا۔"

"پوچھو... میں تیار ہوں۔" میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ کہا۔

"تم شکتی کی تلاش میں آئے ہو۔ یہ ملک تمہارے لیے اجنبی ہے اور تم مجھ سے ملنا چاہتے تھے پھر پورا شہر چھوڑ کر ٹھیک ساڑھے دو بجے اس ذلیل پب میں کیسے آ پہنچے؟"

"کرشن لال نے بتایا تھا کہ تمہارے بارے میں ایسکویز آرمز کے بارٹینڈر سے معلومات حاصل ہو سکیں گی۔" میں نے اپنے ہیجان پر قابو پاتے ہوئے پرسکون لہجے میں کہا۔ "یہاں پہنچا تو بار بند تھا۔ میں سمجھا کہ پب دیوالیہ ہو گیا ہے لیکن تجسس سے مجبور ہو کر بغلی دروازے پر پہنچ گیا۔ کئی بار ڈور بیل بجانے کے بعد بھی جواب نہ ملا تو دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا اور وہ کھل گیا۔ اس طرح میں اندر آ گیا، میرا خیال ہے کہ متوفی ہی یہاں کا بارٹینڈر تھا۔"

"تو تمہیں نہیں معلوم کہ دوپہر میں یہاں کے ہر پب میں وقفہ ہوتا ہے؟" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"آج صبح پہلی بار لندن آیا ہوں، یقین نہ ہو تو پاسپورٹ دیکھ لو۔"

"آنے سے پہلے جیکب سے بات ہوئی تھی؟" اس کا لہجہ بدستور کاٹ دار تھا۔

"کون جیکب؟" میں نے معصومانہ سادگی کے ساتھ سوال کیا۔

"یہ۔" اس نے ٹھوکر سے خون میں لتھڑی ہوئی بے جان

لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ! پھر مجھے اس کا آخری نام بتایا گیا ہوگا، میں اسے میکفرسن کے نام سے تلاش کر رہا تھا۔ میرے پاس اس کا فون نمبر نہیں تھا پھر یہاں ٹیلی فون ڈائریکٹریز کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ محض نام کے سہارے انھیں کھنگالنے کی ہمت نہ کر سکا۔ میرے لیے چند گھنٹے برباد کر کے یہاں پہنچنا ہی آسان تھا۔"

"حیرتناک!" اس کی بڑبڑاہٹ خاصی بلند آہنگ تھی "پھر وہ کون تھا اور کہاں گیا؟"

"تم کس کی بات کر رہے ہو؟ کون غائب ہو گیا۔"

"اگر میں تمھاری کہانی کو درست تسلیم کر لوں تو اس وقت یہاں ایک اور آدمی کو موجود ہونا چاہیے۔ جیکب نے اس کے ساتھ یہاں ڈھائی بجے ملاقات کا وقت مقرر کیا تھا۔"

"تو یہ وقت تمھارے مشورے سے طے پایا تھا؟" میں نے اسے کسی شبہے کا موقع دیے بغیر معصومانہ انداز میں پوچھا۔

اس نے مجھے قہر بار نظروں سے گھورا پھر بولا "جیکب کو علم نہیں تھا مگر میں اسی سلسلے میں اس سے بات کرنے آیا تھا۔ میں کاؤنٹر پر فون کے نزدیک بیٹھا ہوا تھا۔ پونے بارہ بجے میں نے اسے کسی سے پروگرام طے کرتے سنا تھا۔ اس آدمی کو جیکب نے جونی کہہ کر مخاطب کیا تھا اور گفتگو میں میڈم کا حوالہ بھی آیا تھا جس کی بنا پر مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ جونی ہی میرا مطلوبہ آدمی تھا۔"

میرا دل کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا۔ کالاہان یقینی طور پر کسی مخالف گروہ کا آدمی تھا اور مجھے گھیرنے کے چکر میں تھا۔ وہ تو غنیمت ہوا کہ میں نے مدعا برقرار رکھتے ہوئے سارے نام ہی بدل ڈالے ورنہ وہ میری گردن پر سوار ہو سکتا تھا۔

"اگر جونی تمھارا مطلوبہ آدمی تھا تو تم نے اس کے آنے سے پہلے جیکب کو کیوں مار دیا؟" اس نے خود مجھے بازپرس کا موقع فراہم کیا تھا تو اس سے فائدہ اٹھانا میرا اوّلین فرض تھا۔

"تم اس معاملے میں کیوں دلچسپی لے رہے ہو؟" وہ مجھے گھورتے ہوئے غرّایا۔

"تمھارے دشمنوں سے دلچسپی ہونا لازمی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ شکتی کی روپوشی میں اسی کا ہاتھ رہا ہو۔"

"میں خود جیکب سے اس آدمی کی اصلیت جاننا چاہتا تھا مگر اس مردود نے زبان نہ کھولی اور میں نے غصّے میں بے قابو ہو کر اسے ذبح کر ڈالا۔ اب میں خود ہی آنے والے سے جیکب بن کر بات کروں گا۔"

"اور اگر وہ جیکب کا شناسا رہا ہو؟" میں نے شوشہ چھوڑا۔

"تم اپنی ننھی سی کھوپڑی کو نہ تھکاؤ۔ میں بس تین بجے تک اس کا انتظار کروں گا۔ وہ نہ آیا تو تمھارا فیصلہ کر کے یہاں سے چل دوں گا۔ ساڑھے تین کے بعد کسی بھی وقت باقی عملہ دوسری شفٹ کے آغاز کے لیے یہاں آ سکتا ہے۔" اس نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا اور میں کاؤنٹر کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے میرا دھیان رکھتے ہوئے بائیں ہاتھ سے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر نکال کر بیک وقت دو سگریٹیں سلگائیں اور ان میں سے ایک میری طرف اچھال دی جسے میں نے شکریے کے ساتھ فضا ہی میں لپک لیا۔

اس کے تیوروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بہت متکبر اور بدمزاج آدمی تھا۔ حسبِ توقع اس سے زیادہ دیر خاموش نہ رہا گیا۔ "جانتے ہو مجھے اس مردود جونی کا کیوں انتظار ہے؟"

میں نے اس کی امید پر پورا اترتے ہوئے احمقانہ انداز میں سر کو نفی میں ہلا دیا۔ مجھے پوری امید تھی کہ میری طرف سے لاعلمی کے اظہار پر وہ متکبرانہ انداز میں کچھ نہ کچھ بتاتا چلا جائے گا۔

اس معاملے میں وہ میری توقعات پر سو فیصد پورا اترا۔

"تم شکتی کی تلاش میں ہو اور مجھے گے زے لا کی تلاش ہے۔" وہ تلخ لہجے میں بولا اور میں اس کی منحوس زبان سے غزالہ کا بگڑا ہوا نام سن کر چونک پڑا۔ میرا وجود یک بیک سُن ہو کر رہ گیا تھا۔

"یہ گے زے لا کیا بلا ہے؟" میں نے اپنی دلی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے قدرے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"واقعی بلا ہے بلا۔" وہ ایک ٹھنڈا سانس لے کر بولا اور میری رگوں میں دورانِ خون یک بیک تیز ہو گیا۔ "ایک بے حد حسین اور پُرکشش مشرقی لڑکی ہے جسے دیکھتے ہی خواہ مخواہ اس پر عاشق ہونے کو دل چاہتا ہے۔" وہ کہہ رہا تھا اور مجھے اس کی آواز کسی گہرے کنویں سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ "کچھ پتا نہیں کہ وہ کہاں سے مرتی کھپتی جیکب کے ہاتھ آ لگی اور اس نے کسی بہتر سودے کی امید پر اس دلفریب لڑکی کو لندن میں اپنے پاس رکھنے کے بجائے کاؤنٹری میں اپنے بھائی کے پاس پہنچا دیا۔ جیکب کا بھائی بے چارہ مجرد ہے اور عورتیں عموماً اسے بے ضرر تصور کرتی ہیں۔ میرے آدمیوں کو بھنک ملی تو وہ اس لڑکی کو اپنی انا کا مسئلہ بنا بیٹھے۔ پہلے دور دور سے اس پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کرتے رہے۔ جب اس میں کامیابی نہیں ہوئی تو پچھلے ویک اینڈ پر جیکب کے بھائی کے گھر ایک پارٹی کر ڈالی۔ جب جیکب کا بھائی رات گئے نشے میں بے سُدھ ہو گیا تو اُسے ایک کمرے میں بند کر کے لڑکی کا رُخ کیا گیا مگر وہ کہیں سے ایک مشینی پستول حاصل کر چکی تھی۔ خود کو خطرے میں پاتے ہی اس نے بے دریغ فائرنگ شروع کر دی اور مکان سے بھاگ نکلی۔ نشے کی جھونک میں ہونے کی وجہ سے میرے دو ساتھی بے موت مارے گئے اور اب لڑکی لاپتا ہے۔"

جب تک وہ بولتا رہا میری کیفیت لمحہ بہ لمحہ بدلتی رہی۔ نگاہوں کے سامنے اندھیرا چھاتا جا رہا تھا اور میرے پورے وجود میں انتقام کی سرد اور بھیانک لہر سرایت کرتی جا رہی تھی لیکن جب اس نے غزالہ کے باعزّت فرار کا ذکر کیا تو آسودگی کے ایک گہرے احساس کے ساتھ میرا مزاج معمول پر آ گیا۔ وقتی طور پر غزالہ کی روپوشی پر تشویش یوں نہ ہو سکی تھی کیونکہ وہ جن حالات سے بچ کر فرار ہوئی تھی، وہ اس کی روپوشی سے کہیں زیادہ سنگین تھے۔

"خیر۔ وہ تمھارا معاملہ تھا۔" میں نے خود کو حتی الامکان غزالہ سے لاتعلق رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "لڑکی تمھارے دو آدمیوں کو مار کر فرار ہو گئی تو اس میں جیکب کا کیا قصور تھا جو تم نے اسے مار دیا؟"

"تم ان اطراف میں اجنبی ہو اس لیے یہ احمقانہ سوال کر رہے ہو۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ "جیکب کو علم نہیں تھا کہ لڑکی کے ہاتھوں مرنے والے میرے آدمی تھے ورنہ وہ میرے پب میں گھستے ہی مجھ سے الجھ پڑتا۔ یہاں اس کی پشت پر بھی بے جگر لوگ ہیں جو کسی عورت کے لیے کام کرتے ہیں۔ ان میں وہ میڈم کہلاتی ہے۔ جب جیکب نے فون پر جونی سے بات کرتے ہوئے میڈم کا نام لیا تو میں چونک پڑا۔ مجھے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ گفتگو لڑکی کے بارے میں ہی تھی۔ مجھے اپنے ذرائع سے خبر مل چکی تھی کہ کاؤنٹری میں واردات کرنے کے بعد لڑکی لندن آنے والی بس میں سوار ہوتی دیکھی گئی تھی، وہ یقیناً جیکب کے پاس پہنچ چکی ہوگی اور اس نے حالات قابو سے باہر ہونے سے پہلے جونی سے اس کا معاملہ طے کر لیا ہوگا۔ اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد ہی میں نے پب بند ہونے کے بعد جیکب سے سختی کے ساتھ نمٹنے کا فیصلہ کر لیا تھا مگر بازپرس کا آغاز ہوتے ہی وہ ہٹ دھرمی پر اتر آیا اور مجھے اس کی شہ رگ کاٹنا پڑ گئی۔ مجھے امید تھی کہ میں اس کو ختم کرنے کے بعد اس کی لاش کی موجودگی میں جونی کو دہشت زدہ کر کے بہت کچھ اگلوا سکوں گا لیکن اس کی جگہ تم بیچ میں آ ٹپکے۔"

"وہ تمھارا اپنا مسئلہ تھا۔" میں نے بیزاری ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "یہ سب تم مجھے کیوں سنا رہے ہو؟"

وہ معنی خیز انداز میں ہنسا پھر اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔ "وقت گزاری کے لیے.... شاید تمھیں ابھی تک اندازہ نہیں ہو سکا ہے کہ تم کس قدر غلط موقع پر یہاں پہنچے ہو۔ میں بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ تمھاری بدنصیبی ہی تمھیں ہانک کر یہاں تک لائی ہے۔"

"پتا نہیں، تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا حالانکہ میں اس کے ناپاک عزائم کے بارے میں پہلے ہی اندازہ لگا چکا تھا اور اس کے سدِباب کے امکانات کا جائزہ لے رہا تھا۔

"بات بہت سیدھی سی ہے۔" وہ کریہہ صورت گنجا مکارانہ لہجے میں بولا۔ "میں اپنے ہم پیشہ لوگوں میں اس بات کے لیے شہرت رکھتا ہوں کہ اپنے حریفوں کو پاتال میں بھی نہیں چھوڑتا۔ انھیں ان کے بلوں سے باہر گھسیٹ کر جہنم واصل کر دیتا ہوں لیکن اس کے باوجود آج تک کوئی پولیس افسر مجھ پر فردِ جرم عائد کر کے مجھے عدالت کے کٹہرے میں نہیں لے جا سکا۔ جانتے ہو کیوں؟"

"بہتر ہوگا کہ سبب بھی تم خود ہی بتا دو۔" میں نے اکتاہٹ کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ میں اسے یہ تاثر دینا چاہ رہا تھا کہ میں اس کے الفاظ میں پوشیدہ دھمکی کو نہیں سمجھ پایا تھا۔

"صرف اس لیے کہ میں نے آج تک اپنے جرم کے کسی ایسے گواہ کو زندہ نہیں چھوڑا جو میرے خلاف قانون کی مدد کر سکے۔" اس نے خون آلود خنجر کو فضا میں جنبش دیتے ہوئے کہا۔

"تم کہنا کیا چاہ رہے ہو؟" میں نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"مطلب صاف ظاہر ہے۔" وہ دونوں ہاتھ پہلوؤں پر فضا میں پھیلا کر میری طرف بڑھنے لگا۔

میں دم بخود اپنی جگہ کھڑا اس پر نظریں جمائے رہا۔ کالاہان کو جسمانی طور پر مجھ پر واضح برتری حاصل تھی اس کا بدن کسی گینڈے کی طرح مضبوط تھا اور اپنے بھاری

تن و توش کے باوجود اس کی ایک ایک حرکت میں بجلی کی سی پھرتی رچی ہوئی تھی۔

خنجر کا دستہ اس کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔ اس نے چند قدم بڑھنے کے بعد اچانک اپنے داہنے ہاتھ کو یوں جنبش دی جیسے دور ہی سے میرے سینے پر خنجر پھینکنا چاہتا ہو، فضا اس کے ہاتھوں میں پڑے ہوئے آہنی زنجیر کے کڑوں کی جھنکار سے گونج اٹھی مگر میں نے اپنی جگہ سے ذرا بھی حرکت نہیں کی۔ میں جانتا تھا کہ وہ خنجر زنی میں کتنا ہی ماہر کیوں نہ ہو، نوک سے تھامے بغیر خنجر نشانے پر نہ پھینک سکے گا۔ میرا سکون ایک لمحے کے لیے اسے حیران کر گیا۔

وہ لمحہ بھر کے لیے جھجکا پھر فضا میں کسی دیو ہیکل پرندے کی طرح تقریباً اڑتا ہوا میرے اوپر آیا تھا۔ اس کا اندازہ اس قدر درست تھا کہ آخری لمحے پر اگر میں نے سرعت کے ساتھ اپنی جگہ نہ چھوڑی ہوتی تو اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے خنجر کا پھل دستے تک میرے بائیں پہلو میں پیوست ہو گیا ہوتا۔

وار خالی جانے کی وجہ سے اسے خود کو سنبھالنے کے لیے تھوڑی سی جدوجہد کرنا پڑی اور اسی دوران میری بائیں ٹانگ چل گئی، وہ بھی غافل نہیں تھا اس لیے اپنا چہرہ صاف بچا گیا لیکن پھر بھی بچتے بچتے اس کی ٹھوڑی میرے جوتے کی زد میں آ ہی گئی اور وہ چوٹ کھا کر بھڑک اٹھا۔

اس بار وہ کسی غضبناک درندے کی طرح غراتا ہوا میری طرف لپکا تھا کہ پیچھے ہٹتے ہوئے میں نے اچانک ایک اسٹول اٹھا کر اس پر دے مارا۔ اس نے پھرتی کے ساتھ فضا میں اڑتے ہوئے چوبی اسٹول سے بچنا چاہا مگر اس کی کھوپڑی چٹخ ہی گئی۔ زخم سے بہہ نکلنے والی خون کی باریک لکیروں نے اس کی منقش پیشانی سے چہرے تک کو بھیانک بنا دیا تھا لیکن اس پر اسٹول پھینک مارنے کی کوشش میں میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا تھا۔

ابتدا میں اس کے خنجر اور جثے سے مجھ پر جو تشویش طاری تھی، وہ تصادم شروع ہوتے ہی رفع ہو چکی تھی۔ اسے دو ضربات لگانے کے بعد مجھے اپنے بچ نکلنے کی امید پیدا ہو چکی تھی، اس لیے جب وہ میرے گرتے ہی دانت پیستا ہوا میرے اوپر آیا تو میں نے براہِ راست اس کی داہنی کلائی پر ہاتھ ڈالنے کا فیصلہ کر لیا تاکہ اسے خنجر سے محروم کر کے اطمینان سے دست بدست مقابلہ کر سکوں۔

لیکن اسی لمحے پب کی محدود فضا "ہینڈز اپ" کی غراہٹ سے گونج اٹھی اور کالاہان جہاں تھا، مشینی انداز میں وہیں رکا رہ گیا۔ پل بھر کے لیے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے وہ کوئی مشینی روبوٹ ہو جس کا سوئچ آف کر دیا گیا ہو۔

میرے لیے سلطان شاہ کی وہ للکار بہت حوصلہ افزا تھی۔ میرے اندر داخل ہونے کے بعد وہ غالباً بہت قریب سے پب کی نگرانی کر رہا تھا اور اندر دھماچوکڑی کی سُن گُن ملتے ہی اس نے دخل انداز ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا مگر مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ میں نے اندر داخل ہونے کے بعد بغلی دروازے کا بولٹ چڑھا دیا تھا۔ ایسی صورت میں وہ کہاں سے اور کس طرح اندر داخل ہونے میں کامیاب ہوا تھا۔

لیکن میں وہ قیمتی مہلت اس سوال میں سر کھپا کر ضائع نہیں کر سکتا تھا۔ یہ ایک اٹل حقیقت تھی کہ سلطان شاہ میری مدد کے لیے اندر آ چکا تھا اور ہم دونوں کو جلد از جلد کالاہان سے چھٹکارا حاصل کرنا تھا ورنہ کسی بھی لمحے پب کا کوئی ملازم وہاں پہنچ کر سارا کھیل بگاڑ سکتا تھا۔

کالاہان نے لمحہ بھر کے لیے ساکت کھڑے کھڑے غیر محسوس طریقے پر خنجر فضا میں اچھال کر اپنی گرفت تبدیل کی، اب خنجر کی نوک اس کے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کے درمیان دبی ہوئی تھی۔

"ہوشیار! یہ خنجر باز ہے۔" میں نے اضطراری طور پر دبی ہوئی آواز میں کہا اور عقب سے کالاہان پر ٹوٹ پڑا۔ سلطان شاہ کو میں نے وارننگ اردو میں دی تھی جو کالاہان کے پلے ہی نہ پڑ سکی تھی۔ پھر مجھے سلطان شاہ کی دھمکی کے کھوکھلے پن کا اندازہ بھی تھا کیونکہ لندن میں اس وقت تک ہم دونوں بالکل غیر مسلح تھے۔ حد یہ تھی کہ ہمارے پاس قلم تراش چاقو تک موجود نہیں تھا۔

کالاہان کے ستارے بُری طرح گردش میں آ چکے تھے۔ اسے اپنے خنجر کی کاٹ دوبارہ آزمانے کا موقع نہ مل سکا۔ میں نے اس کی ٹانگوں میں اپنی ٹانگیں الجھا کر اسے پھرتی سے نیچے گرایا اور سلطان شاہ نے اس کی داہنی کلائی اپنے جوتے کے نیچے پوری طاقت سے دبا لی۔ میں نے تھوڑی سی جدوجہد کے بعد کالاہان سے خنجر چھین لیا اور ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اس کا پورا پھل دل کے مقام پر اس کی پسلیوں کے درمیان اتار دیا۔

وہ وار اتنا کاری تھا کہ کالاہان کے پورے بدن کو ایک شدید جھٹکا لگا۔ چیخنے یا سانس لینے کے لیے اس کا منہ کھلا اور پھر وہ بے جان ہو کر قالین پر ڈھیر ہو گیا۔ شاید خنجر کے چوڑے پھل نے دل سے جسم کو خون فراہم کرنے والی رگیں کاٹ کر رکھ دی تھیں۔

کالاہان کی دیو ہیکل لاش پر سے اٹھتے ہوئے میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو ساڑھے تین سے پانچ منٹ اوپر ہو چکے تھے۔ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں رہا تھا کہ وہاں رک کر دونوں لاشوں کی تلاشی لیتے، البتہ چلتے چلتے میں نے باہر سے ان کے جسموں کو ٹٹول کر یہ دیکھ لیا تھا کہ ان میں سے کسی کے پاس آتشیں اسلحہ نہیں تھا جو ہمارے لیے کار آمد ہوتا۔

سلطان شاہ نے پب کے بغلی دروازے کا بولٹ گرایا اور ہم دونوں کسی کی نظروں میں آئے بغیر یکے بعد دیگرے باہر نکل آئے۔ مجھے شدت سے یہ خوف لاحق تھا کہ کالاہان سے ہاتھا پائی میں میرے چہرے وغیرہ پر کوئی خون آلود خراش نہ آ گئی ہو جو باہر کسی پولیس والے کی نظروں میں آ کر میرے لیے دشواری کا سبب بن جائے لیکن میرے استفسار پر سلطان شاہ نے میرے ان اندیشوں کی تردید کر دی اور میں اسے ٹیوب اسٹیشن پہنچنے کی ہدایت کرتے ہوئے سڑک عبور کر کے اس سے الگ ہو لیا۔ اس وقت میرے دل و دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ جب تک کالاہان موت بن کر میرے سر پر سوار تھا، میں سب کچھ بھول کر اپنی ساری توجہ اسی پر مرکوز کیے ہوئے تھا لیکن اسے موت کی بے رحم وادیوں میں دھکیلتے ہی یہ ہولناک احساس دماغ پر طاری ہو گیا تھا کہ کالاہان کی کہانی کے مطابق غزالہ اب کاؤنٹری میں نہیں تھی بلکہ اپنی طرف بڑھنے والے بھیڑیوں کو جہنم واصل کر کے کہیں فرار ہو چکی تھی اور جیکب، جس سے غزالہ کے بارے میں کوئی اطلاع مل سکتی تھی، کالاہان کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اس طرح غزالہ انسانوں کے اتھاہ سمندر میں کہیں گم ہو چکی تھی، جس کا سراغ لگانا، اس اجنبی سرزمین پر جوئے شیر لانے سے کم نہیں تھا۔

میں جیبوں میں ہاتھ ڈالے سڑک کی بائیں سمت والی فٹ پاتھ پر آہستہ آہستہ چلتا رہا۔ سلطان شاہ دوسری فٹ پاتھ پر مجھ سے کافی آگے چلا جا رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب میں غزالہ کی تلاش کی مہم کس طرح جاری رکھ سکوں گا۔

★★

پوری کہانی سن کر سلطان شاہ کے چہرے پر فکرمندی کی لکیریں ابھر آئیں۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ شیفرڈ بش کے ایکیوز آرمز میں غزالہ کی بازیابی کی کہانی نے ایسا غیر متوقع اور سنسنی خیز موڑ لیا ہو گا۔ اس کے نزدیک اس پب میں دو لاشوں کی موجودگی سے زیادہ اہم یہ بات تھی کہ غزالہ اس ٹھکانے پر نہیں تھی، جہاں ویرا نے اسے مہمان کے طور پر رکھا ہوا تھا۔

مجھے یہ سوچ کر حیرت ہو رہی تھی کہ غزالہ جیسی سیدھی اور خانہ دار لڑکی نے...... بُرا وقت آنے پر برطانیہ میں اپنے کھاتے کا آغاز دوہرے خون سے کیا تھا۔ محض اسی بنا پر میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اب وہ خون آشام ہو گئی تھی اور اپنے تحفظ کے لیے دو کے بعد تیسرا، چوتھا قتل بھی کر سکتی تھی۔

لیکن ایسے خونریز معاملات میں وہ بالکل اناڑی تھی۔ اگر کالاہان کو یہ علم تھا کہ کاؤنٹری میں دو آدمیوں کو ہلاک کرنے والی غزالہ تھی تو یہ بات قانون کے محافظوں سے بھی پوشیدہ نہ رہی ہو گی۔ ان دنوں تاجِ برطانیہ کے زیرِ سایہ نسلی منافرت کی جو لہر چل رہی تھی، اس کے پیشِ نظر غالب امکان یہی تھا کہ جیکب کے بھائی کے گھر پر ہونے والے بدمست اسکن ہیڈز یا گنجوں کے اجتماع سے غزالہ کے حق میں کوئی گواہی ریکارڈ پر نہ آ سکی ہو گی اور اس معاملے کو روایتی طور پر ایک ایشیائی عورت کے ہاتھوں دو انگریزوں کے قتل کا سنگین معاملہ قرار دے کر ملک گیر پیمانے پر اس سفاک قاتلہ کی تلاش کی مہم شروع کر دی گئی ہو گی۔

"کالاہان اس پب میں بلا وجہ نہیں آیا تھا۔" سلطان شاہ طویل سکوت کے بعد بولا۔ "جیکب کو یقیناً اس بارے میں علم رہا ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ کاؤنٹری سے فرار ہو کر بھابی نے لندن میں اسی کے پاس پناہ لی ہو۔"

"جیکب کے مر جانے کے بعد اب یہ سب قیاسات ہیں جن سے ہمیں کوئی مدد نہیں مل سکتی۔" میں نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ جیکب کی قیام گاہ سے کوئی سراغ مل سکے۔"

"جیکب کی لاش دریافت ہوتے ہی اس کا مکان پولیس کا گڑھ بن جائے گا، ہم ادھر کا رُخ بھی نہیں کر سکتے۔ پھر کالاہان جیسے چالاک آدمی نے بھی یہ امکان نظر انداز نہ کیا ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ ادھر سے مایوس ہونے کے بعد ہی اس نے پب میں جیکب سے دو ٹوک بات کرنے کا فیصلہ کیا ہو۔"

"اس کا تو مطلب ہوا کہ اب ہم پھر اندھیرے میں ہیں؟"

"بدقسمتی ہے کہ جیکب ہم سے ملنے سے قبل ہی مار ڈالا گیا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ویرا کی آمد پر ہی اس الجھی ہوئی ڈور کا کوئی سرا ہاتھ آ سکے گا۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"ویرا!" وہ پُرخیال لہجے میں بولا۔ "ہاں وہی کسی کام آ سکے گی۔"

"بشرطیکہ وہ یہاں آتے ہی تنظیم کے معاملات میں مصروف نہ ہو جائے۔"

"اب تو یہ بھی تنظیم کا معاملہ بنتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ اگر پورے قصّے سے بھابی کی ذات کو الگ کر دیا جائے تو پورا قصہ گروہی اختلافات کا رنگ لے سکتا ہے، جس میں دونوں طرف کے آدمی مارے گئے ہیں۔ ویرا، جیکب کے قتل سے آسانی کے ساتھ چشم پوشی اختیار نہ کر سکے گی ورنہ لندن میں اپنی ساکھ سے محروم ہو جائے گی۔"

وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ میں نے معاملات پر اس زاویے

سے غور ہی نہیں کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ ویرانے لندن میں گروہ اپنی ذاتی خدمت کے لیے تو ہرگز نہ پالا ہوگا۔ اس کا تعلق بھی تنظیم کے مفادات اور کارکردگی سے رہا ہوگا۔

پھر اچانک ہی مجھے خیال آیا کہ دنیا میں برطانوی اخبارات کی آزادی اور سماج دوستی کا بڑا شہرہ تھا۔ معاشرے پر اثر انداز ہونے والے ہر جرم کے بارے میں اس وقت تک کرید کرید کر خبریں اور فیچر شائع کیے جاتے تھے، جب تک اصل مجرم بے نقاب ہو کر قانون کی گرفت میں نہ آ جائے، جب کہ کاؤنٹری میں غزالہ کے ہاتھوں دُہرے قتل کا واقعہ تازہ تھا۔ لہٰذا اخبارات میں اس بارے میں سنسنی خیز تفصیلات کی موجودگی ناگزیر تھی اور شاید شام کے ایڈیشنوں میں ایسکیموز آرمز کے دُہرے قتل کی کہانیاں بھی آنے والی تھیں۔

"میں ذرا نیچے سے اخبارات لے کر آتا ہوں۔" میں نے اٹھتے ہوئے سلطان شاہ سے کہا۔

"کیا یہی بات تم انگریزی میں دُہرا سکتے ہو؟" اُس نے سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا۔

"کیوں ؟" میں نے حیرت کے ساتھ پوچھا۔

"ہم یہاں آتے ہی جن حالات سے دوچار ہو گئے ہیں، ان میں زبان سے لاعلمی میرے لیے دشواریوں کا سبب بن سکتی ہے۔ اس لیے بہتر ہوگا کہ علیحدگی میں تم میری مدد کرو۔ کم از کم مجھے اظہارِ مدّعا کے قابل تو ہونا ہی چاہیے۔ ایسکیموز آرمز میں ہینڈز اپ کرانے کے بعد میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ضرورت پیش آ گئی تو آگے کیا کہوں گا۔"

"بہت اچھی بات ہے، انگریزی سے واقفیت کے بعد تم اپنا ردِ دل بہتر طریقے پر ادا کر سکو گے۔" میں نے ایک فوری خیال کے تحت دوبارہ کرسی سنبھالتے ہوئے کہا "یہ تو بتاؤ کہ تم ایسکیموز آرمز میں داخل کیسے ہوئے تھے؟"

"جس دروازے سے تم اندر گئے تھے وہی استعمال کیا تھا۔"

"لیکن اسے تو میں نے اندر سے بولٹ کر دیا تھا۔"

وہ دھیمے سے ہنسا۔ "اس کا مطلب ہے کہ کالاہان نے اپنی موت کا بندوبست خود ہی کیا تھا۔ تمہارے اندر داخل ہونے کے چند ثانیوں بعد دروازہ دوبارہ کھلا تھا اور کالاہان نے سر باہر نکال کر گرد و پیش کا جائزہ لیا تھا کہ کہیں باہر تمہارا کوئی ساتھی موجود نہ ہو۔ غالباً اس نے دروازہ بند کرنے کے بعد دوبارہ اندر سے بولٹ نہیں کیا تھا۔ میرے زور دیتے ہی دروازہ آسانی کے ساتھ کھلتا چلا گیا تھا۔"

"لاحول ولا قوۃ!" میں سر جھٹکتے ہوئے دوبارہ اٹھ گیا۔

ہوٹل سے نکل کر میں بیگر لیو اسٹریٹ سے ہوتا ہوا مین روڈ پر آیا اور اسٹال سے صبح کے اخبارات کے ساتھ ہی دو اخبارات کے تازہ ترین ایڈیشن بھی خرید لیے۔

میں اخبارات کے دام ادا کر رہا تھا کہ مجھے سینٹ کی تیز مہک کے ساتھ اپنے عقب میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ میں تیزی سے پلٹا اور اس خوب صورت اور دراز قامت خاتون سے ٹکرا گیا جو پورے اسٹال کو چھوڑ کر عین میری پشت پر کھڑی نہ جانے کیا کر رہی تھی۔

غلطی اس کی تھی مگر ہم دونوں نے تقریباً بیک وقت ہی ایک دوسرے سے معذرت کی اور اس کے ہلکی لپ اسٹک میں رچے ہوئے لبوں پر دلکش مسکراہٹ بکھر گئی۔

تصادم خوشگوار تھا اور پھر اس بے جھجک ماحول میں اس کی نگاہوں میں معنی خیز چمک نظر آئی تو میں نے بڑھ کر نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "کیا میں تمھاری کوئی مدد کر سکتا ہوں؟"

مغرب کی سرزمین پر کسی عورت سے یوں سرِ راہ ٹکرانے کا میرا یہ پہلا موقع تھا۔ ان لوگوں کی آزاد روی کے بارے میں میں نے بہت کچھ سُنا ہوا تھا اور پھر ویرا لائیڈ کو تو میں نے بہت قریب سے دیکھا تھا مگر پھر بھی میں اس کے ردِ عمل کے بارے میں تذبذب کا شکار تھا اس لیے میں نے دانستہ ذو معنی الفاظ کا انتخاب کیا تھا۔ وہ مالی منفعت کے لیے کسی شکار کی تلاش میں تھی تو میرے الفاظ حوصلہ افزا تھے اور اگر اس کے ذہن میں ایسی کوئی بات نہیں تھی تو جسمانی تصادم کے بعد میرے وہ الفاظ ایک رسمی اور اخلاقی پیشکش سے زیادہ نہیں تھے۔

"آؤ۔" اس نے یوں دوستانہ انداز میں کہا جیسے ہماری برسوں کی شناسائی رہی ہو۔ "کہاں جا رہے ہو؟"

"اب تو منزل کا تعین تمھارے مشورے سے ہوگا۔ فیس کیا ہوگی؟"

"شش!" اُس نے لوکھلاتے ہوئے انداز میں کہا۔ "لندن میں آج کل پولیس نے ہماری زندگی اجیرن کی ہوئی ہے۔ معاوضے کا ذکر آتے ہی قانون حرکت میں آ جاتا ہے۔"

"مگر مجھے تو یہاں دُور دُور تک قانون نظر نہیں آ رہا۔" میں نے دائیں بائیں نظریں دوڑاتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"خاص خاص مقامات پر آج کل سادہ پوش سپاہی دُوربینوں سمیت موجود ہوتے ہیں اور دُور سے مشتبہ جوڑوں کا جائزہ لیتے رہتے ہیں، جہاں کچھ کا شبہ ہو جائے، وائرلیس پر اپنے باوردی ساتھیوں کو باخبر کر دیتے ہیں اور وہ آناً فاناً گھیرا ڈال لیتے ہیں۔"

"کام کی بات نہیں بتائی تم نے ابھی تک۔"

"بے وقوفی کی باتیں نہ کرو۔" وہ بے تکلفانہ لہجے میں بولی۔ "میں تمھیں اخبار کا بل ادا کرتے ہوئے دیکھ چکی ہوں کہ تمھارے پرس میں خاصی رقم موجود ہے...."

"لیکن وہ سب تمھارے لیے نہیں ہے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"مجھے پروا نہیں ہے، یہ بتاؤ کہ کدھر چلو گے؟ میں سسکس گارڈنز میں رہتی ہوں۔ ہوٹل میں بالکل الگ تھلگ کمرے میں رہتی ہوں۔ تمھارا قیام کہاں ہے؟"

"پتا دے دو، ضرورت محسوس کی تو آ جاؤں گا۔" مجھے یک بیک اس سے اکتاہٹ محسوس ہونے لگی تھی۔

اس کے بُشرے سے ساری نرماہٹ یک لخت کافور ہو گئی اور وہ مجھے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے غرّائی۔ "مجھے پہلے ہی اندازہ تھا، تم ایشیائی لوگ پیدائشی بھکڑ ہوتے ہو۔"

"پھر جانتے بوجھتے مجھ سے کیوں آ ٹکرائی تھیں ملکہ وکٹوریہ؟" میں نے زہریلے لہجے میں سوال کیا لیکن وہ میرا فقرہ پورا ہوتے ہی تیزی سے مخالف سمت میں مڑ گئی تھی۔ شاید کسی نئے شکار کی تلاش میں۔

دراصل ابتدا میں میرا ارادہ اس سے کچھ دیر کے لیے مل بیٹھنے کا تھا کیونکہ وہ ابتدا ہی سے پیشہ ور نظر آئی تھی اور میرا خیال تھا کہ دس بیس پاؤنڈ کے لالچ میں وہ لندن کی زیرِ زمین دنیا کے بارے میں بہتیری کارآمد باتیں بتا سکے گی لیکن پھر اس اندیشے کے پیشِ نظر وہ ارادہ ملتوی کر دیا کہ کہیں میں سلطان شاہ سمیت شیفرڈز بش میں کسی کی نگاہوں میں نہ آ گیا ہوں یا کسی نے ہماری لاعلمی میں ہمیں ایسکیموز آرمز کے بغلی دروازے سے نکلتے نہ دیکھ لیا ہو۔ اگر اس بارے میں پولیس کو ذرا بھی بھنک مل جاتی تو پورے شہر کے ہوٹلوں میں ایک ساتھ ٹھہرنے والے ہر اس ایشیائی سے بازپرس کا سلسلہ شروع ہو جاتا جس کا کوئی ساتھی بھی رہا ہو اور ایسے معاملات میں ہر ملک کی پولیس بدقماش عورتوں پر انحصار کرتی ہے کیونکہ وہ غیر ملکی سیاحوں میں عموماً خاصی رسائی رکھتی ہیں۔ اس طرح وہ عورت مجھے اور سلطان شاہ کو یکجا دیکھ لینے کے بعد ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ رہا ہوٹل کا عملہ تو اس سے مجھے کسی پیش رفت کا ڈر نہیں تھا کیونکہ اس طرح ہوٹل کی شہرت داغ دار ہو سکتی تھی۔ پھر وہ جب تک اپنے مہمانوں کی کسی مشکوک سرگرمی سے واقف نہ ہوں عموماً پولیس سے رجوع کرنے سے گریز ہی کرتے ہیں۔

میری دستک کے جواب میں سلطان شاہ نے کمرے کا دروازہ کھولا اور میں اندر گھستے ہی بستر پر اخبار پھیلا کر بیٹھ گیا۔ سلطان شاہ نے بھی ایک اخبار اٹھا لیا۔ اپنی واجبی تعلیم کی وجہ سے وہ انگریزی پر عبور نہیں رکھتا تھا لیکن پڑھنے اور فقروں سے ٹوٹا پھوٹا مفہوم اخذ کرنے پر قادر تھا۔

روزنامہ سن کے اندرونی صفحے پر کاؤنٹری کا پُراسرار دُہرا قتل کے عنوان سے ایک سہ کالمی سرخی فوراً ہی میری توجہ کا مرکز بن گئی۔ ذیلی سرخی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ بے رحم ایشیائی قاتلہ اس وقت تک روپوش تھی۔ میں نے اس خوش خبری پر اطمینان کا سانس لیتے ہوئے خبر کا تفصیلی مطالعہ شروع کر دیا۔

کالاہان نے مجھے اس واقعے سے تو آگاہ کر دیا تھا لیکن یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ واردات کب وقوع پذیر ہوئی تھی۔ سن کی خبر کے مطابق وہ واقعہ پچھلے ویک اینڈ پر یعنی دو دن پہلے رونما ہُوا تھا۔

تفصیلات پڑھتے ہوئے میرے دل میں بے اختیار جیکب کے مجرد بھائی کے لیے احترام کے جذبات پیدا ہو گئے۔ کالاہان نے اس کا تذکرہ تحقیر آمیز انداز میں کیا تھا لیکن اخباری اطلاعات کچھ اور ہی کہانی سنا رہی تھیں۔

جوزف میکفرسن کے مکان میں آدھی رات کے بعد فائرنگ ہوتے ہی اس کے پڑوسیوں نے فون پر پولیس کو مطلع کیا تھا اور جب پولیس وہاں پہنچی تو نکاسی کا راستہ کھلا ہوا تھا۔ اندر شہر کے دو اوباش نوجوانوں کی تازہ لاشیں اپنے خون میں لت پت پڑی ہوئی تھیں اور جوزف کثرتِ مے نوشی کے باعث دنیا و ما فیہا سے بے خبر اپنی خواب گاہ میں بے سُدھ پڑا ہوا تھا۔

جوزف نے ہوش میں آنے کے بعد یہ مؤقف اختیار کیا تھا کہ دونوں مقتول اس کے شناسا تھے اور وقوعہ کی شام ایک مقامی لڑکی کو ساتھ لے کر اس کے گھر آئے تھے۔ وہ چاروں بیٹھے شراب نوشی اور گپ شپ کرتے رہے۔ اس دوران میں دونوں مقتولین نے جوزف کو باتوں میں الجھا کر اس قدر شراب پلا دی کہ وہ وہیں بیٹھے بیٹھے سو گیا۔ اسے کچھ علم نہیں تھا کہ وہ اپنی خواب گاہ میں کیسے پہنچا اور وہاں بعد میں کیا واقعات پیش آئے۔

حیرتناک بات یہ تھی کہ غزالہ کا نام پوری خبر میں کہیں نہیں تھا۔ جوزف نے اس نامعلوم لڑکی کا نام سونیا بتایا تھا۔ اس نے اپنے مکان میں غزالہ کے قیام کے سلسلے میں اتنی

راز داری برتی تھی کہ اس کے پڑوسیوں تک کو اس کے وجود کا علم نہیں ہو سکا تھا۔ اگر کالاہان نے مجھے اس واقعے کی تفصیل سے آگاہ نہ کر دیا ہوتا تو خبر پڑھ کر میرے لیے یہ تصور کرنا بھی محال ہوتا کہ غزالہ اس واردات کا مرکزی کردار تھی۔

مگر بعد میں تفتیشی افسران کو مقتولین کے لباس پھنسے لمبے اور سیاہ نسوانی بال ملے جو جوزف کی مقامی لڑکی والی کہانی کی نفی کر رہے تھے۔ اس پر جوزف کے مکان کی تلاشی لی گئی اور ایک خواب گاہ میں ملبوسات سمیت نسوانی استعمال کی بہت سی اشیا دریافت ہوئیں جس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اس کے گھر میں کوئی لڑکی مقیم تھی۔ اس انکشاف کے بعد ہی اُسے حراست میں لے لیا گیا اور اس نے تسلیم کر لیا کہ قاتل لڑکی اس کی مہمان تھی لیکن اس مرتبہ بھی اس نے غزالہ کی اصلیت سے پردہ ہٹانے کے بجائے یہی کہا کہ وہ ایشیائی نژاد لڑکی تھی اور اس کا نام سونیا ہی تھا۔ ہو سکتا ہے کہ جوزف کے سو جانے کے بعد مقتولین نے لڑکی پر دست درازی کرنے کی کوشش کی ہو اور وہ اپنے دفاع میں انھیں ہلاک کر کے خوف کے عالم میں موقع سے فرار ہو گئی ہو۔ جوزف کی کہانی اپنی جگہ مضبوط تھی لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ ان حالات میں کالاہان کو غزالہ کے نام کا علم کیسے ہوا؟

بظاہر اس کا ایک ہی امکان نظر آتا تھا کہ شاید واردات کے بعد مگر جوزف کی گرفتاری سے قبل کالاہان نے اسے جا لیا ہو اور کسی طرح اس کی زبان کھلوانے میں کامیاب ہو گیا ہو۔ پھر یہ تو جرائم کی دنیا کا ایک عالمی اصول تھا کہ باہمی تنازعات قانون کی عمل داری سے باہر ہی نمٹائے جاتے تھے کسی بھی فریق کی طرف سے قانون کا سہارا لینے کی کوششوں کو روایت شکنی اور بزدلی تصور کیا جاتا تھا۔ لہٰذا عین ممکن تھا کہ کالاہان نے پولیس اور جوزف کے درمیان کوئی نئی الجھن کھڑی کرنے کے بجائے اس واقعے میں جوزف کی بے گناہی کو تسلیم کر لیا ہو اور خود غزالہ سے حساب برابر کرنے کی نیت سے لندن چل پڑا ہو۔ یوں جوزف کو غزالہ کے بجائے سونیا کے نام پر اڑے رہنے کا جواز مل گیا ہو۔

شاید کالاہان میرے سامنے بھی غزالہ کا نام نہ لیتا لیکن وہ مجھے ختم کر دینے کا فیصلہ کر چکا تھا اس لیے اس بارے میں احتیاط کو نظر انداز کر بیٹھا ورنہ جیکب کے قتل کے بعد میرے لیے غزالہ کے بارے میں کچھ بھی جاننا ممکن نہ ہوتا۔

غزالہ کہاں تھی؟ یہ کوئی بھی نہیں بتا سکتا تھا۔ جوزف نے اسے قتل کے الزام سے بچائے رکھنے کی حتی الامکان کوشش کی تھی جو اس وقت تک کامیاب ہوتی نظر آ رہی تھی۔ اس بار میں مجھے بس ایک ہی خلش تھی کہ کالاہان کی کہانی کے مطابق کسی نے اسے خبر دی تھی کہ قاتل لڑکی کو کاؤنٹری سے لندن آنے والی بس میں سوار ہوتے دیکھا گیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ مخبر غزالہ کو پہچانتا تھا اور ابھی تک زندہ تھا۔

اس بارے میں کالاہان کی ایک اور بات بھی قابلِ غور تھی۔ اس نے کہا تھا کہ پہلے اس کے آدمی دور دور سے غزالہ پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کرتے رہے اس میں ناکامی کے بعد انھوں نے جوزف کے مکان پر پارٹی کا ڈراما رچانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ غزالہ کاؤنٹری میں منظرِ عام پر موجود تھی اور لوگ اسے جانتے تھے لیکن اخباری اطلاعات میں کہیں ایسا اشارہ نہیں تھا۔ حد تو یہ تھی کہ جوزف کے پڑوسی تک اس کے گھر میں کسی لڑکی کے قیام سے لاعلم تھے لہٰذا کالاہان کے اس تبصرے کو روا روی میں کہی ہوئی بات سمجھ کر نظر انداز کیا جا سکتا تھا۔

اس طرح میرے سامنے دو ترجیحات رہ گئی تھیں۔

اوّل غزالہ کا سراغ لگانا جو فی الحال دشوار نظر آ رہا تھا اور کالاہان کے اس مخبر کا پتا چلانا جو غزالہ کو پہچانتا تھا۔ کیونکہ وہ شخص غزالہ کی آزادی کے لیے کسی بھی وقت بدترین خطرہ بن کے سامنے آ سکتا تھا۔ اگر اس کی نشاندہی پر پولیس کسی بھی وقت غزالہ پر ہاتھ ڈال دیتی تو لاشوں کے لباس سے چپکے ہوئے نسوانی بالوں اور غزالہ کے بالوں کے تجزیے کی یکساں رپورٹ مزید کسی شہادت کے بغیر اس کو قاتل قرار دے سکتی تھی۔

لیکن سلطان شاہ میرے اس نظریے سے متفق نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ غزالہ کاؤنٹری میں پوری رازداری کے ساتھ رہی تھی لیکن وہ غالباً کوئی چھوٹا شہر یا قصبہ تھا جہاں ہر محلّے میں رہنے والے ایک دوسرے کو بخوبی پہچانتے ہوں گے لہٰذا جوزف کے علاقے میں رہنے والے کسی فرد نے اگر رات گئے کسی اجنبی لڑکی کو علاقے کے بس اسٹاپ سے لندن کے لیے سوار ہوتے ہوئے دیکھا ہوگا تو اس کا ذکر بھی کسی نہ کسی سے کیا ہوگا اور کالاہان نے وہ اطلاع ملتے ہی دو اور دو کو ملا کر چار کر لیا۔ اس سے قطع نظر کالاہان کے لندن پہنچنے کے لیے کسی ایسی مخبری کی ضرورت نہیں تھی۔ اگر اس نے جوزف پر ایسے طریقے سے ہاتھ ڈالا تھا کہ اس سے غزالہ کا نام اگلوانے میں کامیاب ہو گیا تھا تو جوزف ہی نے اسے یہ بھی بتایا ہوگا کہ غزالہ کو اس کے بڑے بھائی، جیکب میکفرسن نے اس کے پاس بھیجا تھا۔ اس کا مشورہ تھا کہ ہمیں سب کچھ بھول کر صرف اور صرف غزالہ کا کھوج نکالنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

"لیکن لندن میں ہم اسے کہاں تلاش کریں گے؟" میں صدمے اور مایوسی سے مغلوب لہجے میں بولا۔

"سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں فوری طور پر ایک دوسرے سے الگ ہوٹلوں میں قیام کرنا چاہیے۔ کالاہان کے قتل میں ملوث ہونے کے بعد یہ احتیاط ضروری ہو گئی ہے۔" وہ میری کیفیت کے پیشِ نظر اس وقت ضرورت سے زیادہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

"کمرے تو یہاں بھی الگ ہی ہیں ہمارے۔" میں نے خالی الذہنی کے عالم میں کہا۔

"کمروں کی بات نہیں، ہمیں الگ الگ ہوٹلوں میں ٹھہرنا چاہیے تاکہ ہم میں سے ایک پر کوئی افتاد آئے تو دوسرا محفوظ رہتے ہوئے اس کی مدد کر سکے۔ یہاں کی پولیس سے مجھے بہت زیادہ خوف محسوس ہو رہا ہے۔"

"یہاں کم از کم ایک رات تو گزارنا ہی پڑے گی۔ اس سے پہلے ہوٹل چھوڑا تو انتظامیہ شبہات میں مبتلا ہو سکتی ہے۔"

"انتظامیہ!" وہ ہولے سے ہنس دیا۔ "یہاں کی انتظامیہ خوش مزاج ضرور ہے لیکن کافی بوڑھی ہے۔"

اس کے تبصرے پر میں بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکا کیونکہ اس ہوٹل میں ابھی تک وہی ایک دیوہیکل عورت نظر آئی تھی جو بیک وقت سارے انتظامی امور نمٹاتی نظر آئی تھی بلکہ میرا تو خیال تھا کہ شاید وقتِ ضرورت وہی ہوٹل کی ویٹریس کے فرائض بھی انجام دیتی ہو گی۔

"تم بس پہلی بات بتا کر رک گئے، دوسری بات کیا ہے؟" میں نے اسے ٹوکا۔

"معاملہ سنگین صورت اختیار کر چکا ہے۔ ہم دیر تک انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھ سکتے۔ اگر ہم لندن کے جرائم پیشہ لوگوں میں سے کسی کام کے آدمی تک رسائی حاصل کر سکیں تو اپنے طور پر خاصی پیش رفت کر سکتے ہیں۔"

"میں نے تو بس سوہو کے علاقے کا ہی نام سنا ہوا ہے اور اس جگہ کی شہرت رنگینیوں کے باعث ہے۔ یہ ضروری تو نہیں کہ وہاں ہم کو کوئی کامیابی حاصل ہو سکے۔"

"کوشش تو کی جا سکتی ہے...... ورنہ جی تو بہل جائے گا۔"

اس وقت جس ہوٹل میں ہمارا قیام تھا، وہاں مہمانوں کے لیے طعام کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ بس کمروں کے ساتھ صبح کا ناشتا دیا جاتا تھا جو روایتی طور پر کانٹی نینٹل ناشتا کہلاتا تھا یعنی ٹوسٹ، مکھن، دو انڈوں اور چائے پر مشتمل ہوتا تھا جب کہ برطانوی طرز کا ناشتا جو نہایت بھرپور اور متنوع ہوتا تھا شاید متوسط سے ذرا اونچے ہوٹلوں میں ہی سرو کیا جاتا تھا۔ ناشتا تو صبح کا معاملہ تھا لیکن اس وقت ہمیں رات کے کھانے کے لیے باہر نکلنا ہی تھا لہٰذا میں نے سلطان شاہ کی تجویز قبول کرتے ہوئے فوری طور پر باہر چلنے کا فیصلہ کر لیا۔

سلطان شاہ نہا دھو کر لباس تبدیل کرنے کے لیے چند منٹ کی مہلت لے کر اپنے کمرے کی طرف چل دیا اور میں بھی تھکان اتارنے کے لیے غسل خانے میں گھس گیا۔

میں تیار ہو گیا لیکن سلطان شاہ واپس نہ پہنچا تو میں خود اس کے کمرے کی طرف ہو لیا۔ بند دروازے کے سامنے پہنچتے ہی میں ایک ثانیے کے لیے ٹھٹکا تھا کیونکہ اندر سے کسی عورت کے انگریزی میں بولنے کی آواز آ رہی تھی مگر فوراً ہی میرا وہ شبہ دور ہو گیا کیونکہ متن، انداز اور لہجے سے ظاہر ہو گیا تھا کہ سلطان شاہ کے کمرے میں ٹیلی وژن آن تھا۔

میرے دستک دیتے ہی سلطان شاہ نے دروازہ کھولا تو اس کے چہرے پر عجیب سی چمک موجود تھی، اس نے عجلت میں میرا ہاتھ تھام کر مجھے اندر کھینچ لیا اور دروازہ مقفل کرتے ہوئے میری طرف گھوم گیا۔ اس کے گیلے بدن پر تولیا لپٹا ہوا تھا۔

"تم نے ٹیلی وژن دیکھا؟" اس نے ہیجانی لہجے میں سوال کیا لیکن اس اثنا میں میں اسے نظر انداز کر چکا تھا۔ ٹیلی وژن نے فوری طور پر میری توجّہ اپنی طرف مرکوز کرا لی تھی۔

شیفرڈ ز بش کے علاقے میں ہونے والی دہرے قتل کی واردات کی خبر پھیل چکی تھی اور اسکرین پر ایک عورت ڈرامائی لب و لہجے میں واردات سے متعلقہ نکات پر روشنی ڈال رہی تھی۔

پھر اسکرین سے وہ خاتون غائب ہو گئی۔ اس کا تبصرہ جاری تھا اور اب اسکرین پر کیمرہ شیفرڈز بش کی سڑکوں پر گھومتا ہوا دھیمے دھیمے ایسیکس آرمز پر مرکوز ہو گیا جہاں لندن پولیس کا بھاری محاصرہ نظر آ رہا تھا۔ اس کے بعد مختلف لوگوں کے انٹرویو شروع ہو گئے۔

میں پوری توجّہ کے ساتھ ایک ایک لفظ سن رہا تھا۔ کسی بھی مہذّب شہر میں انسانی قتل کی واردات ہمیشہ سنسنی خیز اور خوفناک ثابت ہوتی ہے لیکن مختصر سی مدّت میں ٹیلی وژن کے نامہ نگار نے یہ کھوج نکال لیا تھا کہ لندن کے قریبی قصبے کاؤنٹری میں ہونے والے دہرے قتل کا ایسیکس آرمز سے تعلق موجود تھا۔

کاؤنٹری میں دہرا قتل جوزف کے گھر ہوا اور اب لندن میں جوزف کا بڑا بھائی جیکب میکفرسن پُراسرار حالات میں ایسیکس آرمز میں ذبح کر دیا گیا تھا۔

"ان وارداتوں میں کیا تعلق ہے؟ کہیں کاؤنٹری والی پُراسرار سونیا اب لندن میں سرگرم تو نہیں ہو گئی ہے؟ یہ بہت اہم سوال

ہے، اس لیے آیئے اب ذرا کاؤنٹری چلتے ہیں۔" آخر میں مبصر اسکرین پر نمودار ہو کر کہہ رہی تھی اور اس کا فقرہ ختم ہوتے ہی اسکرین پر لمبے بالوں والی ایک معصوم دوشیزہ سرکش گھوڑے پر سوار نظر آئی۔ وہ کوئی متحرک تصویر نہیں بلکہ ایک ساکت مجسمہ تھا اور پھر اس پتھریلے مجسمے کے معدوم ہوتے ہوتے آواز ابھری۔ "کاؤنٹری، مادام گوڈائیوا کی سرزمین جہاں آج ایک سفاک عورت نے شہر کا امن و سکون غارت کیا ہوا ہے۔ گوڈائیوا امن و عافیت کی علامت کے طور پر آج بھی یاد ہے لیکن سونیا اس شہر میں دہشت اور بربریت کی علامت بن گئی ہے.....!"

پروگرام جاری رہا لیکن میرے لیے اس میں کوئی خاص جاذبیت نہیں رہ گئی تھی۔ اصل نکتہ سامنے آچکا تھا کہ کالاہان کے قتل کے چند ہی گھنٹوں کے اندر دونوں وارداتوں کے درمیان تعلق پیدا کر لیا گیا تھا اور الیکوز آرمز کی خون ریزی کو سونیا کی مفروضہ ذات سے منسلک کرنے کی غیر شعوری کوششوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ ہمارے حق میں یہ بہت امید افزا صورتِ حال تھی کیونکہ ابلاغِ عامہ کے ادارے کسی نہ کسی طرح تفتیش کرنے والے اداروں پر اثر انداز ہونے کی قوت رکھتے ہیں اور اگر پولیس ان کے نظریات کو یکسر نظر انداز کرنے لگے تو نااہلی کے طعنوں کی بھرمار شروع ہو جاتی ہے۔

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ اس وقت ٹیلی وژن پر یہ پروگرام آرہا ہے؟" میں نے سلطان شاہ سے پوچھا جو عجلت میں لباس تبدیل کرنے میں مصروف تھا۔

"مجھے خاک پتا نہیں تھا۔" وہ خفت آمیز ہنسی کے ساتھ بولا۔ "میں نے تو بس وقت گزاری کے لیے کمرے میں آتے ہی ٹیلی وژن آن کر دیا تھا اور غسل خانے کا دروازہ کھول کر شاور کے نیچے نہا رہا تھا کہ اچانک ہی رقص و موسیقی کا پروگرام روک کر پہلے شیفرڈز بش میں دُہرے قتل کی خبر نشر کی گئی۔ پھر دوسرا پروگرام شروع ہو گیا۔ تفصیلات شاید میرے پلے نہ پڑی ہوں لیکن کام کی باتیں سمجھ میں آگئی تھیں۔"

"ابتدائی رائے یہی قائم کی جا رہی ہے کہ جیکب اور کالاہان کے قتل کا تعلق سونیا کی ذات سے ہے....." اپنی بات ادھوری چھوڑ کر مجھے ایک بار پھر ٹیلی وژن اسکرین کی طرف متوجہ ہو جانا پڑا کیونکہ وہاں جوزف کی مدد سے پولیس کے ماہرین اور مصوروں کا بنایا ہوا خاکہ دکھایا جا رہا تھا۔

اسکرین پر قاتلہ کے چہرے کی آؤٹ لائن دیکھتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ سو نہیں تو نوے فی صد غزالہ سے مشابہ تھا لیکن جب اس اسپاٹ خاکے میں دیگر نقوش و نگار کا اضافہ ہونا شروع ہوا تو میری جان میں جان آئی کیونکہ اس بار ہر شناخت غزالہ سے مختلف تھی۔

غزالہ کی جھیل جیسی سیاہ غزالی آنکھوں کی جگہ نیلی آنکھیں نظر آرہی تھیں، بال ترشے ہوئے تھے، ناک کی ساخت ہی مختلف تھی اور نتھنے یوں پھولے ہوئے تھے جیسے قاتلہ پھنکار رہی ہو۔ لب نہ یاقوتی تھے نہ احمریں بلکہ موٹے موٹے سلگتے ہوئے ہونٹوں نے اس خاکے کو خاصا کشش انگیز بنا دیا تھا۔ رہی سہی کسر بائیں ابرو کے اختتام پر ابھرنے والے سیاہ تل نے پوری کر دی تھی جو غزالہ کے چہرے پر سرے سے موجود ہی نہیں تھا۔

میں نے اسی وقت دل میں فیصلہ کر لیا کہ اگر زندگی نے ساتھ دیا اور مقدر یاور رہا تو اس اٹل حمایت پر جوزف میکفرسن کو میں ایسے شایانِ شان انعام سے نوازوں گا کہ وہ عمر بھر اسے فراموش نہ کر سکے گا۔ اس نے جس ماہرانہ بلکہ پیشہ ورانہ انداز میں غزالہ کی ذات کو ہر قسم کے شبہات سے بالاتر رکھنے کی کوشش کی تھی، اس کی بنا پر مجھے پورا یقین ہو چلا تھا کہ وہ صرف جیکب کا چھوٹا بھائی ہی نہیں تھا بلکہ بذاتِ خود بھی ویرا کا وفادار نمک خوار تھا ورنہ اس دور میں مغرب کی مادہ پرست معاشرت میں بھلا کون کسی مظلوم مجرم کی پشت پناہی کر سکتا تھا۔

پروگرام کے آخر میں نیلی آنکھوں والی اس سفاک ایشیائی قاتلہ کے بارے میں برطانیہ کے شہریوں سے اس اپیل کے ساتھ پروگرام ختم کر دیا گیا کہ وہ جہاں بھی دیکھی جائے اس کے بارے میں قریب ترین پولیس اسٹیشن کو اطلاع دی جائے تاکہ ان کا شہر مزید خونریزی سے محفوظ رہے۔

سلطان شاہ شاید پروگرام کے ساتھ ہونے والی تقریر سے اتنا مطلب اخذ نہ کر پایا ہو جتنا اس نے اندازوں سے سمجھ لیا تھا کیونکہ وہ انگریزی فلمیں دیکھنے کا سدا کا شوقین تھا اور مکالمات نہ سمجھنے کے باوجود فلم کی کہانی حرف بحرف دہرانے میں خاص ملکہ رکھتا تھا۔ اس نے ٹیلی وژن آف کرتے ہوئے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور کنگھے سے اپنے بال سنوارتے ہوئے بولا۔ "اب تو تم خوش ہو نا؟"

"کس بات پر؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے خشک لہجے میں سوال کیا۔

"پروگرام تم بھی دیکھ رہے تھے۔ یہ بہت بڑی بات ہے کہ اب سب ہی ایک غلط لڑکی کی تلاش میں مصروف رہیں گے اور بھابی کو نقل و حرکت کی آزادی مل سکے گی۔"

"تم تو خاصے قابل ہو۔ کون کہتا ہے کہ تمہیں انگریزی سکھانے کی ضرورت ہے؟"

"مضحکہ نہ اڑاؤ میرا!" وہ اچانک ہی اداس ہو گیا۔ "تم جانتے ہو کہ سمجھنے کے باوجود میں مکمل جملے نہیں بول سکتا۔"

"ارے میں تو مذاق کر رہا تھا، میں نے ایسی کون سی بات کہہ دی جو تم برا مان رہے ہو؟"

"میں کسی بات کا برا نہیں مانتا، آؤ چلیں۔ میں تیار ہوں۔"

اس بار ہوٹل سے نکلتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس وقت تک میری کھوپڑی پر برف جمی رہی ہو۔ لندن پہنچنے کے بعد میں نے بس ایک ہی کام کیا تھا کہ جیکب میکفرسن سے رابطہ قائم کر کے اس سے ملاقات کا وقت مقرر کیا تھا لیکن اس سے آگے میں نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑا ہوا تھا اور جو کچھ ہو رہا تھا اسے کسی ذہنی مشق کے بغیر من و عن تسلیم کرتا جا رہا تھا۔ حالانکہ ان واقعات میں بہت کچھ حل طلب نکات تھے۔

لندن پہنچ کر علم ہوا کہ ویرا لائیڈ پاکستان میں ہوتے ہوئے بھی لندن میں اپنے آدمیوں سے کٹی ہوئی نہیں تھی بلکہ اس کے تمام عالمی رابطے برقرار تھے اور شاید اس نے جیکب کو یہ اشارہ بھی دے دیا تھا کہ میں میگی مارڈے کے بوائے فرینڈ کے حوالے سے کسی بھی وقت اس سے رابطہ قائم کر سکتا تھا۔

پاکستان میں میرے اور ویرا کے درمیان میگی مارڈے والا کوڈ صرف ایک دن پہلے طے پایا تھا جب ویرا نے مجھے ملاقات کے لیے ہل پارک طلب کیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ پچھلے دن ہی کسی وقت ویرا اور جیکب کے درمیان بات ہوئی تھی جب کہ کاؤنٹری میں غزالہ کے ہاتھوں دُہرے قتل اور غزالہ کے فرار کو دو دن گزر چکے تھے یعنی جب جیکب اور ویرا کے درمیان رابطہ قائم ہوا تو جیکب، غزالہ کے بارے میں نئی صورتِ حال سے پوری طرح واقف تھا اور اس نے یقینی طور پر ویرا کو بھی اس بارے میں آگاہ کر دیا تھا۔ اس کے بعد میں میری ویرا سے فون پر بات ہوئی لیکن اس نے شاید میرے شدید احتجاجی ردِ عمل کے خوف سے مجھے غزالہ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا بلکہ مجھے ہر قیمت پر کراچی بلکہ پاکستان سے نکل کر لندن پہنچنے کا مشورہ دیتی رہی۔

اس کا مطلب تھا کہ ویرا، غزالہ کے معاملے سے بے خبر نہیں تھی۔ دوسری طرف وہ اس کی بازیابی کے سلسلے میں میری بے چینی سے بھی پوری طرح آگاہ تھی، اس لیے امکان یہی تھا کہ کراچی میں تنظیم کے نئے سربراہ، داؤد کے ساتھ اپنے پروگرام کے باوجود وہ جلد از جلد لندن پہنچنے کی کوشش کرتی تاکہ یہاں کے معاملات پر اس کی گرفت پوری مضبوطی کے ساتھ برقرار رہتی۔

دوسری طرف جس وقت میں نے فون پر جیکب سے بات کی تو اس نے ابتدائی خشک گفتگو کے بعد میگی مارڈے کے حوالے سے واقف ہوتے ہی نہایت خوش دلی کے ساتھ ڈھائی بجے مجھے اپنے پب میں بلایا تھا۔ وہ لازمی طور پر غزالہ کے بارے میں کچھ اہم باتیں بتلانے والا تھا لیکن بدقسمتی سے مجھ سے ملاقات سے پہلے ہی کالاہان کے ہاتھوں مارا گیا اور یوں ساری صورتِ حال الجھ کر رہ گئی۔

اگر میرا ذہن صحیح خطوط پر کام کر رہا ہوتا تو پب سے فرار کے بعد معاملات کی سنگینی کے پیشِ نظر مجھے فوری طور پر امپیریل ہوٹل فون کر کے ویرا کی آمد کے بارے میں استفسار کرنا چاہیے تھا لیکن میں ان کڑیوں کو یکجا کیے بغیر بس یہی فرض کیے بیٹھا رہا کہ ویرا کا اتنی جلدی لندن پہنچنا ناممکنات میں سے ہے۔

اب پہلا کام یہی تھا کہ ہوٹل فون کر کے ویرا کی آمد کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں۔ امپیریل ہوٹل یاد آتے ہی مجھے ایمی فرانسس بھی یاد آئی جو ایک سازش کا شکار ہو کر ہمارے ہی طیارے میں کراچی سے روم پہنچی تھی لیکن اس کی لندن میں موجودگی کا کوئی امکان نہیں تھا کیونکہ اس کا بوائے فرینڈ، موسیٰ اسے اسی شام فون کرنے والا تھا۔

ٹیوب اسٹیشن پر بنے ہوئے پبلک فون بوتھ اس شہر کی زندگی کا ایک نیا ہی رُخ پیش کر رہے تھے۔ وہ قرابی مجھے اس شہر میں پہلی بار نظر آئی تھی۔ ذو معنی فقروں اور کہیں کہیں جسمانی پیمائشوں کے ساتھ ہر بوتھ میں متعدد رنگ برنگے اسٹکر چسپاں تھے، جن پر نمایاں حروف میں متعدد نسوانی نام اور رابطے کے فون نمبر موجود تھے۔ ان میں کوئی بھی اسٹکر مطبوعہ نہیں تھا بلکہ سب ہاتھ سے لکھے ہوئے تھے۔

ہر بوتھ کو دوسروں سے الگ کرنے والی شیشے کی دیوار میں سے وہ ادھیڑ عمر آدمی بھی صاف نظر آرہا تھا جو ایک ہاتھ میں چھوٹا کوڑے دان اور دوسرے میں اسکریپر لیے وہ بے ہودہ اسٹکر اکھاڑ رہا تھا۔

فون پر رابطہ قائم ہوتے ہی دوسری طرف سے آپریٹر کی آواز سنائی دی تھی۔ میں نے فوری طور پر ویرا لائیڈ سے سلسلہ ملانے کے لیے کہا۔ وہ مجھے ہولڈ آن کرنے کی ہدایت کر کے غائب ہو گئی۔ میں خاصی دیر تک لائن ہولڈ کیے رہا۔ آخر کار لائن پھر جاگ اٹھی۔

"نو ریپلائی سر!" اس کی مشینی آواز سنائی دی اور میرے دل کی دھڑکنیں بے اختیار تیز ہونے لگیں۔ اس کے جواب سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ویرا لندن پہنچ چکی تھی اور حسبِ وعدہ اسی ہوٹل میں مقیم تھی مگر اس وقت اپنے کمرے میں نہیں تھی۔

"کمرہ نمبر کیا ہے اس کا؟" میں نے جلدی سے آپریٹر سے دریافت کیا۔

"نو تھری ون۔"

"وہ ہوٹل ہی میں ہے یا باہر گئی ہوئی ہے؟" میں نے تجسس کے عالم میں اگلا سوال داغ دیا۔

"ہولڈ آن!" اس کی آواز میں بیزاری عود کر آئی۔ شاید اس کا بورڈ اس وقت خاصا مصروف تھا اور وہ میری طویل ہوتی ہوئی جرح سے اکتا گئی تھی۔

"ریسپشن!" لائن کی ہلکی سی کلک کے ساتھ اس بار ایک نئی نسوانی آواز سنائی دی تھی "کیا میں آپ کی مدد کر سکتی ہوں؟"

"کمرہ نمبر چار سو اکتیس۔" میں نے کہا "مس ویرا لائیڈ ہوٹل میں ہے یا باہر؟"

"ایک منٹ!" اس نے مجھ سے کہا پھر اس کی گنگناہٹ سنائی دینے لگی، شاید وہ کی بورڈ کا جائزہ لے رہی تھی۔ چند ثانیوں بعد ہی وہ پھر بولی تھی "چابی نہیں ہے سر! اسے ہوٹل ہی میں ہونا چاہیے۔"

اس کا شکریہ ادا کر کے میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

پھر میں نے دوبارہ اسی ہوٹل کا نمبر ملا کر اس بار ایلی فرانسس کا کمرہ نمبر مانگا تھا لیکن طویل ہولڈ آن کے بعد جواب ملا کہ ہوٹل میں اس نام کا کوئی مسافر مقیم نہیں تھا۔

میں نے فوری طور پر اپنا پروگرام تبدیل کر دیا جو سلطان شاہ کے لیے حیران کن ثابت ہوا۔

"میں ہوٹل واپس جاؤں؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"اور تم کہاں جا رہے ہو؟"

"ویرا لندن پہنچ چکی ہے۔ اس سے بات نہیں ہو سکی مگر وہ ہوٹل میں ہے، میں اس سے ملنے جا رہا ہوں۔ اسے میں تمہاری موجودگی سے بے خبر رکھنا چاہتا ہوں۔"

"لیکن وہ اتنی جلدی کیسے یہاں پہنچ گئی؟"

"میں نے کہا نا کہ اب تک ہماری عقلوں پر برف جمی رہی ہے۔ ہم یہ بھول ہی بیٹھے تھے کہ ہم نے پوری ایک رات فریکفرٹ میں سو کر گزاری ہے۔ اگر ویرا کسی براہِ راست پرواز سے آئی ہے تو وہ ہم سے پہلے یہاں پہنچ گئی ہوگی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اور بھی اس کے ساتھ آیا ہے یا وہ اکیلی ہے۔"

سلطان شاہ مجھ سے الگ ہو گیا اور میں رسل اسکوائر جانے کے لیے ٹیوب اسٹیشن کی طرف بڑھ گیا۔

شام ڈھل چکی تھی۔ ٹیوبس میں دفتری اور کاروباری زندگی سے تعلق رکھنے والوں کی بھیڑ کے اوقات گزر چکے تھے لیکن ٹیوب اسٹیشنوں پر ابھی بھی خاصا رش تھا جس میں سیاحوں اور ان کی دلفریبیوں سے متعلق افراد و خواتین کی کثرت تھی۔ میں بھی ایسے ہی ایک ہجوم میں شامل ہو گیا۔

رسل اسکوائر کے زیرِ زمین ٹیوب اسٹیشن سے نکل کر میں نے سمت کا تعین کیا اور چند ہی منٹ میں امپیریل ہوٹل پہنچ گیا۔

چوتھی منزل پر کمرہ نمبر چار سو اکتیس کے سامنے میں چند ثانیوں کے لیے جھجکا پھر دروازے پر دستک دی لیکن اندر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ تین ناکام کوششوں کے بعد میں مایوس ہو کر لفٹ کی طرف ہو لیا۔ میرا ارادہ تھا کہ نیچے جا کر ڈائننگ ہال میں اسے تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔

لفٹ فلور پر نہیں تھی۔ میں نے جوں ہی کال بٹن دبانے کے لیے ہاتھ بڑھایا، اچانک کسی طرف سے ایک جھلملاتا ہوا چھوٹا سا خنجر ہوا میں اڑتا ہوا آیا اور میرے بڑھے ہوئے ہاتھ کے اوپر سے گزرتا ہوا دیوار پر نصب انسولیشن کارک کی منقش اور رنگین چادر میں پیوست ہو گیا۔

اس ناگہانی افتاد نے مجھے خوف زدہ کر دیا۔ میں نے بجلی کی سی سرعت کے ساتھ ارد گرد کی راہداریوں میں نگاہ دوڑائی لیکن وہاں اس وقت میرے علاوہ کوئی ذی روح موجود نہیں تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے خنجر پھینکنے والا اپنا کام کرتے ہی اچانک فضا میں تحلیل ہو گیا ہو۔

چند گھنٹوں کی قلیل سی مدت میں مجھے دوسرے خنجر زن سے واسطہ پڑا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کون لوگ تھے جو اس جدید اور ترقی یافتہ شہر میں نئے دور کے خطرناک اور مؤثر ہتھیاروں کو چھوڑ کر خنجر زنی کے صدیوں پرانے فن میں اپنی مہارت دکھلانے پر تلے ہوئے تھے۔

پہلے کالا ہان نے جیکب کو خنجر سے ذبح کرنے کے بعد مجھ پر وار کرنے کی کوشش کی اور اب ہوٹل کی ویران چوتھی منزل پر کسی مشاق خنجر زن نے میرا نشانہ لینے کی کوشش کی تھی۔

میں نے بڑھ کر وہ دمکتا ہوا آہنی خنجر دیوار سے کھینچ لیا۔ اس کا دستہ منقش تھا لیکن جس چیز نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرائی وہ خنجر کے دستے سے ٹیپ کے ذریعے چپکا ہوا کاغذ کا ایک ٹکڑا تھا جس پر عجلت میں انگریزی کے صرف تین الفاظ لکھے گئے تھے جن کا مطلب تھا "فوراً واپس جاؤ۔"

وہ بہت عجیب حکم تھا اور اس سے کہیں زیادہ عجیب انداز میں مجھ تک پہنچایا گیا تھا۔ کاغذ پر پیغام بھیجنے والے کے بارے میں کچھ تحریر نہیں تھا۔ اگر وہ پیغام ویرا ہی کی طرف سے تھا تو وہ میرے بارے میں ناقابلِ یقین حد تک باخبر معلوم ہوتی تھی لیکن وہ حکم خنجر کے بجائے خنجر پھینکنے والا زبانی طور پر بھی مجھ تک پہنچاتا تو مجھے اس کی تعمیل میں تامل نہ ہوتا۔ شاید ویرا نے اس طرح مجھے اپنے ذرائع اور وسائل کے اظہار سے مرعوب کرنا چاہا تھا۔

اور اگر وہ خنجر ویرا کی طرف سے نہیں آیا تھا تو یقینی طور پر اس کے ستارے گردش میں آ چکے تھے اور اس کے حریف اس مرحلے پر میری مداخلت برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ وہ اپنی ساری توجہ ویرا پر مرکوز کر کے اپنا مقصد حاصل کرنے پر تلے ہوئے تھے اور میں ان کی مخاصمت مول لینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

بہرحال میرے پاس ایک چھوٹے پھل والا خنجر آ چکا تھا، اس اعتبار سے میں بالکل ہی غیر مسلح نہیں رہا تھا۔ میں لفٹ کا بٹن دبا چکا تھا۔ جیسے ہی فلور پر لفٹ کا دروازہ کھلا، میں اندر داخل ہوا جہاں پہلے سے ایک سفید فام موجود تھا۔ میں لفٹ کے سوئچ بورڈ پر گراؤنڈ فلور کا بٹن دبا رہا تھا کہ اچانک ایک سرد آہنی نال میری داہنی کنپٹی میں چبھنے لگی۔

"لفٹ سے نکل کر تم بے چوں و چرا میرے ساتھ چلو گے۔" سفید فام کی غراتی ہوئی سفاکانہ آواز میرے کانوں میں آئی۔ "یہ پستول میری جیب میں رہے گا۔ حکم عدولی کی صورت میں بے آواز گولی تمہارے سینے میں اتر جائے گی۔"

میں لمحہ بھر کے لیے اپنی جگہ پر سن ہو کر رہ گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ہوٹل میں قدم رکھتے ہی کس کھیل کا آغاز ہو چکا تھا۔ پہلے خنجر کے ذریعے ایک پیغام ملا اور اب وہ دبلا پتلا سفید فام سر پر سوار ہو گیا تھا۔

گراؤنڈ فلور پر لفٹ رکنے پر اس کا دروازہ کھلا تو باہر دو جوڑے اوپر جانے کے لیے لفٹ کے منتظر تھے۔ وہ سفید فام مجھ سے تقریباً جڑا ہوا ان لوگوں کے درمیان سے نکلا اور ہم دونوں استقبالیہ ہال میں موجود لوگوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے شیشے کے دروازے سے باہر فٹ پاتھ پر نکل گئے جہاں چوراہے کے وسط میں نصب فوارے اور پھلواری کے گرد سڑک پر بائیں طرف متعدد گاڑیاں پارک تھیں۔

وہ نامعلوم سفید فام مجھے ساتھ لیے ہوئے آگے بڑھتا رہا، پھر ایک سفید ٹویوٹا کراؤن کے قریب رک گیا۔ گاڑی کے دروازے مقفل تھے اور غنیمت تھا کہ اس میں کوئی ڈرائیور موجود نہیں تھا۔

"تم اگلی سیٹ پر میرے ساتھ بیٹھو گے۔" اس نے پسنجر سیٹ کے دروازے کا قفل کھولتے ہوئے سرد اور سپاٹ آواز میں کہا "ہوشیاری دکھانے کی کوئی بھی کوشش خودکشی کے مترادف ہوگی۔"

"گاڑی میں سوار ہونے سے پہلے یہ جاننا میرا حق ہے کہ تم کون ہو؟" میں نے احتجاج کیا۔

اس کی جیب میں پوشیدہ آتشیں ہتھیار کی نال میرے جسم سے لگی "تمہیں کوئی حق حاصل نہیں رہا ہے جو کہا جا رہا ہے اس پر بے چوں و چرا عمل کرنے کی کوشش کرو۔"

میں دروازہ کھول کر بے دلی کے ساتھ اگلی نشست پر بیٹھ گیا اور وہ پھرتی کے ساتھ گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا۔ کار کا انجن اسٹارٹ ہوا اور وہ تیزی کے ساتھ حرکت میں آ گئی۔ اس کے ساتھ سفید فام نے اپنی سمت میں لگے ہوئے بٹن دبا کر نہ صرف چاروں دروازے مقفل کر دیے تھے بلکہ کھڑکیوں کے شیشے اتارنے چڑھانے کا برقی کنٹرول بھی اپنے پاس منتقل کر لیا تھا تاکہ میں ٹریفک کے ہجوم میں اس کی غفلت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہیں اچانک ہی دروازہ کھول کر باہر چھلانگ نہ لگا دوں۔ اگرچہ میں اس کارروائی کا مطلب سمجھ چکا تھا لیکن پھر بھی اس نے مجھ کو پوری صورتِ حال سے از خود آگاہ کرنا ضروری سمجھا تاکہ میں بے بسی کے ساتھ اس کے احکام پر عمل کرتا رہوں۔

لندن میرے لیے نیا شہر تھا پھر اس وقت نہ میں نقشہ دیکھ سکتا تھا نہ اپنی کتابی معلومات کی حد تک حافظہ کام کر رہا تھا، اس لیے مجھے راستوں کا کوئی علم نہ ہو سکا۔ ہاں اتنا احساس تھا کہ کافی دیر تک شہر کے مصروف اور بھیڑ بھاڑ کے علاقوں سے گزرنے کے بعد آخر کار وہ گاڑی ایک نسبتاً ویران لیکن روشن سڑک پر نکل آئی اور سفید فام نے اس کی رفتار تیز کر دی۔

میں دل ہی دل میں اس منحوس گھڑی کو کوس رہا تھا جب کنگز کراس سے ویرا کے ہوٹل فون کرنے کے بعد میں نے سلطان شاہ کو واپس لوٹ جانے کا مشورہ دیا تھا۔ اگر وہ میرے ساتھ آیا ہوتا تو وہ سوکھا سڑا سفید فام مجھے یوں اپنا قیدی بنا کر کسی نامعلوم منزل کی طرف لے جانے میں ہرگز کامیاب نہ ہو پاتا۔

"میرے حقوق تم نے مسترد بلکہ پامال کر دیے۔" سنسان سڑک پر نکل آنے کے بعد میں نے کہا "لیکن مجھے اتنا تو بتلاتے چلو کہ مجھ اجنبی کو کس جرم کی پاداش میں پکڑا گیا ہے؟"

"تم وہاں کیوں گئے تھے؟" اس نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد سوال کیا۔

"ایک مہمان سے ملنے۔" میں نے دانستہ مبہم سا جواب دیا۔

"مہمان کس کمرے میں ٹھہرا ہوا ہے تمہارا؟" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

اس سفید فام کو میں نے نیچے یا چوتھی منزل پر کہیں نہیں دیکھا تھا لیکن پہلے خنجر کے وار کے بعد اس نے لفٹ میں جس اعتماد کے ساتھ مجھ پر ہاتھ ڈالا تھا اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ہوٹل میں کچھ نادیدہ لوگ ویرا کے کمرے کی کڑی نگرانی کر رہے تھے۔ وہ ویرا کے دوست رہے ہوں یا دشمن، یہ بعد کی بات تھی۔

امکان یہ بھی نظر آ رہا تھا کہ نادیدہ نگرانوں نے اس سفید فام کو کسی سلکی یا لاسلکی رابطے پر میری نقل و حرکت سے اس حد تک باخبر رکھا ہو کہ چوتھی منزل پر جب میں لفٹ میں داخل ہوا تو وہ

پُوری طرح پُریقین تھا کہ میں ہی اس کا مطلوبہ شکار تھا۔ ان حقائق کی روشنی میں میرے لیے اس سے جھوٹ بولنا بے سُود تھا لہٰذا میں نے قدرے توقف کے بعد ویرا کے کمرے کا وہ نمبر دُہرا دیا جو مجھے ہوٹل کی ٹیلی فون آپریٹر سے معلوم ہوا تھا۔

"شاید تمھیں اس مہمان کے نام کا بھی علم ہو گا؟" اس کا لہجہ تلخ تر ہو گیا۔

"ویرا لائیڈ!" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

اسی لمحے گاڑی ایم وَن کے بڑے سے نشان کے نیچے سے گزری اور میں چونک پڑا۔ سیاحوں کی رہنمائی کرنے والے کتابچوں کی مدد سے میں یہ جان چکا تھا کہ لندن سے مختلف سمتوں میں کئی شاہراہیں باہر نکلتی تھیں جو خشکی کے راستے اس شہر کو دوسرے شہروں سے منسلک کرتی تھیں۔ ان میں موٹر وے ایم وَن شمال میں جانے والی سب سے بڑی اور مصروف شاہراہ تھی جس کے ذریعے برمنگھم یا کاؤنٹری بھی پہنچا جا سکتا تھا۔

"ویرا لائیڈ اس بار کڑی نگرانی میں ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "ہمیں ہر اس اجنبی کو زندہ یا مُردہ پکڑ لینے کا حکم ملا ہوا ہے جو اس سے ملنے یا اس تک پہنچنے کی کوشش کرے۔"

"لیکن تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں اس کے لیے اجنبی ہوں؟"

"اس کے تم لاکھ آشنا سہی لیکن ان لوگوں کے لیے اجنبی ہو جن کے لیے وہ کام کرتی ہے۔"

"لیکن تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟" میں نے برہمی کے ساتھ کہا۔ "ان لوگوں سے میرا کیا واسطہ؟"

"تھوڑی دیر صبر کرو، پھر سب معلوم ہو جائے گا۔" وہ تیز لہجے میں بولا۔ "زیادہ گرمی دکھانے کی کوشش کی تو تمھیں گولی مار کر سڑک پر پھینک دوں گا۔"

کار شہر سے بالکل باہر موٹر وے پر تیز رفتاری کے ساتھ اُڑی جا رہی تھی۔ رات اُتر آنے کے سبب گاڑی میں اندھیرا تھا اور ہیڈ لیمپس کی روشنی میں دُور تک سیاہ سڑک یا درمیان میں لگا ہوا فولادی جنگلا چمک رہا تھا۔

میں نے آہستگی کے ساتھ اپنی جیب سے وہ چھوٹا سا خنجر نکال لیا جس کے ذریعے مجھ تک ہوٹل سے فوری واپسی کا حکم پہنچایا گیا تھا۔

سفید فام سے گفتگو کے بعد میرے ذہن میں صُورتِ حال کسی حد تک واضح ہونے لگی تھی۔ ویرا پاکستان سے لندن تو پہنچ گئی تھی لیکن اسے پوری آزادی نہیں مل سکی تھی۔ تنظیم کے برطانوی بڑوں کو غالباً اس کی وفاداریوں پر شبہ ہونے لگا تھا اور انھوں نے ہوٹل میں ویرا کی نگرانی شروع کرا دی تھی مگر وہ خود بھی بالکل ہی بودی نہیں تھی۔ اسے اپنی نگرانی کی بھنک مل گئی تھی، اسی وجہ سے اس نے نہ مجھ سے فون پر بات کی نہ کمرے میں اپنی موجودگی کی ہوا لگنے دی۔ اسی کے ساتھ موقع پا کر اس نے خود یا اپنے کسی آدمی کے ذریعے مجھے اس طرح واپسی کا پیغام دیا جو اس کی نگرانی کرنے والے بھی نہ پکڑ سکے اور مجھ پر بھی صورتِ حال کی نزاکت پوری طرح واضح ہو گئی۔

اگر خنجر پھینکے جانے کے بجائے اس کا کوئی آدمی مجھے واپسی کا پیغام پہنچاتا تو میرے ساتھ وہ بھی عتاب میں آ سکتا تھا جب کہ ویرا اپنے پتّے پُوری احتیاط کے ساتھ کھیلنے پر تُلی ہوئی تھی۔

اس وقت اندھیرے میں میری نگاہیں موٹر وے کا بے چینی کے ساتھ جائزہ لے رہی تھیں۔ پھر ایک بار جوں ہی عقب میں آنے والی گاڑیوں کے ہیڈ لیمپس کی روشنی کا سیلاب ختم ہوا، میں نے بڑی بے رحمی کے ساتھ خنجر سفید فام کے حلق میں اتار دیا۔ وہ ایک کربیہ چیخ کے ساتھ اپنی نشست پر اُچھلا اور گاڑی جھٹکے کھا کر سڑک پر بڑا سا لہریا بناتی ہوئی اس فولادی جنگلے کی طرف ہولی جو دو طرفہ ٹریفک کو الگ رکھنے کے لیے موٹر وے کی درمیانی کچی پٹی پر لگایا گیا تھا۔

موسم خوشگوار تھا لیکن ان جاں گُسل لمحات میں میرے بدن کے سارے مسامات کے منہ کھل گئے۔ زندگی اور موت کے درمیان بس ایک لمحے کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ گاڑی پوری قوت کے ساتھ ریلنگ سے ٹکرا کر چکنا چُور ہو سکتی تھی، عقب سے کوئی گشتی پولیس پارٹی دخل انداز ہو سکتی تھی یا کوئی مُسافر کار صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے ٹھہر سکتی تھی۔

بدترین اعصابی تناؤ کے عالم میں مَیں نے اسٹیئرنگ کو قابو میں کرتے ہوئے اس کی سمت کے دروازے میں لگے ہوئے بٹن دبا کر دروازوں کے قفل کھولے اور عین اس وقت جب اس کے بدن میں عالمِ سکرات سے گزرتے ہوئے اکڑاؤ پیدا ہوا، میں نے اس کی سمت کا دروازہ کھول کر پُوری قوت سے اسے باہر دھکیل دیا۔

تیز رفتار کار سے سڑک پر گر کر اس کا بدن فولادی ریلنگ والی درمیانی پٹی پر لڑھک گیا اور میں نے دروازہ بند کر کے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

میں نے عقب نما آئینوں کی مدد سے فوراً ہی یہ تعین کر لیا کہ اس ہولناک واردات کا کوئی گواہ نہیں تھا۔ عام دن ہونے کی وجہ سے ایم وَن پر ٹریفک غالباً کم تھا ورنہ سنا یہی تھا کہ ویک اینڈ یا لمبی تعطیلات کے آغاز اور اختتام پر لوگ دُور دراز مقامات پر وقت گزاری اور تفریحات کے لیے یوں دیوانہ وار موٹر وے پر نکلتے تھے کہ گاڑیوں کے ملتے ہجوم میں ٹریفک کی رفتار نصف سے بھی کم رہ جاتی تھی اور یہ بات میرے حق میں جاتی تھی۔

لندن سے نکلنے کے بعد راستے یاد رکھنے کی فکر میں مَیں اس عظیم شاہراہ پر نصب تقریباً تمام ہی نشانات کو غور سے دیکھتا آیا تھا اور میرا خیال تھا کہ اس وقت تک ہم ایم وَن کے گیارھویں جنکشن سے گزر چکے تھے اور تھوڑی دیر بعد ہی بارھواں جنکشن آنے والا تھا جہاں سے بائیں طرف کٹنے والے راستے پر مُڑ کر ذیلی سڑک پر سفر جاری رکھا جا سکتا تھا یا ایک طویل چکر کاٹ کر دوبارہ ایم وَن کے لندن واپسی کے راستے پر آیا جا سکتا تھا۔

میرے پاس نہ ڈرائیونگ لائسنس تھا نہ دُوسرے شناختی کاغذات، اس لیے میرے حق میں یہی بہتر تھا کہ میں جلد از جلد کار چھوڑ دوں مگر اسی کے ساتھ میری لندن واپسی بھی ضروری تھی، بارھواں جنکشن آنے تک میں لندن واپسی کا فیصلہ کر چکا تھا۔ وہاں پہنچنے کے بعد ہی اس کار سے بھی نجات حاصل کی جا سکتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد میں سفید گاڑی میں ایک اوور ہیڈ کراسنگ کے ذریعے ایم وَن کو عبور کرتا ہوا چند منٹ بعد ایم وَن پر لندن کی جانب رواں تھا۔

ٹرکوں، ٹریلروں اور اکا دُکا گاڑیوں کے ساتھ ایم وَن پر سفر کرتے ہوئے چند میل کے بعد میں چونک پڑا کیونکہ آگے گاڑیوں کی خاصی بھیڑ نظر آ رہی تھی، اسی کے ساتھ بار بار بریک لائیٹس بھی جل بُجھ رہی تھیں جس کا مطلب تھا کہ اس مقام پر ٹریفک کی روانی میں کوئی رکاوٹ درپیش تھی۔

یہ گمان بس ایک لمحے کے لیے ہی قائم رہا پھر میری ریڑھ کی ہڈی میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ ایم وَن کے لندن سے آنے والے ٹریک پر پولیس کی ایک موبائیل ویَن ایک مقام پر رُکی ہوئی تھی اور اس کی چھت پر لگی ہوئی سُرخ ایمرجنسی لائٹ مسلسل گردش کیے جا رہی تھی۔ وہ مقام کم و بیش وہی تھا جہاں میں نے ذرا ہی دیر پہلے سفید فام کو پھینکا تھا۔

غالباً اس کی لاش دریافت کر لی گئی تھی یا شاید وہ صرف شدید زخمی ہی ہوا ہو۔ دوسرا خیال آتے ہی میرے پیٹ میں شدید اینٹھن ہونے لگی۔

دونوں طرف کا ٹریفک اس مقام سے سُست رفتاری سے گزر رہا تھا۔ ہر ایک کو چلتے چلتے معلومات حاصل کرنے کا خبط تھا۔ میری کار رینگتی ہوئی آگے بڑھی تو نیلی وردیوں اور ٹوپیوں میں کئی پولیس افسران سیٹیاں بجاتے ٹریفک صاف کرنے کی کوششوں میں مصروف نظر آئے۔

جلد بازی کے ذریعے فوری طور پر لندن واپسی کا فیصلہ کرتے ہوئے میں یہ بات بالکل ہی بھلا بیٹھا تھا کہ مجھے دوبارہ اس خطرناک مقام سے گزرنا ہو گا جہاں میں نے سفید فام کو پھینکا تھا۔

میری سست رفتاری کے باعث پیچھے بھی گاڑیاں جمع ہو چکی تھیں آگے بھی ٹریفک کا ہجوم تھا، دائیں طرف سڑک کے وسط میں مسلسل فولادی باڑھ لگی ہوئی تھی جس میں سے سائیکل سوار بھی نہیں گزر سکتا تھا۔ بائیں طرف چڑھتی ہوئی سرسبز ڈھلانوں پر مویشیوں کو شاہراہ پر آنے سے روکنے کے لیے ایک اور مضبوط حصار قائم تھا۔ کسی طرف فرار کا کوئی امکان نہیں تھا۔ بس دو ہی صورتیں باقی رہ گئی تھیں کہ میں وہ سفید ٹویوٹا کراؤن وہیں ٹریفک کی بھیڑ میں چھوڑ کر پوری قوت کے ساتھ کسی طرف دوڑ لگا دیتا یا تن بہ تقدیر ہو کر رینگتی ہوئی رفتار سے آگے کی طرف سفر جاری رکھتا۔

دیکھتے ہی دیکھتے ایم وَن پر لندن جانے والے ٹریفک کی پانچ متوازی قطاریں بن گئیں جن میں مَیں داہنی طرف سے دوسری قطار میں تھا۔

آخر کار میری کار ایک پولیس کانسٹیبل کے اتنے قریب پہنچ گئی کہ میں گاڑیوں کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں اس کی آنکھوں میں چھائی ہوئی جھنجلاہٹ صاف دیکھ سکتا تھا مگر میں دانستہ اس سے نظریں چراتا رہا۔

اچانک اس نے تیزی کے ساتھ سیٹی بجائی اور غصّے سے فضا میں ہاتھ لہرا کر کسی کو رُکنے کا اشارہ کیا۔ میں نے سر گھمایا اور اپنی جگہ منجمد ہو کر رہ گیا۔ وہ میری ہی طرف دیکھ رہا تھا اور کچھ بکتا جھکتا گاڑیوں کے درمیان سے میری طرف چلا آ رہا تھا۔

مشینی انداز میں میرا بایاں پاؤں کلچ پر پڑا اور داہنا ایکسلیٹر سے ہٹ کر بریک پیڈل پر جم گیا۔ وسیع و عریض کار ایک ہچکولے کے ساتھ جہاں تھی وہیں تھم گئی، اسی لمحے عین میرے سر پر کسی ٹریلر کا ہارن چیخا اور میری عقل ماؤف ہو کر رہ گئی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اتنی بھیڑ میں اس باوردی اہلکار نے آخر مجھے ہی کیوں روکا تھا؟ میں نے ڈوبتے ہوئے دل اور شکست کے احساس کے ساتھ اپنی طرف کا شیشہ اتار دیا۔

"کیا لائسنس رکھتے ہیں جناب عالی؟" قریب آ کر اس سپاہی نے دانت پیستے ہوئے انگریزی میں سوال کیا۔

میرے لیے وقت کی رفتار یک لخت تھم گئی، سماعت ساتھ چھوڑنے لگی اور اس سپاہی سمیت گرد و پیش کی ہر شے اتنی چھوٹی نظر آنے لگی جیسے وہ سب مجھ سے ہزاروں میل خلا میں کہیں تیر رہے ہوں۔

میرا ہاتھ غیر ارادی طور پر اپنی پتلون کی عقبی جیب کی طرف گیا تھا اور اسی لمحے اچانک کئی تیز ہارن بج اٹھے اور پھر بجتے ہی چلے گئے۔

سڑک پر بائیں طرف کی تین قطاروں میں ٹریفک رواں تھا۔

لیکن میری کار رُک جانے کے باعث داہنی طرف کی دونوں قطاریں جام ہو کر رہ گئی تھیں اور متاثر ہونے والے ڈرائیور ہارن بجا کر اپنی دانست میں مجھ کو لعن طعن کر رہے تھے۔

میں نے جیب ٹٹولتے ہوئے بے بسی سے سپاہی کی طرف دیکھا مسلسل بجتے ہوئے ہارن اس کی جھلاہٹ میں اضافے کا سبب بن گئے تھے۔ اس نے غصّے کے ساتھ سڑک پر پیر مارا اور غرّاتے ہوئے بولا۔ "جاؤ! مگر ہوش میں رہ کر گاڑی چلاؤ، اسٹیئرنگ پر تمہارے ہاتھ کانپ رہے تھے۔"

میں نے داہنا ہاتھ پیشانی تک لے جا کر اس کا شکریہ ادا کیا پھر گاڑیوں کے غضبناک انجنوں سے خارج ہوتے ہوئے گرم گرم دھویں سے بچنے کے لیے شیشہ چڑھاتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی۔ اس وقت میرا دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا جیسے کسی بھی لمحے سینہ پھاڑ کر باہر آ جائے گا۔

مجھے کچھ ہوش نہیں کہ میں اس ٹریفک جام میں سے کیسے گزرا۔ میں نے خود کو محفوظ رکھنے کے لیے دوسروں کے احتجاج کی پروا کیے بغیر اپنی گاڑی زبردستی بائیں طرف کی پہلی قطار میں اڑا دی تھی اور کافی دُور تک اسی قطار میں سُست رفتاری کے ساتھ کار ڈرائیو کرتے ہوئے اپنے بکھرے ہوئے اعصاب پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔ آخر کار ٹریفک کا ہجوم صاف ہو جانے پر میں نے قدرے اعتماد کے ساتھ کار کی رفتار تیز کر دی۔

جائے واردات پر پیچھے والوں کے بآوازِ احتجاج نے مجھے ایک ناقابلِ تصور دشواری سے بچا لیا تھا۔ اگر اس کانسٹیبل کو وہ لوگ بروقت ٹریفک جام کے بگڑ جانے کا احساس نہ دلاتے تو شاید بغیر لائسنس ڈرائیونگ کے جرم میں گرفتاری کے آغاز کے بعد یہ قصّہ مقدمۂ قتل میں سزا پر ہی ختم ہوتا۔

اِس دن سے لندن میں داخل ہوتے ہی میں نے کسی مناسب جگہ کی تلاش شروع کر دی پھر جوں ہی ایک چوراہے پر یوسٹن روڈ کا نام نظر آیا میں نے محض قیاس سے کام لیتے ہوئے کار بائیں طرف گھما دی اور اس طرح چند ہی منٹ کے بعد یوسٹن اسٹیشن پہنچ گیا جو ٹیوب سروس کے ساتھ برٹش ریل کا بھی وسیع و عریض اسٹیشن تھا۔

یوسٹن اسٹیشن کی پارکنگ لاٹ میں اپنی گاڑی چھوڑ کر دوبارہ آزاد فضا میں سانس لینے کا تصور بہت خوشگوار تھا۔ میں نے گاڑی پارک کر کے اس کے ڈیش بورڈ کے خانوں وغیرہ کی تلاشی لینا شروع کی تو گلو کمپارٹمنٹ میں کاغذات کے نیچے دبا ہوا اعشاریہ دو دو کا ریوالور ہاتھ آیا جس کا چیمبر بھرا ہوا تھا۔ چھوٹے سے خنجر کے بدلے یہ سودا مہنگا نہیں تھا۔ میں نے ریوالور کوٹ کی اندرونی جیب میں ڈالا اور گاڑی لاک کر کے باہر آ گیا۔ چابی میں نے ڈرائیونگ سیٹ کے پائیدان پر ڈال دی تھی اور ایک پچھلا دروازہ دانستہ غیر مقفل چھوڑ دیا تھا تاکہ کوئی اس گاڑی کو وہاں سے چرا لے جانا چاہے تو اسے کوئی دِقت نہ ہو۔ یوسٹن سے اس کار کی چوری کے بعد میری ذات ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رہ سکتی تھی۔

اسٹیشن کی عمارت میں داخل ہوتے ہوئے میں نے ایک اسٹال سے پانچ پاؤنڈ مالیت کا فون کارڈ خرید لیا کیونکہ فون کرنے کے لیے بار بار ریزگاری حاصل کرنے میں دشواری پیش آتی تھی۔ اس الیکٹرونک کارڈ کے ذریعے مخصوص بوتھ سے کہیں بھی کال کی جا سکتی تھی۔ الیکٹرونک اس کارڈ میں سے ہر کال خود بخود منہا کر دیتا تھا جس کارڈ پر ایک بار کوئی الیکٹرونک صفر کی مالیت ظاہر کرے اسے کہیں بھی استعمال نہیں کیا جا سکتا تھا۔

میں نے مخصوص بوتھ سے کارڈ کے ذریعے ایک بار پھر ویرا کے ہوٹل سے رابطہ قائم کیا اُس بار میں نے آپریٹر سے ویرا کا کمرہ مانگنے کے ساتھ ہی اپنا نام بھی بتایا تھا جو ڈین ہارڈے تھا۔ مقصد یہی تھا کہ ویرا ہارڈے کا نام کانوں میں پڑتے ہی میرے بارے میں سوچ سکے کیونکہ جیکب میکفرسن سے ملاقات کے لیے میگی ہارڈے کا کوڈ اسی نے دیا تھا۔ میں نے بس میگی کے زنانہ نام کی جگہ مردانہ نام ڈین لگا دیا تھا۔

اس نام کا نتیجہ خاطر خواہ برآمد ہوا تھا۔ فوراً ہی لائن پر ویرا کی آواز سنائی دی تھی۔

"خدا کا شکر ہے کہ تمہاری آواز تو سنی ورنہ میں تو اب تمہاری طرف سے مایوس ہی ہو چلا تھا۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے اردو میں کہا۔ اس وقت میں نے اردو کا استعمال رازداری کی نیت سے دانستہ کیا تھا تاکہ کوئی وہ فون کال سن رہا ہو تو میری بات کا مفہوم نہ سمجھ سکے۔

"تم کاسینو رائل پہنچو، میں پونے دس بجے وہاں ڈائننگ روم میں تمہارا انتظار کروں گی۔" ویرا نے بھی اردو میں کہا اور میں نے اس کی بات پوری ہوتے ہی سلسلہ منقطع کر دیا۔

فون کارڈ سلاٹ سے نکال کر جیب میں رکھتے ہوئے میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو میرے پاس کاسینو رائل پہنچنے کے لیے کُل دس منٹ رہ گئے تھے جبکہ میں نہ اس کے محل وقوع سے واقف تھا نہ فاصلے سے مگر مجھے اتنا یقین تھا کہ دس پانچ منٹ کی تاخیر بھی ہو گئی تو ویرا میرا انتظار کرے گی۔

یوسٹن اسٹیشن پر سیاحوں کی معاونت کے لیے دفترِ اطلاعات قائم تھا لیکن میں نے وہاں چند منٹ خراب کرنے کے بجائے براہِ راست ٹیکسی اسٹینڈ کا رُخ کیا اور سیڑھیاں طے کر کے زیرِ زمین اڈے پر لگی ہوئی قطار میں کھڑا ہو گیا جو خالی ٹیکسیوں میں مسافروں کے روانہ ہونے کے ساتھ تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔

"کاسینو رائل!" اپنی باری آنے پر میں نے ٹیکسی میں سوار ہوتے ہوئے ڈرائیور سے کہا اور اس نے زبان سے کچھ کہے بغیر میٹر اسٹارٹ کر کے ٹیکسی آگے بڑھا دی۔

ٹھیک پونے دس بجے میں کاسینو کی کثیر المنزلہ عالی شان عمارت کے سامنے موجود تھا۔ ڈرائیور کو کرایہ ادا کر کے میں اندر داخل ہوا تو احاطے میں کئی لمبی لمبی رولس رائس گاڑیاں کھڑی نظر آئیں، جس کا مطلب تھا کہ اس کاسینو میں اعلیٰ پیمانے پر جُوا ہوتا تھا۔

میں اندر داخل ہوا تو وہاں متوسط طبقے کے لوگ بھی نظر آئے جو استقبالیہ ہال میں کسی کے منتظر تھے یا باتوں میں مصروف تھے۔

اندر داخل ہوتے ہی میں وہاں کا رکھ رکھاؤ دیکھ کر گڑبڑا گیا۔ اسی لمحے کاسینو کے ملازمین میں سے ایک لڑکی اٹھلاتی ہوئی میری طرف آئی۔ "کیا میں تمہاری مدد کر سکتی ہوں؟"

"مجھے ایک خاتون سے ملنا ہے۔ ویرا لائیڈ نام ہے اس کا۔ تمہارا ڈائننگ ہال کس طرف ہے؟" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اپنا مدعا بیان کر ڈالا۔

"وہ یہاں کی رکن ہیں؟" اس نے خلیقانہ مسکراہٹ کے ساتھ سوال کیا۔

"مجھے علم نہیں۔" میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا اور وہ مجھے ہمراہ لے کر استقبالیہ کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئی۔

وہاں ڈین ہارڈے کا نام پہلے سے موجود تھا، پتا چلا کہ ویرا اوپر ڈائننگ ہال میں میری منتظر تھی۔ اوپر کا ذکر آتے ہی اس لڑکی کے رویّے میں مزید نرماہٹ پیدا ہو گئی اور وہ مجھے ساتھ لے کر ایک ایسی لفٹ کے سامنے جا رکی جس کے باہر طرف گولڈن کارڈ ہولڈرز کے لیے درج تھا۔

لفٹ کا دروازہ ایک مؤدب گورے نے کھولا۔ لڑکی میرے بارے میں اسے ہدایت دے کر سر کو خم دیتی ہوئی ایک طرف چلی گئی اور لفٹ مجھے لے کر اوپر روانہ ہو گئی۔

جس منزل پر لفٹ رُکی وہاں ہر طرف سُرخ قالین بچھا ہوا تھا۔ لفٹ سے باہر نکلتے ہی ایک اور شخص نے بڑے احترام سے سر کو خم دے کر مجھے خوش آمدید کہا پھر اسی انداز میں بولا۔ "آپ کا کارڈ سر؟"

"یہ مس ویرا لائیڈ کے مہمان ہیں۔" مجھ سے پہلے ہی لفٹ مین بول پڑا اور باہر والا مجھے ساتھ لے کر ایسی آراستہ راہداری میں داخل ہو گیا جہاں تزئین و آرائش کے لیے بڑی فیاضی کے ساتھ پیسہ بہایا گیا تھا۔ وہاں اس قدر سکون اور خاموشی تھی کہ سانس لیتے ہوئے بھی خوف محسوس ہوتا تھا۔

آخر کار اس نے مجھے دھیمی خوابناک روشنی میں ڈوبے ہوئے ڈائننگ ہال میں پہنچا دیا جس سے ذرا آگے تیز روشنیوں میں جوئے کی مشینوں پر کھیل ہو رہا تھا۔

ڈائننگ ہال اور جوئے خانے کے درمیان کوئی رکاوٹ حائل نہیں تھی لیکن پھر بھی وہاں کوئی شور و شغب نہیں تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہاں آنے والے مہذب اُمراء ہی تھے جو اپنی آزادیوں کے ساتھ دوسروں کے حقوق کا خیال رکھنے کے بھی عادی تھے۔ مجھے لانے والے نے دروازے سے گزر کر دو نشستوں والی ایک میز کا رُخ کیا جہاں ویرا بیٹھی سگریٹ کا دھواں اڑانے میں مصروف تھی۔ اس کے سامنے اسکاچ کا پیگ اور آلس پاٹ رکھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے لبوں پر دلفریب مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ کرسی چھوڑ کر باہر نکل آئی۔

اس نے جس والہانہ اور خالص مغربی انداز میں میرا استقبال کیا اس پر میرے لہو میں گرمی کی لہر سی دوڑ گئی لیکن جب ہم نے میز پر ایک دوسرے کے مقابل کرسیاں سنبھالیں تو میرے ذہن میں غزالہ کا پیکر جاگ اٹھا تھا۔

"غزالہ کہاں ہے؟" میں نے ویرا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر براہِ راست سوال کیا۔

"اس کے بارے میں میں خود پریشان ہوں۔" وہ ندامت آمیز لہجے میں بولی۔ "تمہیں یہاں بھیجنے کا بنیادی سبب یہی تھا کہ غزالہ کو خطرات درپیش تھے ورنہ پاکستان میں حالات کو سنبھالنا اتنا دشوار نہیں تھا۔"

"لیکن تم نے مجھے آخر تک بالکل بے خبر رکھا۔" میں نے تند لہجے میں کہا۔

"یہاں آ کر تم نے سب کچھ خود دیکھ لیا ہے۔ پاکستان میں تم میری بات کا یقین نہ کرتے بلکہ اس کی روپوشی کو میری ہی بدنیتی سمجھنے لگتے۔ میں خود پریشان ہوں کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ آج ٹونی کو ذبح کر دیا گیا۔ پب میں کالاہان نامی ایک نامور بدمعاش کی لاش بھی ملی ہے۔ یوں معلوم ہو رہا ہے جیسے آسمان سے لاشیں برسنے لگی ہوں۔"

ویرا بیرے کو شاید پہلے ہی ہدایات دے چکی تھی کیونکہ اسی لمحے وہ میرے لیے ڈبل پیگ لے آیا۔ ہم دونوں نے خاموشی سے پیمانے فضا میں ہولے سے ٹکرائے اور لبوں کو تر کرنے لگے۔

"اور تمہاری بھی نگرانی ہو رہی ہے۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد میں نے پب کے واقعات پر کوئی تبصرہ کیے بغیر کہا۔ "یہاں تو تمہیں کام کرنے کی زیادہ آزادی ہونا چاہیے تھی۔"

"داؤد بہت خطرناک ثابت ہوا ہے۔" وہ تلخ لہجے میں بولی۔ "میں ہمیشہ صحیح اندازے قائم کرتی ہوں لیکن اس معاملے میں چوٹ

کھا گئی۔ وہ میرے خلاف ہیڈ کوارٹر والوں کے کان بھرنے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ یہ نگرانی ان ہی کی طرف سے کی جارہی ہے تاکہ تنظیم سے باہر میرے روابط اور وفاداریوں کی تحقیقات کی جاسکے۔"

"داؤد کہاں ہے؟"

"میرے ساتھ ہی آیا ہے لیکن میں اس کی قیام گاہ سے لاعلم ہوں۔ کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں ہی ٹھہرا ہوگا۔ جب تم ہوٹل آئے تو میں کمرے میں موجود تھی مگر میں نے دانستہ جواب نہیں دیا۔ امید ہے کہ تم خنجر کے ذریعے ملنے والے پیغام کی اہمیت کو سمجھ گئے ہوگے۔ میں ایسا نہ کرتی تو تم اس وقت کہیں اور ہوسکتے تھے۔"

اس کی خوش فہمی پر میں دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔ "وہ خنجر کس نے پھینکا تھا؟"

"میں اس وقت کسی پر بھروسا نہیں کرسکتی۔ کچھ دنوں تک ایسے کام بھی خود ہی کرنے ہوں گے۔" وہ پیمانے سے ایک اور گھونٹ لیتے ہوئے بولی۔

"سوال یہ ہے کہ اب غزالہ کا کیا ہوگا؟" میں اپنی کہانی کا آغاز کرنے سے قبل اسے اچھی طرح ٹٹول لینا چاہتا تھا۔

"تم یہاں کب پہنچے؟" وہ اچانک سوال کر بیٹھی۔

"آج صبح ہی فرینکفرٹ سے آئے تھے۔" میں نے کہا۔

"ٹونی سے ملاقات نہیں ہوئی تمھاری؟" اس کے لہجے سے مایوسی مترشح تھی۔

اس کی مکاری پر میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ "ملاقات تو بیشک نہیں ہوئی لیکن فون پر بات ہوگئی تھی۔ میں مقررہ وقت پر پب میں پہنچا تو وہ ذبح کیا جاچکا تھا۔"

وہ میرے الفاظ سنتے ہی کرسی سے اچھل پڑی۔ "تو تم اس کی لاش دیکھ چکے ہو؟"

"ہاں، سکون سے سنتی رہو۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "اس قدر اضطراب ظاہر نہ کرو کہ دور بیٹھے ہوئے لوگ ہماری آوازیں نہ سننے کے باوجود ہماری طرف متوجہ ہوجائیں۔ ہوسکتا ہے کہ انہی میں سے کوئی تمھاری نگرانی کررہا ہو۔"

"اس طرف سے بے فکر رہو۔ ان میں سے کوئی میرے پیچھے آنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ وہ سب ہی پیٹتے رہ گئے ہوں گے اور یہ صرف اس وجہ سے ممکن ہوا کہ تم سے بات لندن میں ہوئی تھی.....!"

"لیکن کاسینو رائل کا نام تو سنا گیا ہوگا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"شاید تم نے غور نہیں کیا تھا۔ میں نے یہ نام کئی حصوں میں توڑ کر لیا تھا جیسا تمھارے یہاں عام رواج ہے ایسی انگریزی میں تم چار دن بھی تقریر کرتے رہو تو یہاں کسی کے ایک لفظ بھی پلے نہیں پڑے گا۔ تلفظ اور لہجے کے بغیر ہر زبان بے معنی آوازوں کا ملغوبہ بن کر رہ جاتی ہے..... ہاں تو تم ٹونی کے بارے میں کیا بتا رہے تھے؟"

"میں وہاں نہ گیا ہوتا تو غزالہ کے بارے میں کچھ بھی نہ جان سکتا تھا....."

"جب وہ ذبح کیا جاچکا تھا تو غزالہ کے بارے میں تمھیں کیسے معلوم ہوا؟" وہ جلد از جلد سب کچھ جاننے کے لیے بے چین تھی۔

"اسے ذبح کرنے والا کالاماں وہیں موجود تھا۔ اس نے اپنی بالادستی کے زعم میں خود ہی پوری کہانی سنائی تھی۔ وہ غزالہ کے خون کا پیاسا ہورہا تھا لیکن اس کے ستارے گردش میں تھے کہ وہ میرے ہاتھوں مارا گیا۔"

"وہ اسی انجام کا مستحق تھا۔" وہ آنکھیں بند کرکے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے بولی "مجھے خوشی ہوئی کہ وہ تمھارے ہاتھوں مارا گیا۔ وہ واحد آدمی تھا جسے یہ معلوم تھا کہ غزالہ اس کے دو آدمیوں کی قاتل ہے ورنہ جیکب کے بھائی جوزف نے سختی کے ساتھ بس سونیا کے نام کی ہی رٹ لگا رکھی ہے اور میں نے سنا ہے کہ وہ پولیس کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہوگیا ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ کالاماں سے تمھیں کوئی ذاتی پرخاش بھی تھی۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"بہت موذی اور کمینہ تھا وہ۔" وہ نفرت آمیز لہجے میں بولی۔ "پانچ چھ سال پہلے اس نے مجھے بھی اغوا کرنا چاہا تھا لیکن میں اس کے ہاتھوں زخمی ہونے کے باوجود بچ نکلی تھی پھر مجھے فوری طور پر مشرق بعید جانا پڑ گیا اور میں اسے فراموش کر بیٹھی۔ غزالہ کے معاملے میں اس کا نام سامنے آتے ہی میرے پرانے زخم تازہ ہوگئے تھے اور اس بار میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے جہنم واصل کرنے کی قسم کھائی ہوئی تھی۔ اس جیسے موذی کو مار کر تم نے واقعی عظیم کام سرانجام دیا ہے۔"

"بدقسمتی سے میں نہتا تھا اور وہ خنجر سے مسلح۔" میں نے سلطان شاہ کا ذکر کیے بغیر کہا۔ "لیکن ستارے اچھے تھے کہ اسی کا ہتھیار ہاتھ آگیا اور اس کی موت کا بہانہ بن گیا۔"

"تم واقعی خوش نصیب ہو۔" وہ بولی۔ "کالاماں آنکھیں بند کرکے محض آواز کے سہارے صحیح نشانے پر خنجر پھینکتا تھا۔ میں نے بھی خنجر زنی اسی سے سیکھی تھی اور اسی شوق میں اس کا شکار ہونے سے بال بال بچی تھی۔"

"تم نے غزالہ کے بارے میں اب تک میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"آج صبح سویرے کراچی سے روانگی سے پہلے مجھے ٹونی کا فون ملا تھا۔ کاؤنٹری سے فرار کے بعد غزالہ نجانے کہاں کہاں کی خاک چھانتی کل رات گئے ٹونی کے گھر پہنچی تھی۔ اس نے مجھے خبر دی تھی کہ وہ اس مرتبہ غزالہ کو ایسی محفوظ جگہ رکھے گا، جہاں پرندہ بھی پر نہ مار سکے۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ٹونی اتنی جلدی مار ڈالا جائے گا ورنہ اس سے اس محفوظ ٹھکانے کا پتا ہی لے لیتی۔ اب ہمیں اس ٹھکانے کا سراغ خود ہی لگانا ہوگا۔"

دن بھر کی کوفت اور تکان کے بعد وہ پہلی خوش خبری تھی جسے سن کر مجھے اپنے سر سے یک لخت کوئی بھاری بوجھ اترتا ہوا محسوس ہوا اور میں سکون کے ساتھ کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔

گفتگو کا تسلسل ٹوٹتے ہی ایک ویٹر آموجود ہوا اور میرے مشورے پر ویرا شراب کے بجائے کھانے کا آرڈر نوٹ کرانے لگی۔ اس دوران میں، میں نے سامنے پڑے ہوئے مینو کی ورق گردانی کی تو ہر آئیٹم کے سامنے ہوشربا داموں کا اندراج دیکھ کر بوکھلا گیا۔

بیرے کے چلے جانے پر میں نے ویرا کو اپنی تشویش سے آگاہ کیا۔ "یہاں کھانا بہت مہنگا ہے، ہم کہیں اور چلتے ہیں۔"

"داموں پر نہ جاؤ، تمھارے لیے یہ سب مفت ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"ہوسکتا ہے۔ لیکن مجھے تمھارا پیسہ بھی اسی قدر عزیز ہے جتنا اپنا۔" میں نے پورے خلوص کے ساتھ کہا۔

"ہمیں کوئی بل ادا نہیں کرنا ہوگا۔ گولڈن کارڈ رکھنے والوں کے لیے خور و نوش کی ساری سہولتیں کاسینو کی انتظامیہ مفت فراہم کرتی ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"لیکن گولڈن کارڈ حاصل کرنے کی کوئی فیس بھی تو ہوگی؟"

"اوں ہونہہ۔" اس نے گردن جھٹک کر خالص مشرقی انداز میں کہا۔ "جو لوگ اس کاسینو کے مختلف فلورز پر لمبی رقموں سے جوا کھیلتے ہیں، انتظامیہ کے گرگے ان پر نگاہ رکھتے ہیں اور ان کو بلا کسی معاوضے کے گولڈن کارڈز جاری کیے جاتے ہیں تاکہ وہ لوگ اس مخصوص فلور پر خصوصی توجہ کے ماحول میں اپنا شوق پورا کریں۔ اس فلور پر رولیٹ کی مشینوں کا چھوٹے سے چھوٹا ٹوکن پانچ پاؤنڈ کا ہے۔ یہ لوگ پورے ریستوران کا خرچہ ایک ہی میز سے پورا کرلیتے ہوں گے، یہاں جواری ایک ایک رات میں ہزاروں پاؤنڈ ہار کر جاتے ہیں۔"

ریمی مارٹن کی بیش قیمت شمپین سے سروس کا آغاز ہوا مگر میرے لیے اس وقت آپس کی گفتگو زیادہ دلچسپ تھی کیونکہ ویرا، داؤد کے بدمعاشوں پر روشنی ڈال رہی تھی مگر میں نے ابھی تک اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کی طرف سے تمام تر احتیاط کے باوجود مجھے گھیر لیا گیا تھا اور میں نے اپنے حریف کو ایم ون پر ٹھکانے لگا دیا تھا۔

"میں ابھی تک یہ اندازہ نہیں لگا سکا کہ لندن میں تنظیم میں تمھارا کیا مقام ہے؟" میں نے کہا۔

"اب حالات نے مجھے اور تمھیں ایک دوسرے سے اتنا قریب کردیا ہے تو میں بتاتی چلوں کہ تنظیم کا اپنا ایک خاص نام ہے جو عالمی حلقوں میں ہیبت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ انگریزی میں اس کو مخفف کرکے شی کہتے ہیں لیکن اصل نام سنڈیکیٹ فار ہیروئن ایڈکشن ہے۔ یہاں بھی شی کی اپنی ایک تنظیم ہے جس میں لوگوں کی ذمے داریاں متعین ہیں جبکہ میں ایک طرح کی فری لانسر ہوں۔ متعین ذمے داریاں نہ ہونے کے باوجود ان کے برابر اختیارات رکھتی ہوں بلکہ بعض اوقات ان پر اپنے احکام نافذ بھی کرسکتی ہوں۔ میرے ایسے فیصلوں پر صرف شی کی سپریم باڈی ہی جواب طلب کرسکتی ہے جس کا سربراہ غالباً میرا باپ جمی لائیڈ یا ڈان مرسیالو ہے۔"

"لیکن ٹونی کا تو شی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔" میں نے کہا۔

"ہاں۔۔۔ میں نے کہا نا کہ میں آزادانہ طریقے پر کام کرتی ہوں۔ بعض لوگ میری اصل حیثیت سے لاعلم ہیں لیکن وسیع تر پس منظر میں دیکھو تو میرے ذریعے وہ بھی شی کی خدمت کرتے ہیں۔ ان ہی میں لوٹی اور بہت سے دوسرے لوگ شامل ہیں جن میں میں میڈم کے نام سے پہچانی جاتی ہوں۔"

"اتنا بلند مقام حاصل ہوتے ہوئے بھی تم ان کے سامنے اتنی بے بس ہو کہ انھوں نے عملاً تمھیں تمھارے ہوٹل کے کمرے میں محصور کرکے رکھ دیا ہے!" میں نے حیرت کے ساتھ کہا۔

"سازشیں۔" وہ گہرا سانس لے کر بولی۔ "ان کے لگے بندھے فرائض ہیں اور وہ اسی دائرے میں کام کرتے ہیں۔ تم داؤد کو کیوں بھول رہے ہو۔ کیا اس حقیر کیڑے نے لائیڈز کالج کے معاملے میں میرے منہ آنے کی کوشش نہیں کی تھی لیکن اس کا انجام سامنے ہے۔ دراصل پاکستان میں میری موجودگی میں تم نے شی کے مفادات کو جیسے ناقابلِ تلافی اور بھاری نقصانات پہنچائے ان کی بنا پر داؤد کی رائے کو وزن حاصل ہوگیا ہے اور وہ خبیث اب ہمیشہ کے لیے میری بالادستی کے خاتمے پر تل گیا ہے۔ اس نے لندن میں اپنے ہم رتبہ لوگوں کے ساتھ مل کر مجھے بے نقاب کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے اور اب تم دیکھ لینا کہ وہ یہاں سے زندہ واپس نہ لوٹ سکے گا۔ میں اسے کسی کتے کی طرح گھیر کر ماروں گی۔"

"لیکن تم تو اس طرح اپنے کمرے میں چھپ کر بیٹھ گئی تھیں کہ مجھے شبہ ہونے لگا تھا کہ تم نے شکست تسلیم کرلی ہے۔"

"مصلحت! اسی حکمتِ عملی کے تحت تو آج میں انھیں جُل دے کر نکلی ہوں۔ نگرانی میری لاعلمی میں کرائی جا رہی تھی مگر مجھے سب معلوم تھا۔ میرے بھی بہتیرے ہمدرد ہیں۔ اب وہ سب مل کر بھی میرا سراغ نہ لگا سکیں گے۔ ہوٹل میں احتیاط کی دوسری بڑی وجہ تمھاری ذات تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ غزالہ کے بارے میں تم ہر قیمت پر مجھ سے ملنے کی کوشش کرو گے۔"

"لیکن تمھیں کیا پتا کہ میں لندن میں ہوں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میں نے تو تمھیں اپنے روانگی کے پروگرام کی ہوا بھی نہ لگنے دی تھی کیونکہ آخر میں راجو نے میرا کھیل خراب کر دیا تھا۔"

"یہ نہ کہو، میرا قیاس تھا کہ تم نکل چکے ہو۔" جواباً وہ بھی ہنسی۔

"خنجر کے ذریعے اپنی پیغام رسانی کے بارے میں کیا قیاس ہے تمھارا؟"

"میں وہ ترکیب اختیار نہ کرتی تو ہم اس وقت کاسینو کی انتظامیہ کے مہمان نہ ہوتے۔"

"میں بُری طرح بے بس کر لیا گیا تھا مائی بے بی!" میں نے ہلکے سے طنز کے ساتھ کہا۔ "صبح کے اخبارات میں تم ایم ون پر ایک پُراسرار لاش کے بارے میں کوئی کہانی پڑھو گی جس کے دل میں تمھارا منقش دستے والا ننھا سا خنجر پیوست ہو گا۔"

"یہ کیسے ہوا؟" اس کا مُنہ وفورِ حیرت سے کھل گیا اور میں نے مختصر الفاظ میں لفٹ میں بے بس کیے جانے سے لندن واپسی تک کی کہانی مختصر الفاظ میں دُہرانی شروع کر دی۔

"تمھارے ہاتھ چوم لینے کو دل چاہتا ہے۔" وہ میرے خاموش ہونے پر اضطراری لہجے میں بولی۔ "وہی دُبلا پتلا شخص تو میری نگرانی کی مہم کا ذمّے دار تھا اور میرا وہ خنجر بھی شی، کے بعض حلقوں میں پہچانا جا سکتا ہے کیونکہ وہ ایک مہم میں میری غیر معمولی کامیابی پر اعزاز کے طور پر مجھے دیا گیا تھا۔ واہ! کیا تاثر پیدا ہو گا۔" وہ دل ہی دل میں صورتِ حال سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ "یہی سمجھا جائے گا کہ میں نے وہ اعزاز ایک لاش کے دل میں سجا کر شی کے ان ذمّے داروں کو لوٹا دیا ہے جنھوں نے میری نیت پر شبہ کرتے ہوئے مقتول کو میری نگرانی پر لگایا تھا۔"

"یعنی اب تم کُھل کر شی سے بغاوت کر دو گی؟"

"امپیریل ہوٹل میں ہونے والے کھیل کے بعد تو میرا یہ ردِّعمل قدرتی ہی ہو گا۔"

"اس طرح تمھارے دشمنوں کو کھل کر تم پر وار کرنے کا موقع مل جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس بار وہ تمھیں بے رحمی کے ساتھ مروا ہی نہ ڈالیں۔" میں نے اس کے زندگی سے بھرپور چہرے پر نظریں جما کر کہا۔

"یہی ان کے بس سے باہر ہے۔" وہ پُرغرور انداز میں ہنسی۔ "وہ سب میرے باپ کے نمک خوار ہیں اور اس سے کانپتے ہیں۔ جی لائیڈ نے کھل کر آج تک مجھے اپنی بیٹی تسلیم نہیں کیا لیکن اس نے کبھی میرے دعوے کی تردید بھی نہیں کی بلکہ عملاً مجھے ڈھیل دے کر شی میں ترقی کے مواقع فراہم کرتا رہا ہے....."

"اس طرح تو تم اسے بھی اشتعال دلا کر اپنے خلاف کر لو گی۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"یہی تو تمھاری سمجھ سے باہر ہے۔ میری رگوں میں اسی کا خون دوڑ رہا ہے میں اپنی توہین برداشت نہیں کر سکتی، اسی لیے یہ سب مجھ سے نالاں ہیں۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "یہ لوگ مجھے ذرا بھی نقصان پہنچانے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ ان سب کی کوششیں یہ ہیں کہ میرے خلاف جرائم کی فہرست، ثبوت اور گواہوں سمیت اکٹھی کر کے سپریم باڈی میں پہنچائیں اور اس کے ذریعے میرے خلاف فیصلہ حاصل کریں، اس سے پہلے وہ مجھے ہاتھ بھی نہ لگا سکیں گے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب تم اس ہوٹل میں نہیں جاؤ گی۔" میں نے تائید طلب لہجے میں سوال کیا۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایم ون سے فرینکی کی لاش ملنے پر تو وہ سب ہی جھلا کر اپنے مُنہ نوچنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ وہ ان کا مانا ہوا سازشی دماغ تھا۔"

"پھر میں تم سے کہاں رابطہ قائم کر سکوں گا؟"

"لندن میں میرے بہتیرے ٹھکانے ہیں، میں کہیں بھی جا سکتی ہوں۔ تم اپنے ہوٹل کا نمبر دے دو، میں خود تمھیں اپنے ٹھکانے سے آگاہ کر دوں گی۔"

"پھر بھی کوئی ایسا پتا یا ٹھکانا تو ضرور ہو گا، جہاں سے تمھارے بارے میں کوئی خیر خبر مل سکے۔" میں نے اصرار کیا۔

"کچھ پتا نہیں کہ میرا کس سے رابطہ ہو گا۔" وہ سوچتے ہوئے بولی۔ "پھر بھی میں ایش برن کو باخبر رکھنے کی کوشش کروں گی۔ تم چاہو تو اس سے مل سکتے ہو۔ وہ سوہو کے علاقے میں ہوسٹس کلب کے نام سے چلائے جانے والے ایک گھٹیا شراب خانے میں شراکت دار ہے جہاں لڑکیوں کی آڑ میں غیر ملکی سیاحوں کی کھال اتاری جاتی ہے۔"

ایش برن کے پیشے کی اس عجیب و غریب وضاحت پر میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ "تم خاصے وسائل کی مالک ہو۔ اسے کوئی باعزّت کاروبار کیوں نہیں کرا دیتیں؟"

"یہ اس کا نفسیاتی معاملہ ہے۔" وہ نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولی۔ "اس نے اپنی عمر کا بہترین حصہ سوہو کی ان ہی گلیوں میں ایک بے جان کھلونے کی طرح گزارا ہے اور اب وہ اپنی اس بے توقیری کا انتقام لے رہی ہے، وہاں سے ساقی گری پر مامور لڑکیاں ہر طرح گاہکوں کی دلداری کرتی ہیں لیکن وہ سب آبرومندانہ طریقے پر اپنے گھروں کو واپس جاتی ہیں، جو لڑکی بھٹکنے کی کوشش کرے، ایش برن اسے کھڑے کھڑے نوکری سے برطرف کر دیتی ہے۔"

"آؤ، خوش خوراکی کے بعد ذرا مقدّر بھی آزما لیا جائے۔" اس نے میز چھوڑتے ہوئے کہا۔ "یہ لوگ اسی امید پر موٹی اسامیوں کو مہنگا کھانا مفت کھلاتے ہیں کہ جوئے کی میز پر ان سے کئی گنا وصول کر سکیں گے۔"

میں اس کے ساتھ ہو لیا۔

ڈائننگ ہال سے آگے مختلف میزوں پر بے حد حسین و جمیل لڑکیاں اشتعال انگیز لباس میں جُوا کھلا رہی تھیں۔ رقم کا کسی میز پر کوئی پتا نہیں تھا، ہر طرف مختلف مالیت کے رنگ برنگے پلاسٹک ٹوکن چل رہے تھے، جیتنے والوں کو ادائیگیاں بھی ان ہی ٹوکنوں کے ذریعے ہو رہی تھی، واپس لوٹنے والے اپنی تحویل میں موجود ٹوکن واپس کر کے اسی مالیت کی رقم حاصل کر سکتے تھے۔

ہر میز پر سنجیدگی اور انہماک سے کھیل ہو رہا تھا لیکن ذرا سا غور کرنے سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ کئی بلکہ شاید تمام میزوں پر بعض جواریوں اور لڑکیوں کے درمیان سنجیدگی کی آڑ میں اشارے کنائے بھی ہو رہے تھے۔ ہارنے والے پسینوں میں شرابور ہوئے جا رہے تھے اور جیتنے والوں کے چہرے فاتحانہ مسرت سے دمک رہے تھے۔ دو میزوں کے گرد مشرقِ وسطیٰ کے بے فکرے نوجوان اپنی روایتی وضع قطع میں ٹوکنوں کے بڑے بڑے ڈھیر سنبھالے جمے ہوئے تھے، ان کی مدارات کے لیے خاص طور پر تین لڑکیاں مشروبات کی ٹرالیاں لیے گھوم رہی تھیں۔

اس ہجوم میں جوئے کے بعض خاندانی شوقین بھی تھے جو اپنی بیویوں کے مشورے سے کھیل رہے تھے۔ بعض مرد محض تماشائی بنے اپنی خواتین کی حوصلہ افزائی پر اکتفا کر رہے تھے۔

ویرا نے ایک میز سے سو پاؤنڈ کے ٹوکن خریدے اور اسی میز پر رک کر دو تین راؤنڈز تک کھیل کے رُخ کا اندازہ لگاتی رہی، اس کے بعد وہ خود بھی کھیل میں شریک ہو گئی۔ تقریباً پون گھنٹے کے بعد جب اس نے کھیل ختم کر کے ٹوکن واپس کیے تو وہ بیس پاؤنڈ جیت چکی تھی۔

واپسی پر عملے کو فیاضی کے ساتھ ٹِپ دیتی ہوئی وہ باہر نکل رہی تھی تو اچانک ہی اسے سلطان شاہ یاد آ گیا۔ "پاکستان سے اکیلے آئے ہو یا تمھارا دوست بھی ساتھ آیا ہے؟"

"اعتراض ہو تو اسے آج ہی واپس لوٹا دوں۔" مفاہمت بڑھ جانے کے بعد میں نے اس بارے میں جھوٹ بولنا مناسب نہ سمجھا۔ "وہاں سے نکلنے کا پورا بندوبست اسی نے کرایا تھا۔"

"یہ اچھا کیا کہ اسے بھی لے آئے۔ موجودہ حالات میں وہ ہمارے لیے بہت کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔" وہ اطمینان سے سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "یہاں فوری طور پر ایسا بے خوف ساتھی مشکل ہی سے پیدا ہو سکے گا۔"

میرا خیال تھا کہ وہ اپنی گاڑی میں آئی ہو گی لیکن پتا چلا کہ وہ بھی میری ہی طرح پیدل تھی۔ میں نے اسے اپنے ہوٹل کے بارے میں آگاہ کر دیا تھا۔ اس نے پیشکش کی کہ وہ مجھے کنگز کراس پر اتارتی ہوئی آگے نکل جائے گی مگر میں نے نرمی کے ساتھ انکار کر دیا۔

اس مخدوش صورتِ حال میں ہمارا ایک ساتھ باہر نکلنا بھی خطرے کا باعث ہو سکتا تھا۔ ذرا سی بے پروائی کی بنا پر ایک کی وجہ سے دونوں کا خطرہ مول لینا کسی طرح دانشمندانہ نہیں تھا۔

"میں کسی ٹھکانے پر ٹکتے ہی تمھیں ہوٹل فون کر کے خود ہی مطلع کر دوں گی۔ ہو سکتا ہے کہ کل ہمیں شہر میں کہیں مل بیٹھ کر آئندہ کے لیے اپنا پروگرام طے کرنا پڑے۔" وہ مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولی۔

"بس یہ یاد رکھنا کہ غزالہ اب ہماری پہلی ترجیح ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"پہلی نہیں دوسری۔" وہ میری آنکھوں میں دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی۔ "فی الحال تو حالات کے دباؤ میں ہم دونوں کی ذات ایک دوسرے کے لیے پہلی ترجیح اختیار کر گئی ہے۔"

اور ہم ایک دوسرے سے الگ ہو کر دو مختلف ٹیکسیوں کی طرف بڑھ گئے۔

کم از کم اخبارات کی حد تک اگلی صبح بہت ہنگامہ خیز تھی۔ بیشتر اخبارات نے پب میں ہونے والی دُہرے قتل کی واردات کو اپنے صفحۂ اوّل پر ذیلی شہ سرخیوں میں جگہ دی تھی۔ ایک اخبار نے کالا ہان کے بدنام لیکن قانون کی گرفت سے محفوظ ماضی کے حوالے سے اونٹ پہاڑ کے نیچے آ ہی گیا کی سرخی لگائی تھی۔

تقریباً ہر اخبار نے کالا ہان کے ماضی کو کُریدا تھا جس شخص پر درجنوں انسانی جانوں کو زندگی سے محروم کر دینے کے الزامات رہے ہوں اور قانون کے محافظ پوری محنت کے باوجود اس پر کوئی الزام ثابت نہ کر سکے ہوں، اس کی عبرتناک موت پر اخباری اطلاعات میں تلخ نوائی فطری سی بات تھی، کیونکہ اپنی تمام تر سنسنی خیزی کے باوجود اخبارات کو اس معاشرے میں قانون کی پاسداری کا ساتھ لازماً دینا پڑتا تھا۔

لیکن جس طرح کالاہان کے جرائم اس کی زندگی میں پولیس کے لیے حل نہ ہونے والا معمہ بنے رہے، اسی طرح اس کی موت بھی بہت پُراسرار تھی۔ پب میں دو لاشیں دریافت ہوئی تھیں اور دونوں ہی خنجر کا شکار ہوئے تھے۔ ایک کی گردن کاٹ دی گئی تھی اور دوسرے کے دل میں وہی خنجر گھونپا گیا تھا۔ قرائن سے ظاہر ہوتا تھا کہ ان دونوں کا قاتل کوئی ایک ہی تھا لیکن پولیس یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ پب بند ہونے کے بعد وہ دونوں مقتول وہاں کیوں یکجا ہوئے تھے، کیونکہ اُن کے شناسا حلقوں میں پوچھ گچھ کے بعد ایسی کوئی شہادت سامنے نہیں آئی تھی جس کے ذریعے ان دونوں میں ماضی قریب میں کسی قسم کے تعاون کا ثبوت ملتا ہو اور اگر وہ دونوں جمع ہو ہی گئے تھے تو ان میں کوئی قدر مشترک دریافت نہیں ہو سکی تھی جس کی بنا پر کوئی ایک ہی شخص بیک وقت ان دونوں کے لہو کا پیاسا ہو جاتا۔

کاؤنٹری میں ہونے والے قتل سے جیکب کا تعلق تو شک و شبہ سے بالاتر تھا۔ بی بی سی ٹیلی وژن کی پچھلی نشریات کی طرح اخبارات نے بھی اس نکتے کو خاص اہمیت دی تھی کہ دو روز پہلے کاؤنٹری میں ایک غیر ملکی لڑکی نے جیکب کے چھوٹے بھائی جوزف کے مکان پر دو مقامیوں کو ہلاک کیا اور اس کے بعد جیکب بھی بے دردی کے ساتھ اپنے پب میں ذبح کر دیا گیا۔ اس حقیقت کی روشنی میں ہر نامہ نگار نے بہتیری ذہنی قلابازیاں کھانے کی کوشش کی تھی لیکن اس بارے میں کوئی منطقی بنیاد سامنے نہیں آ سکی تھی جس کی بنا پر پولیس کو تفتیش آگے بڑھانے میں مدد مل سکتی۔

اس واردات کے حوالے سے ایک دو اخبارات نے تو خوبصورت ماڈل گرلز کی نیم عریاں تصاویر بھی چھاپ ڈالی تھیں جو اُن کی دانست میں پولیس کے ماہر مصوروں کے ترتیب دیے ہوئے اس خاکے سے بہت مشابہ تھیں جو کاؤنٹری کی نیلی آنکھوں والی سفاک قاتلہ کی شناخت کے لیے ترتیب دیا گیا تھا۔ قانون کی مدد اور شہریوں کی رہنمائی کی آڑ میں وہ صنفِ نازک کا کھلا استحصال تھا لیکن مساوات کے علم بردار، اس معاشرے میں اسے ناپسندیدہ تصور نہیں کیا جاتا تھا کیونکہ ہر ماڈل کو اس کے استحصال کی پوری پوری قیمت ادا کی جاتی تھی اور اس کارِ خیر کو صنفِ نازک کے لیے ترقی اور ملازمت کے مساوی مواقع کا عنوان دیے دیا جاتا تھا۔

جوزف اور جیکب میں برادرانہ رشتے کی بنیاد پر کاؤنٹری اور ایسکیوز آرمز کی چار لاشوں میں تعلق پیدا کرنے کی کوشش تو ضرور کی گئی تھی، مگر اس حقیقت کے بارے میں کہیں موہوم سا اشارہ بھی نہیں تھا کہ کاؤنٹری میں مرنے والے دونوں بدمعاش کالاہان کے پروردہ تھے، البتہ ان کا اسکن ہیڈز ہونے کا ذکر موجود تھا۔

بارے میں تھی جو لندن کے مہنگے رہائشی علاقوں میں جائداد کی دلالی کیا کرتا تھا۔ وہ فقرہ پڑھ کر مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی کیونکہ شی کے اہم اراکین اپنی مجرمانہ سرگرمیوں کی پردہ پوشی اور معاشرے میں اپنا مقام برقرار رکھنے کے لیے عموماً زرخیز پیشوں کی آڑ لیتے تھے۔

فرینکی کا موٹر وے پر پایا جانا اس بات کا ثبوت تھا کہ اُسے کسی چلتی ہوئی کار سے وہاں پھینکا گیا تھا۔ جس وقت پولیس اس تک پہنچی تو وہ زندہ مگر بے ہوش تھا اور ایمبولینس میں ابتدائی طبی امداد کرا کے اسپتال تک پہنچانے کی کوششیں کامیاب نہیں ہو سکی تھیں۔ اس نے راستے ہی میں دم توڑ دیا تھا۔

ایسکیوز آرمز کے گرماگرم واقعے کی وجہ سے شاید فرینکی کے قتل کا معاملہ سرسری خبروں سے آگے نہ بڑھا ہوتا لیکن ایک اخباری نامہ نگار نے فرینکی کے قتل کو محض اس بنا پر اُچھالا تھا کہ اس کو بھی ایک خوبصورت خنجر کا نشانہ بنا کر موٹر وے پر پھینکا گیا تھا اور پب کی دونوں لاشیں بھی خنجر زنی کے نتیجے میں وجود میں آئی تھیں اور محض اسی ایک مفروضے کی بنا پر سونیا کی ذات سے ایک حیرت انگیز فیچر بنا لیا گیا تھا کہ وہ سفاک سرد مہر اور چالاک ہونے کے ساتھ ساتھ خنجر زنی اور آتشیں اسلحے کے استعمال میں بے مثال مہارت رکھتی تھی بلکہ شاید مارشل آرٹ پر بھی اُسے قابلِ رشک دسترس حاصل تھی، ورنہ وہ ایسکیوز آرمز میں جیکب اور کالاہان جیسے دو دیوہیکل مردوں کو اتنی آسانی کے ساتھ ختم کرنے میں کامیاب نہ ہوتی۔

میرے لیے یہ بات تسلی بخش تھی کہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی غرض سے اخبارات میں نہ ختم ہونے والی قیاس آرائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور ان پانچوں لاشوں میں باہمی تعلق کے موہوم سے امکان کے علاوہ ہر نکتہ بالکل بے سروپا اور گمراہ کن تھا جس کے ذریعے نہ غزالہ کی ذات بے نقاب ہو سکتی تھی، نہ میرے لیے تشویش کی کوئی بات تھی۔

اخبار کی ورق گردانی کرتے ہوئے اندرونی صفحے پر ایک جگہ میری نظریں ٹھٹک کر مرکوز ہو گئیں۔ لندن اور کاؤنٹری کے واقعات پر برمنگھم، کاؤنٹری اور لندن کے بعض علاقوں میں نقاب پوش اسکن ہیڈز کی ٹولیوں نے نہایت منظم انداز میں پُرتشدد کارروائیاں کی تھیں جن کے نتیجے میں چار ایشیائی زخمی ہو کر اسپتالوں میں پہنچ گئے تھے اور ایک تخمینے کے مطابق ساٹھ ہزار پاؤنڈ کا نقصان ہوا تھا۔ ان نقاب پوش اسکن ہیڈز نے تمام کارروائیوں میں ایشیائیوں کو تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔ ساتھ ہی ایسے نعرے بھی لگائے تھے جن سے ظاہر ہو رہا تھا کہ بھارتی نژاد سونیا کی گرفتاری تک وہ ایشیائیوں کی زندگی عذاب بنا دیں گے تاکہ اُسے پناہ دینے والوں کو سبق دیا جا سکے۔

دوسری اہم خبر ایم ون سے ملنے والی فرینکی کی لاش کے ——— بدترین واردات ساؤتھ آل کے علاقے میں ہوئی تھی جہاں کیمبر

سے بھری ہوئی ناقابلِ شناخت نمبر پلیٹ والی ایک کار میں سوار تین افراد نے ایک بارونق مقام پر گاڑی روک کر اچانک چمڑے کے چابکوں سے لوگوں کو بلا امتیاز ادھیڑنا شروع کر دیا۔ اُن کی زد میں آنے والی ایک تیئیس سالہ حاملہ عورت اسپتال میں نازک حالت میں تھی۔ وہ لوگ چند منٹ تک بے رحمی کے ساتھ مار دھاڑ اور توڑ پھوڑ کرنے کے بعد پولیس کی آمد سے قبل اُسی کار میں فرار ہو گئے۔

وہ ان حالات کا بہت تکلیف دہ پہلو تھا۔ اسکن ہیڈز کی اِکّادُکّا وارداتوں کی خبریں تو کبھی کبھار پاکستانی اخبارات میں بھی شائع ہوتی رہتی تھیں لیکن یہ سوچا بھی نہ جا سکتا تھا کہ اوباش اور جوان لڑکے لڑکیوں کے اِن گروہوں نے اتنی طاقت پکڑ لی ہو گی کہ بیک وقت تین شہروں میں منظم تشدد کا آغاز کر سکیں۔

اخبار کا مطالعہ کرتے ہوئے میں سلطان شاہ کو بھی متن سے آگاہ کرتا جا رہا تھا۔ ابتدا میں اس نے فوری طور پر تبصرہ کرنا چاہا لیکن میں نے اُسے روک دیا تاکہ شہر کی پوری صورتِ حال سے واقف ہونے کے بعد ہر پہلو پر ایک ساتھ تبادلۂ خیال کیا جا سکے۔

"اب کہو، کیا کہہ رہے تھے؟" میں نے اخبارات ایک طرف پھینک کر انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

"اب کیا رہا ہے کہنے کو؟" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "یہ اخبار والے بھی بڑے ہوشیار ہوتے ہیں۔ نکتے پیدا کر کے خود ہی اِس کا جواب بھی دے دیتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے اب یہ موضوع کئی دن تک رگڑا جائے گا۔"

"تین دن میں پانچ قتل کسی کو بھی جھنجوڑ دینے کے لیے کافی ہوتے ہیں۔" میں نے سگریٹ کا ادھ جلا ٹکڑا جوتے سے رگڑتے ہوئے کہا۔ "خاص طور پر ایسی حالت میں کہ اُن کی کڑیاں ایک دوسرے سے منسلک نظر آتی ہوں۔"

"یہ سب تو چلتا ہی رہتا ہے۔ خطرناک بات یہ ہے کہ گنجے کھلی ہوئی بدمعاشی پر اُتر آئے ہیں۔"

"جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، اسکن ہیڈز کا کوئی منظم گروہ نہیں ہے۔ یہ تو بس ایک وبائی فیشن چلا اور ہر علاقے میں سرکش لڑکے لڑکیوں نے سر منڈوا کر نقش و نگار بنوانے شروع کر دیے۔ اُن کی حیثیت محلوں کے آوارہ گردوں سے زیادہ نہیں ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ یک بیک منظم کیسے ہو گئے؟"

"تم کالا ہان کو بھول رہے ہو..." اس نے کہنا چاہا لیکن میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"وہ بنیادی طور پر ایک بڑا بدمعاش تھا اور بدمعاش اسکن ہیڈ بھی ہو سکتا ہے، بالوں والا بھی۔ اسکن ہیڈز کی کوئی برادری نہیں ہے بلکہ یہ محض ایک فیشن ہے۔"

"جو ہو رہا ہے، ہوا کرے۔ مجھے تو اس میں کوئی خاص دلچسپی نہیں ہوتی، جو لوگ اپنا گھر بار اور وطن چھوڑ کر پرائی زمینوں کو آباد کرتے ہیں، انھیں ایسی قیمت ادا کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہنا چاہیے۔ ان میں سے جو بے حوصلہ ہوتے ہیں، وہ پنپنے کے بجائے اپنے ہی ہاتھوں خود ختم ہو جاتے ہیں اور جو حالات کا مقابلہ کر جاتے ہیں وہ جلد یا بدیر اپنی خوشحالی کی وجہ سے مقامیوں میں غاصب سمجھے جانے لگتے ہیں اور یہیں سے نسلی منافرت شروع ہو جاتی ہے۔"

"بعض اوقات تم خاصی عقل کی باتیں کرنے لگتے ہو۔" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔

"اس کا عقل سے زیادہ مشاہدے سے تعلق ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "یہ فارمولا ہر جگہ ملے گا۔ برِاعظم، ملک، صوبے بلکہ اب تو شہروں اور دیہاتوں میں بھی ایسا کھنچاؤ پیدا ہونے لگا ہے۔ یہاں تو خیر سفید گنجے ایشیائیوں کو مار رہے ہیں، کیا مذہبی اور نسلی جنون میں مبتلا ہو کر ہم سب ہی جانوروں کی طرح ایک دوسرے کو پھاڑ کھانے پر نہیں تُل جاتے؟ یہ ہوا ہر طرف اور ہر ملک میں چلی ہوئی ہے جہاں غصہ اتارنے کے لیے غیر ملکی نہیں ملتے، وہاں دوسرے بہانے ڈھونڈ لیے جاتے ہیں۔"

"غلطی معاف کر دو۔ گنجوں کی حرکتوں پر اب مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

"گنجوں سے مجھے بھی دلچسپی نہیں ہے، اگر بُرا نہ مانو تو ایک بات پوچھ لوں؟" پہلا فقرہ ادا کرنے کے بعد اُس نے قدرے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

"کیا اب کوئی نیا نکتہ سوجھا ہے؟" میں نے خوش دلی سے پوچھا۔

"کل سے میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اپنے کمرے میں آتے ہی بے پروائی کے ساتھ ہر چیز اِدھر اُدھر بکھیر دیتے ہو۔ ابھی دیکھو کہ تم نے سگریٹ ایش ٹرے میں ڈالنے کے بجائے جوتے کے تلے سے بجھا کر قالین پر پھینک دی ہے۔"

"مجھے ایک انگریز عورت سے اپنا کمرہ صاف کراتے ہوئے عجیب سی تسکین ملتی ہے۔" میں نے اُس کے سوال سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔ "ابھی تمھارے بیدار ہونے سے پہلے ناشتا کرنے نیچے گیا تھا تو ایک گورے سے جوتوں پر پالش کرائی تھی۔ اپنے سابقہ حکمرانوں کو اس طرح اپنی خدمت کرتے دیکھ کر دل کو خوشی ہوتی ہے کہ اب ہم بھی اِن سے کام لینے اور انھیں بخشش دینے کے قابل ہو گئے ہیں۔ ابھی وہ موٹی میرے کپڑے استری کر رہی ہو گی۔"

"ہم میں خرابی یہی ہے کہ ہم ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوش ہوتے رہتے ہیں۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر صاف گوئی کے ساتھ بولا۔ "بڑی باتوں کی پروا نہیں کرتے۔"

"اب اس سے بڑی بات اور کیا ہو گی کہ ویرا کو شیشے میں اُتار لیا ہے۔"

"اس کا فون کب تک آنے کی اُمید ہے؟" اس نے چونک کر سوال کیا۔

"کسی بھی وقت آ سکتا ہے۔ اس سے بات ہونے تک ہم میں سے ایک کو کمرے میں رکنا ہو گا۔"

"تم ٹھہرنا، میں تو ذرا گھومنے جاؤں گا۔ مجھے مناروں والیاں دیکھنے کا شوق ہے۔"

بے اختیار میرے ذہن میں ابنِ صفی کا نام تازہ ہو گیا جن کے ایک ناول کا یہی نام تھا۔ آسمان کی طرف کھڑے ہوئے سخت اور لمبے بالوں کے اونچے اونچے رنگ برنگے مینار سروں پر سجائے بازاروں میں پھرنے والی وہ لڑکیاں خود کو پنک کہتی تھیں اور مناروں والیاں کا نام انھی کو زیب دیتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ابنِ صفی نے ایسے ہی کسی شاہکار سے متاثر ہو کر اپنے ناول کا یہ نام تجویز کیا ہو۔

"ضرور جاؤ۔" میں نے کہا۔ "لیکن ذرا ہوشیار رہنا۔ یہ پنک لڑکیاں اپنے کھڑے ہوئے بالوں سے سینگوں کا کام بھی لے ڈالتی ہیں۔ ہوٹل کا کارڈ ضرور لے لینا تاکہ راستہ بھول جانے کی صورت میں کسی ٹامی سے مدد لے سکو۔"

وہ خوشی کے ساتھ اُٹھا اور اپنے کمرے کی طرف ہو لیا۔ میرا خیال تھا کہ اگر ہمیں غزالہ کی تلاش کا کٹھن مرحلہ درپیش نہ ہوتا تو وہ لندن کی فسوں خیز اور رنگین زندگی کے بارے میں زیادہ جوش و خروش کے ساتھ اپنی دلچسپیوں کا مظاہرہ کرتا۔ پہلے وہ جو کچھ پردۂ فلم پر دیکھتا رہا تھا، انھی سب چیزوں کو سامنے پا کر وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔

وہ تیار ہو کر ہوٹل سے چلا گیا اور میں نے کاہلانہ انداز میں بستر پر دراز ہو کر ٹیلی وژن آن کر دیا۔

گیارہ بجے اچانک ہی کمرے میں تپائی پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بج اٹھی اور میں نے بستر سے چھلانگ لگاتے ہوئے بے تابی کے ساتھ ریسیور اٹھا لیا۔

"باہر سے تمھاری کال ہے مسٹر کبیر!" آپریٹر کے پیغام کے ساتھ ہی دوسری طرف سے لائن مل گئی۔

"میں فائیو ایٹ، فور ایٹ، ٹوسیون تھری بول رہی ہوں۔" دوسری طرف سے ویرا کی آواز آئی۔ "ٹیوڈر ہوٹل، کمرہ نمبر دو سو پانچ۔ یہ سوہو کے علاقے میں واقع ہے۔"

"ہوٹل میں؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ بُرا وقت آنے پر یہاں تمھارے شناساؤں نے بھی تم سے آنکھیں پھیر لی ہیں۔ میں تو کسی پُرتکلف مکان میں تمھارے پاس منتقل ہونے کے امکانات پر سوچ رہا تھا۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔" اس کی خشک آواز سنائی دی۔ "یہاں بہتیرے لوگ مجھے سر آنکھوں پر خوشی سے بٹھائیں گے اور کوئی بھی میری میزبان بن سکتی تھی مگر میں اپنی وجہ سے دوسروں کے لیے پریشانیاں نہیں کھڑی کرنا چاہتی۔"

"اخبارات تو تم نے دیکھ ہی لیے ہوں گے؟" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ وہ لوگ بوکھلا گئے ہیں۔ تین شہروں میں تشدد کے واقعات کے پسِ پُشت اُنھی کا ہاتھ کارفرما ہے۔"

"لیکن اخبارات میں تو گنجوں کا ذکر تھا!" میں نے حیرت کے ساتھ کہا۔

"ان سب نے مکمل نقابیں استعمال کی تھیں، جس میں چہرہ چھپنے کے ساتھ ہی بال بھی چھپ گئے تھے اور وہ دور سے گنجے نظر آتے تھے۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہے ہیں۔"

"لیکن مقصد کیا تھا اُن کا؟"

"وہ جھلاہٹ میں کی گئی منظم لیکن بے مقصد کارروائی تھی۔ البتہ وہ یہ تاثر دینے میں کامیاب رہے کہ تشدد کے واقعات میں گنجے ملوث تھے۔ اب پولیس ان ہی پر زیادہ توجہ دے گی۔"

"داؤد کا کچھ سُراغ ملا؟" میں نے فوری خیال کے تحت سوال کیا۔

"اس سے میری بات ہوئی ہے۔ میری روپوشی پر جھنجلایا ہوا ہے مگر میں نے اُسے دو ٹوک الفاظ میں بتا دیا ہے کہ اب میں فضا سازگار ہونے تک دُور ہی رہوں گی۔ آؤ گے تو تفصیل بتاؤں گی۔"

"سُراغ نہیں ملا تو بات کیسے ہو گئی اس سے؟" میں نے اُلجھن آمیز لہجے میں پوچھا۔

"میں کل رات ہوٹل سے آپریٹس اپنے ساتھ نکال لائی تھی۔ اس پر جب چاہوں اس سے بات کر سکتی ہوں، بلکہ کئی اور لوگوں سے بھی رابطہ قائم ہو سکتا ہے مگر فی الحال میں تمھارے کام پر توجہ دینا چاہتی ہوں۔"

"کچھ پتا چلا اُس کے بارے میں؟" میں نے غزالہ کا نام لیے بغیر سوال کیا۔

"ایک نام روشنی میں آیا ہے، اُسی سے ساری اُمیدیں وابستہ ہیں۔"

"چاہو تو میں اسی وقت تمھارے پاس آ سکتا ہوں؟" میں نے اس سے قریب رہ کر غزالہ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کی نیت سے پیشکش کی۔

"فی الحال بے کار ہوں لیکن یہ خیال رکھنا کہ کسی بھی وقت بھاگ دوڑ میں مصروف ہو سکتی ہوں۔"

"ایسا وقت آنے پر دیکھا جائے گا، میں آ رہا ہوں۔" میں نے جواب سُنے بغیر ریسیور کریڈل پر ڈال دیا اور فوری طور پر روانگی کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔

راستے میں ایک آف لائسنس شاپ سے بلیک لیبل کی بوتل خریدتا ہوا میں ٹیوڈر ہوٹل پہنچا تو یہ دیکھ کر خاصی مایوسی ہوئی کہ وہ ایک بارونق مقام پر واقع ہونے کے باوجود مشتبہ ماحول والا ایک معمولی سا

ہوٹل تھا جہاں شرفا کا قیام کرنا بظاہر مشکل نظر آتا تھا۔ اندر قدم رکھتے ہی احساس ہو جاتا تھا کہ وہاں ہوٹل کی آڑ میں کچھ اور ہی دھندے ہوتے ہیں اور شاید انہی خصوصیات کی وجہ سے ویرا نے اس ہوٹل کو اپنی روپوشی کے لیے منتخب کیا تھا۔

ہوٹل کی عمارت کی ساخت سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ رہائشی کمرے اوپر ہوں گے۔ ویرا کے کمرے کے نمبر سے میرا اندازہ تھا کہ وہ دوسری منزل کا پانچواں کمرہ ہوگا لہٰذا میں براہِ راست اوپر جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھا لیکن استقبالیہ کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے شخص نے نرمی کے ساتھ مجھے روک لیا: "آپ کس سے ملیں گے سر؟"

اس کی خلیقانہ آواز سنتے ہی مجھے گھوم جانا پڑا۔ اس ہوٹل میں استقبالیہ کاؤنٹر ایسی جگہ پر بنایا گیا تھا کہ وہاں پر بیٹھے ہوئے کلرک کی نظروں سے بچ کر سیڑھیوں تک پہنچنا ناممکن تھا۔ کلرک کی مداخلت سے صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ یہ لوگ ملاقاتیوں سے زیادہ اپنے ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے مہمانوں کے آرام اور خلوت کا خیال رکھتے تھے اور شاید ملاقاتیوں کے لیے میزبان سے پیشگی اجازت لیے بغیر اوپر جانا دشوار تھا۔ یہ احتیاط محض اسی خیال سے رکھی گئی تھی کہ کہیں کسی گاہک کو اپنے اچانک نمودار ہونے والے ملاقاتی کے سامنے ناگفتہ صورتِ حال کی بنا پر شرمندگی نہ اٹھانا پڑے۔

"کمرہ نمبر دو سو پانچ!" میں نے ویرا کا نام لیے بغیر خشک لہجے میں کہا کیونکہ میں اس سے یہ پوچھنا بھول گیا تھا کہ وہ ٹیوڈر میں کس نام سے ٹھہری ہوئی ہے۔ "میرا نام اکبر ہے۔"

"جس سے ملنا ہے اس کا نام جانتے ہو؟" کلرک نے انٹرکام کا ریسیور اٹھاتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں، مگر وہ مجھ سے واقف ہوگی۔"

کلرک نے آنکھیں چڑھا کر معنی خیز انداز میں اپنے سر کو جنبش دی اور نمبر ملا کر ویرا سے بات کرنے کے بعد مجھے سیڑھیوں کی طرف جانے کا اشارہ کرتے ہوئے اپنی نیک خواہشات کے اظہار میں داہنی مٹھی بند کر کے انگوٹھا فضا میں بلند کر دیا۔ شاید اس طرح وہ "ملاقات" سے واپسی پر اپنی ٹپ پکی کر رہا تھا۔

ویرا اپنے کمرے کا دروازہ کھولے راہداری میں میری منتظر تھی۔ وہ مجھے ساتھ لے کر کمرے میں داخل ہوئی تو میں چونک پڑا، کیونکہ ایک مدقوق سا ادھیڑ عمر سفید فام پہلے سے اس کے کمرے میں موجود تھا اور کرسی پر بیٹھا تقریباً اونگھ رہا تھا۔

ٹیوڈر کے ماحول کی طرح وہ کمرہ بھی عجیب تھا۔ کمرے میں خوابناک انداز میں بالواسطہ دھیمی روشنی رکھنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن اس سے رومانوی فضا کے بجائے گھٹن ہو رہی تھی۔ کمرہ چوڑائی کے مقابلے میں غیر معمولی تناسب سے طویل تھا اور اس میں ایک دوسرے سے متصل چار سنگل بیڈ پڑے ہوئے تھے جن میں سے تین پر بیڈ کور تھا، چوتھے پر آنے والا چادر کا حصہ ویرا نے الٹا ہوا تھا۔ معروف معنوں میں وہ چار بستروں والا کمرہ تھا، جہاں ایک گوشے میں ڈریسنگ ٹیبل اور وارڈ روب کے ساتھ ہی ایک گول میز کے گرد چار کرسیاں پڑی ہوئی تھیں اور وہ عجیب الخلقت سفید فام ان ہی میں سے ایک کرسی پر براجمان تھا۔

اس کے بدن پر گہرے رنگ کا سالخوردہ ساتھری پیس سوٹ چڑھا ہوا تھا جس پر جابجا شکنیں پڑی ہوئی تھیں۔ میلے کالر سے ٹائی جھول رہی تھی۔ اگر اس کے تھری پیس کے بٹن بند ہوتے تو شاید ٹائی کی بدنمائی بڑی حد تک چھپ جاتی۔

میں نے اس کا جائزہ لینے کے بعد استفہامیہ انداز میں ویرا کی طرف دیکھا اور وہ مسکرا دی۔

"یہ لارڈ آئزک میکفرسن ہیں!" ویرا اس کے قریب پہنچ کر بلند آواز میں مجھ سے مخاطب ہوئی۔ اونگھتے ہوئے لارڈ نے کسلمندانہ انداز سے آنکھیں کھول کر سپاٹ نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں کانپ کر رہ گیا۔

اس کی آنکھوں میں موت کی سرد ویرانی اور بے رونقی رچی ہوئی تھی جو منشیات کے عادیوں میں عام طور پر نظر آتی ہے۔

"یہ اپنے خاندان کے اب آخری چشم و چراغ رہ گئے ہیں!" ویرا نے میرے ہمراہ اس کے سامنے کرسی سنبھالتے ہوئے انگریزی میں تعارف جاری رکھا۔ "جوزف اور جیکب کے سگے چچا زاد بھائی ہیں۔"

اس دوران میں ادھیڑ عمر لارڈ یوں تفہیمی انداز میں سر ہلاتا رہا تھا جیسے غیر ارادی طور پر ویرا کی باتوں کی تائید کر رہا ہو۔ پھر ویرا میرا تعارف کرانے کے بعد خاموش ہوئی تو میں نے لارڈ کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

اس نے نیم دلی کے ساتھ اپنا سرد استخوانی ہاتھ میری گرفت میں دے دیا۔

"بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر!" میں نے ہاتھ ملاتے ہوئے وہ گھسا پٹا روایتی فقرہ دہرایا، مگر اس نے کسی جوابی خوشی کا اظہار کرنے کے بجائے سر کو یوں جنبش دی جیسے اس سے مل کر خوش ہونا میرے فرائضِ منصبی میں شامل رہا ہو۔

"شاید غیر ملکی ہو؟" مصافحے کے بعد اس نے سپاٹ اور بوجھل لہجے میں پہلی بار زبان کھولی۔ "کہاں سے آئے ہو؟"

"یہ انڈیا سے کل ہی آئے ہیں۔" میری لائی ہوئی بلیک لیبل کی بوتل کھولتے ہوئے ویرا اچانک بولی۔

"اوہ!" اس نے بے پروایانہ انداز سے اپنے ڈھلکے ہوئے شانے اچکانے کی ناکام کوشش کی۔ "مجھے یاد پڑتا ہے اس نام کے علاقے پر طویل مدت تک ہماری حکومت رہی ہے۔"

"بالکل بالکل!" میں نے اس کے شکن آلود اور سالخوردہ سوٹ پر نگاہ دوڑاتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "جب ہم تمہارے زیرِ نگیں تھے تو تمہاری سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا مگر اب تو مہینوں طلوع بھی نہیں ہوتا!"

میرا طنز اس کے پلے ہی نہ پڑ سکا یا پھر بلیک لیبل کی چمکتی اور للکارتی ہوئی بوتل نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا لی تھی کیونکہ وہ بوتل کو دیکھ کر ندیدوں کی طرح اپنے لبوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

"بڑا ہی پھٹیچر لارڈ ہے یہ تو!" میں نے اردو میں اتنی دھیمی آواز میں کہا کہ بس ویرا ہی میری آواز سن سکے۔

"اسے چڑانے کی کوشش نہ کرنا۔ ایک بار سنک گیا تو گھنٹوں قابو میں نہیں آئے گا!"

"گلاس کہاں رکھے ہیں؟" لارڈ میکفرسن نے بوتل کو گھورتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"میں بندوبست کرتی ہوں۔ تم ذرا نیچے کسی اسٹور سے بادا موں کا ڈبا لے آؤ!" ویرا نے اپنے پرس سے دس دس پاؤنڈ کے دو نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا اور وہ رقم لے کر سعادت مندانہ انداز میں کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

"کیا بادام بہت مہنگے ہیں یہاں؟" اس کے نکل جانے کے بعد میں نے بیس پاؤنڈ کو روپوں میں منتقل کرتے ہوئے ویرا سے سوال کیا۔

"یہ ہیروئن کا عادی ہو گیا ہے!" وہ مغموم لہجے میں بولی۔ "باداموں کے ساتھ وہ اپنے نشے کا بھی کوئی بندوبست کر کے آئے گا۔ بصورتِ دیگر یہ پوری بوتل بھی اس کے لیے ناکافی ہوتی!"

انٹرکام پر برف، سوڈے اور خالی گلاسوں کے لیے ہدایت دے کر وہ مجھے لارڈ آئزک میکفرسن کے پس منظر اور اس کی اہمیت سے آگاہ کرنے لگی۔

اس خطاب کے حصول میں میکفرسن کی ذاتی صلاحیتوں کے بجائے صرف وراثت کا دخل تھا، جو پچھلی چار نسلوں سے ہوتی ہوئی اسے اپنے اجداد کی طرف سے ملی تھی۔ اس طرح اس کے پیش رو بھی کچھ نااہل یا بدنصیب ثابت ہوئے تھے جو نسل در نسل انحطاط کا شکار ہوتے چلے آئے لیکن پھر بھی جو کچھ اسے ملا تھا وہ اس کے گزارے کے لیے کافی تھا۔ بلکہ کبھی کبھار وہ جیکب اور جوزف کی اعانت بھی کرتا رہتا تھا، مگر پھر کسی طرح اسے ہیروئن کا روگ لگ گیا جو اس خطے میں ایک بہت مہنگا شوق تھا اور اس کی بساط سے باہر بھی۔ پہلے اس نے اپنے تمام اثاثے اس شوق کی بھینٹ چڑھا دیے۔ پھر جب وہ مقروض ہونے لگا تو اس کے فارم ہاؤس میں پلے ہوئے مویشیوں کی باری آئی جو ایک سال کی قلیل سی مدت میں اس کے باڑے کو ویران کر کے دھیمے دھیمے آس پاس کے باڑوں میں منتقل ہو گئے اور وہ اپنے فارم ہاؤس میں عملاً بالکل تنہا رہ گیا۔

اس کے نشے کی لت سے اس کی کاؤنٹی کے سب ہی لوگ نالاں تھے اور اسے اپنی بستی کے لیے ناپسندیدہ بوجھ سمجھنے لگے تھے پھر ان ہی میں سے کچھ لوگوں کی نگاہیں اس کی زمین پر تھیں لہٰذا اس کے ایک چالاک پڑوسی نے حالات سازگار دیکھ کر اس سے دوستی گانٹھ لی اور ہمدردی کی آڑ میں ایک مضبوط قانونی معاہدہ کر کے اس کی زمین اپنے پاس گروی رکھ کر اسے واپسی کی کڑی شرائط کے ساتھ چھوٹی چھوٹی قسطوں میں رقم قرض دینا شروع کر دی۔

لارڈ صاحب کے لیے رقم کی واپسی ناممکن تھی قرض آسانی سے مل رہا تھا اس لیے شوق میں شدت آتی چلی گئی۔ پھر ایک دن ایسا بھی آ گیا جب اس کے پڑوسی نے مزید رقم قرض دینے سے انکار کر کے معاہدے کی شرائط کے مطابق اپنی رقم کا سختی کے ساتھ مطالبہ شروع کر دیا اور ایک دن میکفرسن کو اس کے فارم سے بے دخل کر دیا گیا۔

اپنے اچھے دنوں میں وہ جیکب سے بہت قریب تھا اور ویرا، ان دونوں کے مراسم سے نہ صرف واقف تھی بلکہ آئزک میکفرسن سے کئی بار مل بھی چکی تھی۔ جوزف کی گرفتاری اور جیکب کی موت کے بعد لامحالہ اس کے ذہن میں آئزک کا خیال آیا۔ پچھلی رات مجھ سے الگ ہونے کے بعد اس نے آئزک کے بارے میں ایلش برلن سے بات کی تو اس نے بتایا کہ آئزک نے کچھ عرصے سے جیکب کے گھر ہی قیام کیا ہوا تھا اور اکثر مدہوشی کے عالم میں اپنی راتیں سوہو کی گلیوں میں شراب خانوں کی سیڑھیوں یا فٹ پاتھوں پر گزارتا تھا۔ کبھی کبھی وہ ایلش برلن کے ہوسٹس کلب کی طرف بھی آ نکلتا تھا اور وہ اس کے خاندانی پس منظر کی بنا پر اس کی کچھ نہ کچھ مدد کرتی رہتی تھی۔ ورنہ اس کی گزر بسر سرکاری بے روزگاری الاؤنس پر ہی ہو رہی تھی جو ہیروئن کی لت کی وجہ سے اس کے لیے کبھی پورا نہ پڑ سکا۔

یہ معلوم ہوتے ہی ویرا نے ایلش برلن کے ذریعے آئزک کو اپنے پاس بلوا لیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ آئزک کے ہوش و حواس کو اعتدال پر لا کر وہ غزالہ کے بارے میں اس سے کچھ کام کی باتیں معلوم کر سکے گی۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس ملک میں بھی ایسے لارڈ پائے جاتے ہوں گے۔" آئزک کی کہانی سن کر میں نے عبرت آمیز لہجے میں کہا۔

"تلاش کرو گے تو تمہیں یورپ میں بہتیرے مفلوک الحال شہزادے شہزادیاں مل جائیں گے۔" وہ بولی۔ "خاص طور سے فرانس کے انقلاب کے بعد ایسے لوگوں کی ایک بڑی کھیپ وجود میں آئی تھی، جو نسل در نسل بڑھ رہی ہے۔ ان میں سے جو لوگ محض اپنے اصلی خاندانی پس منظر پر گھمنڈ کرنے کے عادی ہیں، وہ تمہیں ستار بجا کر بھیک مانگتے ہوئے بھی ملیں گے۔"

"میرا تو خیال تھا کہ صرف ہماری ہی طرف شہزادے گلیوں میں چنا جور گرم کی آوازیں لگاتے پھرتے ہیں لیکن کاہل نکمو جو دلارڈ سے تم کس قسم کی معلومات کی توقع کر رہی ہو؟" میں نے اچانک ہی موضوع

بڑھتے ہوئے پوچھا۔

"غزالہ کے بارے میں نہ سہی تو وہ جیکب کے کسی خفیہ ٹھکانے کی نشاندہی کر سکے گا یا شاید کسی ایسے آدمی تک رہنمائی کر سکے جو اس بارے میں معلومات رکھتا ہو۔"

"سچ پوچھو تو مجھے اس خبطی سے کوئی امید نہیں ہے۔" میں نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔ "تم اس پر بلاوجہ اپنا وقت برباد کرو گی۔ مجھے تو اس کی صورت دیکھ کر ہی نیند آنے لگی تھی۔"

"چار بستر موجود ہیں۔ نیند آئے تو سو جانا۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میں نے اسے بُلوایا ہے تو اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ وقت تو گزارنا ہی ہوگا۔ وہ ذرا سے سُرور میں آئے گا پھر تم اُسے دلچسپ آدمی پاؤ گے۔"

اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی اور آٹرک جواب کا انتظار کیے بغیر ہینڈل گھما کر اندر آ گیا۔ کمرے میں پہنچتے ہی اس نے سِنکے ہوئے باداموں کا ڈبا بستر پر اچھالتے ہوئے جیب سے سگریٹ نکال کر ہونٹوں سے لگائی تھی کہ ویرا نے اسے ٹوک دیا۔

"ابھی نہیں لارڈ میکفرسن!" وہ اس سے یوں مخاطب ہوئی تھی جیسے کسی بچے کو اس کی غلطی پر ٹوک رہی ہو۔ "میں نے نیچے گلاسوں وغیرہ کے لیے کہا تھا شاید کوئی موجود نہیں ہے، تم ہی جا کر لے آؤ۔"

"سگریٹ سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا اور دیاسلائی جلا کر سگریٹ سلگا لی۔ وہیں کھڑے کھڑے بے صبری کے ساتھ دو تین کش لینے کے بعد وہ گلاس لینے کے لیے چل پڑا تھا۔

"تم نے بھی بے چارے لارڈ کی مٹی پلید کر رکھی ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اچھا خاصا ذاتی خدمت گار بنا ہوا ہے تمھارا۔"

"دُکھ یہ ہے کہ اسے اپنی توہین کا ذرا بھی احساس نہیں ہوتا۔ ذہن پر جو دُھن سوار ہو جائے اسی میں کھویا رہتا ہے۔ اس وقت اسے شدت سے نشے کی طلب تھی جو پوری ہو گئی۔ اب تم اسے گدھے کی طرح رینکنے کا حکم بھی دو گے تو وہ بے چون و چرا اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"لیکن اس کا ہیروئن پینے کا طریقہ بہت خطرناک ہے۔ براہِ راست بھری ہوئی سگریٹ پیتا ہے۔ اس طرح ہم پر بھی دھوئیں کے ذریعے ہیروئن اثر انداز ہو گی۔" میں نے کہا۔

"میں نہ بتاتی تو تمھیں علم بھی نہ ہوتا، اس میں بُو تو ہوتی نہیں ہے۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا۔ "مجھے یہ سب نہ سمجھاؤ مس ویرا لائیڈ! میں ٹنوں ہیروئن کا ہیر پھیر اپنے ہاتھوں سے کر چکا ہوں۔"

"تو کیا کوئی اور طریقہ بھی ہوتا ہے اسے پینے کا؟" اس نے سوال کیا۔

"سگریٹ کے پیکٹ کی پنّی پر سفوف رکھ کر اسے نیچے سے گرم کیا جاتا ہے اور ہیروئن سے اُٹھنے والے بخارات گہرے سانسوں کے ذریعے پھیپھڑوں میں کھینچ لیے جاتے ہیں۔ بھری ہوئی سگریٹ پینے سے پہلے کئی کئی نشے باز سر جوڑ کر سروں پر چادر یا تولیہ اوڑھتے ہیں پھر ایک آدمی کے کش لینے سے سگریٹ سے دھواں خارج ہوتا ہے۔ دوسروں کو اسی سے نشہ ہونے لگتا ہے۔"

"کمال ہے!" وہ حیرت سے بولی۔ "میں نے تم سے کئی گنا زیادہ ہیروئن کا لین دین کیا ہو گا لیکن اس کے استعمال کے بارے میں میری معلومات ناقص ہیں۔"

"اس سے کہو کہ اپنی سگریٹ باتھ روم میں جا کر ختم کرے، اندر ایگزاسٹ فین چلا دینا یا ہوا دان کھول دینا۔ تنگ جگہ میں دھواں بھرے گا تو اسے بھی زیادہ لطف آئے گا۔"

اسی وقت آٹرک لوٹ آیا۔ اس بار اس کے ویسٹ کوٹ کے بٹن بند تھے اور ٹائی اندر دبی ہوئی تھی۔ سگریٹ ہونٹوں میں دبی ہوئی تھی اور ہاتھوں میں وزنی ٹرے تھی جو اس نے ہمارے سامنے میز پر رکھ دی۔

"کتنی سگریٹیں لائے ہو؟" ویرا نے اُسے گھورتے ہوئے سوال کیا

"پیسے کم تھے، دو ہی ملی ہیں۔" اس نے معصومانہ بے چارگی سے مُنہ لٹکا کر کہا۔

"پھر اس کمرے میں انھیں ضائع کرنے کے بجائے باتھ روم میں چلے جاؤ۔"

لمحہ بھر کے لیے اس کی بے نور اور ویران آنکھوں میں چمک اُبھر آئی۔ "اچھی تجویز ہے۔ میرا گلاس مجھے دے دو۔" اس نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے مطالبہ کیا۔

"شراب بھی ساتھ ساتھ پیو گے؟" ویرا نے آنکھیں نکالیں۔

"سوڈا نہ ملانا، برف کے ساتھ لوں گا!" وہ ویرا کی بات پر دھیان دیے بغیر بولا۔ خوراک ملتے ہی اس کی خود اعتمادی کسی حد تک بحال ہو چکی تھی۔ بُزدلی بھی کافور ہو گئی تھی۔

ویرا نے اس کے گلاس میں ڈبل پیگ انڈیلا تھا۔ پھر وہ اس میں برف ڈال ہی رہی تھی کہ آٹرک نے بے تابانہ انداز میں بوتل اٹھا کر تقریباً نصف گلاس بھر لیا۔

"یہ کیا جنگلی پن ہے؟" ویرا اس بار بھنّا اٹھی۔ "بالٹی ہی کیوں نہیں بھر لیتے۔"

اس نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر سر جھکا دیا۔ "باتھ روم میں دھواں بھرے گا تو مزہ آ جائے گا۔ میں بار بار باہر نکل کر اپنا لطف غارت نہیں کرنا چاہتا۔"

وہ اپنا گلاس اٹھا کر باتھ روم کی طرف چلا تھا کہ میں نے سرگوشیانہ لہجے میں ویرا سے کہا۔ "کہیں وہ اندر ہی اوندھا نہ ہو جائے

اس سے کہو کہ اندر سے دروازہ بولٹ نہ کرے۔"

بات معقول تھی۔ ویرا نے اونچی آواز میں میری ہدایت اُس تک پہنچائی اور سامنے رکھے ہوئے خالی گلاسوں کی طرف متوجہ ہو گئی اور میں بُھنے ہوئے باداموں کا ڈبا کھولنے لگا۔

دھیمی اور شریفانہ رفتار سے مے نوشی کا آغاز کرتے ہوئے وہ مجھے داؤد سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کرنے لگی۔ اس نے رات ہی داؤد کو فرینکی کے قتل کی خبر دیتے ہوئے تنبیہ کی تھی کہ اگر اب بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا گیا تو وہ براہِ راست اس کا گلا دبا ڈالے گی۔ داؤد اس وقت تک فرینکی کے قتل سے لاعلم تھا مگر اسے یہ خبر مل چکی تھی کہ ویرا اپنی نگرانی کرنے والوں کو جُل دے کر نکل گئی ہے۔ اس نے برہمی کا اظہار کرتے ہوئے ویرا کا ٹھکانا معلوم کرنے کی سرتوڑ کوشش کی لیکن ویرا نے حالات ساز گار ہونے سے پہلے سامنے آنے سے انکار کر دیا۔

ہم باتیں کرتے ہوئے دوسرا گلاس خالی بھی نہ کر پائے تھے کہ آٹرک اپنا کوٹہ ختم کر کے واپس آ گیا۔ اس کے ڈھلکے ہوئے شانے قدرے سیدھے ہو چکے تھے اور چہرے پر رونق نظر آ رہی تھی۔

"تھینک یو ہنی!" اس نے آتے ہی بے تکلفانہ انداز میں ویرا سے کہا تھا۔ یہ معلوم ہی نہیں ہو رہا تھا کہ وہ تھوڑی دیر قبل ویرا کے اشارے پر کسی ملازم کی طرح باہر کے پھیرے لگا رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ جیکب کے انشورنس کی رقم تمھیں اور جوزف کو ملے گی۔" ویرا نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "اس کے بعد تمھارے دن بھی پھر جائیں گے۔"

"میں خود یہی سوچ رہا ہوں۔" وہ میرے پیکٹ سے نکال کر اپنے لیے سادہ سگریٹ سلگاتے ہوئے بولا۔ "مجھے اس کی موت کا بڑا دکھ ہے۔ میں اُسے زندہ تو نہیں کر سکتا۔ ہاں، کچھ رقم ہاتھ آ جائے تو چرچ میں اس کے ایصالِ ثواب کے لیے میموریل سروس کراتا رہوں گا۔" اس کے چہرے اور آنکھوں سے گہرے نشے کے اثرات مترشح تھے لیکن لہجہ بالکل ٹھیک تھا۔

"بشرطیکہ تمھیں ہیروئن سے فرصت مل سکے۔" ویرا نے درشت لہجے میں کہا۔

"یہ تم بھی پیا کرو۔" وہ پُرسرور لہجے میں بولا۔ "یہ نشہ انسان کو بہت سی برائیوں سے روکتا ہے۔ آدمی بس اپنی ہی ذات میں کھو کر رہ جاتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بھی ہیروئن پی رہا ہوتا تو ہرگز نہ مارا جاتا۔ اس کے خلاف بلاوجہ بکواس کی جاتی ہے۔ قتل و غارت، لوٹ مار اور دہشت گردی نے زندگی عذاب بنائی ہوئی ہے۔ ارے اگر یہی سب کرنا ہے تو اس سے بہتر ہے ہیروئن پی کر کچھ نہ کرنا ہے۔ یہ کسی کے دھیان میں نہیں آتا۔"

"تمھارے خیال میں وہ کیوں مارا گیا ہے؟"

"اسی لڑکی کا کوئی چکر تھا جس نے جوزف کے یہاں دو آدمی ملدے تھے۔ اپنے قتل سے ایک روز پہلے جیکب نے پب سے چھٹی لی تھی۔ وہ کچھ الجھا ہوا تھا۔ مجھے تو شبہ ہے کہ جوزف نے اُس لڑکی سے شادی کر لی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ واردات کے بعد مدد کے لیے جیکب کے پاس آ پہنچی ہو۔" وہ خود ہی اصل موضوع کی طرف آ گیا تھا لیکن لمحہ بہ لمحہ اس پر نشے کی گرفت مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔

"لیکن پھر گئی کہاں؟" ویرا نے سوال کیا۔ "جیکب نے اُسے کہاں چھپایا ہو گا؟"

وہ آنکھیں نیم وا کر کے پہلی بار آسودہ انداز میں ہنسا۔ "جیکب بہت گہرا آدمی تھا۔ اس نے اپنی بچت سے لندن کے مضافات میں اپنی جائداد بنائی ہوئی تھی۔ وہ ان میں سے کسی بھی ٹھکانے پر ہو سکتی ہے۔" پھر اچانک ہی اُسے ہچکیاں آنے لگیں۔

"تم اُن ٹھکانوں سے واقف ہو؟" ویرا کے لہجے میں بلا کا تجسس اُمڈ آیا۔

اس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی، پھر ہچکیوں کے درمیان بولا۔ "واقف ہوتا تو بھی کسی کو نہ بتاتا کہ جیکب کا ایک مکان سرے میں ہے۔ اگر اس لڑکی نے جوزف سے شادی کر ہی لی تھی تو اب وہ میری بھی بیوی ہے اور اس کی حفاظت میرا فرض ہے۔"

ویرا اپنی کرسی پر آگے سرک آئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے بولی۔ "میں بھی جیکب کے عزیزوں کی خیر خواہ ہوں۔ تم بتاؤ یا نہ بتاؤ مگر مجھے معلوم ہے کہ سرے میں جیکب کا مکان ہے، میں وہاں پہنچ کر لڑکی کی مدد کروں گی۔"

"ہائیں!" اس نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔ "کس نے بتایا تمھیں؟ میں اس کا خانہ خراب کر دوں گا۔"

ہچکیوں کے درمیان وہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے ہی جھومنے لگا۔ نہ ذہن اس کا ساتھ دے رہا تھا نہ زبان۔ بس وہ اول فول بکنے لگا تھا۔ ہیروئن اور اسکاچ کا خطرناک سنگم اپنا رنگ دکھا رہا تھا لیکن غنیمت تھا کہ .... کھوپڑی سے آؤٹ ہوتے ہوئے بھی جیکب کے سرے والے مکان کی صورت میں ایک امید افزا بات اس کی زبان سے نکل گئی تھی۔

پھر اس کی آواز ماند پڑتی چلی گئی اور آخر کار وہ کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک کر بے حس و حرکت ہو گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ بے جان ہو کر پہلوؤں میں جھولتے لگے۔

"لو، یہ تو گیا کام سے۔" ویرا کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی اور میں ترحم آمیز نگاہوں سے لارڈ آٹرک میکفرسن کو دیکھتا رہ گیا جو دُہرے نشے کے سُرور میں شاید ایک بار پھر کہیں حکمرانی کے خواب دیکھ رہا تھا۔

میرے لیے اس وقت لارڈ آرزک میکفرسن کی مجہول اور مضحکہ خیز ذات ہی سب سے زیادہ اُمید افزا تھی۔ اُس نے ہیروئن اور اسکاچ کے دُہرے نشے میں خود ہی سرے کے علاقے میں جیکب کے مکان کی موجودگی کی اطلاع دی تھی لیکن نشے کی زیادتی کے باعث وہ ایسی بدترین ذہنی کیفیت سے دوچار ہو چکا تھا کہ ویرا کی زبان سے سرے والے مکان کا ذکر سنتے ہی اس قدر مشتعل ہوا کہ غصے کے عالم میں بڑبڑاتے ہوئے بے ہوشی کی گہری دلدلوں میں دھنستا چلا گیا۔

نشہ اُس نے میرے سامنے کیا تھا لہٰذا اُس کے ہوش و حواس پر اعتبار کرنا میرے لیے سہل نہیں تھا لیکن صرف ایک نکتے کے سوا اس کی ہر بات اپنے پورے سیاق و سباق سے فٹ بیٹھتی تھی۔ سرور میں آتے ہی اُس احمق لارڈ کی کھوپڑی یک بیک اتنی فعال ہو گئی تھی کہ اُس نے متوفی جیکب کی مغفرت کے لیے میموریل سروس کے اخراجات کی آڑ میں اُس کے انشورنس کی رقم میں اپنا حصہ وصول کرنے کے امکانات پر غور کرنا شروع کر دیا تھا پھر فرطِ کے سونیا نامی مفروضہ بہروپیے کے حوالے سے اُس نے یہ بھی سوچنا شروع کر دیا تھا کہ شاید جیکب نے مرنے سے پہلے سونیا سے شادی کر لی تھی۔ اس بارے میں جیکب کے اضطراب اور رازداری کے بارے میں جتنے بھی واقعات میرے علم میں آئے تھے اُن کی بنا پر اس معاشرے کا ہر معقول شخص یہی سوچتا کہ سونیا، جیکب کی محبوبہ تھی جب ہی وہ اُسے بچانے کے لیے ہر خطرے سے بے پروا ہو کر حالات کے سامنے ڈٹ گیا تھا، ورنہ اس دور میں کون ایک خونخوار اور ملزم لڑکی کے لیے اپنے مفادات کو داؤ پر لگانے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ اس نشے باز سنکی لارڈ نے بس ایک ہی بات احمقانہ کی تھی کہ اگر جیکب نے سونیا سے شادی کر لی تھی تو وہ خود بھی سونیا کو اپنی بیوی سمجھتے ہوئے اُس کے تحفظ کے لیے جان کی بازی لگا دینے پر تیار تھا۔

یہ بات وہ بس اپنی رَو میں کہہ گیا تھا ورنہ اس حقیقت سے وہ بھی لاعلم نہیں تھا کہ بیوی کے رشتے میں دُنیا کے کسی قانون اور مذہب کی رُو سے شراکت ناممکن تھی۔ عورت بہتیروں کی ماں ہو سکتی ہے، بہن ہو سکتی ہے، محبوبہ ہو سکتی ہے لیکن بیوی بس ایک ہی کی ہوتی ہے۔ اب وفا اور دغا کا انحصار اس رشتے کی گہرائی پر ہوتا ہے لیکن عورت کسی ایک بدترین اور ناکارہ شوہر کی بیوی ہوتے ہوئے بھی اس کی موجودگی میں دوسرے شوہر کو قبول نہیں کر سکتی۔ یہ اچھوتا خیال ایک بہکے ہوئے ذہن ہی میں اُبھر سکتا تھا اور آرزک اس وقت مسلّمہ طور پر ایک بہکا ہوا نشے باز تھا۔

پھر اُسی لمحے میرے ذہن میں عورت کا پانچواں رشتہ بھی اُبھرا جس میں شراکت ناممکن تھی۔ عورت بیٹی بھی کسی ایک ہی کی ہوتی ہے۔ نکتہ قرینی کا سہارا لیا جائے تو دو کی بیٹی ہوتی ہے یعنی ماں اور باپ کی لیکن مرد سے رشتے کی بات ہو رہی ہو تو اس خانے میں بس ایک ہی نام لکھا جا سکتا تھا جب کہ ویرا اس نام سے بھی محروم تھی۔

اس کا وجود اس بات کی دلیل تھا کہ وہ کسی باپ کی بیٹی تھی لیکن اس کا باپ ابھی تک محض ایک خیال تھا، وہ جسے اس منصب کا سزاوار سمجھتی تھی، وہ یہ الزام قبول کرتا تھا نہ پلی پلائی جوان سال بیٹی کو ٹھکراتا تھا اور اگر ویرا اسی بے یقینی کے عالم میں ماردی جاتی یا مر جاتی تو اس کی شناخت بس ماں کے نام سے ہو پاتی جو اب اس دُنیا میں نہیں تھی۔ دوسری طرف اُس کی ماں کی کوکھ تک رسائی رکھنے والا کوئی بھی فرد بلاخوفِ تردید ویرا کی ولدیت کا دعوے دار بن سکتا تھا، لہٰذا یہ رشتہ بھی بہت کمزور ہو گیا تھا۔ اس دور میں جب پدر سائی دیارِ مغرب میں ایک بھولا بسرا خواب بلکہ کمتری کا ایک کھلا کھلا اعتراف بنتی جا رہی تھی، پانچواں رشتہ کمزور ہی نہیں، بے معنی بھی ہو کر رہ گیا تھا کیونکہ وہاں قانونِ ولادت کے جواز سے صرفِ نظر کرتے ہوئے پرورش کے جواز سے متعلق ہو کر رہ گیا تھا۔ یہ بات اہم نہیں رہی تھی کہ باپ کون ہے بلکہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ کس نے ایک نومولود کو اپنا نام دے کر اپنی گود میں پالا ہے اور اگر ولدیت کی تہمت کے لیے کوئی بھی نام میسّر نہ آ سکے تو بچے یا بچی کو "اکلوتے والدین کی قانونی اولاد" تسلیم کر لیا جاتا تھا۔ اس طرح سارے رشتے کمزور ہو گئے تھے۔ بس بیوی ہی ایک ایسی جنس تھی، جس میں نہ قانون کسی کی شراکت کو درگزر کرتا تھا نہ مذہب کسی دخل کو معاف کرتا تھا اور دوآتشہ نشے میں دُھت لارڈ آرزک اس رشتے میں اپنی شراکت کا اعلان کر کے اپنی مخبوط الحواسی کا اعتراف کر چکا تھا۔

اور اب وہ بے ہوش تھا، ویرا ترحم آمیز نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی اور میں اس مفلوک الحال لارڈ کو ہوش میں لانے کی کسی مؤثر تدبیر کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

ویرا نے تشویش زدہ انداز میں آرزک کا فضا میں جھولتا ہوا بے جان بازو تھام کر اوپر بلند کیا اور پھر چھوڑ دیا۔ وہ بازو ایک جھٹکے کے ساتھ نیچے گرا اور چند ثانیوں تک متحرک رہنے کے بعد ایک بار پھر پہلے کی طرح مجہول اور بے جان ہو کر ساکت ہو گیا۔

"یہ مر تو نہیں گیا ہے؟" ویرا تشویش زدہ انداز میں بڑبڑائی۔

میں بے اختیار ہنس پڑا۔ "کمال ہے کہ تم جیسی تجربہ کار عورت ایسی بات کر رہی ہے۔ مرنے والوں کے رگ پٹھے اتنے نرم نہیں رہتے کہ فطری انداز میں متحرک رہیں۔ لارڈ صاحب پر نشے کی گرفت ذرا مضبوط ہو گئی ہے، تھوڑی دیر میں خود بخود ہر چیز اعتدال پر آ جائے گی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ اضطراری انداز میں بولی پھر اس کا لہجہ مدافعانہ ہو گیا۔ "میرا بس چلے تو اسی وقت آرزک سے لارڈ کا خطاب واپس لے کر اسے قید کرا دوں۔ کس قدر غیر ذمے دارانہ رویّہ ہے اس کا؟"

"تم بھی خاصی متعصب معلوم ہوتی ہو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اگر ہمارے مغل شہزادے چنا جور گرم بیچ سکتے ہیں تو تمہارے لارڈ کیوں مادر پدر آزاد نہیں ہو سکتے۔ لارڈ بھی آخر عام انسان ہی ہوتے ہیں اور کسی اضطراری رَد کے تحت کسی بھی وقت کوئی حرکت کر سکتے ہیں۔"

"وہ سب درست ہے لیکن اس میں برداشت کی قوت نہیں تھی تو بھلا ہیروئن اور اسکاچ کو یکجا کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی؟" وہ غصیلے لہجے میں بولی۔

"یہ ایک الگ بات ہے۔ اس کا لارڈ ہونے یا نہ ہونے سے کیا تعلق ہے؟"

"تم بلاوجہ مجھ سے بحث کرنے پر کیوں تُلے ہوئے ہو؟" وہ غصیلے لہجے میں غرائی۔

"تمہاری روایت پرستی بحث پر اُکسا رہی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "نہ جانے تم خطاب یافتہ لوگوں کے بارے میں اتنی حساس کیوں ہو۔ میں تو تمہاری ملکہ تک کو عام انسانوں سے ماورا سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

"بس ملکہ معظمہ کے بارے میں ہی کچھ نہ کہنا۔" وہ یک بیک برہم ہو گئی۔

"ہرگز نہ کہتا بشرطیکہ اُس کے دُم لگی ہوئی ہوتی۔" میں نے مضحکانہ لہجے میں کہا۔ "نہ جانے تم کیوں انسانوں کو ان کے اصل مقام سے اُوپر دیکھنے کی عادی ہو گئی ہو۔ سیاسی مرتبہ اور چیز ہے، اُس کا بنیادی ساخت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہ لوگ بھی عام انسانوں کی طرح ہی مرتے جیتے ہیں۔ نہ ان کی دُم ہوتی ہے نہ سروں پر سینگ اُگے ہوئے ہوتے ہیں پھر انھیں کیوں مختلف تصور کیا جاتا ہے؟"

"تم حد سے تجاوز کر رہے ہو۔" وہ غصیلے لہجے میں بولی۔ "بات اس منحوس لارڈ کی ہو رہی تھی اور تم ملکہ معظمہ کی ذات تک پہنچ رہے ہو۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا۔ "تم نے اُسے منحوس قرار دے کر سارا قصہ ہی ختم کر دیا۔ میرے کہنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ کسی خطاب یا عہدے سے آدمی کی اصلیت نہیں بدل سکتی...."

"یہ بتاؤ کہ اب اس مردود کا کیا کیا جائے؟" وہ بے بسی کے ساتھ لارڈ آرزک میکفرسن کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"منہ پر پانی چھڑکو، پھر بھی ہوش میں نہ آئے تو سر پر جوتے لگاؤ، دو منٹ میں ہوش میں آ جائے گا۔"

"تم میری مدد نہیں کرو گے؟" وہ بے بسی کے ساتھ بولی۔

میں نے آئس پاٹ میں پگھلی ہوئی برف کا سرد پانی احتیاط کے ساتھ ایک خالی گلاس میں منتقل کیا اور ایک پُرشور چھپاکے کے ساتھ آرزک کے مُنہ پر اُچھال دیا۔

یخ بستہ پانی کا لمس چہرے پر محسوس کرتے ہی اُس کے وجود میں جھرجھری پیدا ہوئی مگر اگلے ہی لمحے وہ اپنے گیلے کپڑوں سے بے نیاز پھر اُسی طرح بے حس و حرکت ہو گیا۔

مگر ویرا کو اُسے ہوش میں لانے کی راہ سوجھ گئی تھی۔ اُس نے آرزک کی ٹائی کی گرہ ڈھیلی کر کے اُس کے کالر کا بٹن کھولا اور آئس پاٹ میں سے برف کے سارے ٹکڑے گریبان میں ڈال دیے۔

وہ ترکیب کارگر ثابت ہوئی اور آرزک نے چند منٹ بعد تھکے تھکے خوابناک انداز میں بڑبڑاتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔ اس وقت اس کی ذہنی حالت قابلِ اعتماد نہیں تھی لیکن میں جانتا تھا کہ کام کی باتیں اس سے اسی وقت اُگلوائی جا سکیں گی، ورنہ حواس بحال ہوتے ہی وہ سختی کے ساتھ اپنی زبان بند کر لے گا۔

"سرے میں جیکب کا مکان کہاں ہے؟" اسے ہوش میں آتے دیکھ کر میں نے اضطراری لہجے میں انگریزی میں سوال کیا۔

"شٹ اَپ!" وہ فضا میں ہاتھ لہرا کر غرّایا۔ "کسی کا کوئی گھر نہیں ہے۔"

"تم خاموش رہو۔" ویرا نے اُردو میں مجھے ٹوکا۔ "یہ بدمعاش میرے ہی قابو میں آئے گا۔"

میں نے ایک کرسی پر دراز ہو کر سگریٹ سلگا لی اور ویرا اُس کے قریب جم گئی۔

"تم بہت ندیدے اور بے صبرے ہو۔" وہ اُس کے استخوانی رخساروں پر ہولے ہولے تھپڑ لگاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "بھوکے مرتے رہتے ہو اور ذرا سی چھوٹ ملے تو اوقات سے زیادہ نشہ کر بیٹھتے ہو۔ یہی حرکتیں رہیں تو کسی دن بے ہوش ہونے کے بعد آنکھیں کھولنا بھی نصیب نہ ہوگا۔"

"تم کتنی اچھی ہو... میرا کتنا خیال رکھتی ہو۔" وہ آنکھیں پھاڑنے کی کوشش کرتے ہوئے روہانسی آواز میں بولا۔ "تمہارے سینے میں محبت بھرا دل ہے، مجھ جیسے ناہنجار سے بھی پیار کرتی ہو۔ اگر میری اولاد بھی ہوتی تو شاید مجھ کو اتنا پیار نہ دیتی۔"

"اب تمہارے دن بدل جائیں گے۔" ویرا تسلی آمیز لہجے میں بولی۔ "جیکب بیچارہ بدنصیب تھا جو بے رحمی کے ساتھ مار ڈالا گیا لیکن قدرت کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے، وہ تمہارے لیے بہت کچھ چھوڑ کر گیا ہے۔"

آرزک بنیادی طور پر حریص نہیں تھا لیکن اس کی مفلسی اور ضرورتوں نے اُسے حریص بنا دیا تھا اور نشے کی حالت میں بھی وہ جیکب کے انشورنس کی رقم کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ویرا نے نہایت مکارانہ انداز میں اس کے اسی کمزور پہلو سے اپنے وار کی ابتدا کی تھی۔

"وہ بھی میرا بہت خیال رکھتا تھا۔" آرزک پر بدستور مظلومیت کا احساس چھایا ہوا تھا۔ "انشورنس کی رقم اور اس کی ساری جائداد پر اب

میرا اور جوزف کا حق ہوگا۔“

”تمھیں تو شاید پتا بھی نہیں ہوگا کہ اس کی کتنی جائداد تھی۔“ ویرا نے اُس کی بات کاٹ کر کہا۔

وہ ایک ہچکی لے کر ہنسا ”مجھے نہیں تو اور کسے معلوم ہوگا؟“

” لندن کے علاوہ سرے میں بھی ایک مکان تھا اُس کا۔“ ویرا نے اُسے اُکسانے والے انداز میں کہا۔

”چرچ روڈ والا وہی ایک مکان اُس کے قبضے میں تھا۔“ وہ اپنی جھونک میں بولنے لگا۔ ”جب لندن کے ہنگاموں سے وہ اُکتا جاتا تھا تو اکثر وہیں چھٹیاں گزارتا تھا، باقی مکان اُس نے کرائے پر دیے ہوئے تھے۔“

”چرچ روڈ پر تو خاصے شاندار مکان ہیں۔“ میں نے ویرا کے لہجے سے اندازہ لگایا کہ اُس نے سرے کا چرچ روڈ خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا، بس اندھیرے میں تیر چلا رہی تھی۔ ”بھلا کیا نمبر ہے جیکب کے مکان کا؟“

”ٹی ڈبل سیون۔“ وہ اپنی ہتھیلی چوم کر بولا۔ ”میں جیکب کے ساتھ کئی بار وہاں جا چکا ہوں۔“

”بس اب زیادہ باتیں نہ کرو۔“ ویرا نے اُٹھ کر اُسے سہارا دیتے ہوئے کہا۔ ”تھوڑی دیر آرام کرلو، ورنہ طبیعت بگڑ جائے گی۔“

اس سے جو کچھ معلوم کرنا تھا، وہ اُگلوایا جا چکا تھا لہٰذا ویرا نے اُسے سہارا دے کر قطار میں بچھی ہوئی مسہریوں میں سے ایک پر ڈال دیا اور آزک نے تکیہ سینے سے لگا کر آنکھیں موند لیں۔

مجھے خوشی تھی کہ آخر کار ایک بار پھر غزالہ کا سُراغ ملنے کی اُمید پیدا ہو چلی تھی۔

”سرے یہاں سے کتنی دُور ہے؟“ میں نے ویرا کو سگریٹ پیش کرتے ہوئے سوال کیا۔

”زیادہ دُور نہیں ہے۔ ذرا یہ آرام کرکے رخصت ہو جائے تو ہم باہر نکلیں گے۔“ ویرا نے مسہری پر بے حس و حرکت پڑے ہوئے آزک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا پھر اچانک سوال کر بیٹھی۔ ”تمھارا ساتھی کہاں ہے؟“

”وہ مناروں والیاں دیکھنے گیا ہے۔“ میں نے پُرخیال انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

”مناروں والیاں؟“ وہ بُرا سا مُنہ بنا کر بولی۔ ”یہ کیا بلا ہے؟“

میں نے اُسے وضاحت سے بتایا تو اُس کی آنکھوں میں تشویش کے سائے لہرانے لگے۔ ”اُسے ایسی تفریحات سے دُور ہی رہنا چاہیے۔ ان میں سے بیشتر لڑکے، لڑکیاں اپنے شکار کو اذیت پہنچا کر لذت حاصل کرتے ہیں۔ ان میں سے کسی کے ہتھے چڑھ گیا تو کئی دن تک بستر سے بھی نہ اُٹھ سکے گا۔“

”وہ دُور کی تفریح کا قائل ہے۔“ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”لیکن وہ تمھیں کیسے یاد آ گیا؟“

”میرا خیال تھا کہ ہم تینوں ہی سرے چلیں۔ یہ مہم خاصی دُشوار بھی ہوسکتی ہے۔“

”وہ کیسے؟“ میں نے سوال کیا۔

”بس تم چھٹی حس کہہ سکتے ہو۔ جب حالات سازگار نہ ہوں تو ہر قدم پر احتیاط ضروری ہوتی ہے۔“

”ساتھ جانے میں یہ خرابی بھی ہے کہ کوئی مصیبت نازل ہوئی تو تینوں ایک ساتھ ہی مارے جائیں گے۔“

”میں ایسے ہی کسی خطرے کا سدِباب کرنا چاہ رہی ہوں۔“ وہ سگریٹ کا ایک گہرا کش لیتے ہوئے بولی۔ ”تم میرا تعاقب کرو گے اور وہ تمھارے پیچھے آئے گا، اس طرح ہم الگ رہ کر بُرے وقت میں ایک دوسرے کی مدد کرسکیں گے۔“

”اور جیکب کے سرے والے مکان میں سب یکجا ہو جائیں گے؟“ میں نے سوال کیا۔

”ہرگز نہیں۔“ وہ سختی کے ساتھ بولی۔ ”ہماری واپسی بھی اسی طرح الگ الگ ہوگی۔ تمھیں اس دوران میں اپنے جذبات پر قابو رکھنا ہوگا۔“ پھر اُس کی آواز نرم ہوگئی۔ ”غزالہ وہاں ملے یا نہ ملے، ہمیں ہر صورت میں ایک دوسرے سے دُور رہنا ہوگا۔“

”کیوں بُری فال مُنہ سے نکال رہی ہو؟“ میں نے اُس کی بات کاٹ کر تلخ لہجے میں کہا۔

”تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو، غزالہ کی بازیابی کی اُمید پر ہی ہم وہاں جا رہے ہیں لیکن تم اس معاملے میں پولیس کے کردار کو بالکل بھلا بیٹھے ہو۔ جیکب کی موت کے بعد اُس کے گھر سے یقیناً ایسی دستاویزات برآمد ہوئی ہوں گی، جن کے ذریعے اس کی جائداد کی تفصیلات پولیس کے علم میں آ گئی ہوں گی۔ یہاں کی پولیس بہت مستعد ہے، ہوسکتا ہے کہ اب تک وہ قتل کی تفتیش کے سلسلے میں جیکب کے سرے والے مکان پر بھی پہنچ چکے ہوں۔“

میں اس کی قیاس آرائی پر سر جھٹک کر رہ گیا۔ اس کی سوچ غلط نہیں تھی لیکن میرا خیال تھا کہ اسے سرے پہنچنے تک اخلاقاً اس معاملے میں اپنی زبان بند ہی رکھنا چاہیے تھی۔

”جیکب کا بھائی بھی تمھارے لیے کام کرتا ہے؟“ چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد میں نے سوال کیا۔

”نہ کرتا ہوتا تو پولیس کو نیلی آنکھوں والی سونیا کی کہانی نہ سُناتا۔“

”ان دونوں بھائیوں کے علاوہ تمھارے اور آدمی بھی ہوں گے؟“

”بہتیرے ہیں لیکن میں ان سب کو جیکب کے ذریعے ہی کنٹرول کرتی تھی۔ اس طرح بھرم اور رُعب قائم رہتا ہے۔“

”جیکب کی موت کے بعد تو لامحالہ تمھیں ان سے براہِ راست کام لینا ہوگا پھر سلطان شاہ کے بجائے ان ہی سے کام کیوں نہیں لیتی ہو؟“ میں نے سوال کیا۔

”جیکب ان لوگوں کی رگ رگ سے واقف تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ کس پر کس حد تک اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ موجودہ حالات میرے لیے مخدوش ہیں۔ داؤد سے میری دُشمنی ہوگئی ہے۔ شی کے ہرکارے پورے شہر میں مجھے ڈھونڈتے پھر رہے ہوں گے اور جیکب کے معاملے میں پولیس سے ٹکراؤ کا اندیشہ ہے۔ ایسے حالات میں، میں اندھا جوا نہیں کھیل سکتی۔ کچھ عرصے کے لیے تو مجھے اپنے سائے سے بھی چوکنا رہنا ہوگا جبکہ تمھارا آدمی قابلِ اعتماد ہے۔ وہ اپنی جان کی پروا کیے بغیر تمھارا ساتھ دینے والوں میں سے معلوم ہوتا ہے، جب ہی تم اسے پاکستان سے اپنے ساتھ یہاں لائے ہو۔“

”میں اس مہرے کو کسی اور وقت کے لیے بچائے رکھنا چاہتا تھا۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ تم شی سے کچھ زیادہ ہی خوف زدہ ہو۔ پاکستان میں تم اپنی خود اعتمادی اور حوصلے کی بنا پر واقعی شوگر کوئین نظر آتی تھیں لیکن لندن پہنچ کر تم اس کا عشرِعشیر بھی نہیں رہی ہو۔ تمھاری یہ بے اعتمادی ہمیں کہیں بھی ڈبو سکتی ہے۔“

”پاکستان ہمارا اہم ترین سپلائی سینٹر ہے۔ وہاں شی کے مفادات بہت محدود ہیں۔ اسلحے کی کھپت کے لیے ہر سطح پر خود بخود تحفظ ملتا رہتا ہے لہٰذا مسئلہ صرف ایک ہی ہے کہ وہاں سے ہیروئن کی سپلائی برقرار رہے۔ وہاں کی مقامی منڈی میں جو کچھ ہوتا ہے، وہ تنظیم کے مقامی بڑوں کا انتظامی معاملہ ہے۔ اپنے لمبے چوڑے اخراجات پورے کرنے کے لیے انھیں مقامی منڈی میں بھی مال کھپانا پڑتا ہے جس کی آمدنی میں سے برائے نام حصّہ مرکزی قیادت کو ملتا ہوگا جبکہ ہیروئن کی اصل منڈی یورپ، برطانیہ اور امریکا میں ہے۔ یہاں تم شی کی وسعت کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔ میری کیفیت کو تم بے اعتمادی قرار نہیں دے سکتے۔ مجھے اندازہ ہے کہ میں یہاں کن خطرات سے دوچار ہوں۔ تم نے دیکھ ہی لیا کہ فرنگی تمھیں امپیریل ہوٹل کی لوبٹ سے کس طرح لے گیا تھا۔ اگر تمھارے ستارے ساتھ نہ دیتے تو تم اس وقت کہیں اور ہوتے۔“

”اگر تم درست کہہ رہی ہو تو تمھیں ٹیوڈر ہوٹل کے اس کمرے ہی میں محصور ہو جانا چاہیے۔“ میں نے بُرا سا مُنہ بنا کر کہا۔ ”کیونکہ شی کا پورا نیٹ ورک تمھارے خلاف حرکت میں آ چکا ہے اور تم جمی لائیڈ کی بیٹی ہونے کے باوجود اس عالمی تنظیم کے سامنے طفلِ مکتب ہو۔“

”تم شاید میرا مذاق اُڑانا چاہ رہے ہو لیکن یہ بتا دوں کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو، وہ حقیقت ہے۔ میرے لیے بس ایک ہی بات حوصلہ افزا ہے کہ ان میں سے کوئی مجھ پر ہاتھ نہ اُٹھا سکے گا، میرا راستہ روکا جاسکتا ہے، میرے خلاف ثبوت اکٹھے کرنے کے لیے دن رات میرا پیچھا کیا جاسکتا ہے لیکن مجھے اس وقت تک ان سے جان کا خوف نہیں ہے جب تک شی کی سپریم باڈی مجھ پر سنگین الزامات عائد نہ کر دے۔“

”اس طرح تو تمھارا سرے جانا بھی نقصان دہ ہوسکتا ہے۔ اگر شی کا کوئی ہرکارہ باہر نکلتے ہی تمھیں پہچان کر تمھاری راہ پر لگ گیا تو وہ تمھارا کہیں بگاڑ بھی سکتا ہے۔“

”میرے پاس کرائے کی کُل وقتی کار موجود ہے جسے اندھیرے میں ڈرائیو کرتے ہوئے میں اپنی وضع قطع میں نمایاں تبدیلیاں کرسکتی ہوں۔ لندن میں بہتیری عرب عورتیں چہرے پر آنکھوں کے نیچے نقاب لگا کر ڈرائیونگ کرتی ہیں، کسی کو مجھ پر شبہ تک نہ ہوسکے گا۔“

”پھر میں تمھارا تعاقب کیسے کروں گا؟“ ٹیوب یا ٹرین کی بات تو مختلف تھی۔

”تمھارے لیے میں ایک اور گاڑی کا بندوبست کرسکتی ہوں۔“

”اور سلطان شاہ میرے پیچھے کیسے آئے گا؟“ ویرا اس وقت مجھے اپنی ذہنی سطح سے بہت گری ہوئی محسوس ہو رہی تھی لہٰذا مجھے ہر سوال براہِ راست الفاظ میں کرنا پڑ رہا تھا۔

”چاہو تو اس کے لیے تیسری کار کا بندوبست ہوسکتا ہے۔“ وہ خوش دلی کے ساتھ بولی۔ ”مگر بہتر یہ ہوگا کہ تم دونوں ایک ساتھ سفر کرو، سرے پہنچ کر ضرورت محسوس ہو تو عارضی طور پر ایک دوسرے سے الگ ہو کر دوبارہ یکجا ہوسکتے ہو۔ یہ صورت زیادہ سہل اور قابلِ عمل ہوگی۔“

”اسلحہ بھی فراہم کرسکو گی؟“ میں نے سوال کیا۔

”تمھارے پاس فرنگی کا ریوالور موجود ہے۔ سلطان کے لیے بندوبست ہو جائے گا۔“

یہ طے ہوگیا تھا کہ حفاظتی وجوہ کی بنا پر مہم کا آغاز اندھیرا پھیلنے کے بعد کیا جائے گا لہٰذا میں ویرا کو آزک کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑ کر وہاں سے واپس ہو لیا کیونکہ مجھے سلطان شاہ کو مطلع کرنا تھا، جو واپسی کے کسی طے شدہ پروگرام کے بغیر شہر کی سیر کو نکلا ہوا تھا۔

سلطان شاہ تھکا ہارا، دوپہر کے بعد ہوٹل پہنچا تو میں اُس کے انتظار میں اپنے کمرے میں پڑا سگریٹیں پھونک رہا تھا۔ میرے کمرے کا دروازہ اندر سے غیر مقفل محسوس کرکے وہ وہیں جم گیا۔

”بڑا ہی عجیب و غریب پُررونق شہر ہے۔“ آتے ہی وہ ہنستے ہوئے بولا۔

”کیا دیکھ لیا اس شہر میں تم نے؟ چہرے پر خاصی رونق نظر آ رہی ہے۔“ میں نے چھیڑتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

”لوگ بڑے فراخ دل ہیں، محسوس ہی نہیں ہوتا کہ ہم یہاں اجنبی ہیں۔ بس زبان کا مسئلہ درپیش نہ ہو تو اجنبیت کا ذرا بھی احساس باقی نہ رہے۔ ہر ایک عزت اور احترام کے ساتھ پیش آتا ہے۔“

”تو کسی ملک میں اس کے برعکس بھی تجربہ ہُوا تمھیں؟“ میں نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

”میرا تو یہ پاکستان سے باہر پہلا سفر ہے لیکن لوگوں سے جو کچھ

سُنتا رہا ہوں، وہ آتنا خوشگوار نہیں تھا۔" وہ کہنے لگا۔ "میرے بہت سے جاننے والے تیل کے علاقے میں برسہا برس سے نوکریاں کر رہے ہیں۔ وہاں چند ایک استثنیٰ کو چھوڑ کر ہر غیر ملکی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اُنھیں دوسرے درجے کا ایسا غیر ملکی تصور کیا جاتا ہے، جسے اس کی اپنی سرزمین نے ٹھکرا کر ملک بدر کردیا ہو اور وہ روزی کمانے کے لیے جھلستے ہوئے صحراؤں کا رُخ کرنے پر مجبور ہوگیا ہو۔"

"شاید تم درست کہہ رہے ہو۔" میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ان ملکوں میں ہمارے ملک سے بڑی تعداد میں غیر تعلیم یافتہ اور نیم تعلیم یافتہ مزدور گئے ہیں جو اپنے مزاج اور عدم تربیت کے باعث نئے ماحول میں ضم ہونے کے بجائے اپنے گروہوں میں محدود رہنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اس معاشرتی فاصلے کی وجہ سے ایک دوسرے کے رہن سہن اور طور طریقوں کے بارے میں رواداری پیدا نہیں ہو پاتی اور یہی ساری خرابی کی جڑ ہے۔"

"میں نے آج ہی یہاں بہترے سکھ دیکھے جو سُوٹ پہننے کے باوجود داڑھی اور پگڑی میں نظر آئے۔ نہ اُنھیں کوئی عجوبے کی طرح گھورتا ہے نہ اُن سے تحقیر آمیز سلوک کرتا ہے۔"

"یہ لوگ بھی اتنے فراخ دل نہیں ہیں۔ یہاں آئے دن نسلی امتیاز کے جھگڑے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ یہ لوگ قدرے زیادہ مہذب ہیں۔ اپنے تعصب کو میٹھی زبان اور نرم مسکراہٹ میں چھپائے رکھتے ہیں۔ موقع بے موقع اس کا اظہار نہیں کرتے، مصلحت سے کام لیتے ہیں۔" پھر میں بُرا سا مُنہ بناتے ہوئے اُٹھ گیا۔ "لاحول ولاقوۃ۔ یہ تم نے کس بحث میں اُلجھا لیا مجھے۔ میں بہت دیر سے تمھارا انتظار کر رہا تھا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ ویرا سے دوستی دن بہ دن مضبوط ہوتی جا رہی ہے۔" وہ معنی خیز مُسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"تم گدھے ہو۔" میں نے جھلّاتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں ویرا کے پاس غزالہ کے سلسلے میں گیا تھا۔"

"نہ چڑنے کی ضرورت ہے اور نہ وضاحت کرنے کی۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "مجھے معلوم ہے کہ تم وہاں کیوں گئے تھے۔ اگر اس سے دوستی مضبوط نہ ہوئی ہوتی تو وہ ہرگز تمھارے ساتھ تعاون نہ کرتی۔ یہ اہم بات ہے کہ شی سے روپوشی اختیار کرنے کے باوجود اُس نے تمھیں اعتماد میں لے کر اپنے ٹھکانے سے آگاہ کردیا ہے۔"

"میرے ساتھ اُس کی بھی کچھ مجبوری ہے۔ مجھے غزالہ کی تلاش ہے اور وہ جیکب سے ہاتھ دھو بیٹھنے کے بعد اپنے آدمیوں پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کرنے کے لیے تیار نہیں ہے... اسے بھی قابلِ اعتماد ساتھیوں کی ضرورت ہے۔"

"یہ بڑی عجیب سی بات ہے کہ شوگر کوئین جیسی مکار اور خطرناک عورت اس وقت خود کو اتنا بے بس سمجھ رہی ہے۔ ایسا تو نہیں کہ وہ تمھارے گرد کوئی نیا جال بُن رہی ہو؟"

"داؤد نے اسے بڑی بھاری چوٹ پہنچائی ہے۔ اُس نے لندن آنے سے پہلے ہی شی کے بڑوں کو ویرا کی طرف سے اس حد تک بدظن کردیا تھا کہ یہاں پہنچتے ہی ویرا کی کڑی نگرانی شروع کرادی گئی۔ تنظیم میں وہ اس قسم کے واقعات سے پہلی بار دوچار ہوئی ہے اور اس وقت بہت ہراساں ہے۔ اس سے مل کر تم یقین نہیں کرسکو گے کہ یہ وہی عورت ہے، جو ہنستے مُسکراتے پلک جھپکتے میں بڑے سے بڑے فیصلے صادر کردیتی تھی۔"

"اس پر لعنت بھیجو، یہ بتاؤ کہ بحالی کے بارے میں کیا پروگرام رہا؟"

"سرے میں جیکب کے ایک مکان کا سُراغ ملا ہے، جو اسی کی تحویل میں تھا لیکن چند مخصوص لوگوں کے سوا کسی کو علم نہیں تھا، وہ غلط لائن کا آدمی تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اُس نے بُرے وقت میں کسی محفوظ ٹھکانے کے خیال سے اپنے سرے والے مکان کا وجود راز میں رکھا ہو۔ خیال ہے کہ غزالہ وہیں مقیم ہے۔"

"اور تم یہاں پڑے، وقت برباد کر رہے ہو۔" وہ پُرجوش انداز میں اُچھل کر کھڑا ہوگیا۔

"بیٹھ جاؤ۔" میں نے اُکتائے ہوئے انداز میں کہا۔ "پوری بات سُنے بغیر نتائج پر چھلانگ نہ لگایا کرو۔ غزالہ نگر نگر بھٹکنے کے بعد اب جہاں بھی ہے، محفوظ ہے۔ ہمیں ویرا ہی اُس مکان تک لے جاسکتی ہے مگر وہ نگرانی کرنے والوں کو جُل دے کر فرار ہوئی ہے، اس لیے دن کے اُجالے میں وہ باہر نکلنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی۔ ہم آج شام دُھندلکا پھیلنے کے بعد اس مہم پر روانہ ہوں گے۔"

"اور ویرا ہماری رہنمائی کرے گی؟" اُس نے دوبارہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے استفسار طلب لہجے میں کہا۔

"رہنمائی نہیں بلکہ پوری مہم وہی سر کرے گی۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "ہم دونوں ایک علیحدہ کار میں اس کے پیچھے رہتے ہوئے اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ کوئی اس کے آڑے نہ آسکے۔"

"اور ابھی تم بتا رہے تھے کہ وہ بہت ہراساں ہے؟" اس کے لہجے میں اُلجھن عود کر آئی۔

"تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" میں نے اضطراری طور پر نئی سگریٹ سُلگاتے ہوئے اُلجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"سیدھی سی بات ہے۔" وہ دوٹوک لہجے میں بولا۔ "بحالی کی بازیابی کا معاملہ بہت نازک اور اہم ہے۔ اگر ویرا اس وقت اپنے مسائل کی وجہ سے پریشان اور ہراساں ہے تو یہ مہم اس کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑی جاسکتی۔ کسی نازک موڑ پر کیا ہُوا، اس کا ایک غلط فیصلہ تمھارے لیے عذاب بن جائے گا۔"

اُس کی بات درست تھی۔ اس وقت ویرا کی ذہنی صلاحیتوں پر اندھا اعتماد نہیں کیا جاسکتا تھا۔ وہ ہمیں ایسی جگہ مروا سکتی تھی، جہاں سے فرار کی کوئی بھی راہ نہ ملتی۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔

اور شاید اس وقت میں بھی ذہنی انتشار کا شکار ہو چلا تھا کیونکہ ویرا کی ذہنی کیفیت کا بذاتِ خود مشاہدہ اور تجربہ کرنے کے باوجود میں نے اس کے منصوبے کو من و عن تسلیم کرلیا تھا جب کہ سلطان شاہ نے محض میری کہانی سُن کر دُور رس نتائج اخذ کرلیے تھے، جن سے فرار کسی طرح ممکن نہیں تھا۔

"پھر تم کیا چاہتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"ہم تمھیں اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہیے۔ تم نے اس بار بحالی کا سُراغ کھو دیا تو شاید طویل مدّت تک کفِ افسوس ہی ملتے رہو گے۔ تمھاری باتوں سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ ویرا بحران میں گھِر کر اس وقت ایک عام سی، ناقص العقل عورت رہ گئی ہے۔ اس کا شوگر کوئین والا دبدبہ رخصت ہوگیا ہے۔"

"مگر میں بھٹکے بغیر، براہِ راست جیکب کے مکان پر نہیں پہنچ سکتا۔ میں جہاں بھی پتا دریافت کروں گا، وہیں کسی نہ کسی کی نگاہوں میں آجاؤں گا۔"

"یہ کوئی مسئلہ نہیں۔" وہ میری بات کاٹتے ہوئے بولا۔ "تم ویرا کے ساتھ جاؤ۔ میں دوسری کار میں پیچھے رہ کر تم دونوں کی حفاظت اور نگرانی کروں گا۔ راستہ وہ بتلائے گی، فیصلے تم خود کرو گے۔"

میں خفت آمیز انداز میں بے اختیار ہنس پڑا۔ کس قدر سادہ اور سہل حل موجود تھا، سارے مسائل کا۔ مگر میں اس گنجلک صُورتِ حال میں جذباتی طور پر ملوث ہونے کی وجہ سے خود بھی، ویرا کی طرح ذہنی انحطاط کا شکار ہو چلا تھا۔

"میری رائے میں تو اس وقت تمھاری عقل سب سے تیز چل رہی ہے، اس لیے پوری مہم کا چارج تمھارے ذمّے ہونا چاہیے۔ موجودہ حالات میں تم بہترین فیصلے کرسکو گے۔"

"شاید تم درست کہہ رہے ہو لیکن میری زبان کی کمزوری کو نہ بھولو۔ میں گونگا محافظ تو بن سکتا ہُوں لیکن تیزی سے بدلتی ہوئی کسی بھی صُورتِ حال میں کسی سے مذاکرات اور پھر فیصلوں کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا۔"

میں نے فوراً ہی ریسیور اُٹھا کر فون پر نوکا بند سہ ڈائل کیا۔ ڈائل ٹون ملتے ہی میں نے ٹیوڈر ہوٹل کا نمبر ملایا اور کمرہ نمبر دو سو پانچ میں ویرا سے رابطہ قائم کرلیا۔

"خیریت تو ہے، فون کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟" اس نے میری آواز پہچانتے ہی حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"لارڈ میکفرسن کا کیا حال ہے؟" میں نے روا روی میں سوال کیا۔

ریسیور پر اس کی کھنکتی ہوئی نقرئی ہنسی سُنائی دی پھر اس کی شوخ آواز اُبھری۔ "بے چارہ کمرے میں چاروں طرف لنگڑاتا پھر رہا ہے، سارا نشہ ہرن ہوگیا ہے۔"

"کیا یہ بھی مارٹن کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کر رہا ہے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"بس، تم تو میری اُفتادِ طبع سے واقف ہی ہو۔" ہنسی کے دوران اس کی آواز اُبھری۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ گزرے ہوئے لمحات کے بارے میں سوچ سوچ کر محظوظ ہو رہی ہو۔ "اس نے اپنی اولاد سے میرا موازنہ کر کے مجھے کم سِن قرار دیا تھا اور میں نے تمھارے جانے کے بعد اسے عملاً اپنا ہم سِن بن جانے پر مجبور کردیا۔ اب وہ مجھے بُرا بھلا کہتے ہوئے اپنے پٹھوں اور جوڑوں کو اعتدال پر لانے کی کوشش کر رہا تھا۔"

"بعض اوقات تم بہت گھٹیا ہو کر رہ جاتی ہو۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"بکواس مت کرو۔" ریسیور پر اس کی مصنوعی غرّاہٹ اُبھری۔ "یہ میرے ذاتی معاملات ہیں، تمھیں ان پر تنقید کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم نے فون کیوں کیا ہے؟"

"شام کے پروگرام کے بارے میں کچھ مشورہ کرنا تھا۔"

"وہ پروگرام طے ہے۔ اس میں مشورے کی کیا ضرورت ہے۔ آنرک چلا جائے تو میں دوسری گاڑی کا بندوبست بھی کروں گی۔ تم اس طرف سے بالکل بے فکر رہو۔"

"میں تمھارے ساتھ چلنا چاہتا ہُوں۔ میرا ساتھی دوسری گاڑی میں ہمارا پیچھا کرے گا۔" میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"اگر تمھیں اس کی عقل اور قوّتِ فیصلہ پر اتنا ہی بھروسا ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ بس یہ خیال رکھنا کہ اس نے کسی بگڑی ہوئی صُورتِ حال کو صحیح طریقے پر ہینڈل نہیں کیا تو ہم بے موت مارے جائیں گے۔"

اُس کے تبصرے پر میں دل ہی دل میں ہنس دیا۔ سلطان شاہ کو اس کی صلاحیتوں پر شبہ ہونے لگا تھا اور وہ سلطان شاہ کے بارے میں بے اعتمادی کا شکار تھی۔

"تم فکر نہ کرو۔ میں اسے سب کچھ سمجھا دوں گا۔ تم اس کے لیے گاڑی کے ساتھ اسلحے کا بندوبست کرنا نہ بھولنا۔ تم کو اس کے طریقۂ کار سے مایوسی نہیں ہوگی۔"

اس سے گفتگو کا سلسلہ منقطع کرتے ہوئے میں ذہنی طور پر خود

کو بہت ہلکا محسوس کر رہا تھا۔ سلطان شاہ کے لیے بھی یہ بات تسلی بخش ثابت ہوئی کہ دیرا نے بلا حیل و حجت اس کی تجویز مان لی تھی۔

سلطان شاہ سیر سے واپسی پر میکڈانلڈ شاپ سے کچھ کھا پی کر اپنی آتش شکم سیر کر آیا تھا لہٰذا میں نے اُسے تیاری کے لیے اُس کے کمرے میں بھیج دیا۔ اپنے غسل خانے میں نہاتے ہوئے میں اُس کی معصومانہ خوشیوں کے بارے میں سوچتا رہا۔ وہ جدید دَور میں رہنے والا ایک دلیر لیکن سادہ لوح انسان تھا، جو وسائل کی کمی کی وجہ سے خود کو کبھی اس سطح پر نہ لا سکا جہاں گھر بیٹھے انسان دُنیا جہان کی معلومات سے بہرہ ور ہو سکتا ہے اور اس کی یہی بے خبری اس کی زندگی میں اچانک چھوٹی چھوٹی بہتیری خوشیاں بکھیر دیتی تھی جب کوئی انجانی چیز یا کوئی نیا تجربہ سامنے آتا تو وہ یوں کِھل اُٹھتا تھا جیسے وہ سب بس اسی کی دریافت ہو۔

وہ شہر اس کے لیے نیا تھا اس لیے دن کے اُجالے میں بھی اُس نے وہاں اپنا دل بہلانے کے بہت سے لوازمات دریافت کر لیے تھے، ویسے بھی وہاں دن کی بہت سی تفریحات تھیں اور کچھ نہیں تو دو منزلہ لال بسوں کی اُوپری منزل سے شہر کے معروف بازاروں اور مشہور مقامات کی سیر ہی ایک بھرپور تفریح تھی لیکن جو لوگ اس شہر کی نبضوں سے واقف تھے، وہ جانتے تھے کہ دُھندلکا چھٹتے ہی یہ شہر تیزی کے ساتھ اپنی کینچلی بدلتا تھا اور اس کا رد... نہایا ہُوا پُراسرا سا رُوپ ہر اعتبار سے رنگین اور دلکش ہوتا تھا۔ اس کے سحر میں ڈوب کر شاید یہی آرزو پیدا ہوتی ہو گی کہ کاش اس شہر میں اُجالا کبھی طلوع نہ ہوتا کہ رات کا حسن اور نکھار سدا بہار رہے۔ ایسے شب بیدار ...دل کے لیے نہ صرف لندن کے سیاحتی کتابچوں میں مخصوص اصطلاحات رائج تھیں بلکہ قدرت نے بھی انھیں اس اعتبار سے شرفِ قبولیت بخشا ہُوا تھا کہ سال کے تین سو پینسٹھ دنوں میں خال خال ہی سُورج اس شہر پر فیاضی کے ساتھ چمکتا تھا، ورنہ ہر وقت ہی نیلے آسمان کی بیکراں وسعتوں میں سرمئی اور سیاہ بدلیوں کے پرے کے پرے لہراتے پھرتے تھے اور جب چاہتے کہیں بھی برسنے لگتے تھے۔ اس موسم سے وہاں کے رہنے والے بیزار نظر آتے تھے لیکن سیّاحوں کے لیے وہی بدلیاں نت نئی تفریحات کی محرّک بن جاتی تھیں۔

اس وقت میرے سامنے غزالہ کی بازیابی کا اہم مشن موجود تھا جس کو پورا کیے بغیر میں ذہنی سکون سے محروم تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد سلطان شاہ کو اس شہر کے شب و روز کے ایسے بھرپور جلوے دکھاؤں گا کہ اس کی ساری حسرتیں نکل جائیں گی۔

ہوٹل میں بیٹھنا بے سُود تھا، اس لیے غسل سے فراغت اور تیاری کے بعد میں سلطان شاہ کو ساتھ لے کر وہاں سے نکل کھڑا ہُوا۔ بیکر اسٹریٹ کے ٹیوب اسٹیشن پر اتر کر ہم نے سب سے پہلے وِمپی ریستوران میں اپنی شکم پُری کی پھر ہم بیکر اسٹریٹ کے جھوٹے پُر ہجوم بازار کی سیر کرتے ہوئے لندن کے سب سے بڑے مرکزِ خریداری کی طرف ہو لیے۔ آکسفورڈ اسٹریٹ کا رُخ کرنے سے پہلے ہی ٹیوب اسٹیشن کے قریب سلطان کی نگاہ ایک بڑے سے سبز گنبد پر پڑی تو وہ احترام آمیز انداز میں چونکا تھا۔

”یہ کون سی مسجد ہے یہاں؟“ اُس نے اسی انداز میں دریافت کیا تھا۔

”مسجد نہیں، یہ مادام تساد کی یادگاہ ہے، جہاں اندر بیٹھے ہوئے تماشائیوں کے لیے کمروں کی مدد سے سیاروں کی نقل و حرکت اور طلوع و غروب کا سماں پیدا کیا جاتا ہے۔ یہ بھی دیکھنے والا تماشا ہو گا۔ یہیں موی مجسموں کی وہ مشہور نمائش گاہ ہے، جہاں موم اور گوشت پوست کے انسانوں میں امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔“

وہ شوق اور حیرت کے ساتھ ہر چیز کو دیکھتا میرے ساتھ چلتا رہا پھر ہم آکسفورڈ اسٹریٹ پر بائیں طرف مُڑ گئے۔ گھومتے ہی لندن کا سلفریجز اسٹور سامنے آ گیا جہاں لفٹوں اور برقی سیڑھیوں سے مزین کثیر المنزلہ عمارت میں ہر روز لاکھوں پاؤنڈ کے تحائف اور اشیائے ضرورت کی فروخت ہوتی تھی، جو شاید ہیرڈس کے بعد لندن کا سب سے بڑا ڈیپارٹمنٹل اسٹور تھا۔

اندر جا کر سلطان شاہ کی آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ گئیں۔ ”یہ تو خواب سا لگتا ہے۔ یہاں آ کر اندازہ ہوتا ہے کہ کراچی کے ڈیپارٹمنٹل اسٹورز تو اس کے مقابلے میں عشرِ عشیر بھی نہیں ہیں۔“

”ان کا تصور بھی یہیں سے لیا گیا ہے۔“ سامان اور خریداروں کے ہجوم میں سے گزرتے ہوئے میں نے کہا۔ ”یہاں لوگ اس نظام کے عادی ہیں، ہمارے یہاں وقت لگے گا۔“

”یہاں چوری چکاری بھی بہت ہوتی ہو گی؟“ اُس نے بابر تھیلوں کے ساتھ لدے پھندے آنے والے خریداروں کا جائزہ لیتے ہوئے پُرخیال لہجے میں کہا۔

”خفیہ کیمروں، محافظوں اور اسٹور کے اپنے تنخواہ دار جاسوسوں کی مستعدی کے باوجود چوریاں ہوتی ہیں مگر ان وارداتوں کی وجہ سے کاروبار کے اس طریقے کو ترک نہیں کیا گیا۔ ان سے اب بھی بھاری منافع حاصل ہوتا ہے۔“ یہ کہہ کر میں اُسے ان اسٹورز کے بارے میں اپنی کتابی معلومات سے آگاہ کرنے لگا۔

بازار دُور تک پھیلا ہُوا تھا اور ہمارے پاس وقت کم تھا لہٰذا اسٹور کی نچلی منزل میں گھوم کر ہی ہم باہر نکل آئے اور ایک مرتبہ پھر پُرہجوم راستے پر آگے بڑھنے لگے۔

فٹ پاتھ پر کہیں کہیں خوشبویات اور مصنوعی زیورات بیچنے والے جعل ساز، پولیس والوں سے نگاہ بچا کر مجمع لگائے گلا پھاڑ پھاڑ کر سیاحوں اور دوسرے شہروں سے آنے والوں کو اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ ان کا کل سامان اس قدر مختصر ہوتا تھا کہ پولیس کے اچانک نمودار ہونے پر اگر انھیں رفو چکر ہونا پڑے تو سامان پھینک کر بھاگنے کی صورت میں زیادہ نقصان نہ ہو۔ ایسے لوگ غالباً اپنا اسٹاک کار کی ڈکی یا کسی اور ٹھکانے پر محفوظ رکھتے تھے اور وہیں سے حسبِ ضرورت تھوڑا تھوڑا نکال کر بیچتے رہتے تھے۔ ایسے مجمع بازوں کی بے چین عقابی نگاہیں اپنے متوقع گاہکوں کے ساتھ، دُور دُور تک پولیس والوں کی موجودگی کا جائزہ بھی لیتی رہتی تھیں۔ ان کی حرکات و سکنات سے یہ اندازہ لگانا دُشوار نہیں تھا کہ وہ کوئی غیر قانونی کام کر رہے تھے۔

مست خرامی کے انداز میں بازار کی سیر کرتے اور آپس میں تبصرے کرتے ہم آکسفورڈ اسٹریٹ کے چیرنگ کراس سے ملنے والے اس چوراہے پر پہنچے، جہاں سے اس سڑک کا نام نیو آکسفورڈ اسٹریٹ ہو جاتا تھا تو اچانک سلطان شاہ ٹھٹک کر رُک گیا۔

”دلیپ کمار!“ اُس کے ہونٹوں سے نکلی ہوئی سرسراتی سی، تحیّر زدہ آواز سُن کر میں نے سامنے دیکھا تو نقرئی تھری پیس سُوٹ میں ملبوس سامنے سے وہ وجیہہ اور بلند قامت اداکار اکیلا چلا آ رہا تھا، جس کا نام ایک زمانے میں اردو فلم بینوں کے لیے طلسم سے کم نہیں تھا۔

وہ مشہورِ عالم اداکار گوروں، کالوں اور رنگ دار لوگوں کے درمیان اپنا راستہ بناتا، کسی گمنام اجنبی کی طرح لندن کی اس فٹ پاتھ پر چلا آ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر سن رسیدگی کے آثار نمودار ہو چلے تھے اور پھر شاید وہ اپنے عظیم نام کی یوں گمنامی پر بھی کچھ مجروح اور آزردہ سا نظر آ رہا تھا لیکن سلطان شاہ کے ہونٹوں سے نکلی ہوئی تحیّر اور عقیدت میں ڈوبی ہوئی آواز اس کے کانوں تک پہنچ گئی تھی کیونکہ فوراً ہی اس کے لبوں پر آسودہ سی مُسکراہٹ اُبھری اور چمکتی ہوئی نگاہیں ممنونیت کے جذبے کے ساتھ سلطان شاہ کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

انسان بھی کس قدر عجیب اور انا پرست مخلوق ہے کہ جب ہزاروں پرستاروں کے بے تاب ہجوم اسے پہچانتے ہوں اور اس کو چھونے یا اس کی زبان سے اپنے لیے دو بول سُننے کے متمنی ہوں تو وہ ان میں سے کسی کی طرف نہیں دیکھتا۔ نگاہیں اپنے راستے پر مرکوز کیے ان کی طرف علامتی انداز میں ہاتھ لہراتا ہُوا آگے بڑھ جاتا ہے کوئی اظہارِ عقیدت کے لیے اس کی راہ میں حائل ہونا چاہے تو اُسے غصّے سے ایک طرف دھکیل دیتا ہے لیکن وہی انسان زندگی کے سفر میں دھیمے دھیمے آگے بڑھتے ہوئے مقبولیت کی بلندیوں کو چھو کر جب نیو آکسفورڈ اسٹریٹ کی فٹ پاتھ جیسے مقام سے گزرتا ہے، جہاں کوئی والہانہ انداز میں اس کا استقبال نہیں کرتا تو وہاں ایک آدمی کی دو شناسا نگاہیں اور دو الفاظ اس کی انا کے زخموں پر مرہم کا کام کرتے ہیں اور وہ اپنے اس انجان شیدائی کے لیے اپنے دل کی گہرائیوں سے احسان مندی کا جذبہ اُمڈتا محسوس کرتا ہے۔

”ہیلو!“ دلیپ کمار نے قریب آ کر اپنی مخصوص دھیمی آواز میں سلطان شاہ سے کہا۔ ”آپ کس دیش سے آئے ہیں؟“ لہجہ صاف ستھرا اور الفاظ موتیوں کی طرح ایک دوسرے سے الگ مگر تکلم کی حسین لڑی میں پروئے ہوئے تھے۔

”پاکستان سے۔“ سلطان شاہ کی آواز فرطِ مسرت سے مغلوب تھی۔ فلموں کا وہ دیوانہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کا ایک من پسند عظیم فنکار کبھی یوں دُوبدو اس سے ہم کلام ہو گا۔

”واقعی، وہ پاک استھان ہے۔“ دلیپ کمار کا بدن ایک طرف قدرے جُھکا ہُوا تھا اور چہرے کی غیر محسوس لکیروں میں سنجیدگی کی لہر اُترتی محسوس ہو رہی تھی۔ ”مجھے خوشی ہے کہ وہاں رہنے والے مجھے اب بھی یاد کرتے ہیں۔“

”مجھے خوشی ہوتی اگر اس ملاقات کی ابتدا ہیلو کے بجائے سلام سے ہوتی یوسف خان۔“ میں نے اُس کا اصل نام یاد کرتے ہوئے زبان کھولی۔

اُس کے لبوں پر نرم سی مُسکراہٹ تیر گئی اور وہ پیشانی پر جھولتے ہوئے بالوں کو پیچھے سمیٹتے ہوئے آہستگی کے ساتھ بولا۔ ”ضرور ہوتی اگر مجھے تم دونوں کا مذہب معلوم ہوتا۔ ہیلو ہر جگہ چل جاتا ہے مگر تم جانتے ہو کہ ہندو سلام سے اور مسلمان نمستے سے چڑتے ہیں۔ اداکار کا فرض سب کو خوش رکھنا ہوتا ہے۔“

سلطان شاہ کی خواہش تھی کہ وہ کسی قریبی ریستوران میں اس کے ساتھ کچھ یادگار لمحے گزار سکے مگر دلیپ کمار عجلت میں تھا۔ اُس نے بڑی فنکارانہ چابکدستی کے ساتھ ایک آدھ اختتامی فقرے میں ملاقات ختم کر ڈالی اور ہم ایک دوسرے کی مخالف سمتوں میں چل دیے۔

بازار کا دَورہ ختم ہو چکا تھا لہٰذا ہم نے قریبی زیرِ زمین اسٹیشن سے ٹیوب پکڑی اور دیرا کے ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئے، جہاں سے ہمیں غزالہ کی تلاش کی مہم پر سرے کے لیے روانہ ہونا تھا۔

ہوٹل کے استقبالیہ کاؤنٹر سے اجازت ملنے پر ہم دونوں اُوپر پہنچے تو دیرا نے سلطان شاہ کا خاصی گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا کیونکہ وہ ان دونوں کی پہلی باقاعدہ ملاقات تھی۔ ان دونوں کا ایک دوسرے سے سامنا تو کئی بار ہو چکا تھا لیکن رُوبرو باقاعدہ تعارف کی نوبت کبھی نہیں آئی تھی۔

سفر اور لندن میں قیام کے بارے میں سلطان شاہ کے تاثرات معلوم کرنے کے بعد اس وقت دیرا بہت حیران ہوئی جب اس کی پیشکش کے جواب میں سلطان شاہ نے کسی بھی نشے سے انکار کیا۔

”حیرت ہے کہ اس کے بغیر بھی تم بے خوفی کا مظاہرہ کر سکتے ہو۔“ وہ

حیرت کے ساتھ بولی۔

"نشے میں بہادری کا اظہار خودکشی بن جاتا ہے میں تو سگریٹ کو بھی ہاتھ نہیں لگاتا۔" سلطان شاہ نے کن انکھیوں سے ویرا کے حسین سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"میری طرف نگاہیں بھر کر بھی دیکھو گے تو میں بُرا نہیں مانوں گی۔" ویرا نے اپنی ذات میں اس کے اشتیاق کو بھانپتے ہوئے بےباکانہ لہجے میں چوٹ کی اور سلطان شاہ کا چہرہ ندامت سے سُرخ ہو گیا۔

"مم... میں تمہیں تو نہیں دیکھ رہا تھا۔"

"مرد ہو کر شرما رہے ہو۔" وہ جاندار قہقہہ لگا کر بولی۔ "تم مشرقیوں کی یہی عجیب و غریب ادائیں تو مار ڈالتی ہیں۔"

"بس۔" میں نے جلدی سے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔ "اسے تو معاف ہی رکھو، یہ تمہاری ذات کے سحر میں پھنسنے والوں میں سے نہیں ہے، فی الحال تم آرنک پر ہی اپنی توجہ مرکوز رکھو۔"

میرے اس تقابل پر وہ تلملا کر رہ گئی لیکن سلطان شاہ کے کچھ پلے نہ پڑ سکا کیونکہ میں نے اُسے فون پر ویرا سے ہونے والی پوری گفتگو سے آگاہ نہیں کیا تھا۔

"اندھیرا پھیل گیا ہے، روانگی کا کیا بندوبست ہے؟" میں نے ویرا کے زبان کھولنے سے پہلے ہی موضوع تبدیل کر دیا۔

"چلو۔" اس نے تنک کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ "میں بس دو منٹ لوں گی۔" اس نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کر ہونٹوں پر لپ اسٹک کی ہلکی سی تہہ جمائی۔ لباس کی شکنیں درست کیں اور وینٹی بیگ میں کچھ اُلٹ پلٹ کرنے کے بعد نکاسی کے دروازے کی طرف ہو لی۔

"سلطان کے لیے ہتھیار کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اوہ، میں تو بھول ہی گئی تھی کہ یہ بے چارہ نہتا ہی ہے۔" وہ ہچکچاتے ہوئے لہجے میں چوٹ کر ہی گئی پھر جلدی سے بولی۔ "باہر نکلو گاڑی میں یقیناً کچھ نہ کچھ موجود ہو گا۔"

ہوٹل کی عمارت سے نکلنے کے بعد ہم ویرا کی رہنمائی میں چند گلیوں سے گزرتے ہوئے ایک بند گیراج کے سامنے پہنچ گئے۔ بند دروازے سے باہر سرمئی رنگ کی ایک کار پارک کی ہوئی تھی۔

ویرا نے وینٹی بیگ میں سے چابی نکال کر گیراج کا مقفل دروازہ کھول کر اندر روشنی کی تو وہاں بھی ایک سیاہ کار پارک کی ہوئی تھی اور فرش پر رنگ میں لگی ہوئی ایک چابی پڑی ہوئی تھی، جو غالباً بند دروازے کے نیچے سے اندر ڈالی گئی تھی۔

ویرا نے فرش سے چابی اُٹھا کر سلطان شاہ کی طرف بڑھا دی۔

"یہ تمہاری گاڑی کی ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے گیراج سے باہر پارک کی ہوئی سرمئی کار کی طرف اشارہ کیا تھا۔ "ڈرائیونگ سیٹ کے نیچے بڑے بور کا پستول فاضل میگزین سمیت موجود ہو گا۔ یہاں گاڑی چلاتے ہوئے ٹریفک کے قوانین اور علامات پر نگاہ رکھنا، ورنہ کسی نے روک لیا تو بچنا مشکل ہو جائے گا۔ یہاں بلا لائسنس ڈرائیونگ کا شمار سنگین جرائم میں ہوتا ہے۔"

سلطان شاہ نے سرمئی کار میں ویرا کے بیان کے مطابق اسلحے کی موجودگی کی تائید کی اور انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی وہاں سے ہٹا لے گیا۔ چند ثانیوں بعد گیراج مقفل کر کے ہم دونوں سیاہ کار میں وہاں سے روانہ ہو گئے۔ ویرا ڈرائیونگ کر رہی تھی اور میں اس کے برابر میں بیٹھا ہوا تھا۔

سلطان شاہ ٹریفک کے ہجوم میں مناسب فاصلے سے سرمئی کار میں ہمارے پیچھے آ رہا تھا۔

"تمہارا ٹرانسمیٹر کہاں ہے؟" میں نے تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد ایک فوری خیال کے تحت سوال کیا۔

"میرے پاس ہی ہے۔ اب تو کچھ پتا نہیں کہ کب، کون سا ٹھکانا چھوڑنا پڑ جائے۔" وہ بولی۔ "ذرا ایک سگریٹ تو سلگا دو میرے لیے کافی دیر ہو گئی ہے۔"

"تمہارا تو چہرے پر آدھی نقاب لگا کر ڈرائیونگ کرنے کا ارادہ تھا تاکہ کہیں پہچانی نہ جا سکو۔"

"نقاب موجود ہے لیکن اندھیرے میں اس کا استعمال ضروری نہیں رہا۔ باہر سے کوئی مجھے نہ پہچان سکے گا۔"

"کیوں نہ داؤد کو ٹٹولا جائے؟" میں نے جلی ہوئی سگریٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے تجویز پیش کی۔

"تجویز معقول ہے۔ پتا تو چلے کہ فرینکی کے قتل کے بعد وہ کیا سوچ رہا ہے۔ ذرا میرے وینٹی بیگ میں سے ٹرانسمیٹر تو نکالو۔ اس کی جھلاہٹ اس وقت قابلِ دید ہو گی۔" اس نے کار ایک پُرسکون سڑک پر موڑتے ہوئے کہا۔

میں نے دونوں نشستوں کے درمیان رکھا ہوا اُس کا وینٹی بیگ اُٹھایا تو وہ غیر معمولی طور پر وزنی تھا۔ زپ کھول کر اندر ہاتھ ڈالا تو دیگر اشیاء میں ایک چھوٹا سا پستول اور وزنی ٹرانسمیٹر الگ ہی محسوس ہوا۔ میں نے ٹرانسمیٹر نکال کر ویرا کی ہدایت کے مطابق اُس کا مائیکرو اینٹینا باہر کھینچ کر پاور سپلائی سوئچ آن کیا اور اُس کی ناب گھما کر آواز اتنی بڑھا دی کہ کار میں ہلکا سا ریڈیائی شور سنائی دینے لگا۔

ویرا نے داہنے ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالا، بائیں ہاتھ میں ٹرانسمیٹر تھام کر انگوٹھے سے ٹرانسمیشن بٹن دباتے ہوئے وقفے وقفے سے شوگر کوئین کے حوالے سے اپنی کال داؤد کے لیے نشر کرنے لگی۔

"داؤد ریسیونگ..." کئی بار کی کوششوں کے بعد آخر کار ٹرانسمیٹر پر ریڈیائی شور میں ایک مردانہ آواز اُبھری جسے میں نہ پہچان سکا کیونکہ فون اور ٹرانسمیٹر کی آوازوں میں نمایاں فرق ہو جاتا ہے۔

"میں خود کئی بار تم سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر چکا ہوں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا ٹرانسمیٹر کل رات سے مسلسل آف پڑا ہوا تھا... اوور۔"

"کیا ضرورت پیش آ گئی تھی، مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی... اوور؟" ویرا نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

"فرینکی کے دل میں پیوست تمہارا خنجر پہچان لیا گیا ہے۔ اس کو مار کر تم نے اچھا نہیں کیا، وہ ہمارے مایہ ناز ماتحتوں میں شمار ہوتا تھا۔ میں تمہیں بتانا چاہتا تھا کہ تم نادانستگی میں تباہی کے راستے پر چل پڑی ہو۔ ابھی بھی وقت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری صفوں میں تمہاری واپسی ہی ناممکن ہو کر رہ جائے... اوور۔"

"مشورے کا شکریہ۔" ویرا زہریلے لہجے میں بولی۔ "اور میں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ اپنی راہ میں حائل ہونے والے ہر شخص کو اسی طرح بے رحمی کے ساتھ ذبح کر دوں گی لہٰذا میرا پیچھا چھوڑ دیا جائے، اوور۔"

"تم دھمکی دے رہی ہو۔ یہاں والے اپنے معاملات میں آزاد ہیں۔ وہ چاہیں تو اپنے شبہات کی تصدیق یا تردید کے لیے دن رات میری بھی نگرانی کرا سکتے ہیں، اوور۔"

"ضرور کرا سکتے ہیں کیونکہ تم محض حکم کے غلام ہو مگر میں اپنی توہین برداشت نہیں کر سکتی... اوور۔"

"مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم ڈینی کے ساتھ مل گئی ہو۔ وہ لائیڈز کالج کے سانحے میں مرا نہیں تھا بلکہ زندہ سلامت لندن میں موجود ہے مگر میں پھر بھی تمہیں مصالحت کی پیش کش کر رہا ہوں... اوور۔"

داؤد کے وہ الفاظ سن کر میں اپنی جگہ سُن ہو کر رہ گیا۔ میری تمام تر احتیاط اور رازداری کے باوجود وہ لوگ میرے زندہ بچ نکلنے کی خبر سے آگاہ ہو چکے تھے اور یہ بات یقینی تھی کہ کوئی بھی موقع ملنے پر وہ مجھے گھیرنے کی سفاکانہ کوششوں کا آغاز کر سکتے تھے۔

"یہاں والے اپنے معاملات میں آزاد اور خود مختار ہیں تو میرے بارے میں تم اپنی پیش کش ان پر کیسے مسلط کر سکو گے... اوور۔" ویرا اُس سے مضحکہ اڑانے والے لہجے میں دریافت کر رہی تھی۔

"اپنا لہجہ درست کرو ویرا۔" داؤد کی آواز میں غصہ عود کر آیا۔ "یہ نہ بھولو کہ اگر تم کبھی مجھے جوابدہ نہیں رہی ہو تو میں بھی تم سے کم تر نہیں ہوں۔ میں جب چاہوں تمہاری گردن پکڑ سکتا ہوں... اوور۔"

"اسی وقت کوشش کیوں نہیں کرتے؟ اوور۔" ویرا کا لہجہ ہڈیاں سلگا دینے والا تھا۔

"یہ نہ سمجھو کہ تم میرے آدمیوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نکل گئی ہو۔" ویرا کے اندازِ گفتگو پر وہ میری توقع کے عین مطابق مشتعل ہو گیا تھا۔ "تم ایک لمحے کے لیے بھی میری دسترس سے نہیں نکل سکی ہو۔ آج صبح ڈینی تمہارے پاس تھا۔ وہ پہر تم نے آرنک کے ساتھ گزاری ہے اور اب شاید سرے کے قرب و جوار میں ہو۔" اسٹریٹ لیمپس کے گھٹتے بڑھتے انعکاس میں میں نے دیکھا کہ ویرا کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا تھا۔

"ڈینی تمہارے ساتھ ہے اور آرنک کا درباری مصاحب پیچھے دوسری گاڑی میں ہے۔" ٹرانسمیٹر کے ریسیور پر داؤد کی غصیلی آواز اُبھر رہی تھی۔ "میں جب چاہوں تمہیں اپنے قدموں میں جھکا سکتا ہوں، اوور۔"

چند ثانیوں کے لیے ویرا کی قوتِ گویائی سلب ہو کر رہ گئی اور کار میں صرف انجن کا دھیما شور یا ہلکی ریڈیائی آوازیں باقی رہ گئیں اور اس گونج میں میرا ذہن تیزی کے ساتھ کام کر رہا تھا۔

داؤد ان لوگوں میں سے نہیں تھا، جو اپنے دشمن پر برتری حاصل کرنے کا کوئی بھی موقع ضائع کرتے ہیں، وہ واقعی ویرا کے بارے میں ہر بات سے واقف تھا اور شاید اس سے آگے بھی بہت کچھ جانتا ہو کیونکہ وہ ہماری سرے کی طرف روانگی سے بھی باخبر تھا مگر یہ بات حیرت انگیز تھی کہ اس باخبری کے باوجود اس کا کوئی آدمی ویرا سے نہیں ٹکرایا تھا۔ داؤد سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ ساری معلومات حاصل کر لینے کے بعد کسی عملی کارروائی سے گریز کرتے ہوئے محض ٹرانسمیٹر پر ویرا سے رابطہ قائم کرنے کی ناکام کوشش کرتا رہا تاکہ اُسے اپنی معلومات سے مرعوب کر کے واپس آنے پر مجبور کر سکے۔

جو کچھ وہ غصے میں بتا گیا تھا، اس کے بعد تو اُسے مجھ کو پوری قوت کے ساتھ پیس ڈالنے کی کوششیں کرنا چاہیے تھیں لیکن وہ فرینکی جیسے اہم آدمی سے ہاتھ دھونے کے بعد بھی خاموش تھا۔ اس کا وہ رویّہ میرے لیے ناقابلِ فہم بلکہ انتہائی غیر فطری تھا، جس کا سبب اندھیرے میں تھا۔

"ٹرانسمیٹنگ بٹن چھوڑ دو ویرا۔" میں نے پُرسکون رہنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا، اس لمحے مجھے یہ خوف نہیں رہا تھا کہ میری آواز داؤد کے کانوں تک پہنچنے کا امکان بھی تھا کیونکہ اسے ویرا کے ساتھ میری موجودگی کا علم تھا۔

معاً اس کے آخری دو فقرے میرے ذہن میں چھناکا کر گئے۔ میرے ویرا کے ساتھ جانے کا فیصلہ بہت تاخیر سے ہوا تھا۔ ویرا سے فون پر جو بات ہوئی اس میں ساری تجویز میں نے ہی پیش کی تھی اور میری یادداشت کے مطابق ویرا نے جواب میں فون پر جو کچھ کہا اُس سے پروگرام میں تبدیلی کا صحیح اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ویرا کے ہوٹل سے گیراج تک ہونے والی گفتگو بھی داؤد نے سُنی تھی اور وہ ہر اس بات سے باخبر معلوم ہو رہا تھا، جو ویرا کی موجودگی میں ہوئی تھی کیونکہ ہوٹل میں ہماری گفتگو سُننے والا کوئی چوتھا فرد موجود نہیں تھا، اس لیے میرے ذہن میں پہلا شبہ یہی پیدا ہوا کہ کہیں ویرا نادانستگی میں کوئی طاقتور لاسلکی ڈکٹا فون نہ لیے پھر رہی ہو جس کے ذریعے اس کے ساتھ میری ہونے والی ہر بات کہیں سنی جا رہی ہو۔

"بازی اُلٹتی نظر آرہی ہے ڈینی۔" ویرا کی سُستی ہوئی آواز اُبھری۔ اُس نے شکست خوردہ انداز میں آپریٹس اپنی گود میں ڈال لیا تھا۔

"ابھی کچھ نہیں بگڑا۔" میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "وہ ابھی تک تمہاری قیام گاہ سے بے خبر ہے۔ میں نے ان لوگوں میں بہت وقت گزارا ہے اور میں دیکھ چکا ہوں کہ جدید ترین مواصلاتی شعبدے ہر وقت اُن کی دسترس میں رہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ تم نادانستگی میں کوئی طاقتور وائرلیس ڈکٹا فون لیے پھر رہی ہو، جو اس بدمعاش کی معلومات کا ذریعہ بنتا رہا ہے۔"

"میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ ایسی کوئی چیز نہیں ہے، جس پر ڈکٹا فون کا شبہ ہو سکے۔" ویرا نے مضمحل آواز میں جواب دیا۔

"تم لوگ کہاں غائب ہو؟ میں تمہارے جواب کا منتظر ہوں ویرا، اوور۔" ویرا کی گود میں پڑے ہوئے آپریٹس سے داؤد کی آواز اُبھری لیکن میں نے ویرا کا بازو دبا کر اُسے داؤد کی کال کا جواب دینے سے روک دیا۔

"اسے بکنے دو۔" میں نے بلند آواز میں ویرا سے کہا۔ "تم ذرا ذہن پر زور دے کر یہ بتاؤ کہ آج صبح جب فون پر تم نے مجھے اپنے پتے سے آگاہ کیا تو ایسی کون سی چیز تمہارے قریب نہیں تھی، جو پہلے ساتھ رہی ہو؟"

"وینٹی بیگ اُس وقت میرے ساتھ نہیں تھا۔ اُسے کمرے میں چھوڑ کر میں نے نیچے سے کال کی تھی کیونکہ کمرے کا انسٹرومنٹ خراب تھا۔" اُس نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"اور اُس بیگ میں سب تمہارے نجی استعمال کی چیزیں ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں پھر بھی تم چاہو تو دیکھ سکتے ہو۔"

میں نے ایک بار پھر وینٹی بیگ چھان مارا لیکن اس میں رقم، میک اپ کے سامان اور پستول کے علاوہ ذاتی استعمال کی چند نسوانی اشیا کے علاوہ کوئی مشتبہ چیز موجود نہیں تھی اور یوں آخرکار میری نگاہیں ویرا کی گود میں پڑے ہوئے آپریٹس پر مرکوز ہو گئیں۔

وہی ایک ایسی چیز تھی، جو غالباً داؤد سے ویرا تک پہنچی تھی اور اُس پر شبہ کرنا آسان نہیں تھا لیکن میں نے جیوا ہاؤس میں ایم ٹی تھری ہنڈریڈ جیسے طاقتور اور وسیع حیطۂ عمل والے ٹرانسمیٹر سے لے کر فوٹو سیل سے منسلک خودکار حفاظتی نظام تک بہت سی محیر العقول چیزیں دیکھی تھیں، اس لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ داؤد نے ویرا پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کے لیے اسی آپریٹس میں کوئی ڈکٹا فون نصب کرا دیا تھا، جو آپریٹس آف ہونے کے باوجود کام کرتا رہتا تھا اور اس قدر حساس تھا کہ سارے مکالمات من و عن دوسرے سرے پر منتقل کر دیتا تھا۔

میں نے ایک اہم فیصلہ کرتے ہوئے ویرا کی گود سے آپریٹس اُٹھا لیا۔ آپریٹس کے بارے میں اُسے اپنے شبہات سے آگاہ کیے بغیر میں نے براہِ راست داؤد سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ تم اس گاڑی میں ہونے والی تمام گفتگو لفظ بہ لفظ سُنتے رہے ہو لیکن دانستہ انجان بن کر ہمیں فریب دینے کی کوشش کر رہے ہو... اوور۔" میں نے خشک اور درشت لہجے میں کہا۔

"یہ اچھا ہوا کہ تم نے براہِ راست بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔" آپریٹس پر داؤد کی آواز اُبھری۔ "میرا خیال ہے کہ ویرا اپنی ساری چالاکی اور مکاری کے باوجود شروع سے تمہارے جال میں پھنستی چلی گئی اور اب تم اسے اس حد تک آگے لے گئے ہو کہ وہ خود کو تمہارے اشاروں پر ناچنے پر مجبور پاتی ہے... اوور۔"

"یہ تقریر میری بات کا جواب نہیں ہے، اوور۔"

"مجھے تمہاری ذہانت کا اعتراف ہے ڈینی... تمہاری سانسوں کی آواز بھی مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ویرا پر مجھے مارٹن کی موت کے بعد ہی سے شبہ تھا اور میں نے اُسے اس طرح بگ کرایا ہے کہ تم سر کے بل کھڑے ہو کر بھی ڈکٹا فون کا سُراغ نہ لگا سکو گے۔ تمہاری ذہانت ہماری نگاہوں میں تھی لیکن تنظیم سے بغاوت کی راہ اختیار کر کے تم نے نہ صرف اپنے لیے ترقی کے امکانات ختم کر لیے بلکہ بدترین سزا کے حق دار بن گئے ہو... اوور۔"

مجھے یک بیک اپنی آنتوں میں بل پڑتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔ اُس نے بگ کی موجودگی کا اعتراف کر لیا تھا۔ وہ ہماری سرے روانگی سے بھی باخبر تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ غزالہ کے بارے میں ویرا کے کمرے میں ہونے والی گفتگو سے بھی وہ حرف بحرف آگاہ تھا اور اُسے کوئی گھناؤنا کھیل کھیلنے کے لیے طویل مہلت مل چکی تھی۔

شاید وہ جیکب کے سرے والے مکان میں غزالہ پر بہت دیر پہلے ہاتھ ڈال چکا تھا لیکن اس کا اظہار نہیں کر رہا تھا۔ مجھے خوف آنے لگا کہ کہیں وہ مجھے اور ویرا کو مصالحت پر آمادہ نہ پا کر غزالہ کی ذات کو ترپ چال کے طور پر استعمال کرنے پر نہ تُل جائے۔

"اتنے بلند بانگ دعوے نہ کرو مسٹر داؤد! کہ بعد میں شرمندہ ہونے کی گنجائش بھی نہ رہے۔" میں نے اپنا لہجہ دانستہ دھیما رکھتے ہوئے کہا۔ "تم نے ایک دن کی مدت میں ڈکٹا فون ویرا کے بدن میں تو نہیں چھپایا ہو گا۔ مجھے چیلنج کرو گے تو ذرا سی دیر میں اس کا سُراغ لگا لوں گا... اوور۔"

"اسے چیلنج ہی سمجھ لو... اوور۔"

"چیلنج کے لیے کوئی شرط ضروری ہوتی ہے، شرط بتا کر مجھے صرف پندرہ منٹ دے دو، میں تمہارا بگ تلاش کر لوں گا، نہ کر سکا تو ویرا سے تعلق ختم کر دوں گا... اوور۔"

"تم مجھے کسی شرط کو پورا کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے، اس لیے شرط کے بغیر ہی کوشش کرو... اوور۔"

"سرے کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟ اوور۔" میں اپنی بے چینی پر مزید قابو نہ پا سکا۔

"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں کیا جانتا ہوں۔" غراہٹ نما طنزیہ ہنسی کے ساتھ اُس کی آواز اُبھری۔ "تم بلاوجہ ہی اپنا وقت اور پیٹرول برباد کر رہے ہو... اوور۔"

"اُسے ذرا بھی نقصان پہنچا تو یہ یاد رکھنا داؤد! کہ تم موت کی آرزو کرو گے لیکن تمہیں موت نہ مل سکے گی... اوور۔" میں نے غصّے سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"خود کو ہمارے حوالے کر دو۔ بس یہی ایک صورت اُسے بچا سکے گی ورنہ اس کے ساتھ جو کچھ ہو سکتا ہے، اس کے بارے میں سوچنا زیادہ مشکل کام نہیں ہے۔ تمہارے ساتھ ویرا بھی ہو گی۔ اکیلے آئے تو انجام کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا... اوور۔"

ویرا نے کار ڈرائیو کرتے ہوئے آپریٹس میرے ہاتھ سے چھین لیا اور بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔ "تم نے کوئی کمینگی کی تو میرے ہاتھ سے بچ نہیں سکو گے... تمہاری جسارتیں بڑھتی جا رہی ہیں، مجھے جلد از جلد تمہارا سدِباب کرنا ہو گا... اوور۔"

"میری باری بہت بعد میں آئے گی ویرا بے بی۔" داؤد کی آواز مضحکانہ تھی۔ "ایلن بریز اپنے چھ ساتھیوں کو لے کر کھلی اجازت کے ساتھ سرے گیا ہوا ہے۔ اس کے مزاج سے تم اچھی طرح واقف ہو۔ وہ تو کھلے بندوں تمہاری ہم نشینی کے قصے بھی گاتا پھرتا ہے۔ مجھے بس اس کی واپسی کا انتظار ہے، وہ کسی بھی لمحے آ سکتا ہے لیکن تم دونوں کے لیے میں وقت مقرر کر رہا ہوں۔ رات دس بجے تم دونوں نہتے ہو کر ٹاور ہل ٹیوب اسٹیشن کے باہر پڑی ہوئی چوبی بنچوں پر نہ پہنچے تو پھر میں دوسرے ذرائع اختیار کروں گا اور کسی کو مجھ سے شکایت کرنے کا حق نہیں رہے گا... اوور۔"

میں نے آپریٹس ویرا سے واپس لے لیا اور بے تابانہ انداز میں اس کی ساخت کا جائزہ لینے لگا۔

"اسے برباد نہ کر دینا۔" ویرا نے میرے تیور دیکھتے ہوئے کہا۔ "ان لوگوں سے رابطے کا یہی ایک ذریعہ رہ گیا ہے، جو قدرے محفوظ ہے، ورنہ ہمیں سامنے آنا پڑ جائے گا۔"

"دیکھتی رہو۔" میں نے ہیجان آمیز لہجے میں کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ حساس ڈکٹا فون اسی میں پوشیدہ ہے۔ اس سے نجات حاصل کر کے میں تمہیں اپنا پروگرام بتاؤں گا۔"

"تم واقعی بہت خبیث ہو ڈینی۔" آپریٹس پر داؤد کی آواز اُبھری۔ "مجھے اعتراف ہے کہ تم چیلنج جیت گئے۔ بہت شُور دماغ پایا ہے تم نے... اوور۔"

"شٹ اپ!" میں نے دانت پیستے ہوئے آپریٹس آف کر دیا۔

گاڑی میں چھوٹے مُنہ والا اسکرو ڈرائیور موجود نہیں تھا لہٰذا میں نے ویرا کا وینٹی بیگ اُلٹ کر اُس کے سامان میں سے ناخنوں کو رگڑنے والی فائل نکال کر باقی سامان دوبارہ بیگ میں ڈال دیا اور چند ہی منٹ میں آپریٹس کا عقبی کور علیحدہ ہو چکا تھا۔

بجلی سے دوبارہ چارج ہونے والی ننھی ننھی مگر طاقتور بیٹریوں کے قریب پلاسٹک کے ڈھانچے میں عام سگریٹ میں لگے ہوئے فلٹر کے سائز کا ایک چھوٹا سا پُرزہ بقیہ سرکٹ سے الگ ہی نظر آ رہا تھا۔ میں نے نیل فائل کی مدد سے اُسے باہر نکالا تو وہ کافی وزنی ثابت ہوا جیسے ٹھوس لوہے سے بنایا گیا ہو۔ اگلے سرے پر مائیکروفون کی طرح بہت حساس سیاہ جالی لگی ہوئی تھی۔ میں نے اُسے چٹکی میں دبا کر ویرا کو دکھایا پھر اُسے دہانے کے قریب لا کر بولا۔ "آخری بار اپنے ننھے سے ڈکٹا فون پر میری آواز سُن لو داؤد! تمہاری مکاری کا یہ شاہکار اب سڑک پر جا رہا ہے۔" اپنا فقرہ مکمل کر کے میں نے ڈکٹا فون کھڑکی سے باہر پھینک دیا اور خود اطمینان کے ساتھ آپریٹس کا کور لگانے میں مصروف ہو گیا۔ اس وقت میرا ذہن مسلسل غزالہ میں ہی اُلجھا ہوا تھا۔

"اوہ خدا۔" ویرا تھکی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔ "تم یقین کرو ڈینی! کہ میں بالکل بے قصور ہوں، مجھے آپریٹس پر ذرا بھی شبہ نہیں تھا، میں بے خبری میں اسے ساتھ لیے پھرتی رہی ہوں۔"

"تم بچ گئیں، اگر فون پر مجھے ٹیوڈر ہوٹل کا پتا بتاتے ہوئے آپریٹس تمہارے قریب ہوتا تو صبح میرے پہنچنے سے قبل وہ لوگ تمہیں بے بس کر کے لے گئے ہوتے مگر افسوس اس بات کا ہے کہ ہم بے خبری میں غزالہ کے خلاف اپنے دُشمنوں کے مخبر بن گئے۔ نہ جانے وہ بے چاری اب کہاں اور کس حال میں ہو گی۔"

"وہ آسانی کے ساتھ ان کے قابو میں نہیں آئے گی۔" ویرا پُراعتماد لہجے میں بولی۔ "دو خون کرنے کے بعد وہ بہت بدل چکی ہو گی۔ اُسے اپنے سائے پر بھی اعتبار نہیں رہا ہو گا۔ ایلن بریز بہت درندہ صفت اور عیاش آدمی ہے لیکن غزالہ اُسے ناک چنے چبوا دے گی... میرا تو خیال ہے کہ اب ہمیں سرے کا ارادہ ترک کر دینا چاہیے۔ وہاں جو ہونا تھا ہو چکا ہو گا۔ داؤد کو علم ہے کہ ہم اسی طرف جا رہے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ جھلا کر ہمیں گھیرنے کی کوشش کر ڈالے۔ موجودہ حالات میں ہمارا یہ سفر بہت خطرناک ہو سکتا ہے۔"

"لیکن ہم سفر جاری رکھیں گے۔" میں نے کہا۔ "میں صبح تک اخبارات کا انتظار نہیں کر سکتا۔ اگر وہاں کچھ ہونے والا تھا تو ہمیں اپنی آنکھوں سے نتائج کا مشاہدہ کرنا چاہیے تاکہ داؤد کی دس بجے والی دھمکی کے بارے میں کوئی مؤثر فیصلہ کیا جا سکے۔ میں غزالہ کو یوں بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتا۔"

سلطان شاہ پورے راستے مناسب فاصلے سے ہمارے پیچھے لگا رہا۔ ویرا نے بھی عقب نما آئینے میں اُس کی کار کی روشن بتیوں کا خیال رکھتے ہوئے بھیڑ بھاڑ والے مقامات پر اپنی کار کی رفتار سُست رکھی تھی کہ سلطان شاہ کو اس کا پیچھا کرنے میں کوئی دُشواری نہ ہو۔ وہ اپنی جگہ ان تبدیلیوں سے قطعی بے خبر تھا، جو سفر کے دوران میں رُونما ہو چکی تھیں، جن میں سب سے بڑا خدشہ غزالہ کی اسیری کا تھا اس کے بعد داؤد کے آدمیوں سے ہمارے کسی تصادم کے امکان کی باری آتی تھی۔

اس کشادہ لیکن ویران اور تاریک سڑک کے دونوں طرف مکانات ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر بنے ہوئے تھے۔ درمیانی جگہوں پر کہیں گھاس اور کیاریاں نظر آتی تھیں اور کہیں سنگلاخ زمین جو اس علاقے کے قدرتی حُسن کو چار چاند لگا رہی تھی۔

مکانات سڑک سے خاصے دُور ہٹ کر بنائے گئے تھے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ سب کئی کئی ایکڑ کے قطعاتِ اراضی ہوں جن کا بیشتر حصہ خالی چھوڑ کر زمین کے تقریباً وسط میں مکانات بنائے گئے ہوں۔

بہت بڑے موڑ کی صُورت میں گھومتی ہوئی اس سڑک پر تیز رفتاری کے ساتھ ہمارا سفر جاری تھا کہ اچانک پوری زمین ایک دھماکے کے ساتھ لرز اٹھی۔ دھماکے کے نتیجے میں ویرا کی کار آندھی کی زد میں آتے ہوئے کسی حقیر تنکے کی طرح یوں ڈگمگائی تھی جیسے کسی دیو پیکر عفریت نے اُسے جھنجوڑ کر رکھ دیا ہو۔ اگر وہ تیزی کے ساتھ کار کی رفتار کم نہ کرتی تو یقینی طور پر کار سڑک سے اُتر کر کسی چیز سے ٹکرا کر تباہ ہو گئی ہوتی۔

"نہ جانے آج کیا ہونے والا ہے۔" ویرا کار کو دوبارہ صحیح سمت میں ڈالتے ہوئے بڑبڑائی۔ "ہم اب جیکب کے مکان کے بہت قریب آ چکے ہیں۔"

"مجھے ڈر ہے کہ یہ دھماکا وہیں نہ ہُوا ہو۔ داؤد کے آدمی مایوسی کے عالم میں کوئی بھی قدم اُٹھا سکتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"اگر یہ دھماکا وہیں ہوا ہے تو مجھے ایک بات کی خوشی ہے کہ کھیل ابھی تک جاری ہے۔ داؤد کے آدمی غزالہ پر آسانی کے ساتھ ہاتھ نہیں ڈال سکے۔"

"لیکن اس دھماکے کے بعد کھیل کیا رہ گیا ہوگا؟" میں نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "یہ تو بالکل آخری کارروائی معلوم ہوتی ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ یہ دھماکا غزالہ نے ہی کیا ہو۔" ویرا چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد پُرخیال لہجے میں بولی۔

"کیوں بہلا رہی ہو؟" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "وہ اپنی جان بچا کر بھی رہی ہے، اُسے بارُود کہاں سے مل سکے گا؟"

"جیکب ایک زمانے میں آرتھر ری پبلک آرمی کا سرگرم کارکن تھا اور بارُودی اشیاء میں مہارت کی وجہ سے وہ دہشت گردی سے متعلق ایک شعبے کا سربراہ بھی تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اُسی نے کوئی بندوبست کیا ہو۔"

"اُسے الہام تو نہیں ہو سکتا تھا کہ ایلن بریز اپنے چھ آدمیوں کے ساتھ اس پر چڑھ دوڑے گا۔"

"یہ تم اس لیے کہہ رہے ہو کہ تفصیلات سے بے خبر ہو۔ میں نے اُسے بتا دیا تھا کہ غزالہ کے بارے میں کوئی غفلت یا کوتاہی برداشت نہیں کروں گی۔ ہو سکتا ہے کہ کاؤنٹری کے واقعے کے بعد جیکب نے صُورتِ حال کی سنگینی کو بھانپ کر سرے میں غزالہ کو اس طرح مسلح کیا ہو کہ وہ ہر حال میں اپنا دفاع کر سکے۔"

"تمہاری باتیں میرے لیے ناقابلِ فہم ہیں۔"

"اس وقت شاید تمہارا ذہن کام نہیں کر رہا۔" وہ نرم لہجے میں بولی۔ "ذرا سا غور کرو تو یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے کہ ایک بے بس لڑکی پر چڑھائی کرنے والے سات سُورماؤں نے زورِ بازو کے علاوہ صرف اپنے خودکار اسلحے پر ہی اعتماد کیا ہو گا کیونکہ اُن کی مہم بہت معمولی تھی۔ انھیں بارُود، ڈیٹونیٹر اور بم ساتھ لانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔"

"خیر، جو کچھ بھی ہے ابھی سامنے آ جائے گا۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کہا۔ "وہ مکان اب کتنی دُور رہ گیا ہے؟"

"بس اگلے موڑ کے بعد نظر آنے لگے گا۔"

اور چند منٹ کے بوجھل اور اعصاب شکن سکوت کے بعد آخر ویرا کے حلق سے تحیّر آمیز آواز نکل گئی کیونکہ موڑ گھومنے کے بعد اُدھر بائیں طرف فضا میں غبار اور دُھوئیں کے بادلوں میں شعلے بھڑکتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

"یہی جیکب کا مکان ہو سکتا ہے۔" ویرا اضطراری لہجے میں بولی۔ "میرے خدا! دُور سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ مکان ہی دھماکے سے اُڑا دیا گیا ہو۔"

ہمارے لیے وہ صُورتِ حال بہت اعصاب شکن اور صبر آزما تھی۔ مطلوبہ منزل ہمارے سامنے تھی اور وہاں جو تباہی نازل ہوئی تھی وہ بھی سامنے ہی تھی لیکن ہم اپنے تمام تر تجسس اور بے چینی کے باوجود اُدھر کا رُخ نہیں کر سکتے تھے کیونکہ ان اطراف میں داؤد کے سات بدمست غنڈوں کی موجودگی ہمارے علم میں تھی اور اگر تمام بہترین امکانات غزالہ کے حق میں شمار کر لیے جاتے تو بھی یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ ایک دھماکے سے ان ساتوں کو گرانے میں کامیاب ہو گئی ہو گی۔ ان میں سے اگر ایک بھی صحیح سلامت تھا تو وہ یقینی طور پر کسی زخمی بھیڑیے کی طرح تاریکی کی آڑ میں کسی شکار کا منتظر رہا ہو گا۔

داؤد نے ویرا سے جس انداز میں ایلن بریز کا ذکر کیا تھا، اس کی روشنی میں قوی امکان تھا کہ اس کے ساتھی بھی ویرا کو بخوبی پہچانتے رہے ہوں جبکہ ہم اس وقت کوئی نیا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھے۔

دھماکے کے باعث قرب و جوار سے لوگ جائے واردات پر پہنچنا شروع ہو گئے تھے۔ سڑک کے کنارے کئی گاڑیاں کھڑی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ "رُکے بغیر آگے بڑھتی رہو۔" کار کی رفتار سُست پڑتے ہی میں نے ویرا کو مشورہ دیا اور اُس نے دوبارہ رفتار بڑھانا شروع کر دی۔

"غنیمت ہے کہ یہ فیصلہ تم نے کیا۔ میں تو یہ کہتے ہوئے ڈر رہی تھی کہ کہیں تمہاری کھوپڑی ہی نہ اُلٹ جائے۔" وہ ایک گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔

چند ہی منٹ میں ہم آگ اور دُھوئیں میں لپٹے ہوئے جیکب کے مکان سے آگے نکل گئے۔

"اب کہیں گاڑی روک کر ہمیں سلطان شاہ کو صُورتِ حال سے آگاہ کر دینا چاہیے، ورنہ وہ اس بے مقصد بھاگ دوڑ سے اُکتا جائے گا۔ اس کی دانست میں ہم ابھی تک صرف ڈرائیونگ ہی کرتے رہے ہیں۔" ویرا نے کچھ دیر کے پُرہول سکوت کے بعد زبان کھولی۔

"اس راستے پر رُکنے میں خطرہ ہے۔ دھماکے نے دُور دُور تک لوگوں کو چوکنا کر دیا ہو گا۔ کسی کی بھی نگاہ پڑ گئی تو پولیس کو علاقے میں دو مشتبہ گاڑیوں سے آگاہ کر دے گا۔" اس نے سوچتے ہوئے کہا۔ "ویسے سلطان کو باخبر کرنا بھی ضروری ہے۔ اگلے کسی موڑ سے میں گاڑی عقبی راستے پر ڈال دوں گی۔"

اگلے کراسنگ سے ویرا نے کار بائیں طرف ایک چھوٹی سڑک پر موڑ لی اور ہم یک بیک گھنے درختوں کے درمیان آ گئے۔ اس سڑک پر سفر کر کے ہم غالباً جیکب کے مکان کے عقب میں پھیلے ہوئے جنگل کے پار نکل کر اپنا واپسی کا سفر جاری رکھ سکتے تھے۔

پھر ویرا نے اچانک ہی سختی کے ساتھ بریک لگائے تھے اور عقب نما آئینے میں دیکھتے ہوئے اضطراری طور پر بڑبڑائی تھی۔ "اوہ، یہ کون دیوانہ درمیان میں آ گیا؟"

میں نے بے اختیار سر پیچھے گھمایا اور میرا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔

سلطان شاہ کی کار کے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی میں دونوں گاڑیوں کے درمیان پتلی سڑک کے وسط میں ایک قوی ہیکل شخص دونوں بازو پھیلائے کھڑا تھا اور سلطان شاہ کی کار کی رفتار دم توڑ رہی تھی۔

"ٹھہرو، میں گاڑی پیچھے لیتی ہوں۔" مجھے نیچے اُترنے پر آمادہ پا کر ویرا نے تیز آواز میں کہا۔

"حماقت نہ کرو۔ گاڑی سڑک سے اُتار کر انجن اور بتیاں بند کر دو۔" میں نے سختی سے کہا۔ "وہ سمجھ رہا ہے کہ ہم رُکے بغیر آگے نکل گئے ہیں۔ ہماری طرف سے مداخلت کا اندیشہ ہوتے ہی وہ خطرناک ہو سکتا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے میں اپنا ریوالور نکالتا ہُوا گاڑی سے اُتر گیا اور پنجوں کے بل اس خبیث کی طرف دوڑ لگا دی، جس کا بھیانک سایہ سڑک پر دُور تک کسی عفریت کی طرح پھیلا ہُوا تھا۔

وہ غالباً مسلح تھا اور اس کے تیور تو بہرحال دوستانہ نہیں معلوم ہوتے تھے۔ اس کا رُخ سلطان شاہ کی طرف تھا اور سلطان شاہ میرے مقابلے میں اجنبی کے عزائم سے زیادہ باخبر تھا۔ اس نے گاڑی لہرا کر بچتے ہوئے آگے گزرنا چاہا لیکن وہ شخص جھپٹ کر ادھر بھی کار کے سامنے آ گیا اور سلطان شاہ کو اپنی کار روک دینا پڑی۔

اس وقت تک میں ہیڈ لیمپس کی روشنی سے بچتے ہوئے لمبے لمبے قدموں سے دوڑتا ہُوا اُس کے خاصا قریب پہنچ گیا تھا اور ضرورت پڑنے پر بہ آسانی اس کا نشانہ بھی لے سکتا تھا مگر اُسی لمحے وہ جست لگا کر سلطان شاہ کے برابر والی نشست کے دروازے پر پہنچا۔ سلطان شاہ اس کے اسلحے کی للکارتی ہوئی نال سے بے بس ہو کر دروازہ غیر مقفل کر چکا تھا لہٰذا وہ دروازہ کھول کر اندر گھس گیا۔

اس سے پہلے کہ وہ سلطان شاہ کو روانہ ہونے پر مجبور کرتا، میں سلطان شاہ کے سر پر پہنچ گیا اور اُن دونوں میں سے کسی کو بھی بطورِ خاص مخاطب کیے بغیر ہینڈز اَپ کا نعرہ بلند کر دیا۔

اندھیرے کیبن میں اس شخص کی آنکھیں کسی وحشی درندے کی پیاسی آنکھوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ میری آواز سنتے ہی اُس نے بے دریغ میری طرف فائر جھونک مارا۔ کھٹ کی ہلکی سی آواز کے ساتھ اس کے سائیلنسر لگے ہوئے پستول کی نال سے بارُود کا شعلہ لپکا اور کُھلی ہوئی کھڑکی میں سے نکل کر اندھیرے میں تحلیل ہو گیا۔ اگر میں نے تیزی کے ساتھ ایک طرف جُھک کر خود کو نہ بچایا ہوتا تو کھوپڑی صاف اُڑ گئی ہوتی۔

"چلو۔" اجنبی کی خوفناک غراہٹ میرے کانوں سے ٹکرائی۔ سلطان شاہ کو شاید اس وقت مجھ سے کسی معجزے کی اُمید تھی کیونکہ کار رینگتی ہوئی آگے بڑھی تھی۔ میں اگر چاہتا تو اسی لمحے کار کے کم از کم دو ٹائر ناکارہ کر کے اجنبی کو فرار ہونے سے روک سکتا تھا لیکن میں نے اس خیال کو عملی جامہ نہ پہنایا۔

لحظہ بھر کے لیے اس کی ایک جھلک دیکھ کر ہی میں نے اس پر چھائی ہوئی وحشت اور بربریت کا اندازہ لگا لیا تھا۔ وہ بظاہر زخمی نظر آ رہا تھا کیونکہ اُس کے چہرے پر سفّاکی کے ساتھ ہی کرب کی پرچھائیاں بھی نظر آئی تھیں۔ عین ممکن تھا کہ کسی بھی ناکامی پر وہ جھلا کر بے مقصد ہی سلطان شاہ کی کنپٹی میں پگھلا ہُوا سیسہ اُتار دیتا۔

میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ اس کا جیکب کے مکان پر ہونے والے دھماکے سے کسی نہ کسی طرح گہرا تعلق تھا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اُس نے دھماکے میں زخمی ہونے کے باوجود اوسان برقرار رکھتے ہوئے مین روڈ کی طرف جانے کے بجائے عقبی جنگل سے نکل کر فرار کا فیصلہ کیا ہو۔

ویرا کی کار کی طرف دوڑتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ جیکب کے

قتل کے بعد اُس کے مکان سے بس غزالہ کا تعلق باقی رہ گیا تھا یا داؤد کے ذریعے ایلن بریز اور اُس کے ساتھیوں کا ذکر کیا تھا اور قوی امکان یہی تھا کہ بے آواز پستول کے زور پر سلطان شاہ کو لے جانے والا ایلن کا ساتھی ہو۔

"وہ اُسے لے گیا اور تم مُنہ دیکھتے رہ گئے" وہ مجھے آتے دیکھ کر دُور ہی سے بولی۔

"وہ بہت زیادہ مشتعل اور بِھرا ہُوا تھا۔ ذرا سی بھی مزاحمت ہوتی تو خون ریزی پر اُتر آتا۔ میرے پہنچتے پہنچتے وہ سلطان شاہ کو پستول کی زد پر لے چُکا تھا" میں نے کار میں سوار ہوتے ہوئے کہا۔ "اب جلدی چلو، ضروری نہیں کہ وہ لندن ہی جانے کا ارادہ رکھتا ہو"

سلطان شاہ کے گزر جانے کے بعد ویرا اپنی سیاہ کار کا انجن اسٹارٹ کر چکی تھی۔ میرا اشارہ پاتے ہی اُس نے کار تیزی سے آگے بڑھا دی، اسی کے ساتھ اگلی کار کی معدوم ہوتی ہوئی عقبی سُرخ روشنیاں بتدریج واضح ہونے لگیں۔

"مَیں نے اس کی بس ایک جھلک ہی دیکھی تھی۔" ویرا پُرجوش لہجے میں کہہ رہی تھی "میرا خیال ہے کہ وہ ایلن بریز ہی تھا اور یہاں سے اپنے زخم چاٹتا ہُوا واپس بھاگ گیا ہے"

"اس کا مطلب ہے کہ غزالہ بھی اب اس مکان میں نہیں رہی ہو گی" مَیں نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا "ہو سکتا ہے کہ وہ بھی راستے کی تلاش میں جنگل میں بھٹک رہی ہو"

"اس وقت ہم اس کا انتظار نہیں کر سکتے۔ ایلن کو مہلت دی گئی تو وہ سلطان شاہ کو مار ڈالے گا۔ تم اُسے یہیں زیر کر لیتے تو ہم گاڑیاں نیچے اُتار کر جنگل میں چھپا سکتے تھے" وہ متاسفانہ لہجے میں بولی "بے سروسامانی کے عالم میں ایلن کے فرار سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس وقت ستارے غزالہ کا ساتھ دے رہے ہیں۔ وہ ہر مشکل مرحلے سے سُرخرو گزر رہی ہے۔ فی الحال اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دینا ہی مناسب ہو گا"

"تم بھول رہی ہو کہ مَیں اُسے کھونے نہیں، تلاش کرنے کے لیے آیا ہُوں" مَیں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"داؤد سے میرا پیچھا چھُوٹ گیا اور مَیں دوبارہ آزادانہ طور پر کام کرنے کی پوزیشن میں آ گئی تو یقین کرو کہ یہاں میرے اتنے وسائل ہیں کہ چوبیس گھنٹوں میں غزالہ کو تلاش کر لیا جائے گا۔ اُسے جیکب کے ذریعے اشارہ ضرور مل گیا ہو گا کہ تم کسی بھی وقت لندن پہنچنے والے ہو، وہ تم سے ملے بغیر یہ شہر نہیں چھوڑے گی"

بات کرتے کرتے اُس نے دھیمی آواز میں کار ریڈیو آن کر دیا، جس پر موسیقی کا پروگرام آ رہا تھا۔

"یہ کیا خرافات شروع کر دی، بند کرو اس لعنت کو" مَیں نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔

"مَیں موسیقی نہیں سن رہی۔ مجھے خصوصی بلیٹن کا انتظار ہے" اُس نے میرے لہجے کی نقل اُتارتے ہوئے کہا "کسی بھی لمحے مقامی ریڈیو اسٹیشن سے دھماکے کے بارے میں خبر نشر کی جا سکتی ہے۔ اس خبر سے ہمیں کم از کم فوری طور پر اصل صُورتِ حال کا اندازہ ہو جائے گا"

"میری ناکام مداخلت نے ایلن کو چوکنا کر دیا ہو گا" میں نے سگریٹ سُلگاتے ہوئے اضطراری انداز میں کہا "وہ اپنے تعاقب کے امکان پر بھی نظر رکھے گا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم سلطان شاہ کے لیے کیا کر سکیں گے؟"

"وہ بے ساختہ ہنس پڑی "مجھے بس اگلے کراسنگ کا انتظار ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ وہ سیدھا ہی جائے گا اور میں دوسرا راستہ اختیار کر کے تیز رفتاری سے دوبارہ اسی سڑک پر اس سے آگے نکل جاؤں گی۔ وہ احمق کی طرح پیچھے گھُورتا رہ جائے گا اور ہم آگے سے اُسے بلاک کر لیں گے"

مَیں نے محسوس کیا کہ وقت گزرنے کے ساتھ آہستہ آہستہ اس کی خود اعتمادی بحال ہوتی جا رہی تھی۔

اگلے کراسنگ پر وہی ہُوا، جس کی ویرا اُمید کر رہی تھی۔ سلطان شاہ کی گاڑی کراسنگ سے سیدھی نکلتی چلی گئی اور ویرا نے رفتار بڑھاتے ہوئے اپنی کار بائیں طرف گھمائی۔ ویرا نے مشاقانہ تیز رفتاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے چند موڑ کاٹے اور پھر اُسی سڑک پر کئی میل آگے نکل آئی، جس سے اُس نے راستہ کاٹا تھا۔

سڑک پر کافی پیچھے بس ایک ہی کار کے ہیڈ لیمپس چمک رہے تھے، جو میرے اندازے کے مطابق سلطان شاہ کی کار کے تھے۔

آگے نکل آنے کے بعد بس ایک ہی خطرہ تھا کہ اگر ایلن نے راستے میں اچانک ہی کہیں مُڑنے کا فیصلہ کر لیا تو ہمیں واپس گھُوم کر اُس تک پہنچنا دُشوار ہو جاتا۔ اس امکان کے پیشِ نظر ویرا نے سڑک کے اُسی سیدھے حصّے پر کارروائی کا آغاز کرنے کی نیت سے اپنی گاڑی کی رفتار کم کرنا شروع کر دی۔

"ڈیش بورڈ میں پلاسٹک کی گیندیں سی پڑی ہوئی ہیں، درمیانی فاصلہ کم رہ جائے تو دو گیندیں پیچھے سڑک پر اُچھال دینا، اس کے بعد کام آسان ہو جائے گا" ویرا نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"ان گیندوں میں کیا ہے؟" مَیں نے تاریک ڈیش بورڈ میں ٹٹولتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ در حقیقت گیس بم ہیں، جو ذرا سی ضرب لگنے پر بے آواز پھٹ جاتے ہیں۔ یہ بھاری گیس بم پھٹنے کی جگہ پر خاصے رقبے میں عام موسمی حالات میں دس بارہ منٹ تک اتنی مقدار میں موجود رہتی ہے کہ محض اس میں سے گزرنے پر آدمی بے ہوش ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ایلن کو زیر کرنے کی کوئی صُورت نہیں ہے"

"پھر تو سلطان شاہ بھی بے ہوش ہو جائے گا"

"امکان یہی ہے لیکن اسے اتنی مہلت مل جائے گی کہ گاڑی روک لے، کسی حادثے کا ڈر نہیں ہے۔ ایلن کے ہاتھ پیر باندھ کر دوسری گاڑی تم ڈرائیو کر لینا"

"اور یہ بے ہوشی کتنی دیر قائم رہے گی؟"

"زیادہ سے زیادہ آدھا گھنٹا... ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے پہلے ہوش میں آ جائیں"

پھر کیبن میں صرف ریڈیو سے اُبھرنے والی موسیقی کی دھیمی آواز باقی رہ گئی۔

"اب فاصلہ مناسب ہے" ویرا نے عقب نما آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا۔ مَیں نے گردن گھُما کر پچھلی گاڑی کا جائزہ لیا اور اپنی سمت کا شیشہ اُتار کر دو گیندیں ایک ساتھ پیچھے اُچھال دیں۔

دھوئیں کے وہ بے آواز بم پھینکنے کے بعد مَیں پیچھے کا جائزہ لینے کے لیے دوبارہ واپس مُڑا تھا لیکن وہاں فضا صاف تھی۔ سلطان شاہ کی کار کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں کہیں کوئی کثیف غبار نظر نہیں آ رہا تھا۔

میرے دیکھتے ہی دیکھتے سلطان شاہ کی کار سڑک پر لہرائی اور پھر یک بیک اُس کی رفتار کم ہوتے ہوتے صفر رہ گئی۔ اس کے ہیڈ لیمپس بدستور روشن تھے۔

ویرا نے اپنی کار روک کر تیزی سے ریورس کی اور پچھلی کار کے قریب لے گئی۔

"خدا کا شکر ہے" نیچے اُترتے ہی میں سلطان شاہ کی آواز سُن کر حیران رہ گیا "مجھے تشویش ہونے لگی تھی کہ تم لوگ کہاں رہ گئے ہو لیکن تم ہم سے آگے کیسے پہنچ گئے؟"

"یہ بتاؤ کہ تم ہوش میں کیسے ہو؟" ویرا نے نیچے آ کر تحیّر آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"مَیں نے سوچا کہ ایک وقت میں تمہارے لیے ایک ہی بے ہوش کافی ہو گا" وہ ہنستے ہوئے بولا "دراصل یہ اُلّو کا چرخا میری طرف متوجہ تھا اور میں سامنے دیکھ رہا تھا۔ میں نے اپنی گاڑی کی روشنی میں تمہاری کار سے گیندیں گرتے دیکھ کر ہی خطرہ بھانپ لیا تھا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اگلی کار میں تم لوگ ہو گے۔ پھر جوں ہی نتھنوں سے نامانوس سی میٹھی میٹھی بُو ٹکرائی، مَیں نے سانس روک لیا۔ چند ثانیوں بعد وہ بُو صاف ہوئی تو دوبارہ سانس لینے لگا۔

"پھر تمہاری کار کیوں لہرائی تھی؟" ویرا نے پوچھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے سلطان شاہ کی وضاحت پر پوری طرح یقین نہ آ سکا ہو۔

"اس گوریے کو کچھ اندازہ ہی نہ ہو سکا اور وہ گہرے گہرے سانس لیتا اچانک کسی لاش کی طرح میرے اُوپر آ رہا" اس نے اپنے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول کا سیفٹی کیچ چڑھاتے ہوئے کہا "گاڑی روک کر اُسے واپس اُس کی سیٹ میں ٹھونس رہا تھا کہ تمہاری کار رُک کر پیچھے آتی نظر آئی اور میں پستول سنبھال کر مقابلے کے لیے تیار ہو گیا۔

اس اثناء میں ویرا سلطان شاہ والی کار کی پسنجر سیٹ کے قریب پہنچ چکی تھی "میرا اندازہ درست تھا، یہ ایلن بریز ہی ہے" اُس کی مسرّت آمیز آواز سُنائی دی "اور مجھے خوشی ہے کہ یہ بُری طرح زخمی ہے۔ اس کا بایاں شانہ اور پوری آستین خون میں تر ہے"

بے ہوش شکار کا جائزہ لے کر اُس نے کیبن لائٹ بُجھا دی۔ پہلے میرا ارادہ اسی طرح سلطان شاہ کی کار میں منتقل ہونے کا تھا تاکہ ایلن ہوش میں آ کر اُس کے لیے دُشواریاں پیدا نہ کر سکے لیکن آخری لمحے پر مَیں نے اپنا ارادہ تبدیل کر دیا۔

اگر ایلن راستے میں ہوش میں آ جاتا تو اس سے ویرا کی موجودگی میں بازپُرس زیادہ سود مند ثابت ہو سکتی تھی لہٰذا اس کے سائیلنسر لگے ہوئے پستول پر قبضہ کرنے کے بعد میں نے سلطان شاہ کی مدد سے اُسے ویرا کی کار کی عقبی نشست پر ڈال دیا اور ڈکی سے رسّی کے چند مضبوط ٹکڑے لے کر اُسی کے برابر میں بیٹھ گیا۔

وہ ساری کارروائی کسی مداخلت کے بغیر نہایت سکون کے ساتھ مکمل ہوئی اور ہم ایک بار پھر پُرانی ترتیب کے ساتھ لندن کی طرف روانہ ہو گئے۔

ایلن بریز کے ہاتھ پیر باندھنے کے بعد میں نے اُس کی جیبوں سے بھرا ہُوا فاضل میگزین گولیوں کی ایک تھیلی سمیت نکال لیا اور پھر چلتی کار میں اگلی نشست پر ویرا کے پہلو میں پہنچ گیا۔

"کوئی ہوش میں لانے والی گیند ہو تو اب وہ بھی دے دو مجھے"

"فکر نہ کرو، یہ جلد ہی ہوش میں آ جائے گا" وہ تسلّی آمیز لہجے میں بولی "میں ویسے بھی واپسی کے لیے لمبا راستہ اختیار کروں گی تاکہ اس کا معاملہ راستے ہی میں نمٹ جائے"

"کہیں پولیس پارٹی ٹکرا گئی تو یہ بے ہوش قیدی ہم تینوں کو لے ڈوبے گا"

"فکر نہ کرو، یہ پاکستان نہیں ہے۔ یہاں پولیس بلاجواز شریف شہریوں کو روک کر ہراساں نہیں کرتی"

مَیں فوری طور پر کچھ نہ بول سکا۔ میرے ذہن میں وہ خبریں اُبھر آئیں جو پولیس کی عام کارکردگی سے متعلق تھیں۔ پُرنور بستیوں میں گنا ہوں کے جزیروں اور قحبہ خانوں سے بامعاوضہ چشم پوشی اختیار کرنے والے افسروں اور اہلکاروں نے بارہا شادی شدہ جوڑوں کو آوارگی کے جُرم میں زنداں کی سیر کرائی تھی اور نکاح نامے کے بغیر ان دُکھیاروں کی گلو خلاصی کی کبھی کوئی صُورت نہیں بن سکی تھی۔ مجرموں کے بدلے بے گناہوں کو اُلٹا لٹکا کر جُوتے کے زور پر ناکردہ گناہوں کا اقبالی بیان لینے کے واقعات بھی اِکا دُکا ہی تھے اور وہاں پولیس کی محتاط روی کا یہ عالم تھا کہ شریف

شہریوں کی آزادی کی آڑ میں ویرا جیسی مجرمہ بھی پناہ کی اُمید رکھتی تھی۔

"میں غزالہ کے بارے میں فکرمند ہوں، تمہارا ریڈیو بھی اس واردات کے بارے میں ابھی تک خاموش ہے۔"

"اور مجھے حیرت ہے کہ ایلین اس حال کو کیسے پہنچا۔ پتا نہیں تم لوگ کسی مٹی کے بنے ہوئے ہو کہ کسی کو خاطر میں ہی نہیں لاتے میرے لیے تمہارے ہاتھوں کالاہان کا قتل ہی کم حیرت ناک نہیں تھا کہ تم نے فرنیکی کو بھی ٹھکانے لگا دیا اور اب غزالہ ایک چھلاوا بنی ہوئی ہے۔ دیکھنے میں ایسی نازک لگتی ہے کہ پستول تھامے تو کلائی میں موچ آ جائے۔"

"بس بس، مجھے بہلانے کی کوششیں نہ کرو۔" میں نے اُسے خاموش کر دیا۔ "یہ سب اتفاقات ہیں، جن کے سہارے وہ زیادہ دن خود کو محفوظ نہیں رکھ سکتی۔"

اس کے بولنے سے قبل ہی ریڈیو سے موسیقی ختم ہو گئی اور اناؤنسر ایک اہم خبر نشر کرنے لگا۔

چند روز قبل ایسکیموز آرمز میں دوپہر کے کھانے کے وقفے کے دوران ذبح کر دیے جانے والے، وہاں کے بارٹنڈر، جیکب کے مکان میں جو عموماً ویران پڑا رہتا تھا، ایک ہولناک دھماکا ہوا، جو آتشگیر مادوں کے ماہرین کے ابتدائی اندازوں کے مطابق ٹرائی نائٹرو ٹولین یا بارود کا تھا، جو ڈائنامائیٹ کی شکل میں برآمدے کے کسی حصے میں پوشیدہ تھا۔ دھماکے سے عمارت کا اگلا حصہ مکمل طور پر تباہ ہو گیا تھا۔ آگ پر قابو پانے کی کوششیں جاری تھیں۔ اس اثنا میں اس ایک منزلہ مکان کے ملبے سے پانچ سفید فام مردوں کی مسخ شدہ لاشیں اور ایک بے ہوش زخمی کو نکالا گیا تھا۔ بظاہر وہ پانچوں براہ راست بارودی دھماکے کی زد میں آئے تھے، جس کے نتیجے میں ان کے بعض اعضا اُڑ گئے تھے۔ اس مکان کے قریب گھاس کے میدان میں ایک سیاہ کرسلر کار کھڑی ہوئی ملی تھی، جس کا کوئی دعوے دار نہیں مل سکا تھا۔ پولیس کا خیال تھا، کار کا تعلق مرنے والوں اور زخمی سے تھا۔ زخمی کو طبی امداد دی جا رہی تھی اس کے ہوش میں آنے پر اہم انکشافات کی توقع تھی۔

نشریے کے اختتام پر شہریوں سے اس معاملے میں پولیس کی مدد کی اپیل کی گئی تھی۔

خصوصی بلیٹن کے بعد ہی سرے کے علاقے میں سنگین جرائم کی شرح اور ان کے سدباب پر ایک پروگرام کا آغاز ہو گیا اور میں نے ریڈیو آف کر دیا۔

"میرا اندازہ درست ہی نکلا۔" ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "پوری خبر میں غزالہ کے بارے میں کوئی مبہم سا اشارہ بھی نہیں ہے۔"

"ایلین بریز کا نام بھی نہیں لیا گیا۔" میں نے کہا۔ "خدا کرے کہ غزالہ بھی کسی نہ کسی طرح اس علاقے سے نکلنے میں کامیاب ہو گئی ہو۔ جیکب کے مکان کے حوالے سے یہ قصہ بھی کاؤنٹری اور ایسکیموز آرمز کے واقعات سے مربوط کر لیا جائے گا اور وہ ناقابلِ بیان خطرات میں گھر جائے گی۔"

"تم احمق ہو۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "یہ کڑیاں ملنا اُس کے حق میں سود مند ہے۔ اس کا نام ابھی تک پولیس ریکارڈ پر نہیں آ سکا ہے۔ وہ سب نیلی آنکھوں والی سونیا کو ہی تلاش کرتے رہیں گے۔"

ریڈیو سے میں نے جو کچھ سُنا، وہ میرے لیے توقعات سے کہیں زیادہ سنگین تھا۔ پانچ لاشوں کے ساتھ ایک زخمی قیدی اور ایلین بریز کو شامل کر کے وہی تعداد بنتی تھی، جو داؤد کے بیان کے مطابق جیکب کے مکان پر دھاوا بولنے والوں کی تھی۔ اگر وہ سب غزالہ ہی کی کسی تدبیر کے نتیجے میں ہلاک اور زخمی ہوئے تھے تو غزالہ کی صلاحیتیں قابلِ رشک تھیں۔ وہ جیکب کے مکان میں تنہا پناہ گزین تھی۔ وہاں جانے والوں نے غزالہ کی انتقامی کارروائی کا نشانہ بننے سے قبل اسے چار دیواری سے باہر نکالنے یا خود اندر گھسنے کی ہر ممکن کوشش کی ہو گی، جس میں وہ بُری طرح ناکام رہے اور غزالہ نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے اُن سب کو ایک جگہ جمع ہونے پر مجبور کر کے اُن پر دھماکا خیز آتشگیر مادہ پھینکا یا برآمدے پر پہلے سے پوشیدہ کسی ڈائنامائیٹ کے اگنیشن سسٹم کو محفوظ فاصلے سے آن کر کے اُنھیں اپنے لہو میں نہانے پر مجبور کر دیا۔

جائے واردات سے فرار ہونے والے تعداد میں دو تھے جن میں سے ایک ظالم اور دوسرا مظلوم تھا اور دونوں ہی بظاہر پولیس یا قانون کی دسترس سے باہر نکل چکے تھے مگر تقدیر اٹل ہوتی ہے۔ ہوس اور بربریت کا پُجاری زخمی حالت میں اتفاقی طور پر ہمارے ہاتھ آ چکا تھا اور غزالہ کو رات کے گھور اندھیرے نے پناہ فراہم کر دی تھی۔ حالات جس رُخ بہہ جا رہے تھے، اس کی بنا پر اُمید یہی تھی کہ پولیس پوری تندہی کے ساتھ سونیا کی تلاش کی مہم میں مصروف رہے گی اور غزالہ کو ایک بار پھر کسی محفوظ ٹھکانے تک پہنچنے کی مہلت مل جائے گی۔

"کس قدر پُراعتماد تھا داؤد اپنے آدمیوں کے بارے میں۔" ویرا زہریلے لہجے میں بولی۔ "اب وہ ساری رات بیٹھا اُن کا انتظار ہی کرتا رہے گا۔"

"کیا وہ ریڈیو سُننے کا عادی نہیں ہے؟" میں نے سادگی سے دریافت کیا۔

اندھیرے میں وہ مجھے گھور کر رہ گئی۔

اسی لمحے مجھے داؤد کی دھمکی یاد آ گئی۔ اس نے آپریٹس پر گفتگو کرتے ہوئے ہمیں تنہا ہو کر رات دس بجے ٹاور ہل ٹیوب اسٹیشن کے باہر پڑی ہوئی چوبی بینچوں پر پہنچنے کا حکم دیا تھا۔ حکم عدولی کی صورت میں جن بدترین نتائج کی دھمکی دی گئی تھی، ان میں غزالہ کے ساتھ بدسلوکی کا پیغام پنہاں تھا۔ اگر اس رات غزالہ ایلین بریز یا اس کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئی ہوتی تو میری بازی ختم ہو جاتی اور مجھے غزالہ کی خاطر خود کو بے بسی کے عالم میں داؤد کے بھیجے ہوئے تیسرے درجے کے مقامی غنڈوں کے حوالے کرنا پڑ جاتا۔

اس بارے میں وہ اتنا پُریقین تھا کہ اس نے ہماری سرے روانگی کو وقت اور پٹرول کی بربادی قرار دیا تھا۔ شاید اسے توقع تھی کہ ہمارے سرے پہنچنے سے پہلے ہی وہاں کھیل ختم ہو چکا ہو گا اور اس کے آدمی غزالہ کو اپنا قیدی بنا کر لندن کی شہری حدود میں داخل ہو چکے ہوں گے۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ دس بجے ٹاور ہل اسٹیشن پر آئے گا؟" میں نے ویرا سے پوچھا۔

"ریڈیو سُننے کے بعد بھی دوڑا آیا تو اس سے بڑا احمق کوئی نہ ہو گا۔" وہ جلے کٹے لہجے میں بولی۔

میں ہنس پڑا۔ "مرچیں نہ چباؤ، اب میں سنجیدہ ہوں۔"

"میں بھی رنجیدہ نہیں ہوں۔" وہ بدستور اسی لہجے میں بولی۔ "سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ایسے کام وہ خود نہیں کرتا، اپنے گُرگوں کو دوڑانے کا عادی ہے۔"

"یعنی کوئی نہ کوئی ضرور پہنچے گا؟" میں نے اُسے منانے کے لیے تائید طلب لہجے میں سوال کیا۔

"امکان یہی ہے۔ وہ آخری نتیجہ سامنے آنے تک اپنے فیصلوں پر قائم رہتا ہے اور پورے اختیار کے ساتھ اس پر عمل بھی کراتا ہے۔" اس کا لہجہ قدرے مصالحانہ ہو گیا۔ "آخر تم کہنا کیا چاہ رہے ہو؟"

"کیوں نہ وہاں بھی چھاپا مارا جائے؟"

"میں بلاوجہ یہ خطرہ مول نہیں لوں گی۔ ہمارا وار کارگر رہا تو اس کا کوئی معمولی آدمی مارا جائے گا۔ ہم سے چُوک ہوئی تو اسے بہت بڑی کامیابی حاصل ہو گی، جس کا امکان زیادہ ہے۔ ہمیں تو احمقوں کی طرح ایک چوبی بینچ پر بیٹھ کر محض انتظار ہی کرنا ہے۔ اس کے آدمی کسی بھی سمت سے آ سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تعداد میں کئی ہوں اور ہم ان سے مقابلہ ہی نہ کر سکیں، وہ ہمیں چوہوں کی طرح گھیر لیں گے۔"

"میں اُسے ایلین بریز کے حشر سے آگاہ کر کے بس یہ جتانا چاہتا ہوں کہ وہ ہمارے سامنے بالکل بے بس ہے۔ اس کے وسائل ہمارا راستہ نہیں روک سکتے۔"

"بڑی آسان ترکیب ہے یہ جتانے کی۔ ایلین بریز کے کالر سے ایک رقعہ باندھ دو۔ ٹاور ہل اسٹیشن کے لیے ساتواں انجن اور بازپُرس کے بعد ایلین کی لاش کسی کوڑا گھر میں پھینک کر ٹرانسمیٹر پر داؤد کو آگاہ کر دینا کہ ایلین وہاں بے چینی کے ساتھ اس کا منتظر ہے۔"

"تمہاری یہ تجویز معقول ہے۔" میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ "یہ تو بتاؤ کہ کیا تم نے ایلین کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"یہ شخص کسی بھی وقت ہمارے خلاف ایک اہم گواہ بن سکتا ہے۔" وہ خشک لہجے میں بولی۔ "پھر وہ لوگ خود اپنے آدمیوں کو گاجر مولی سے زیادہ نہیں سمجھتے۔ تم میری پیش گوئی لکھ کر رکھ لو کہ جیکب کے مکان سے زخمی حالت میں گرفتار کیا جانے والا ہوش میں آ کر بیان دینے سے پہلے ہی مار ڈالا جائے گا اور اگر اس نے ہوش میں آ کر پولیس کے سامنے ایلین بریز کا نام لے لیا تو داؤد خود ہی ایلین کو بھی مروا دے گا۔ یہ لوگ اپنا اقتدار انسانی لاشوں کے سہارے قائم رکھتے ہیں، پھر کیوں نہ پہل کا فائدہ ہم خود ہی اُٹھائیں۔"

"تم تو اس طرح بات کر رہی ہو جیسے داؤد سدا سے یہیں رہ رہا ہو۔"

"اسے یہاں شی کا بے عمل مہمان نہ سمجھو، وہ اس کی مکاری تھی۔" وہ بولی۔ "یہاں بھی اسے وہی مراعات حاصل ہیں، جو پاکستان میں تھیں۔ مقامی بڑوں کے مشورے سے وہ اپنے فیصلے نافذ بھی کر سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ موجودہ مخصوص حالات میں ہماری بیخ کنی کے لیے خاصی نفری براہ راست اس کی تحویل میں دے دی گئی ہو۔"

"میں ایلین کی لاش کے ساتھ اپنی یا تمہاری کوئی تحریر چھوڑنے کے حق میں نہیں ہوں۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "اسے اب جلد ہی ہوش میں آنا چاہیے۔"

"پیچھے جا کر ہلانے جلانے کی کوشش کرو تو شاید جلدی آنکھیں کھول دے گا۔" اس نے کہا اور میں اس کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے عقبی نشست پر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد میری کوشش بارآور ہوئی اور ایلین نے مُنہ ہی مُنہ میں بڑبڑاتے ہوئے آنکھیں کھولیں اور سیٹ پر سیدھا ہونے کی کوشش کرنے لگا۔

بے دست و پا ہونے کی وجہ سے اُسے صورتِ حال کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی۔ اُس نے غراتے ہوئے مجھ سے میری اصلیت کے بارے میں سوال کیا تھا۔

"دوستوں میں سے ہوتے تو تم اس حال کو نہ پہنچے ہوتے۔" میں نے کہا۔

"چاہتے کیا ہو مجھ سے؟" اُس کی آواز دبنگ تھی، مجھے حیرت تھی کہ اس کی آواز میں بائیں بازو کے زخم کی تکلیف کا کوئی اثر نہیں تھا۔

"جہاں اور جس کام سے گئے تھے، اس کے بارے میں بلاکم و کاست سب کچھ بتاتے چلے جاؤ، اس سے آگے ہمیں کوئی غرض نہیں۔"

"شاید تمہیں علم نہیں کہ تم بے خبری میں کس سے اُلجھ بیٹھے ہو۔ یہ معاملہ بہت سنگین ہے، ہو سکتا ہے کہ یہ جسارت تمہیں مہنگی پڑ جائے۔ میرا مشورہ مانو تو میرے ہاتھ پیر کھول کر مجھے یہیں اُتار دو، میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے خونخوار ساتھیوں کو تمہاری مداخلت کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا اگر انھیں تمہارے بارے میں بھنک بھی مل گئی تو وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"اس سے نرمی سے بات مت کرو، یہ سیدھی طرح زبان کھولنے والوں میں سے نہیں ہے۔" ویرا نے سرد لہجے میں انگریزی میں کہا اور وہ ویرا کی آواز سنتے ہی مضطرب ہوگیا۔

"اوہ، کیا یہ مادام ویرا کی آواز تھی؟" اس نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"غنیمت ہے کہ تم نے آواز سے پہچان لیا لہٰذا اب جو کچھ پوچھا جا رہا ہے، اس کا جواب دیتے جاؤ، ورنہ میں بلاوجہ اپنا وقت برباد کرنے کی عادی نہیں ہوں۔" ویرا نے درشت لہجے میں کہا۔

"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ مجھے اس طرح کیوں باندھا گیا ہے؟" وہ احتجاج آمیز لہجے میں بولا۔ "مادام کو علم ہونا چاہیے کہ مجھے جو حکم دیا گیا تھا، میں اسی کی تعمیل کر رہا تھا۔"

"جو کچھ تم کرنے والے تھے، وہ شاید شی کے مفادات کے خلاف تھا؟" ویرا کی سرد آواز گونجی۔

"مفادات کے خلاف؟" اس کی آواز میں تحیر آمیز احتجاج تھا۔ "یہ تم کیا کہہ رہی ہو مادام؟ مجھے مسٹر ایکس نے اس کام پر مامور کیا تھا اگر اس سے کوتاہی ہوئی ہے تو میں اس کا ذمے دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ بڑوں کے غلط فیصلے کا عتاب نیچے والوں پر ڈالنا سراسر زیادتی ہے۔"

اس کی گفتگو سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس وقت بھی ویرا کو تنظیم کے بڑوں میں شمار کر رہا تھا۔ اسے علم نہیں تھا کہ پچھلی رات ویرا نے کھل کر باغیانہ روش اپنالی تھی۔

"مسٹر ایکس یہاں مہمان ہے۔" ویرا کی آواز میں شوگر کوئین کا تحکم پیدا ہوگیا تھا۔ "اس نے ذاتی عداوت میں اپنے اختیارات سے تجاوز کیا ہے۔ جواب طلبی اسی سے ہوگی مگر تمہارا بیان ضروری ہے۔"

"اوہ!" اس کے منہ سے ایک گہرا سانس برآمد ہوا۔ "اچھا ہی ہوا کہ میں اپنے مشن میں ناکام رہا۔ وہ لڑکی اٹھالی جاتی تو شاید میں بھی سزا سے نہ بچ پاتا کیونکہ مسٹر ایکس نے لڑکی کو زیر کرنے کے بعد مجھے اس پر پورے تصرف کی آزادی دے دی تھی۔ اب میری سمجھ میں آیا کہ یہ اس کا کوئی ذاتی معاملہ تھا، ورنہ ہم میں ایسا انعام کون کسی کو دیتا ہے۔"

بے اختیار میرا ہاتھ چل گیا۔ منہ پر بھرپور تھپڑ کھا کر ایلن بریز کے حلق سے غضب ناک غراہٹ آزاد ہوئی تھی۔ "یہ زیادتی ہے، مادام میں یہ توہین برداشت نہیں کر سکتا۔"

"تم بھول رہے ہو ایلن کہ اس وقت مجبور ہو... تم جس لڑکی کی بات کر رہے ہو، وہ رتبے میں مجھ سے کم نہیں ہے۔ کیا تم کسی کی زبان سے میری تضحیک برداشت کر سکو گے؟"

"یقیناً نہیں۔" وہ بڑبڑایا تھا۔ "غلطی میری ہے، مجھے محتاط رہنا چاہیے تھا۔"

"اب من وعن سب کچھ بتاتے چلے جاؤ۔" ویرا نے تندلہجے میں کہا۔

"مجھے پہلے ہی سمجھ لینا چاہیے تھا کہ وہ کوئی عام عورت نہیں۔" ایلن بریز کا لہجہ معتاسفانہ ہوگیا تھا۔ "ویسے تو تم مجھ پر اکثر مہربان رہی ہو لیکن تمہاری صلاحیتوں کا سب کو اعتراف ہے... مسٹر ایکس سے اس معاملے میں کڑی بازپرس ہونا چاہیے۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ سرے کے ایک مکان میں ایک خوبصورت ایشیائی لڑکی مقیم ہے، بس بالوں سے پکڑ کر اس کے قدموں میں لا ڈالنا ہے مگر وہ لڑکی... خدا کی پناہ، وہ چھلاوے سے کم نہیں تھی۔ وہ مکان میں ہر طرف سے محصور تھی اور مکان کے ہر آہنی حصے میں اس نے خطرہ بھانپتے ہی بجلی دوڑا دی تھی۔ اس نے ہمیں مکان سے دور رکھنے کے لیے ہم پر گولیاں بھی چلائیں، اس کے پاس کوئی بے آواز ہتھیار تھا پھر مجھ سے اشتعال کے عالم میں حماقت ہوئی اور میں نے اسے عام سی لڑکی سمجھتے ہوئے کمین گاہ سے بلند آواز میں دھمکی دی کہ وہ تنہا ہے اور ہم سات مردوں کا دیر تک مقابلہ نہیں کر سکتی۔ وہ اس کے باوجود کافی دیر تک مزاحمت پر تلی رہی۔ آخر کار ہم نے ایک انوکھی تجویز سوچی اور اس مکان کو بجلی فراہم کرنے والے تار کاٹ ڈالے۔ اندھیرا ہوتے ہی اس نے خوفزدہ ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے ہماری تعداد پر بے یقینی کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ میں اس کی چال کو نہ سمجھتے ہوئے اس سے بحث میں الجھ گیا اور بات یہاں تک آ گئی کہ اگر کسی نے اس کو چھونے کی کوشش بھی کی تو وہ اپنی زندگی کی پروا کیے بغیر سب کچھ تباہ کر دے گی۔ ہاں اگر ہم ساتوں برآمدے میں جمع ہو کر اسے اپنی تعداد اور نیک نیتی کا یقین دلا دیں تو وہ رضاکارانہ طور پر خود کو ہمارے حوالے کر دے گی۔ میں سوچ بھی نہیں سکا کہ وہ ہمیں گھیر رہی تھی۔ میں نے اسے فریب دینے کی نیت سے اس کی شرط تسلیم کر لی۔ براؤن ڈرتے ڈرتے سب سے پہلے برآمدے میں گیا لیکن اندھیری کھڑکیوں سے اس پر کوئی فائر نہیں ہوا تو یکے بعد دیگرے میرے باقی ساتھی بھی برآمدے میں پہنچ گئے مگر جب میں سب سے آخر میں سیڑھیاں طے کر رہا تھا، اچانک برآمدے میں خوفناک دھماکا ہوا۔ ملبے کے ٹکڑوں نے مجھے زخمی اور حواس باختہ کر دیا اور میں اپنے ساتھیوں کی دلدوز چیخوں کی پروا کیے بغیر اندھا دھند وہاں سے بھاگ نکلا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اس نے جہاں ہم سب کو اکٹھا کیا تھا، وہاں طاقتور ٹائم بم پوشیدہ تھا جس کا کنکشن بجلی نہ ہونے کی صورت میں کسی بیٹری سے منسلک تھا۔ میں دیوانہ وار انداز میں جنگل کی پتلی سی پٹی عبور کر کے عقبی سڑک پر نکلا تھا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا اس سے شاید تم بے خبر نہیں ہو۔"

میں اس کا بے آواز، بھرا ہوا پستول سنبھالے، اس کے پہلو میں اور خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی کہانی سنتے ہوئے غرور سے میرا سینہ پھولتا جا رہا تھا۔

"اس لڑکی کو اپنے لہجے پر پورا عبور تھا مادام!" وہ سحرزدہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ "اس کی آواز سے آخر تک یہی اندازہ ہوتا رہا کہ وہ خوفزدہ ہوگئی تھی۔ دھماکا ہونے تک ہم اپنی کامیابی کے بارے میں ہر طرح پر یقین تھے۔ پتا نہیں، خود اس کا کیا حشر ہوا ہوگا اگر دھماکے میں ذرا بھی تاخیر ہوتی تو شاید اس وقت میں تمہیں یہ کہانی سنانے کے لیے زندہ نہ ہوتا۔ میرے ساتھی مرے نہیں تو زندگی بھر کے لیے معذور ضرور ہوگئے ہوں گے۔"

لمحہ بھر کے سکوت کے بعد ویرا کی سپاٹ آواز ابھری۔ "ایلن کے ہاتھ پیر کھول دو، یہ بے قصور ہے۔"

اس کے نادرشاہی حکم پر میں سٹپٹا کر رہ گیا۔ تھوڑی دیر قبل وہ ایلن کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی اور اب مجھے اس کے ہاتھ پیر کھولنے کا حکم دے رہی تھی۔ ایلن کے جثے کو دیکھتے ہوئے مجھے پورا یقین تھا کہ ایک بار آزادی مل جانے کے بعد وہ نہتا ہوتے ہوئے بھی آسانی کے ساتھ زیر نہیں کیا جا سکے گا۔

مگر اس وقت وہ مادام ویرا یا شوگر کوئین کا روپ اختیار کر چکی تھی لہٰذا اس کے حکم سے سرتابی کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ میں نے ایلن کے ہاتھوں کی بندشیں کھولیں تو پیروں پر بندھی ہوئی رسی اس نے خود کھول ڈالی۔

"بہت بہت شکریہ مادام!" وہ سیٹ پر اپنی پوزیشن درست کرتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "مجھے تم سے ایسے ہی انصاف کی توقع تھی۔ میں بہت زیادہ زخمی ہوں، اجازت ہو تو سگریٹ سلگا لوں؟"

مادام کے دربار سے فوراً ہی اجازت صادر ہوگئی اور ایلن نے بے صبری کے ساتھ جیبیں ٹٹول کر سگریٹ سلگالی۔ اس نے میرے ہاتھ میں دبے ہوئے اپنے پستول کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا البتہ غور سے میرا جائزہ ضرور لیا تھا۔

"برا نہ مانو تو ایک سوال کر لوں مادام؟" سگریٹ کا دھواں اگلتے ہوئے اس نے سوال کیا۔

"آج تم موت کے منہ سے بال بال بچے ہو، تمہیں کھلی چھوٹ ہے۔" ویرا نے کہا۔

"یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ ہمارے معاملات میں یک بیک ایشیائی کیوں اتنے زیادہ فعال ہوگئے ہیں۔ کیا ہم لوگ معاملات سنبھالنے کے لیے ناکافی تھے؟"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی۔"

"مجھے اس مہم کے لیے ہلٹن کے بار میں آج شام ایک ایشیائی سے ہدایات ملیں، سرے والی عورت بھی ایشیائی تھی، تمہارا ساتھی بھی ایشیائی ہے، جس کار میں، میں نے زبردستی لفٹ لی تھی، وہ بھی ایک ایشیائی چلا رہا تھا بلکہ میرا تو اندازہ ہے کہ مسٹر ایکس بھی ایشیائی ہی ہے۔"

"مسٹر ایکس کے بارے میں کیسے اندازہ لگایا تم نے؟" ویرا نے موضوع فوراً محدود کر دیا۔

"فون پر اس نے مقامی لب و لہجہ اختیار کرنے کی کوشش کی تھی۔" وہ رسمی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "مگر تم جانتی ہو کہ یہ لوگ تلفظ میں عموماً مار کھا جاتے ہیں۔ اس نے مجھے مخصوص حلیے میں ہلٹن بار میں پہنچنے کی ہدایت کی تھی جہاں اس کا کوئی آدمی مجھے پہچان کر کام سے آگاہ کرتا لیکن میرا اندازہ ہے کہ ہلٹن بار میں مجھ سے ملنے والا خود مسٹر ایکس تھا۔ اس کے انداز کی برتری دیر تک میرے ذہن میں چبھتی رہی تھی لیکن تمہارے انکشاف نے میرا ذہن صاف کر دیا ہے۔"

"ذرا حلیہ تو دہراؤ ہلٹن بار میں ملنے والے کا۔" ویرا نے سپاٹ اور مشینی لہجے میں کہا اور وہ رک رک کر خدوخال سے لے کر اس کے لباس تک کی تفصیلات بتانے لگا جن میں میرے لیے کوئی دلچسپی نہیں تھی کیونکہ اس وقت تک میں نے داؤد کو سرے سے دیکھا ہی نہیں تھا۔

"تعارف کس نام سے ہوا تھا؟" ویرا کے سوال سے میں نے اندازہ لگایا کہ ایلن کی بتائی ہوئی تفصیلات اس کے لیے دلچسپ اور کارآمد ثابت ہوئی تھیں۔

"ڈی۔ اے خان نام بتایا تھا اس نے اگر اس کے دماغ میں برتری کا خناس نہ ہوتا تو اسے مخفف کے بجائے اپنا پہلا نام بھی بتانا چاہیے تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ مجھ سے فاصلہ برقرار رکھنے پر مجبور ہو... شاید وہ اپنے اس ذاتی جھگڑے کو کم سے کم لوگوں تک محدود رکھنا چاہتا تھا۔" وہ ہاتھ پیر کھل جانے پر بہت مگن نظر آ رہا تھا۔ اس خوشی میں وہ اپنے زخموں کی تکلیف بھی یکسر فراموش کر بیٹھا تھا۔

"پھر تمہیں چھ آدمیوں کو لے جانے کی اجازت کیوں دی؟"

"اس لڑکی سے بدترین انتقام کے لیے، جو اس کے لیے موت سے ذرا ہی کم ہوتا۔" وہ بولا۔ "پھر وہ اس مہم کو ہر قیمت پر کامیاب دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ تو میرے ستارے ہی یاور تھے کہ ناکام لوٹ رہا ہوں۔"

میں دل ہی دل میں اس کی احمقانہ سوچ پر ہنس کر رہ گیا۔ اس موود کو میں نے ایک سوچی سمجھی حکمت عملی کے تحت سلطان شاہ کی گاڑی سے اپنی کار میں منتقل کیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ویرا کی موجودگی میں اس سے بازپرس سودمند ہو سکے گی لیکن اس نے تو ویرا کی آواز سنتے ہی ایسے سحرزدہ معمول کا روپ اختیار کیا تھا کہ میں حیران رہ گیا تھا۔ ویرا کو بدستور تنظیم کے اہم مفادات کا نگراں سمجھتے ہوئے اس نے جس آسانی کے ساتھ سب کچھ بتا دیا تھا، وہ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ اگر اس واقعے کے بارے میں اس کی زبانی ساری تفصیلات میرے علم میں نہ آتیں تو غزالہ سے ملاقات ہونے تک میں اس بارے میں بدترین خلش کا شکار رہتا۔ مجھے یہ جان کر بے انتہا خوشی ہوئی تھی کہ برا

وقت آنے پر غزالہ نے خود کو ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کا اہل ثابت کیا تھا۔

"واپسی پر رپورٹ کیسے دو گے؟" ویرا نے اگلا سوال کیا۔ وہ بہت نرمی کے ساتھ کرید کرید کر اس سے کام کی باتیں پوچھتی جا رہی تھی اور وہ مادام ویرا پر اندھا اعتماد کرتے ہوئے سب کچھ بتاتا چلا جا رہا تھا۔

"فون پر اسی ڈی۔ اے خان سے رابطہ قائم کرنا ہوگا۔ وہ ہلٹن ہی کے کمرہ نمبر پانچ سو دس میں مقیم ہے۔" اس کے جواب پر میں دل ہی دل میں خوشی سے جھوم اٹھا۔ ہدایات دینے والے ایشیائی کے نام کے مخفف سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ شاید وہ داؤد احمد خان ہی رہا ہو اور اب ایلن نے اس کی قیام گاہ کا پتا بھی دے دیا تھا جس سے ویرا جیسی مکار اور باخبر عورت بھی ابھی تک لاعلم تھی۔

"تم بہت جلد خود کو ترقی پانے والوں کی صف میں دیکھو گے۔" ویرا نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا اور ایلن کے شکریے کے ساتھ کار میں سکوت چھا گیا۔

جب ویرا نے لندن کے مضافات میں ایک ویرانے میں کار روکی تو وہ یک بیک چوکنا نظر آنے لگا۔ چند گز پیچھے سلطان شاہ نے بھی اپنی کار روک دی تھی۔

"ہم یہاں کیوں رک گئے مادام؟" اس نے مضطربانہ لہجے میں پوچھا۔

"یہاں سے ہمارے راستے مختلف ہو جائیں گے، تم یہیں اتر جاؤ۔" ویرا کی آواز سرد اور پرسکون تھی۔

"مم... مگر میری حالت ابتر ہے۔" وہ تشویش زدہ لہجے میں ہکلایا۔ "میں زخمی ہوں، میری قمیص اور داہنی آستین خون میں تربتر ہیں۔ کسی کی نگاہوں میں آئے بغیر شہر میں کیسے داخل ہو سکوں گا۔ میرا خیال ہے کہ ابھی ہم لندن کے مضافات میں ہی ہیں اور شہر خاصی دور ہے۔"

"یہ تمہارا مسئلہ ہے ایلن۔" ویرا نے گردن گھما کر اپنے مخصوص اور سپاٹ لہجے میں کہا۔ "میں نہیں چاہتی کہ اس مرحلے پر تمہیں میرے ساتھ سفر کرتے ہوئے دیکھا جائے۔ اس خبر پر مسٹر ایکس چوکنا ہو سکتا ہے۔ تمہارا بیان بہت اہم ہے لیکن شی میں اس کا اپنا ایک مقام ہے۔ محض تمہارے بیان کو بنیاد بنا کر میں اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتی۔ ہمارا الگ ہو جانا خود تمہارے بھی مفاد میں ہوگا۔"

"جیسا تم چاہو، میرا پستول مجھے مل سکے گا؟" ایلن کا لہجہ شکست خوردہ تھا۔

"نیچے اترو تو گولی کھوپڑی میں اترنا چاہیے۔" ویرا نے میری طرف مخاطب ہوئے بغیر اسی لب و لہجے میں اردو میں کہا اور میرے وجود میں اطمینان کی لہر دوڑ گئی کہ ساری زبانی قلابازیوں کے باوجود ویرا کو ایلن کے بارے میں اپنا اٹل فیصلہ یاد تھا اور وہ اس بدمعاش کو کوئی رعایت دینے پر آمادہ نہیں تھی۔

"یہ لو۔" ویرا نے اپنا پستول اس کی طرف بڑھا دیا۔ "اب کوا[illegible] ہتھیار کی مجھے ضرورت ہے۔"

اس نے ویرا کے ہاتھ سے اس کا پستول لیا اور دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔ شاید اس کی چھٹی حس اسے خطرے کے امکان سے آگاہ کر چکی تھی کیونکہ وہ ہم دونوں پر سے نظریں ہٹائے بغیر الٹے قدموں پیچھے ہٹ رہا تھا۔ ویرا مخالف سمت میں تھی لہٰذا میں ایلن کی خالی کی ہوئی جگہ پر اس سمت کی کھڑکی کے قریب سرک آیا۔ ویرا کا پستول اس کے ہاتھ میں ایسی پوزیشن میں تھا کہ وہ بلاتامل ہم پر فائر کر سکتا تھا۔ مجھے ویرا پر شدید غصہ آیا کہ اس نے غیر ضروری فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے حریف کو آخری لمحات پر خود ہی مسلح کر دیا تھا۔

مگر میرے پاس وقت نہیں تھا لہٰذا میں نے کسی بھی خطرے کی پروا کیے بغیر نشانہ لے کر گولی چلا دی۔ ہلکے سے کھٹکے کے ساتھ چلی اور گولی اس کی پیشانی میں پیوست ہوئی تھی۔ اس نے لڑکھڑا کر گرتے گرتے بھی ہاتھ سیدھا کر کے دو بار ویرا کے پستول کا ٹرائیگر دبایا لیکن دونوں بار صرف ٹرائیگر کی آواز ابھر کر رہ گئی۔ شاید ویرا نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے سوچی سمجھی اسکیم کے تحت راستے ہی میں اپنے پستول کا میگزین خالی کر دیا تھا۔

گولی کھا کر ایلن ایک بھیانک چیخ مار کر کسی شہتیر کی طرح لہراتا ہوا زمین پر ڈھیر ہوا تھا۔ گرتے ہوئے ویرا کا پستول اس کی گرفت سے نکل گیا تھا اور تاروں کی روشنی میں نمایاں طور پر چمک رہا تھا۔

میں دروازہ کھول کر نیچے اترا اور پستول سمیت میرے کار میں داخل ہوتے ہی ویرا نے تیزی کے ساتھ سفر کے آخری مرحلے کا آغاز کر دیا۔ ایلن وہیں خاک پر پڑا، جانکنی کے عالم میں سسک رہا تھا اور میں ویرا کے پہلو میں براجمان تھا۔

"خس کم جہاں پاک۔" گاڑی کے رفتار پکڑتے ہی ویرا ہلکا سا قہقہہ لگا کر بولی۔

"تمہاری اردو قابل رشک حد تک بامحاورہ ہے۔" میں نے موت کے بوجھل سکوت کو کم کرنے میں اس کا ساتھ دیتے ہوئے کہا۔

"میں بتا چکی ہوں کہ تمہارے علاقے میں کام کرنے کے لیے میں نے باقاعدہ اردو کی تعلیم حاصل کی تھی۔ پسماندہ علاقوں میں کسی بھی مقامی زبان سے واقفیت کے بغیر نچلی سطح پر کام کرنا دشوار ہوتا ہے۔" وہ میرے پیکٹ سے سگریٹ نکال کر لائٹر آن کرتے ہوئے بولی۔

"ہم پسماندہ نہیں ترقی پذیر قوموں میں شمار کیے جاتے ہیں۔" میں نے اس کی تصحیح کی۔

"تمہیں کس نے روکا ہے، چاہو تو خود کو ترقی یافتہ بھی کہہ سکتے ہو۔" وہ لائٹر سے سگریٹ سلگاتے ہوئے بے پروایانہ لہجے میں بولی۔ "دیکھا جاتا ہے کہ دوسرے تمہیں کس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔"

"تم جرائم کے علاوہ دوسرے موضوعات پر بھی بول لیتی ہو؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"کسی علاقے میں قدم رکھنے سے پہلے وہاں کے مفادات اور اجتماعی جذباتی کمزوریوں کا علم ہو تو لوگوں میں گھل مل جانے میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔ تمہارے قبائلی علاقوں میں مجھے ایسے دیوانے نوجوان بھی ملے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے ملک میں جلد ہی رائفلوں کے لیے ایٹمی کارتوس بھی ملنے لگیں گے۔"

"میں اس وقت بحث کے موڈ میں نہیں ہوں، ورنہ صرف دس منٹ میں تمہیں لاجواب کر سکتا ہوں۔" میں نے اس سے الجھے بغیر کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اب ذرا داؤد سے بھی چھیڑ چھاڑ کر لی جائے۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اپنے اپارٹمنٹ کا پاور سپلائی سوئچ آن کر دیا۔

"ایلن نے ڈی۔ اے خان کا جو حلیہ بتایا وہ سو فیصدی داؤد کا ہے۔ جب ہمیں اس کے ہوٹل کا کمرہ نمبر تک مل چکا ہے تو کیوں نہ اسے ہوشیار ہونے کا موقع دیے بغیر وہیں گھیرا جائے۔"

"دس بج رہے ہیں۔" میں نے رسٹ واچ کے روشن ڈائل پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "اور کچھ نہیں تو ہم وہاں نہ پہنچنے کی معذرت ہی کر لیں گے۔"

"حالات کے بدترین دباؤ سے غیر متوقع طور پر نکل آنے کے سبب تم پر ذہنی عیاشی کا دورہ پڑا ہوا ہے۔ اپر بٹس پڑا ہوا ہے، جو چاہو کر سکتے ہو۔" اس نے بے بسی کے ساتھ کہا۔

میں نے غور کیا تو ویرا کے مشورے کو وزن دینا ہی پڑا۔ وقتی طور پر ہم نے مسائل پر قابو پا لیا تھا لیکن صورتِ حال ابھی تک غیر یقینی تھی۔ غزالہ تک رسائی حاصل کیے بغیر ہم حالات کی طرف سے بے فکری اختیار نہیں کر سکتے تھے اور نہ کسی فریق کو غیر ضروری اشتعال دلا کر اپنے پیچھے لگانا مناسب تھا۔ اگر میں داؤد کو ایلن کی ہلاکت کی خبر دیتا تو اس کا ہوشیار ہونا ناگزیر تھا۔ وہ بہ آسانی یہ سوچ سکتا تھا کہ سرے سے دور ہم نے ایلن کو محض آب و ہوا کی تبدیلی کے لیے ہلاک نہیں کیا ہوگا بلکہ راستے میں اس سے بازپرس بھی کی ہوگی۔ لہٰذا وہ ہر اس بات کا توڑ اختیار کر سکتا تھا، جو ایلن کے علم میں تھی اور ان ہی میں سے ایک نکتہ یہ تھا کہ ایلن، ڈی۔ اے خان کے ہوٹل کے پتے سے واقف تھا۔ میرے ذریعے ایلن کے قتل کی خبر ملتے ہی داؤد ہلٹن ہوٹل چھوڑ سکتا تھا اور ہمیں اس کی دوبارہ تلاش میں دانتوں پسینہ آ سکتا تھا۔ دوسری صورت میں وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ لندن کے ان مضافات میں ایلن ہمارے ہاتھوں مارا گیا ہوگا۔

ایلن کی لاش کی اتفاقی دریافت کی صورت میں قرین قیاس کہانی یہی بن سکتی تھی کہ ایلن سر میں زخمی ہونے کے بعد طاقت کے بل پر کسی سے لفٹ لے کر لندن روانہ ہوا ہو اور مضافاتِ لندن میں لفٹ دینے والے کو موقع مل گیا ہو کہ ایلن کو وہیں جہنم واصل کر کے اس مستقل عذاب سے نجات حاصل کر لے۔

"تم داؤد سے چھیڑ چھاڑ کرنا چاہ رہے ہو اور میں پچھلے واقعات کو اپنے ذہن میں دہراتے ہوئے اپنے لیے فضا میں کچھ خطرات کی بو سونگھ رہی ہوں۔" کچھ دیر بعد ویرا نے سکوت توڑتے ہوئے کہا۔

"تم تو خطرات سے کھیلنے کی عادی ہو، تمہیں کس سے خطرہ ہو سکتا ہے؟" میں نے ازراہِ تمسخر کہا۔

"داؤد نے اپارٹمنٹ میں پوشیدہ ڈکٹا فون کے ذریعے میرے ہوٹل کے پتے کے علاوہ سب کچھ معلوم کر لیا تھا۔ میرے اور تمہارے تعاون کے علاوہ، وہ تمہارے ساتھی کے وجود سے بھی واقف ہو گیا تھا مگر مجھے تشویش آژک کے بارے میں ہے۔ داؤد کو آژک کی میرے کمرے میں موجودگی کا علم ہو گیا تھا۔"

"اسے تو ایلن سے تمہارے تعلقات کا بھی علم تھا پھر اس نے تمہارا کیا بگاڑ لیا؟"

"سنجیدگی اختیار کرو ڈیئر۔" وہ منہ بنا کر بولی۔ "آژک کی تضحیک کے لیے ہم بار بار اس کا پورا نام لیتے رہے جس میں اس کا خطاب بھی شامل تھا۔ اس حوالے سے شہر میں اس کا سراغ لگانا بہت آسان ہے۔ شہر کے بہتیرے لوگ اس پر ترس کھا کر اس کی مالی اعانت کرتے رہتے ہیں اور سب جانتے ہیں کہ وہ اکثر سوہو کی گلیوں میں پایا جاتا ہے۔"

"پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" میں نے جھنجھلا کر سوال کیا۔ آژک کے بارے میں اس کی بے موقع تقریر سن کر مجھے سخت کوفت ہوئی تھی۔

"وہ لوگ میرے ہوٹل کا پتا معلوم کرنے کے لیے آژک کو اٹھوا سکتے ہیں۔"

میں چونک پڑا۔ ویرا نے بہت دور کی بات سوچی تھی۔ آژک کے ذریعے ٹیوڈر ہوٹل کا پتا معلوم کر کے داؤد کے آدمی ویرا کے لیے وہاں چوہے دان تیار کر سکتے تھے۔

"تم نے بالکل ٹھیک سوچا ہے۔ آژک کے ساتھ ذرا سی ہمدردی جتا کر وہ لوگ اس سے ہر بات معلوم کر سکتے ہیں۔ میرے خیال میں اب تمہارا ٹیوڈر ہوٹل کا رخ کرنا خطرناک ہو سکتا ہے۔"

"پھر میں کہاں جاؤں؟" وہ الجھے ہوئے انداز میں بولی۔ "مجھے تو یہ شہر خود پر یکایک ہی تنگ ہوتا ہوا نظر آنے لگا ہے۔"

"کسی ہوٹل وغیرہ کے مقابلے میں تمہارے لیے غیر معروف ٹھکانا محفوظ رہے گا۔ تم ایش برن سے رجوع کیوں نہیں کرتیں؟" میں نے اس کی شناساؤں میں سے وہی ایک نام لے دیا، جو مجھے معلوم تھا اور ویرا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"وہاں کئی لڑکیاں کام کرتی ہیں۔ ان میں میں آسانی کے ساتھ خود کو چھپا سکوں گی۔"

شہر میں داخل ہونے کے بعد ویرا نے اپنی کار کا رُخ پکاڈلی اور سوہو کی مشہورِ عالم گلیوں کی طرف موڑ دیا کیونکہ وہ وقت مس ایش برن کے کلب میں بزنس کے عروج کا تھا اور سرِ شام سے رات دو بجے تک ایش برن وہیں مصروف رہتی تھی۔

ٹریفک کے ہجوم میں رُک رُک کر بڑھتے ہوئے آخر کار ویرا نے گاڑی ایک پارکنگ لاٹ میں چھوڑی اور سلطان شاہ کو وہیں انتظار کرنے کی ہدایت کر کے میرے ساتھ جلتی بجھتی روشنیوں سے جگمگاتے اس بازار کی طرف چل دی جہاں بس راتیں ہی جوان ہوتی تھیں۔ ہم نے اپنا اسلحہ نشستوں کے نیچے چھوڑ دیا تھا۔

سوہو کی پتلی پتلی گلیوں میں ملک ملک کے سیاحوں کے غول گھوم رہے تھے اور جا بجا زینوں اور کیبنوں میں کھڑی ہوئی دلکش اور خوبرو لڑکیاں سیاحوں کو پُرلطف و پُراسرار تفریحات کی ترغیبات دلا رہی تھیں۔ میلے کے اس رنگا رنگ سماں سے تیزی کے ساتھ گزرتے ہوئے ہم ہوسٹس کلب پہنچے تو سیڑھیوں کے قریب میز ڈالے دو لڑکیاں والہانہ انداز میں داخلے کے ٹکٹ فروخت کر رہی تھیں۔ ویرا نے اپنی سہیلی کا حوالہ دیے بغیر دو ٹکٹ لیے اور سیڑھیاں طے کرتی ہوئی اُوپر پہنچ گئی جہاں قدم رکھتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سر پر پوری قوت سے لٹھ دے مارا ہو۔

مختصر سے ہال میں اُجلے اُجلے جسموں پر سیاہ منی اسکرٹ پہنے ہوئے، خوبصورت لڑکیاں گاہکوں کو سرد کر رہی تھیں اور جو گاہک زیادہ فیاض تھے اُن کے ساتھ بیٹھی ان کی طبیعت بہلا رہی تھیں۔

لیکن میری توجہ لمحہ بھر سے زیادہ اس طرف مرکوز نہ رہ سکی کیونکہ کاؤنٹر پر موجود سیاہ فام خاتون ویرا کو دیکھتے ہی تحیّر آمیز انداز میں تقریباً چیخ پڑی تھی "مس ویرا! تم یہاں؟" وہاں کا ماحول کچھ ایسا طلسم انگیز تھا کہ سیاہ فام خاتون کی چیخ کسی کے انہماک میں خلل انداز نہ ہو سکی۔

"پھر مجھے کہاں ہونا چاہیے تھا؟" ویرا نے زبردستی اپنے ہونٹوں پر مُسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہا "ایش برن کہاں ہے؟"

سیاہ فام خاتون جو ویرا کو اپنی مالکن کی سہیلی کی حیثیت سے پہچانتی تھی، حیرت اور بے اعتباری کے ساتھ بولی "وہ تو ڈیڑھ گھنٹے سے تمھیں دیکھنے گئی ہوئی ہے۔"

"مجھے؟" ویرا نے آنکھیں نکال کر کہا "تم ٹھیک تو ہو مسز ایڈی؟"

"ہاں تمھیں" مسز ایڈی کے لہجے کی تیزی ایک دم جھاگ کی طرح بیٹھ گئی "وہ بہت عجلت میں گئی تھی کسی نے فون پر بتایا تھا کہ تمھارا شدید ایکسیڈنٹ ہوا ہے، کئی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں اور تم کراموِل اسپتال میں بے ہوشی کی حالت میں زیرِ علاج ہو مگر میں دیکھ رہی ہوں کہ تم ٹھیک ٹھاک ہو۔"

ویرا نے اپنی دونوں کہنیاں کاؤنٹر پر ٹکا کر دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

میرے لیے اس کی تشویش قابلِ فہم تھی۔ آرتھر کی سلامتی کے بارے میں اُسے جو اندیشے تھے ان کی تصدیق ہو گئی تھی۔ ویرا کا پتا چلانے کے لیے پہلے شاید آرتھر کو گھیرا گیا پھر اُس سے ویرا اور ایش برن کے تعلقات کے بارے میں معلوم ہوتے ہی ایش برن کو دھوکے سے اُس کے ٹھکانے سے ہٹا کر غالباً اغوا کر لیا گیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ مخالفین نے جھلاہٹ میں ہر اُس شخص پر ہاتھ ڈالنے کا فیصلہ کر لیا، جس کا میری یا ویرا کی ذات سے ذرا بھی تعلق رہا ہو۔

اگر ایش برن ان کی نگاہوں میں آ چکی تھی تو اس کا ہوسٹس کلب بھی ہمارے لیے مخدوش ہو چکا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ہمیں ذرا بھی وقت ضائع کیے بغیر وہاں سے نکل بھاگنا چاہیے۔

"چلو" مَیں نے سختی سے ویرا کا بازو تھام کر کہا "اب یہاں رُکنا خطرناک ہے۔"

وہ ہتھیلیوں سے سر اُٹھا کر مایوسانہ انداز میں میرے ساتھ جانے کے لیے مُڑی اور پھر ہم دونوں اپنی جگہ پتھر کے مجسّموں کی طرح جم کر رہ گئے۔

زینوں کے سرے پر خبیث صُورت والا ایک سفید فام پستول کی نال ہماری طرف اُٹھائے سفّاکانہ انداز میں مُسکرا رہا تھا۔ اس وقت تک کلب کے عملے یا گاہکوں میں سے کسی کو کسی خطرناک تبدیلی کا احساس تک نہ ہو سکا تھا۔

ہم سے نگاہیں چار ہوتے ہی اُس کے ہونٹوں پر رچی ہوئی سفّاکانہ مُسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی۔ ہم دونوں کے اضطراری ردِعمل سے اُس نے بھانپ لیا تھا کہ ہم بگڑی ہوئی صُورتِ حال کا اندازہ کرنے کے ساتھ ہی اُس کے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول کا مہیب دہانہ بھی اچھی طرح دیکھ چکے ہیں لہٰذا اُس نے ہوسٹس کلب کے گاہکوں کی رنگین بلکہ سیاہ و سفید تفریحات میں بدمزگی پیدا ہونے کے خیال سے اپنے آتشیں ہتھیار کی مزید نمائش کو غیر ضروری سمجھتے ہوئے اپنا داہنا ہاتھ پستول سمیت اپنے لانگ کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔

اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ضرورت پیش آئی تو وہ بے دریغ کوٹ کی جیب ہی میں سے گولی چلا دے گا۔ وہ شیّنی کا کوئی نیا کارندہ تھا یا پھر اسے یہ علم ہو چکا تھا کہ ویرا کا نام شی کے سربرآوردہ لوگوں کی فہرست سے خارج کر دیا گیا تھا کیونکہ ایلن برینز محض ویرا کی آواز سُن کر ہی رشتہ خطی ہو گیا تھا مگر نو وارد ویرا سے نگاہیں چار کر کے بھی متاثر یا خوفزدہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ مجھے ویرا کی وہ خوش فہمی خاک میں ملتی نظر آ رہی تھی کہ تنظیم میں داؤد اور اس کے ہمنوا اس کے خلاف سب کچھ کر گزریں گے، لیکن شی کی سپریم باڈی کی طرف سے الزامات عائد کیے جانے سے پیشتر کسی بھی قیمت پر اس پر ہاتھ ڈالنے کی جُرأت نہ کر سکیں گے۔

مگر اب ایک مسلّح سفید فام ہماری راہ میں حائل ہو چکا تھا۔ نظر یہ آ رہا تھا کہ میرے ساتھ ہی ویرا بھی پستول کے بل پر اغوا کی جانے والی تھی۔ اس صُورتِ حال سے دو ہی نتائج اخذ کیے جا سکتے تھے۔ یا تو داؤد نے ویرا کو گھیرنے کے لیے ہنگامی طور پر شی کی سپریم باڈی سے کھلی اجازت لے لی تھی یا وہ سرے میں اپنے آدمیوں کی شرمناک ناکامی پر جھلا کر شی کے ضابطوں کی پروا کیے بغیر اپنی تمام افرادی قوت کے ساتھ ہمارے خلاف سرگرمِ عمل ہو گیا تھا۔

لمحہ بھر کے لیے مَیں نے وہاں ہڑبونگ پھیلانے کے بارے میں سوچا لیکن وہاں کاؤنٹر اور میزوں کی ترتیب کچھ ایسی تھی کہ کوئی آڑ لینے سے قبل ہی مَیں نو وارد کی گولی کا نشانہ بن سکتا تھا، دوسری بڑی بات یہ تھی کہ وہاں روشنی کے مرکزی نظام سے مَیں لاعلم تھا۔ ہال میں جا بجا کونوں کھدروں میں پوشیدہ متعدد دھیمی روشنیاں جل رہی تھیں جنھیں بیک وقت توڑ کر وہاں اندھیرا کرنا ناممکن تھا لہٰذا مَیں نے فوری طور پر مزاحمت کا آغاز کرنے کے بجائے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس وقت شاید ویرا بھی انہی خطوط پر سوچ رہی تھی کیونکہ اُس نے اپنا وینٹی بیگ کندھے سے لٹکا کر دونوں ہاتھ پہلوؤں پر گرا لیے تھے، اس طرح وہ نو وارد کو اپنے تعاون کا یقین دلا رہی تھی۔

اپنی حکمتِ عملی کو کامیاب ہوتے دیکھ کر نو وارد سیڑھیوں کے کنارے سے آگے بڑھا ہی تھا کہ پگھلے ہوئے کُندن کی طرح دمکتے اور لچکتے ہوئے بدن والی ایک سفید فام ویٹریس سیاہ منی اسکرٹ میں ملبوس اُس نو وارد کی طرف بڑھی اور وہ ایک دم بھڑک اُٹھا۔

"نہیں، مجھ سے دُور رہو" وہ اپنا ہاتھ فضا میں اُٹھا کر درشت لہجے میں بولا "مَیں اپنی جگہ اور میزبان کا انتخاب اپنی مرضی سے کروں گا ورنہ داخلے کی رقم پر لعنت بھیج کر واپس چلا جاؤں گا۔"

ویٹریس نے حقارت سے مُنہ بنا کر راستہ تبدیل کر لیا۔ نو وارد کا لب و لہجہ اس کے لیے واضح طور پر توہین آمیز تھا کیونکہ اُس نے بڑھنے والی کو یکسر مسترد کر دیا تھا۔

"میرا اندازہ غلط نہیں تو شاید تم کو ایش برن کی تلاش ہے؟" نو وارد نے قریب آ کر دھیمی مگر جارحانہ آواز میں ویرا سے سوال کیا۔

"تم گندے سُور ہو" ویرا نے بے خوفی کے ساتھ غصیلے لہجے میں کہا۔ "مَیں کون ہوں اور کس کام سے یہاں آئی ہوں، اس سے تمھیں کوئی غرض نہیں ہونا چاہیے۔"

"کیا بات ہے مس ویرا؟" مسز ایڈی کاؤنٹر کے پیچھے سے نکل کر ہمارے قریب آتے ہوئے بولی "یہ کون ہے؟ تم کچھ پریشان سی لگ رہی ہو؟"

"ہماری آپس کی بات ہے، تم جا کر اپنا کام کرو" مسلّح نو وارد نے درشت لہجے میں کہا "مس ویرا اپنی سہیلی کے بارے میں فکرمند ہیں، ابھی ٹھیک ہو جائیں گی۔"

مسز ایڈی کچھ بولنے کا ارادہ رکھتی تھی لیکن ویرا نے سر ہلا کر اُسے نو وارد کے مشورے پر عمل کرنے کا اشارہ کیا اور وہ اُسے سر سے پیر تک ناپسندیدہ نگاہوں سے گھُورتی ہوئی چوبی کاؤنٹر کے پیچھے واپس چلی گئی۔

"بڑھیا نے کام آسان کر دیا" مسز ایڈی کے چلے جانے کے بعد سفید فام دھیمے سے ہنسا "مَیں تمھاری شان میں کسی گستاخی کا ارتکاب کرنے سے پہلے گھُما پھرا کر تمھارا نام معلوم کرنا چاہ رہا تھا لیکن بڑھیا نے مشکل آسان کر دی۔ اگر تم ویرا لائیڈ ہو تو تم سے مجھے کوئی تعرض نہیں۔ تم جب اور جہاں چاہو جا سکتی ہو۔ مجھے تمھارے ساتھی کو اُٹھانے کی ہدایت ملی ہے۔ یہ ڈینی ہی ہے نا؟"

"ڈینی ہی سمجھ لو" مَیں نے یہ کہتے ہوئے خوش دلی کے ساتھ اُس کی طرف اپنا داہنا ہاتھ بڑھا دیا "تمھارا نام کیا ہُوا کرتا ہے؟"

"چالاک بننے کی کوشش نہ کرو" وہ تحقیر آمیز لہجے میں غرّایا "تھوڑی دیر میں ساری شوخی اور طرّاری ہَوا ہو جائے گی" مجھ سے یہ کہہ کر وہ پھر ویرا کی طرف متوجہ ہو گیا "مجھے بتایا گیا تھا کہ ڈینی تمھارے ساتھ ہے، اور تمھارے ہوسٹس کلب پہنچنے کا قوی امکان ہے۔ اگر دو باتیں درست ہیں تو تیسری کیسے غلط ہو سکتی ہے؟"

"پھر درست ہی ہو گی، لے جاؤ اس ڈفر کو" ویرا نے بے پروائی سے کہا۔

اُس کے چہرے پر اُلجھن کے آثار اُبھر آئے۔ ویرا نے مجھے ڈفر کہہ کر اس کا اعتماد متزلزل [illegible] دیا تھا۔

"چلو، چلے جاؤ اس کے ساتھ" اسے خاموش پا کر ویرا نے مجھ سے تحکمانہ لہجے میں کہا "کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش نہ کرنا، ورنہ زخمی ہوئے یا مارے گئے تو مَیں ذمّے دار نہ ہوں گی۔"

مَیں نو وارد کے قریب سے ہو کر سعادت مندانہ انداز میں سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ میرے اس رویّے نے اس کا رہا سہا اعتماد بھی زائل کر دیا اور وہ بے یقینی کے عالم میں قدم بڑھا کر میرے ساتھ ہو لیا کہ

کہیں مَیں موقع پاتے ہی کسی طرف تیزی کے ساتھ دوڑ نہ لگا دوں۔

مَیں نے دیکھا کہ پل بھر میں ہی اُس کے چہرے پر بیتیمی برسنے لگی تھی۔ ویرا نے پیشگی منصوبہ نہ ہونے کے باوجود میری بات کو سہلا دے کر اُسے خود کو دُنیا کا احمق ترین شخص سمجھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"تم جاؤ، تم کہاں چلی آ رہی ہو؟" سیڑھیوں سے اُترنے کے بعد نو وارد نے ویرا کو اپنے پیچھے لگے ہوئے دیکھ کر جھلاّئے ہوئے لہجے میں کہا۔

"مَیں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی۔" ویرا نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "مَیں اس سادہ لوح شخص کو تم جیسے خرانٹ کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتی۔ کیا پتا کہ تم اسے بلاوجہ گولی مار کر اپنے بڑوں سے کہہ دو کہ اس نے موقع پا کر فرار ہونے کی کوشش کی تھی۔"

"مَیں اپنی تسلی کرنے کے بعد خود اس کاٹھ کے اُلو کو لات مار کر بھگا دوں گا۔ مجھے صرف اور صرف ڈینی درکار ہے، ورنہ یہاں ہزاروں کی بھیڑ میں سے جسے چاہوں لے جا سکتا ہُوں۔"

"زبان سنبھال کر بات کرو، کاٹھ کے اُلو ہو گے تم۔" مَیں نے بھڑک کر کہا۔

"میری مانو تو اسے چھوڑ کر مجھے لے چلو، شاید تمہارے بڑے تشدد کر کے مجھ سے کچھ اُگلوا ہی لیں۔" ویرا نے کہا۔

"مَیں کہتا ہوں کہ یہ ڈینی ہے، مجھے جو حُلیہ بتایا گیا تھا، یہ اس پر پورا اُترتا ہے پھر یہ ایشیائی بھی ہے۔" وہ جھلاّئے ہوئے لہجے میں بولا۔ اُس کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کوئی فیصلہ کرنے سے قبل ہم سے بحث کر کے یہ یقین کرنا چاہتا تھا کہ میں ڈینی نہیں کوئی اور تھا۔

"ایشیائی ہونے کی بات نہ کرو۔" ویرا مضحکانہ لہجے میں بولی۔ "اس برِّاعظم کا بڑا حصّہ فاقہ زدہ ہے۔ ادھر سے تعلق رکھنے والے سیکڑوں بلکہ ہزاروں افراد تمہیں اس وقت ان گلیوں میں منڈلاتے ہوئے ملیں گے۔"

"مَیں سیاست پر بات نہیں کرنا چاہتا۔" وہ پہلو بدل کر غصیلے لہجے میں بولا۔

"مجھے بھی سیاست سے نفرت ہے۔" ویرا نے اُس کے ساتھ چلتے ہوئے اُسے چڑانے والے لہجے میں کہا۔ "میں تفریحی فاقوں کی بات کر رہی تھی۔ ان میں سے بہتیرے آسودہ حال یہاں صرف رنگین تفریحات کے لیے آتے ہیں، اس لیے اس کا ایشیائی ہونا کوئی جرم نہیں ہے۔"

"مَیں اپنا اطمینان خود کر لوں گا۔ تم ویرا لائیڈ ہو اور یہ تمہارے ساتھ ہوسٹس کلب پہنچا تھا، اس لیے مجھے قوی شبہ ہے کہ یہ ڈینی ہی ہوگا۔"

"یہ بات تم دوسری بار دُہرا رہے ہو، شاید تمہارے اطمینان کے لیے تمہیں ڈینی کی شناخت کی کچھ خفیہ نشانیاں بھی بتائی گئی ہوں گی۔" ویرا کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"خدا کے لیے تم اپنا راستہ پکڑو۔" وہ چلتے چلتے تھم کر بولا۔ "میرے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو؟ میں اچھی طرح جانتا ہُوں کہ مجھے کیا کرنا ہے اور اس کے لیے کون سا طریقۂ کار بہتر ہوگا۔" ویرا کے سُلگانے والے انداز اور تبصروں سے وہ زچ آ گیا تھا لیکن صبر کا پیمانہ لبریز ہو جانے کے باوجود اشتعال کے عالم میں بھی وہ میری طرف سے غافل نہیں ہُوا تھا۔

"مَیں بتا چکی ہُوں کہ مَیں اس شخص کو تم جیسے وحشی کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتی۔ تم اسے جہاں لے جاؤ گے، مَیں بھی ساتھ جاؤں گی۔" یہ یقین ہو جانے کے بعد کہ اُسے ویرا سے نہ اُلجھنے کا حکم ملا ہُوا تھا، ویرا شیر ہو گئی تھی اور اس کے سر پر سوار ہوئی جا رہی تھی۔

وہ غصّے اور بے بسی کے ساتھ چند ثانیوں تک ویرا کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر اُکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "تم نے ٹھیک ہی کہا تھا، یہ بالکل ڈفر اور بے ہمت معلوم ہوتا ہے، جب کہ ڈینی کے بارے میں مجھے بہت زیادہ محتاط رہنے کی ہدایت ملی تھی۔ میں اسے ایک شرط پر چھوڑ سکتا ہُوں کہ تم مجھے ڈینی کا پتا بتا دو۔"

"یہ ڈینی کا ایک ساتھی ہے۔" ویرا نے یک بیک نرم اور مصالحانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "وہ لومڑی کی طرح چالاک ہے، اسے پہلے ہی سے خطرے کا احساس ہو گیا تھا۔ وہ کسی قریبی پارکنگ لاٹ میں گاڑی میں بیٹھا ہماری واپسی کا انتظار کر رہا ہوگا، تم اس پر ہاتھ نہ ڈال سکو گے۔"

"مجھے صرف اُس پارکنگ لاٹ کا نمبر بتا دو، اپنا شکار میں خود تلاش کر لوں گا۔"

"ڈفر یہ ہے، مَیں نہیں۔" ویرا میری طرف اشارہ کرتے ہوئے تلخ لہجے میں بولی۔ "تم نے شرافت سے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا تو مَیں ہیں تھپڑوں سے تمہارا چہرہ بگاڑ دوں گی۔"

اُس نے خوفناک تیوروں کے ساتھ یوں مُنہ چلایا جیسے حلق میں پھنسی ہوئی کڑوی گولی مو سے میں اُتاری ہو، پھر تیز لہجے میں بولا۔ "کاش! مجھے معلوم نہ ہُوا ہوتا کہ تم کون ہو تو اس ہرزہ سرائی پر تمہیں ایسا سبق دیتا کہ آئندہ تم اپنی زبان احتیاط سے استعمال کرتیں۔"

اس وقت اس شخص کی پوری توجہ ویرا پر مرکوز تھی اور وہ میری طرف سے غافل ہو گیا تھا۔ شاید یہ بات اُس کے لاشعور میں جم گئی تھی کہ میں اس کا مطلوبہ آدمی نہیں تھا۔ میں نے اس مہلت سے فائدہ اُٹھایا اور پھرتی کے ساتھ ہجوم میں شامل ہو کر آگے بڑھ گیا۔ تھوڑی دُور گلی کے نکڑ پر نیم تاریکی میں ایک بند دُکان کے زینوں میں مجھے بہترین کمین گاہ نظر آئی اور میں ان چند زینوں کو عبور کر کے دُکان کے بند دروازے کے قریب تقریباً تاریکی میں پوری طرح چھپ گیا۔ میرے لیے وہ جگہ اس اعتبار سے خطرناک ہو سکتی تھی کہ اگر کوئی گشتی سپاہی اُدھر آ نکلتا تو نقب زنی کے ارادے کے شبہے میں مجھ سے باز پُرس کر سکتا تھا لیکن مجھے اُمید تھی کہ میری روپوشی زیادہ سے زیادہ چند منٹ تک برقرار رہے گی۔ جونہی اُس مسلح اجنبی کو میرے لاپتا ہونے کا احساس ہوتا، وہ افراتفری کے عالم میں مجھے ڈھونڈتا ہوا کسی طرف نکل جاتا اور میرے لیے میدان صاف ہو جاتا۔

تاریک زینوں کی پناہ گاہ سے میں نے دیکھا کہ اس مرتبہ ویرا نے اُسے اپنے ساتھ گفتگو میں ضرورت سے زیادہ ہی اُلجھا لیا تھا اور وہ شخص بدستور ویرا کی طرف متوجہ تھا۔ اس طرح ویرا نے مجھے فرار کی کارروائی مکمل کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ مہلت فراہم کرنے کی کوشش کی تھی جس سے میں فائدہ اُٹھا چکا تھا۔

چند ثانیوں بعد وہ اچانک ہی مُڑا اور پھر عملاً ایڑیوں کے بل پورا چکر کاٹ گیا مگر اُسے میرا سایہ تک کہیں نظر نہ آ سکا۔ ویرا اُسے وہیں چھوڑ کر واپس ہوسٹس کلب کی سمت چل دی۔ بوکھلاہٹ کے عالم میں اجنبی کا داہنا ہاتھ جو ابتدا سے مسلسل کوٹ کی جیب میں تھا، باہر آ گیا لیکن اس بار وہ خالی تھا۔ لمحہ بھر تک سراسیمگی کے عالم میں وہیں رُکے رہنے کے بعد وہ لوگوں کے درمیان راستہ بناتا ہوا ویرا کی طرف جھپٹا تھا۔ ویرا کے رُکتے ہی شاید دونوں میں مختصر سی تکرار ہوئی اور ویرا نے اچانک راستہ تبدیل کر لیا۔ اب وہ ہوسٹس کلب کی طرف جانے کے بجائے میری طرف آ رہی تھی لیکن اجنبی کو یقین ہو گیا کہ میں اسی طرف فرار ہُوا تھا، جدھر ویرا بظاہر اضطراری طور پر چل پڑی تھی۔ وہ ویرا کی پروا کیے بغیر بہت عجلت کے عالم میں اُسی راستے پر چل پڑا جدھر سے ہمیں لے کر آیا تھا۔

ویرا نے کچھ دُور چلنے کے بعد گردن گھما کر پیچھے کا جائزہ لیا اور اپنی رفتار تیز کر دی۔ اُس نے مجھے روانہ ہوتے ہوئے ضرور دیکھا تھا لیکن اجنبی سے بحث میں اُلجھے ہوئے ہونے کی وجہ سے میری کمین گاہ کے بارے میں اندازہ نہیں لگا سکی تھی۔ میں اُسے دیکھتے ہوئے اپنی جگہ دبکا رہا اور جب وہ میرے سامنے سے گزر گئی تو میں نے اپنی جگہ سے نکل کر عقب سے اُسے آواز دی۔ اُس کا ردِعمل قابلِ دید تھا۔ وہ تیر کی طرح میری طرف پلٹی تھی اور ہم دونوں ایک دوسرے سے ایک بھی لفظ کہے بغیر اُسی نیم تاریک گلی میں گھستے چلے گئے، جس کے نکڑ والی دُکان کے زینوں میں میں نے پناہ لی ہوئی تھی۔

کئی منٹ تک تیز رفتاری کے ساتھ راستہ طے کرنے کے بعد آخرکار مَیں نے ہی سکوت توڑا تھا۔ "یہ تو بالکل ہی بودا اور احمق ثابت ہُوا۔ مَیں تو سمجھ رہا تھا کہ اب گلو خلاصی مشکل ہو جائے گی۔"

"شاید شی میں نیا نیا آیا ہے۔ ایسے لوگ ضرورت سے زیادہ جوشیلے ہونے کی وجہ سے عموماً مار کھا جاتے ہیں۔" وہ میرا ہاتھ تھام کر ایک قریبی گلی میں مُڑتے ہوئے ہنس کر بولی۔ "میرے بارے میں رعایت کا اعتراف کر کے اُس نے اپنے لیے خود مصیبت پیدا کر لی، ورنہ وہ بڑے آرام سے اپنا مقصد حاصل کر سکتا تھا۔"

"داؤد نے اس بار ضرورت سے زیادہ تیزی اور پھرتی دکھائی ہے۔"

مَیں نے تشویش زدہ لہجے میں کہا۔ "تمہارے ایجیڈنٹ کی جھوٹی اطلاع دے کر ایش برن کو بھی اغوا کرایا گیا ہوگا۔ اُس تک رسائی کا مطلب ہے کہ وہ لوگ مختصر سی مدت میں آرزک پر بھی ہاتھ ڈال چکے ہیں۔"

مَیں قرب و جوار سے گزرنے والے راہگیروں سے بالکل بے خوف تھا کیونکہ ہم دونوں کی ساری گفتگو اُردو میں ہو رہی تھی۔ ویرا عام طور پر علیحدگی میں مجھ سے اُردو ہی میں بات کرتی تھی، اس طرح ہم کسی غیر متعلقہ فریق کو متوجہ کیے بغیر بہ آسانی اپنا مافی الضمیر ایک دوسرے پر واضح کر سکتے تھے۔

"آرزک کی وجہ سے ٹیوڈر ہوٹل مخدوش ہو گیا۔ ہوسٹس کلب کا ٹھکانا بھی ہاتھ سے جاتا رہا۔ اب مجھے کوئی اور غیر معروف ہوٹل تلاش کرنا ہوگا۔" وہ سنجیدگی کے ساتھ بولی۔

"ہوسٹس کلب کے تجربے کی روشنی میں مجھے پورا یقین ہے کہ ٹیوڈر ہوٹل کی کڑی نگرانی شروع ہو گئی ہوگی، وہ تم پر ہاتھ ڈالیں یا نہ ڈالیں لیکن تمہیں ایک پل کے لیے بھی اپنی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دیں گے۔" مَیں نے کہا۔ "بظاہر ٹیوڈر ہوٹل بھی غیر معروف اور بدنام ہے۔ تمہارے وہاں نہ پہنچنے کی صُورت میں وہ لوگ لندن کے ایسے تمام اقامتی اڈّوں کو کھنگال ڈالیں گے۔ میری رائے میں تو تمہیں اب ایسا قدم اُٹھانا چاہیے، جس کا وہ تصوّر بھی نہ کر سکیں۔"

"تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" اُس نے اُلجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"تمہیں نام بدل کر کسی معروف ہوٹل میں قیام کرنا چاہیے بلکہ امپیریل ہوٹل ہی ہو تو بہتر ہے۔ داؤد سوچ بھی نہ سکے گا کہ اس ہوٹل میں فریجنگی کے معاملے کے بعد تم دوبارہ ادھر کا رُخ کرو گی۔"

"تمہاری رائے معقول ہے۔" وہ پُرخیال لہجے میں بولی۔ "لیکن یہ سب بعد کے مراحل ہیں۔ پہلے تو ہمیں داؤد سے نمٹنا چاہیے۔ اس معاملے میں تاخیر ہوئی تو وہ بدمعاش ہماری دسترس سے نکل جائے گا۔ وہ اس قدر محتاط واقع ہوا ہے کہ ایلن کی ہلاکت کی خبر ملتے ہی سب سے پہلے اپنا ٹھکانا تبدیل کرے گا۔"

"حالانکہ وہ ایلن بریز سے مسٹر ایکس کے نام سے رابطہ قائم کرتا تھا اور ہلٹن بلز میں اس سے ڈی۔ اے خان کے نام سے اپنے ہی ایک ماتحت کی حیثیت سے ملا تھا؟" میں نے سوال کیا۔

"تم اُس سے نہیں ملے لیکن میں اُس کے مزاج سے واقف ہوں۔ اُس کے ہوٹل چھوڑنے کے لیے بس یہی ایک بات کافی ہوگی کہ ایلن کو کسی نے ہلاک کر دیا اور وہ اس سے کسی نہ کسی حیثیت میں مل چکا تھا۔"

"داؤد کے ساتھ ہی تمہیں ایش برن اور آرزک کی بھی فکر ہونا چاہیے۔" میں نے چند ثانیوں کے بعد کہا۔ "ان دونوں کے ساتھ اگر تلخ واقعات پیش آئے تو ان کی وجہ صرف تمہاری ذات ہوگی۔"

"میرے ذہن میں یہ سب چیزیں موجود ہیں اور میں اسی بارے میں اپنی ترجیحات طے کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ خاموش رہ کر ہم دونوں اپنی اپنی جگہ زیادہ بہتر طور پر سوچ سکیں گے۔"

ویسے تو میں نے ویرا کو آرزک اور ایش برن کے بارے میں کچھ سوچنے کا مشورہ دے ڈالا تھا لیکن مجھے بھی داؤد کے بارے میں زیادہ پریشانی لاحق ہوگئی تھی۔ ایلن بریز کی سرے میں ناکامی سے وہ باخبر ہوگیا تھا لیکن یہ توقع نہیں تھی کہ صبح کے اخبارات شائع ہونے سے پہلے وہ ایلن کی ہلاکت سے باخبر ہوسکے البتہ ہوسٹس کلب میں ہمیں گھیرنے والے مسلح اجنبی کی کہانی فوری طور پر اس تک پہنچ سکتی تھی اور وہ غیظ و غضب کے عالم میں ہمارے گرد اپنا حصار تنگ کرنے کی کوششیں کر سکتا تھا، جو ویرا کے لیے نہ سہی تو میرے لیے مہلک ثابت ہوسکتی تھیں۔

ویرا ہم سے الگ ہوئی تو اُس کے تیور بہت جارحانہ تھے۔ وہ داؤد کے بارے میں تازہ ترین صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے تنہا ہلٹن ہوٹل گئی تھی۔ اُس نے سوچ لیا تھا کہ وہ حتی الامکان داؤد کی نگاہوں سے بچنے کی کوشش کرے گی لیکن اس سے اتفاقاً سامنا ہو ہی گیا تو راہِ فرار اختیار کرنے کے بجائے اُسے ایسی کھری کھری سُنائے گی کہ اُس کی طبیعت صاف ہو جائے گی۔

اُس کی واپسی خلافِ توقع بہت تاخیر سے ہوئی لیکن اس کا موڈ بہت خوشگوار تھا۔ اُس نے ہوٹل کے استقبالیہ کاؤنٹر سے معلوم کیا تو کمرہ نمبر پانچ سو دس کی چابی، کی بورڈ پر موجود نہیں تھی، جس کا مطلب تھا داؤد کمرے میں یا ہوٹل ہی کی حدود میں موجود تھا۔

یہ اطلاع مل جانے کے بعد ویرا نے ہوٹل کے ڈائننگ ہال، بال رُوم، بار، ریستوران اور بلیئرڈ روم سے لے کر لابی تک کا ہر وہ گوشہ کھنگال ڈالا، جہاں ہوٹل میں ٹھہرنے والے وقت گزاری کے لیے جا سکتے تھے لیکن وہاں کہیں بھی داؤد کا پتا نہیں تھا۔ اس کے باوجود وہ لفٹ سے اُوپر گئی تھی اور فلور کی رُوم سروس کے ایک ویٹر کو ٹپ دے کر یہ معلوم کر لیا تھا کہ پانچ سو دس نمبر والا اپنے کمرے میں تھا اور اس نے رات کا کھانا بھی اپنے کمرے میں ہی کھایا تھا۔

"اب دیکھنا یہ ہے کہ تم اُسے باہر کیسے لاتے ہو؟" ویرا نے مجھے پوری تفصیلات سے آگاہ کرنے کے بعد چیلنج کرتے ہوئے کہا۔ "ایک مرتبہ وہ قابو میں آ جائے تو تم دیکھنا کہ میں اُس کا کیا حشر کرتی ہوں۔"

"نہ آیا تو میں، وہیں اس کا کام تمام کر دوں گا۔ ڈر بس یہ ہے کہیں اُس کے دھوکے میں کوئی بے گناہ میرے ہاتھوں نہ مارا جائے۔"

"اس کے ملاقاتیوں میں کوئی پارسا نہیں ہے۔ یہ اندیشہ تو اپنے دل سے نکال ہی دو لیکن اسے زندہ پکڑنا ہمارے لیے ہر اعتبار سے سود مند ثابت ہوگا۔" ویرا نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ "میں تمہیں اس کے خدوخال کے بارے میں بہت کچھ بتا سکتی ہوں لیکن اس کا کوئی بھروسا نہیں۔ وہ فلمی قسم کے فلمی جاسوسوں کی طرح بہروپ بدلتا رہتا ہے۔ میں نے اسے متعدد مواقع پر مصنوعی بالوں کی ایسی وگیں استعمال کرتے دیکھا ہے کہ اس کے اصل بالوں کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اسی طرح اہورا اس کی آنکھیں سیاہ تھیں لیکن ہیتھرو پر امیگریشن سے فارغ ہوتے ہی اس نے ٹوائلٹ میں جا کر رنگین کانٹیکٹ لینس لگائے اور اس کی آنکھوں کی پتلیوں کا رنگ گہرا سبز ہوگیا۔"

"یعنی میرے شکار کی آنکھوں کا رنگ فی الحال سبز ہے؟" میں نے اس کے جوشیلے انداز سے لطف اندوز ہوتے ہوئے سوال کیا۔

"سبز اور سُرخ کے چکر میں نہ پڑو۔" وہ چڑ کر بولی۔ "بس یہ یاد رکھو کہ کمرہ نمبر پانچ سو دس میں جو بھی ہے وہی تمہارا شکار ہے اور اس کو تمہیں پکڑنا ہے۔"

"چلو پکڑ لوں گا۔" میں نے ہنستے ہوئے بے پروائی سے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ اب تمہارا پروگرام کیا ہے؟"

"وہ اوپر اپنے کمرے میں ہے۔ میں یہیں ڈائننگ ہال میں کھانا کھاؤں گی، اس کے بعد آگے کی سوچی جائے گی۔ یہاں کھانا بہت اچھا ملتا ہے۔"

"تمہارا خالی معدہ شاید دماغ پر بھی اثر انداز ہو رہا ہے۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "وہ اوپر ہے تو ضروری نہیں کہ میدان بالکل صاف ہو۔ کوئی اور بھی تمہیں پہچان سکتا ہے۔ یہ نہ بھولو کہ داؤد نے مقامی تنظیم کو بھی تم سے پوری طرح بدظن کر دیا ہے اور تمہارا یوں کھلم کھلا برسرِعام گھومنا مناسب نہ ہوگا۔"

"تم تو واقعی میرے سرپرست بنتے جا رہے ہو۔" اس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "خیر، میں جا رہی ہوں۔ ہوٹل سے تھوڑی دور رک کر تمہاری گاڑی کی واپسی کی منتظر رہوں گی۔"

"تو کیا یہ کار ہمارے ہی پاس رہے گی؟" سلطان شاہ نے حیرت سے سوال کیا۔

"اب اسے اپنی ہی ملکیت سمجھو۔ کل رقم ادا کر دی جائے گی۔ آج یہ گاڑی ٹرائل پر ہمارے پاس آئی تھی۔" ویرا نے کہا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی جس کا مطلب تھا کہ مجھے سلطان شاہ والی گاڑی استعمال کرنا تھی۔

گاڑی کے دروازے مقفل کر کے ہم دونوں بھی پارکنگ لاٹ سے ہوٹل کی طرف چل دیے۔ اس وقت میرا ذہن نئی مہم کے بارے میں تیزی کے ساتھ کام کر رہا تھا اور میں نے سوچ لیا تھا کہ براہ راست داؤد کے کمرے میں داخلے کی صورت میں بعض ناقابلِ تصور دشواریاں بھی پیدا ہو سکتی تھیں لہٰذا بہتر یہی تھا کہ کسی طرح اسے کمرے سے باہر نکلنے پر مجبور کیا جائے۔ اس سلسلے میں کسی حتمی نتیجے پر پہنچنے کے لیے میں سلطان شاہ کے ساتھ نیچے ہی ریستوران میں جا بیٹھا۔

کئی تجویزوں پر غور کرنے کے بعد میں نے آخرکار ایک حکمتِ عملی وضع کر ہی لی اور ویٹر سے سادہ لفافے سمیت ایک سادہ کاغذ طلب کر کے اس پر انگریزی میں مختصر سی دو سطور لکھ ڈالیں۔

"تم خطرے میں ہو۔ فوراً یہ ہوٹل چھوڑ دو۔" میرا خیال تھا کہ بھیجنے والے کے نام کے بغیر وہ دو سطری پیغام داؤد کو بوکھلانے کے لیے کافی ہوگا۔ درحقیقت وہ خیال میرے ذہن میں ویرا کی تقلید میں اُبھرا تھا کیونکہ اس نے امپیریل ہوٹل میں خنجر کے ذریعے ایک رقعہ مجھ تک پہنچا کر ہی مجھے واپسی کا مشورہ دیا تھا۔ اس رقعے پر بھی ویرا نے اپنا نام نہیں لکھا تھا مگر میں جن حالات سے دوچار تھا ان کی روشنی میں میرے لیے اس ہدایت کو نظرانداز کرنا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ داؤد بھی میرے بھیجے ہوئے پیغام کو آسانی کے ساتھ نظرانداز نہ کر سکے گا اور اسے اپنے کسی ہمدرد کا مشورہ تصور کرتے ہوئے فوری طور پر اس پر عمل کر گزرے گا۔

اس وقت میرے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ وہ رقعہ کس طرح داؤد تک پہنچایا جائے؟

اگر میں ٹپ دے کر ہوٹل کے عملے کے کسی فرد سے یہ کام لیتا تو وہ شخص داؤد کی بازپُرس پر ہماری نشاندہی کر دیتا اور اگر ہم اسے اس بارے میں خاموش رہنے یا جھوٹ بولنے کی ہدایت دیتے تو وہ شبہات میں مبتلا ہو کر وہ رقعہ داؤد تک پہنچانے کے بجائے ہوٹل کی انتظامیہ کے حوالے کر سکتا تھا اور یوں ہمارا کھیل بگڑ جاتا۔

میں داؤد کی نگاہوں میں تھا لہٰذا میرا اوپر جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ لے دے کر سلطان شاہ ہی رہ جاتا تھا جسے اس مقصد کے لیے احتیاط کے ساتھ استعمال کیا جا سکتا تھا۔

"وہ مجھے دیکھ کر بھی بھڑک سکتا ہے۔" سلطان شاہ نے بند لفافہ لیتے ہوئے خیال ظاہر کیا۔

"ضرور بھڑکے گا لیکن وہ تمہیں پہچانتا نہیں۔" میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ "تم اس سے کہہ سکتے ہو کہ ہوٹل سے باہر ایک سفید فام نے تمہیں لفافہ پہنچانے کے لیے پانچ پاؤنڈ معاوضے کی پیش کش کی اور تم تیار ہوگئے۔"

"اور اگر وہ بدمعاشی پر تُل گیا؟"

"پھر تمہارے بھی ہاتھ کھلے ہوئے ہوں گے۔ ایلن بریز کا لائسنس یافتہ پستول تمہارے پاس ہے۔ تم جس طرح چاہو اپنی مدافعت کی راہ تلاش کر سکو گے۔ ویسے میں بھی غافل نہیں رہوں گا۔ دس منٹ تک تمہاری واپسی نہ ہوئی تو میں بھی تمہاری مدد کے لیے پہنچ جاؤں گا لیکن مجھے اُمید ہے کہ اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ پیغام کا متن ایسا ہے کہ تمہیں بھول کر وہ اپنی فکر میں مبتلا ہو جائے گا اور ہم باہر اسے گھیر سکیں گے۔"

میں نے ویٹر کو طلب کر کے بل ادا کیا اور ہم دونوں نے ریستوران چھوڑ دیا۔ سلطان شاہ باہر نکل کر لفٹ کی طرف ہو لیا اور میں لابی میں پڑے ہوئے صوفوں کی طرف بڑھ گیا جہاں سے میں لفٹ کے ذریعے آنے جانے والوں پر نگاہ رکھ سکتا تھا۔ ویرا کی خواہش کے برعکس میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ داؤد کو زندہ گرفتار کرنے کے بجائے ٹھکانے لگانا ہی بہتر ہوگا کیونکہ اس طرح ویرا کے لیے ایک نئی مصروفیت پیدا ہو سکتی تھی۔ داؤد سے بازپُرس کے نتیجے میں جو حقائق سامنے آتے، ان کی روشنی میں ویرا فوری طور پر ٹرکی میں اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دیتی اور غزالہ کی تلاش پر اس کی پوری توجہ مرکوز نہ ہو پاتی۔

میں لابی میں آرام سے سگریٹ نوشی کرتا رہا۔ اس دوران میں لفٹ کے ذریعے لوگوں کی آمد و رفت جاری رہی لیکن میرے اندازے کے مطابق ان میں ایشیائی کوئی نہیں تھا۔

آخرکار سلطان شاہ بھی ایک لفٹ سے نکلتا ہوا نظر آیا اور چند قدم آگے بڑھ کر متجسسانہ انداز میں میری تلاش میں چاروں طرف نظریں دوڑانے لگا۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے فضا میں ہاتھ لہرا کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا تو وہ پُرجوش انداز میں میری طرف لپکا تھا۔ میں نے بھی تیزی کے ساتھ اس کی طرف پیش قدمی کی اور راستے ہی میں اس سے جا ملا۔

"ویرا درست کہہ رہی تھی۔" میرے قریب پہنچتے ہی وہ دبی دبی پُرجوش آواز میں بولا۔ "وہ تو بہت ہی زبردست اداکار بلکہ بہروپیا نکلا۔

اس نے اتنی چالاکی سے حلیہ تبدیل کیا ہے کہ بالکل انگریز معلوم ہوتا ہے۔"

" تو تمہاری اس سے ملاقات ہوگئی؟" میں نے مسرت آمیز لہجے میں سوال کیا۔

" اس نے خود ہی دروازہ کھولا تھا اور میں نے کچھ کہے بغیر بند لفافہ اسے تھما دیا۔ سالا بالکل انگریز بنا ہوا تھا۔ قد کاٹھ سے خاصا جاندار لگتا ہے۔"

میں اس کی رائے زنی پر کچھ نہ کہہ سکا کیونکہ اس وقت تک میں نے داؤد کی جھلک بھی نہیں دیکھی تھی۔ اس خبیث کے بارے میں میری معلومات ویرا سے سنی ہوئی باتوں تک محدود تھیں۔

" لفافہ اس نے تمہارے سامنے کھول لیا تھا؟"

" بہت ذلیل آدمی ہے وہ۔" اس نے برا سا منہ بناتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔ "مجھ سے لفافہ لیتے ہوئے یوں برا سا منہ بنایا تھا جیسے خود پیدائشی سفید فام ہو۔ میں نے دیکھا ہے کہ یہاں کے رہنے والے بات بے بات پر معذرت اور شکریے کے الفاظ استعمال کرنے کے عادی ہیں مگر اس نے شکریے کے دو لفظ تک نہ کہے اور لفافہ لیتے ہی دروازہ دوبارہ بند کر لیا اور میں وہاں وقت برباد کیے بغیر واپس لوٹ آیا۔"

داؤد کا یہ رویہ میرے لیے غیر متوقع تھا لیکن پھر بھی مجھے خوشی تھی کہ ان دونوں کے درمیان کسی مکالمے کا تبادلہ نہ ہونے کی وجہ سے سلطان شاہ کا بھرم قائم رہا تھا اور وہ کسی شک و شبے کا نشانہ بنے بغیر خیریت کے ساتھ لفافہ پہنچا کر واپس لوٹ آیا تھا۔

داؤد نے وہ پیغام کمرے کا دروازہ بند کرتے ہی پڑھ لیا ہوگا اور اگر اسے پیغام کی اصلیت پر ذرا بھی شبہ ہوتا تو وہ یقینی طور پر فوراً باہر آ کر سلطان کے نیچے جانے سے قبل اس بارے میں بازپرس کرتا لیکن اس کی طرف سے کسی مداخلت کے بغیر سلطان شاہ کی واپسی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ داؤد نے اس مختصر پیغام پر یقین کر لیا تھا اور اب وہ کسی بھی لمحے ہوٹل کے کمرے کو خیرباد کہہ سکتا تھا اور ہمارے لیے کاؤنٹر کی نگرانی ضروری ہوگئی تھی جہاں اسے ہوٹل کا حساب بے باق کرنے کے لیے آنا تھا۔

بدقسمتی سے میں نے اس کو کبھی نہیں دیکھا تھا لیکن سلطان شاہ اسے ایک انگریز کے روپ میں دیکھ آیا تھا للہٰذا میں نے سلطان شاہ سمیت دوبارہ وہیں جم جانے کا فیصلہ کر لیا اور ہم دونوں لابی کے ایک دور افتادہ گوشے میں جا بیٹھے جہاں ہمارا آسانی کے ساتھ دیکھا جانا ممکن نہیں تھا لیکن ہم بہ آسانی کاؤنٹر پر نگاہ رکھ سکتے تھے۔

ہمیں وہاں بیٹھے ہوئے چند ہی منٹ گزرے تھے کہ سلطان شاہ نے غیر محسوس انداز میں پہلو بدلتے ہوئے مجھے ایک طرف متوجہ کیا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اچانک مجھے یخ بستہ پانی میں غوطہ دے دیا ہو۔

سامنے سے کاؤنٹر کی طرف آنے والا وہی سفید فام تھا جس نے پستول کے بل پر مجھے اور ویرا کو ہوسٹس کلب سے اغوا کرنے کی کوشش کی تھی مگر میں لت رستے میں جل دے کر نکل بھاگنے میں کامیاب ہوگیا تھا جب کہ ویرا کے نام سے واقف ہونے کے بعد وہ خود ہی اس سے پیچھا چھڑانے کے چکر میں تھا۔

اس کے پیچھے ایک پورٹر وزنی سوٹ کیس اٹھائے چلا آ رہا تھا جس کا مطلب تھا کہ سفید فام ہوٹل چھوڑ کر جا رہا تھا مگر مجھے اس کی ذات سے دلچسپی نہیں رہی تھی بلکہ یک بیک سلطان شاہ پر غصہ آنے لگا تھا۔

"کیا بات ہے؟" مجھے اپنی طرف گھورتے دیکھ کر اس نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

" تم بالکل احمق ہو۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "کیا وہ لفافہ تم نے اسی کے حوالے کیا تھا؟"

" کمرہ نمبر پانچ سو دس پر دستک دینے پر یہی باہر نکلا تھا۔" اس نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔ "کیا یہ داؤد نہیں ہے؟"

" یہ وہی خبیث ہے جس نے تھوڑی دیر پہلے مجھے اور ویرا کو ہوسٹس کلب میں گھیرا تھا۔ کمال ہے کہ تم قریب سے دیکھنے پر بھی اصل چہرے اور میک اپ میں تمیز نہیں کر سکے۔"

" اوہ تو وہ لحہ بھر کے لیے سامنے آیا تھا۔ اس کے دروازہ کھولتے ہی میں نے لفافہ اس کی طرف بڑھایا اور اس نے لفافہ لیتے ہی دروازہ بند کر لیا ——— دوسرے راہداری میں روشنی بہت ہلکی تھی پھر سب سے بڑی بات یہ تھی کہ میرے ذہن میں ویرا کی بتائی ہوئی تفصیلات تازہ تھیں۔ میں سمجھا کہ داؤد ہی نے میک اپ کیا ہوا ہے۔"

میں سلطان شاہ کو گھورتے ہوئے سوچ رہا تھا سفید فام کاؤنٹر پر غالباً اپنا حساب بنوا رہا تھا۔

داؤد کے بارے میں میرا منصوبہ خاک میں ملتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ایلن بریز کے اعترافات کی روشنی میں مجھے پورا یقین تھا کہ وہ ہلٹن ہوٹل میں مقیم تھا لیکن سفید فام نے وہاں سے برآمد ہو کر ساری توقعات پر پانی پھیر دیا تھا۔ بہرحال یہی کافی تھا کہ وہ سفید فام بھی داؤد کے آدمیوں میں سے تھا اور اگر تھوڑی دیر پہلے اس نے مجھ پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی تو اب میں اس کو گھیر کر اپنا حساب بے باق کر سکتا تھا۔ شاید اسی سے یہ بھی معلوم ہو سکتا تھا کہ میرے نکل بھاگنے کے بعد اس نے داؤد کو کس ٹھکانے پر اپنی ناکامی سے مطلع کیا تھا۔

میرا ذہن تیزی کے ساتھ پوری صورت حال کے تجزیے میں مصروف تھا۔ سفید فام داؤد کے لیے کام کر رہا تھا تو میری طرف سے ملنے والے جعلی پیغام کو بھی اسی سے منسوب سمجھ بیٹھا ہوگا مگر اس تمام چکر میں ایک بات میرے ذہن میں کھٹک رہی تھی کہ گروہ بند مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث رہنے والے لوگ عام طور پر آپس میں پیغام رسانی کے لیے عجیب و غریب بلکہ بعض اوقات مضحکہ خیز طریقے استعمال کرتے ہیں لیکن پھر بھی کسی اجنبی شخص کے ذریعے ملنے والے بند لفافے کو دیکھتے ہی فطری تجسس سے مجبور ہو کر لفافے کو فوراً نہ کھولنا میرے نزدیک ناقابل فہم بلکہ معنی خیز تھا۔

سفید فام سلطان شاہ سے لفافہ لے کر جس انداز میں کمرے میں واپس پلٹا تھا، اس سے شبہ ہوتا تھا کہ کمرے میں کوئی اور بھی موجود تھا جو اس کمرے کے پتے پر آنے والے لفافے کو کھولنے کا مجاز تھا اور سفید فام نے وہ بند لفافہ اسی کے حوالے کیا ہوگا۔

غصے کی ابتدائی لہر معدوم ہوتے ہی میرے ذہن میں صورت حال رفتہ رفتہ واضح ہونے لگی اور میں نے پوری قوت کے ساتھ اس سفید فام پر ہاتھ ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔

ایلن بریز کی فراہم کی ہوئی معلومات سو فیصد درست تھیں اور داؤد ہوٹل کے اسی کمرے میں مقیم تھا مگر یہ ایک اتفاق تھا کہ جس وقت سلطان شاہ لفافہ دینے کے لیے اس کمرے پر پہنچا وہاں سفید فام داؤد کو اپنی ناکامی سے باخبر کرنے کے لیے آیا ہوا تھا۔ داؤد خود کو حتی الامکان شناخت سے بچائے رکھتا تھا للہٰذا دروازے پر دستک کے جواب میں اس نے سفید فام کو دروازہ کھولنے کا حکم دیا ہوگا اور اس نے سلطان سے لفافہ وصول کر کے داؤد کے حوالے کر دیا ہوگا۔

وہ پیغام شاید داؤد کے لیے بھی قابل قبول ہی تھا۔ اس نے فوری طور پر ہوٹل کو خیرباد کہنے کا فیصلہ کر لیا لیکن ساتھ ہی وہ اپنی شناخت کے معاملے میں حساس تھا للہٰذا اس نے اپنا حساب بے باق کرنے کے لیے اپنی جگہ سفید فام کو کاؤنٹر پر بھیج دیا اور خود غالباً پچھلے زینوں یا کارگو لفٹ کے ذریعے نکل گیا۔

ہوٹلوں کے بارے میں یہ نکتہ خاصا دلچسپ ہے کہ رہائشی کمرہ حاصل کرتے ہوئے عموماً شناخت ضروری ہوتی ہے۔ رجسٹر میں نام اور ولدیت سے لے کر قومیت تک درج کی جاتی ہے لیکن کمرہ چھوڑتے ہوئے صرف واجبات کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے جو کوئی بھی کر سکتا ہے۔ اس وقت داؤد نے شاید اسی فارمولے پر عمل کیا تھا۔

اگر میرا قائم کیا ہوا نظریہ درست تھا تو سفید فام کی ذات بھی اہمیت حاصل کر جاتی تھی کیونکہ اسے داؤد کے کمرے تک رسائی حاصل تھی۔ اب یہ اور بات تھی کہ سفید فام داؤد کی اصلیت سے لاعلم رہا ہو۔ سفید فام واجبات کی ادائیگی سے فارغ ہو کر نکاسی کے راستے کی طرف بڑھا تو میرا خیال تھا کہ وہ پورچ سے ہی کسی گاڑی یا ٹیکسی میں سوار ہوگا اور اگر اس کے پاس اپنی گاڑی تھی تو پورٹر کو برآمدے میں روک کر پارکنگ لاٹ سے گاڑی پورچ میں لا کر سامان لیتا ہوا باہر روانہ ہو جائے گا۔

میرے اشارے پر سلطان شاہ مجھ سے آگے ہو لیا تھا اور میں اتنے فاصلے سے چل رہا تھا کہ سفید فام چلتے چلتے اچانک ہی پلٹ پڑے تو میں فوری طور پر کسی آڑ میں پناہ لے سکوں۔ اسی ترتیب سے باہر نکلنے پر مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ سفید فام پورٹر کو ساتھ لیے براہ راست پارکنگ لاٹ کی طرف جا رہا تھا۔

سفید فام کا وہ اقدام معنی خیز تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس کی گاڑی پارکنگ لاٹ میں موجود تھی مگر وہ کسی وجہ سے اپنی گاڑی روشن پورچ میں نہیں لانا چاہتا تھا۔

میرے وجود میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ میں جس بساط کو الٹا ہوا محسوس کر رہا تھا، وہ اچانک ہی حیرت انگیز موڑ لیتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

پارکنگ لاٹ کی کھلی فضا میں دھندلی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور ہم چاروں آسیبی سایوں کی طرح کاروں کی قطاروں کے درمیان سے گزرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے کہ سفید فام ایک کار کے قریب رک گیا۔ وہ پورٹر کو فارغ کرنے کے لیے پرس کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے کار کی ڈکی کھولنے کے بجائے سوٹ کیس زمین پر رکھوا لیا تھا۔ اس وقفے سے میرے ساتھ ہی سلطان شاہ نے بھی فائدہ اٹھایا اور ہم دونوں نیچے جھک کر سفید فام سے قریب گاڑیوں کی اوٹ میں دبک گئے۔

پورٹر ٹپ لے کر واپس لوٹ گیا تو چند ثانیوں تک خالی الذہنی کے عالم میں کھڑے رہنے کے بعد سفید فام اس کار کی ڈرائیونگ سیٹ کی طرف متوجہ ہوا تھا جس کے قریب وہ موجود تھا۔ اسی لمحے فضا میں اس کی دبی دبی تحیر آمیز آواز ابھری اور پھر ویرا کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

" دیکھ لو، میں پھر موجود ہوں۔" قہقہے کے ساتھ ویرا کی آواز سنائی دی تھی۔ "تم مجھے چھوڑ کر بھاگ گئے تھے لیکن میں یہاں بھی پہنچ گئی —— مجھے امید نہیں تھی کہ اتنی جلدی تم سے دوسری ملاقات ہو سکے گی۔"

" خان کہاں ہے؟" سفید فام کی آواز میں بوکھلاہٹ کے ساتھ ہی تشویش بھی سمٹ آئی تھی۔

" تمہاری کار کی کیبن لائٹ خراب ہے۔ ٹٹول کر دیکھو گے تو وہ پچھلی نشستوں کے پائیدان میں سوتا ہوا ملے گا۔ نیند کا بڑا کچا معلوم ہوتا ہے تمہارا خان۔"

وہ پھرتی سے کار کے عقبی دروازے کی طرف لپکا تھا۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ ویرا کی موجودگی کے باعث آنکھ مچولی بے سود تھی۔ وہ شاید داؤد کو پہلے ہی زیر کر چکی تھی اور اب سفید فام بھی گھیرا جا چکا تھا۔

" اوہ، یہ تو بری طرح زخمی معلوم ہوتا ہے۔" سفید فام کی آواز ابھری۔ "اس کی تو گردن خون میں لتھڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ کیا تم نے اسے مار دیا؟"

"میرا ارادہ نہیں تھا اگر مر گیا تو قصور خود اسی کا ہے۔ خنجر کی نوک گردن پر ہونے کے باوجود اُٹھنے کی کوشش کی جائے تو دوہری دھار اپنا کام دکھا دیتی ہے" بیسرد لہجے میں اس سے بات کر کے وہ میری طرف مخاطب ہو گئی۔ "تم اسے لے کر میرے ساتھ چلو، سلطان کو واپس ہوٹل بھیج دو۔" سفید فام نے مڑ کر سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور اس کے چہرے پر شکست کے آثار پھیل گئے۔

پارکنگ لاٹ میں زیادہ دیر ٹھہرنا خطرناک ہو سکتا تھا لہٰذا میں نے گاڑی میں پڑے ہوئے داؤد کی نبضیں ٹٹولیں تو دور تک کسی دھڑکن کا شائبہ نہیں تھا۔ اندھیرے کے باوجود میرے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار ثابت نہیں ہوا کہ ویرا نے بہت بے رحمی کے ساتھ اس کی شہ رگ کاٹ ڈالی تھی۔

سفید فام کا لایا ہوا سوٹ کیس عقبی نشست پر داؤد کی لاش پر ڈلوا کر میں نے سفید فام کو اپنی جیب میں اسلحہ کی موجودگی سے باخبر کرتے ہوئے ویرا کے پیچھے چلنے پر مجبور کر دیا۔ سلطان شاہ اس سے پیشتر ہی اپنی گاڑی کی طرف آگے نکل گیا تھا۔ ویرا کی کار کے قریب پہنچ کر میں سفید فام کے ساتھ عقبی نشست پر سوار ہو گیا اور ویرا نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

"کیا تم نے خان کو واقعی ذبح کر دیا ہے؟" کار کے روانہ ہوتے ہی سفید فام نے بھرائی ہوئی، تشویش زدہ آواز میں سوال کیا تھا۔ وہ غیر متوقع طور پر بدلی ہوئی صورت حال پر خائف نظر آ رہا تھا۔

"نبض بند ہونے کے بعد دوبارہ چل پڑے تو اور بات ہے ورنہ فی الحال تو وہ مر چکا ہے۔" ویرا نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "میں خود اسے زندہ پکڑنا چاہتی تھی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کی موت میرے ہی ہاتھ سے لکھی ہوئی تھی۔"

"یہ تم نے بہت برا کیا۔" سفید فام متاسفانہ لہجے میں بولا۔ "خان مسٹر ایکس کا خاص آدمی تھا۔ اس کے قتل پر وہ تمہیں دنیا کے آخری سرے پر بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"یہ مسٹر ایکس کیا بلا ہے؟" ویرا نے مضحکہ اڑانے والے لہجے میں سوال کیا۔

"مجھے تمہارے بارے میں خان نے سب کچھ بتا دیا تھا لہٰذا میں تمہاری معلومات میں اضافے کے لیے یہ بتانے میں کوئی ہرج نہیں سمجھتا کہ گروپ نائین آج کل براہِ راست مسٹر ایکس کے احکام کا پابند کر دیا گیا ہے اور اس کی ہدایات خان کے ذریعے متعلقہ لوگوں تک پہنچتی تھیں۔" وہ ویرا سے مخاطب ہو کر بولا۔

"اوہ!" ویرا کی غصیلی آواز ابھری۔ "تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی۔ کیا تم بھی گروپ نائین میں ہو؟"

"نتائج تم خود اخذ کر سکتی ہو۔ میں نے جو بات ضروری سمجھی، وہ تمہارے گوش گزار کر دی ہے۔ تم جانتی ہو کہ گروپ نائین معمولی معاملات سے الگ رکھا جاتا ہے۔ کاش خان نے میری ناکامی سے پہلے ہی مجھے تمہارے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہوتا تو شاید اس وقت صورت حال ہی کچھ اور ہوتی۔ ہوسٹس کلب سے نکلنے کے بعد تم لوگ میری آنکھوں میں دھول جھونک کر فرار نہیں ہو سکتے تھے۔"

"تمہارا دماغ ٹھکانے پر لانے کے لیے اب مجھے بھی بتانا پڑے گا کہ خان خود ہی مسٹر ایکس تھا اور تم اس کا حشر دیکھ چکے ہو۔ شوگر کوئین سے ٹکرانے والوں کے لیے زمین عموماً تنگ ہو جایا کرتی ہے۔" ویرا نے سرد لہجے میں کہا۔

"تم مجھے جھوٹی باتوں سے خوفزدہ نہیں کر سکتیں!" وہ احتجاجاً اور خوفزدہ لہجے میں بولا۔ "تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ میرے ساتھی کسی بھی لمحے تم پر دھاوا بول سکتے ہیں۔"

میں چونک پڑا۔ اس کی دھمکی بے بنیاد نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے اپنے پستول کی نال اس کے پہلو سے لگا دی۔ "ڈیٹیکٹر کہاں ہے؟ ذرا بھی تاخیر کی تو میں ٹریگر دبا دوں گا۔"

"کیسا ڈیٹیکٹر؟" وہ انجان بن کر حیرت سے بولا۔

"وہی جس کے بل پر تمہارے ساتھی ہمیں گھیر سکیں گے۔"

"میں ایسی کسی چیز سے واقف نہیں۔"

"یہ بکواس کر رہا ہے، تم نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ ڈالا ہے۔" ویرا نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "خاص فری کوئنسی پر بے آواز الیکٹرونک سگنل نشر کرنے والا یہ قیمتی آلہ گروپ نائین کے ہر رکن کے پاس ہوتا ہے اور ڈیڑھ سو میل کے دائرے میں لوکل ہیڈ کوارٹر کے کنٹرول روم کو ہر لمحے ان لوگوں کی پوزیشن کا علم رہتا ہے اور اسی آلے کا ایک چھوٹا سا بٹن دبا دیا جائے تو عام اشارے کے بجائے یہ خطرے کا سگنل بھیجنے لگتا ہے۔ ہیڈ کوارٹر میں سمت اور فاصلے کا تعین کرتے ہی وہ لوگ اس کی مدد کے لیے کوئی پارٹی روانہ کر دیں گے جو اپنی مشین پر ریڈیائی اشاروں کے منبع کا کھوج لگاتے ہوئے ہم تک پہنچ جائیں گے۔"

"سب کچھ جان کر بھی انجان بنتی ہو۔" اس نے تلخ لہجے میں کہا۔ "یہ ٹھیک ہے کہ میں تمہارے لیے موت کا پیغام نشر کر چکا ہوں۔ تم میری بوٹیاں بھی اڑا ڈالو تو میں تمہیں اس کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا اور موت کسی بھی لمحے تمہارا مقدر بن جائے گی۔"

"تم اس پر اپنا وقت کیوں برباد کر رہی ہو؟" میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا۔ "آخر ہم کس سلسلے اسے اپنے ساتھ لادے ہوئے پھر رہیں ۔۔۔۔ کہیں بھی اسے گولی مار کر پھینک ہی کیوں نہ دیں؟"

"ٹھیک ہی ہے۔" ویرا بے پروایانہ لہجے میں بولی۔ "جب داؤد ہی زندہ ہاتھ نہ آ سکا تو یہ بھلا کس کام آئے گا۔ میں گاڑی شہر سے نکالتی ہوں، راستے میں ہی اسے ٹھکانے لگا دینا۔"

"تم میرے ساتھ جو سلوک چاہو کر سکتے ہو لیکن یہ یاد رکھنا کہ تم لوگوں کے دن پورے ہو گئے ہیں۔ شی کے لیے تمہاری ذات ایک مستقل خطرے کی حیثیت اختیار کر گئی ہے جس کے سدِ باب کے لیے مسٹر ایکس کو خصوصی مشن سونپا گیا تھا۔"

اس نے اپنا فقرہ پورا کر کے جوں ہی پہلو تبدیل کیا، میں نے پوری قوت کے ساتھ جچے تلے انداز میں اپنے پستول کا آہنی دستہ اس کی کنپٹی پر رسید کیا اور وہ کراہتا ہوا اسی پوزیشن میں نشست گاہ سے ٹک کر بے ہوش ہو گیا۔

"آگے آ جاؤ۔" ویرا نے میری کارروائی پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے پیش کش کی جسے میں نے قبول نہیں کیا۔ سفید فام کسی بھی لمحے ہوش میں آ کر دشواریاں کھڑی کر سکتا تھا اس لیے ہم میں سے ایک کا اس کے سر پر مسلط رہنا ضروری تھا۔

"یہ بتاؤ کہ تم اچانک پارکنگ لاٹ میں کیسے پہنچ گئیں؟" موقع میسر آتے ہی میں نے اپنے ذہن میں چبھتا ہوا وہ سوال کر ڈالا۔

وہ ہنسنے لگی۔ "میں نے سوچا کہ باہر ممنوعہ علاقے میں گاڑی پارک کر کے تمہاری بخیر و عافیت واپسی کا انتظار کرنے سے بہتر ہو گا کہ اندر ہی چلی جاؤں۔ وہاں تھوڑی ہی دیر بعد مجھے سرچ لائٹ کی روشنی کے حلقے سے بچ کر گزرتے ہوئے داؤد نظر آیا جو بہت عجلت میں تھا۔ یہ اتفاق تھا کہ میں نے اپنی کار ایسی جگہ پارک کی تھی کہ لاٹ میں آنے والے ہر شخص پر نگاہ رکھ سکوں کیونکہ مجھے تم دونوں کی آمد کا انتظار تھا۔ میں نے محتاط رہ کر اس کا پیچھا کیا اور جب وہ بظاہر کسی کی نگاہوں میں آئے بغیر کار میں گھس کر عقبی پائیدان میں روپوش ہو گیا تو میں نے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر اسے جا لیا۔ میرے پاس محض ایک خنجر دیکھ کر وہ مزاحمت پر تل گیا اور مجھے مجبوراً اس کی گردن کاٹنا پڑ گئی کیونکہ ایک بار پائیدان سے اٹھنے کے بعد وہ میرے لیے بدترین حریف ثابت ہو سکتا تھا۔ میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ کسی اور کی آمد کا منتظر تھا اور آخر کار تم لوگ آ پہنچے۔"

اس کے استفسار پر میں اسے اپنی کہانی سنانے لگا۔

گفتگو کے ساتھ ہی کار تیز رفتاری کے ساتھ فاصلے طے کرتی رہی اور آخر کار ویرا نے ایک سنسان اور غیر آباد علاقے میں گاڑی روک دی۔ میں نے بے ہوش سفید فام کی بغلوں میں ہاتھ دے کر پھرتی کے ساتھ اسے کار سے نکال کر زمین پر ڈال دیا پھر ویرا نے اس کی کھوپڑی دونوں ہاتھوں میں تھام کر مخصوص انداز میں اس کی گردن کو ایک شدید جھٹکا دیا اور ہلکی سی آواز کے ساتھ سفید فام کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی۔

ویرا نے تھوڑی دیر قبل داؤد کو ذبح کیا تھا اور اب سفید فام کی گردن یوں توڑ ڈالی تھی جیسے وہ زندہ انسان نہیں، ربر کا کوئی بے جان کھلونا رہا ہو۔ اس کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے یکسر عاری تھا۔ خونریزی کے معاملے میں وہ ہر بار بے حد پُرسکون نظر آتی تھی بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے اپنے دشمنوں کو ہلاک کر کے اسے خاص قسم کا سکون ملتا ہو۔ کسی عورت کی جانب سے قتل و خونریزی کے معاملات میں ایسی سردمہری میرے لیے ہر بار ہی حیرت انگیز ثابت ہوئی تھی۔

"کسی کی جان لیتے ہوئے تمہیں خوف نہیں آتا؟" واپسی پر میں نے اس سے سوال کر ہی ڈالا۔

"کبھی کسی سانپ یا بچھو پر ترس آیا ہے تمہیں؟" اس نے میری بات کا جواب دینے کے بجائے ہنستے ہوئے مجھ سے ہی سوال کر ڈالا۔

"میں موذی جانوروں کی نہیں، انسانوں کی بات کر رہا ہوں۔"

"انسان موذی ہو جائے تو بہت خطرناک ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بے ہوش سفید فام کی ہلاکت نے تمہارے دماغ پر کچھ ناخوشگوار اثرات ڈالے ہیں۔" وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"اسے تو مرنا ہی تھا کیونکہ وہ کئی باتوں کا چشم دید گواہ تھا۔ صدمہ تمہارے انداز پر ہوا۔ بے ہوش دشمن کو اس قدر سکون اور بے رحمی سے مارنا شاید کسی نارمل انسان کے بس کی بات نہیں۔"

"مجھے فخر ہے کہ میں ایسے معاملات میں ایب نارمل ہوں۔ اس کی جگہ کوئی بے گناہ ہوتا تو شاید میرا ضمیر اسے تھپڑ بھی لگانے کی اجازت نہ دیتا۔"

"تمہاری نگاہوں میں گناہ کیا تھا اس کا؟" میں نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

اس نے گردن گھما کر ملامت آمیز نظروں سے میری طرف دیکھا پھر اپنی توجہ دوبارہ سڑک پر مرکوز کرتے ہوئے اداس لہجے میں بولی۔ "مجھے دکھ ہے کہ میرے ساتھ اتنے دن گزارنے کے بعد بھی تم میرے مزاج کو نہ سمجھ سکے۔ میرا ہاتھ انھی پر اٹھتا ہے جن کے اعمال نامے سیاہ ہوتے ہیں اور ایسے بدکرداروں کو مار کر مجھے ملال نہیں ہوتا۔ اس کی اصلیت سمجھنے کے لیے اس کا یہی اعتراف کافی تھا کہ اس کا تعلق گروپ نائین سے ہے۔ اس گروپ میں صرف وہی پیشہ ور قاتل شامل کیے جاتے

ہیں جن کا پولیس کے پاس کوئی ریکارڈ نہ ہو اور دوسری لازمی اہلیت یہ ہے کہ نہ صرف مجرّد ہوں بلکہ کسی عورت کی ذات میں دلچسپی بھی نہ لیتے ہوں۔ یہ درحقیقت سفاک اور بھوکے بھیڑیوں کا غول ہے جسے قوت کے بے لگام اظہار کے لیے پرورش کیا جا رہا ہے۔"

اس سے بحث کرنے کے لیے میرے پاس مواد کی کمی نہیں تھی۔ یہ انسانی مزاج ہے کہ کوئی آدمی کتنا ہی بُرا اور بدکردار کیوں نہ ہو، اُسے ہلاک کر کے خوشی کبھی نہیں ہوتی بلکہ قاتل بھی یہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ اگر فلاں بات نہ ہوئی ہوتی تو وہ افسوس ناک سانحہ آرام سے ٹل سکتا تھا۔ کسی کو ہلاک کرنا اور اس کا موت کا سزاوار ہونا یا نہ ہونا ایک الگ بات تھی اور قاتل کا اپنے فعل پر نادم ہونا یا اس خونریزی سے محظوظ ہونا ایک دوسری بات تھی۔ ویرا کے بارے میں میرا اعتراض دوسرے پہلو سے تعلق رکھتا تھا لیکن جواب میں اس نے بالکل ہی مختلف دلیل اختیار کی تھی مگر میں نے بدمزگی سے بچنے کے لیے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔

"یہ دونوں تو جہنم واصل ہو گئے۔ اب آئزک اور مس ایش برن کا کیا بنے گا؟" کچھ دیر کی بوجھل خاموشی کے بعد میں نے سکوت توڑتے ہوئے سوال کیا۔

"کسی کے مقدّر کو تبدیل کرنا انسانی اختیار سے باہر ہے۔ میں خود ان دونوں کے بارے میں فکر مند ہوں لیکن اب انتظار اور ان کی سلامتی کی دعا کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتی۔"

"ایسا تو نہیں کہ تمھارے چکر میں یہاں داؤد کو مطلق العنان بنا دیا گیا ہو؟ وہ بہرحال کسی نہ کسی کو جوابدہ رہا ہوگا۔ کیا اس سے معلومات حاصل کرنے کے لیے رجوع نہیں کیا جا سکتا؟"

"مسٹر ایکس تنظیم کا ایک اہم اور عارضی لقب ہے۔ یہ نام جسے دے دیا جائے وہ اس خطاب کی واپسی تک مطلق العنان ہی ہوتا ہے اور دوسرے بڑے اس سے دور دور ہی رہتے ہیں۔ میرے لیے یہ بات ابھی تک ایک معما بنی ہوئی ہے کہ داؤد نے مسٹر ایکس کا خطاب کس طرح حاصل کیا، پھر دوسری اہم بات یہ ہے کہ گروپ نائین اس کی تحویل میں دے دیا گیا۔"

"یہ خطاب اسے کس نے دیا ہوگا؟"

"اس کی منظوری سُپریم کونسل ہی دیتی ہے، اسی طرح گروپ نائین بھی ایک خود مختار گروپ ہے جس کا سربراہ سُپریم کونسل کے چیف کو جوابدہ ہوتا ہے۔"

"یعنی اس نے سُپریم کونسل کو تمھارے خلاف اپنا ہم نوا بنا لیا تھا؟"

"اسی سلسلے میں وہ ناکام رہا۔" اس نے تلخ لہجے میں کہا۔ "اسے میرے خلاف کھلی چھوٹ مل گئی ہوتی تو ہوسٹس کلب میں ٹکرانے والا سفید فام میرے ساتھ نرمی سے ہرگز پیش نہ آتا۔"

"پھر اسے یہ سب مراعات کس خوشی میں دی گئیں؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"بڑے بھولے ہو۔" وہ طنزیہ انداز میں ہنسی۔ "یہ سب تمھاری وجہ سے ہوا ہے۔ جب تک تم روپوش رہے یہی سمجھا جاتا رہا کہ تم بھی لائیڈز کاٹیج میں ہلاک ہو گئے ہو گے لیکن تمھارے زندہ ہونے کے شواہد پیش کر کے داؤد نے شی کے سربرآوردہ لوگوں کو یہ یقین دلایا ہوگا کہ پاکستان میں شی کے کاروبار اور اہم ٹھکانوں کی تباہی کے ذمہ دار تم ہو۔ اس بارے میں تمھارے جرائم کی فہرست خاصی طویل ہے۔ قتل و غارت گری کے علاوہ کراچی کے جیوا ہاؤز سے لائیڈز کاٹیج کی تباہی تک بہتیرے ناقابلِ معافی جرائم ہیں، اسی وجہ سے لندن میں تمھاری موجودگی کو شی کے مفادات کے لیے بدترین خطرہ تصور کیا جا رہا ہے۔"

"حالانکہ بیشتر کارروائیوں میں تم میری شریک رہی ہو۔"

"میری وفاداریوں پر صرف شبہ کیا جا رہا ہے۔ کھلے عام نہیں لیکن شی کے اندرونی حلقوں میں عموماً مجھے بھی لائیڈ کی بیٹی سمجھا جاتا ہے لہٰذا میرے خلاف صرف شبہات کی بنا پر کوئی قدم اٹھانا ناممکن ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے سنجیدگی کے ساتھ اچانک ہی موضوع بدل دیا۔ "ذرا پیچھے دیکھو، آخری چوراہے سے یہ دونوں گاڑیاں مسلسل ہمارا تعاقب کر رہی ہیں۔"

"رفتار کم کر کے انھیں آگے نکلنے کا موقع دو۔ ہو سکتا ہے کہ تمھیں وہم ہو رہا ہو۔" میں نے گردن گھما کر پیچھے آنے والے ٹریفک کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"میں کافی دیر سے کوشش کر رہی ہوں لیکن میرے ساتھ وہ بھی رفتار کم کر لیتے ہیں۔ یہ دیکھو۔" یہ کہتے ہوئے ویرا نے اپنی کار کی رفتار دھیمی کر دی۔ اسی کے ساتھ پیچھے والی دونوں گاڑیوں کی رفتار بھی کم ہو گئی۔ ان کے پیچھے آنے والا ٹریفک راستہ کاٹ کر دائیں طرف سے گزرنے والی تیز رفتار قطار میں شامل ہونے لگا۔

"یہ کون لوگ ہو سکتے ہیں؟" میں نے وہ تماشا دیکھتے ہوئے تشویش زدہ لہجے میں کہا۔

"گروپ نائین۔" ویرا نے غیر فطری انداز میں قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "خیال رہے کہ یہ انسانی لہو کے پیاسے ہوتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان کے ساتھ تمھارا مذاکرہ نتیجہ خیز ثابت ہوگا۔"

"گروپ نائین ــــ" میں نے دل ہی دل میں دہرایا۔ ہم سفید فام سے کافی دیر پہلے پیچھا چھڑا چکے تھے پھر وہ ہماری گاڑی تک کیسے پہنچ گئے تھے؟

معاً میرے ذہن میں سفید فام کے آخری الفاظ گونجے اور میں بے اختیار جھرجھری لے کر رہ گیا۔ شاید اسے اپنے انجام کا یقین ہو چکا تھا۔ لہٰذا اس نے مرنے سے پہلے ہم لوگوں کا بندوبست کر دیا تھا۔ اسے ہم نے بے ہوش کر کے ایک ویرانے میں ٹھکانے لگا دیا تھا لیکن اس نے اپنا بے آواز الیکٹرونک ڈٹیکٹر شاید ہماری کار ہی میں ڈال دیا تھا جو ابھی تک سگنل نشر کر کے ہیڈ کوارٹرز اور تعاقب کرنے والوں کی رہنمائی کر رہا تھا۔

میں اندھیرے کیبن میں غیر ارادی طور پر ٹٹول کر ڈٹیکٹر تلاش کرنے لگا۔ میری ان بوکھلائی ہوئی ناکام کوششوں پر ویرا استہزائیہ انداز میں ہنس پڑی۔

"وقت برباد نہ کرو، ڈٹیکٹر بٹن کے برابر ننھا سا لاسلکی آلہ ہوتا ہے، اس نے نشست گاہ کے نیچے کہیں بھی اُڑس دیا ہوگا۔ اگر اب وہ مل بھی گیا تو ہم ان لوگوں کو دھوکا نہیں دے سکیں گے۔"

اسی لمحے ان دونوں میں سے آگے آنے والی گاڑی نے داہنی سمت میں نکلنے کے لیے انڈیکیٹر جلایا اور اگلے ہی لمحے میں وہ کار ہماری گاڑی کے برابر سے گزرتی ہوئی آگے نکلی اور تیزی کے ساتھ ویرا کی کار کے آگے قطار میں گھستی چلی گئی۔ اس کے تاریک شیشوں کے باعث ذرا بھی اندازہ نہ ہو سکا کہ اس میں کتنے آدمی سوار تھے۔

اب صورتِ حال بہت خطرناک ہو گئی تھی۔ ان کی ایک کار آگے تھی اور دوسری پیچھے لگی ہوئی تھی۔ وہ لوگ ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر دیدہ دلیری کے ساتھ ہمیں گھیرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

ویرا دانت پر دانت جمائے ڈرائیونگ کرتی رہی۔ اس وقت اس کے حسین چہرے کی ساری دلکشی مفقود ہو گئی تھی اور اس کے بُشرے پر بھیانک سی بے رونقی جم کر رہ گئی تھی۔ میرے لیے اس کے وہ تیور نئے نہیں تھے۔ میں نے سمجھ لیا تھا کہ اب وہ کسی بھی لمحے نتائج کی پروا کیے بغیر کشت و خون کا آغاز کر دے گی۔

چند ثانیوں بعد جب ہمارے گرد و پیش میں ٹریفک صاف ہوا تو ویرا نے رفتار بڑھاتے ہوئے داہنی طرف سے اگلی کار سے آگے نکلنے کی کوشش کی لیکن اگلی کار نے اس بری طرح سائیڈ دبائی کہ ویرا کو تصادم سے بچنے کے لیے اچانک بریک لگانے پڑ گئے۔ اور اسی کے ساتھ اس نے ہارن بجانا شروع کر دیا۔

میں نے وہاں اپنے مختصر سے قیام میں ہی محسوس کر لیا تھا کہ اس سرزمین پر ہارن کو ٹریفک کی زبان کا درجہ حاصل نہیں تھا۔ ہر شخص قاعدے کے مطابق دوسروں کے لیے راستہ چھوڑ کر ڈرائیونگ کرتا تھا اور ہارن اسی ڈرائیور پر بجایا جاتا تھا جو ضابطے کی کسی خلاف ورزی کا مرتکب ہو رہا ہو۔ بہ الفاظِ دیگر وہاں ہارن اگلی گاڑی کے ڈرائیور کے لیے مہذب گالی کا درجہ رکھتا تھا جس کے ذریعے اسے اپنے حواس میں رہ کر ٹریفک کے مروّجہ ضابطوں کی پابندی پر مجبور کیا جاتا تھا۔

دوسری بار ویرا نے مسلسل ہارن بجاتے ہوئے بائیں سمت سے آگے نکلنا چاہا تھا مگر اس بار بھی اگلی کار بری طرح اس کی راہ میں حائل ہو گئی اور مجھے اضطراری طور پر ویرا کو ٹھنڈے ذہن سے کام لینے کا مشورہ دینا پڑا۔

پھر اچانک ہی اگلی کار کے بریک لیمپس جل اٹھے اور وہ گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ سڑک کے وسط میں رک گئی۔

"پچھلے دروازے لاک کر دو۔" ویرا بریک لگاتے ہوئے سرد لہجے میں بولی اور میں نے پھرتی کے ساتھ اس کی ہدایت کو عملی جامہ پہنا دیا۔ ہماری کار اگلی گاڑی سے بمشکل چند انچ کے فاصلے پر رکی تھی اور پیچھے دوسری گاڑی نے راستہ مسدود کر دیا تھا۔ یہ سب پلک جھپکتے میں ہوا اور اگلی کار کی عقبی نشست سے ایک گرانڈیل آدمی نیچے اتر کر تیر کی طرح ہماری گاڑی کی طرف آیا۔ اس نے بائیں طرف میرے پیچھے والے دروازے پر طبع آزمائی کی۔ اسی لمحے ویرا نے پھر مسلسل ہارن بجانا شروع کر دیا۔ اس اثنا میں گرانڈیل سفید فام نے کسی سخت چیز سے ضرب لگا کر ایک تیز چھناکے کے ساتھ پچھلی کھڑکی کا شیشہ توڑ دیا۔

میرے لیے ان لوگوں کی دیدہ دلیری ناقابلِ یقین ثابت ہو رہی تھی۔ میں نے گرانڈیل کو روکنے کی پوری کوشش کی لیکن وہ اپنا ہاتھ زخمی ہونے کی پروا کیے بغیر ٹوٹے ہوئے شیشے میں سے ہاتھ ڈال کر دروازے کو مقفل کرنے والی گھنڈی اُٹھا کر اندر گھس آیا۔ اس کے سوار ہوتے ہی اگلی کار چل پڑی اور ہمارے پیچھے والے نے ہارن بجانا شروع کر دیا۔

"چلو۔" ہماری کار میں سوار ہونے والا گرانڈیل سفید فام حلق کے بل غرّایا۔ "میرے ہاتھ میں اعشاریہ تین دو کا بے آواز پستول ہے اور مجھے تمھاری زندگیوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

ویرا نے لمحہ بھر کے لیے کن انکھیوں سے میری طرف دیکھا اور اچانک اتنی تیز رفتاری کے ساتھ گاڑی آگے بڑھائی کہ اس کے ٹائر سڑک سے رگڑ کھا کر چیخ اُٹھے۔ میرے لیے ویرا کی وہ حرکت متوقع تھی جب کہ گرانڈیل حریف اپنی جارحانہ کارروائی کے بعد ایسے شدید ردّ عمل کے لیے تیار نہیں تھا لہٰذا کار کے حرکت میں آتے ہی وہ پچھلی نشست پر لڑھک کر پشت گاہ سے جا لگا اور اس کے پستول والے ہاتھ کا رُخ کار کی چھت کی طرف ہو گیا۔

تقریباً اسی لمحے میں نے اپنی کرسی کی پشت گاہ کا لیور دبا کر شانوں کے زور سے پشت گاہ کو پیچھے گرا دیا اور اس کے پستول والے ہاتھ کو گرفت میں لے کر اس کے سینے پر سوار ہو گیا۔

میری دو تین بھرپور ٹکروں نے اسے تیورا کر رکھ دیا، دوسری طرف اس کی ٹانگیں بھی نشستوں کے درمیانی پائیدان میں پھنس کر رہ گئی تھیں اس لیے وہ مجھے اچھال پھینکنے کے لیے پوری طرح زور نہیں لگا پا رہا تھا اور جھلاہٹ کے عالم میں اس کے منہ سے مغلظات کا ایک طوفان رواں ہو گیا تھا۔

اس کے لیے بچ نکلنے کے بہت سے امکانات تھے جب کہ مجھے اس کی کامیابی یا برتری کی صورت میں اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی جس کی وجہ سے ہم دونوں کے جذبات بھی مختلف تھے۔ وہ جھلایا ہوا تھا اور میرے دماغ پر خون سوار ہو گیا تھا۔ اپنی وحشیانہ ٹکر ولسے

اس کا چہرہ لہولہان کرتے ہوئے میرے بائیں ہاتھ میں کھڑکی کے شیشے کا ٹوٹا ہوا ایک لمبا سا ٹکڑا آگیا اور میں نے اپنے ہاتھ اور انگلیوں کے زخمی ہونے کی پروا کیے بغیر وہ دھار دار شیشہ مضبوطی سے گرفت میں لے کر پے در پے اس کے چہرے اور گردن پر کئی وار کر ڈالے۔

میرے تیوروں نے اس کے اوسان خطا کردیے بھیانک غراہٹوں اور چیخوں کے درمیان اس نے شیشے کی دھار سے بچنے کی بہتیری کوششیں کیں لیکن چہرہ بچالینے کے باوجود وہ جسم کے دوسرے حصوں کو محفوظ نہ رکھ سکا۔ جہاں تک چہرے کا تعلق تھا تو وہ پہلے ہی وار میں بری طرح ادھڑ کر رہ گیا تھا۔

اچانک اس نے پستول گرا دیا اس طرح مجھے اپنا داہنا ہاتھ بھی استعمال کرنے کا موقع مل گیا۔ اگر وہ گروپ نائین کا کوئی خونخوار جیالا تھا تو جان کے خوف نے اس وقت مجھے بھی لہو کا پیاسا بنا کر رکھ دیا تھا۔ میں نے داہنے ہاتھ سے اس کا گریبان پکڑ کر ایک بار پھر نوکیلے اور دھار دار شیشے کا وار کیا اس بار شیشہ اس کی داہنی آنکھ میں پیوست ہوگیا۔ نیا زخم کھا کر اس کے حلق سے بھیانک چیخ نکلی تھی۔

میں نے وہ شیشہ اس کی آنکھ سے باہر کھینچا تو اس کے گرم گرم خون کی دھاریں اس کے چہرے سے گلے تک بہہ کر میرے داہنے ہاتھ کو تر کرنے لگیں جو اس کے گریبان پر جما ہوا تھا۔ اس وقت مجھ پر صحیح معنوں میں خون سوار ہوگیا تھا میں نے اپنا بایاں ہاتھ فضا میں بلند کیا اور شیشے کی دھار پوری قوت سے اس کے دہانے میں حلق تک اتار دی۔

اس کا بدن میرے نیچے بری طرح تڑپا تھا مگر اس کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ اپنی جارحیت کو بھول کر اب وہ اپنی بقا کے لیے جاں گسل جدوجہد کر رہا تھا۔ میں نے شیشہ اس کے دہانے میں ہی پیوست چھوڑ کر اپنے زخمی ہاتھ کی ہتھیلی سے شیشے کے پچھلے حصے پر ایک ضرب لگا کر اسے اس کے حلق اور دہانے کے زخموں میں اور گہرا اتار دیا۔

مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ گہرے زخم بہت مہلک تھے اور زخم سے بہنے والی خون کی دھاروں نے اس کے جسم سے ساری قوت نچوڑ لی تھی لہٰذا میں نے اس کھیل کو فی الفور ختم کرنے کے لیے اپنی گرفت قدرے کمزور کرکے پائیدان میں سے اس کا بے آواز پستول اٹھا لیا۔

دوسری طرف میرے گرانڈیل حریف کے حلق میں پیوست شیشہ بھی اس کے لیے سائلنسر بنا ہوا تھا جو اس نے کار کی کھڑکی کا شیشہ توڑ کر خود ہی فراہم کیا تھا اور وہ کوشش کے باوجود شیشے کے اس مضبوط ٹکڑے کو اپنے حلق سے نہیں کھینچ سکا تھا۔

میں نے اس کے پستول کی نال اس کی کنپٹی سے لگا کر ٹرائیگر دبا دیا۔ کھٹکے کی آواز کے ساتھ گولی اس کے بھیجے میں اتر گئی اور اس کے آخری سانسوں کے ساتھ کار کے کیبن میں بارود کی ہلکی سی بو بھر گئی۔

اسے ختم کرکے میں نے عقبی ونڈ شیلڈ سے پیچھے نگاہ ڈالی تو سڑک ویران پڑی ہوئی تھی اور شاید ویرا نے راستہ بھی تبدیل کرلیا تھا جس کا مجھے احساس ہی نہ ہو سکا تھا۔ میں اپنے سر کو جھٹکتا ہوا اپنی اگلی نشست پر واپس آیا اور پشت گاہ سیدھی کی تو اندازہ ہوا کہ میری بائیں ہتھیلی اور انگلیاں شیشے کی دھاروں سے خاصی بری طرح زخمی ہوئی تھیں اور ان سے خاصی مقدار میں خون بہہ رہا تھا۔

"زخمی ہوا ہے یا مر چکا ہے؟" ویرا کی جذبات سے عاری آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

"زخمی ہوکر مرا ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "کوئی کپڑا دو، میرا بایاں ہاتھ خاصا زخمی ہوا ہے۔"

"میرے بیگ میں سے رومال نکال لو۔ اب ہمیں کسی بھی لمحے یہ گاڑی چھوڑنا پڑے گی۔"

"وہ دونوں گاڑیاں کہاں گئیں؟" میں نے اس کے بیگ میں سے رومال نکال کر اپنے زخمی ہاتھ پر لپیٹتے ہوئے حیرت سے سوال کیا۔

"پچھلی کار والوں کے لیے پلاسٹک کی وہی ایک گیند کام آئی تھی جس کی مدد سے ایلن بریز کو بے ہوش کرکے پکڑا تھا۔ ان کی گاڑی داہنی قطار میں آنے والی ایک تیز رفتار کار سے ٹکرا گئی تھی شاید دوسری گاڑی والے بھی گیس سے متاثر ہوگئے تھے۔" ویرا بتانے لگی۔ "اگلی کار آگے نکل گئی تھی۔ میں نے بائیں طرف والے پہلے موڑ پر اپنی گاڑی گھمالی تھی۔ اب وہ ہماری تلاش میں ہوں گے۔"

"ہماری تلاش سے پہلے شاید وہ کچھ دیر کے لیے دوسری کار کے حادثے میں الجھے رہیں۔ ہمیں جلد از جلد اس گاڑی سے پیچھا چھڑانا چاہیے۔ ایک ڈیٹیکٹر تو پہلے ہی گاڑی میں موجود تھا، دوسرا اس لاش کے ساتھ بھی موجود ہوگا۔ اس کار کو وہ جلد ہی ڈھونڈ نکالیں گے۔"

"سامان سمیٹو۔" وہ بولی۔ "یہ اچھا ہوا کہ ایک اور بے آواز پستول ہاتھ آگیا۔ ڈیش بورڈ کے نچلے خانے میں دو گیندیں اور پڑی ہوں گی، انھیں ذرا احتیاط سے نکالنا۔"

"کاغذات وغیرہ؟" میں نے وہ خانہ ٹٹولتے ہوئے سوال کیا۔

"پڑے رہنے دو اس میں میرا کچھ بھی نہیں ہے۔ گاڑی کو نقصان پہنچا تو اس کے مالک کو انشورنس کمپنی سے معاوضہ مل جائے گا۔" وہ بے پروایانہ لہجے میں بولی۔ "مگر تمھاری حالت بہت ابتر ہو رہی ہے۔ پیشانی اور ہاتھ زخمی ہے، لباس پر جابجا خون کے تازہ دھبے بھی نمایاں نظر آرہے ہیں ـــــ کسی کی نظروں میں آگئے تو دشواریاں کھڑی ہوجائیں گی۔"

"یہ بتاؤ کہ ارادہ کہاں کا ہے؟"

"تم اس حالت میں نہ اپنے ہوٹل کا رخ کرسکتے ہو نہ میرے ساتھ کسی اور ہوٹل میں جاسکتے ہو۔" وہ پرخیال لہجے میں بولی۔ "اب تو کسی شناسا ہی کی طرف رخ کرنا ہوگا۔"

میں خاموش ہی رہا کیونکہ اس بارے میں میں کوئی حل پیش کرنے سے قاصر تھا۔ مجھے اتنا معلوم تھا کہ علی نواز نامی میرا ایک پرانا ہم جماعت لندن میں نارتھولٹ کے علاقے میں مقیم تھا اور ہر طرح سے میرے کام آسکتا تھا میرے لیے اس کے گھر تک پہنچنا بہت زیادہ آسان نہیں تھا ورنہ حضرو کے ایک قریبی گاؤں میں پروان چڑھنے والا وہ شخص خاصا فراخ دل اور ہر اعتبار سے اعتماد کے قابل تھا۔

تھوڑی دیر بعد ویرا نے ایک سنسان مقام پر گاڑی روک دی جہاں سڑک کے دونوں طرف دور تک سبزہ پھیلا ہوا تھا اور تاریکی میں ایک دوسرے سے خاصے فاصلے پر مکانات کی روشنیاں نظر آرہی تھیں۔

چابی انجن میں لگی چھوڑ کر ویرا نیچے اتری پھر اس نے عقبی دروازہ کھول کر لائٹر کی روشنی میں پچھلی نشست پر پڑی ہوئی لاش کا جائزہ لیا اور جھرجھری لے کر پیچھے ہٹ گئی۔

"تم نے تو قیمہ ہی کردیا اس کے چہرے کا۔" وہ بائیں طرف کی سرسبز ڈھلوان پر چڑھتے ہوئے بولی۔ "اب بتاؤ کہ اس کی جان لیتے ہوئے خوف نہیں آیا تمھیں؟"

"میں اپنے وجود کی گہرائیوں میں لرز کر رہ گیا تھا۔" میں نے صفحا جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اسے نہ مارتا تو میں مارا جاتا پھر وہ بھی گروپ نائین کا ہرکارا تھا۔ ان لوگوں سے بھیانک روپ سے تم نے مجھے پہلے ہی آگاہ کردیا تھا۔ اس لیے میں اس کے ساتھ کوئی رعایت نہ کرسکا۔"

"یہ رات بھی شی کے لیے یادگار رہے گی۔" وہ تلخ لہجے میں بولی۔ "لاشوں کی یہ برسات نیچے سے اوپر تک سب کو بوکھلا کر رکھ دے گی اور اس خونریزی کا سارا کریڈٹ تمھارے نام جائے گا۔"

"میں اس دلدل سے جس قدر نکلنا چاہ رہا ہوں اسی قدر اس میں غرق ہوتا جا رہا ہوں۔" میں نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں تو یکسو ہوکر غزالہ تک رسائی کی امید میں یہاں آیا تھا لیکن یہاں بھی میرے لیے پاکستان جیسے حالات پیدا ہوتے جا رہے ہیں۔ کچھ پتا نہیں کہ کب زیر کرلیا جاؤں۔"

"اتنی مایوسی کی ضرورت نہیں۔" وہ میرا شانہ تھپتھپا کر بولی۔ "اصل خطرہ داؤد کی ذات سے تھا اور وہ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔ مقامی لوگوں کے لیے تمھیں شناخت کرنا اتنا آسان ثابت نہ ہوگا۔ اگر تم اپنی ظاہری وضع قطع میں نمایاں تبدیلیاں کرلو تو اپنے رنگ روپ کی وجہ سے ایشیائی کم اور اطالوی زیادہ معلوم ہوگے۔"

"وہ سب کچھ کرلوں گا لیکن غزالہ کا کیا کیا جائے؟ اسے میں کہاں تلاش کروں گا؟" میں نے اپنے وجود میں کرب کی لہریں محسوس کرتے ہوئے سوال کیا۔

"اول تو وہ یہیں تم کو مل جائے گی۔" ویرا نے رات کے اندھیرے میں اس قدرتی سبزہ زار پر پیش قدمی کرتے ہوئے کہا۔ "کسی وجہ سے حالات سازگار نہ ہوسکے تو وہ سمجھ دار لڑکی ہے سیدھی پاکستان ہی جائے گی۔"

"پاکستان۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "وہاں اب اس کے لیے کیا رہ گیا ہے۔ وہاں تو اسے کوئی تسلی بھی نہ دے سکے گا۔ ماں باپ کے بعد اس کا رہ کون گیا ہے پھر تمھاری تنظیم بھی اس کی تلاش میں ہے۔ یہاں یہ تو غنیمت ہے کہ جوزف کی وجہ سے پولیس غزالہ کو بھول کر سونیا کی تلاش میں بھٹک رہی ہے۔"

"مجھے تمھارے ان تفکرات کا علم ہے۔" وہ ناصحانہ لہجے میں بولی۔ "ضروری نہیں کہ اگلا دن بھی اسی قدر حوصلہ شکن ثابت ہو۔ ہمیں آنے والے وقت سے بہتر امیدیں وابستہ رکھنا چاہئیں۔"

"بہتر امیدیں۔" میں تلخ انداز میں ہنس پڑا اور اپنی رسٹ واچ کے روشن ڈائل کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ "اس وقت رات کا ڈیڑھ بجا ہے اور ہمیں کچھ علم نہیں کہ رات کا باقی ماندہ حصہ بسر کرنے کے لیے ہمیں کسی چھت کا سایہ مل سکے گا یا ہم پوری رات ہی کھلے آسمان کے نیچے بھاگتے دوڑتے گزار دیں گے۔"

"تم پر قنوطیت طاری ہو رہی ہے۔ تم دیکھنا کہ تھوڑی ہی دیر میں تمھارے لیے کیا آسائشیں موجود ہوں گی۔ الجھن صرف اتنی سی ہے کہ میں اپنی وجہ سے اپنے کسی شریف دوست کو امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتی۔ لندن کے بیشتر حلقوں میں میں ایک کھلنڈری امیر زادی کی حیثیت سے مقبول ہوں اس لیے مشتبہ انداز میں کسی دروازے پر دستک دینے سے گھبرا رہی ہوں مگر اب یہ کرنا ہی ہوگا۔"

اس نے مجھے بتایا کہ اگر ہم داہنی طرف کا راستہ اختیار کرتے تو جلد ہی ایک ایسی سڑک پر پہنچ سکتے تھے جہاں سے کوئی سواری مل سکتی تھی جبکہ ہمارا اختیار کردہ راستہ زیادہ طویل تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ گروپ نائین کے موت کے ہرکارے اگر جلد ہی گاڑی تک پہنچ گئے تو سب سے پہلے داہنی طرف والی سڑک کا رخ کریں گے جب کہ بائیں سمت کا راستہ طویل ہونے کی وجہ سے محفوظ تھا۔

ڈھلان کی چڑھائی ختم ہوتے ہی دوسری طرف کافی فاصلے

پر شہر کی روشنیاں نظر آنے لگیں۔ اس طویل مسافت کا جائزہ لے کر میں نے تھکے ہوئے انداز میں سگریٹ سلگالی۔ ویرا نے بھی میری تقلید کی اور ہم دونوں سستانے کے لیے وہیں نرم گھاس پر بیٹھ گئے۔

"کتنا سکون ہے یہاں، ماحول اور کھلی فضائیں۔" ویرا ایک گہرا سانس لے کر گھاس پر دراز ہوتے ہوئے بولی۔

"اس فضا میں سکون ہوتا تو تمہارے ہونٹوں سے سگریٹ نہ لگی ہوئی ہوتی۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "اور نہ کھلے آسمان کے نیچے فٹ پاتھوں پر سونے والوں کو ہیروئن کی طلب محسوس ہوتی۔"

"یوں سوچو گے تو بات ہی کچھ اور نکل آئے گی۔ ماحول اور فضا سے تو بس سہارا ملتا ہے، اصل سکھ تو انسان کے اپنے اندر رہتا ہے۔ اندر سے من دکھی ہو تو اسے بھلانے کے لیے نشہ درکار رہتا ہے جس کے جتنے زیادہ دکھ ہوتے ہیں اس کی نشے کی طلب بھی اتنی ہی شدید اور گہری ہوتی ہے۔"

بے اختیار مجھے اپنی ہم سفر لڑکی فرانسس یاد آگئی جو کراچی سے میرے ساتھ روانہ ہو کر روم میں اتری تھی۔ وہ ایک سادہ سی محبت کو ترسی ہوئی لڑکی تھی جسے دولت کے ایک بیوپاری نے اپنی ظاہری چمک دمک سے مرعوب کر کے پہلے اپنی محبت کے جال میں گرفتار کیا اور پھر ہیروئن یا کسی اور بیش قیمت نشے کی ایک کھیپ دے کر بہلانے سے بین الاقوامی سفر پر روانہ کر دیا۔

اس طیارے پر کئی سو مسافر موجود تھے لیکن وہ نہ جانے کیوں مجھ سے قریب ہو گئی اور پھر اس نے دھیمے دھیمے مجھے اپنے سفر کی کہانی بھی سنا دی۔ اس کے سفر کے پس منظر سے واقف ہونے کے بعد میں نے اُسے ممکنہ خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے محتاط رہنے کا مشورہ دیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ اگر میرے اندیشے درست ثابت ہوں تو وہ روم میں وقت ضائع کیے بغیر لندن پہنچ کر امپیریل ہوٹل میں قیام کرے جہاں میں خود اس سے رجوع کروں گا لیکن لندن آتے ہی میں پے در پے ایسے حالات کا شکار رہا تھا کہ اس کے بارے میں سوچ بھی نہ سکا تھا لیکن اب نشے کا ذکر آتے ہی مجھے اس کا خیال آگیا تھا جیسے اس کا وجود بھی ایک سرور انگیز نشہ ہو۔ میں بدلیوں میں چھپتے، ابھرتے تاروں پر نظر جمائے اپنے من کو ٹٹولنے لگا کہ میں بھی اندر سے دکھی تھا جو مجھے کسی نشے کا دھیان آرہا تھا۔

ویرا نے ڈرائیور کو کرائے کے ساتھ ایک پاؤنڈ کی ٹپ دی تو اس کا رویہ ایک دم تبدیل ہو گیا ورنہ وہ شروع ہی سے مجھے مشتبہ نظروں سے دیکھتا آیا تھا۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق میں نے نشے میں بدمست ہونے کی اداکاری کی تھی اور ویرا نے راستے ہی میں ڈرائیور کو میرے بارے میں ایک کہانی سنا ڈالی تھی جس کے مطابق میں اس کا بوائے فرینڈ تھا اور ہیروئن پینے کے ساتھ ہی جوا کھیلنے کا بھی شوقین تھا اور ایسی ہی ایک محفل میں دوستوں سے لڑ پڑا تھا۔ سب لوگ نشے میں بدمست تھے لہٰذا اس ہڑبونگ میں کئی جواری زخمی بھی ہوئے اور آخر میزبان کی بیوی کا فون ملنے پر اسے مجھ تک پہنچنا پڑا۔

ٹیکسی میں سوار ہوتے ہوئے ویرا نے ڈرائیور کو آکسفورڈ اینڈ کیمبرج مینشن کا پتا بتایا تھا لیکن راستے میں اپنی درد بھری داستان سناتے ہوئے یہ بھی کہہ ڈالا کہ ایسی خستہ حالت میں وہ مجھے نہ اپنے گھر لے جا سکتی تھی نہ میرے گھر چھوڑ سکتی تھی اور ڈرائیور نے فوراً ہی سسکس گارڈنز کے علاقے میں ایک چھوٹے سے ہوٹل میں شب بسری کا مشورہ دیا جو ویرا نے فوراً ہی قبول کیا اور یوں ہم ٹیکسی میں براہِ راست ایوان ہوٹل کے دروازے تک پہنچ گئے۔

ڈرائیور نے انجن بند کیے بغیر ویرا سے کرایہ وصول کیا تھا لیکن ٹپ کی رقم دیکھتے ہی وہ انجن بند کر کے نیچے اترا تھا اور کھڑکی میں سے سر اندر ڈال کر مؤدبانہ انداز میں بولا تھا۔ "اس حالت میں اس بے چارے کا تماشا بنانا مناسب نہیں، تم دونوں یہیں بیٹھو، میں کمرے کا بندوبست کر کے آتا ہوں۔"

"بڑی چالاکی سے زیر کیا تم نے اس مردود کو۔" اس کے چلے جانے کے بعد میں نے ویرا سے کہا۔

"معقول ٹپ نہ دیتی تو وہ ہمیں اتار کر سیدھا قریبی پولیس اسٹیشن پہنچ کر ہمارے بارے میں اطلاع درج کرا دیتا۔ لندن کے ٹیکسی ڈرائیور بہت گہرے اور پُراسرار ہوتے ہیں۔ کسی مسافر سے بھاری ٹپ ملنے کی اُمید ہو تو یہ لوگ معلومات اور رہنمائی کا خزانہ ثابت ہوتے ہیں۔ اب تم دیکھ لینا کہ وہ تمہیں سہارا دے کر کمرے تک پہنچائے گا ورنہ پہلے اس نے انجن بند کرنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔"

وہ چند ثانیوں بعد ہی پھرتی کے ساتھ واپس باہر آیا تھا اور ویرا کی سمت کی کھڑکی کے قریب جھک کر مؤدبانہ لہجے میں بولا تھا۔ "ڈبل بیڈ، پرائیویٹ واش روم کے ساتھ ہے مادام! کرایہ وی اے ٹی کے ساتھ صرف اٹھائیس پاؤنڈ۔"

ویرا نے بیگ میں سے پرس نکال کر دس دس پاؤنڈ کے تین نوٹ اس کی طرف بڑھا دیے اور وہ ایک مرتبہ پھر ایوان ہوٹل کے شیشے کے دروازے کے پیچھے غائب ہو گیا۔

"ہوٹل کے کرائے میں اس کا کمیشن بھی شامل ہو گا؟" میں نے آہستگی کے ساتھ سوال کیا۔

"یہ بہت چھوٹی باتیں ہیں۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ کسی شناسا کے سامنے شرمندہ ہوئے بغیر اتنی رات گئے محفوظ ٹھکانا مل گیا۔ یہ لندن کے بدنام ترین ہوٹلوں کا علاقہ ہے۔ ان چھوٹے چھوٹے ہوٹلوں کے ہر کمرے میں روز کم و بیش کئی مہمان آتے جاتے ہیں اور کوئی دوسرا میں ذرا بھی دلچسپی نہیں لیتا۔"

دوسری بار ڈرائیور نمودار ہوا تو خوش اور مطمئن نظر آرہا تھا۔ اس نے ویرا کو اپنی ایمانداری سے مرعوب کرنے کے لیے آتے ہی ادب کے ساتھ بچے ہوئے دو پاؤنڈ اسے پیش کیے جو ویرا نے خندہ پیشانی سے اُسے بخش دیے۔

"یہاں ہیروئن کا نام نہ لینا مادام!" اس نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔ "اس طرف سارے ہی ہوٹل والے الکحل کے علاوہ دوسرے نشوں سے گھبراتے ہیں، میں نے بتایا ہے کہ تمہارا ساتھی ایک طوائف کی تشدد پرستی کا شکار ہوا ہے اور گھر جانے سے پہلے آرام کرنا چاہتا ہے۔"

"بہت بہت شکریہ۔ تم بہت نرم دل اور مہربان معلوم ہوتے ہو۔" ویرا یہ کہتے ہوئے ٹیکسی سے نیچے اتر گئی۔

اس نے دوسری طرف سے آکر مجھے سہارا دے کر ٹیکسی سے نیچے اتارا اور میرا ایک بازو اپنے شانے پر گردن کے پیچھے سے گزار کر میرا سارا وزن اپنے کندھوں پر لے لیا۔ ویرا نے میرا دوسرا ہاتھ تھاما اور میں ان دونوں کے ساتھ کشاں کشاں ہوٹل کی طرف ہو لیا۔

اندر مختصر سی لابی میں کوئی نہیں تھا۔ ہم سیڑھیاں طے کر کے دہرے بستر والے ایک مختصر سے کمرے میں پہنچ گئے۔ مجھے بستر پر لٹانے کے بعد ویرا نے ٹیکسی ڈرائیور کو مزید پانچ پاؤنڈ کی ٹپ دی اور وہ اس کا شکریہ ادا کرنے کے بعد اپنا نام اور وقتِ ضرورت طلبی کے لیے فون نمبر بتا کر واپس جانے لگا۔

"رجسٹر کے اندراجات کا کیا ہو گا؟" ویرا نے پوچھا۔

"اوہو!" وہ معذرت خواہانہ انداز میں واپس مڑا۔ "میں نے پوچھے بغیر مسٹر اور مسز اے جی رولف کا نام درج کرا کے خود ہی دستخط کر دیے تھے۔ کرائے کی رسید لڑکی صبح دے دے گی۔"

"زحمت نہ ہو تو ذرا مجھے استری لا دو۔ مجھے شاید مسٹر رولف کی یہی قمیص دھو کر استری سے سکھانا پڑے گی۔" ویرا نے کہا اور وہ سعادت مندی کے ساتھ سر ہلاتا ہوا باہر چلا گیا۔

نیچے سے برقی استری اس نے فوراً ہی پہنچا دی اور واپس چلا گیا۔

"حیرت ہے کہ نیچے چڑیا کا بچہ بھی موجود نہیں تھا۔" ویرا کے دروازہ مقفل کرنے کے بعد میں نے دھیمی آواز میں حیرت سے دریافت کیا۔

"دیکھتے جاؤ۔ یہ معما صبح ہی حل ہو گا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "ایسے گھٹیا ہوٹلوں میں ڈرائیوروں کی ملی بھگت ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے سرے سے کرایہ دیا ہی نہ ہو اور صبح ہم سے ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے۔ کوئی سامنے موجود ہوتا تو یہ بات ابھی صاف ہو سکتی تھی۔"

میں نے اُٹھ کر آئینے میں اپنا جائزہ لیا تو چونک پڑا۔ اس حلیے میں اتنی رات گئے واقعی کہیں اور پناہ ملنا ناممکن تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے، پیشانی پر سوجن موجود تھی۔ دونوں آستینوں سمیت قمیص پر جا بجا خون کے داغ لگے ہوئے تھے اور بایاں ہاتھ تو خیر زخمی ہی تھا۔

ویرا نے سب سے پہلے میری قمیص اتروا کر واش بیسن میں پانی میں بھگو دی اور پھر میرے بائیں ہاتھ پر بندھا ہوا خون آلود رومال کھول کر زخموں کا جائزہ لینے لگی جو خون کی پپڑیاں جم جانے کے باعث بہت گہرے نظر آرہے تھے۔

ویرا نے تشویش کے ساتھ اس رومال کو پانی میں تر کر کے ہولے ہولے میری ہتھیلی اور انگلیاں صاف کیں اور اُدھڑی ہوئی کھال کا تفصیلی معائنہ کرنے کے بعد فرسٹ ایڈ کا سامان لینے نیچے چلی گئی۔ اس کی واپسی کامیابی کے ساتھ ہوئی تھی۔

دوبارہ اس نے اسپرٹ سے زخم کو صاف کرنا شروع کیا تو تکلیف ضبط کرنے کی کوشش میں میری آنکھوں میں آنسو امڈ آئے پھر وہ کرید کر شیشے کے ذرات صاف کرنے لگی کئی جگہ شیشے کے لمبے لمبے اور باریک ٹکڑے پیوست تھے اُنھیں نکال کر ویرا نے مشاقانہ انداز میں مرہم لگا کر میرا پورا بایاں ہاتھ اچھی طرح پٹی میں لپیٹ دیا اور خود خون آلود اشیا سمیٹ کر باتھ روم میں چلی گئی۔

وہ ایک پیشہ ور مجرمہ تھی بلکہ یہ پیشہ اسے اپنے باپ سے ورثے میں ملا تھا للٰہذا وہ بہت محتاط تھی۔ اس نے تمام خون آلود ٹکڑوں کو اسپرٹ میں بھگو کر اچھی طرح نذرِ آتش کیا اور راکھ کموڈ میں پانی کے تیز ریلے میں بہا دی اور میری قمیص دھونے میں مصروف ہو گئی۔

میں باتھ روم کے دروازے پر کھڑا دلچسپی کے ساتھ اس کی حرکات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس وقت وہ حقیقی معنوں میں ایک خانہ دار عورت نظر آرہی تھی۔ میں سوچنے لگا کہ اگر اسے زندگی کے کسی موڑ پر کوئی اچھا ساتھی مل جاتا تو شاید وہ اپنی تمام مجرمانہ مصروفیات کو خیرباد کہہ کر خوشی کے ساتھ گھریلو زندگی اختیار کر چکی ہوتی لیکن اس خوبصورت مغربی عورت کا المیہ یہ تھا کہ یا تو وہ مردوں کو اپنا کھلونا سمجھتی رہی یا مرد اُسے کھلونا سمجھ کر اس کے وجود سے اپنی آسودگیاں نچوڑ کر اُسے خیرباد کہتے رہے۔

قمیص دھو کر اس نے بڑی محنت کے ساتھ بستر ہی کے ایک کنارے پر استری کی مدد سے خشک کی اور اسے سنوار کر ہینگر میں لٹکا دیا۔ اس نے یہ کام اتنے شوق اور انہماک کے ساتھ کیا کہ وہ باہر کی دنیا سے بے نیاز ایک سیدھی سادی بیوی نظر آنے لگی تھی جو صرف اور صرف اپنے شوہر کی خوشنودی کا خیال رکھتی ہے۔

ڈرائیور نے ہوٹل کے رجسٹر میں اپنی مرضی سے ہم دونوں کو مسٹر اور مسز لکھوا دیا تھا لیکن نہ میں اس کا شوہر تھا نہ وہ میری بیوی پھر بھی میرے معاملے میں وہ ہمیشہ سے اپنائیت کا اظہار کرتی آئی تھی للٰہذا اس رات کے باقی لمحات میں بھی اس نے میری دلجوئی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ اسے اندازہ تھا کہ غزالہ کا سراغ کھو کر میں بہت اداس تھا اور آئندہ درپیش مراحل کو طے کرنے کے لیے اداسی کی اس لہر سے نجات حاصل کرنا ضروری تھا۔

ویرا کی رفاقت میں مجھے ایک محفوظ چھت کا سایہ بھی میسر آ گیا تھا اور آرام دہ بستر بھی موجود تھا لیکن اس کمرے میں خوابناک ماحول بنانے کے باوجود اس رات کے باقی لمحات میں ہم دونوں میں سے کوئی ایک پل کے لیے بھی نہ سو سکا۔ ہماری کچھ مشکلات منفرد تھیں اور کچھ مشترک، جن پر تبادلۂ خیال کرتے ہوئے اس رات کی بھیگی بھیگی اور بوجھل ساعتیں گزرتی ہی چلی گئیں۔

پچھلی شام سے اس رات تک سرے اور لندن میں جو کچھ ہوا وہ ہر اعتبار سے بہت خوفناک تھا۔ ہر واردات کے نتیجے میں کچھ نہ کچھ خون خرابا ضرور ہوا تھا اور لندن پولیس اور اسکاٹ لینڈ یارڈ کے ماہرین کے لیے ان چند گھنٹوں میں اتنا کام پیدا کر دیا گیا تھا کہ وہ کئی ہفتوں کی شب و روز مصروفیت کے بعد بھی شاید اس ہولناک قتل و غارت گری کی تہ تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔

لندن مشینی دور کے طرزِ معاشرت کا ایک ایسا شہر تھا جہاں ملک ملک اور قریے قریے کے لوگ آباد تھے لیکن وہاں قانون کی بالادستی نے زندگی کی تمام سرگرمیوں کو ایک ضابطے میں ڈھالا ہوا تھا جس کے، اس شہر کے مکین عادی ہو گئے تھے اور اس ضابطے میں امن و سکون اور باہمی رواداری کو بہت اہم مقام حاصل تھا۔

غزالہ کے ہاتھوں کاؤنٹری میں دو سفید فام اسکن ہیڈز کے قتل سے شروع ہونے والی وہ خونریز کہانی ابھی تک نہ صرف جاری تھی بلکہ تصادم اور خونریزی میں دن بدن شدت آتی جا رہی تھی۔ ان دو اسکن ہیڈز کے بعد شیفرڈز بش کے علاقے کے ایسکیوز آرمز میں ویرا کا معتمدِ خاص ٹونی ان اسکن ہیڈز کے سرغنہ کالاہان کے ہاتھوں مارا گیا پھر وہیں کالاہان میرے ہاتھوں جہنم واصل ہوا۔ اس کے بعد مجھے اغوا کرنے کی کوشش کرنے والا شی کا ایک بہترین سازشی دماغ، فرینکی ایک موٹر وے پر میرے ہاتھوں مارا گیا اور ابھی ان واقعات کی گرد دبنے نہ پائی تھی کہ لاشوں کے انبار وجود میں آنے لگے — ویرا نے جیکب کے مکان پر حملہ آور ہونے والے بھیڑیوں کے غول میں سے پانچ کے چیتھڑے اُڑا دیے، چھٹا زخمی ہو کر پولیس کی تحویل میں اسپتال پہنچ گیا اور ساتواں جو اُن سب کی کمان کر رہا تھا، فرار ہونے کی جدوجہد میں ہمارے ہاتھ آیا اور ایک شاہراہ کے کنارے اُسے بھی موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ وہ رات ایلن بریز کے قتل پر ختم نہیں ہوئی تھی بلکہ اُس کے بعد ہمارے ہاتھوں مزید تین سفاک درندے موت کے گھاٹ... اُتر چکے تھے۔ پہلے ہلٹن کی پارکنگ لاٹ میں ویرا نے اپنے ہاتھوں سے داؤد کو ذبح کیا پھر داؤد کا وہ ہرکارہ ہمارا قیدی بن گیا جس نے ہوسٹس کلب سے ہم دونوں کو پستول کی زد پر لے کر باہر نکلنے پر مجبور کیا تھا۔ بعد میں ویرا نے ایک جھٹکے کے ساتھ اُس کی گردن توڑ کر اسے بھی جہنم واصل کر دیا تھا اور آخر میں گرد و پیش کا ایک گرانڈیل سُور ما میرے ہاتھوں دردناک موت سے دوچار ہوا تھا۔ اس طرح .... چند گھنٹوں کی قلیل سی مدت میں ہماری طرف سے نو دشمنوں کو ہلاک کیا جا چکا تھا۔ ٹونی سمیت پانچ لاشیں اس کے علاوہ تھیں۔ اس کے ساتھ یہ امر بھی قابلِ غور تھا کہ مس ایش برن کو بہلانے سے اس کے ٹھکانے سے ہٹا کر اغوا کر لیا گیا تھا اور شاید لارڈ آسٹرک بھی آزاد نہیں تھا۔ اگر داؤد نے ان کے قتل کا فیصلہ صادر کر دیا تھا تو صورتِ حال بہت مہیب ہو جاتی۔

ہمیں پورا یقین تھا کہ ان واقعات پر برطانوی پریس پوری قوت سے چیخ اُٹھے گا اور اگلی صبح کے اخبارات ان وارداتوں کی رونگٹے کھڑے کر دینے والی تفصیلات سے بھرے ہوئے ہوں گے اور لندن کے امن پسند شہریوں میں ان پے در پے خونریزیوں پر خوف و ہراس کی لہر دوڑ جائے گی۔ ہر شخص اپنے سائے سے بھڑکنے لگے گا اور کسی مشکوک اجنبی کو شہر میں کہیں بھی آسانی سے نظر انداز نہ کیا جا سکے گا۔

میں جس حالت میں ایوان ہوٹل پہنچا تھا اس کی وجہ سے بادی النظر میں ہی مشکوک نظر آتا تھا۔ عام حالات میں رقم کے لالچ میں مشتبہ افراد کو کمرے کرائے پر دے دینا اور بات تھی لیکن اخبارات میں شہر کے واقعات پڑھنے کے بعد مجھ جیسے مشکوک شخص کو نظر انداز کرنا ہوٹل والوں کے لیے آسان نہیں تھا۔ ویرا کا خیال تھا کہ ان لوگوں کے باخبر ہونے تک اگر ہم ہوٹل ہی میں رُکے رہتے تو وہ پولیس کو مطلع کر کے ہمیں ہوٹل ہی سے گرفتار کرا دیتے اس اعتبار سے عافیت کی راہ بس ایک ہی تھی کہ ایوان ہوٹل میں اخبارات پہنچنے سے پہلے ہم ہوٹل چھوڑ دیتے۔ اگر بعد میں اخبارات پڑھ کر ہوٹل کے مالکان کو ہمارا خیال بھی آتا تو ہمارے موجود نہ ہونے کی بنا پر وہ ہوٹل کی نام نہاد نیک نامی اور پولیس کی کڑی بازپرس سے بچنے کے لیے خاموشی اختیار کیے رہتے۔ پولیس کو ہوٹل مدعو کر کے وہ لوگ اپنا سارا اگلا پچھلا ریکارڈ رجسٹر اُن کے سامنے رکھنے پر مجبور ہو جاتے اور اندراجات کی بے قاعدگیوں کی بنا پر ان کا لائسنس منسوخ ہونے کے امکانات پیدا ہو جاتے۔ اس معاملے میں ہوٹل والوں کی بے پروائی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے نہ صرف ٹیکسی ڈرائیور کے بتائے ہوئے مفروضہ نام کسی تصدیق کے بغیر تسلیم کر لیے تھے بلکہ رجسٹر میں بھی اسی سے دستخط کرا لیے تھے۔

نہا دھو کر ٹھیک چھ بجے ہم نے ہوٹل کا کمرہ چھوڑ دیا۔ پٹیوں میں لپٹے ہوئے زخموں کو چھپانے کے لیے میں نے اپنا بایاں ہاتھ پتلون کی جیب میں ڈال لیا تھا اور قمیص صاف ہونے کے بعد میری پیشانی کے ابھار بھی اپنی اہمیت کھو بیٹھے تھے۔

ہم نیچے اُترے تو دفتر میں ایک طرف پڑے ہوئے صوفے پر ایک دُبلی پتلی خوبصورت سی لڑکی دنیا و مافیہا سے بے خبر سو رہی تھی۔ ہم ڈرائیور کے ذریعے کرایہ پیشگی ادا کر چکے تھے، ہوٹل سے مستعار لی ہوئی استری اوپر کمرے میں موجود تھی، جب کہ کرائے کی رسید سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں تھی لہٰذا میں نے اس لڑکی کی نیند خراب کرنے کے بجائے ویرا کو خاموشی سے نکل جانے کا مشورہ دیا اور وہ معنی خیز انداز میں مسکرا دی۔

"سسکس گارڈنز کے یہ ہوٹل عیاشیوں کے اڈے ہیں۔ انتظامیہ سے اجازت لیے بغیر کوئی مہمان جنسِ مخالف کے کسی ملاقاتی کو اپنے کمرے میں نہیں لے جا سکتا اور صبح تین چار بجے کے بعد نکاسی کے راستے بھی بند کر دیے جاتے ہیں... جا کر دیکھ لو، دروازہ مقفل نہ ہوا تو اس کی نیند خراب کیے بغیر نکل چلیں گے۔"

میں نے دروازے کے ہینڈل پر طبع آزمائی کی اور لندن کی اس کھلنڈری امیرزادی کے تجربات کا قائل ہو گیا۔ وہ نجانے کب اور کس کے ساتھ ادھر آئی تھی جو ان ہوٹلوں کے بارے میں اتنی باخبر تھی۔

ویرا کے چھیڑنے پر سوئی ہوئی لڑکی نے ایک بھرپور انگڑائی لی اور میں بوکھلا کر ادھ جلی سگریٹ ایش ٹرے میں مسل کر نئی سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گیا۔

"صبح بخیر!" چند ثانیوں بعد اس لڑکی کی معصومانہ آواز سنائی دی۔ "میں کیا خدمت کر سکتی ہوں تمہاری؟"

"ہم تین نمبر کمرے میں مقیم تھے۔ اب واپس جانا چاہتے ہیں۔" ویرا نے کہا۔

"اوہ! رات تم دونوں ہی آئے تھے۔" وہ صوفے سے اُٹھ کر اپنی کرسی پر جا بیٹھی۔ "بیٹھو، بیٹھو، میں ابھی بل تیار کیے دیتی ہوں۔"

"بل شاید رات ادا کر دیا گیا تھا، ہمیں رسید کی ضرورت نہیں۔"

"اوہ — نو۔" اس نے بڑی ادا سے گردن جھٹک کر کہا۔ "رسید کے بغیر ہم گاہکوں سے ایک پیسہ بھی وصول نہیں کرتے۔ اس بارے میں تمہیں ضرور غلط فہمی ہوئی ہے۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے ہماری پشت پر لگے ہوئے ایک دیوار گیر نوٹس کی طرف اشارہ کیا جس پر گاہکوں کے لیے ہر ادائیگی کی رسید وصول کرنے کا مشورہ درج تھا۔

"کرایہ اٹھائیس پاؤنڈ۔" اس نے اونچی آواز میں کہتے ہوئے بل پر اندراج کیا۔

"مگر یہاں تو ڈبل روم مع شاور کرایہ بیس پاؤنڈ درج ہے۔" میں نے اس کے بتائے ہوئے نوٹس کے برابر میں لگے ہوئے نرخ نامے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"تین نمبر میں صرف شاور نہیں، پرائیویٹ واش اور باتھ روم بھی ملحق ہے۔" اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز کر کے اسی معصومانہ لہجے میں کہا اور اپنی دانست میں اس موضوع کو ختم کرتے ہوئے بولی۔ "اور استری کے دو پاؤنڈ ہوئے... وہ اوپر ہی ہے نا؟"

"ہاں کمرے میں پڑی ہے۔" ویرا نے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"استری استعمال کی تھی؟" لڑکی نے قلم روک کر سوال کیا اور ویرا سے اثبات میں جواب ملتے ہی بجلی کی مد میں نوّے پی کی رقم کا اعلان کرتے ہوئے اسے بل میں درج کر دیا۔

"واش روم بھی دو مرتبہ استعمال ہوا تھا۔" میں نے سنجیدہ رہنے کی کوشش کرتے ہوئے اسے یاد دلایا۔

"وہ کرائے میں شامل ہے۔" اس نے خلیقانہ مسکراہٹ کے ساتھ بل پھاڑ کر ویرا کی طرف بڑھا دیا۔

بل کی رقم وصول کر کے اس نے میز کی دراز سے چابی نکالی اور ننگے پاؤں نکاسی کے راستے کی طرف چل دی۔ دروازہ کھول کر اس نے دلفریب انداز میں ہمیں الوداع کہا اور اس سے پہلے کہ اسے ادائیگی کی کوئی اور مد یاد آتی، ہم دونوں پھرتی کے ساتھ کھلے ہوئے دروازے سے باہر نکل گئے۔

"یہ تو کھلی ہوئی دھاندلی ہے!" کہر آلود فضا میں چند قدم آگے بڑھنے کے بعد میں نے احتجاج آمیز لہجے میں کہا۔

"دھاندلی نہیں، یہ تمہاری مجبوری کی قیمت ہے جو وصول کی گئی۔" ویرا ہنستے ہوئے بولی۔ "میں نے تو رات ہی تمہیں بتا دیا تھا کہ صبح دوبارہ بل کی ادائیگی کا مطالبہ ہو گا۔"

"یعنی وہ خبیث اٹھائیس پاؤنڈ صاف لے اُڑا؟"

"اس نے لڑکی کو بھی اس کا حصہ دیا ہو گا ورنہ رات کو وہ دفتر سے غائب نہ ہوتی، اسی بات پر تو میرا ابھی ماتھا ٹھنکا تھا۔"

"اور پھر بھی تم نے ڈرائیور کو نکل جانے دیا؟"

"یہ نہ بھولو کہ صرف اٹھائیس پاؤنڈ خرچ کر کے تم بہت سی دشواریوں سے بچ گئے۔ رواداری اسی کو کہتے ہیں کہ دوسروں کی حرکتوں پر نہ جاؤ، بس یہ خیال رکھو کہ تم اپنی مجبوریوں کی کتنی قیمت ادا کر سکتے ہو۔"

"میں ڈرائیور کو فون پر ملامت تو ضرور کروں گا۔" میں اس طرح علی الاعلان بے وقوف بنائے جانے پر جھلایا ہوا تھا مگر ویرا نے جلد ہی مجھے ٹھنڈا کر دیا۔ جب ڈرائیور کی نیت شروع ہی سے خراب تھی تو نہ اس نے اپنا درست نام بتایا ہو گا نہ ہی فون نمبر صحیح رہا ہو گا۔ ٹیکسی کا نمبر نوٹ کرنے کی ہم میں سے کسی نے ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

صبح کی خنک ہواؤں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ہم ... روڈ کے ٹیوب اسٹیشن پر پہنچے جو اپنی ساخت کے اعتبار سے لندن کا

قدیم ترین ٹیوب اسٹیشن نظر آرہا تھا ہم ٹکٹ گھر کی کھڑکی سے فارغ ہوئے تو وہاں کہیں بھی دوسرے جدید ٹیوب اسٹیشنوں کی طرح نشیبی زینے تھے نہ کشادہ فضا البتہ لوہے کے جنگلوں والی، کمرے نما ایک دیوہیکل لفٹ مسافروں کو نیچے لے جانے کے لیے تیار تھی۔

اس لفٹ کے دونوں طرف پھسلنے والے آہنی جنگلے تھے۔ ایک طرف سے مسافر داخل ہو کر پچھلی سمت میں سمٹتے جارہے تھے اٹھارہویں صدی کے کسی شاہی قید خانے سے مشابہ اس لفٹ میں جب مسافروں کا ایک جم غفیر جمع ہوگیا تو لندن ٹرانسپورٹ کے باوردی ملازم نے دروازہ بند کیا اور لفٹ ایک ہلکے سے جھٹکے کے ساتھ نیچے اترنے لگی۔ آہنی جنگلوں کے درمیان سے نظر آنے والی سنگلاخ دیواریں دیکھ کر یوں محسوس ہورہا تھا جیسے ہم کسی اندھے کنوئیں میں اُترتے جارہے ہوں۔ سست رفتاری کے ساتھ ایک طویل عمودی فاصلہ طے کرنے کے بعد لفٹ تھم گئی، دوسری طرف کا دروازہ سرکایا گیا اور قطار بند مسافروں کے ساتھ باہر نکل کر ہم دونوں بھی اپنے پلیٹ فارم کی طرف بڑھ گئے۔

"اب کیا پروگرام ہے تمہارا؟" ٹیوب اسٹیشن کے ایک گوشے میں ٹرین کا انتظار کرتے ہوئے میں نے ویرا سے اُردو میں سوال میں کیا۔

"فی الحال تو تمہیں کنگز کراس تک پہنچانے جارہی ہوں اس کے بعد سب سے پہلے کوئی ایسا ٹھکانا تلاش کروں گی جہاں ہم تینوں آزادی کے ساتھ رہ سکیں۔ ہوٹلوں میں رہ کر ہم زیادہ دن تک اپنی گردنیں نہ بچا سکیں گے۔ رات کے واقعات کے بعد پولیس شہر کا چپا چپا چھان مارے گی۔"

"آخر تم پہلے کہاں رہتی رہی ہو؟" میں نے چونک کر وہ سوال کیا جو مجھے اصولاً بہت پہلے کر لینا چاہیے تھا۔

"مے فیئر کے علاقے میں میرا تین کمروں کا ذاتی فلیٹ ہے، جہاں زندگی کی ساری آسائشیں موجود ہیں لیکن میں اُدھر کا رُخ نہیں کر سکتی کیوں کہ وہ فلیٹ شی کے بہتیرے لوگوں کے علم میں ہے۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔

"آخر تم ان لوگوں سے کب تک چھپتی پھرو گی؟ اب تو داؤد بھی راستے سے ہٹا دیا گیا ہے اس کے بعد تم اپنی کھوئی ہوئی حیثیت بحال کرانے کی کوشش کر سکتی ہو۔"

"سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے ابھی تک یہی معلوم نہیں کہ فی الوقت تنظیم میں میری کیا حیثیت ہے۔ میں نے واقعی کچھ کھویا بھی ہے یا محض سایوں سے ڈر کر بھاگتی پھر رہی ہوں۔"

"اتنی کھلی محاذ آرائی کے بعد بھی اگر تمہاری بے یقینی کا یہ عالم ہے تو مجھے حیرت ہے!"

"محاذ آرائی داؤد سے تھی۔" اُس نے فوراً میری تصحیح کرتے ہوئے کہا۔ "یہ نہ بھولو کہ داؤد اور شی دو الگ الگ اکائیاں ہیں۔ داؤد کو اوپر سے تمہارے معاملے میں جو چھوٹ اور رعایتیں ملیں وہ ان کی آڑ میں مجھے بھی نیچا دکھانا چاہ رہا تھا۔ تنظیم نے میرے خلاف فیصلہ دے دیا ہوتا تو داؤد کبھی کا مجھے راہ سے ہٹا چکا ہوتا۔"

"پھر یہ گتھی کیسے سلجھاؤ گی؟"

"داؤد کی چیرہ دستیوں کی وجہ سے میں سب ہی سے کٹ کر رہ گئی تھی۔ اب کوئی ٹھکانا تلاش کرکے سب سے پہلے جان سے رابطہ قائم کروں گی تاکہ موجودہ صورت حال واضح ہوسکے۔"

"یہ جان کون ہے؟" میں نے تجسس آمیز لہجے میں پوچھا۔

"بس انگلینڈ کا اے لو سمجھ لو، عملاً سارے معاملات کا ذمے دار ہے اور اس کے اوپر تین بڑوں کا ایک بورڈ ہے جو جان کے لیے پالیسیاں وضع کرتا ہے۔ یہاں جان صرف بورڈ کو جواب دہ ہے۔"

"اور میرے لیے کیا تجویز ہے؟"

"تم حتی الامکان ہوٹل کے کمرے میں ہی محدود رہو لیکن اس طرح بھی نہیں کہ ہوٹل کے عملے کو شک ہوجائے۔ اس وقت تمہیں دو طرف سے بدترین خطرات کا سامنا ہے۔ شی اور مقامی حکام۔ شی والے تمہاری گھات میں ہیں اور مقامی حکام کو اپنے مجرم یا مجرموں کی تلاش ہے۔"

دور سے پٹریوں پر برقی ٹرین کے آہنی پہیوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دی اور پلیٹ فارم پر موجود مسافر سرے پر جمع ہونے لگے۔ ٹرین کے رکتے ہی اس کے خودکار دروازے کھلے اور مسافروں کے اترنے کے بعد نئی کھیپ کے سوار ہوتے ہی ٹرین ہچکولے لیتی ہوئی خوابناک آوازوں کے ساتھ تیزی سے آگے روانہ ہوگئی۔

میرے ذہن میں گزری ہوئی رات کے واقعات پھر سے تازہ ہونے لگے۔ آخری بار ہم شکست سے بال بال بچے تھے اور اس کامیابی میں بے ہوش کرنے والی کیمیاوی گیس کی گیندوں نے اہم کردار ادا کیا تھا جو اس وقت ویرا کے وینٹی بیگ میں پڑی ہوئی تھیں میرا خیال تھا کہ وہ شعبدہ میرے لیے کہیں بھی کارآمد ثابت ہوسکتا تھا۔

"تمہارے بیگ میں دو گیندوں کے ساتھ ایک بے آواز ہتھیار بھی موجود ہے۔ اگر یہ چیزیں میری تحویل میں ہوں تو کسی بُری گھڑی میں کام آسکتی ہیں۔" میں نے قرب و جوار میں موجود مسافروں کا جائزہ لے کر اُردو میں آہستہ سے کہا۔

"یہاں میں بیگ کھولنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی، تم دیکھ رہے ہو کہ ٹیوب کی کھڑکیوں کے سارے شیشے اس وقت آئینہ بنے ہوئے ہیں، کچھ پتا نہیں کہ کون کہاں بیٹھا شیشے میں ہم ہی کو دیکھ رہا ہو۔"

میں دل ہی دل میں اس کے مشاہدے کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا اس وقت ٹرین ایک تاریک زیرِ زمین راستے سے گزر رہی تھی اور اندر کمپارٹمنٹ میں روشنیاں جلی ہوئی ہونے کی وجہ سے کھڑکیوں کے شفاف شیشوں میں ہر طرف مختلف زاویوں سے مسافروں کے عکس نظر آرہے تھے اور ایسی صورت میں کوئی بھی مشتبہ حرکت خطرناک ہو سکتی تھی۔

پھر ایک شیشے ہی میں مجھے ایک مسافر کے ہاتھوں میں دبا ہوا ایک روزنامے کا پہلا صفحہ نظر آیا جس میں جلی سُرخی سَرے کے واقعے سے متعلق تھی اور میں نے کنگز کراس پر اسٹال سے اخبارات لینے کا فیصلہ کر لیا۔

کنگز کراس ٹیوب اسٹیشن پر ویرا نے گیس کی گیندیں میرے حوالے کردیں لیکن پستول کے لیے میرے لباس میں کہیں گنجائش نہیں تھی لہٰذا میں گیندوں پر ہی اکتفا کرکے وہاں سے روانہ ہوگیا۔

اسٹیشن کی زیرِ زمین عمارت سے باہر آکر میں نے ایک اسٹال سے صبح کے دو تین اخبارات خریدے جن کے پہلے صفحے شہر میں ہونے والی خونریزی کی خبروں سے بھرے ہوئے تھے۔ اس دوران میں میرا بایاں ہاتھ مستقل طور پر پتلون کی جیب میں تھا لہٰذا میں نے رقم ادا کرکے اخبارات بغل میں دبائے اور اسٹیشن کی عمارت سے کھلی فضا میں نکل کر سڑک عبور کرتے ہوئے اپنے ہوٹل کی طرف ہولیا۔

ہوٹل پہنچ کر میں نے اپنے کمرے میں جانے کے بجائے سلطان شاہ کے کمرے کے دروازے پر دستک دی اور دروازہ کھلنے پر اس کی ورم آلود اور بے خواب آنکھیں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے، آنکھیں سُرخ ہورہی تھیں اور لبوں میں سلگتی ہوئی سگریٹ دبی ہوئی تھی۔

"تمباکو نوشی کب سے شروع کردی تم نے؟" میں نے اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اپنے دیدوں کو گردش دے کر سوال کیا۔

"کچھ دیر اور نہ آتے تو شاید شراب پی رہا ہوتا۔" وہ غصیلے لہجے میں بولا۔ "میں نے زندگی میں کبھی خود کو اتنا ذلیل اور بے بس محسوس نہیں کیا جتنا آج رات محسوس کر رہا تھا۔"

"مجبوری تھی برخوردار!" میں نے جیب سے ہاتھ نکال کر تھکے ہوئے انداز میں کرسی پر گرتے ہوئے کہا۔ "ستارے ہی اچھے تھے جو میں زندہ بچ گیا ورنہ اس وقت تم مردہ خانے میں میری شناخت کر رہے ہوتے۔"

"مر جاتے تو گلہ نہ ہوتا۔" اس نے میری طرف مُڑے بغیر بے رحمانہ لہجے میں کہا۔ "بچ گئے تھے تو کم از کم فون ہی کر دیتے کہ آج رات ہوٹل واپس نہ آسکو گے۔"

"خون میں لتھڑے ہوئے کپڑوں کے ساتھ میں کسی کا سامنا نہیں کر سکتا تھا، فون کرنا تو بہت بڑی بات تھی تمہیں کیا معلوم کہ میں کن خطرناک حالات سے گزر کر یہاں تک پہنچا ہوں۔"

اس نے غصے میں سگریٹ قالین پر پھینک کر چپل سے مسل دی۔ "مجھے اندازہ تھا کہ تم خطرات میں گھرے ہوئے تھے۔ تمہیں ویرا کے ساتھ چھوڑ کر میں نے ایک فاش غلطی کی تھی لیکن ہوٹل میں آنے کے بعد میں بے بس ہو کر رہ گیا تھا نہ تمہارا سُراغ لگا سکتا تھا نہ اپنی جہالت کی وجہ سے کسی سے بات کرنے کے قابل تھا۔ میں نے ساری رات کمرے میں ٹہل کر گزاری ہے... اگر تم چاہتے تو ویرا ہی سے مجھے فون کرا سکتے تھے لیکن میں اسے اچھی طرح سمجھنے لگا ہوں۔ اس کی رفاقت نے تمہارے ذہن سے میرا خیال ہی محو کر دیا ہوگا۔"

شاید وہ درست ہی کہہ رہا تھا، میں نے دل ہی دل میں ندامت محسوس کی لیکن زبان سے اس کے لگائے ہوئے الزام کو تسلیم کر لینا میرے لیے ناممکن تھا۔ میں نے اُٹھ کر اسے اپنے داہنے ہاتھ سے جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ "کیا اول فول بک رہے ہو تم... میں اس کے ساتھ گلچھرے نہیں اڑا رہا تھا۔ آخر تم سے کس نے کہا تھا کہ رات بھر میری واپسی کا انتظار کرو؟ پڑ کر سو جاتے آرام سے ـــــ مجھ پر احسان کس بات کا جتا رہے ہو؟"

وہ میری طرف پلٹا تو اس کی آنکھیں نمناک تھیں۔ "تمہیں اپنے روبرو زندہ دیکھ کر شاید میرا دماغ الٹ گیا ہے۔" اس نے وفورِ جذبات سے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "ورنہ رات مجھے یقین ہوگیا تھا کہ تم کہیں کسی معرکے میں کام آگئے۔"

میں نے بے اختیار اسے اپنے سینے سے لگا کر بھینچ لیا اور دھیمی آواز میں بولا۔ "میں اتنی آسانی سے مرنے والوں میں سے نہیں ہوں سلطان شاہ ـــــ تم سے الگ ہونے کے بعد بھی دو اور حریفوں کو موت کی نیند سلایا ہے۔ اخبار پڑھو گے تو تمہیں اندازہ ہوگا کہ میری رات کس طرح ٹھوکریں کھاتے گزری ہے۔"

اسے اپنی جھوٹی پارسائی اور سنگلاخ مردانگی کا یقین دلانے کے لیے میں نے دانستہ ویرا کے ساتھ ایوان ہوٹل میں قیام کا تذکرہ گول کر دیا حقیقت یہ تھی کہ ایوان ہوٹل سے اسے اطلاع نہ دے کر میں نے اس کے ساتھ ظلم کیا تھا اور میرا دل اس غلطی پر مسلسل مجھے ملامت کر رہا تھا۔

"یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہوا؟" مجھ سے الگ ہوتے ہوئے اس کی نگاہ میرے بائیں ہاتھ پر بندھی ہوئی پٹیوں پر پڑی تو وہ مضطرب ہوگیا۔

"ہتھیلی اور اُنگلیوں پر زخم آئے ہیں۔" میں نے بے پروایانہ

لہجے میں کہا اور وہ شرمندہ ہوکر اپنی نلخ نوائی پر معذرت کرنے لگا قصور اس کا بھی نہیں تھا۔ ہم دونوں نے اپنے وطن میں اور وطن سے باہر جس انداز میں ایک دوسرے کا ساتھ دیا تھا اس کی بنا پر اس نے میری ذات سے بہت سی توقعات وابستہ کر لی تھیں اب یہ میری بدقسمتی تھی کہ اس رات میں ویرا کی ذات کا سہلا ملنے پر اسے بالکل ہی فراموش کر بیٹھا تھا۔

میری کہانی اس کے لیے بہت دلچسپ اور سنسنی خیز ثابت ہوئی مگر آخر میں میں نے ایوان ہوٹل کا ذکر گول کر کے اسے یہی بتایا کہ رات گئے ویرا مجھے لے کر اپنے ایک شناسا کے گھر پہنچی تھی جہاں فون نہیں تھا۔ وہاں خون کے داغ دھو کر قمیص سکھاتے ہی ہم روانہ ہو گئے تھے۔

وہ مجھ سے بہت کچھ پوچھنا چاہ رہا تھا لیکن میں نے اُسے بتایا کہ اخبار دیکھے بغیر میں مزید کوئی بات نہ کر سکوں گا لہٰذا ایک اخبار اس نے لے لیا اور میں روزنامہ سن کے مطالعے میں مصروف ہو گیا جس کا پہلا صفحہ لندن اور سرے میں قتل و غارتگری کی کہانیوں سے بھرا ہوا تھا۔

جو کچھ میرے اور ویرا کے ہاتھوں سرزد ہوا تھا وہ اخبار میں من وعن موجود تھا اور نامہ نگار نے گزری ہوئی رات کو خونریزی کے اعتبار سے لندن کے جرائم کی تاریخ میں بدترین رات قرار دیا تھا جس میں متعدد انسانی جانوں کے اتلاف کے باوجود نہ تو کوئی مجرم ہاتھ آیا تھا نہ اس خونریزی کے اسباب اور مقاصد روشنی میں آسکے تھے البتہ نامہ نگار نے بڑی جدوجہد کے بعد یہ کھوج نکال ہی لیا تھا کہ اپنی کرائے کی کار میں ذبح کیا جانے والا داؤد احمد خان ایک معزز پاکستانی تھا جو چند روز قبل ہی وہاں پہنچ کر ہلٹن میں مقیم ہوا تھا۔ ہوٹل کے فلور سروس اسٹاف کے بیان کے مطابق داؤد کے بہت سے مقامیوں سے گہرے روابط تھے جو اکثر اس سے ملنے آتے رہتے تھے اور ڈیوڈ ایولنگ نامی سفید فام جس کی موت گردن کی ہڈی ٹوٹنے سے واقع ہوئی تھی اور جس کی لاش ہلٹن سے بہت دور ایک ویرانے میں دریافت ہوئی تھی، پچھلے دو روز سے داؤد کے پاس آرہا تھا اور واردات سے چند گھنٹے قبل اسی کے کمرے میں موجود تھا بلکہ یہ راز بھی فاش ہو گیا تھا کہ ہلٹن سے روانگی پر داؤد نے کارگو لفٹ استعمال کی تھی اور ڈیوڈ نے کاؤنٹر پر اس کا حساب بے باق کیا تھا۔

کمرے سے ڈیوڈ کے ہمراہ سوٹ کیس لے کر آنے والے پورٹر کے بیان سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی تھی کہ جب ڈیوڈ پورٹر کو ٹپ دے رہا تھا تو اس وقت یا اس سے ذرا آگے پیچھے داؤد کو ذبح کیا گیا تھا اور داؤد کے قاتل یا قاتلوں نے ہی ڈیوڈ کو یرغمال بنا کر بازپرس کے بعد ایک ویرانے میں گردن توڑ کر ہلاک کر دیا۔

اس طرح دو لاشوں کے درمیان ایک یقینی تعلق دریافت کر لیا گیا تھا۔ تیسری لاش جو شقی القلبی کا شاہکار تھی ان دونوں سے الگ سمجھی گئی تھی لیکن اسکاٹ لینڈ یارڈ کے ماہرین کے مطابق وہ مسخ شدہ لاش زیر زمین دنیا کے ایک ایسے بدنام شخص کی تھی جسے کئی بار ہیروئن کی غیر قانونی تجارت کے شبہ میں پکڑا گیا تھا لیکن کسی مرتبہ بھی پولیس اسے چوبیس گھنٹوں سے زیادہ حوالات میں رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔ ہر بار اس کی فوری ضمانت کرا لی گئی تھی اور پولیس اس پر عائد الزامات ثابت کرنے میں بُری طرح ناکام رہی تھی۔

اخبار نے سوال اٹھایا تھا کہ پولیس میں ریکارڈ نہ ہونے کے باوجود ڈیوڈ ایولنگ کا ماضی بھی داغدار تھا کہیں ایسا تو نہیں تھا کہ شہر میں منشیات کا کاروبار کرنے والی حریف تنظیموں میں کوئی تنازعہ کھڑا ہو گیا ہو اور وہ پولیس کو درمیان میں لائے بغیر اپنے وسائل سے ایک دوسرے کو میدان سے نکال باہر کرنے پر تل گئی ہوں۔

سرے کا واقعہ پولیس سمیت ہر ایک کے لیے ایک سربستہ معمّا بنا ہوا تھا مگر دلچسپ بات یہ تھی کہ وہاں مرنے والے پانچوں آدمی جرائم پیشہ ثابت ہوئے تھے جو ان دنوں ایلین بریز کے لیے کام کر رہے تھے اور ایلین بریز خود لندن اور سرے کے درمیان ایک سڑک کے کنارے مُردہ حالت میں ملا تھا۔ پولیس کو شبہ تھا کہ ایلین کسی بڑے گروپ کے لیے کام کر رہا تھا۔ چونکہ اس کے آدمی سرے میں حبیب کے مکان پر ہونے والے دھماکے میں مارے گئے تھے لہٰذا ان تمام وارداتوں کا تعلق ایسکیوز آرمز کے دُہرے قتل سے قائم کر لیا گیا تھا جو کاؤنٹری میں دو گنجوں کے قتل کے بعد رُونما ہوئے تھے یعنی پولیس نے سونیا کی ذات سے داؤد تک سب کو تفتیش کی ایک ہی لڑی میں پرو کر یہ نظریہ قائم کر لیا تھا کہ دو حریف گروہوں میں سے کم از کم ایک بین الاقوامی گروہ تھا جسے سونیا سے داؤد تک ہر ایک کا تعاون حاصل تھا اور مقامی مجرم دونوں گروہوں کے لیے کام کر رہے تھے۔

اس صورتِ حال میں سرے سے ہاتھ آنے والے زخمی کو کلیدی اہمیت دی گئی تھی لیکن پولیس کے اہلکار یہ تصور بھی نہ کر سکے تھے کہ اس زخمی کو مزید کوئی خطرہ لاحق ہو سکتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس زخمی کے ہوش میں آنے سے قبل ہی رات گئے پُراسرار طریقے پر اسپتال میں زہر دے کر اس واحد گواہ کو بھی ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا گیا اور ایسی جسارت کسی اکیلے ذہن کے بس سے باہر تھی۔

زخمی کی ہلاکت میرے لیے اچنبھے کی بات نہیں تھی کیوں کہ ویرانے سرے سے واپسی پر ہی اس خدشے کا اظہار

کیا تھا اور پولیس نے جس تیزی کے ساتھ کاؤنٹری سے لندن تک کے واقعات کی کڑیاں ملائی تھیں ان کی بنا پر مجھے پورا یقین تھا کہ سرے کے زخمی کو راستے سے نہ ہٹایا جاتا تو پولیس بہت جلد شی کے ذریعے داروں تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتی۔

اسی صفحے پر آخری اطلاعات کے حوالے سے بتایا گیا تھا کہ ڈیوڈ ایولنگ کچھ عرصے پہلے تک ہیروئین کے لین دین میں ملوث تھا اور اس حوالے سے اس خونریز تصادم کے پسِ پشت ہیروئین کی غیر قانونی تجارت کے بھاری مفادات کارفرما نظر آتے تھے۔

میرے لیے یہ خبریں بہت دلچسپ ثابت ہوئیں۔ ان میں سب سے حوصلہ افزا پہلو یہ تھا کہ سارا زور گروہی تصادم پر دیا گیا تھا اور میرے یا غزالہ کے بارے میں کہیں موہوم سا اشارہ بھی نہیں تھا لیکن آخری صفحہ پلٹتے ہی میں اپنی جگہ سُن ہو کر رہ گیا۔

آخری صفحے پر سیاہ حاشیے کے ساتھ ایک بدنصیب اور مفلوک الحال لارڈ کی خودکشی کی خبر درج تھی اور متن میں لارڈ آئزک میکفرسن کا نام نمایاں تھا۔

خبر کے مطابق آئزک کی لاش سوہو کے علاقے میں ایک پب کے ان زینوں سے برآمد ہوئی تھی جو عرصۂ دراز سے زیرِ استعمال نہیں تھے۔ آئزک کے جسم پر تشدد کے واضح نشانات تھے۔ کمر، سینے اور کولھوں پر لمبی لمبی خون آلود نیلی دھاریاں پڑی ہوئی تھیں جیسے اس پر چابک برسائے گئے ہوں لیکن پولیس سرجن کی ابتدائی رپورٹ کے مطابق موت ان چوٹوں کی وجہ سے واقع نہیں ہوئی تھی بلکہ ہیروئین کی زیادہ مقدار پی لینے کی وجہ سے آئزک زندگی کی حرارت سے محروم ہو گیا تھا۔

اس اخبار نے مجھے اپنے بیشتر سوالات کے جواب فراہم کر دیے تھے لیکن سارے صفحات چھان مارنے کے باوجود مجھے کہیں بھی مس ایلش برن کے بارے میں کوئی خبر نظر نہ آئی جو میرے لیے تشویش کی بات تھی۔

صاف ظاہر تھا کہ آئزک نے خودکشی نہیں کی تھی بلکہ اسے ویرا سے دوستی کی قیمت اپنے لہو سے ادا کرنا پڑی تھی۔ اس نے ٹیوڈر ہوٹل کے کمرے میں ویرا سے جو کچھ باتیں کی تھیں، وہ داؤد نے اپنے حساس ترین لاسلکی ڈکٹافون پر لفظ بہ لفظ سُنی تھیں اور ویرا کی تلاش میں داؤد نے آئزک کو اُٹھوا لیا ہوگا تاکہ اس سے ویرا کا ٹھکانا معلوم کر سکے۔ آئزک بظاہر مجہول اور مظلوم سا آدمی تھا جو ذرا سی ڈانٹ ڈپٹ پر کھایا پیا تک اُگل سکتا تھا لیکن کسی وجہ سے وہ داؤد کے آدمیوں کی دھونس میں نہ آیا ہوگا جس کے نتیجے میں چرمی چابکوں سے اس کا بدن اُدھیڑ ڈالا گیا۔ اس تشدد اور اس کے زبان کھولنے کے بعد شاید اس کی حالت اعتدال پر لانے کے لیے اسے ہیروئن پلائی گئی جس کی بھاری مقدار اس کا نحیف و نزار اور فگار وجود برداشت

نہ کر سکا اور اس نے ان وحشیوں سے آزادی ملنے کے بعد اسی مقام پر دم توڑ دیا جہاں اسے لا ڈالا گیا ہوگا۔ مار دھاڑ اور خونریزی کے اس ہیبت ناک ڈرامے میں صرف آئزک ہی ایک ایسا مقتول تھا جس کے لیے میرا دل اُداس ہوا ورنہ باقی سب ہی اس انجام کو پہنچے تھے جس کے وہ مستحق نظر آتے تھے۔

" اخبار تو پورا ہی کل کی خبروں سے بھرا ہوا ہے ذرا ان کی تفصیلات تو بتاؤ۔" سلطان شاہ نے اخبار کی سرخیاں چاٹ کر اسے ایک طرف ڈالتے ہوئے کہا۔

" مرنے والوں کے ماضی اور ان کے موجودہ روابط کی روشنی میں پولیس نے حیرت انگیز تیزی کے ساتھ سارے واقعات کو یکجا کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ شہر میں منشیات فروشوں کے دو گروہوں میں تصادم ہو گیا ہے اور وہ پولیس یا قانون کو درمیان میں لائے بغیر طاقت کے بل پر اپنے اختلافات طے کر رہے ہیں۔" میں نے دوسرا اخبار اٹھا کر اس کی سرخیوں پر سرسری نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

" دیکھا جائے تو یہ نظریہ بھی کسی حد تک ٹھیک ہی ہے۔" وہ بولا۔" وہ لوگ منشیات کے فروغ میں لگے ہوئے ہیں اور تم ویرا کے ساتھ مل کر ان کی بیخ کنی پر تلے ہوئے ہو"

اور اسی لمحے میں ڈیلی میل میں ایک چھوٹی سی خبر دیکھ کر چونک پڑا۔ پولیس نے تفتیش کے دوران میں فرنیکی کے ایک قریبی ساتھی

کو حراست میں لیا تھا جس کے بیان کے مطابق ان دنوں فرینکی فون پر اکثر مختلف لوگوں سے کسی شوگر کوئین کے بارے میں گفتگو کرتا رہتا تھا لیکن وہ شخص شوگر کوئین کی اصلیت سے یکسر... تھا۔

اس کا مطلب تھا کہ آخر کار ردیلا کا نام بھی ریکارڈ پر آ ہی گیا تھا۔ اخبار نے شوگر کوئین کی لفظی ترکیب سے بالکل صحیح مفہوم اخذ کیا تھا کہ شوگر کوئین فرینکی کے مخالف گروہ کی کوئی ایسی مجرمہ تھی جو برطانیہ کی منڈی میں غالباً ہیروئن کی تجارت کے بڑے حصے کو کنٹرول کرتی تھی۔

"کیا کوئی خاص خبر مل گئی اخبار میں؟" سلطان شاہ نے مجھے ٹوکا۔

"خبریں ہی خبریں بھری ہوئی ہیں لیکن کام کی بات کہیں نہیں ہے" میں نے ایک گہرا سانس لے کر ڈیلی میل کے صفحات بھی بستر پر ڈال دیے۔

"شاید تم بھابی کے بارے میں سوچ رہے ہو؟"

"اس کے علاوہ اور کیا رکھا تھا یہاں؟ جس کی تلاش میں اتنا لمبا سفر طے کر کے یہاں پہنچا وہی لاپتا ہے۔ مجھے تو یہ ساری بھاگ دوڑ بے سود نظر آ رہی ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ اب ویرا کھل کر تمہاری مدد کر سکے۔" اس نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "داؤد کی یہاں موجودگی نے اسے بڑی حد تک مجبور کر کے رکھ دیا تھا۔"

"حالات اب بھی خراب ہیں" میں نے اُکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "داؤد سے تصادم میں جو خونریزی ہوئی ہے اس کی بنا پُرسش کے اعلیٰ حلقوں میں ویرا کے لیے سازگار رائے باقی نہیں رہی ہوگی کیوں کہ نقصان تنظیم ہی کو اُٹھانا پڑا ہے۔"

"تو کیا اب ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے؟"

"میں تو وہ بھی نہیں کر سکتا، میرا بایاں ہاتھ بُری طرح زخمی ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

وہ ایک مرتبہ پھر مُصر ہونے لگا کہ میری پٹیاں کھول کر دوبارہ اچھی طرح زخم صاف کر کے ڈریسنگ کرے گا لیکن میں نے اُسے بتایا کہ ویرا نے شیشے کے تمام ذرات نکال کر بہت اچھی طرح مرہم پٹی کی تھی جسے فوری طور پر بدلنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

اس نے باہر... جا کر ناشتا کمرے میں ہی پہنچانے کی ہدایت کی اور ایک بار پھر ان پیچیدہ حالات کے بارے میں میرے ساتھ بحث میں مصروف ہو گیا۔

بھاگ دوڑ اور خونریزی کے بعد غزالہ ہماری نگاہوں سے یوں اوجھل ہوئی تھی کہ فوری طور پر اس کا سُراغ ملنے کے بھی کوئی آثار نہیں تھے دوسری طرف باہر کی فضا ہمارے حق میں نہیں تھی جس کی وجہ سے ہماری مہم کچھ عرصے کے لیے جمود کا شکار ہوتی نظر آ رہی تھی اور سلطان شاہ ان ہی امکانات سے اکتایا ہوا نظر آ رہا تھا اور مجھ سے بحث کر کے اس جمود کو توڑنے کی کوئی راہ نکالنے کی فکر میں تھا۔

اسی دوران میں ناشتا آ گیا لیکن ناشتا کرتے ہوئے فون کی گھنٹی نے مجھے چونکا دیا۔ میرے ریسیور اُٹھاتے ہی ہوٹل آپریٹر نے لائن ڈائریکٹ کر دی۔

دوسری طرف سے ویرا بول رہی تھی۔ "تم خیریت سے ہوٹل پہنچ گئے نا؟" اس نے شوخ لہجے میں اردو میں سوال کیا۔ "مجھے اندازہ تھا کہ تم اسی کمرے میں ہو گے۔"

"آ تو گیا لیکن سلطان یہاں کسی بیزار بیوی کی طرح منہ بنائے بیٹھا تھا۔" میں نے فضا کا بوجھل پن دور کرنے کی نیت سے لہجے میں جواب دیا۔ "اس وقت تم کہاں ہو؟"

"جہاں بھی ہوں خیریت سے ہوں لیکن تمہارے بارے میں ایک تشویشناک اطلاع ہے کہ پولیس نے فوری طور پر شہر کے تمام ہوٹلوں کا ریکارڈ چیک کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ یہ مہم لندن پولیس کمشنر کی نگرانی میں فوری طور پر شروع کی جا چکی ہے۔ پولیس پارٹی کسی بھی لمحے تمہارے ہوٹل تک پہنچ سکتی ہے۔"

"اگر فوری طور پر کوئی متبادل بندوبست نہیں ہوا تو میرا خیال ہے کہ ہمیں خوف زدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بس اسلحہ وغیرہ ٹھکانے لگانا ہوگا ورنہ ہمارے کاغذات تو مکمل ہی ہیں۔"

"بات اسی قدر ہوتی تو میں تمہیں فون نہ کرتی۔ گروپ نائین کے آخری شکار کی لاش گلے پڑتی نظر آ رہی ہے۔ شیشے کے ٹکڑوں سے تمہاری جلد، ریشوں اور خون کے نمونے کے علاوہ پولیس نے گاڑی سے فنگر پرنٹ بھی حاصل کیے ہیں اور اس کا خیال ہے کہ قاتل کا ہاتھ بھی اس واردات میں بُری طرح لہولہان ہوا ہوگا۔ اس لیے تمہارا پٹیوں میں لپٹا ہوا ہاتھ نظر انداز نہیں کیا جا سکے گا۔ [illegible] کسر خون اور جلد کا موازنہ پوری کر دے گا۔"

"میں پٹیاں کھول کر دونوں ہاتھوں پر دستانے پہن لیتا ہوں"

"یہ حماقت کر بھی نہ بیٹھنا۔ دستانے بھی مشکوک سمجھے جائیں گے اور پھر تمہارا زخم بھی سڑ سکتا ہے۔ ڈریسنگ کے لیے میں نے زخم کو جلد از جلد خشک کرنے والا پاؤڈر استعمال کیا تھا۔"

"یہ بھی نہ کرو، وہ بھی نہ کرو، تو پھر تم ہی بتاؤ کہ میں کیا کروں" میں نے چڑ کر کہا۔

"ہوٹل اسی وقت چھوڑ دو۔ ہائیڈ پارک میں بہت گنجائش ہے اور اسی کے کسی گوشے میں ڈیرا ڈال دو۔ ہوٹل کے بجائے وہ کھلی جگہ تمہارے لیے زیادہ محفوظ رہے گی۔" ریسیور پر اس کی آواز اُبھری۔ "میں بھی کسی ٹھکانے کی تلاش میں ہوں، شاید دوپہر تک کام بن جائے۔"

"پھر تم سے رابطہ کیسے قائم ہوگا؟"

"میں تو اس وقت بھی ایک پبلک بوتھ سے بول رہی ہوں۔ تم فکر نہ کرو، ٹھکانے کا بندوبست ہوتے ہی کسی نہ کسی طرح ہائیڈ پارک میں تم سے رابطہ قائم کر لوں گی۔ خود نہ آ سکی تو کسی اور کو بھیجوں گی۔ وہ تمہارے لیے کہہ کر اپنی شناخت کرائے گا اور تم جواب میں کالے گلاب کا حوالہ دو گے۔"

"اور اگر راستے ہی میں کسی سے ٹکراؤ ہو گیا؟"

"تم فکر نہ کرو، اب میرے ہاتھ بہت مضبوط ہو گئے ہیں، میں غافل نہیں رہوں گی۔ جیکب کے نائب سے میرا رابطہ قائم ہو گیا ہے، میں جلد از جلد اپنے آدمیوں کو یکجا کرنے کی فکر میں ہوں۔"

"اس بڈھے کا دردناک انجام تو تم نے پڑھ ہی لیا ہوگا؟"

"مجھے دُکھ ہے کہ میں اس کے لیے کچھ بھی نہ کر سکی۔ ایلش برن کے ساتھ بھی انھوں نے بڑا شرمناک سلوک کیا۔ وہ تو غنیمت ہے کہ اسے میری نقل و حرکت کے بارے میں معلومات ہی نہیں تھیں، وہ ان چار درندوں کے چنگل سے نکلی تو اس کے اوسان خطا ہو چکے تھے لیکن وہ خود بھی کبھی پارسا نہیں رہی ہے اس لیے اس نے پولیس سے رجوع نہیں کیا ورنہ اس قصے میں میرا ذکر ضرور آ جاتا۔"

"شاید تم نے ڈیلی میل نہیں دیکھا......"

"وہ معمولی بات ہے...... اس سے میری نشاندہی نہیں ہوتی۔ ایلش برن کی بات مختلف تھی۔ اسے پولیس کو یہ بتانا پڑتا کہ اسے کس مقصد کے لیے اغوا کیا گیا تھا۔"

پھر اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

سلطان شاہ جو صرف میرے یک طرفہ مکالمات سُن رہا تھا، خاصا بے چین نظر آ رہا تھا۔ میرے بولنے سے پیشتر ہی وہ سوال کر بیٹھا کہ ویرا کیا کہہ رہی تھی۔

"بس یہاں بھی ہمارا وقت پورا ہو گیا۔ سامان سمیٹو اور رفو چکر ہو جاؤ ورنہ جلد ہی پولیس اٹھا لے جائے گی۔" یہی غنیمت تھا کہ ویرا نے قبل از وقت ایک خطرہ بھانپ کر ہمیں آگاہ کر دیا تھا لیکن اس وقت ہوٹل سے نکلنا مجھے بہت ناگوار محسوس ہو رہا تھا۔ ہم اپنی مرضی کے بجائے بُری طرح حالات کے قیدی ہو کر رہ گئے تھے اور سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس اعصاب شکن صورتِ حال سے کب تک چھٹکارا مل سکے گا۔

لیکن جو طے ہو چکا تھا اس پر عمل کرنا ہی تھا۔ ہمارے پاس انتخاب کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ لہٰذا ہم نے ناشتے سے فارغ ہو کر اسی کمرے میں اپنا سامان یکجا کرنا شروع کر دیا۔ کیمیاوی گیس کے دونوں گولے پستولوں کے ساتھ دستی بیگ میں رکھ لیے تھے تاکہ کہیں کوئی ناگزیر صورتِ حال پیدا ہو جائے تو ان سے کام لیا جا سکے۔

ہماری کُل کائنات ایک مختصر سے سوٹ کیس اور ایک دستی بیگ پر مشتمل تھی جسے سمیٹ کر ٹھیک نو بجے ہم نے ہوٹل کا کمرہ چھوڑ دیا اور نیچے استقبالیہ دفتر میں جا پہنچے۔

دفتر میں منیجر کے پاس پہلے سے ایک طویل قامت اور تجربہ کار شخص موجود تھا، جو شاید منیجر کا پرانا شناسا تھا کیوں کہ وہ دونوں خاصی بے تکلفی کے ساتھ چائے نوشی میں مصروف تھے لیکن ہمارے پہنچتے ہی دونوں یکلخت خاموش ہو گئے اور منیجر خوشگوار حیرت کے ساتھ ہماری طرف متوجہ ہو گیا۔

جس وقت منیجر رجسٹر کے اندراجات دیکھ کر ہم دونوں کا حساب تیار کر رہا تھا تو اس کا ملاقاتی چبھتی ہوئی ناقدانہ نظروں سے باری باری ہمارا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سا تجسس رچا ہوا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ہم سے کچھ پوچھنے کے لیے بے چین ہو لیکن اپنے سوال کے لیے مناسب الفاظ کا انتخاب نہ کر پا رہا ہو۔

"واپسی کا پروگرام بن گیا ہے یا کسی دوسرے شہر کی سیاحت کا ارادہ ہے؟" منیجر نے ہمارا بل بناتے ہوئے سرسری لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

"لیک ڈسٹرکٹ کا بڑا چرچا سنا ہے۔" میں نے کتابچوں میں پڑھی پڑھائی معلومات کے سہارے اندھیرے میں تیر چھوڑا۔ "آج کسی وقت اسی طرف روانگی کا ارادہ ہے۔"

"واقعی بہت خوبصورت علاقہ ہے۔" منیجر کے دوست نے گفتگو میں دخل انداز ہوتے ہوئے کہا۔ منیجر نے سر اٹھا کر مسکراتی ہوئی تحیر آمیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور سر جھکا کر دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

"ہیشام کے خوب صورت ساحلی قصبے میں میری بھانجی رہتی ہے جس نے پورے لیک ڈسٹرکٹ کا چپا چپا چھانا ہوا ہے۔ تم چاہو تو میں تمھیں اس کا پتا دے سکتا ہوں۔ تمھاری مدد کر کے اسے بہت خوشی ہو گی۔" منیجر کا ساتھی کہہ رہا تھا۔ "وہ ویسے بھی ذرا کچھ عجیب طبیعت کی مالک ہے اور ایشیائیوں میں بڑی دلچسپی لیتی ہے۔"

اپنی بھانجی کے بارے میں اس کی پیش کش بہت حوصلہ افزا تھی مگر اس شخص کی چبھتی ہوئی ناقدانہ نگاہوں کے باعث میں اس سے محتاط ہی رہنا چاہ رہا تھا۔ "تمھاری پیش کش کا بہت بہت شکریہ! ہم یہ پسند نہیں کریں گے کہ ہماری وجہ سے تمھاری بھانجی کی خانگی زندگی کے معمولات میں فرق آئے......"

"اوہ تم سمجھتے نہیں۔" وہ میری بات کاٹ کر بولا۔ "وہ بہت خوبصورت اور خوش مزاج لڑکی ہے، اس کے دوستوں کا

حلقہ بہت وسیع ہے لیکن اپنا گھر بسانے کی اسے کوئی خواہش نہیں۔ نئے نئے لوگوں کے ساتھ گائیڈ کی خدمات سرانجام دیتے ہوئے اسے جو تجربات حاصل ہوتے ہیں بس وہ انھی میں مگن رہتی ہے۔"

"پیشہ ور گائیڈ ہے وہ؟" میں نے سوال کیا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اپنی بھانجی میں وہ تمام خصوصیات گنوانے کی کوشش کر رہا تھا جو میری عمر کے کسی بھی دل پھینک سیاح کے لیے کشش انگیز ثابت ہو سکتی تھیں۔

"اسکول کی عمر سے یہی کام کر رہی ہے۔ اب تو باقاعدہ لائسنس بھی رکھتی ہے۔" اس نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"مجھے اس سے مل کر خوشی ہوگی۔" میں نے کہا۔ "اگر وہ مجرد ہی ہے تو ہمارے ساتھ یادگار وقت گزار سکے گی۔" میں نے دانستہ وہ ذومعنی تبصرہ کیا تھا جسے وہ شخص ڈھٹائی سے نظر انداز کر گیا۔

"تم بھی اسے مدتوں نہ بھول سکو گے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ایک سادہ کاغذ پر اپنی بھانجی کا نام اور فون نمبر لکھ کر میری طرف بڑھا دیا۔ "ہیتھرو پہنچ کر تم کہیں سے بھی اسے فون کر لینا، میرا نام سنتے ہی دوڑی ہوئی تمھیں لینے آجائے گی۔"

"نام بتاؤ گے تو معلوم ہوگا۔" میں نے مسکراتے ہوئے اپنا داہنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ "مجھے اکبر کہتے ہیں۔"

"مجھے شون کہتے ہیں۔ شون میکارتھی۔" اس نے جاندار انداز میں مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

میں نے منیجر سے بل لے کر اسے رقم کی ادائیگی کی اور ہم ان دونوں سے الوداعی مصافحہ کر کے ہوٹل سے نکل آئے۔

"شون خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔" باہر نکلتے ہی سلطان شاہ نے ہیجان آمیز لہجے میں کہا تھا۔ "وہ مسلسل تمھارے جیب میں پڑے ہوئے ہاتھ کا جائزہ لے رہا تھا۔"

"یہ بات میں نے بھی محسوس کر لی تھی۔ وہ جس انداز میں ہم سے بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہا تھا وہ بھی کم تشویش انگیز نہیں تھا۔ پتا نہیں وہ کون تھا اور وہاں کیوں آیا تھا؟"

"میری مانو تو تم جیکٹ یا کوٹ پہن لو، تمھارا بایاں ہاتھ ہر جگہ لوگوں کی توجہ کا نشانہ بنے گا۔ اس کا مستقل طور پر جیب میں رہنا غیر فطری سا نظر آتا ہے۔"

"جیکٹ یا کوٹ سے کون سا فرق پڑ جائے گا؟"

"ہاتھ کے مقابلے میں پورا بازو غائب ہو تو کوئی توجہ نہیں دے گا۔ تم بایاں بازو آستین میں ڈالے بغیر کوٹ کے اندر چھپا سکتے ہو۔ میری دانست میں یہ طریقہ محفوظ رہے گا۔"

"کوٹ کے لیے سوٹ کیس کھولنا ہوگا۔" میں نے اس کی تجویز کی معقولیت کو سراہتے ہوئے کہا۔ "اسٹیشن کے باتھ روم میں یہ کام تمھی کو کرنا ہوگا۔"

وہ مسکرا کر رہ گیا۔ "پھر کہو گے کہ میں تمھاری بیوی کی جگہ لینے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"وہ میری اور ویرا کی بات تھی، تمھیں اس پر کان نہیں دھرنا چاہیے تھا۔" میں نے خفت آمیز لہجے میں کہا۔

"بعض اوقات مجھے ویرا پر بے تحاشا غصہ آنے لگتا ہے۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ تم بھابی کی وجہ سے جو خلا محسوس کرتے ہو وہ غیر محسوس طریقے پر اسے پُر کرنے کی کوشش کرتی ہے اور تم اس بارے میں خاصے بے پروا واقع ہوئے ہو۔ نتائج کی پروا کیے بغیر جذبات کی روانی میں بہہ جاتے ہو۔"

"اسی طرح ٹوکتے رہو گے تو محتاط رہنا شروع کر دوں گا۔" میں نے کہا۔ "لیکن تمھیں ابھی سے محتاط رہنا ہے، ایسا نہ ہو کہ ہم لندن میں کسی کو اپنے پیچھے لگا لیں۔"

اسٹیشن پر پہنچ کر ہم سیدھے باتھ روم کی طرف ہو لیے۔ سلطان شاہ نے ایک خالی بینچ استعمال کر کے سوٹ کیس میں سے میرا کوٹ نکال کر میرے حوالے کیا اور میں باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

اندر پہنچ کر میں نے ایک ٹوائلٹ پر قبضہ کر کے دروازہ بند کیا اور احتیاط سے اس طرح کوٹ پہن لیا کہ میرا بایاں ہاتھ آستین سے گزرے بغیر کوٹ کے اندر میرے پہلو میں جھولتا رہا۔ آئینے میں اس تبدیلی کا جائزہ لے کر میں اطمینان سے باہر آگیا۔ بائیں ہاتھ کو مستقل طور پر جیب میں ڈالے رکھنے سے بہتر تھا کہ میں ایک ہاتھ سے محروم شخص کی سی اداکاری کرتا رہوں۔

سلطان شاہ نے تحسین آمیز نگاہوں کے ساتھ اس تبدیلی کا خیر مقدم کیا تھا اور پھر ہم دونوں ٹکٹ خرید کر ریلوے کی مشینی زینوں کے ذریعے نیچے ٹیوب اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہمارے پہنچتے ہی پکاڈلی لائن کی ٹیوب پلیٹ فارم پر رکی تھی اور ہم اس میں سوار ہو کر تیز رفتاری کے ساتھ ہائیڈ پارک کارنر کے اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گئے۔

پُر ہجوم ٹیوب اسٹیشن سے اپنا راستہ بناتے ہوئے ہم ہائیڈ پارک میں پہنچ گئے جہاں اس وقت زیادہ رونق نہیں تھی لیکن پھر بھی سیاحوں کی ٹولیاں اور ظالم سماج سے ناراض جوڑوں کی خاصی تعداد اندر چہل قدمی یا دوسری سرگرمیوں میں مصروف تھی۔ جدید نئی تو سب ہی تھیں مگر گفتنی بہت کم تھیں۔

مجھے حیرت تھی کہ آخر وہ کون لوگ تھے جو صبح سویرے دنیا جہان کے سارے ضروری کام چھوڑ کر عشق کی گھاتیں لڑانے ہائیڈ پارک میں آموجود ہوتے تھے لیکن سلطان شاہ نے یہ بتا کر میری حیرت دور کر دی کہ وہ ان لوگوں کے کام کا نہیں بلکہ آرام کا دن، اتوار تھا اور دیارِ مغرب میں ہفتے کا وہ دن ہر بالغ کا اپنا دن ہوتا ہے جسے وہ جس طرح چاہے گزار سکتا ہے۔

پارک میں طویل چہل قدمی ہمارے لیے ممکن نہیں تھی کیوں کہ ہلکا ہی سہی لیکن سلطان شاہ کے ہاتھ میں ایک سوٹ کیس جھول رہا تھا۔ ابتدا میں تو مجھے خوف تھا کہ اس سوٹ کیس کی وجہ سے کہیں ہم لوگ تماشا نہ بن جائیں لیکن ہائیڈ پارک میں جہاں بے نام آرزوؤں سے لدے پھندے لوگ اپنی دوستوں کی بانہوں میں بانہیں ڈالے دنیا و مافیہا سے بے خبر من تو شدم، تو من شدی کی عملی تفسیر بننے کے لیے کوشاں تھے، وہیں بہتیرے زرد، سفید اور سیاہ فام سیاح اپنی پشت اور شانوں پر روز کی سامان کے تھیلے لٹکائے بھی گھوم رہے تھے۔ دو چار جو اپنے بوجھ اٹھاتے اٹھاتے تھک گئے تھے، انھوں نے فولڈنگ ٹرالیاں کھول کر اپنے سامان کو پہیوں پر دھکیلنا شروع کر دیا تھا اور اس متنوع ہجوم میں ہم دونوں کسی بھی طرح امتیاز کے حامل نہیں رہے تھے۔

سُرمئی بادلوں سے چھن کر آتی ہوئی گرم گرم سنہری دھوپ میں ہم ایک گوشۂ عافیت تلاش کر کے خالی بینچ پر بیٹھے تو اچانک ہی سلطان شاہ بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

میں نے پلٹ کر ناگوار نظروں سے عقب میں اُگی ہوئی اُن گھنی جھاڑیوں کی طرف دیکھا جہاں سے کچھ نازیبا سی آوازیں آرہی تھیں، وہ دو جوڑے تھے جو نازو انداز کے ساتھ وہاں بیٹھے پیمانِ وفا باندھ رہے تھے اور شاید ان ہی کی خلوت آرائی سلطان شاہ کی بے آرامی کا سبب بنی تھی۔

"بیٹھ جاؤ!" میں نے اس کا ہاتھ چھو کر نرمی سے کہا۔ "یہاں ان ذرا ذرا سی باتوں پر بھڑکو گے تو ایک پل کے لیے بھی آرام سے نہ بیٹھ سکو گے۔"

"ان پر لعنت بھیجو، میں کچھ اور دیکھ رہا تھا۔" اس نے قدرے تیز اور ہیجان آمیز لہجے میں کہا۔

میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ واقعی جھاڑیوں میں نہیں بلکہ ان کے پار کچھ تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میرے لیے بیٹھے رہ کر اس کی نگاہوں کا تعاقب کرنا ناممکن تھا لہٰذا میں بھی اس کی تقلید میں اٹھ گیا۔

جھاڑیوں کے اُس پار مجھے کوئی غیر معمولی بات نظر نہ آئی۔ ادھر بھی لوگوں کے پرے کے پرے گھوم رہے تھے اور عیالدار لوگوں کے بچے کھیل کود میں مصروف تھے۔

"مجھے تو کوئی خاص بات نظر نہیں آئی، تم کیا دیکھ رہے ہو؟" میں نے چند ثانیوں تک تجسس آمیز نظروں سے ایک وسیع علاقے کا جائزہ لینے کے بعد سوال کیا۔

وہ ایک گہرا سانس لیتے ہوئے بینچ پر بیٹھ گیا۔ "مجھے شون میکارتھی کی ایک جھلک نظر آئی تھی۔ وہ یہیں جھاڑیوں کی آڑ میں دوسری طرف نظر آیا تھا لیکن میرے متوجہ ہوتے ہی غائب ہو گیا۔"

"تمھیں یقین ہے کہ وہ تمھارا وہم نہیں تھا؟" میں نے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"وہم نہیں، مجھے پورا یقین ہے کہ وہ ہماری نگرانی کر رہا تھا۔ میرے متوجہ ہوتے ہی وہ جھاڑیوں کی اوٹ میں دُبک گیا تھا پھر دوبارہ نظر نہ آسکا۔"

میرے لیے وہ اطلاع بہت زیادہ تشویش انگیز تھی۔ وہ سفید فام جس انداز میں ہوٹل میں ہم دونوں میں دلچسپی لے رہا تھا اس کی بنا پر میں پہلے ہی اس کی طرف سے بھڑکا ہوا تھا اور اب سلطان شاہ نے پارک میں اس کی موجودگی کی اطلاع دے کر مجھے حیران کر دیا تھا۔ اگر وہ واقعی ہماری نگرانی کر رہا تھا تو ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ وہ ہمارے لیے خطرناک تر ثابت ہو سکتا تھا۔

اس وقت حالات بہت غیر یقینی تھے، شون کوئی سرکاری مخبر یا جاسوس بھی ہو سکتا تھا جو اتفاقاً ہم سے ٹکرانے کے بعد میرے چھپے ہوئے بائیں ہاتھ کی وجہ سے ہم میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا یا پھر دشمن کا ہرکارا بھی ہو سکتا تھا اور دونوں ہی صورتوں میں اپنے شبہات کی تصدیق کے بعد وہ اپنے ساتھیوں کو ہماری موجودگی سے باخبر کر سکتا تھا اور ہم نہایت آسانی کے ساتھ نرغے میں لے کر پکڑے جا سکتے تھے۔

"تم سامان کے ساتھ یہیں بیٹھو، میں ذرا گھوم پھر کر جائزہ لیتا ہوں۔ اگر وہ یہاں موجود ہے تو ہمیں ذرا بھی وقت ضائع کیے بغیر یہاں سے بھاگنا ہوگا۔" میں نے یہ کہتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

میں نے سلطان شاہ سے دور رہتے ہوئے دور دور تک اس علاقے کے قرب و جوار کا جائزہ لے ڈالا لیکن پچاس منٹ کی جدوجہد کے بعد بھی کہیں اس کا سراغ لگانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اگر سلطان شاہ کو وہم نہیں ہوا تھا تو یہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے یک بیک زمین نگل گئی ہو یا آسمان کھا گیا ہو۔

میں واپس آیا تو سلطان شاہ ایک نئی سگریٹ سلگا کر اس پر مشقِ ستم کر رہا تھا اور اس کی دونوں آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔

"رو کیوں رہے ہو؟" میں نے اس کی نمناک آنکھیں دیکھتے ہی ہمدردانہ لہجے میں سوال کیا۔

"رو نہیں رہا، سگریٹ کا دھواں آنکھوں میں لگتا ہے۔"

اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔"کش لیتے ہی جلتے ہوئے سرے سے دھوئیں کی ایک پتلی سی لکیر سیدھی آنکھوں میں جاتی ہے۔"

میں اپنی تشویش اور پریشانی کے باوجود بے ساختہ ہنس پڑا۔ "پینا نہیں آتی تو بلاوجہ وقت اور اپنا خون کیوں ضائع کر رہے ہو۔ تمھیں یہ عادت راس نہیں آسکے گی۔"

"اگر آنکھوں میں دھواں نہ لگے تو واقعی اس سے بڑا سکون ملتا ہے۔" اس نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"جو دھواں آنکھوں کا یہ حال کرتا ہے وہ پھیپھڑوں کو کتنا زخمی کرتا ہوگا؟ یہ بھی سوچا ہے تم نے سگریٹ شروع کرنے سے پہلے؟" میں نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

"تم نجانے کب سے سگریٹ پی رہے ہو مگر تمھارے پھیپھڑے مجھ سے زیادہ مضبوط معلوم ہوتے ہیں۔" وہ چڑچڑے لہجے میں بولا۔ "میرا تو خیال ہے کہ سگریٹ کو ہاتھ نہ لگانے والے بھی عادی تمباکو نوشوں کی وجہ سے روزانہ کم از کم دو چار سگریٹوں کا دھواں تو نگل ہی جاتے ہیں۔ تم لعنت بھیجو اس قصے پر۔ یہ بتاؤ کہ وہ کہیں نظر آیا یا نہیں؟"

"مجھے تو نظر نہیں آسکا۔ تم ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے دیکھو تو شاید پھر نظر آجائے۔"

"پھر بیٹھے رہو یہیں۔ جب سر پر پڑے گی تو دیکھا جائے گا۔" وہ جھنجھلا کر بولا۔

"ہم یہاں سے جا بھی کہاں سکتے ہیں؟" میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "ویرا نے کسی جگہ کا بندوبست کر لیا تو وہ ہمیں اسی پارک میں تلاش کرتی پھرے گی۔"

"اور میں سوچ رہا ہوں کہ ہم اس کے آنے سے پہلے ہی دھر لیے گئے تو کیا ہوگا؟"

"ساری تشویش بس اسی ایک بات کی ہے۔ اتنا تو مجھے یقین ہوگیا ہے کہ شون پولیس کا آدمی نہیں ہو سکتا۔"

"کیا پولیس کے آدمی کے سر پر سینگ ہوتے ہیں؟" وہ بدستور جھلایا ہوا تھا۔ "اگر اس کے جسم پر وردی نہیں تھی تو وہ کوئی سادہ پوش سراغ رساں بھی ہو سکتا ہے۔"

"پولیس والوں کی پشت پر قانون کی طاقت ہوتی ہے۔ اگر اسے ہم پر شبہ تھا تو وہ اپنی شناخت ظاہر کر کے ہم سے کہیں بھی بازپرس کر سکتا تھا۔ اسے چوروں کی طرح ہمارا پیچھا کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیں بہت زیادہ خطرناک مجرم تصور کر رہا ہو۔ اخباروں نے بھی ایسی ہی کہانیاں شائع کی ہیں اور زخمی ہاتھ والے سے تو سب ہی خوفزدہ ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کمک آنے سے پہلے ہم سے الجھنا نہ چاہ رہا ہو۔"

"یہ ایک مہذب ملک ہے۔" میں نے نرمی کے ساتھ کہا۔ "پولیس مقابلے یہاں بھی ہوتے ہیں لیکن عام طور پر قانون کے محافظوں کی بہت ہیبت ہوتی ہے۔ خالی وردی دیکھ کر ہی بڑے بڑے بے خوف مجرم ہتھیار پھینک دیتے ہیں۔ ان سے الجھنے کی صورت میں جرم کی نوعیت بہت سنگین ہو جاتی ہے اور یہ لوگ اس ماحول میں کام کے عادی ہیں۔"

"میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم میری بات کو نظر انداز کرتے جا رہے ہو۔" وہ اکتائے ہوئے انداز میں بولا۔ "رکنا چاہتے ہو تو یہیں رک کر انتظار کریں گے۔ جو ہوگی دیکھی جائے گی۔"

ہم بارہ بجے تک اسی بینچ پر بیٹھے ایک دوسرے سے بحث میں الجھے رہے۔ اس دوران میں نہ شون دوبارہ نظر آیا اور نہ ہی پولیس یا اس کا کوئی آدمی ہم تک پہنچا۔ جب دھوپ کی تمازت جلد کے لیے ناقابلِ برداشت ہونے لگی تو ہم نے وہ جگہ چھوڑ دی اور سایہ دار لان پر دوسری خالی بینچ پر منتقل ہو گئے۔

ہمیں نئی جگہ پر منتقل ہوئے چند ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ گداز بدن اور نیلی آنکھوں والی ایک خوبصورت لڑکی دوستانہ انداز میں مسکراتی ہوئی ہمارے پاس آرکی۔

چند ثانیوں تک وہ تبسم ریز نگاہوں سے دلچسپی کے ساتھ ہماری طرف دیکھتی رہی پھر میری طرف والے بینچ کے سرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟"

"کیوں نہیں۔ ضرور، ضرور۔" میں نے سلطان شاہ کی طرف سرک کر لڑکی کے لیے جگہ پیدا کرتے ہوئے خوش دلی کے ساتھ کہا۔ سلطان شاہ اسے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورنے لگا۔

"تم دونوں اکیلے ہو؟" اس نے سلطان شاہ کو نظر انداز کرکے بے تکلفی کے ساتھ میرے برابر میں بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔

"دو آدمی کبھی اکیلے نہیں ہوتے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔" میں نے اس کے وجود کی مہکتی ہوئی حرارت سے پگھلتے ہوئے پرخیال لہجے میں کہا۔

"میرا مطلب تھا کہ کوئی عورت تمھارے ساتھ نہیں ہے؟" اس نے جلدی سے وضاحت کی۔ خلیقانہ مسکراہٹ مسلسل اس کے چہرے پر رقصاں تھی جیسے وہ ہمیشہ ہنستے رہنے کی عادی ہو۔

"چند ثانیوں پہلے تک نہیں تھی، اب آگئی ہے۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بڑے زندہ دل معلوم ہوتے ہو۔" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "میں یوں ہی ادھر گھومنے آئی تھی۔ تمھیں دیکھا تو بے اختیار قدم اسی طرف اٹھ گئے....."

"حالاں کہ میں اتنا کشش انگیز نہیں ہوں۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"کم از کم تم زندہ لوگوں کی طرح باتیں تو کرنا جانتے ہو۔ دراصل مجھ میں ایک بہت بڑی کمزوری ہے کہ معذور لوگوں کو دیکھتے ہی بے اختیار ان سے مل بیٹھنے کو دل چاہتا ہے... تمھارا بازو کسی حادثے میں ضائع ہوا تھا یا پیدائشی طور پر غائب تھا؟"

"ایک حادثے میں کٹوانا پڑ گیا تھا۔ کہیں تم میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش تو نہیں کر رہیں؟"

"ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔" وہ اضطراری طور پر میرے قریب سرک آئی۔ "دراصل میرے تجربات بہت تلخ اور عجیب ہیں۔ صحت مند مرد اول درجے کے خود غرض اور ہرجائی ہوتے ہیں۔ معذوروں کو کسی سے ذرا بھی پیار مل جائے تو زندگی بھر اس کے گن گاتے رہتے ہیں۔ میں تو جب بھی کسی ایسے مرد کو دیکھتی ہوں تو بے اختیار اس سے دوستی کرنے کو دل چاہتا ہے۔"

"تو لے بن کر بھی راجہ اندر سے کم نہیں ہو۔" سلطان اردو میں آہستہ سے بڑبڑایا۔

میں نے اسے تیکھی نظروں سے گھورا اور پھر لڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "تمھاری دوستی میرے لیے باعثِ فخر ہوگی۔ تمھارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام ریٹا ہے۔ ایک دفتر میں کام کرتی ہوں۔"

"اور میرا نام اکبر ہے، یہاں تفریح کے لیے آیا ہوں۔" میں نے کہا۔ "یہ میرا دوست علی شیر ہے۔"

"یہ سامان کیوں ساتھ لیے پھر رہے ہو؟ کیا ابھی لندن آئے ہو؟" اس نے پُراشتیاق لہجے میں سوال کیا۔

"ذرا لمبی کہانی ہے۔ ایک دوست کے پاس ٹھہرنا تھا اور وہ ہمیں لینے کے لیے ایئرپورٹ پہنچنے والا تھا لیکن ہم پہنچ گئے، وہ نہ آیا۔ اب یہاں کھلی ہوا میں بیٹھے سوچ رہے ہیں کہ کہاں جائیں۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"میرے ساتھ چلو۔" اس نے بلا تامل پیشکش کر ڈالی۔ "دو کمروں کے فلیٹ میں تنہا رہتی ہوں۔ ایک کمرہ تم دونوں لے لینا۔"

"مجھے ڈر ہے کہ کہیں ہم تم پر بوجھ نہ بن جائیں۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اداس لہجے میں کہا۔

"یہ خیال بھی نہ کرنا۔" اس نے اپنی سمت والا، میرا داہنا بازو دباتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "میں خود تمھاری خدمت کروں گی۔ دفتر سے لوٹ کر شام کو تمھیں باہر لے جایا کروں گی۔ اگر تمھاری طبیعت اسی قدر حساس ہے تو جتنے دن میرے ساتھ رہو، میرے فلیٹ کا آدھا کرایہ ادا کرتے رہنا۔"

"یہی تو سب سے بڑی مشکل ہے مائی بے بی!" میں نے دردناک آواز میں کہا۔ "ہمارے ملک میں زرِ مبادلہ کے قوانین بہت ناقص ہیں۔ سیاحت کے لیے زرِ مبادلہ ہر دو سال بعد ملتا ہے اور ہماری یہ ایک سال میں دوسری سیاحت ہے۔ ہماری کل پونجی دس پاؤنڈ کے ایک نوٹ پر مشتمل تھی جو میں جوتے میں چھپا لایا تھا۔ اس میں سے ٹیوب کا کرایہ دے کر اب صرف سات پاؤنڈ بچے ہیں۔ رقم بھی اسی دوست سے لینا تھی۔"

میرے انکشاف پر لڑکی کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ ہونٹوں سے سدابہار مسکراہٹ یوں رخصت ہوئی جیسے وہ برسوں سے نہ مسکرائی ہو۔ اس کے نرم نرم مخروطی ہاتھ میرے بازو سے ہٹ گئے اور وہ مجھ سے قدرے دور سرک گئی۔

"بہت ذلیل ہے تمھارا دوست۔" وہ ملامت آمیز لہجے میں بولی۔ "دس پاؤنڈ کی رقم لانے والوں کو تو یہاں کا ویزا تک نہیں دیا جاتا۔ مجھے حیرت ہے کہ تم ہیتھرو سے کیسے نکل آئے!"

"بس جھوٹ چل گیا۔ اب میں تمھارے گھر رہ کر اس دوست کو آسانی سے تلاش کر سکوں گا۔" میں نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے امید افزا لہجے میں کہا۔

"تو کیا تم واقعی میرے گھر رہو گے؟" اس نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں بے یقینی کے ساتھ پوچھا۔ اس دوران میں اس نے اپنا ہاتھ نرمی کے ساتھ میری گرفت سے چھڑا لیا تھا۔

"شاید نہ رہتا مگر تم اس قدر حسین اور خوش اخلاق ہو کہ تمھارا دل نہیں توڑ سکتا... معذوروں سے محبت کرنے والی لڑکیاں عموماً نرم دل اور زود حس ہوتی ہیں۔"

"تم یہیں بیٹھو، میں پانچ منٹ میں ابھی واپس آتی ہوں، ذرا اپنی سہیلی کو بتا دوں کہ میں تمھارے ساتھ گھر واپس جا رہی ہوں۔" وہ اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"واپسی کی کیا ضرورت ہے، بس ہم بھی ساتھ ہی چلتے ہیں۔" میں دل ہی دل میں اس کی بوکھلاہٹ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھ گیا۔

"نہیں۔ تم یہیں بیٹھو۔" وہ میری طرح بوکھلا گئی۔ "ایک بازو سے محروم شخص کے ساتھ چلتے ہوئے مجھے شرمندگی ہوگی... تم بیٹھو، بس میں آتی ہوں۔"

وہ میرے جواب کا انتظار کیے بغیر اتنی تیزی کے ساتھ وہاں سے بھاگی تھی جیسے اسے خدشہ رہا ہو کہ اس نے ذرا بھی تاخیر کی تو میں جونک بن کر اس سے چمٹ جاؤں گا۔

"وہ چلی گئی۔ اب آرام سے بیٹھ جاؤ۔" سلطان شاہ کے طنزیہ آواز سن کر میں مسکراتے ہوئے بیٹھ گیا۔

"کیا حاصل ہوا؟" سلطان شاہ نے ملامت آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"تجربہ! یہ سب زندگی کے تجربات ہیں برخوردار۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اگر جیب میں معقول رقم ہو تو ایک کوڑھی بھی حسینۂ عالم سے عشق لڑا سکتا ہے۔ وہ مفلس ہر کولیس بھی ہو تو کسی کو نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا۔"

"اسے ایک دم سے ہوا کیا تھا جو یوں بھاگ گئی؟"

اور میں اسے اپنی اور لڑکی کی گفتگو سے آگاہ کرنے لگا۔

ہمیں وہاں بیٹھے بیٹھے تین بج گئے لیکن صورت حال جوں کی توں برقرار رہی، نہ کسی پولیس پارٹی نے ہم سے باز پرس کی، نہ مسلح غنڈوں کی ٹولی نے ہم پر حملہ کیا اور مجھے یقین ہونے لگا کہ شون کے بارے میں سلطان شاہ کو وہم ہوا ہوگا۔ اگر وہ ہمیں مشتبہ سمجھ کر ہمارا تعاقب کر رہا ہوتا تو اتنی دیر میں کچھ نہ کچھ ہو جانا چاہیے تھا۔

سوا تین بجے ایک متوسط عمر کا پستہ قامت شخص دھیمی آواز میں "تھنڈر" کہتا ہوا ہمارے سامنے سے گزرا تھا اور میں نے فوراً ہی کالے گلاب کے الفاظ ادا کر ڈالے تھے۔ طویل انتظار کے بعد خود کلامی کے انداز میں اس شخص کا کہا ہوا لفظ سن کر میرے وجود میں سکون کی لہر دوڑ گئی تھی۔

میرا جوابی کوڈ سنتے ہی وہ واپس لوٹا اور باری باری ہم دونوں سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا تھا۔ "میرے ساتھ آؤ۔"

نہ اس نے اپنا نام بتایا تھا نہ میں نے اپنا تعارف کرانا ضروری سمجھا تھا۔ اس نے گھاس پر رکھا ہوا سوٹ کیس اٹھا لیا تھا اور سلطان شاہ نے بریف کیس سنبھال لیا تھا۔

"ویرا کہاں ہے؟" راستے میں میں نے اس سے سوال کیا۔

"میں کسی ویرا کو نہیں جانتا۔" اس نے غراتے ہوئے مجھے غصیلی نگاہوں سے گھورا اور مجھے فوراً ہی احساس ہو گیا کہ مجھے اس سے کوئی فالتو بات نہیں کرنا چاہیے — وہ ویرا کے نمک خواروں میں سے ایک تھا اور کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ ویرا کو جانتا بھی تھا یا نہیں، اور جانتا تھا تو کس نام سے جانتا تھا؟

اس کی رہنمائی میں ہماری پیش قدمی کا اختتام گہرے سبز رنگ کی دو دروازوں والی بی ایم ڈبلیو کار پر ہوا جس میں ڈرائیونگ سیٹ پر پہلے سے ایک سفید فام تھا۔

اگلی نشست الٹ کر میں سلطان شاہ کے ساتھ عقبی نشست پر سوار ہو گیا اور ہمیں وہاں تک لانے والے نے سوٹ کیس ڈکی میں ڈال کر ڈرائیور کے برابر والی نشست سنبھال لی۔

تقریباً دس منٹ کی مسافت کے بعد ہمارے سفر کا اختتام بیکا اسٹریٹ کی ایک گلی میں ہوا جہاں صاف ستھری پختہ سڑک کے دونوں جانب دور تک ایک جیسی قدیم ساخت کی تین منزلہ عمارتیں سر اٹھائے کھڑی تھیں۔ ایک عمارت پر بکن ہال اسٹیٹ کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔

اس شخص کی رہنمائی میں ہم پتھر کے زینے عبور کر کے عمارت کے آگے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلے ہوئے پتھریلے برآمدے کو عبور کر کے داخلی دروازے کے سامنے پہنچے اور اس نے ایک سو انسٹھ نمبر کے کال بیل کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔

"کون ہے؟" دروازے پر لگے ہوئے انٹر کام کے اسپیکر پر ایک نسوانی آواز ابھری۔

"پال۔" اس شخص نے اپنا دہانہ اسپیکر کے نیچے لگے ہوئے مائیکرو فون کے قریب لے جا کر کہا اور اندر سے کسی خود کار نظام کے تحت دروازے کا قفل کھول دیا گیا۔

داخلی دروازے سے گزر کر وسط میں پختہ فرش تھا اور چاروں طرف عمارت کھڑی ہوئی تھی جس میں اٹھارویں صدی کے طرز تعمیر کے مطابق سرخی مائل پتھر استعمال کیا گیا تھا۔ گراؤنڈ فلور پر ایک فلیٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا جہاں ایک بوڑھی سفید فام خادمہ ہماری منتظر تھی۔

اندر گھستے ہی میری آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ باہر سے فرسودہ اور متروک طرز تعمیر کی حامل اس عمارت کی اندرونی ساخت ہر اعتبار سے جدید تھی اور فلیٹ زندگی کے تمام لوازمات سے آراستہ تھا۔

مجھے توقع تھی کہ شاید منزل پر پہنچ کر ویرا سے ملاقات ہو سکے گی لیکن تین خواب گاہوں والا وہ فلیٹ بالکل خالی پڑا ہوا تھا۔ ہمیں لانے والا سوٹ کیس اندر چھوڑ کر واپس لوٹ گیا اور ہم بوڑھی خادمہ کے ساتھ فلیٹ میں رہ گئے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں ویرا کے بارے میں خادمہ سے دریافت کروں یا خاموش رہوں۔

ہم دونوں ایک خواب گاہ میں داخل ہو کر تھکے ہوئے انداز میں بیک وقت نرم اور آرام دہ بستر پر دراز ہو گئے۔

"مسٹر اکبر؟" بوڑھی خادمہ کی استفسار طلب آواز سن کر میں نے سر گھمایا تو وہ ایک لفافہ لیے خواب گاہ کے دروازے میں کھڑی تھی۔

"میرا نام اکبر ہے اور یہ علی شیر ہے۔" میں نے بستر سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"مجھے جوڈی کہتے ہیں، بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر۔ یہ تمہارے لیے ہے۔" یہ کہتے ہوئے خادمہ نے بند لفافہ میری طرف بڑھایا اور خود الٹے قدموں واپس لوٹ گئی۔

لفافے میں سادہ کاغذ پر صرف دو سطریں درج تھیں۔ "ہم دونوں کا کام پڑ گیا ہے۔ جلد ہی ملاقات ہوگی۔" نیچے ویرا کا نام درج تھا۔

میں نے اس کاغذ کے پرزے پرزے کر کے کموڈ میں بہا دیے۔

"فکر میں پڑ گئے، کیا لکھا تھا پرچے پر؟" ٹھکانا میسر آتے ہی سلطان شاہ کی زندہ دلی عود کر آئی تھی۔

میں نے اسے پیغام کا متن بتا دیا اور اسی وقت باہر لابی سے فون کی گھنٹی کی آواز سنائی دینے لگی۔ وہ فلیٹ اس وقت ہمارے تصرف میں تھا لیکن اجنبیت کی وجہ سے فوری طور پر میرے قدم فون کی طرف نہ اٹھ سکے اور گھنٹی کی آواز معدوم ہو گئی۔ میں خواب گاہ سے نکلا تو ایڈی اسی طرف آ رہی تھی۔

"تمہاری کال ہے مسٹر اکبر!" اس نے کہا اور میں نے فون کرنے والے کے بارے میں اس سے کچھ پوچھنے کا ارادہ کرتے ہی ترک کر دیا لیکن مجھے امید تھی کہ فون ویرا ہی کا ہوگا ورنہ لندن میں ایسا کون تھا جو میرے اس فلیٹ میں گھستے ہی میرے نئے ٹھکانے اور فون نمبر سے واقف ہو جاتا۔

ریسیور پر دوسری طرف سے غیر متوقع طور پر بھاری مردانہ آواز سن کر میرا دماغ سن ہو کر رہ گیا اور جب میں نے اپنا پاسپورٹ والا نام دہرایا تو جواب میں میں نے اس کی آواز پہچان لی۔

دوسری طرف سے شون میکارتھی بول رہا تھا۔

میری آنکھوں کے سامنے تاریک دائرے سے ناچنے لگے اس کے بارے میں سلطان شاہ کا مشاہدہ درست ثابت ہوا تھا۔ شاید وہ شروع ہی سے ہمارا پیچھا کرتا رہا تھا اور ہم تمام تر احتیاط کے باوجود اب اس فلیٹ میں بھی محفوظ نہیں تھے۔ زخمی ہاتھ کا بدلہ کیا ہوا فتور اب کسی لمحے بھی بھیانک روپ دھار سکتا تھا۔

"تم خیریت سے فلیٹ میں پہنچ گئے نا؟" میری آواز پہچان کر دوسری جانب سے شون میکارتھی نے خوش دلانہ لہجے میں سوال کیا تھا اور مجھے اس کی آواز کسی گہرے کنوئیں کی تہ سے ابھرتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

"تم کون ہو؟" میں نے قدرے توقف کے بعد خشک اور سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

"ارے! اتنی جلدی بھول گئے؟" ریسیور پر اس کی تحیر آمیز آواز ابھری۔ "صبح پارک ہوٹل میں ہی تو ہمارا تعارف ہوا تھا۔ تم لیک ڈسٹرکٹ میں میری خوبصورت اور فراخ دل بھانجی سے ملنے والے تھے، میں شون بول رہا ہوں، شون میکارتھی!"

"اس حد تک میں نے بھی تمہیں پہچان لیا تھا۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم کون ہو اور کس کے لیے کام کر رہے ہو؟"

"پہلے سوال کا جواب دے چکا ہوں، دوسرے کے لیے پابند نہیں ہوں۔" بولنے والے کا لہجہ قدرے ترش ہو گیا۔

"میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم میرا پیچھا کیوں کر رہے ہو؟"

"میں تمہیں اپنی بھانجی کا نام اور پتا دے بیٹھا ہوں لیکن یہ ہرگز پسند نہیں کروں گا کہ کوئی اوباش آدمی میرا حوالہ دے کر اس سادہ لوح لڑکی کو بے وقوف بنانے میں کامیاب ہو جائے۔"

"میں نے تو تم سے اس کا پتا نہیں مانگا تھا۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"میں مانتا ہوں۔" ریسیور پر اس کی مصالحانہ آواز ابھری۔ "لیکن بہتیرے لوگ ندیدے اور عیاش ہوتے ہوئے بھی بظاہر لڑکیوں کی طرف سے بے پروائی اختیار کرنے کی اداکاری کرتے رہتے ہیں۔"

"تم مجھے فضول باتوں میں الجھا رہے ہو۔" میں نے چڑ کر کہا۔ "میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم میرا تعاقب کیوں کر رہے ہو؟ شاید ہائیڈ پارک میں بھی تم میری نگرانی کر رہے تھے۔"

"تم بہت چالاک ہو۔ میرا خیال تھا کہ میں شروع سے آخر تک تمہاری نگاہوں سے بچا رہنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔" اس کی آواز اس مرتبہ تحیر آمیز تھی۔ "لیکن تمہیں میرا ممنون ہونا چاہیے کہ میں نے تمہارے اتنے قریب ہوتے ہوئے بھی تم کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔"

"ہم اپنی حفاظت کرنا جانتے ہیں۔ تم کوئی کوشش کر بیٹھتے تو بری طرح منہ کی کھانا پڑتی۔"

"مجھے ایسی کوئی امید نہیں ہے۔" اس نے ہلکا سا قہقہہ مار کر کہا۔ "ہوٹل سے روانہ ہوتے ہوئے تمہارا بایاں ہاتھ جیب میں تھا لیکن کنگز کراس کے باتھ روم میں تمہارا پورا بایاں بازو ہی غائب ہو گیا۔ اپنے اعضا تم یوں ہی چھپاتے پھرے تو مجھے یا کسی اور کو کس طرح زیر کر سکو گے؟"

اس کی گفتگو نہ صرف خطرناک بلکہ معنی خیز تھی۔ وہ مجھے کوئی براہ راست دھمکی دیے بغیر روا روی میں یہ جتانے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ اسے میرے بارے میں ایسی اہم باتیں معلوم تھیں جن کو ظاہر کر کے وہ میرے لیے ناقابل یقین دشواریاں پیدا کر سکتا تھا جب کہ وہ خود مجھ سے ایک بالمشافہ ملاقات کے بعد میری دسترس سے باہر تھا اور میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔

"تم چاہتے کیا ہو؟" میں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے بے بسی کے ساتھ سوال کیا۔

"کہیں سے اپنے نیک چال چلن کا سرٹیفکیٹ مہیا کر سکو تو میں بہتیری الجھنوں سے بچ جاؤں گا۔"

"مجھے کسی سے کوئی سرٹیفکیٹ لینے کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"پھر مجھے ہر لمحے اپنے آس پاس ہی پاؤ گے۔ تمہارے چال

چلن کی تصدیق کے بغیر میں تمہیں ہرگز اپنی بھانجی کے پاس نہیں جانے دوں گا۔"

"اسے احتیاط سے کسی چڑیا گھر میں رکھوا دو، اگر تم اس فکر میں ہو کہ مجھے گھیر گھار کر اپنی بھانجی کا شوہر بنانے میں کامیاب ہو جاؤ گے تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔" میں نے اس کا مضحکہ اُڑاتے ہوئے کہا۔

"یہ نہ بھولو کہ میں بھی اخبارات پڑھنے کا عادی ہوں اور یہ جانتا ہوں کہ پولیس کسی ایسے قاتل کی تلاش میں ہے جس نے پچھلی رات ایک شخص کو کار کی کھڑکی کے ٹوٹے ہوئے شیشے کے پے در پے وار کر کے ہلاک کر دیا تھا۔ تم بایاں ہاتھ جیب میں ڈالے رہو یا پورا بازو غائب کر لو میری نشاندہی سے نہ بچ سکو گے۔" اس کی غصیلی آواز سنائی دی۔ "اگر اب تم نے مجھے دھوکا دے کر اپنا ٹھکانا بدلنے کی کوشش کی تو یہ یاد رکھنا کہ پولیس ہی تم سے نمٹے گی۔"

"تمہارا مطالبہ کیا ہے؟" میں نے اپنے وجود کی گہرائیوں میں اُبھرنے والی خوف کی لہر کو دباتے ہوئے سوال کیا۔ "میں مانتا ہوں کہ تم بہت کچھ جانتے ہو لیکن مجھے یہ سب بتانے کا مقصد کیا ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ میں اب تمہارے کردار سے مطمئن ہوں، تمہارا چال چلن بھی ٹھیک ٹھاک معلوم ہوتا ہے، تمہیں فوری طور پر ہیشام روانہ ہو جانا چاہیے۔ میری بھانجی اس سیزن میں میری طرف سے کام ملنے پر خاصی خوش ہو گی۔"

"اور اگر میں لیک ڈسٹرکٹ کی سیاحت سے انکار کر دوں؟"

"تو ہو سکتا ہے کہ پولیس تمہارے بائیں بازو کی تلاش شروع کر دے۔" آواز معنی خیز ہو گئی تھی۔

"تم کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو؟" میں نے زچ آ کر کہا۔ "اگر تمہاری بھانجی اتنی ہی خوبصورت اور سوشل ہے تو ضروری نہیں کہ وہ تمہارے بھیجے ہوئے گاہکوں کی تلاش میں خالی بیٹھی مکھیاں مار رہی ہو۔ اسے وہیں بہتیرے ایسے سیاح مل سکتے ہیں جو محض ایک شام کے لیے اسے اتنا معاوضہ دے سکتے ہیں جو میں شاید پورے ہفتے میں بھی نہ دے سکوں۔ اس ڈھکوسلے کے بجائے تم کھل کر بتاؤ کہ مجھے ہیشام بھیج کر تم کیا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہو؟"

"میرے اور اس لڑکی کے ذاتی معاملات سے تمہیں کوئی واسطہ نہیں ہونا چاہیے۔ تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ تم ہیشام جا کر اس سے رابطہ قائم کرو۔ وہ تمہیں وقت دے سکی تو تمہیں اس کے ساتھ ٹھہرنا ہو گا اگر اس نے معذرت کر لی تو تمہیں آزادی ہو گی کہ جدھر سینگ سمائیں اُدھر چلے جاؤ۔"

"اگر تم یہی چاہتے ہو تو میں ابھی اسے فون کیے لیتا ہوں، اس کے لیے مجھے لندن سے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ ایریا کوڈ ڈائل کر کے میں لمحہ بھر میں اس سے بات کر سکتا ہوں۔"

"مجھے تم سے جو کچھ کہنا تھا، وہ میں کہہ چکا... تمہاری بحث سے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی۔ تمہیں ہر قیمت پر ہیشام جانا ہو گا ورنہ نتائج بھگتنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" اس کی آواز تلخ ہو گئی۔

"اپنا نمبر دے دو تاکہ میں تھوڑی دیر بعد تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کر سکوں۔" میں نے کہا۔

"جو کچھ کہنا ہے، ابھی کہہ دو، میرے پاس اور بھی بہتیرے کام ہیں۔" خوش دلی کے ساتھ شروع ہونے والی گفتگو میں اس وقت تک خاصی تلخی آ چکی تھی۔

"ہوٹل کے بعد ہائیڈ پارک میں بھی تم نے دیکھا ہو گا کہ میرا ایک ہمزاد بھی ہے۔ اس سے مشورہ کیے بغیر میں تم سے کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔ تمہیں وقت دینا ہی ہو گا۔"

"ہمزاد!" اس کی ہنسی کی آواز سنائی دی۔ "سچ پوچھو تو اسی کی وجہ سے میری توجہ تمہاری طرف مبذول ہوئی تھی۔ تمہارا زخمی ہاتھ تو بعد میں میری نگاہوں میں آیا تھا۔"

"اسے چاہو تو میں ابھی ہیشام روانہ کر سکتا ہوں۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"وہ تو بس تمہاری شناخت کا ذریعہ تھا ورنہ سودا تمہارے ہی بارے میں ہوا ہے۔"

"سودا؟" میں نے تحیّر آمیز لہجے میں دُہرایا۔ "آخر کار تم اپنی اصلیت اگل ہی بیٹھے، اب یہ بھی بتاتے چلو کہ یہ سودا کس قسم کا ہے اور کس سے ہوا ہے؟"

"اُڑنے کی کوشش مت کرو۔" اس کی جھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔ شاید وہ الفاظ اس کی زبان سے غیر ارادی طور پر پھسل گئے تھے اور وہ اپنی اس بے احتیاطی پر جھلایا ہوا تھا۔ "بحث کے بجائے مجھے ہاں یا نہ میں جواب چاہیے۔"

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اپنے ساتھی سے مشورہ کیے بغیر کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔"

"وہ بھی اس فلیٹ میں تمہارے ساتھ ہی مقیم ہے، اس سے ابھی مشورہ کر سکتے ہو۔"

"مجھے کم از کم ایک گھنٹے کی مہلت درکار ہے۔" میں نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔ "تم اپنا نمبر دے دو، ہو سکا تو اس سے پہلے ہی فون کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"ایک گھنٹے بعد میں خود تمہیں رِنگ کر لوں گا۔" دوسری طرف سے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

میں ریسیور کریڈل پر رکھ کر پلٹا تو سلطان شاہ میری پشت پر موجود تھا۔ شاید وہ میری طویل غیر حاضری یا کمرے میں تنہائی سے اکتا کر باہر نکل آیا تھا۔

"کس کا فون تھا؟" نگاہیں چار ہوتے ہی اس نے مضطربانہ لہجے میں سوال کیا کیونکہ ہمیں اس فلیٹ میں پہنچتے ہی ویرا کی طرف سے تحریری پیغام مل چکا تھا اس لیے میرے مفروضہ نام کے حوالے سے آنے والی وہ فون کال اس کے لیے بھی پریشان کن ثابت ہوئی تھی۔

"تمہارا شبہ سو فیصد درست تھا۔ پارک ہوٹل کے منیجر کے کمرے میں ملنے والا اجنبی کسی بدروح کی طرح ہمارے پیچھے لگا ہوا ہے — وہ ہائیڈ پارک میں بھی ہماری نگرانی کر رہا تھا اور یہ اسی کی فون کال تھی۔"

"اوہ! تو اسے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ہم بکن ہال مینشن کے کسی فلیٹ میں مقیم ہیں۔" سلطان شاہ نے میرے ہمراہ خواب گاہ میں داخل ہوتے ہوئے متفکرانہ لہجے میں سوال کیا۔ "آخر وہ ہم سے کیا چاہتا ہے؟"

"بس یہی کام کی بات پوچھی ہے تم نے۔" میں نے بستر پر دراز ہو کر سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "ذرا بوجھنے کی کوشش کرو کہ وہ ہم سے کیا چاہ سکتا ہے؟"

"شاید شون میکارتھی نام تھا اس کا۔" وہ پُرخیال انداز میں بڑبڑایا۔ "وہ نہ تو پولیس کا مخبر معلوم ہوتا ہے نہ ہی ہمارے دشمنوں کا آدمی نظر آتا ہے....."

"بہت خوب۔" میں نے ہلکے سے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "شرلاک ہومز صاحب، اپنے ان نظریات کی بنیاد بھی واضح کرتے چلیں تو ذرا نتائج اخذ کرنے میں آسانی ہو سکے گی۔"

"پولیس والا نظریہ تو تمہارا اپنا ہے۔ ہم نے ہائیڈ پارک میں خاصا وقت گزارا تھا، وہ جب چاہتا، ہمیں پکڑوا سکتا تھا، اُسے چوروں کی طرح یہاں تک ہمارا پیچھا کرنے اور پھر فون پر مزاج پُرسی کرنے کی کیا ضرورت تھی اور یہی بات دشمنی کے سلسلے میں صادق آتی ہے۔ جن لوگوں سے ہمارا واسطہ پڑا ہوا ہے، وہ بہت بے رحم اور سفاک ہونے کے ساتھ جدید وسائل پر بھی پورا پورا عبور رکھتے ہیں۔ شون میکارتھی ان کا آدمی ہوتا تو ہم ہائیڈ پارک ہی میں کھلے آسمان کے نیچے بے دردی کے ساتھ بھون دیے گئے ہوتے۔"

"تو کیا تم اسے اپنے ہمدردوں میں شمار کر رہے ہو؟"

"شی اور ویرا کے علاوہ یہاں ہمارے سامنے اور کون سا فریق ہے؟ اگر وہ شی کا آدمی نہیں ہے تو یقیناً ویرا نے اسے ہماری حفاظت پر مامور کیا ہو گا۔ اس نے بتایا تھا کہ وہ جیکب کے نائب سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے اور اب تیزی کے ساتھ اپنے آدمیوں کو یکجا کر رہی ہے، ہو سکتا ہے کہ شون ان ہی میں سے ایک ہو۔"

"اس کی گفتگو دھمکی آمیز تھی۔" میں نے سگریٹ کا گہرا کش لے کر کہا۔ "ویرا کا کوئی آدمی ایسی جسارت نہیں کر سکتا۔ پھر اس کا مطالبہ بھی عجیب و غریب ہے کہ میں ہیشام جا کر اس کے دیے ہوئے فون نمبر پر اس کی بھانجی سے رابطہ قائم کروں جو اس علاقے میں پیشہ ور گائیڈ کی حیثیت سے کام کرتی ہے۔"

"یعنی پھر وہی لڑکی۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولا اور میں اپنی تشویش کے باوجود بے اختیار ہنس دیا۔

"تو لے بن کر بھی تم ان لڑکیوں کے عذاب سے نہیں بچ سکے اور اب شون تمہیں اپنی بھانجی کے پاس بھیج رہا ہے، کہیں اس نے تمہارا ماموں سسر بننے کا فیصلہ تو نہیں کر لیا ہے؟" وہ بکتا چلا گیا۔

"یہ معاملہ میری سمجھ سے باہر ہے۔ لڑکی کو فون یہاں سے بھی کیا جا سکتا ہے مگر شون بضد ہے کہ میں ہیشام جا کر ہی اس کی بھانجی کو فون کروں ورنہ وہ اخبارات پڑھنے کے بعد میرے زخمی ہاتھ کے بارے میں بہتیرے درست اندازے لگا چکا ہے۔ اس نے دھمکی دی ہے کہ وہ پولیس کو میرے پیچھے لگا دے گا۔"

"یہ ہیشام ہے کیا بلا؟"

"جھیلوں سے بھرے ہوئے پُرفضا علاقے کے مغربی ساحل پر ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ قصبہ بلیک پول کی مشہور ساحلی تفریح گاہ کے قریب ہی واقع ہو گا۔" میں نے کہا۔

"تو تم نے اسے کیا جواب دیا؟"

"تم سے مشورے کے بہانے ایک گھنٹے کی مہلت لی ہے۔ میرا جواب معلوم کرنے کے لیے وہ دوبارہ فون کرے گا۔"

"کیوں نہ اس کے دیے ہوئے نمبر پر فون کر کے اندازہ لگانے کی کوشش کی جائے کہ اس کی بھانجی کس قماش کی لڑکی ہے۔ تم اپنا نام ظاہر کیے بغیر اس سے بات کر سکتے ہو۔" اس نے تجویز پیش کی۔

مشورہ معقول تھا، وہ اپنی کھوپڑی پر زور دیتا تھا تو کوئی نہ کوئی مثبت بات تلاش کر ہی لیتا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ میری موجودگی میں وہ عام طور پر اس مشقت سے گریز ہی کرتا تھا۔

شون میکارتھی نے اپنی بھانجی کا نام مس لوسی بتایا تھا۔ میں جیب سے فون نمبر والا رقعہ نکال کر ایک بار پھر فون کی طرف چل دیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔

لندن کی ٹیلی فون ڈائریکٹری بھی انسائیکلوپیڈیا سے کم نہیں تھی اور اس کی کئی موٹی موٹی جلدیں تھیں جنہیں ہاتھ لگاتے ہوئے خوف آتا تھا لیکن پہلی ہی جلد میں مجھے مطلوبہ معلومات بہت آسانی کے ساتھ مل گئیں اور میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اس قصبے کے کوڈ کے ساتھ لوسی کا نمبر ڈائل کر لیا۔

میری پہلی ہی کوشش بار آور ہوئی اور دوسری طرف سے ریسیور اُٹھا لیا گیا۔

"کیا میں مس لوسی سے بات کر سکتا ہوں؟" رابطہ قائم ہوتے ہی میں نے بگڑے ہوئے لہجے اور بدلی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"لوسی گھر پر نہیں ہے۔" ایک خشک سی نسوانی آواز سنائی دی۔ "تم کون ہو؟ کوئی پیغام ہو تو نوٹ کرا دو۔" میں نے واضح طور پر محسوس کیا کہ دوسری طرف جو کوئی بھی تھی، اپنی آواز بدل کر بولنے کی کوشش کر رہی تھی۔

ویسے تو اس کا لب و لہجہ بھی عجیب سا تھا مگر لہجے کو میں نے اس وجہ سے نظر انداز کر دیا کہ ایک ہی ملک کے مختلف علاقوں کے لب و لہجے میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے اور پھر برطانیہ میں لب و لہجے تو کیا تلفظ تک کے بارے میں اتنا تضاد پایا جاتا تھا کہ اس بنیاد پر بہتیری کہاوتیں اور لطیفے وجود میں آ چکے تھے۔

"میں لنکاسٹر سے ایڈمنڈ بول رہا ہوں۔" میں نے وقفے کے بغیر کہا۔ "لوسی کب تک واپس آئے گی؟"

"کچھ پتا نہیں۔ وہ اپنی مرضی کی مالک ہے۔" اکتائے ہوئے انداز میں جواب دیا گیا لیکن آواز کا تصنع اس وقت بھی برقرار تھا۔ بولنے والی اس معاملے میں اتنی اناڑی تھی کہ ایک فقرے میں کئی آوازیں بدل رہی تھی۔

"اس سے بہت بدظن معلوم ہوتی ہو۔ نام کیا ہے تمھارا؟" میں نے نرم اور دعوت آمیز لہجے میں کہا۔ میں سوچ رہا تھا کہ شاید اس کی ہمدردیاں جیت کر میں اس سے لوسی کے بارے میں کارآمد معلومات حاصل کر سکوں گا۔

"میرے نام سے کیا لینا ہے تمھیں؟" دوسری طرف سے اکھڑے ہوئے درشت لہجے میں سوال کیا گیا۔

"تمھیں پتا ہے کہ لوسی کتنی سنگدل اور بددماغ ہے۔" میں نے اپنی آواز پر مظلومیت طاری کرتے ہوئے اندھیرے میں تیر پھینکا۔ "میں خود اس سے اکتایا ہوا ہوں۔ اگر تم چاہو تو ہم ایک دوسرے کے اچھے دوست ثابت ہو سکتے ہیں۔"

"شٹ اپ۔" ریسیور پر غراہٹ ابھری۔ "میں فلرٹ نہیں ہوں۔ آواز سن کر مجھ پر فدا ہونے کے بجائے لنکاسٹر میں ہی کوئی قرینے کی لڑکی تلاش کرنے کی کوشش کرو۔"

"لنکاسٹر کی لڑکیوں میں آج کل شیطان حلول کر گیا ہے اور وہ ایک ہی وقت میں کئی کئی بوائے فرینڈز رکھنے کی عادی ہوتی جا رہی ہیں تاکہ اپنے لیے ان کے رقیبانہ جذبات کو بھڑکا کر زیادہ سے زیادہ تحائف سمیٹ سکیں اور اپنی شامیں بہترین اور مہنگی تفریح گاہوں میں گزار سکیں، اسی لیے میں پورے خلوص کے ساتھ اپنے شہر سے باہر کسی پُرخلوص ساتھی کی تلاش میں ہوں جو زندگی کی دشوار راہوں پر دور تک میرا ساتھ دے سکے۔" اس کے ساتھ گفتگو کو طول دینے کی غیر ارادی خواہش کے تحت میں نے روایتی عاشقانہ انداز اختیار کر لیا۔

"تم بہت بدتمیز اور گستاخ ہو... فون تم نے کیا ہے لہٰذا یہ تمھارا اخلاقی فرض ہے کہ ہذیان بکنے کے بجائے فون بند کر دو، اگر تم نے خود فون بند نہ کیا تو میں ریسیور رکھ دوں گی۔"

"کم از کم اتنا ہی بتا دو کہ تم لوسی کی ملازمہ ہو یا سہیلی؟" میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"بہت ڈھیٹ ہو تم۔ ان میں سے کوئی رشتہ نہیں ہے میرا اس سے۔"

"مگر تم اس سے ڈرتی ضرور ہو۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"پھر بکواس شروع کر دی تم نے۔" اس کے لہجے میں برہمی عود کر آئی مگر ساتھ ہی اس پر کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔

"مشق کے بغیر آواز بدل کر بولنے کی کوشش کا یہی انجام ہوتا ہے۔ حلق پر غیر ضروری بوجھ ڈالا جائے تو کوّا اپنی جگہ رہنے سے انکار کر دیتا ہے۔" میں خوش دلی کے ساتھ وہ تبصرہ کرتے ہوئے اچانک غیر ارادی طور پر اپنی اصل آواز میں بولنے لگا کیونکہ ذہن سے لوسی سے ہم کلامی کا امکان کافور ہو چکا تھا۔

"ڈینی!" اچانک ریسیور پر کھانسیوں کے درمیان بھرائی ہوئی شناسا آواز سنائی دی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اگر میرے کان دھوکا نہیں دے رہے تھے تو وہ غزالہ کی آواز تھی۔

"غزالہ... ہاں، میں ڈینی ہی ہوں... تت... تم وہاں کیا کر رہی ہو؟" میں اردو میں دیوانہ وار چیخ اٹھا۔

"م... میں تھک گئی ہوں... مجھے آپ کے سہارے کی ضرورت ہے۔" میری آواز سنتے ہی دوسری طرف غزالہ کے صبر کا پیمانہ چھلک اٹھا اور وہ شاید بے بسی کے ساتھ بلک کر رو پڑی۔ "جب تک اپنے سائے سے بھی بھڑکتی رہی کشت و خون کے باوجود آزاد رہی مگر کسی پر اعتماد کرتے ہی کتنے بے جان دیواروں کی قیدی بن گئی ہوں...."

میری زبان سے غزالہ کا نام سنتے ہی چند ثانیوں تک تو سلطان شاہ سکتے کے عالم میں کھڑا رہا پھر جیسے اس پر ایک دم جنون سوار ہو گیا اور اس نے بے اختیار ہو کر میرے ہاتھوں سے ریسیور چھین لیا۔

"السلام علیکم بھابی! میں سلطان بول رہا ہوں، تم فکر نہ کرو، ہم ابھی تمھارے پاس آ...." اس نے ماؤتھ پیس میں مشینی انداز میں بولنا شروع کیا تھا مگر اچانک ہی اس کی زبان بند ہو گئی اور آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ اگلے ہی لمحے میں اس نے پژمُردہ انداز میں ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔

"ہاں غزالہ....!" میں نے ریسیور لیتے ہی اسے دلاسا دینا چاہا مگر اس نے روتے ہوئے میری بات کاٹ دی۔

"کل رات سے میں سخت عذاب میں ہوں۔ سرے میں کئی بدمعاشوں نے میری کمین گاہ کو گھیر لیا تھا مگر میں ایک دھماکا کر کے وہاں سے نکل گئی۔ پتا نہیں، ان کا کیا حشر ہوا مگر میں سڑک پر نکل آئی۔ وہاں شمال کی طرف جانے والے ایک ٹرک ڈرائیور سے لفٹ لی تو وہ صورت حرام بہت نرم دل اور معصوم نظر آیا۔" وہ سسکیوں اور ہچکیوں کے درمیان مختصر ترین الفاظ میں اپنی کہانی سنا رہی تھی اور میں سانس روکے سن رہا تھا۔

"سرے کے مکان میں ہونے والا دھماکا بہت خوفناک تھا مجھے کچھ پتا نہیں کہ وہاں آنے والے سات بھیڑیوں میں سے کتنے مرے تھے اور کتنے زندہ تھے مگر میں بری طرح سہمی ہوئی تھی۔ میں نے ٹرک ڈرائیور کو بتایا کہ میں اپنے ساتھیوں سے بچھڑی ہوئی ہوں۔ اگر وہ انھیں تلاش کر سکے تو میں اسے معقول معاوضہ دوں گی۔ تھوڑی سی بحث کے بعد وہ رضامند ہو گیا اور میں نے آپ کے بجائے اسے سلطان شاہ کا حلیہ بتا دیا۔ میرا خیال تھا کہ اگر اس کی نیت خراب ہو بھی جائے تو وہ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے اور اگر وہ سلطان شاہ تک پہنچ جاتا تو وہ معاملہ آپ سے بھی ملاقات ہو جاتی مگر اس کی توجہ سلطان پر ہی مرکوز رہتی۔ یہ سب سن کر اس نے اپنا راستہ تبدیل کر لیا اور رات گئے مجھے یہاں لوسی کے پاس پہنچا دیا۔ مجھے کچھ پتا نہیں کہ یہ کون سا شہر ہے۔ میرے بارے میں ان دونوں میں کچھ راز و نیاز ہوئے پھر ڈرائیور کے جاتے ہی لوسی اپنے اصل روپ میں آ گئی۔ اس نے کہیں سے اپنے دراز قامت ساتھی کو بھی بلا لیا اور ان دونوں نے ریوالور کی زد پر میری جامہ تلاشی لے کر پانچ ہزار پاؤنڈ سے زیادہ وہ رقم برآمد کر لی جو میں نے جیکب کے سرے والے مکان سے اس کی ہدایت کے مطابق حاصل کی تھی اور اب میں اسی مکان کے ایک کمرے میں قید ہوں۔ لوسی باہر جاتے ہوئے شاید میرے فون کا پلگ نکالنا بھول گئی مگر وہ مجھے بتا چکی ہے کہ دوسرے کمرے میں فون کے ساتھ ایک خودکار ریکارڈر منسلک ہے.... اسے واپس آتے ہی میری اور آپ کی گفتگو کا علم ہو جائے گا مگر آپ کی آواز سن لینے کے بعد میں ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"یہ لوگ خود اپنی شامت کو دعوت دے بیٹھے ہیں۔" میں نے غضب ناک لہجے میں کہا۔ "لوسی کا ساتھی لندن میں مجھ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا ہے اور مجھے دھمکیاں دے کر ہیشام میں لوسی تک پہنچنے پر مجبور کر رہا ہے... ابھی تک میں اندھیرے میں تھا اور جھجک رہا تھا، اسی لیے فون بھی کیا تھا تاکہ جانے سے پہلے اندازہ لگا سکوں۔ مقدر یاور تھا کہ اس طرح تم سے بات ہو گئی، میں آج ہی ہر قیمت پر تم تک پہنچوں گا۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ ہمیں موٹی اسامی سمجھ رہے ہیں اور آپ کو گھیر کر کوئی لمبی رقم ہتھیانے کے چکر میں ہیں۔" دل کی بھڑاس نکلنے کے بعد وہ بتدریج اعتدال پر آتی جا رہی تھی۔

"تم ان کا حشر دیکھنا۔" میں نے غصے سے کہا۔ "سرے والے ساتوں بدمعاش جہنم داصل ہو گئے، اب ان کی باری ہے۔"

"آپ یہاں کب پہنچے؟"

"وقت اتنا مصروف گزرا ہے کہ یہ عرصہ مہینوں پر محیط معلوم ہوتا ہے۔ لمبی کہانیاں ہیں، انشاء اللہ ملاقات ہو گی تو بتاؤں گا کہ دشمنوں کو کیسی روسیاہی نصیب ہوئی ہے۔ ویسے تم تو خیریت سے ہو نا؟"

"بالکل خیریت سے ہوں اور ہاں یہ سن لیں کہ پچھلے چند دنوں میں میں نے بہت کچھ سیکھ لیا ہے۔ جس دن اپنی طرف اٹھنے والے ہاتھوں کو شانوں سے نہ اکھاڑ سکی تو مدافعت میں خود اپنی جان دے دوں گی۔"

"وہ وقت آنے سے پہلے میں تمھارے پاس موجود ہوں گا۔"

"آپ کو یہ فون نمبر کہاں سے ملا؟" جذباتی ہیجان گزر جانے کے بعد اسے سوال یاد آ رہے تھے۔

"لوسی کے اسی دراز قامت ساتھی نے دیا تھا جو مجھ سے لوسی کے ملعون کی حیثیت سے ملا تھا۔ اس نے ہمیں پہچان تو لیا ہے لیکن اس بارے میں شاید پُریقین نہیں ہے، اسی لیے ہمیں لوسی کے پاس بھیجنا چاہتا ہے تاکہ تمھارے ذریعے ہماری شناخت ہوتے ہی ہمیں وہیں گھیر لے.... کسی وجہ سے ہم زیر ہو جائیں تو یہ یاد رکھنا کہ تمھیں ہماری طرف سے بھرپور اجنبیت کا اظہار کرنا ہو گا۔"

"آپ بے فکر رہیں۔ میری وجہ سے آپ پر ذرا بھی آنچ نہ آئے گی۔" اس نے سرے سے پہلے کے واقعات چھیڑنے کی کوشش کی مگر میں نے سختی کے ساتھ اسے روک دیا کیونکہ وہ مجھے لوسی کے فون سے منسلک ٹیپ ریکارڈر کے بارے میں بتا چکی تھی اور میں نہیں چاہتا تھا کہ اس آلے کے ذریعے غزالہ کے ماضی کے بارے میں لوسی کی معلومات میں اضافہ ہو۔

"جب آپ آئے تو میرے گھر پر تو سب خیریت تھی نا؟" اس نے پُرامید اور تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا اور میرے رُویں رُویں میں درد کی لہریں سرایت کر گئیں۔ آخر میں اسے کیا بتاتا اور کس منہ سے بتاتا!

"سب خیریت تھی۔ یہ باتیں ملاقات پر ہوں گی۔" میں نے اس موضوع کو وہیں ختم کرتے ہوئے درد بھرے دل کے ساتھ کہا اور وہ بے چاری اپنے بدنصیب پیاروں کے بارے میں ذرا بھی اندازہ نہ لگا سکی۔ سلسلہ منقطع کرنے سے قبل میں جذباتی انداز میں اسے دلاسا دے رہا تھا اور وہ ایک بار پھر کسی بچے کی طرح سسکنے لگی تھی کہ اچانک ریسیور میں اس کی تیز چیخ سنائی دی اور پھر دوسری طرف سے لائن بے جان ہو گئی۔ میں کسی بے جان پتلے کی طرح کئی سیکنڈ تک ریسیور کان سے لگائے کھڑا رہا پھر اسے کریڈل پر ڈال دیا۔

سرے میں جیکب کے مکان سے فرار کے بعد غزالہ کا رابطہ دنیا بھر سے منقطع تھا۔ شاید اخبارات بھی اس کی رسائی سے باہر تھے، جب ہی اسے اپنے دشمنوں کے انجام کا علم نہ ہو سکا تھا لیکن اسے قیدی بنانے والوں کو ہر معمولی سی معمولی بات کا علم تھا۔ سرے کے واقعے کے بارے میں اخباری قیاس آرائیوں نے بہت سے امکانات کی نشاندہی کی تھی لیکن ایلن بربز سمیت چھ آدمیوں کی ہلاکت اور ساتویں زخمی کے اسپتال میں قتل کے بعد وہ واردات سارے تفتیشی اداروں کے لیے ایک بے سرو پا معما بن کر رہ گئی تھی جس میں نہ مجرم کا پتا تھا نہ واردات کے محرکات کا۔ لیکن غزالہ کو لفٹ دینے والے ٹرک ڈرائیور اور اس کے رفقائے کار کے لیے غزالہ کو سونا سمجھنا بہت سہل نظر آتا تھا کیونکہ وہ بھی ایک خوبصورت ایشیائی لڑکی تھی اور ایک ایسے علاقے میں منتبہ

علاقے میں ملی تھی جہاں ایک دھماکے کے نتیجے میں کم از کم پانچ قتل ہو چکے تھے۔

جیکب کے بھائی جوزف نے طویل باز پُرس کے نتیجے میں پولیس کو سونیا کے جو مفروضہ خدوخال فراہم کیے تھے، وہ ہر لحاظ سے غزالہ سے مختلف تھے لیکن ایک بار غزالہ پولیس کی تحویل میں دے دی جاتی تو کاؤنٹری اور سرے کے مکانات سے ملنے والے فنگر پرنٹس کی بنیاد پر اس کے لیے اپنا دفاع ناممکن ہو کر رہ جاتا اور شاید یہی پہلو لوسی اور اس کے ساتھیوں کے پیشِ نظر تھا۔ وہ مجھے زیر کر لینے کے بعد غزالہ والے معاملے میں بھی بلیک میلنگ کر سکتے تھے۔

غزالہ سے فون پر گفتگو کرتے ہوئے مجھے حیرت ہوئی تھی کہ اس نے لوسی کو سلطان کا حلیہ بتایا تھا مگر شون نے ساری توجہ میری ذات پر مرکوز رکھی تھی لیکن ذرا سا غور کرنے پر اس کے اسباب بھی واضح ہو گئے۔ شون نے خود کہا تھا کہ میری شناخت سلطان کی وجہ سے ہوئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ غزالہ کو لوسی کی قید میں بے بس کرتے ہی وہ ہماری تلاش میں لندن آ پہنچا تھا پھر شاید وہ پارک ہوٹل کے منیجر سے اپنے مراسم کی بنا پر سیدھا وہیں پہنچا۔ یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ ہم نے اسی وقت ہوٹل چھوڑنے کا ارادہ کیا، جب وہ نیچے موجود تھا۔

اس نے پہلے یقینی طور پر سلطان شاہ کو شناخت کیا لیکن وہ بلیک میلر ہونے کی بنا پر ہمیشہ فریقِ مخالف کے کمزور پتّوں پر گہری نگاہ رکھنے کا عادی تھا لہٰذا میرا جیب میں پڑا ہوا بایاں ہاتھ فوری طور پر اس کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ صبح کے اخبارات کی دی ہوئی اطلاعات کی روشنی میں زخمی ہاتھ والا اس کا آسان شکار ثابت ہو سکتا تھا لہٰذا اس نے فوری طور پر سلطان شاہ کے بجائے مجھے اپنی ترجیحی فہرست پر لے لیا کیونکہ غزالہ کو بلیک میل کرنے کے لیے تو سونیا اور سرے میں پانچ آدمیوں کی ہلاکت کا حوالہ ہی کافی ہو سکتا تھا۔

اگر وہ سلطان شاہ کو بھول کر میرے چکر میں پڑ گیا تھا تو ہمیں ہیشام بھیجنے والی بات کیس فٹ نہ بیٹھتی تھی۔ سلطان شاہ کی حتمی شناخت کے لیے اُدھر جانے کی بات قابلِ قبول تھی مگر مجھے تو وہ لندن میں زیادہ بہتر طریقے پر خوفزدہ کر کے رقم اینٹھ سکتا تھا کیونکہ اس شہر میں قانون نافذ کرنے والے ادارے زیادہ مستعد اور فعال تھے۔ شون کے ذرا سے اشارے پر پولیس کی بھاری نفری کسی بھی ایسی عمارت کو آناً فاناً میں گھیرے میں لے سکتی تھی جہاں کسی زخمی ہاتھ والے کی موجودگی کا شبہ ہوتا۔

پھر وہ مجھے ہیشام جیسے غیر معروف علاقے کی طرف کیوں ہانک رہا تھا؟

اس نکتے پر غور کرتے ہوئے میرے بدن کے مساموں سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ بہہ نکلا۔

اس نے فون پر بات کرتے ہوئے کسی سودے کا حوالہ دیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ مجھے ہیشام لے جا کر اپنا قیدی بنانا اور بھاری داموں پر کسی کے ہاتھوں فروخت کرنا چاہتا تھا۔

بیسویں صدی میں بھی بعض دور افتادہ اور غیر مہذب علاقوں پر کمزور انسانوں کی خرید و فروخت رائج تھی مگر یہ تجارت اتنی عام نہیں تھی کہ لندن جیسے بین الاقوامی شہر میں راہ چلتوں کے سودے ہونے لگتے۔ میرے خریدار صرف اور صرف شی کے بڑے ہی ہو سکتے تھے جنہیں داؤد نے جہنم داخل ہونے سے پہلے میری طرف سے پوری طرح بدظن کر دیا تھا۔

شی اندھیروں میں رینگنے والی کسی زہریلی ہزار پا بلا کی طرح زیرِ زمین دنیا میں اپنے مفادات کا تحفظ کرتی تھی اور شون بھی اسی زیرِ زمین دنیا کا ایک ادنیٰ کارندہ تھا جو بلیک میلنگ کے پیشے سے وابستہ ہونے کی وجہ سے دوسرے مجرموں کے مقابلے میں زیادہ قابلِ اعتماد تھا۔

میں اس موضوع پر جتنا غور کرتا گیا اُسی قدر یہ خیال میرے ذہن میں راسخ ہوتا چلا گیا کہ شون کسی کی مدد لیے بغیر مجھے قید کر کے شی کے ہاتھوں فروخت کرنے کے منصوبے پر کام کر رہا تھا اور غزالہ کے ساتھ کو تلاش کرتے ہوئے اتفاقاً ہی مجھے دریافت کر بیٹھا تھا، جب کہ اس کے دیے ہوئے فون نمبر کی مدد سے میں نے برطانوی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد پہلی بار غزالہ کی نہ صرف آواز سُنی تھی بلکہ اس کے ٹھکانے سے بھی واقف ہو گیا تھا۔

کارڈ کھل چکے تھے۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ شون میکارتھی میرے لیے بھیانک موت کا پیغام بن رہا تھا لیکن غزالہ کی بقا اور آزادی کے لیے میں اس کے اشاروں پر ناچنے کے لیے مجبور تھا۔ فون پر اُبھرنے والی اس کی آخری چیخ رہ رہ کر میرے ذہن میں آسیبی انداز میں گونج رہی تھی اور میں بے چینی کے ساتھ شون کے فون کا منتظر تھا تاکہ اسے اپنی رضامندی سے آگاہ کرتے ہی ہیشام کے سفر پر روانہ ہو سکوں جہاں لوسی ایک زہریلی ناگن بن کر غزالہ کو اپنے خون آشام حصار میں لیے ہوئے بیٹھی تھی۔

سلطان شاہ کا تجزیہ درست ہی تھا کہ شون نہ پولیس کا مخبر تھا نہ دشمن کا کارندہ — بلکہ وہ خود اپنے مفاد کے لیے کام کرنے کا عادی تھا۔ آخری لمحے تک اپنا کھیل کھیلنے کے بعد وہ اپنی شرائط پر میرے دشمنوں کے ساتھ سودے پر نظرِ ثانی بھی کرا سکتا تھا کیونکہ داؤد نے شی کے بڑوں کی نگاہوں میں مجھے ایک ایسا ناقابلِ شکست عفریت بنا دیا تھا جسے زیر کرنے کے لیے داؤد کو مسٹر ایکس کا قابلِ رشک منصب دے کر گرڈ ہب نائین کے موت کے ہرکارے پچھلے معرکے میں جھونک دیے گئے تھے۔ ان اقدامات کی ناکامی کے بعد وہ ڈینی کے لیے مُنہ مانگی رقم دے سکتے تھے۔

—— ہیشام کے ساحلی قصبے میں غزالہ کی قید کا انکشاف ہوتے ہی صورتِ حال بالکل بدل کر رہ گئی تھی اور مجھ سے فوری طور پر کسی فیصلہ کن کارروائی کی متقاضی تھی کیونکہ میں پاکستان سے محض اسی کی خاطر طویل سفر طے کر کے لندن پہنچا تھا لیکن وہ میرے لندن پہنچنے سے پہلے ہی ناگزیر حالات کا شکار ہو کر ان لوگوں کی تحویل سے فرار ہو گئی تھی، جو ویرا کی طرف سے اس کی حفاظت اور مہمانداری پر مامور کیے گئے تھے اور طویل روپوشی کے بعد اب پہلی بار اس کا کوئی سراغ ہاتھ آیا تھا۔

جب تک غزالہ سے میری بات نہیں ہوئی تھی، صورتِ حال خاصی مختلف اور محفوظ تھی۔ غزالہ کو لوسی کی قید میں کوئی خطرہ نہیں تھا مگر اس سے فون پر براہِ راست رابطہ ہونے کے بعد اس کے لیے خاصی دشواریاں پیدا ہو سکتی تھیں۔ لوسی واپس آنے کے بعد فون سے منسلک ٹیپ ریکارڈر پر میری اور غزالہ کی گفتگو سن کر چوکنی ہو سکتی تھی۔ غنیمت یہ تھا کہ بدلی ہوئی آوازیں انگریزی میں ہونے والی گفتگو خطرناک نہیں تھی لیکن اس سے آگے لوسی اردو جیسی اجنبی زبان میں ہونے والے مکالمات سنتے ہی گڑبڑ کا اندازہ لگا سکتی تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ غزالہ اس کی باز پُرس کے جواب میں اسے ہرگز کوئی ڈھنگ کی بات نہ بتاتی لیکن اس کی وہ مزاحمت تاخیری حربے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ لوسی گفتگو کا ٹیپ کسی نہ کسی شناسا کو سُنا کر میری اور غزالہ کی اُردو میں ہونے والی گفتگو کے متن سے آگاہ ہو سکتی تھی اور بس وہیں سے اس کے لیے دشواریاں پیدا ہو سکتی تھیں جن میں لوسی کے انتقامی تشدد کے امکانات بھی شامل تھے۔

دوسری طرف لوسی کا جعلی ماموں درحقیقت اس کا قریبی شریکِ کار تھا اور بدقسمتی سے میں اس کی نگاہوں میں آ چکا تھا اور یہ بھی یقینی تھا کہ ان دونوں میں قریبی رابطہ برقرار رہا ہو گا۔ میری اور غزالہ کی گفتگو سے باخبر ہوتے ہی لوسی شون میکارتھی کو اس سے آگاہ کر سکتی تھی اور شون میرے بارے میں سخت رویّہ اختیار کر سکتا تھا۔

مگر اس پورے معاملے میں میرے نزدیک اہمیت اس بات کی تھی کہ شون اور لوسی بنیادی طور پر بلیک میلر معلوم ہوتے تھے جو بڑے مالی مفاد کے لیے کسی سودے میں بھی ملوّث ہو سکتے تھے۔ بلیک میلر ہونے کی وجہ سے اپنے معاملات کی رازداری ان کے لیے سب سے اہم تھی اور وہ زیادہ لوگوں کو اعتماد میں نہیں لے سکتے تھے۔ اس سے بظاہر مقابلہ آسان تھا۔ لوسی غزالہ پر مسلط تھی اور شون ہم دونوں کی نگرانی کر رہا تھا۔

صبح پارک ہوٹل میں سامنا ہونے کے بعد سے شون مسلسل ہمارے تعاقب میں لگا رہا تھا اور بظاہر یہ محسوس ہو رہا تھا کہ میرے بائیں ہاتھ کے بارے میں ایک نظریہ قائم کر لینے کے بعد وہ ہمیں کسی قیمت پر بھی اپنی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ اس نے پارک ہوٹل سے لے کر اس ٹیوب اسٹیشن، ہائیڈ پارک اور پھر اس فلیٹ تک ہر لمحہ ہماری نگرانی کی تھی اور اس وقت بھی غالباً کین ہال مینشن کے قرب و جوار ہی میں منڈلا رہا تھا تاکہ ہم بوکھلا کر کہیں اور فرار ہونے کی کوشش کریں تو وہ ہماری نقل و حرکت پر نظر رکھ سکے۔

اگر شون میکارتھی اپنے ہوٹل یا کسی اور ٹھکانے پر موجود ہوتا تو لوسی بہ آسانی فون پر رابطہ قائم کر کے اسے نئے امکانات سے باخبر کر سکتی تھی لیکن ہمارے فراق میں لندن کی گلیوں میں بھٹکتے ہوئے وہ فوری طور پر لوسی کی رسائی سے باہر تھا۔ جب تک وہ خود اسے فون نہ کرتا، ہیشام کے بارے میں تازہ ترین صورتِ حال سے واقف نہیں ہو سکتا تھا۔

اس اعتبار سے شون کے فوری طور پر ہوشیار ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اوّل تو اسے ہیشام فون کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی اور اگر وہ فون کر بھی لیتا تو لوسی گھر پر موجود نہیں تھی۔

میں نے بہت احتیاط کے ساتھ سارے امکانات کا جائزہ لیتے ہوئے جب یہ رائے قائم کر لی کہ شون میکارتھی اس وقت بھی ہماری کین گاہ کے قرب و جوار میں ہی موجود ہے تو مجھے اپنا کام نسبتاً آسان ہوتا نظر آنے لگا۔ ذرا سی احتیاط اور مکّاری سے کام لے کر ہم اس کو بہ آسانی اپنے راستے سے ہٹا سکتے تھے۔

"تم مسلسل خاموش کیوں ہو؟" طویل سکوت کے بعد سلطان شاہ نے آخر کار جھجکتے ہوئے مجھے ٹوک ہی دیا۔ "یہ تو خوشی کا موقع ہے کہ تمھیں اتفاقاً ہی اس وسیع و عریض انسانی سمندر میں بھابی کا سراغ مل گیا ہے اور تم اس بارے میں کچھ کر گزرنے کی پوزیشن میں آ گئے ہو۔"

"تمھارے خیال میں ہم اس وقت کیا قدم اُٹھا سکتے ہیں؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے دھیمے لہجے میں سوال کیا کیونکہ اس سے تبادلۂ خیال ہمیشہ ہی سودمند ثابت ہوتا رہا تھا۔

"شون میکارتھی ہمیں ہیشام کی طرف دھکیلنا چاہ رہا ہے، ہمیں اس کے حکم کی تعمیل کرنا چاہیے۔ وہاں پہنچ کر ہم لوسی کو فون کرنے کے بجائے اس کے مکان کا سراغ لگا کر وہاں دھاوا بول سکتے ہیں۔"

"یہ نہ بھولو کہ شون کسی مکّار لومڑی کی طرح ہیشام تک ہمارا پیچھا کرے گا اور ہمیں نقل و حرکت کی آزادی دینے کے بجائے لوسی سے رابطہ قائم کرنے کا کوئی مخصوص طریقہ بھی بتائے گا۔ اس کے بتائے ہوئے طریقہ کار سے انحراف کرتے ہی ہم اس کی گرفت میں آ جائیں گے۔ یہ کام اتنا سہل نہیں ہے جتنا نظر آ رہا ہے۔"

"ہم اسے پہچانتے ہیں، کوشش کریں گے کہ اسے راستے ہی میں کہیں گھیر سکیں۔"

"ہم اوچھا وار کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "ناکامی کی صورت میں وہ لوگ غزالہ سمیت اس طرح غائب ہوں گے کہ ہم ان کی دھول بھی نہ پا سکیں گے۔" میں نے رک

کر سگریٹ سلگائی پھر دھیمے سے کہا، "غزالہ سے فون کا رابطہ عجیب انداز میں ختم ہوا ہے.... بات کرتے کرتے اچانک اس کی تیز اضطراری چیخ سنائی دی اور پھر لائن بے جان ہو گئی تھی ہو سکتا ہے کہ لوسی اپنے گھر واپس پہنچ گئی ہو۔"

"ہمیں ہیشام پہنچنے میں تاخیر نہیں کرنا چاہیے... ہماری غفلت سے بھابی کو نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔"

"بڑے کھیل میں چھوٹی موٹی باتوں کو نظر انداز کرنا ضروری ہو جاتا ہے" میں نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا، "غزالہ نے خود کو خوشخوار فرد پر فاتح ثابت کیا ہے اس لیے مجھے لوسی کی حد تک کوئی فکر نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے غزالہ کو فون پر بات کرتے دیکھ کر بے خبری میں اس کے بال نوچ لیے ہوں یا تھپڑ مار دیا ہو، میری نگاہیں اس وقت ان معمولی باتوں کے بجائے غزالہ کی آزادی پر مرکوز ہیں۔"

"پتا نہیں، ویرا کہاں غائب ہو گئی ہے؟" وہ بڑبڑایا۔ "اس موقع پر وہ ہمارے لیے کارآمد ثابت ہو سکتی تھی۔"

"اس کے نزدیک شی میں اپنے مقام کی بحالی زیادہ اہم ہے۔ اس کے بعد وہ ہماری طرف توجہ دے سکے گی۔ فی الحال تو یہی کافی ہے کہ اس نے ہمیں سر چھپانے کو ایک ٹھکانا فراہم کر دیا ہے۔"

"لیکن اس کے آدمی اندھے ہی تھے جو شون کو اپنے پیچھے یہاں تک لے آئے۔ ٹھکانا ضرور مل گیا ہے لیکن یہ محفوظ ہرگز نہیں ہے۔ شون کا ہاتھ ہماری شہ رگ پر رکھا ہوا ہے۔"

"میرے ذہن میں جو تجویز ہے اس میں تمہارا کردار بہت اہم ہے۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

"کیا! میں ہر کام کے لیے تیار ہوں۔" اس نے پُراشتیاق لہجے میں کہا۔

"وقت تیزی سے گزر رہا ہے۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "تھوڑی ہی دیر میں شون کا فون آئے گا۔ وہ کال تمھیں وصول کرنا ہو گی۔ تم تو اسے بس اتنی دیر تک فون پر الجھانا ہو گا کہ میں اس عمارت سے باہر نکل سکوں۔ تم اس سے بہانا کر سکتے ہو کہ میں غسل خانے میں نہا رہا ہوں۔"

"اس طرح تو میں چند منٹ ہی کے لیے اسے دھوکا دے سکوں گا۔ اس کے بعد بھی وہ تم سے بات کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا تو ہوشیار ہو جائے گا۔"

"مجھے صرف اتنی مہلت چاہیے کہ میں اس کی نظروں میں آئے بغیر بے آواز پستول سمیت باہر نکل سکوں۔ وہ بہت قریب سے ہماری نگرانی کر رہا ہے۔ فون کرنے کے لیے اسے اپنا مورچا چھوڑنا ہو گا۔ میں ایک بار باہر نکلنے میں کامیاب ہو گیا تو اسے زیر کرنا زیادہ دشوار نہ ہو گا۔"

"میں انگریزی میں بس اپنا کام ہی چلا سکتا ہوں۔ اس کو یہ چکر دینا میرے لیے مشکل ہو گا۔ یہ بتاؤ کہ آخر میں مجھے اس سے کہنا ہو گا؟" اس نے پوچھا۔

"غسل خانے میں میری طویل مصروفیت پر معذرت کر کے اسے چند منٹ بعد دوبارہ فون کرنے کا مشورہ دے دینا۔ یہ بھی بتا دینا کہ ہم اس کی خواہش کے مطابق ہیشام جانے کو آمادہ ہیں لیکن تفصیلات وہ مجھ ہی سے طے کر سکے گا۔"

"تم بہت بڑا خطرہ مول لے رہے ہو۔" وہ تشویش زدہ لہجے میں بولا۔ "رات کے واقعات اخبارات میں شائع ہوئے چند گھنٹے گزرے ہیں۔ اس وقت شہر میں ہر شخص چوکنا ہو گا۔ ہائیڈ پارک تک ہم مجبور تھے لیکن ایک ٹھکانا ملنے کے بعد زخمی کے ساتھ تمہارا باہر نکلنا مخدوش ہو سکتا ہے۔ میری مانو تو تم فلیٹ میں ہی رکو۔ میں باہر نکل جاؤں گا، مجھے بس اتنا سمجھا دو کہ کیا کرنا ہو گا۔ تم سے بات کرنے کے بعد وہ بالکل مطمئن اور بے خوف ہو گا اس طرح مجھے کسی بھی کارروائی میں اس کی بھرپور غفلت سے فائدہ اٹھانے کا موقع مل سکے گا جب کہ تم سے بات نہ ہونے کی صورت میں وہ بھڑک سکتا ہے۔"

ان حالات میں اس کا مشورہ حقیقت پسندانہ تھا جس پر عمل کر کے زیادہ بہتر نتائج حاصل کیے جا سکتے تھے۔ میں نے لحظہ بھر غور کرنے کے بعد اس کی بات مان لی۔

"یہ بات ذہن نشین رکھنا کہ شون پکا بلیک میلر ہے اور اگر وہ مارا گیا تو بہت سے لوگ سکون کی نیند سو سکیں گے۔" میں نے کہنا شروع کیا۔ "اصل مقصد اُسے گھیر کر فلیٹ میں لانا ہے لیکن خود کو محفوظ رکھتے ہوئے اگر اُسے ہلاک بھی کرنا پڑ جائے تو دریغ نہ کرنا۔"

"یہ خاصا بارونق اور آباد علاقہ ہے۔" اس نے جھجکتے ہوئے حیرت سے کہا۔ "یہاں خون ریزی کر کے بچ نکلنا آسان نہیں ہو گا۔ اُسے خوفزدہ کر کے گھیرنا ہی مناسب رہے گا۔"

"اب تک وہ ہمارے بارے میں بہت کچھ جان چکا ہے ورنہ یوں جونک بن کر پیچھے نہ لگا ہوتا۔" میں نے کمرے میں بے چینی کے ساتھ ٹہلتے ہوئے کہا۔ "اُسے ہم سے رحم یا ہمدردی کی ذرا بھی امید نہیں ہو گی۔ فرار کی راہ مسدود پا کر وہ شور بھی مچا سکتا ہے، پھر وہ زندہ بچے، زخمی ہو یا مارا جائے، تم نہیں بچ سکو گے۔"

"جو ہو گا، دیکھا جائے گا۔" اس نے بیگ میں سے سائلنسر سمیت پستول نکالتے ہوئے کہا۔ "تمہاری یادداشت بہتر ہے ذرا مجھے اس جگہ کا محلِ وقوع سمجھا دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ میں خود اس کے چنگل میں پھنس جاؤں۔"

وہ علاقہ میرے لیے بھی نیا تھا لیکن میں نے ویرا کے آدمیوں کے ساتھ آتے ہوئے یہ دیکھ لیا تھا کہ بکن ہال اسٹریٹ بیکر اسٹریٹ سے ملتی تھی اور اگر ہمارے فلیٹ والی عمارت سے نکلنے کے بعد سلطان شاہ داہنی طرف چل پڑتا تو چند سو قدم کے بعد ہی بیکر اسٹریٹ آ جاتی، جہاں داہنی طرف چند قدم کے فاصلے پر ڈاکخانے کے آگے فٹ پاتھ پر پبلک فون بوتھ نصب تھا میرے خیال میں شون کے لیے وہی قریب ترین بوتھ تھا جہاں سے وہ ہمیں رِنگ کر سکتا تھا۔

سلطان شاہ نے میگزین چیک کر کے پستول کی نال پر سائلنسر فٹ کیا پھر میرے مشورے پر اس نے بے ہوش کرنے والی جادوئی کیمیاوی گیس کی ایک گیند بھی جیب میں رکھ لی تاکہ کسی موقع پر آخری حربے کے طور پر استعمال کی جا سکے۔

اپنا پروگرام طے کر کے ہم دونوں بے چینی کے عالم میں وقت گزار رہے تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی اور میں نے جھپٹ کر فوراً ہی ریسیور اٹھا لیا۔

دوسری طرف سے آنے والی آواز سنتے ہی میرا دل باغ باغ ہو گیا۔ کیونکہ وہ ویرا کی آواز تھی جب کہ مجھے اس کی طرف سے اتنی جلدی کسی رابطے کی امید نہیں تھی۔

"تم کہاں ہو؟ اور کتنی دیر میں یہاں پہنچ سکتی ہو؟" میں نے اس کی آواز پہچانتے ہی سوال کر ڈالا۔

"میں اس وقت بہت مصروف اور عجلت میں ہوں۔ تم سے کل رات سے پہلے ملاقات نہیں ہو سکتی۔" ریسیور میں اس کی سپاٹ آواز ابھری۔ "میں نے صرف یہ معلوم کرنے کے لیے فون کیا ہے کہ تم کو کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟"

"ایک ساتھ کئی دشواریاں کھڑی ہو گئی ہیں۔ میں فون پر بات نہیں کر سکتا۔ وقت نکال کر تھوڑی دیر کے لیے چلی آؤ۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "معاملہ بہت اہم ہے۔"

"سوری ڈارلنگ!" اس کا لہجہ خشک اور حوصلہ شکن تھا۔ "مجھے لندن سے باہر ایک بہت اہم مہم درپیش ہے، میں کل رات سے پہلے ایک منٹ بھی نہیں دے سکتی۔ شام کو ایک ڈاکٹر تمہارے زخموں کے علاج کے لیے آئے گا۔ تم فی الحال آرام کرو اور اپنی ترجیحات کو کل تک کے لیے ملتوی کر دو۔"

مجھے اس کے لاتعلقانہ اندازِ گفتگو پر یک بیک غصہ آ گیا۔ ایک روز پہلے تک میرے ساتھ ماری ماری پھرنے والی اچانک ہی اتنی مصروف ہو گئی تھی کہ اس نے میرے مطالبے کا سبب جانے بغیر مجھے اگلی رات تک ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنے کا مشورہ دے ڈالا تھا۔

"ڈاکٹر کو بھیجنے کی ضرورت نہیں، میں بھی مصروف ہوں، تھوڑی دیر بعد یہاں نہ مل سکوں گا۔" میں نے طیش کے عالم میں جواب دیا اور اس کی کوئی وضاحت سنے بغیر ریسیور کریڈل پر دے مارا۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے۔" ریسیور رکھ کر میں نے غصے سے خود کلامی کے انداز میں کہا۔ "شی میں بحالی کی امید ہوتے ہی الو کی پٹھی خود کو پھر سے شوگر کوئین سمجھنے لگی ہے۔"

"غلطی تمہاری بھی ہے۔" سلطان شاہ نے آہستگی سے مجھے سمجھانا چاہا۔ "وہ معاملے کی اہمیت کا اندازہ نہیں لگا سکی۔ اگر تم بھابی کا نام بھی لے لیتے تو شاید وہ دوڑی چلی آتی۔ کیا کہہ رہی تھی تم سے؟"

"لاٹ صاحب کی بچی کل رات سے پہلے وقت نہیں دے سکتی۔ بہت مصروف ہے الو کی پٹھی۔"

"یہ گھٹیا زبان تمھیں زیب نہیں دیتی۔" وہ ملامت آمیز لہجے میں بولا۔ "یہ نہ بھولو کہ اب اس کا مستقبل شی سے ہی وابستہ ہے ہو سکتا ہے کہ اُسے کوئی کام سونپ دیا گیا ہو؟"

اچانک پھر فون کی گھنٹی بجی اور میں نے یہ سمجھتے ہوئے ریسیور اٹھایا کہ دوسری طرف ویرا ہی ہو گی لیکن ادھر سے شون کی آواز آ رہی تھی۔

میں نے فوراً ہی ہاتھ ہلا کر سلطان شاہ کو نکل بھاگنے کا اشارہ کیا اور اس نے پھرتی کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑ دی۔ "کیا سوچا تم نے؟" شون میکارتھی فون پر پوچھ رہا تھا۔

"ہم سمجھ رہے ہیں کہ تم ہمیں بلیک میل کر رہے ہو تمہاری دھمکیوں کے نتائج سے محفوظ رہنے کے لیے شاید ہمیں تمہارے احکام پر عمل کرنا ہی پڑے لیکن تمھیں یہ ضرور بتانا ہو گا کہ تم ہمیں ہیشام بھیج کر کون سا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہو؟" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"اس نکتے پر تم پہلے بھی خاصی بحث کر کے میرا وقت برباد کر چکے ہو۔ لہٰذا اب میرا دماغ مت چاٹو۔" اس کی ناگوارانہ آواز سنائی دی۔ "یہ بتاؤ کہ تم تیار ہو یا نہیں؟"

"اس وقت میرا ردِ عمل اضطراری تھا۔ اب میں ہر بات کے لیے تیار ہوں۔" میں نے کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ میرے ذریعے تم کوئی بڑا فائدہ اٹھانا چاہتے ہو اور اگر میں ہیشام جانے سے انکار کر دوں تو بھی تم اپنی معلومات پولیس کے حوالے کرنے کی حماقت نہیں کرو گے کیونکہ اس طرح تمھیں ایک پینی بھی نہ مل سکے گی۔"

اس سے گفتگو کرتے ہوئے میرا ذہن سلطان شاہ میں الجھا ہوا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس وقت تک وہ بکن ہال مینشن

سے باہر نکل کر بیکر اسٹریٹ کی طرف کم از کم نصف فاصلہ طے کر چکا ہوگا۔

"یہ تمھاری خام خیالی ہے" اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں تمھاری ذہنیت کو اچھی طرح سمجھ چکا ہوں" میں نے اس کی بے آرامی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا "تم اتنے احمق نہیں ہو کہ محض میرے انکار پر اپنے کسی بڑے فائدے سے دست بردار ہو کر لندن پولیس کے حقیر سے ٹاؤٹ بن کر رہ جاؤ"۔

دوسری طرف سے ریسیور پر ایک گہرے سانس کی آواز آئی پھر وہ بولا "ہیشام میں دراصل آج رات کچھ لوگ تم سے اہم معاملات پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ آج کی رات گزر گئی تو مجھے ایک کوڑی بھی نہیں مل سکے گی اور تم میرے لیے بے مصرف ہو جاؤ گے۔ ایسی صورت میں مجھے پولیس ہی کی مدد کرنا ہوگی کیونکہ یہ ہر اچھے شہری کا فرض ہے"

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ فرض تمھاری بنیادوں میں بیٹھ چکا ہے" میری دانست میں سلطان شاہ کو خاصی مہلت مل چکی تھی۔ لہٰذا میں بے خوفی کے ساتھ اس کا مضحکہ اڑانے پر تل گیا "لیکن میں یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ ہیشام میں مجھ سے ملاقات کی خواہش رکھنے والے میری کس حیثیت میں دلچسپی لے رہے ہیں؟"

"صرف تمھارا زخمی ہاتھ ہی اُن کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ انھیں نام سے کوئی غرض نہیں" اس نے مکارانہ لہجے میں کہا۔

"تو کیا لوسی اُن ہی کے لیے کام کر رہی ہے؟"

"وہ میری بھانجی ہے۔ ملاقات کا وقت اور طریقہ کار وہی طے کرے گی"

"میں تیار ہوں۔ پولیس کے ہاتھوں بے بس ہو جانے سے بہتر ہوگا کہ میں تمھاری شرائط پوری کرکے اپنا پیچھا چھڑانے کی کوشش کروں۔ تو کیا تم ہمیں اپنے ساتھ لے جاؤ گے؟"

"برٹش ریل سے تم براہِ راست جا سکتے ہو۔ میری کوئی ضرورت نہیں"

میں بے اختیار ہنس پڑا "یعنی تم حسبِ معمول ہمارا پیچھا کرو گے؟"

"مجبوری ہے" اس کی آواز آئی "تم راستہ بھی تو بھٹک سکتے ہونا"

مزید چند فقروں کے تبادلے کے بعد دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا اور میں پھرتی کے ساتھ اس تھیلے کی طرف متوجہ ہو گیا جس میں ہتھیار موجود تھے۔

"چائے لے آؤں سر؟" جوڈی کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے خلیقانہ انداز میں اُسے ٹالا اور پھر دوسرا پستول اپنے کوٹ کی جیب میں ڈال کر باہر نکل گیا۔

میری دانست میں اس وقت اندر بیٹھے رہنا خطرناک ہو... تھا جب کہ باہر نکل کر میں شون میکارتھی کی توجہ اپنی طرف مبذ... کرا سکتا تھا۔ وہ مجھے تنہا دیکھ کر الجھن میں پڑ جاتا اور اس دوران میں سلطان شاہ کو اپنا کام دکھانے کا موقع مل سکتا تھا۔ اگر... ق. لوسے باہر ہوتی تو میں سلطان شاہ کی مدد بھی کر سکتا تھا۔

میں فلیٹ سے باہر نکل کر عمارت کے داخلی گیٹ کی طرف بڑھا تو میرا دل آنے والے لمحات کے تصور سے کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا کیونکہ ایک بھری پُری شاہراہ سے کسی کا اغوا آسان کام نہیں تھا مگر عمارت سے نکل کر مختصر سے برآمدے کی سیڑھیاں عبور کرتے ہوئے میرا دل خوشی اور فخر کے جذبات سے لبریز ہو گیا اور قدم سیڑھیوں پر ہی جم کر رہ گئے۔

بیکر اسٹریٹ کی سمت سے سلطان شاہ شون میکارتھی کے پہلو بہ پہلو چلا آ رہا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ جیب میں تھا اور شون کے چہرے پر برہمی اور جھلاہٹ کے آثار دور ہی سے دیکھے جا سکتے تھے۔

میں تیزی کے ساتھ واپس پلٹا اور اپنے فلیٹ کی گھنٹی بجا دی۔ انٹر کام پر فوراً ہی جوڈی کی استفہامیہ آواز سنائی دی تھی۔ میں نے اپنا مفروضہ نام دُہرایا تو فوراً ہی بزر کی ہلکی آواز گونجنے لگی جس کا مطلب تھا کہ دروازے کا برقی قفل کھول دیا گیا تھا۔ میں نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھول لیا اور ان دونوں کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔

"خوش آمدید شون" ان دونوں کے قریب آنے پر میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا "امید ہے کہ ہمارا یہ ہلکا پھلکا مذاق تمھیں پسند آیا ہوگا۔ ہم آنکھ مچولی کے بجائے آمنے سامنے کا کھیل زیادہ پسند کرتے ہیں"

اس نے مجھے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورا۔ اگر اسے سلطان شاہ نے پستول کی زد پر نہ لیا ہوا ہوتا تو وہ یقیناً ڈیوڑھی میں ہی مجھ سے الجھ پڑتا۔

جوڈی نے ہم تینوں کا حیرت کے ساتھ استقبال کیا تھا اور ہمارے اندر داخل ہوتے ہی پھرتی کے ساتھ دروازہ بند کر دیا تھا۔ وہ گھریلو خادمہ ضرور تھی لیکن ویرایا اس کے آدمیوں کے ساتھ کام کرنے کی وجہ سے ایسے غیر معمولی حالات کی عادی نظر آتی تھی جو عام عورتوں کے لیے خوف کا باعث بن سکتے تھے۔

فلیٹ کی محفوظ چار دیواری میں گھستے ہی میں نے اپنا پستول جیب سے نکال لیا تھا۔ تمام کھڑکیوں پر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے اس لیے عمارت کے کسی حصے سے ہمارے دیکھ لیے جانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

ایک کمرے میں پہنچتے ہی میرے اشارے پر سلطان شاہ نے شون میکارتھی کی جامہ تلاشی لے ڈالی اور وہ نفرت کے اظہار کے باوجود ذرا بھی مزاحمت نہ کر سکا۔ اس کے پاس سے ایک پستول کے علاوہ کچھ رقم بھی برآمد ہوئی لیکن اُسے بے نقاب کرنے میں وہ پھولا ہوا لفافہ معاون ثابت ہوا جس میں مختلف لوگوں کی ایسی تصاویر موجود تھیں جن کے دباؤ میں وہ اپنی حیثیت کے اندر ہر مطالبے کے سامنے جھک سکتے تھے۔ کچھ پرانے اور بوسیدہ خطوط بھی تھے جنھیں پڑھے بغیر ان کے متن کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ یہ بات یقین سے کہی جا سکتی تھی کہ وہ چند اشیا شون کے وسیع خزانے کا عشرِ عشیر بھی نہیں تھیں۔ شاید وہ انھیں کسی فوری مقصد کے حصول کے لیے اپنے ساتھ لندن لے آیا تھا۔

سلطان شاہ نے میرے کسی مشورے کا انتظار کیے بغیر ان سب تصویروں کے پُرزے پُرزے کر دیے۔ شون نے اضطراری طور پر اس کی طرف بڑھنا چاہا تھا لیکن میں نے للکار کر اسے اپنی جگہ جمے رہنے پر مجبور کر دیا۔

"اب اپنے بارے میں سب کچھ اُگلتے چلے جاؤ ورنہ چیتھڑے اڑا دیے جائیں گے اور کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہو سکے گی کہ تم کہاں دفن کیے گئے ہو" میں نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

اس کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی "ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا۔ میں کہتا ہوں کہ مجھے جانے دو' ورنہ تم بہت بڑے خسارے میں رہو گے۔ میں کچا کھیل کبھی نہیں کھیلتا"

سلطان شاہ نے جھپٹ کر پوری قوت سے اس کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم پیچھے ہٹ گیا اور قالین پر خون تھوکتے ہوئے غرایا "میں یہ بدلے گن گن کر چکاؤں گا"

"تم جس زعم میں ہو وہ خاک میں ملنے والا ہے" میں نے اس کے اعتماد کو ختم کرنے کی نیت سے کہا "ہمیں علم ہے کہ لڑکی تمھاری قید میں ہے، مگر اب یہ کھیل ختم ہو جائے گا"

میرے الفاظ پر اس کی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی کے آثار اُبھر آئے "کس لڑکی کی بات کر رہے ہو؟" اس نے بے پروایانہ لہجہ اختیار کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"وہی جس سے تم ہماری شناخت کرانا چاہتے ہو" میں نے زہریلے لہجے میں کہا "اور میں یہ بھی جاننا چاہوں گا کہ تم نے اس کے ساتھ ہمارا تعلق کیسے قائم کر لیا؟"

غالباً اس کا سارا اعتماد اسی ایک نکتے کے سہارے تھا کہ غزالہ ہیشام میں لوسی کی تحویل میں تھی لیکن میری زبان سے اس کا ذکر سننے کے بعد وہ شکست خوردہ سا نظر آنے لگا۔ اس نے مزاحمت کی سخت کوشش کی لیکن جوڈی کی فراہم کی ہوئی مضبوط ڈوری کے ذریعے اُسے بے دست و پا کر کے سلطان شاہ نے اس کے منہ میں کپڑا ٹھونسا اور اس پر تھوڑا سا تشدد کیا تو وہ زبان کھولنے پر آمادہ ہو گیا۔ اس کے ہتھیار ڈالنے پر اس کے منہ سے کپڑا نکال دیا گیا۔

اس کے بارے میں غزالہ کی رائے سو فیصد درست نکلی۔ اُسے اپنا قیدی بنانے کے بعد جب شون نے غزالہ کے قبضے سے پانچ ہزار پاؤنڈ سے زیادہ رقم برآمد کی تو اس کی نیت خراب ہو گئی۔ اس نے سوچا کہ وہ غزالہ کے ساتھی کو بھی یرغمال بنا کر ورثا سے تاوان میں بھاری رقم وصول کر سکے گا۔ اسی لالچ میں وہ فوراً لندن روانہ ہو گیا۔ وہاں پارک ہوٹل میں مجھے اور سلطان کو دیکھتے ہی اس کے ذہن میں ایک نیا منصوبہ جاگ اُٹھا۔

غزالہ نے سلطان کا حُلیہ محض زبانی طور پر سمجھایا تھا جس کے مطابق شون نے سلطان کو پہچان تو لیا مگر وہ پھر بھی غزالہ کی تصدیق ضروری سمجھتا تھا۔ اسی کے ساتھ میرا جیب میں پوشیدہ زخمی ہاتھ بھی اس کی دلچسپی کا مرکز بن گیا کیونکہ وہ اخبارات میں ڈیلوڈ ایولنگ کے قتل کی تفصیلات پڑھ چکا تھا جسے ٹوٹے ہوئے دھاردار شیشے سے بُری طرح ادھیڑا گیا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ پچھلے چند دنوں سے شہر میں جو خونریزی ہو رہی تھی اس کی وجہ سے ہیروئن کی تجارت پر بالادستی رکھنے والے لندن کے زیرِ زمین حلقے خاصی تشویش میں مبتلا تھے اور اپنے حریف کے کسی آدمی پر ہاتھ ڈالنے کے لیے پوری طرح کوشاں تھے۔ شون میکارتھی کی معلومات کے مطابق ڈیلوڈ ایولنگ ان ہی ہیروئن فروشوں کا کارندہ تھا اور وہ لوگ ڈیلوڈ کے قاتل کے بارے میں معلومات کی بھاری قیمت ادا کر سکتے تھے۔ لہٰذا شون میکارتھی نے ہمارے پارک ہوٹل سے نکلتے ہی ڈیلوڈ ایولنگ کے قاتل کے حوالے سے اس گروہ کے ایک آدمی سے رابطہ قائم کیا اور اس نے فوری طور پر میری قیمت بیس ہزار پاؤنڈ مقرر کر دی اور شون نے اس کو رات گیارہ بجے ہیشام کے واحد پب میں ملنے کا پیغام دے کر ہوٹل چھوڑ دیا اور ہمارے پیچھے ہو لیا۔

اس طرح وہ ایک تیر سے دو شکار کرنے کے چکر میں تھا۔ ایک طرف غزالہ اور سلطان کو یرغمال بنا کر بھاری تاوان وصول کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا اور دوسری طرف مجھے بیس ہزار پاؤنڈ میں فروخت کرنا چاہتا تھا۔ اُسے امید تھی کہ ہیشام میں مجھے اپنا قیدی بنانے کے بعد وہ ڈیلوڈ کے آدمیوں سے سودے بازی کر کے معاوضے کی رقم بڑھوانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

اس کا کھیل بالکل سیدھا سادا تھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ

پارک ہوٹل میں ہم سے ملاقات کی صورت میں اس کی لاٹری نکل آئی تھی۔ اس پورے قصے میں میری یا غزالہ کی شناخت کا کہیں ذکر نہیں تھا اور مجھے امید تھی کہ ڈیوڈ کے ساتھی میرے معاملے میں زیادہ احتیاط یا تیاری نہیں کریں گے۔

میرا خیال تھا کہ وہ لوگ لندن بلکہ برطانیہ میں خاصے طاقتور تھے اور اگر شون میکارتھی پروگرام کے مطابق رات کے گیارہ بجے ان کے آدمی سے ہیشام کے پب میں نہ ملتا تو وہ اس کے مکان پر پہنچ سکتے تھے، جہاں میں تو ان کے ہاتھ نہ آتا لیکن غزالہ اُن کے قبضے میں چلی جاتی۔

پاکستان میں تنظیم کے حلقے غزالہ کے لہو کے پیاسے تھے اور شاید لندن میں شی کے اعلیٰ ذمے دار اس کے وجود ہی سے لاعلم تھے کیونکہ وہ پاکستان کا ایک مقامی معاملہ تھا لیکن مجھے خدشہ تھا کہ کہیں داؤد نے میرے خلاف اپنی کہانی میں زور پیدا کرنے کے لیے شی کی سپریم کونسل کو غزالہ کے کوائف اس کی تصویر سمیت مہیا نہ کر دیے ہوں۔ ایسی صورتِ حال میں میں لندن میں بیٹھ کر ویرا کے فارغ ہونے کے انتظار میں وقت برباد نہیں کر سکتا تھا۔ ہمیں اوّلین فرصت میں غزالہ کو شون میکارتھی کے مکان سے نکالنا تھا تاکہ وہ ناقابلِ تصور مظالم سے محفوظ رہ سکے۔

شون میکارتھی ہماری تحویل میں بالکل بے بس تھا۔ اس کا گھناؤنا کردار بھی سامنے آچکا تھا لیکن ویرا سے مشورہ کیے بغیر میں اُسے فلیٹ میں ختم کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اوّل تو مجھے یہ علم نہیں تھا کہ جوڈی کس حد تک قابلِ اعتماد تھی۔ مار دھاڑ کے مناظر کو سہہ لینا اور بات تھی لیکن ایک تندرست اور توانا مرد کو بے جان لاش میں تبدیل ہوتے دیکھ کر مضبوط اعصاب کی مالک بہتیری عورتیں بھی بے اختیار چیخنا شروع کر سکتی تھیں، پھر اس فلیٹ سے لاش کو ٹھکانے لگانے کا مسئلہ تھا جو کم از کم میرے بس سے باہر تھا، ویرا ہی اس کا بندوبست کر سکتی تھی ورنہ وہ لاش اسی فلیٹ میں پڑی سڑتی رہتی حتیٰ کہ ایک دن قرب و جوار میں رہنے والے تعفن کی بنا پر پولیس کو ادھر متوجّہ کر سکتے تھے۔

شون میکارتھی سے سب کچھ اگلوا لینے کے بعد میرا اشارہ پا کر سلطان شاہ نے دوبارہ اس کے دہانے میں حلق تک کپڑا ٹھونس دیا اور شون اس غلط فہمی میں مبتلا نظر آرہا تھا کہ شاید ہم اُسے آزاد ہی کر دیں گے۔

میں نے ٹہلتے ہوئے شون کے قریب جا کر جونہی اس کی کنپٹی پر پستول کا دستہ رسید کیا بوڑھی جوڈی راہداری سے اچانک کھلے ہوئے دروازے کے وسط میں آگئی۔

"سر! کیا آپ اِسے مارنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟" اس کے ہونٹوں سے کپکپاتی ہوئی آواز نکلی۔ اس کا چہرہ دُھواں ہو رہا تھا اور خوف سے پھیلی ہوئی آنکھیں شون کے بدن پر مرکوز تھیں، جو ساکت ہو چکا تھا۔

"فی الحال تو بے ہوش کیا ہے۔ جا ہو گی تو مار بھی دیں گے۔" میں نے اس کے قریب جا کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرم لہجے میں سرگوشی کی اور وہ مجھے یوں دیکھنے لگی جیسے اُسے میری دماغی صحت پر شبہ ہو رہا ہو۔

"یہاں مارنے کے بعد لاش کا کیا ہوگا؟" اس نے منمناتی ہوئی تشویش زدہ آواز میں پوچھا اور مجھے خوشی ہوئی کہ اسے خونریزی کے بجائے صفائی کی زیادہ فکر تھی۔

"یہ مکان میری مستقل رہائش گاہ ہے۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "اگر آپ اسے مار کر یہیں سڑنے کے لیے چھوڑ گئے تو میں کب تک یہاں رہ سکوں گی؟"

"تمھیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اُسے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔ "مجھے خوشی ہے کہ تم ایک دلیر عورت ہو۔ ہم اسے یونہی باندھ کر اس کمرے سے ملحق باتھ روم میں ڈال جائیں گے۔ اس کے مُنہ میں کپڑا ٹھنسا رہے گا۔ یہ بہت بدذات آدمی ہے، اِسے کھانے پینے کے لیے کچھ دینے کی ضرورت نہیں۔ تم جس کسی کی تنخواہ دار ہو، جب وہ رجوع کرے تو اُسے ہمارے چھوڑے ہوئے قیدی کے بارے میں بتا دینا۔"

"اِسے چھوڑ کر کیا آپ چلے جائیں گے سر؟" اس نے نیاز مندانہ انداز میں سوال کیا۔

"ہم کل تک واپس لوٹ آئیں گے۔ نہ لوٹ سکے تو ہمارا انتظار مت کرنا۔"

"مجھے آپ لوگوں کی خصوصی خبرگیری کی ہدایت دی گئی تھی۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ ایک رات بھی اس چھت کے نیچے نہیں گزاریں گے، ہو سکے تو اپنی روانگی صبح تک ملتوی کر دیں۔" وہ خوشامدانہ انداز میں بولی۔

"ہمارا آج رات ہیشام پہنچنا ضروری ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "واپسی پر یہیں قیام کریں گے۔ بس تم ذرا قیدی کی طرف سے ہوشیار رہنا۔ اس کی بندشیں مضبوط ہیں لیکن تمھیں عمر رسیدہ عورت سمجھ کر وہ شیر ہو سکتا ہے۔ اس سے دور ہی دور رہنے کی کوشش کرنا۔"

"میں بہت نرم دل ہوں سر!" وہ گردن جھکا کر بولی۔ "اِسے بھوکا پیاسا نہ دیکھ سکوں گی۔ اس کے مُنہ میں ٹھنسے ہوئے کپڑے پر وقفے وقفے سے اسکاچ یا برانڈی ڈالتی رہوں گی تاکہ اس کا حلق تر ہوتا رہے...!"

"تم جانو!" میں نے اُسے تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔ "اگر ایک بار اس نے کسی ترکیب سے تمھیں گرا لیا تو محض ٹکریں مار مار کر ہی تمھاری جان ہلکان کر دے گا۔"

"آپ فکر نہ کریں سر!" وہ مسکراتے ہوئے اپنے ایپرن کی جیب سے ایک تیز دھار چھری نکالتے ہوئے بولی۔ "اس کے قریب جاتے ہوئے یہ میرے ہاتھ میں رہے گی۔ اس نے ذرا بھی مکاری دکھانے کی کوشش کی تو بے دریغ اس کی نوک اس کے دل میں بھونک دوں گی۔"

میں اس نرم دل بڑھیا کو گھور کر رہ گیا۔ بظاہر معصوم اور نرم خو نظر آنے والی وہ عورت اندر سے بہت سنگدل اور سفاک واقع ہوئی تھی اور کیوں نہ ہوتی۔ آخر کو وہ بھی ویرا ہی کے زیرِ سایہ رہ رہی تھی، جو سرد مہری کے ساتھ انسانی لہو سے ہولی کھیلنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔

مجھے خوشی ہوئی کہ میں شون میکارتھی کو کسی سادہ لوح عورت پر بوجھ بنا کر نہیں جا رہا تھا۔ وہ اپنے کام سے بہت اچھی طرح واقف معلوم ہوتی تھی۔

اُسے دس پاؤنڈ ٹپ دے کر ہم دونوں نے وہ فلیٹ چھوڑ دیا۔

☎

ہم اس قصبے میں پہنچے تو وہاں رات ڈیرے ڈال چکی تھی۔ آسمان ابر آلود تھا اور دھیمی دھیمی خنک ہوا ناقابلِ بیان سُرور دے رہی تھی۔ لندن کے بھرپور مشینی ماحول کے برعکس وہاں کی فضا نہ صرف صاف ستھری اور غیر آلودہ تھی بلکہ شور و غل نہ ہونے کی بنا پر ہر طرف سکون کا سمندر لہریں لے رہا تھا۔

شاید قصبے کا وسطی حصہ گنجان رہا ہو لیکن ہم جس علاقے میں کوچ سے اُترے وہ خاصا پُرسکون تھا۔ وسیع و عریض قطعاتِ اراضی پر مکانات ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر واقع تھے۔ بیشتر مکانات کی کھڑکیاں تاریک پڑی ہوئی تھیں، البتہ احاطوں یا پھاٹکوں پر اِکّا دُکّا روشنیاں جل رہی تھیں۔ کافی فاصلے پر کسی کسی مکان کی چند کھڑکیوں کے پیچھے روشنی چمک رہی تھی۔ جس کا مطلب تھا کہ عام دیہی آبادیوں کی طرح ہیشام کے رہنے والے بھی رات گئے تک جاگ کر اپنی صحت خراب کرنے کے عادی نہیں تھے۔

لندن سے روانہ ہونے سے پہلے ہم نے...... ریلوے اسٹیشن کے ایک پبلک بوتھ میں ہینگر سے لٹکی ہوئی ٹیلی فون ڈائریکٹریوں کی مدد سے شون میکارتھی کے گھر کا پتا نوٹ کر لیا تھا کیونکہ ہیشام میں اس نام کے ایک ہی شخص کا فون نمبر ڈائریکٹری میں درج تھا اور وہ وہی نمبر تھا جو شون نے مجھے لوسی سے رابطے کے لیے دیا تھا۔ ہمارے لیے ہیشام بالکل اجنبی قصبہ تھا۔ لہٰذا مانچسٹر سے کوچ میں روانہ ہوتے ہوئے میں نے دانستہ ایک ایسی نشست کا انتخاب کیا جہاں پہلو والی نشست پر ایک عمر رسیدہ شخص اپنے ہاتھ میں مفت سفری پاس تھامے پہلے سے براجمان تھا۔

برطانوی معاشرے میں بوڑھوں کے ساتھ جوان نسل کی بے رحمانہ لاتعلقی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ ٹیکس دینے والوں میں عام طور پر یہ رُجحان پایا جاتا تھا کہ ہر شخص کو اپنی جوانی کا دور اپنی پسند اور مرضی کے مطابق گزارنے کا حق حاصل ہے اور بوڑھوں کو اپنی بے جا آرزوؤں اور آسائشوں کے لیے جوانوں پر ہرگز بوجھ نہیں بننا چاہیے کیونکہ وہ اپنی زندگی کی ساری بہاریں پہلے ہی نچوڑ چکے ہوتے ہیں۔ اس لیے ازکار رفتہ بوڑھوں کی پرورش سراسر سرکار کی ذمے داری تھی جو برسرِ روزگار لوگوں سے ٹیکسوں کی خطیر رقوم جمع کرتی تھی۔

اس پس منظر میں میری خوش اخلاقی نے اس معمر شخص کو خاصا متاثر کیا اور اس کے چہرے پر چھائی ہوئی بیزاری یکلخت کافور ہو گئی۔ ایک بار جمود ٹوٹنے کے بعد میرا کام سہل ہو گیا کیونکہ وہ شخص ہیشام سے چند میل آگے ہی رہتا تھا اور مانچسٹر میں اپنی اکلوتی بیٹی سے ملاقات کی کوشش میں ناکام رہنے کے بعد واپس جا رہا تھا۔

وہ ہیشام سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس نے لوسی کا پتا دیکھ کر مجھے اس حد تک راستہ ذہن نشین کرا دیا تھا کہ بس سے اترنے کے پندرہ منٹ بعد ہی ہم مطلوبہ مکان کے سامنے پہنچ گئے، جہاں وسیع احاطے کے وسط میں قدیم طرز کا ایک دو منزلہ مکان اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا اور چوبی پھاٹک پر دو برقی لیمپ روشن تھے۔

میں نے سست رفتاری سے مکان کے قریب سے گزرتے ہوئے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو ابھی گیارہ بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔

"میرا خیال ہے کہ آگے سے گھوم کر پہلو کی دیوار سے اندر کود جانا چاہیے۔" سلطان شاہ نے میرے بائیں پہلو کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ "اس طرف گہری تاریکی کا راج ہے۔"

"احاطہ اس قدر وسیع اور تاریک ہے کہ اندر پوری پلاٹون بھی چھپی ہوئی ہو تو باہر سے کچھ اندازہ نہیں ہو سکتا۔" میں نے اضطراری لہجے میں کہا۔ "کہیں اندر ہمارے لیے چوہے دان تیار نہ ہو۔"

"گیارہ بجے تک میدان صاف ہوگا۔" سلطان نے پیش قدمی

جاری رکھتے ہوئے پُراعتماد لہجے میں کہا: "مقررہ وقت تک ہم یں شون کا انتظار کیا جائے گا۔ اس کے بعد کچھ ہونے کا امکان ہے۔ ہمیں اس سے پہلے ہی اندر گھس کر پوزیشن سنبھال لینا چاہیے۔"

"پوزیشن!" میں بے اختیار ہنس دیا۔ "دو پستولوں اور دو گیندوں کے سوا رکھا ہی کیا ہے تمہارے پاس جو اندر پوزیشن سنبھالو گے؟ آدھے گھنٹے میں سارا میگزین ختم ہو جائے گا۔"

"میرا مطلب تھا ہمیں بھابی تک پہنچنا چاہیے!" اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا: "ایک بار چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی تو ہم اندر پھٹک بھی نہ سکیں گے۔"

اس وقت صورتِ حال نہایت سنسنی خیز ہو چکی تھی۔ سامنے لوسی کا تاریکی میں ڈوبا ہوا مکان کسی آسیبی ہیولے کی طرح تاریکی میں تاریک تر نظر آ رہا تھا اور اسی مکان کے کسی کمرے میں غزالہ قید تھی جسے میں اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا لیکن وہ ایک مدت سے مجھ سے بچھڑی ہوئی تھی اور اپنی بقا کے کئی خونریز معرکوں میں سرخرو ہونے کے بعد آخر کار لوسی کی قیدی بن گئی تھی۔ لوسی کے فون پر میں غزالہ سے گفتگو کر چکا تھا اور اس کی آخری چیخ کی گونج میرے ذہن میں ابھی تک باقی تھی۔ اس کی آزادی کی مہم بظاہر چند لمحوں کی بات نظر آ رہی تھی۔ لوسی کتنی بھی دلیر اور بے خوف رہی ہو لیکن وہ ایک عورت تھی۔ پھر تنہا بھی رہ گئی تھی کیونکہ اس کا رازدار اور ساتھی بگن ہال مینشن کے ایک فلیٹ میں ایک سفید فام بڑھیا کے رحم و کرم پر بے دست و پا پڑا ہوا تھا۔

لیکن اسی کے ساتھ مجھے ان لوگوں کا خوف بھی دامن گیر تھا جو میرے خریدار تھے۔ وہ شون میکارتھی کو ایک خطیر رقم کی پیشکش کر چکے تھے اور میرا پختہ اندازہ تھا کہ وہ لوگ بھی اس وقت بیشام کی کھلی فضا میں خون آشام بھیڑیوں کی طرح سرگرم تھے۔ وہ میری اصلیت یا لوسی کے مکان میں غزالہ کے وجود سے بے خبر تھے۔ انھیں زخمی ہاتھ والے اس شخص کی تلاش تھی جس نے ان کے ساتھی ڈیوڈ ایولنگ کو بے رحمی کے ساتھ قتل کیا تھا۔

احاطے کے پہلو میں پہنچنے تک میں سلطان کی رائے سے متفق ہو چکا تھا۔ اگر ایک بار ڈیوڈ کے ساتھی درمیان میں حائل ہو جاتے تو نہ ہم غزالہ تک پہنچ سکتے تھے نہ وہ یاردی برسلت سے بچ کر نکل سکتی تھی۔

عجلت میں ہم سے ایک چوک ہو گئی۔ سلطان شاہ کی آواز سنتے ہی میں اپنے خیالات کی محویت سے یوں چونکا جیسے میرے کان کے قریب ہی گولی داغ دی گئی ہو۔

"ہمیں مانچسٹر سے ایک مرتبہ پھر ہیشام فون کر لینا چاہیے تھا تاکہ تازہ ترین صورتِ حال کا اندازہ ہو جاتا۔" اس نے تھوڑے سے وقفے کے بعد تاسف آمیز لہجے میں کہا۔

"وہ ایک اتفاق ہی تھا کہ غزالہ کے کمرے والے فون کا بلگ لگا رہ گیا۔ اس کی چیخ سنتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ لوسی واپس پہنچ گئی ہوگی۔ ایسے اتفاقات بار بار رونما نہیں ہوا کرتے۔" میں نے کہا۔

"ضروری تو نہیں تھا کہ تم غزالہ کے شناسا بن کر ہی فون کرتے۔ شون ابھی تک ہیشام نہیں پہنچا۔ تم اس کے دوست بن کر لوسی کو اس کا کوئی پیغام دینے کے ساتھ ہی صورتِ حال بھی دریافت کر سکتے تھے۔"

اس بار بھی اس کی بات معقول تھی۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ پہاڑوں کی سرزمین پر جنم لینے اور پروان چڑھنے والا سلطان شاہ کھلی فضاؤں کا آدمی تھا۔ شہروں میں شاید وہ احساسِ کمتری کا شکار ہو کر اپنی صلاحیتوں سے کسی حد تک محروم ہو جاتا تھا مگر فطری ماحول میسر آتے ہی اس کا دماغ پوری طرح کام کرنے لگتا تھا۔

لیکن اس کی تجویز پر عمل کرنے کا وقت گزر چکا تھا۔ گھڑی کی سوئیاں دھیمے دھیمے گیارہ کی طرف سرک رہی تھیں۔ اب اتنا وقت نہیں رہ گیا تھا کہ ہم سرِ شام خوابیدہ ہو جانے والے قصبے میں لوٹ کر وہیں سے لوسی کو فون کرتے۔ ہمارے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی اور فیصلہ کن تھا جسے ضائع کر کے ہم مجرمانہ کوتاہی کے مرتکب ہوتے۔

احاطے کی دیوار کے ساتھ چلتے چلتے ہم رک گئے کیونکہ اس طرف اوپر کی بندشیں گری ہوئی تھیں۔

"آگے بڑھو۔ اندر کوئی موجود ہوا تو دیوار کے اس حصے پر ضرور نگاہ رکھے گا۔" سلطان شاہ نے میرے پہلو میں ہو کر سرگوشی کی مگر میں وہیں جما رہا۔

"میرا بایاں ہاتھ زخمی ہے۔ ایک ہاتھ کے سہارے میرے لیے دیوار پھاندنا دشوار ہوگا۔" میں نے بھی سرگوشیانہ لہجے میں اسے یاد دلایا۔ "پہلے میں اندر اتروں گا۔ کوئی خطرہ دیکھو تو تم نکل جانا۔"

وہ کچھ نہ بولا اور میں نے زمین سے ایک پتھر اٹھا کر احاطے کے اندر اچھال دیا۔ اندر زمین پر پتھر گرنے کی آواز رات کے گہرے سناٹے میں بہت نمایاں تھی لیکن اس کے جواب میں ہر طرف گہرا سکوت چھایا رہا۔

چند ثانیوں کے روح فرسا انتظار کے بعد میں نے لوٹتی ہوئی دیوار کے سرے پر دایاں ہاتھ جماتے ہوئے اپنا بدن اوپر اٹھانا چاہا مگر ناکام رہا اور سلطان شاہ نے جھک کر اچانک ہی اپنی کھوپڑی میری ٹانگوں کے درمیان سے گزاری اور میرا بوجھ اپنے شانوں پر سہار لیا۔ اپنی مجبوری کی بنا پر میں خاموش ہی رہا۔ میرے لیے یہی تدبیر آسان اور قابلِ عمل تھی۔

میرے اشارے پر سلطان شاہ نے آہستہ آہستہ اوپر اٹھنا شروع کر دیا۔ میں نے دیوار کے پار اندھیرے کی چادر میں آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ پھر میرا اشارہ پاتے ہی سلطان شاہ یکلخت سیدھا کھڑا ہو گیا۔ میں دیوار کے سرے پر سینے کے بل لیٹ کر اس کے شانوں سے شکستہ اینٹوں پر پلٹتا ہوا پنجوں کے بل اندر کود گیا۔

میں کچی زمین پر اندھیرے میں کئی سیکنڈ تک یونہی بے حس و حرکت اکڑوں بیٹھا رہا۔ زمین سے پیر لگتے ہی میں نے جیب سے پستول نکال لیا تھا لیکن میری پیدا کی ہوئی دھمک کے بعد بھی ہر طرف قبرستان کا سناٹا سا چھایا رہا۔ اس وقت میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا اور دورانِ خون یک بیک تیز ہو گیا تھا۔

میں نے اٹھ کر ہلکی سی آواز میں سلطان شاہ کو اشارہ دیا اور وہ کسی بندر کی سی پھرتی کے ساتھ دیوار پر سے ہوتا ہوا اندر آ گیا۔ وہیں رک کر اس نے بھی اپنا پستول نکال لیا۔ فاضل راؤنڈ اور میگزین ہم پہلے ہی آپس میں تقسیم کر چکے تھے۔ البتہ کیمیاوی گیس کی دونوں گیندیں میرے پاس تھیں۔ میں نے ان میں سے ایک گیند سلطان شاہ کے حوالے کر دی تاکہ ایک دوسرے سے بچھڑ جانے کی صورت میں دونوں ہی آزادانہ طور پر اپنا دفاع کر سکیں۔

"اپنی رسٹ واچ اتار کر جیب میں ڈال لو۔" سلطان شاہ نے مجھے چوپاؤں جیسی پوزیشن لیتے دیکھ کر سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "اندھیرے میں ریڈیم ڈائل دور ہی سے دیکھ لیا جائے گا۔"

رسٹ واچ جیب میں ڈال کر میں چوپائے کی طرح محتاط انداز میں عمارت کی طرف بڑھنے لگا۔ بائیں ہاتھ کے زخموں میں گو تکلیف کم ہو گئی تھی مگر پھر بھی مجھے پیش قدمی کے لیے محض ہتھیلی کے سرے پر زور دینا پڑ رہا تھا کیونکہ پوری ہتھیلی میرا وزن سہارنے کے قابل نہیں تھی۔

سلطان شاہ نے مجھ سے کئی فٹ دور رہ کر اپنے سفر کا آغاز کیا تھا۔ اس لیے تاریک عمارت کے عقب میں پہنچ کر مجھے لمحہ بھر کے لیے اس کا انتظار کرنا پڑا اور پھر ہم دونوں دیوار سے چپک کر کھڑے ہو گئے۔ اس وقت آسمان پر چھائے ہوئے گہرے سیاہ بادل ہمارے لیے ایک نعمت سے کم نہیں تھے اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ ہم غزالہ کو لوسی کی قید سے نجات دلا کر شاید اسی آسانی کے ساتھ واپس بھی ہو لیں۔

اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہم دیوار سے چپکے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ اس طرف ہماری راہ میں کئی کھلی ہوئی کھڑکیاں حائل ہوئیں لیکن چوبی فریم پر جڑی ہوئی مضبوط آہنی گرل ہر جگہ سدِّ راہ بنی ہوئی تھی۔ البتہ میں نے یہ نوٹ کر لیا تھا کہ ان کھڑکیوں کے اس پار اندھیرے میں گہرا سکوت طاری تھا۔ حتیٰ کہ غور کرنے پر کسی کے سانس لینے کی آواز تک نہیں سنائی دی تھی جس کا مطلب تھا کہ اس مکان میں زیادہ افراد سے سامنا ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

آخر کار ایک کوڑے دان کے قریب مجھے رکنا پڑ گیا۔ کوڑے دان دیوار کے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ اس سے آگے تین پختہ زینے تھے جس کا مطلب تھا کہ وہ کوئی بغلی دروازہ تھا۔ کوڑے دان سے اٹھنے والی خورد و نوش کی اشیاء کی ہلکی ہلکی مانوس بو کی بنا پر میرا خیال تھا کہ وہ دروازہ باورچی خانے کا ہو سکتا ہے۔

میں کوڑے دان کے پاس دیوار سے چپکا کھڑا تھا کہ سلطان شاہ اچانک ہتھیلیوں اور گھٹنوں کے بل چلتا ہوا میرے قریب سے گزر گیا۔ مختصر سی سیڑھیوں کے قریب رک کر اس نے چوبی دروازے کے نچلے حصے پر ہاتھ کا ہلکا سا دباؤ ڈالا اور پھر وہ اچانک ہی سیڑھیوں پر سے زقند لگا کر عمارت میں تحلیل ہو گیا۔

میرا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ وہ رات ہمارے لیے ہر اعتبار سے مبارک ثابت ہو رہی تھی۔ شون میکارتھی کی شکست سے ہیشام تک ہر جگہ ستارے یاوری کرتے نظر آ رہے تھے۔

میں نے قدرے آگے جھک کر اندر کی سمت بڑھتے ہوئے دروازے کی طرف دیکھا پھر خود بھی لپک کر اسی تاریک خلا میں گھس گیا۔ سلطان شاہ اندر دیوار سے لگا یوں ہانپ رہا تھا جیسے میلوں دور سے دوڑتا ہوا وہاں تک پہنچا ہو۔ اندر گھسنے ہی میری ناک سے ٹکرانے والے ملے جلے بو کے جھونکے نے میرے اس اندازے کی تائید کر دی تھی کہ وہ لوسی کے مکان کا باورچی خانہ ہی تھا اور اس وقت ویران پڑا ہوا تھا۔

میں نے آہستگی کے ساتھ دروازے کا پٹ بند کر دیا اور اس سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ لمحہ بھر کے لیے مجھے دروازہ بولٹ کرنے کا خیال آیا تھا جسے میں نے فوراً ہی ترک کر دیا۔ اگر لوسی اتنی بے خوف ہو سکتی تھی کہ دروازہ کھلا چھوڑ کر سو سکتی تھی تو ہمیں اس سے کیا خطرہ ہو سکتا تھا؟ دوسری طرف کسی ہنگامی صورتِ حال میں وہ کھلا ہوا دروازہ ہمیں وقت ضائع کیے بغیر فرار میں مدد دے سکتا تھا۔

اچانک ایک غیر معمولی مشینی آواز سن کر میں تقریباً اچھل پڑا لیکن پھر فوراً ہی پُرسکون بھی ہو گیا کیونکہ وہ قریب ہی رکھے ہوئے ریفریجریٹر کے کمپریسر کے چلنے کی آواز تھی جو مقررہ درجۂ حرارت برقرار رکھنے کے لیے خودکار نظام کے تحت رکتا اور

چلتا رہتا ہے۔

ہمیں اپنی اپنی جگہ کھڑے تقریباً آدھا منٹ گزر گیا۔ آخر تاریکی میں سلطان شاہ کا ہیولا حرکت میں آیا اور اس نے میرے قریب آکر سرسراتی ہوئی آواز میں دروازہ بولٹ کرنے کا مشورہ دیا۔

"فرار کا راستہ کھلا رہنا چاہیے۔ اللہ جانے کیا صورت حال پیش آئے؟" میں نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"تم گیارہ بجے والوں کو بھول رہے ہو۔ دروازہ کھلا رہا تو وہ بھی ادھر سے ہی اندر گھسیں گے۔"

میری ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔ غالباً گیارہ بج رہے تھے اور شاید یہی پب بند ہونے کا وقت تھا۔ وہاں ڈیلوڈ کے حامیوں میں سے جو بھی آیا تھا، شون کے نہ آنے پر غصے اور مایوسی کے عالم میں اس کے مکان ہی کا رُخ کرتا۔ اس لیے اس کے عمارت میں داخلے کی راہیں مسدود کرنا اپنے فرار کا راستہ کھلا رکھنے سے زیادہ اہم تھا۔

میں نے ٹٹول کر آہستگی اور احتیاط سے دروازے کا بولٹ چڑھا کر اندر سے کنڈی بھی لگا دی۔ اس اثنا میں ہماری آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو گئی تھیں۔ دوسرے دروازے کا تعین کر کے ہم دونوں پنجوں کے بل آگے بڑھنے لگے۔

وہ عمارت بہت زیادہ طویل و عریض نہیں تھی لیکن اندھیرے کے باعث ہمارے لیے بھول بھلیاں بن کر رہ گئی۔ کہیں بھی روشنی کرنے کا خطرہ مول لیے بغیر ہم بڑھتے رہے۔ دو کمروں میں ہم دو مرتبہ گھسے اور اپنی دانست میں نچلی منزل کے ویران کمروں کا جائزہ مکمل کر کے اوپر جانے والے زینوں کی طرف ہو لیے۔

عمارت میں اس وقت تک زندگی کے کوئی آثار نہیں ملے تھے جس کی وجہ سے مجھے وحشت ہونے لگی تھی۔ پھر گراؤنڈ فلور پر کوئی بھی ایسا کمرہ دریافت نہیں ہو سکا تھا، جہاں کسی کو اس کی مرضی کے خلاف قید کیا جا سکے۔ ہر کمرے میں باہر کی سمت میں کھلنے والی ایسی کھڑکیاں اور روشندان موجود تھے کہ قیدی ذرا سی چیخ و پکار سے قرب و جوار کے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر سکتا تھا۔ نچلی منزل کے جائزے کے بعد مجھے قطعی امید نہیں تھی کہ اوپر کوئی قید خانہ دریافت ہو سکے گا اور ہوا بھی یہی۔ کیونکہ زینوں کے اختتام پر ایک وسطی ہال کے تین طرف چار کمرے بنے ہوئے تھے۔ چوتھی سمت میں کچن اور اسٹور روم واقع تھا اور یہاں بھی کسی ذی روح کا پتا نہیں تھا۔

"یہ تو سارا ہی مکان بھائیں بھائیں کر رہا ہے ۔۔ آخری کمرے سے نکلتے ہوئے سلطان شاہ نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "آخر وہ دونوں کہاں گئیں؟ کہیں ہم کسی غلط مکان میں تو نہیں گھس آئے؟"

"پھاٹک پر لوسی براؤن کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔" میں نے قدرے بلند لہجے میں سرگوشی کی۔ "ابھی تک ہم نے جتنے کمرے دیکھے ہیں، ان میں کوئی بھی اس قابل نہیں ہے کہ اس میں کوئی قیدی رکھا جا سکے۔"

"تم بھی تو شون کو ایک فلیٹ میں قید کر کے آئے ہو۔" وہ بولا۔

"اس کا منہ بند ہے۔ وہ شور نہیں مچا سکتا اور غزالہ نے لوسی کی غیر موجودگی میں مجھ سے فون پر بات کی تھی۔" میں نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ یہاں کوئی تہ خانہ بھی ہو۔"

"میں کچھ اور ہی سوچ رہا ہوں۔" وہ زینوں کی طرف بڑھتے ہوئے تشویش آمیز لہجے میں بولا۔ "کہیں وہ بے صبرے شون کے دیے ہوئے وقت سے پہلے ہی لوسی اور بھابی کو اٹھا نہ لے گئے ہوں۔ اس طرح وہ شون سے اپنے مطلوبہ قیدی کے سلسلے میں سخت رویہ اختیار کر سکتے تھے۔"

اندھیرے اور ویران مکان کے کھلے ہوئے عقبی دروازے کے ساتھ سلطان شاہ کا قیاس بہت ہی لرزہ خیز تھا۔ میرے اعصاب پر ٹینشن کی حد تک تناؤ طاری ہو گیا۔

"اپنی زبان بند رکھو اور پہلے تہ خانہ تلاش کرو۔" میں نے دانت بھینچ کر سخت لہجے میں کہا اور وہ کوئی جواب دیے بغیر سیڑھیاں اترنے لگا۔

مکان کی ویرانی کے پیشِ نظر، ہم دونوں نے بہت زیادہ احتیاط کو خیرباد کہتے ہوئے نچلی منزل پر تیزی کے ساتھ تہ خانے کی تلاش شروع کر دی جس کا بادی النظر میں کہیں وجود نہ مل سکا لیکن میرے ذہن میں وہ خیال اتنی سختی کے ساتھ جاگزیں ہوا تھا کہ میں نے اونچی اونچی دیوار گیر الماریوں کے چوبی پٹ کھولنے شروع کر دیے۔ ایک الماری مقفل تھی مگر میں نے ہیجان اور اشتعال کے عالم میں جھٹکے سے اس کا قفل توڑ دیا مگر وہاں کاغذات اور تصاویر کے سوا کچھ نہیں تھا۔ شاید اسی مواد کے سہارے شون اور لوسی بلیک میلنگ کا دھندا چلا رہے تھے۔

آخرکار نچلی منزل کی اس خوابگاہ میں ہمیں اپنی دیوانہ وار کوششوں کا ثمر مل گیا جہاں فون موجود تھا۔ ایک الماری کھلتے ہی زینے نظر آئے تھے اور ان سے نیچے روشنی نظر آتی تھی جبکہ پوری عمارت تاریک تھی۔

زینوں پر قدم رکھنے سے پہلے میں نے کمرے میں کھڑے اس خلا کا جائزہ لیا تو اندازہ ہوا کہ تقریباً دس زینوں کے بعد کمرے سی آگئی تھی اور وہاں سے شاید مزید زینے واپس مڑ تھے۔ اسی وجہ سے تہ خانے سے آنے والی روشنی سامنے کی دیوار پر پڑ رہی تھی مگر اوپر والے کمرے تک نہیں پہنچ رہی تھی۔

صورتِ حال بہت گمبھیر تھی۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے کچھ کہے بغیر یقین اور بے یقینی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ زینے طے کرتے ہوئے ہتھیار بدست جونہی ابتدائی زینے طے کر کے تہ خانے کی طرف گھومے، ایک ہولناک منظر نگاہوں کے سامنے آ گیا اور ہم نے تقریباً دوڑتے ہوئے باقی ماندہ زینے طے کر ڈالے جن کے اختتام پر ایک کھلا ہوا دروازہ موجود تھا۔

تہ خانے کی سنگین دیواروں میں کہیں معمولی سا روزن بھی نہیں تھا اور فضا میں ہلکی سی سیلن رچی ہوئی تھی۔ فرش پر خوبصورت پھول دار قالین اور اس پر ایک خوابگاہ کے سارے ضروری لوازم موجود تھے۔ مگر شکن آلود بستر خالی تھا اور قالین پر زینوں کے سامنے ایک جواں سال عورت کی بھیانک لاش پڑی ہوئی تھی۔

سکرٹ اور بلاؤز میں ملبوس لاش کے پیروں میں سینڈل بھی موجود تھے جس کا مطلب تھا کہ وہ باہر سے واپسی پر موت کا شکار ہوئی تھی۔ اس کے چہرے اور برہنہ بازوؤں پر لمبی لمبی خراشیں تھیں جن سے رسنے والا خون جم کر سیاہ ہو چکا تھا۔ بکھرے ہوئے بالوں اور ان خراشوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ مرنے سے قبل اس کی کسی ناخنوں والی سے دست بدست جنگ ہوئی مگر موت کا سبب وہ خراشیں نہیں بلکہ دل کے مقام پر پیوست آتش دان کے انگاروں کو کریدنے والی وہ سلاخ تھی جس کے پیدا کیے ہوئے زخم کے گرد خون کی تھوڑی سی مقدار جمع تھی۔ لاش کی حالت بتا رہی تھی کہ آہنی سلاخ کے کاری وار نے اس کو تڑپنے کی مہلت دیے بغیر آناً فاناً میں ختم کر دیا تھا۔

اس کی آنکھیں اپنے حلقوں سے اُبلی ہوئی تھیں۔ منہ کھلا ہوا تھا اور مہلک وار کی اذیت سے زبان دہانے سے باہر نکل آئی تھی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ وہ لوسی تھی اور اُسے اپنی جسارت کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑی تھی۔

تہ خانے میں بھی ٹیلی فون انسٹرومینٹ موجود تھا۔ میرے ذہن میں ایک بار پھر غزالہ کی چیخ گونجنے لگی۔ شاید لوسی نے باہر سے واپس لوٹتے ہی تہ خانے کا رُخ کیا تھا۔ غزالہ سے ریسیور چھین کر اس نے ہاتھ اٹھایا ہوگا۔ غزالہ اس وقت مجھ سے ہم کلام تھی لہٰذا اس کا حوصلہ بلند تھا۔ وہ یقیناً مقابلے پر تُل گئی ہوگی۔ اور آخرکار لوسی اپنے قابلِ نفرت کردار سمیت غزالہ کے ہاتھوں جہنم واصل ہو گئی اور غزالہ وہاں سے فرار ہو گئی۔

شاید اس نے فرار کے لیے باورچی خانے والا راستہ اختیار کیا تھا۔ اسی وجہ سے ہمیں وہ دروازہ کھلا ہوا ملا اور ہم بآسانی عمارت میں داخل ہو گئے۔

مجھے جہاں لوسی کی موت کی خوشی تھی وہیں غزالہ کے نکل جانے کا افسوس بھی تھا۔ اس کی آواز سننے کے بعد میرے دل میں اس کے لیے ناقابلِ بیان اضطراب پیدا ہو گیا تھا۔ وہ میری تھی مگر اس کے باوجود میری دسترس سے باہر انسان نما درندوں کے خلاف اپنے تحفظ کی جنگ لڑ رہی تھی اور مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ ہیشلم سے فرار ہو کر اس نے کون سی سمت اختیار کی ہوگی۔

فون پر میں نے اُسے بتا دیا تھا کہ میں جلد از جلد اس تک پہنچوں گا لیکن وہ لوسی کو قتل کر دینے کے بعد میرے انتظار میں وہاں رُک کر اپنی سلامتی کو داؤ پر نہیں لگا سکتی تھی۔

اچانک تہ خانے تک پہنچنے والی کال بیل کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"وہ آگئے" سلطان شاہ کے ہونٹوں سے ہیجان آمیز آواز برآمد ہوئی اور ہم دونوں یکلخت زینوں کی طرف مڑ گئے۔

کال بیل تین چار مرتبہ مسلسل بجائی گئی پھر سناٹا چھا گیا۔ آنے والوں نے پہلی ہی کوشش میں سوئے ہوئے مکینوں کو بیدار کرنے کا ارادہ کیا ہوا تھا لیکن لوسی اب زندگی کے ان بکھیڑوں سے بہت دور جا چکی تھی۔

تہ خانے سے باہر آکر میں نے ایک کھڑکی کی آڑ سے دیکھا کہ داخلی دروازے کے سامنے برآمدے میں دو تنومند ہیولے موجود تھے۔ شاید انھیں یقین تھا کہ ان پر حملہ کرنے میں پہل نہیں کی جائے گی اس لیے وہ قدرے بے پروا نظر آ رہے تھے۔ مجھے پورا اندازہ تھا کہ ان کے ساتھ ہماری مصالحت نہ ہو سکے گی۔ وہ میرے خریدار تھے اور ہر قیمت پر مجھے اپنا قیدی بنانا چاہتے تھے۔ ان سے مسلح تصادم کے بغیر اس عمارت سے نکلنا ہمارے لیے ناممکن تھا اور جب تصادم ہی ہونا تھا تو پہل کا فائدہ نہ اٹھانا کسی بھی طرح قرینِ دانش نہیں تھا۔

وہ دونوں ہی میری براہِ راست زد میں تھے۔ میں نے پستول والا ہاتھ سیدھا کیا تو ان میں سے ایک اچانک دو قدم آگے بڑھ کر میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا اور عمارت میں ایک مرتبہ پھر گھنٹی کا شور گونجنے لگا۔ میں نے شست لے کر اپنی زد میں کھڑے ہوئے شخص کی پسلیوں پر بے آواز فائر کر دیا۔

پستول کے گھوڑے کی ہلکی سی آواز گھنٹی کے شور میں دب گئی۔ بارود کی شعلے کی لکیر کے ساتھ گولی برآمدے میں کھڑے ہوئے شخص کے پہلو میں اُتر گئی۔ وہ کریہہ چیخ مار کر کسی کٹے

ہوئے شہتیر کی طرح برآمدے کے پختہ فرش پر گرا تھا۔ اسی کے ساتھ گھنٹی کی آواز معدوم ہو گئی اور ویران احاطہ پے در پے کئی گولیوں کے شور سے گونج اٹھا جن میں سے کم از کم ایک گولی رائفل سے چلائی گئی تھی جو میرے قریب والی کھڑکی کا شیشہ توڑتے ہوئے دیوار میں پیوست ہو گئی۔ اگر میں اپنے پستول سے فائر کرتے ہی جھک نہ گیا ہوتا تو وہ گولی میرے جسم کے کسی حصے کو بھی چاٹ سکتی تھی۔

رائفل والا یقینی طور پر دروازے کے سامنے اندھیرے میں کہیں مورچا زن تھا اور اس نے میرے پستول کی نال سے شعلہ خارج ہوتے دیکھ لیا تھا ورنہ اندھیرے میں محض اندازے سے اتنا صحیح فائر کرنا دشوار تھا۔

باہر سے ایک بار پھر گولیاں چلائی گئیں اور کئی کھڑکیوں کے شیشے پُرشور آواز کے ساتھ چور چور ہو گئے۔ میرے کان اس بار بھی آوازوں پر مرکوز تھے میں نے محسوس کیا کہ شاید وہ چار ہی تھے کیوں کہ ایک میرے ہاتھوں زخمی ہو کر بلند آواز میں چیخ رہا تھا۔ دو نے پستول چلائے تھے اور چوتھا رائفل بردار تھا۔

میں تیزی کے ساتھ سلطان شاہ کی طرف پلٹا اور سرگوشیانہ آواز میں بولا۔ "وہ تعداد میں کم از کم چار ہیں اگر ہم نے ابتدا ہی میں تابڑ توڑ فائرنگ نہیں کی تو ان سے مغلوب ہو جائیں گے تم مکان کا طواف کر کے ہر سمت سے باہر فائر کرتے چلے جاؤ' میں انھیں اس طرف مصروف رکھوں گا' اس طرح وہ ہماری تعداد کا اندازہ نہیں لگا سکیں گے۔ چاہو تو اپنے پستول کی نال پر سے سائلنسر اتار لو۔"

وہ زبان سے ایک لفظ بھی کہے بغیر تابعدارانہ انداز میں اندھیرے مکان میں اندر کی سمت میں بڑھتا چلا گیا اور میں سکوت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک محفوظ زاویے سے باہر کا جائزہ لینے لگا۔

باہر فائرنگ تھمی ہوئی تھی لیکن میرے ہاتھوں زخمی ہونے والے کی کربناک آوازیں بدستور سنائی دے رہی تھیں۔ وہ ابھی تک برآمدے میں ہی پڑا ہوا سسک رہا تھا۔ میری طرف سے ہونے والی بے آواز فائرنگ کے خوف سے اس کے کسی ساتھی نے اسے وہاں سے اٹھا لے جانے کی ہمت نہیں کی تھی۔ اس کی لحظہ بہ لحظہ دم توڑتی ہوئی نقاہت آلود آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی بھی لمحے دم توڑ سکتا تھا۔ غالباً میرے فائر کا شکار ہوتے ہی اس کے اعضائے رئیسہ پر یکلخت مُردنی طاری ہو گئی تھی اور اس کے ساتھیوں نے بھی اندازہ لگا لیا تھا کہ ان کی کوششوں کے باوجود وہ جانبر نہ ہو سکے گا۔

اچانک عمارت پستول کے فائر کی تیز آواز سے گونج اٹھی۔ وہ واضح طور پر اندر سے کیے گئے فائر کی آواز تھی۔ مجھے اپنے حریفوں کی پوزیشن کا کوئی اندازہ نہیں تھا اور رائفل والا میرے پستول کی رینج سے باہر تھا لیکن پھر بھی میں نے اسی کی سمت میں نال اٹھا کر گولی چلا دی۔ اس مرتبہ پھر رائفل سے بے آواز فائر ہوا' چند ثانیوں کے بعد باہر سے پستول چلانے کا دھماکا ہوا لیکن جواب میں کہیں سے کوئی چیخ نہ سنائی دی جس کا مطلب تھا کہ دونوں طرف کے وار خالی گئے تھے۔

مجھے حیرت ہوئی کہ باہر والوں کا تیسرا ساتھی نہ جانے کیوں خاموش رہا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق ادھر سے دو کے بجائے تین فائر ہونا چاہیے تھے۔

ایک بار پھر عمارت میں بارودی دھماکے کی آواز گونجی' اس بار سلطان شاہ نے تواتر کے ساتھ تین فائر کیے تھے اور باہر سے ایک دبی دبی سی چیخ سُنائی دی تھی۔ شاید ان تینوں میں سے کوئی سلطان شاہ کے ہاتھوں زخمی ہو گیا تھا۔

وقفے وقفے سے دونوں طرف سے فائرنگ ہوتی رہی' اس دوران میں میرے شکار کی آوازیں معدوم ہو چکی تھیں۔ رائفل والا اپنی جگہ جما ہوا تھا۔ پستول والوں میں سے ایک جگہیں بدل بدل کر فائر کر رہا تھا لیکن ان کے میرے ساتھی کی کوئی سرگرمی میں نوٹ نہیں کر سکا تھا۔ اس کے بارے میں میں نے فرض کر لیا تھا کہ شاید وہ سلطان شاہ کے پستول کی گولی کھا کر کسی گوشۂ عافیت میں دبکا اپنے زخم کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا ہو گا۔

سلطان شاہ میری ہدایت کے مطابق اس مکان میں جگہ تبدیل کرتے ہوئے فائرنگ کرتا رہا اور میں سامنے کے محاذ پر ڈٹا رہا۔ ہر طرف پھیلے ہوئے گھور اندھیرے کے باعث اس وقت ماحول بے حد خوف ناک ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ لوگ باہر کھلے میدان میں تھے اور کسی کے متوجہ ہوتے ہی گہری تاریکی کا فائدہ اٹھا کر وسیع و عریض احاطے سے کسی بھی سمت میں فرار ہو سکتے تھے لیکن ہم اس عمارت میں محصور ہو کر رہ گئے تھے' جہاں ہماری موجودگی کا کوئی قانونی یا اخلاقی جواز نہیں تھا۔ ایک لاش عمارت کے اندر سنگین تہ خانے میں پڑی ہوئی تھی اور دوسری برآمدے یا اس کے قرب و جوار میں موجود تھی اور ان دو لاشوں کی وجہ سے ہم قانون کی بدترین گرفت میں آ سکتے تھے۔ جوں جوں اس لاحاصل بارودی مقابلے میں وقت گزر رہا تھا میرے ذہن پر تشویش سوار ہوتی جا رہی تھی۔ کچھ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ لوگ وہاں مقامی آبادی یا پولیس کی مداخلت کے انتظار میں رکے ہوئے تھے تاکہ ہمیں فرار کا موقع نہ مل سکے۔ مداخلت کا آغاز ہوتے ہی وہ لوگ فرار ہو جاتے اور ہم ناقابلِ تصور مشکلات سے دوچار ہو جاتے۔ بڑھتی ہوئی بے چینی اور ہیجان کے تحت میں نے ایک مرتبہ پھر نیچے جھک کر کھڑکی سے باہر کی کھلی فضا میں پے در پے دو فائر کر ڈالے پھر تیسرے فائر کا ارادہ کیا ہی تھا کہ میرا وجود اپنی جگہ سن ہو کر رہ گیا۔

"ہتھیار پھینک کر ہاتھ سر سے اوپر اٹھا لو۔" اندھیری عمارت میں ایک تحکمانہ نسوانی آواز گونجی تھی۔ "اندھیرے کے باوجود تم اس وقت میرے پستول کی زد میں ہو۔" لہجہ مقامی اور زبان انگریزی تھی۔

تیسرا فائر ہونے سے پہلے ہی میرا ہاتھ پستول سمیت نیچے جھک گیا۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا مگر مجھے آس پاس کوئی سایہ تک نظر نہ آیا لیکن وہ سمت گیر آواز میں ہزاروں آوازوں میں بھی پہچان سکتا تھا۔

"میرا نشانہ خطا نہیں کرتا۔" اس بار وہ آواز قہر بار تھی۔ "اور نہ میں حکم دُہرانے کی عادی ہوں۔"

اس بار میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ اوپری منزل سے اترنے والے زینوں پر کہیں موجود تھی اور شاید اوپری منزل سے ہی عمارت میں گھسی تھی۔ اس لمحے مجھے اندازہ ہوا کہ باہر سے ایک پستول کی آواز کیوں معدوم ہو گئی تھی۔ غالباً وہ کسی پائپ یا کمند کے سہارے اوپر چڑھنے کی کوششوں میں مصروف تھی اور اس کے باقی ماندہ دو ساتھیوں نے ہمیں اپنے ساتھ بارودی مکالموں میں الجھایا ہوا تھا۔

"گولی چلا دو۔" میں نے کھڑکی سے دور ہٹتے ہوئے اردو میں کہا۔ "شاید مقدّر میں یہی لکھ دیا گیا ہے کہ تمہارے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتار دیا جاؤں گا۔"

"ڈینی!" اندھیرے میں ویرا کی تحیّر آمیز تیز سرگوشی گونجی' اسی کے ساتھ زینوں پر اس کے تیز قدموں کی آواز سنائی دی' جو بتدریج قریب آتی چلی گئی۔ "تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"یہی سوال میں تم سے بھی کر سکتا ہوں۔" میں نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔

"اِدھر اوٹ میں آ جاؤ۔" تیز تیز سانسوں کے درمیان اس نے اضطراری لہجے میں کہا۔ "ایک آدمی مر گیا ہے مگر ابھی بھی باہر دو نشانچی موجود ہیں۔۔۔ رائفل والے کو اگر تمہارا ہیولا بھی نظر آ گیا تو وہ بھیجا اُڑا دے گا۔"

"تمہارے آدمیوں کے ہاتھوں مرتے ہوئے دُکھ نہ ہو گا۔" میں نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ ایک بار پھر شوگر کوئین کے روپ میں میرے سامنے موجود تھی۔ اس کے بدن پر سر سے پیر تک سیاہ رنگ کا چُست لبادہ موجود تھا' چہرہ سیاہ نقاب میں پوشیدہ تھا اور جوتے بھی سیاہ ہی تھے۔ بے اختیار میرے ذہن میں کراچی کے جیوا ہاؤز کی وہ خون آشام رات گھوم گئی جب میں نے شوگر کوئین کو پہلی بار اس روپ میں تنظیم کے ایک مقامی بڑے کو گولی مارتے دیکھا تھا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہاں تم سے ٹکراؤ ہو گا۔" وہ اس وقت تک اپنی بے پناہ حیرت پر قابو نہیں پا سکی تھی۔ "شون میکارتھی کہاں ہے؟"

"وہ بکن ہال مینشن کے فلیٹ میں قید ہے' یہ بتاؤ کہ تم یہاں کس خوشی میں نظر آ رہی ہو؟"

"میں نے تم سے کہا تھا کہ آج رات مجھے لندن سے باہر ایک مُہم درپیش ہے۔ سُپریم کونسل نے مجھے دوبارہ اپنی صفوں میں شامل کر لیا ہے لیکن عارضی طور پر مجھے فیلڈ میں کام سونپا گیا ہے۔ آج گیارہ بجے شون بیس ہزار پاؤنڈ کے عوض ایک قیدی میرے حوالے کرنے والا تھا جس کا ایک ہاتھ زخمی ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ خود ہی چونک پڑی اور ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "اوہ خدایا! تمہارا بھی تو بایاں ہاتھ زخمی ہے۔۔۔ تو کیا شون نے تنظیم سے تمہارا ہی سودا طے کیا ہوا تھا؟"

"بہت دیر سے سمجھی ہو!" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "تمہاری یہ اداکاری مجھے ذرا بھی متاثر نہ کر سکے گی۔"

"تم احمق ہو!" وہ جھلا کر بولی۔ "شون سے سارا پروگرام صبح طے پا گیا تھا۔ اس نے ظاہر کیا تھا کہ قیدی اس کی تحویل میں ہے جب کہ تم اس وقت آزاد تھے۔ ہائیڈ پارک میں میرے آدمیوں نے تمہاری راہنمائی کی پھر فلیٹ میں تم سے فون پر میری بات ہوئی۔ میں بھلا کیسے اندازہ لگا سکتی تھی کہ وہ قیدی تم ہو گے؟"

"شون میرے تعاقب میں تھا' وہ مجھے گھیر کر بیشام لانا چاہ رہا تھا' اسی وجہ سے میں نے مشورے کے لیے تمہیں بلانا چاہا تھا' کیونکہ شون نے اپنی ہدایات کی عدم تعمیل کی صورت میں پولیس کو میرے پیچھے لگانے کی دھمکی دی تھی۔"

"وہ تمہیں کہاں ٹکرا گیا تھا؟" میرا انکشاف اس کی حیرت میں اضافے کا باعث بن رہا تھا۔

"پارک ہوٹل میں میرا زخمی ہاتھ اس کی نظروں میں آ گیا تھا' اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے تمہارے کسی آدمی سے میرا سودا طے کیا اور پھر سائے کی طرح ہمارے پیچھے ہو لیا۔ فلیٹ پہنچنے کے بعد اس نے مجھ سے وہیں فون پر رابطہ قائم کر کے دھمکیاں دی تھیں۔ ہم فلیٹ میں بُری طرح محصور ہو کر رہ گئے تھے' اگر مقدّر ساتھ نہ دیتا تو شاید شون اب تک میرے بدلے رقم وصول کر چکا ہوتا اور مزے کی بات یہ ہے کہ یہ قصّہ غزالہ کی ذات سے شروع ہوا تھا۔"

"وہ کیسے؟" سوال کرتے ہی وہ چونکی تھی۔ "باہر کی طرف اِکّا دُکّا فائر کرتے رہو۔ ایسا نہ ہو کہ سنّاٹا دیکھ کر میرے آدمی آگے بڑھ آئیں۔ شاید سلطان بھی تمہارے ساتھ ہی ہے۔"

"پچھلا محاذ اُسی نے سنبھالا ہوا ہے۔" یہ کہتے ہوئے میں نے کھڑکی کے قریب جا کر میگزین کی آخری گولی فائر کی اور میگزین کو دوبارہ لوڈ کرتا ہوا اس کے قریب آ گیا۔

"سرے سے نکلنے کی کوشش میں غزالہ شون کے ہتھے چڑھ گئی تھی اور اسی مکان کے ایک تہ خانے میں قید تھی۔ ۔ ۔"

"اب کہاں ہے وہ؟" اُس نے میری بات کاٹ کر پُراشتیاق لہجے میں سوال کیا۔

"ہمارے پہنچنے سے پہلے نکل گئی۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "لیکن لندن سے میں فون پر اُس سے بات کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ ۔"

"تم تو مجھے طلسم ہوش رُبا سنا رہے ہو۔" وہ تحیر آمیز لہجے میں بولی۔ "اُس وقت میرے پاس وقت نہیں ہے، یہ سب لندن آ کر سنوں گی۔ یہ بتاؤ کہ یہاں لوسی براؤن بھی رہتی تھی۔ وہ اب کہاں ہے؟"

"شون کی غیر موجودگی میں غزالہ اُسی کی قیدی تھی، چاہو تو تہ خانے میں اُس کی لاش دیکھ سکتی ہو۔"

"اوہ! تو یہاں بھی بہت کچھ ہو چکا ہے۔ اُسے غزالہ نے ہی مارا ہوگا؟"

"کچھ کہا نہیں جا سکتا۔" میں نے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔ "غزالہ غائب ہے، لوسی مر چکی ہے۔ ان دو باتوں سے بہتیرے نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں۔"

"خس کم جہاں پاک۔" وہ بولی۔ "یہ دونوں ہی بڑے موذی بلیک میلر تھے۔ شون اگر قابو میں آگیا ہے تو اسے بھی مر ہی جانا چاہیے۔ وہ شی کے بعض اہم لوگوں سے بھی باقاعدہ بھتا وصول کرتا ہے اور وہ لوگ اپنی کمزوریوں کو چھپانے کے لیے ہمیشہ اس کا منہ بھرتے رہے ہیں۔"

"جوڈی کو اُس کی لاش کے سڑنے کی فکر تھی ورنہ ہم نے تو اُسے مار ہی دیا ہوتا۔"

"وہ بہت دلیر عورت ہے۔۔ خیر تم واپس وہیں جاؤ، میں شون کا بھی کوئی بندوبست کروں گی۔"

"میں کہاں جاؤں؟ اب تو تمہارے ساتھ ہی چلنا پڑے گا۔"

"کیوں؟ کیا سواری نہیں ہے تمہارے پاس؟" اُس نے حیرت سے پوچھا۔ "پھر یہاں تک کیسے پہنچے تھے؟"

"بس سے اُتر کر پیدل آئے تھے۔ دوست نہ سہی قیدی بنا کر لے چلو۔"

"یہ ناممکن ہے۔۔ وہ میری طرف سے شبہات کا شکار ہو گئے تو میں پھر دشواریوں میں پڑ جاؤں گی۔ ابھی تو واپس جا کر انھیں مطمئن کرنا ہوگا کہ میں اوپری منزل سے داخلے کا کوئی راستہ نہ ملنے کی وجہ سے ناکام لوٹی ہوں۔"

"پھر ہم کیسے نکلیں گے؟" میں نے پوچھا۔ ویرا کے ساتھیوں کی وجہ سے وہ مسئلہ مجھے گمبھیر ہوتا نظر آ رہا تھا۔ فائرنگ ابھی تک جاری تھی۔ سلطان شاہ بھی مصروف تھا۔ اگر ویرا اپنے آدمیوں کو خاموشی کے ساتھ واپس ہٹا لے جاتی تو وہ اپنی ذات کو کسی بھی طرح شبہات سے بالا نہیں رکھ سکتی تھی، اپنا ایک آدمی گنوانے کے بعد اس کی رضا کارانہ پسپائی اُس کی وفاداری پر حرف لا سکتی تھی۔

"یہ لو۔" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد اُس نے اپنی جُست لباس کی جیب سے ایک چابی نکال کر میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "احاطے کے عقب میں دو گاڑیاں موجود ہیں۔ یہ میری سیاہ ڈاج کی چابی ہے۔ میں باہر واپس جا کر اپنے دونوں آدمیوں کو سامنے کے رُخ پہ لے آؤں گی۔ جب تواتر سے فائرنگ ہو تو تم کسی عقبی راستے سے اندھیرے میں نکل جانا۔ گاڑی کی ٹنکی بھری ہوئی ہے۔ تم آسانی سے لندن پہنچ سکتے ہو۔"

"تو کیا تم اُن تینوں کے ساتھ نہیں آئی تھیں؟"

"شوگر کومین کے قرب سے لوگوں کے اوسان خطا ہونے لگتے ہیں۔" اُس نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "میں اکیلی آئی تھی مگر اب مجبوراً اُن کے ساتھ سفر کرنا ہوگا۔"

"کار ہمیں دے کر تم اپنے لیے دشواریاں تو پیدا نہیں کر لوگی؟" میں نے سوال کیا۔

"میں بات بنا لوں گی کہ چابی اگنیشن میں لگی چھوڑ دی تھی۔" وہ پہلی بار آہستگی کے ساتھ ہنسی۔ "سچ پوچھو تو ہمیں یہاں کسی مزاحمت کی قطعاً امید نہیں تھی، بس ایک خیال تھا کہ کہیں شون عین وقت پر رقم میں اضافے کا مطالبہ نہ کر بیٹھے۔ ایسی صورت میں قیدی کو سنبھالنے کے ساتھ ہی شون کی گوشمالی بھی کرنی پڑ جاتی ورنہ میرا ارادہ تو یہاں تنہا آنے کا ہو رہا تھا۔"

"لندن پہنچ کر گاڑی کا کیا کرنا ہوگا؟"

"چابی سمیت کہیں بھی چھوڑ دینا۔ میرے آدمی اُسے تلاش کر لیں گے۔" اُس کے ایک ایک لفظ سے بھرپور اعتماد کا اظہار ہو رہا تھا۔ تنظیم میں اپنا کھویا ہوا مقام کسی حد تک واپس مل جانے پر اُس میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں جو میرے لیے اس اعتبار سے خوش آئند تھیں کہ اب وہ یکسوئی کے ساتھ غزالہ کے معاملے پر توجہ دے سکتی تھی جو سلجھتے سلجھتے ہر بار پیچیدہ تر ہوتا جا رہا تھا۔

"پھر اب لندن ہی میں ملاقات ہوگی۔" میں نے الوداعی لہجے میں کہا۔

"مجھے رشک آتا ہے تمہارے مقدر پر۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔ "میں نے بارہا محسوس کیا ہے کہ موت تم سے کترا کر گزر جاتی ہے۔ اِس وقت میرے بجائے اسمتھ اوپر چڑھا ہوتا تو تم پہنچنے کے ساتھ ہلاک یا کم از کم زخمی کر دیے گئے ہوتے اور میں تمہاری کوئی مدد نہ کر پاتی۔"

"اسمتھ تمہارا کوئی نیا دوست ہے؟" میں نے سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا۔

"دوست نہیں ماتحت ہے۔ ۔ ۔ پروگرام طے ہونے کے بعد وہ پائپ کے سہارے اوپر چڑھنے کی نیت سے عمارت کی طرف بڑھ رہا تھا کہ سلطان شاہ کی چلائی ہوئی گولی اُس کی ران کا گوشت پھاڑتی ہوئی گزر گئی اور مجبوراً یہ کام مجھے اپنے ذمے لینا پڑا۔"

"تمہارے علاوہ ایک اور آدمی بھی تو موجود ہے۔"

"رائفل سے صحیح نشانے پر فائر کرنا نہ اسمتھ کے بس کی بات ہے نہ میرے۔۔ رشک تو اسی بات پر آتا ہے کہ حالات تمہارے حق میں خود بخود ہموار ہوتے چلے جاتے ہیں۔"

"ایسا ہوتا تو میں اب تک غزالہ کو ساتھ لے کر پاکستان لوٹ گیا ہوتا۔" میں نے دوبارہ کھڑکی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا اور وہ خاموشی سے زینوں کی طرف بڑھ گئی۔

تنہائی میسر آتے ہی میرا ذہن ایک مرتبہ پھر اس صورت حال میں اُلجھ گیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس علاقے میں مکانات ایک دوسرے سے خاصے فاصلے پر تھے لیکن یہ مفروضہ ناقابلِ یقین محسوس ہوتا تھا کہ وہاں ہونے والی فائرنگ کے تبادلے کی آوازیں مقامی آبادی میں سے کسی نے نہ سُنی ہوں۔ اس لحاظ سے کسی طرف سے مداخلت کا نہ ہونا تشویشناک تھا۔ اگر قرب و جوار میں رہنے والے ڈرپوک تھے تو ان میں سے کوئی بھی پولیس کو فون کر کے شون میکارتھی اور لوسی کے مکان کی طرف متوجہ کر سکتا تھا لیکن ایسا ابھی نہیں ہوا تھا۔

عام حالات میں شاید وہ لاتعلقی غیر فطری محسوس ہوتی مگر میرے ذہن نے تھوڑی سی ورزش کے بعد اس کا جواز بھی تلاش کر لیا۔ شاید شون اور لوسی ہیشام کے باشندے ہونے کے باوجود اپنے پڑوسیوں میں مقبول نہیں تھے اور ان میں سے کوئی بھی ان کے پھڈے میں اپنی ٹانگ اڑانے کے لیے تیار نہیں تھا۔

اسی اثنا میں سلطان شاہ بھی واپس لوٹ آیا اور میرے قریب آ کر تشویش آمیز سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ "اس بے مقصد چاند ماری کا تو اختتام ہوتا نظر نہیں آتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی طرح صبح ہو جائے گی۔"

"تھوڑی دیر بعد ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔۔ گاڑی آ گئی ہے۔" میں نے ویرا کی دی ہوئی چابی اس کی آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے کہا۔

"گاڑی؟ ۔ ۔ ۔ کیسی گاڑی آ گئی ہے؟" اُس نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"ویرا نے بھیجی ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا اور وہ خوشی سے تقریباً اُچھل پڑا۔

"کمال ہے۔۔ اُسے کیسے پتا چلا کہ ہم یہاں موجود ہیں؟" اُس نے اس نامساعد صورت حال میں اُمید کی کرن محسوس کرتے ہی مسرت آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"باہر سے گولیاں اُسی کے حکم پر برسائی جا رہی ہیں۔" میرے انکشاف پر وہ بھونچکا رہ گیا اور میں آہستہ آہستہ اُسے اپنی اور ویرا کی گفتگو سے آگاہ کرنے لگا۔ اس دوران میں باہر سے گولیوں کی آوازیں موقوف ہو گئی تھیں اور سکوت کا وہ وقفہ طویل ہوتا جا رہا تھا۔ جب فائرنگ ہو رہی تھی تو میرے ذہن پر نکاسی کی فکر مسلط تھی۔ سکوت چھایا تو وہ اعصاب شکن محسوس ہونے لگا۔ مکمل سکوت کے وہ چند منٹ مجھے لامتناہی محسوس ہو رہے تھے پھر اچانک ہی یکبارگی فائرنگ شروع ہو گئی۔ وہ لوگ نہایت تسلسل کے ساتھ اپنا اسلحہ برباد کر رہے تھے۔

وہ سگنل ملتے ہی میں تیزی کے ساتھ کچن کے قریب سے گزرتا ہوا اس عقبی راستے کی طرف ہو لیا جو نچلی منزل کی تلاشی کے دوران میں دریافت ہوا تھا۔

ویرا کی یقین دہانی کے پیشِ نظر مجھے پورا یقین تھا کہ اس طرف میدان صاف ہوگا لہٰذا ہم نے تیزی کے ساتھ دروازہ کھولا اور باہر اندھیرے میں دوڑ لگا دی۔ اس طرف گھاس پر مشتمل ایک وسیع قطعے کے بعد گھنے درختوں کی بڑی تعداد ایستادہ تھی جن کی آڑ میں دور سے دیکھ لیا جانا ناممکن تھا۔ ہم گھور اندھیرے میں بھاگتے ہوئے احاطے کی عقبی دیوار تک پہنچے اور سلطان شاہ نے ایک بار پھر مجھے اپنے شانوں پر لاد کر دیوار عبور کرائی اور پھر خود بھی اُسی طرف اُتر گیا۔ وہاں چند قدم کے فاصلے پر آگے پیچھے دو گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ میں آسمانی رنگ کی سَن بیم کو نظر انداز کرتے ہوئے سیاہ ڈاج کی طرف بڑھا اور پسنجر سیٹ کے دروازے کا قفل کھول کر وہیں براجمان ہو گیا۔ سلطان شاہ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر طاقتور انجن اسٹارٹ کیا اور ڈاج ایک جھٹکے سے آگے روانہ ہو گئی۔

ویرا سے کار کی چابی مل جانے پر میں دل ہی دل میں بہت خوش تھا کہ ہمارا واپسی کا سفر بہت آسان ہو جائے گا لیکن اندازے سے چند موڑ گھومنے کے بعد بھی ہم اُس سڑک پر نہ نکلے جس سے بس گزری تھی تو مجھے تشویش لاحق ہونے لگی۔

بس سے ہم رات کے اندھیرے میں ہی ہیشام پہنچے تھے اور میں نے بس کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں راستوں کی نشانیاں مقرر کرنے کی حتی الامکان کوشش کی تھی مگر کار میں صحیح راستہ تلاش کرنے کی جدوجہد کرتے ہوئے مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ نشانیوں کے تقرر میں نشست کی بلندی اور سفر کی سمت بھی بہت اہمیت رکھتی ہے۔ دن کے اُجالے کی اور بات تھی مگر اندھیری رات میں نگاہوں کا دائرہ کار بس روشنی یا ہیڈ لیمپس کی روشنی میں نظر آنے والی اشیا تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔

ہیتھرو سے نکاسی کے درست راستے کی تلاش میں بھٹکتے ہوئے مجھے یہ خیال بھی ستا رہا تھا کہ ہمارے پاس کوئی رہنما نقشہ نہیں تھا اور برطانیہ میں ایسے نقشوں میں دی ہوئی تفصیلات جانے بغیر سفر کا نتیجہ منزل سے مخالف سمت میں ڈرائیونگ کی صورت میں بھی برآمد ہو سکتا تھا۔

"ایسا نہ ہو کہ ان اطراف میں بھٹکتے ہوئے ہمارا ویرا کی ٹیم سے سامنا ہو جائے۔" سلطان شاہ نے تشویش ناک لہجے میں کہا۔ "اگر اس کے آدمیوں نے سیاہ ڈاج دیکھ لی تو وہ بے بس ہو جائے گی۔"

میں چونک پڑا۔ اس خطرناک امکان پر میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ "ان سے سامنا ہوتے ہی تصادم کے بجائے فرار کی راہ اختیار کرنا ہوگی، خواہ کار چھوڑ کر پیدل ہی بھاگنا پڑے۔"

"اور پیدل بھاگتے ہوئے لندن تک پہنچنا ہوگا۔" اس نے ہنستے ہوئے مسکرا دیا۔

"پیدل ہونے کی صورت میں ہم شاید زیادہ بھٹکے بغیر کسی بس یا ٹرک وغیرہ تک رسائی حاصل کر لیں گے۔" میں نے کہا۔ "اب اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ سفر زیادہ محفوظ ثابت ہوتا۔"

"ضروری تو نہیں کہ رات کے ایک بجے ہیتھرو سے کوئی سواری مل جاتی۔"

"ان چھوٹے قصبوں سے شاید بسیں رات بھر نہ چلتی ہوں۔ لیکن یہاں سامان اور اجناس کے لیے سڑکوں کے ذریعے نقل و حمل بہت مقبول ہے اور کچھ نہیں تو اشیائے خورونوش یا سبزیاں لے جانے والے کسی ٹرک یا ٹرالی پر ہی لفٹ مل جاتی۔ بہرحال اب کار ملی ہے تو اسے بھگتنا ہی پڑے گا۔"

معاً میری نگاہ بلندی پر ایک ٹاور پر چلتے ہوئے سرخ بلب پر پڑی اور میری یادداشت تازہ ہو گئی۔ مانچسٹر سے ہیتھرو آتے ہوئے ہماری بس شاہراہ کے کنارے واقع اس مواصلاتی ٹاور کے بہت قریب سے گزری تھی۔ میں نے اس روشنی کو مرکز بنا کر سلطان شاہ کو ہدایات دینا شروع کر دیں اور چند منٹ بعد ہی واضح طور پر اس روشنی سے ہمارے فاصلے میں کمی واقع ہونے لگی۔

☎

جوڈی کے جھنجوڑنے پر میں ہڑبڑا کر بیدار ہوا اور... بے اختیار میری نظریں رسٹ واچ پر گئیں جس کی سوئیاں چھ بجا رہی تھیں۔

ہم لوگ ایم سکس موٹر وے پر پہنچ کر بہت پریشان ہوئے تھے پھر آخر کار مانچسٹر اور برمنگھم سے گزرتے ہوئے صبح کے سات بجے لندن میں داخل ہونے میں کامیاب ہوئے تھے۔ اس طویل درتھکا دینے والے سفر سے نجات ملتے ہی میں فلیٹ پر پہنچ کر گرم پانی کے شاور کے نیچے دیر تک نہاتا رہا پھر گدھے گھوڑے بیچ کر گہری نیند سو گیا تھا۔ گھڑی کی سوئیوں سے میں اندازہ لگا پایا وہ اگلی صبح نہیں بلکہ اسی دن کی شام تھی۔

"سر! فون ہے آپ کا۔" جوڈی نے میرے بیدار ہونے پر مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

"کہہ دیا ہوتا کہ میں سو رہا ہوں۔" میں نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

"دوسری طرف کوئی لڑکی ہے... یہ اس کی تیسری کال ہے۔ اس بار وہ مُصر تھی کہ آپ کو جگا دیا جائے ورنہ میں ہرگز مخل نہ ہوتی۔" جوڈی نے سراپا معذرت بن کر کہا۔

لڑکی کا نام سنتے ہی میرے ذہن میں غزالہ کا خیال آیا۔ لیکن اسے فلیٹ کا فون نمبر معلوم نہیں تھا پھر شاید وہ ویرا ہی ہو۔ بہرحال مجھے کسلمندانہ انداز میں بستر چھوڑنا پڑ گیا۔

"بڑی لمبی تان کر سوئے ہو۔" ہیلو کے جواب میں ویرا کی چہکتی ہوئی سدا بہار آواز سنائی دی۔ "واپس کب پہنچے تھے؟"

"ساری رات کالی ہو گئی۔ راستوں سے واقفیت کے بغیر یہاں ڈرائیونگ عذاب سے کم نہیں ہے۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ "اوپر سے یہ خوف کہ کہیں تمہارے آدمیوں سے ٹکراؤ نہ ہو جائے۔ گاڑی پہچانتے ہی وہ ہماری جان کے درپے ہو جاتے۔"

وہ ہنسی۔ "مجھے تمہاری دشواریوں کا اندازہ تھا۔ میں نے انھیں صبح کے چار بجے تک ہیتھرو میں ہی الجھائے رکھا تھا تاکہ تمھیں دور نکلنے کا موقع مل جائے... یہ بتاؤ کہ شون کو جو تم بندھا ہوا باتھ روم کے فرش پر پڑا چھوڑ آئے ہو؟" میں نے کہا۔ "جوڈی اس عمر میں بھی زندہ دل معلوم ہوتی ہے۔ واپسی پر مجھے اندازہ ہوا کہ شون کے ساتھ کوئی شرارت کی گئی تھی لیکن غنیمت ہے کہ وہ ابھی تک بے دست و پا ہے۔ تمہاری بڑھیا نے اس کے منہ سے کپڑا نکالے بغیر اس کے معدے میں الکحل اتار دی تھی کہ صبح وہ مجھے نشے میں دھت نظر آیا تھا۔ یہ بتاؤ کہ اس کا کیا کرنا ہے؟"

"اسی لیے فون کیا تھا۔" اس کی آواز پر سنجیدگی طاری ہو گئی۔ "کچھ دیر بعد ایک ایمبولینس آئے گی اور پیرا میڈیکل کا عملہ شون کو اسٹریچر پر ڈال کر لے جائے گا۔ آنے والے ہوم کے بارے میں دریافت کریں گے۔"

"لیکن شون تو اس حالت میں کسی میڈیکل پارٹی کے سامنے نہ لایا جا سکے گا۔"

"یہ اسے فلیٹ سے نکالنے کی ترکیب ہے۔" اس کی آواز ابھری۔ "میں نے شون کے مقدر کا فیصلہ صادر کر دیا ہے۔ اسے فلیٹ سے نکال کر ختم کر دیا جائے گا۔"

"اور تم کب آ رہی ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"میں کسی وقت بھی آ جاؤں گی لیکن یہ خیال رکھنا کہ جوڈی کے سامنے شی کے سلسلے میں محتاط رہنا ہوگا۔ وہ میری نجی ملازمت میں ہے مگر میرے اور شی کے قریبی تعلق سے خاصی باخبر ہے۔"

"حیرت ہے کہ اس کے باوجود بھی وہ فون پر تمہاری آواز نہ پہچان سکی۔"

"میں نے اس سے آواز بدل کر بات کی تھی، اعتماد کے باوجود میں اس سے ہمیشہ فاصلہ رکھ کر بات کرتی ہوں سو بے تکلفی کی نوبت کبھی نہیں آ سکی۔"

"یہ یاد رکھنا کہ اب غزالہ کا معاملہ سب سے اوپر آ گیا ہے۔" میں نے زور دے کر کہا۔ "دن بدن اس کے دشمنوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اب مجھے اس کی زندگی کی فکر لاحق ہو گئی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تاخیر اور عدم توجہی کی صورت میں ہمیں پچھتاوے کے سوا کچھ نہ مل سکے۔"

"مجھے اس پر رشک آنے لگا ہے۔" اس کا لہجہ واضح طور پر حسد آمیز ہو گیا۔ "شاید حسینۂ عالم کی رفاقت بھی تمہارے دل میں اس کا تصور کم نہ کر سکے گی۔"

"تمہارے ساتھ رہتا ہوں تو کسی حد تک بھولا رہتا ہوں۔" میں نے اسے خوش کرنے کے لیے جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔ "لیکن دنیا کی ہر عورت تو غزالہ یا ویرا نہیں ہو سکتی۔ حسینوں سے صرف دوستی کی جا سکتی ہے لیکن رفاقت کے لیے خالی حسن سے کام نہیں چلتا، پوری شخصیت کا اپنے معیار پر تجزیہ کرنا پڑتا ہے۔"

"تم جھوٹے ہو۔" کھوکھلی ہنسی کے ساتھ اس کی آواز سنائی دی۔ "میرے وجود میں بھی تم غزالہ کی ذات کا کوئی پرتو تلاش کرتے رہتے ہوگے۔ میرا تو خیال ہے کہ تم مجھے ایک کھلونے سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں دیتے۔"

"کاش میں تمھیں اپنا دل چیر کر دکھا سکتا۔" میں نے دل ہی دل میں اپنے اوپر لعنت بھیجتے ہوئے اداس لہجے میں کہا۔ "تم غزالہ کا خلا پر نہیں کر سکی ہو لیکن اس کے بعد میرے دل میں تمہارے لیے بڑی قدر ہے۔"

"تم بہت خود غرض اور فریبی ہو، میں تم پر اعتماد نہیں کرتی۔"

"میں نے کب کہا کہ تم مجھ پر یقین کر لو۔" میں نے کہا۔ "میں نے تو بس حقیقت بیان کی ہے ورنہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم ان میں سے نہیں ہو جو کسی ایک مرد سے وابستہ ہو کر پوری زندگی خوشی کے ساتھ گزار دیتی ہیں۔"

"سچ پوچھو تو یہ سب بڑھاپے کی باتیں ہیں، جب انسان کو کسی سہارے کی ضرورت محسوس ہونے لگتی ہے ورنہ جوانی تو بہت بے لگام ہوتی ہے اور اسے اپنی مرضی سے ہی گزارنا چاہیے کیونکہ انسان کو زندگی صرف ایک بار ملتی ہے۔"

وہ جو کچھ کہہ رہی تھی اس کے اپنے معیار سے شاید وہ درست ہی تھا کیوں کہ وہ خود ایک ایسے جوڑے کی اولاد تھی جس کے درمیان نہ کوئی مذہبی بندھن تھا اور نہ قانونی رشتہ۔ ولدیت کے خانے میں جو نام تصور کر کے وہ پروان چڑھتی رہی، ہوش سنبھالنے پر اس نے ویرا کو اپنی بیٹی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور شاید اس کے ذہن میں کچھ ایسی نفسیاتی گرہیں پڑتی چلی گئیں کہ اب وہ اپنے معاشرے اور اخلاقی اقدار سے بغاوت کو آزادی سمجھنے لگی تھی۔ شاید اس طرح وہ اپنے حسین پیکر کے جال کو استعمال کر کے لاشعوری طور پر مردوں سے انتقام لے رہی تھی۔

لیکن وہ بھی عورت ہی تھی۔ دنیا کی دوسری عورتوں کی طرح اس کے ذہن کے کسی گوشے میں یہ خواہش بھی خوابیدہ تھی کہ اسے چاہا جائے۔ بات صرف میری اور غزالہ کی نہیں تھی بلکہ وہ شاید ہر خوش و خرم جوڑے سے حسد کرتے ہوئے اپنی اس خواہش سے مغلوب ہو جاتی تھی اور خود کو ایسی لڑکی کی جگہ دیکھنے کی آرزو کرنے لگتی تھی جسے کوئی مرد ٹوٹ کر چاہتا ہو۔

میں اس کی ذہنی کیفیت کو سمجھ رہا تھا مگر یہ باتیں اس سے نہیں کہہ سکتا تھا ورنہ وہ مجھ سے بھڑک سکتی تھی جب کہ میں غزالہ کے معاملے میں اس کی مدد کا خواہاں تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اس وقت وہ حسد کے جذبے کے باعث ایک منفی رَو میں تھی لہٰذا میں نرمی کے ساتھ اس کی دلجوئی کرتا رہا اور پھر خوشگوار انداز میں ہماری گفتگو ختم ہو گئی۔

غنیمت یہ تھا کہ اس گفتگو کے دوران میں سلطان شاہ بدستور اپنے کمرے میں سویا ہوا تھا ورنہ ویرا سے میری چاہت کے جھوٹے وعدوں کو بنیاد بنا کر مجھے بُری طرح زچ کر دیتا۔ اسے پہلے ہی یقین تھا کہ ویرا غزالہ کی روپوشی سے میری زندگی میں پیدا ہونے والے خلا کو اپنی ذات سے پُر کرنا چاہتی تھی۔

حالاں کہ میں نے بہت لمبی نیند لی تھی لیکن اس کے باوجود تکان پوری طرح نہیں اُتری تھی۔ لہٰذا میں جوڈی کو سلطان شاہ کو بیدار کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے دوبارہ غسل خانے میں جا گھسا۔

شاور سے بدن پر گرنے والی پانی کی تیز دھاروں کا اثر حیرت انگیز تھا۔ میں نے باری باری کئی مرتبہ گرم اور پھر ٹھنڈے پانی کے استعمال سے ایسا فرحت آمیز غسل شاید ہی کبھی کیا تھا۔ کچھ دیر بعد جب میں تازہ دم ہو کر اپنے کمرے سے نکلا تو سلطان شاہ

مجھ سے پہلے تیار ہو کر لابی میں ٹیلیویژن کے سامنے بیٹھا پروگرام دیکھ رہا تھا۔ میرے پہنچتے ہی جوڈی فوراً چائے کی ٹرے لے آئی۔

"وہ زندہ جنازہ کب تک یہاں پڑا رہے گا؟" سلطان شاہ نے چھوٹتے ہی شون میکارتھی کے بارے میں سوال کیا۔ شاید میرے آنے سے پہلے وہ اس کا جائزہ لے چکا تھا۔

"اس کی باری کسی بھی لمحے آسکتی ہے، کیا ہوش وحواس میں آگیا ہے؟" میں نے کہا۔

"ہاں۔ اب تو بحال نظر آرہا ہے مگر آنکھوں میں نشے کی سُرخی ابھی تک باقی ہے۔"

اسی وقت اچانک ڈور بیل بج اٹھی۔ جوڈی نے چند ثانیے بعد آکر اطلاع دی کہ باہر سینٹ جان ایمبولینس کی گاڑی کا عملہ اندر آنے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔ انھیں ہومر نامی کسی مریض کی تلاش تھی، پتا اسی فلیٹ کا دہرایا گیا تھا مگر جوڈی ایسے کسی مریض کے وجود سے لاعلم تھی۔

"بلاؤ، وہ قیدی کو لے جائیں گے۔" میری ہدایت پر اس کے چہرے پر سکون کی لہر دوڑ گئی اور وہ واپس ڈور انٹرکام کی طرف چل دی۔

میں نے جلدی سے سلطان شاہ کو ویرا کے اس انتظام سے مطلع کیا۔ اسی دوران سفید لباس میں ملبوس دو مہذب اور نورانی چہروں والے نوجوان سفید فام جوڈی کی رہنمائی میں اسٹریچر سمیت اندر آپہنچے۔ اپنے پیشہ ورانہ لباس اور چہرے مُہرے سے وہ دونوں کسی طرح بھی مجرموں کے ٹولے سے تعلق رکھنے والے بہروپیے نظر نہیں آرہے تھے۔

ہم چاروں نے تپاک سے آپس میں ہاتھ ملائے۔ وہ دونوں عجلت میں تھے اس لیے انھوں نے میری چائے کی پیش کش کو نرم الفاظ میں ٹال دیا اور میں انھیں ساتھ لے کر ہومر کی آرام گاہ کی طرف بڑھ گیا۔ ان دونوں نے اتنی سنجیدگی سے بے دست و پا شون کا معائنہ کیا تھا جیسے وہ واقعی مریض رہا ہو۔ پھر ان میں سے ایک نے متاسفانہ انداز میں سر ہلاتے ہوئے مجھ سے سوال کیا۔

"اودھم باز معلوم ہوتا ہے۔ منہ سے کپڑا نکالا تو شاید چلّانا شروع کردے گا؟"

میں نے اس کی تائید کی اور شون قہرآلود نگاہوں سے ہمیں گھورتے ہوئے رسیوں میں زور کرنے لگا۔ اس اثنا میں دوسرا میل نرس اپنے سفید کوٹ کی جیب میں سے ایک سی سی کی ہائپوڈرمک سرنج اور کتھئی رنگ کی ایک ننھی سی سیال کی شیشی نکال چکا تھا۔ دندانے دار بلیڈ سے شیشی کی گردن کاٹ کر اس نے اوپری حصہ ایک جھٹکے کے ساتھ الگ کر کے بلیڈ سمیت اپنی جیب میں ڈالا اور شیشی کا شفاف سیال سرنج میں منتقل کرنے میں مصروف ہوگیا۔

اس وقت تک شاید شون کو اپنے انجام کا اندازہ نہیں ہو سکا تھا لیکن ان دونوں کی تیاریاں دیکھ کر وہ اتنا ضرور سمجھ گیا تھا کہ اسے بے ہوش کر کے کہیں منتقل کرنے کا پروگرام بن چکا تھا۔

سرنج سے ہوا خارج کرنے کے بعد وہ شخص آگے بڑھا۔ دوسرے نے بے دردی کے ساتھ شون کے بدن کو تھاما اور اس کا بازو برہنہ کرنے کا تکلف کیے بغیر لباس پر ہی سے سرنج کی سوئی اس کے بازو میں اتار دی گئی۔ میں نے یہ بات نوٹ کی کہ سیال کی خالی شیشی بھی اس شخص نے احتیاط سے اپنی جیب میں رکھ لی تھی۔

اگلے ہی لمحے شون کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں اور بدن بے حس و حرکت ہوگیا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ وہ کون سی بے ہوشی کی دوا تھی جس نے جسم میں انجیکٹ ہوتے ہی اپنا کام دکھادیا تھا۔

"بے ہوشی ابدی ہے۔" میرے استفسار پر انجکشن لگانے والے نے مسکرا کر کہا جیسے مجھے مریض کی خیریت کی اطلاع دے رہا ہو۔ اس کے جواب پر مجھے شدید ذہنی صدمہ ہوا۔ وہ لوگ انسانی جان کو کبھی بھی گاجر مولی سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے اور یہی سفاکی ویرا کا طرۂ امتیاز تھی۔

انھوں نے شون کے منہ سے کپڑا نکال کر پہلے اس کا منہ بند کیا پھر عجلت میں اس کے بدن سے رسیاں کھول کر ڈنڈا ڈولی کے انداز میں تقریباً فرش پر گھسیٹتے ہوئے باتھ روم سے باہر لے آئے۔

اسٹریچر درست کر کے شون کی لاش اس پر منتقل کی گئی اور جب وہ اس کی لاش پر سر سے پیر تک چادر ڈال رہے تھے تو جوڈی وائپر سنبھال کر باتھ روم میں داخل ہوگئی تاکہ اس کی دھلائی کر سکے۔

"آگے چل کر دروازہ کھولو۔" ان میں سے ایک نے ہم سے کہا۔ سلطان شاہ آگے بڑھ گیا اور وہ دونوں اسٹریچر اٹھا کر اس کے پیچھے چل دیے۔

مجھے اپنا دل ایک دم بوجھل سا محسوس ہونے لگا۔ خون میکارتھی کے روپ میں ایک خطرناک بلیک میلر ختم ہوگیا تھا جو عمر لوگوں سے ان کی کمزوریوں کی بھاری قیمت وصول کرتا رہا اور اس کی ایسی ہی ایک کوشش آخرکار اس کی زندگی کے خاتمے کا سبب بن گئی۔ اس نے عمر بھر جو کچھ جوڑا تھا وہ یوں ہی دھرا رہ گیا تھا اور وہ یوں اچانک اپنے سفرِ آخرت پر روانہ ہوگیا تھا کہ اس کے قریب ہونے کے باوجود مجھے اس کی موت کا احساس نہیں ہو سکا تھا۔

بس وہ انسان کی زندگی تھی۔ پانی کے ایک بلبلے کی طرح جس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا کہ وہ کتنی دیر تک پانی کی سطح پر تیرتا رہے گا اور پھر پھٹ کر پانی میں فنا ہو جائے گا۔ وہ میری زندگی کا ایک عجیب سا لمحہ تھا۔ زندگی کی بے ثباتی اچانک یوں ذہن پر نقش ہوئی تھی کہ میں خود کو اداس اور مضمحل محسوس کرنے لگا۔

شون نے مجھے اور سلطان شاہ کو گھیرنے کی کوشش میں اپنی جان کی بازی ہار دی تھی اور غزالہ پاکستان سے کاؤنٹری اور پھر ہیشام تک جگہ جگہ دشمنوں کے نرغے میں آتی رہی تھی۔ وہ کب تک بچتی رہے گی؟ اس سوال کا جواب کوئی نہیں دے سکتا تھا۔ کوئی بھی فیصلہ کن لمحہ اس کی زندگی کا آخری لمحہ ہو سکتا تھا۔

مجھے وحشت ہونے لگی اور میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ میل نرس ویرا کے بھیجے ہوئے تھے اور شاید مجھے اس کا بتا سکتے تھے۔ میں تیزی کے ساتھ نکاسی کے راستے کی طرف لپکا مگر فلیٹ سے نکلتے ہی میرے قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے۔

دونوں میل نرس شون میکارتھی کی لاش سمیت عمارت سے جا چکے تھے اور سامنے سے ویرا سلطان شاہ کے ساتھ چلی آرہی تھی۔

مجھے احساس ہوا کہ اگر کوئی بھی خواہش، خلوصِ نیت کے ساتھ دل کی گہرائیوں سے کی جائے تو وہ ضرور پوری ہوتی ہے ورنہ اس وقت ویرا کی آمد کی کوئی اُمید نہیں تھی کیونکہ اس سے ذرا ہی دیر پہلے فون پر میری بات ہوئی تھی اور مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ بھی ایمبولینس کے تقریباً ساتھ ہی آپہنچے گی۔

اس وقت اس کے جسم پر شوگر کوئین والا پُراسرار سیاہ لبادہ نہیں تھا اور وہ عام شہری لباس میں ایک دلکش انگریز حسینہ نظر آرہی تھی۔

میں نے فلیٹ سے باہر ہی خاموشی مگر گرمجوشی کے ساتھ اس کا استقبال کیا جو عملی اعتبار سے اسی منزل پر شمار ہوتا تھا۔ جس کی بنا پر آج کل ملکہ برطانیہ شہزادی ڈیانا کو تادیب کرتی نظر آتی ہیں جب کہ لیڈی ڈیانا بے چاری اس معاملے میں بڑی مجبور نظر آتی ہے۔ ان کی ساری معاشرتی اقدار جوان نسل کو اپنے جذبوں کے بھرپور اور سرِعام اظہار پر اکساتی ہیں پھر بھلا پُرجوش جوانوں کے استقبالی ہجوم میں سے گزرتے ہوئے بے چاری ڈیانا کہاں تک اپنے لب و رخسار کو ان کی والہانہ زد سے بچا سکتی ہے۔ اس صورتِ حال کا تو ایک ہی حل ہے کہ وہ ایسی بھیڑ بھاڑ میں جانا ترک کردے یا اپنے زندگی سے بھرپور چہرے اور مسکراتی نگاہوں میں عمر رسیدہ لوگوں کے تاثرات پیدا کرلے تاکہ عقیدت مند سر جھکائے محض ہتھیلی کی دستانہ پوش پشت پر بوسہ دے کر پیچھے ہٹ جائیں۔

مگر ویرا نہ شہزادی تھی نہ اسے کسی مادرِ معظم کی طرف سے پھٹکار پڑنے کا اندیشہ تھا لہٰذا اس نے دل سے میری اس پیش قدمی کی قدر کی اور ہم دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے فلیٹ کی طرف ہولیے۔ سلطان شاہ بُرا سا منہ بناتے ہوئے ہم سے چند قدم پیچھے رہ گیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ میرا رویّہ اسے پسند نہ آیا ہوگا لیکن میں ویرا سے فون پر ہونے والی گفتگو کی روشنی میں اُسے پوری طرح رام کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

اپنے غیر یقینی رویّے اور سرد مہری کی بنا پر وہ کئی بار ناقابلِ برداشت محسوس ہونے لگتی تھی لیکن مجھے اس کے خلوص پر ذرا بھی شبہ نہیں تھا۔ اگر وہ میری مدد کرنے پر آمادہ نہ ہوتی تو میں لاہور ریلس لائیڈ زکا ٹیج کو تباہ و برباد کرنے میں ہرگز کامیاب نہ ہوتا بلکہ شی کے گرگے نہایت آسانی کے ساتھ مجھے اس تہ خانے میں زیر کر کے اپنا قیدی بنا لیتے پھر ہیشام میں شون میکارتھی کے مکان میں مَیں سو فیصدی اس کے رحم و کرم پر تھا۔ ہم دونوں اسلحہ بدست ایک دوسرے کے مقابل آگئے تھے نہ وہ مجھے پہچان سکی تھی نہ میں اُسے پہچان سکتا تھا۔ اُسے شی کے بڑوں کی طرف سے ایک اہم مہم کا سربراہ بنا کر ہیشام بھیجا گیا تھا جہاں اسے ہر قیمت پر شون میکارتھی سے ایک قیدی وصول کرنا تھا جس کا ایک ہاتھ بری طرح زخمی تھا۔

میں نے اُسے آواز سے پہچانا تو اس نے بھی مجھے شناخت کرلیا اور فوری طور پر سمجھ گئی کہ نادانستگی میں وہ میری ہی خریدار بن کر وہاں تک آئی تھی۔ اس وقت باہر اس کے دو مسلح ساتھی پوری طرح چوکنے تھے، ایک غالباً مر چکا تھا اور وہ مجھے نشانے پر لے چکی تھی مگر اس نے صورتِ حال کی نزاکت بھانپتے ہی شی سے بغاوت کا خفیہ فیصلہ کرلیا اور اپنے خون آشام ساتھیوں کو ایک طرف سمیٹ کر مجھے عقبی راستے سے فرار ہونے کا موقع فراہم کردیا۔ اس نے اپنی ذات کو لاحق ہونے والے کسی بھی خطرے کی پروا کیے بغیر فرار کے لیے اپنی گاڑی کی چابی مجھے سونپ دی تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ میرے دل میں اس کے ان اقدامات کے لیے بڑی قدر تھی جبکہ سلطان شاہ لڑکیوں، خصوصاً سفید فام لڑکیوں کے بارے میں اس وقت تک نرا قدر ناشناس تھا اور اس بارے میں میرے ہر عمل کو شبے کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اسے ابتدا ہی سے یہ وہم تھا کہ ویرا غزالہ کو دانستہ مجھ سے دور رکھ کر مجھے اپنی ذات کے سحر میں گرفتار کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

فلیٹ میں داخل ہو کر ویرا دروازہ بند کرنے کے لیے لمحہ بھر کو جھکی تھی مگر اپنے پیچھے سلطان شاہ کی موجودگی کا احساس کرتے ہی آگے بڑھ گئی۔

"یہ بھی عجیب ہی کیرکٹر پالا ہوا ہے تم نے۔" اس نے ہنستے ہوئے انگریزی میں ایسے لب و لہجے میں کہا کہ مفہوم شاید سلطان شا

کے پلے ہی نہ پڑ سکا ہوگا۔

"بڑی عجیب قوم سے تعلق ہے اس کا؟" میں نے گہری سنجیدگی اور عقیدت کے ساتھ انگریزی میں ہی کہا۔ "جیسے دوست کہہ دیتے ہیں اس کے لیے اپنا لہو تک بہانے سے دریغ نہیں کرتے اور دشمن کو پاتال میں بھی زندہ نہیں چھوڑتے۔ وہ مجھے اس قدر عزیز رکھتا ہے کہ درمیان میں تمھارے وجود کو بھی نظر انداز نہیں کر پاتا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ رات کو بھی تم دونوں ایک ہی بستر میں سوتے ہو۔" اس نے انگریزی میں ہی طنز کیا۔

"بس یہی ایک کمی ہے ورنہ اسی شوق کی بنا پر تمھارے دارالامراء کی رکنیت مل جاتی۔" میں نے اپنی معلومات کے سہارے اس کی دکھتی رگ پر وار کیا جو کارگر رہا۔

"قانون سازی ذاتی مشاغل سے بالا ہوتی ہے..." اس نے پُراحتجاج لہجے میں کہنا چاہا لیکن میں نے سرد مہری کے ساتھ اس کی بات کاٹ دی۔

"یہ سب انھیں بتانا جو حالاتِ حاضرہ سے بے خبر رہتے ہیں۔ مجھے ان لارڈز کے نام تک یاد ہیں جنھوں نے ذاتی تجربات کی بنا پر اس قانون کی حمایت کی تھی۔"

"تم ایسی باتوں پر ضرورت سے زیادہ حساس اور جذباتی ہو جاتے ہو۔" وہ پھیکے لہجے میں بولی۔ "مجھے پتا نہیں کہ سلطان شاہ کس نسل سے تعلق رکھتا ہے ورنہ افغانوں کے بارے میں میرے تجربات بہت تلخ ہیں۔ تم ان کے درمیان اسی وقت محفوظ رہ سکتے ہو جب خود کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دو۔ ذاتی حفاظت یا مال اسباب کی نگرانی اپنے ذمے لینا مصائب کو دعوت دینے کے برابر ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں یہ لوگ چیلنج سمجھ کر شب خون مارتے ہیں یا چوری کرتے ہیں۔"

"اوّل تو سلطان شاہ افغان نہیں ہے اور اگر ہو بھی تو میں تم کو افغانوں پر اتھارٹی تسلیم نہیں کرتا۔ تمھیں دیکھ کر تو احمق اور سادہ لوح آدمی بھی مشتعل ہو سکتے ہیں۔"

"اپنی طاقت سے مرعوب کر کے تم ان سے جو کام چاہو لے سکتے ہو۔" اس نے میرے تبصرے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "تاریخ گواہ ہے کہ ہندوستان پر جتنے حملے درۂ خیبر کے راستے ہوئے اتنے دوسری سمتوں سے مجموعی طور پر نہیں ہوئے اور افغانوں نے ہر حملہ آور کی پذیرائی کی تھی۔"

"یہ آج افغان دشمنی کیوں سوار ہو رہی ہے تم پر؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"تاریخ خود کو دُہرانے جا رہی ہے۔" وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ "آج وہ روسیوں کی میزبانی کر رہے ہیں اور روسی وہاں جم کر اپنی قوت اور ممکنہ مزاحمت کا اندازہ لگا رہے ہیں اور جس دن انھوں نے ستارے موافق پائے، وہ بحرِ ہند کی طرف چل پڑیں گے۔"

میں آہستگی سے ہنس پڑا اور میرے ذہن میں سے اقوام [illegible] کانفرنس کی یاد تازہ ہو گئی جو انسدادِ منشیات کے سلسلے میں [illegible] ڈاکٹر ڈیسلر کی صدارت میں کراچی میں منعقد ہوئی تھی۔ انٹرنیشنل کنٹرول بورڈ کے اس اجلاس میں دنیا بھر کے نمائندے [illegible] تھے اور وہیں پہلی بار یہ انکشاف ہوا تھا کہ پاکستان کے پسماندہ اور ناخواندہ قبائل کو ہیروئن کی تیاری میں مدد دینے کے لیے [illegible] ایک انگریز لڑکی کے ذریعے ایک لاکھ مارک کے خطیر معاوضے [illegible] ڈاکٹر پی جے ڈالٹن نامی ایک جرمن کیمسٹ مومن خان تک [illegible] گیا تھا اور پھر اس کے کچھ دنوں بعد نہایت سرعت کے ساتھ ہیروئن پہاڑوں سے نکل کر قریے قریے میں پھیلتی چلی گئی۔

اسی کانفرنس میں امریکن بیورو آف نارکوٹکس اینڈ ڈینجرس ڈرگس کے نمائندے سبجے آرتھر نے اس خطے میں ہیروئن کی [illegible] تیاری اور استعمال کی ایسی بھیانک تصویر کشی کی تھی کہ سارے مندوبین دم بخود رہ گئے تھے۔ اس کی اطلاعات کے مطابق روسی اپنے [illegible] کے ذریعے افغان حکومت کے مخالفین کو ہیروئن فروشی کے ذریعے سرمایہ حاصل کرنے کی کامیاب ترغیب دے رہے تھے تاکہ [illegible] عالمی برادری میں بدنام کر کے ہر بیرونی حمایت سے محروم کر سکیں۔ شاید اسی کانفرنس کے بعد امریکی حکومت کے ذمے داروں نے افغان تحریکِ مزاحمت کی ضروریات کا صحیح ادراک کرتے ہوئے ان کی مالی اور فوجی امداد میں بیش بہا اضافے کیے تھے لیکن بعد از [illegible] کیے گئے وہ اقدامات ہیروئن کے سیلاب کے سامنے کوئی بند نہ [illegible] سکے اور مردان و صوابی وغیرہ کے علاقوں میں افیم بدستور نفع بخش فصل کے طور پر کاشت ہوتی رہی۔ ان خطوں میں افیم وہ واحد فصل تھی جو زمین میں بوائی ہوتے ہی پیشگی نقد داموں پر فروخت ہو جاتی تھی کیونکہ لیبارٹری میں تیار کیا ہوا اسی کا ایک الکلائیڈ ہیروئن کے [illegible] سے منہ مانگے داموں پر فروخت ہوتا تھا۔

جو کچھ میں نے اس کانفرنس میں حیرت سے سُنا تھا وہ [illegible] اب ویرا اطمینان سے بتا رہی تھی۔

"میں نے سنا ہے کہ پاکستان کی سرزمین پر ہیروئن کی [illegible] لیبارٹری تم نے قائم کرائی تھی؟" میں نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟" اس نے تحیر آمیز لہجے میں [illegible]

"مجھے پتا چلا ہے کہ مومن خان کے لیے ڈاکٹر ڈالٹن کی خدمات تم ہی نے حاصل کی تھیں۔"

"میں نہ کرتی تو وہ کام کسی اور کو سونپ دیا جاتا لیکن مجھے [illegible] ہے کہ یہ بات تمھیں کیسے معلوم ہوئی۔ میں نے پوری طرح راز داری سے اپنا کام سرانجام دیا تھا۔"

"اس کا مطلب ہوا کہ پاکستان میں شی روسی مفادات کے لیے کام کر رہی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"جرائم کی دنیا کا ایک اپنا ضابطہ ہوتا ہے۔ وہاں نہ سیاست چلتی ہے نہ اخلاقیات پر غور کیا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ روسیوں کی کوئی بہت بڑی ڈیل رہی ہو۔"

"پاکستان میں بیٹھ کر تو یہ مقامی مجرموں کی کوئی بڑی کارروائی نظر آ رہی تھی۔ اب شی کا چہرہ ذرا بے نقاب ہو رہا ہے۔ مجھے شبہ تک نہیں ہو سکا تھا کہ ہم روسیوں کے لیے کام کر رہے تھے۔"

وہ تلخ انداز میں ہنسی۔ "روسیوں اور امریکیوں کو بھول جاؤ۔ شی صرف اقتدار اور پیسے کے لیے کام کرتی ہے۔ ایران کے خلاف نہ جانے کہاں کہاں شی امریکی مفادات کے لیے کام کر رہی ہے اور اس کے تمام پروجیکٹ بہت کامیابی سے چل رہے ہیں۔"

"پھر پاکستان میں اسلحے کی اسمگلنگ کا کیا جواز تھا؟" میں نے لائیڈز کاٹیج کے تہ خانوں میں موجود اسلحے کے ذخائر کو یاد کرتے ہوئے سوال کیا۔

"تمھارے ملک میں منظم پیمانے پر عدم تحفظ کا احساس اُبھارا جا رہا ہے۔ پبلک مقامات پر ہلکے بھاری بموں کے دھماکوں کا مقصد کسی خاص فرد یا عمارت کو نشانہ بنانا نہیں ہوتا۔ جن کی موت آ چکی ہوتی ہے، وہ زد میں آ جاتے ہیں ورنہ اصل مقصد خوف و ہراس پھیلانا ہوتا ہے اور یہ کام باقاعدہ وقفوں سے چل رہا ہے۔"

"لیکن اس سے فائدہ کسے پہنچ رہا ہے؟"

"فائدہ بعد میں پہنچے گا، پہلے تو تمھاری قومی یکجہتی اور اعتماد میں دراڑیں ڈالنا ہیں۔ ان دھماکوں کے نتیجے میں افغان مہاجرین کے خلاف نفرت عام طور پر بڑھی ہے۔ ہر واردات کے بعد مقامی پیمانے پر شورشوں کا سلسلہ بھی چل نکلا ہے۔ لوگ غیر قانونی طور پر اسلحہ حاصل کرنے کے جنون میں بھی مبتلا ہو رہے ہیں۔ حالات کو رفتہ رفتہ ایک ایسی نہج پر ڈالا جا رہا ہے کہ ایک دن سب کچھ بکھر کر رہ جائے گا اور مغربی سرحدوں سے آنے والوں کو کوئی نہ روک سکے گا۔"

"خدا سے ڈرو ویرا!" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "تم کتنی بے تکلفی کے ساتھ میرے سامنے یہ سب بکواس کیے جا رہی ہو۔"

"تم چاہو تو اپنے کان بند کر سکتے ہو۔" اس نے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔ "میرے خاموش رہنے یا تمھارے کان بند کر لینے سے حالات نہیں بدل سکتے۔ وقت کا دھارا بہت بے رحم ہوتا ہے۔ ہاتھیوں کی جنگ میں اگر چوہے بھی کود پڑیں تو نتائج کا اندازہ لگانے کے لیے کسی غیر معمولی ذہانت کی ضرورت نہیں ہوتی۔"

وہ جو کچھ کہہ رہی تھی وہ اس کے قیاسات تھے لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ ہمارے جو لوگ فیصلوں کے ذمے دار تھے، ان کی نگاہوں کی رسائی دور تک تھی۔ وہ ویرا سے زیادہ ذہین اور دور بین تھے اور انھوں نے اپنی سرزمین کے خلاف ہر بد نگاہی کا سدِباب کیا ہوا تھا ورنہ پچھلے پانچ برسوں میں ہونے والی معرکہ آرائیاں بہت آسانی کے ساتھ پہاڑوں کے اس پار منتقل ہو سکتی تھیں۔

ویرا مزاج کے اعتبار سے کینہ پرور نہیں تھی لیکن اس وقت وہ جو کچھ بک رہی تھی، وہ میرے ذہن کے لیے قابلِ قبول نہیں تھا لہٰذا میں نے اس مرحلے پر خاموشی کو بہتر سمجھتے ہوئے خود کو سگریٹ سلگانے میں مصروف کر لیا اور وہ وائن کیبنٹ کی طرف بڑھ گئی۔

اسی اثنا میں جوڈی اپنے لباس پر ایپرن باندھے اور ہاتھ میں وائپر سنبھالے غسل خانے سے بڑبڑاتی ہوئی برآمد ہوئی مگر ویرا پر نگاہ پڑتے ہی مشینی انداز میں خاموش ہو گئی۔

"گڈ ایوننگ مادام!" اس نے اپنے سر کو قدرے خم دے کر کہا اور مجھے اندازہ ہو گیا کہ ویرا سے اس کی روح فنا ہوتی تھی۔

"ایوننگ جوڈی!" ویرا نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "مجھے اُمید ہے کہ تم نے میرے ان مہمانوں کا پوری طرح خیال رکھا ہوگا؟"

جواب میں جوڈی نے اچانک ہی کوئی ایسی زبان بولنا شروع کر دی جو میرے لیے بالکل لایعنی تھی مگر ویرا انہماک سے اس کی تقریر سنتی رہی۔ اس دوران میں پل بھر کے لیے بھی اس کی نظریں جوڈی کے چہرے پر سے نہیں ہٹی تھیں اور اس کے خاموش ہونے پر خود بھی اسی زبان میں شروع ہو گئی۔

ان دونوں کے اجنبی زبان میں گفتگو کرنے کی وجہ سے مجھے اُلجھن ہونے لگی تھی کیونکہ جوڈی نے جو کچھ کہا وہ ہماری مہمانداری کے بارے میں ویرا کے سوال کے جواب میں تھا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ شاید جوڈی کو ہم دونوں سے کچھ شکایات تھیں جنھیں وہ ویرا کے علم میں لا رہی تھی۔

"کہیں تم اس بڑھیا پر عاشق ہونے کی کوشش تو نہیں کر بیٹھے تھے؟" میں نے سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہو کر اردو میں سوال کیا۔

"لاحول ولا قوۃ۔" سلطان شاہ نے جھنا کر برا سا منہ بنایا۔ "اتنا بدذوق نہیں ہوں۔ جیب میں پیسے ہوں تو اس شہر میں تنہائی دور کرنے کے لیے من پسند رفاقتیں خریدی جا سکتی ہیں۔ اس بڑھیا میں کیا رکھا ہے۔"

اسی اثنا میں جوڈی چلی گئی اور ویرا اسکاچ کے دو گلاس لیے مسکراتی ہوئی ہمارے قریب آ بیٹھی۔ "وہ فرنچ میں تمھاری شکایت نہیں کر رہی تھی بلکہ مجھے ان لوگوں کے بارے میں بتا رہی تھی جو میری عدم موجودگی میں میرے لیے یہاں فون کرتے رہے تھے۔"

"شکایت کر کے بھی کیا بگاڑ لیتی؟" میں نے اپنا گلاس اُٹھا

کر ویرا کے گلاس سے ہولے سے ٹکراتے ہوئے کہا۔ "جب تک تم راضی ہو اس بارے میں، ہمیں فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

طلائی رنگ سیال میں برف کے ٹکڑے گھل رہے تھے اور ہم دونوں آہستہ آہستہ اس سیال کو اپنے معدوں میں منتقل کر رہے تھے۔ سلطان شاہ بے نیازی کے ساتھ صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ ویرا کی آنکھیں کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں اور میں خود گزرے ہوئے حالات پر غور کر رہا تھا۔

تنظیم میں میری شمولیت سے اس وقت تک بے شمار واقعات گزر چکے تھے۔ میں نے جس کام کو ایک مقامی اور منظم گروہ سے منسلک سمجھ کر قبول کیا تھا، اس کی جڑیں بتدریج سامنے آئی تھیں۔ پہلے تنظیم کی ملک گیر سرگرمیاں بے نقاب ہوئیں پھر بین الاقوامی روابط سامنے آئے، اسی کے ساتھ یہ عقدہ بھی کھلا کہ ہیروئن کی غیر قانونی برآمد کے ساتھ تنظیم پاکستان میں اسلحہ کی اسمگلنگ میں بھی پوری طرح ملوث تھی اور اب لندن میں ویرا کی وجہ سے مزید سنسنی خیز انکشافات ہو رہے تھے کہ شی مجرموں کا کوئی محدود ٹولا نہیں تھا بلکہ وہ مجرموں کی ایک عالمگیر تنظیم تھی جو منشیات اور اسلحے کی اسمگلنگ سے لے کر مختلف ملکوں کے سیاسی مفادات کے لیے بھی غیر قانونی سرگرمیاں انجام دیتی تھی۔

ایک دور میں میں خود پاکستان میں شی کا بہت اہم اور باخبر کارندہ رہا لیکن میرے فرشتوں کو بھی اصل کھیل کی ہوا نہ لگ سکی میری ساری توجہ بس ان بدنصیبوں پر مرکوز رہی جو شدید معاشرتی دباؤ یا ترغیب کے تحت ہیروئن کے عادی بنائے جاتے تھے اور پھر اپنے تمام اثاثے برباد کر کے دردناک موت کی دلدل میں دھنستے چلے جاتے تھے جب کہ فی الحقیقت وہ صرف ایک محاذ تھا۔ ملک کے خلاف تخریب اور دشمنی کی کارروائیوں کے کئی اور محاذ بھی کھلے ہوئے تھے جن میں بظاہر کوئی تعلق نہیں تھا لیکن ہر طرف کام کرنے والے ذہن مشترک تھے۔

اس ہولناک تخریبی سازش میں میرا کردار خاصا شرمناک رہا تھا لیکن مجھے خوشی تھی کہ غزالہ کی ذات کا سہارا ملنے کے بعد میں نے نہ صرف ان کارروائیوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی بلکہ تنظیم کو پاکستان میں ناقابلِ تلافی نقصانات بھی پہنچائے تھے لیکن اس جانگسل مقابلے میں غزالہ میری دسترس سے اس طرح نکلی تھی کہ اب وہ ایک موہوم سا چھلاوا بن کر رہ گئی تھی جس کے بارے میں میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ وہ کب کہاں ہوگی۔ برطانیہ کی سرزمین پر لہو کے پیاسے اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے، یہ اس کی خوش بختی تھی کہ وہ اب تک ہر وار سے خود کو بچاتے ہوئے روپوشی اختیار کرنے میں کامیاب ہوتی چلی آئی تھی لیکن میں جانتا تھا کہ پیشہ ور مجرموں کی چار طرفہ یلغار کے سامنے وہ زیادہ دیر تک اپنا کامیاب دفاع نہ کر سکے گی پھر اس کے ساتھ جو کچھ ہوتا اس کا تصور ہی میرے لیے لرزہ خیز تھا۔

دوسری طرف میں خود خطرات میں گھرا ہوا تھا۔ پاکستان میں داؤد نے برطانیہ پہنچ کر شی کے بڑوں کو نہ صرف میرے زندہ ہونے کا یقین دلا دیا تھا بلکہ انھیں یہ بھی باور کرا دیا تھا کہ میں برطانیہ ہی میں موجود تھا اور ویرا کے ساتھ مل کر شی کے مفادات کے خلاف کام کر رہا تھا گو داؤد جہنم واصل کر دیا گیا تھا لیکن اس کی لگائی ہوئی آگ بدستور بھڑک رہی تھی۔ گروپ نائین کے سفاک قاتلوں کی ٹولیاں شہر میں میری بُو سونگھتی پھر رہی تھیں اور شاید وہ یہ اندازہ بھی لگا چکے تھے کہ ان کے ایک ساتھی کو قتل کرتے ہوئے جس قاتل کا دایاں ہاتھ ٹوٹے ہوئے شیشے سے زخمی ہوا، وہ میں ہی تھا۔ اس پورے کھیل میں ویرا فائدے میں رہی تھی۔ شی والوں سے ٹھن جانے کے بعد بھی اسے محض اس وجہ سے معافی مل گئی تھی کہ وہ جمی لائیڈ کی بیٹی تھی اور میں اس قابل بھی نہیں رہا تھا کہ بے خوف ہو کر اپنے طور پر غزالہ کو تلاش کر سکوں۔

"اب تمھیں چند روز تک اسی فلیٹ کی چار دیواری میں محدود رہنا ہوگا۔" کافی دیر کے پُرخیال سکوت کے بعد ویرا نے اپنے گلاس میں بچے ہوئے سیال کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"محدود تو خیر کیا رہوں گا؟ دو چار روز کے لیے سب کچھ بھول کر تفریح کرنے کا ارادہ ہے کیونکہ گلفورڈ کے کریڈٹ کارڈ پر ابھی تک میں نے ایک پینی بھی خرچ نہیں کی ہے۔" میں نے کہا۔

"اچھا ہوا کہ تم نے خود ہی یاد دلا دیا۔" وہ چونک کر بولی۔ "وہ کارڈ اب ہرگز استعمال نہ کرنا۔ داؤد کی بدمعاشیوں کے نتیجے میں ان لوگوں نے وہ کریڈٹ کارڈ منسوخ کرا دیا تھا بلکہ وہ کارڈ اور اس سے متعلقہ شناختی کاغذات اب ضائع ہی کر دو۔"

"اتنی اہم بات تم مجھے اب بتا رہی ہو؟" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ابھی کچھ اس سے بھی اہم باتیں باقی ہیں۔" اس نے اپنے لب تر کرتے ہوئے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "اس وقت میں تفریحاً تمھارے پاس نہیں آئی ہوں۔"

"حالانکہ اس سے زیادہ دلچسپ تفریح میسر آنا مشکل ہے۔" سلطان شاہ نے پہلی مرتبہ گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اوہو! تمھاری گویائی بھی بحال ہے۔" ویرا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے خوش دلی کے ساتھ کہا۔ "میں تو سمجھی تھی کہ کسی صدمے سے تمھاری زبان ہی بند ہو گئی ہے۔"

اس سے پہلے کہ ان دونوں کے درمیان مزید تلخ فقروں کا تبادلہ ہوتا میں نے دخل اندازی کرتے ہوئے وہ سلسلہ وہیں روک دیا۔ "سلطان سے اُلجھنے کے بجائے اگر تم کام کی بات شروع کر دو تو زیادہ بہتر ہوگا۔"

"قتل کی پے در پے وارداتوں نے پولیس والوں کو بوکھلا کر رکھ دیا ہے کیونکہ کہیں سے بھی قاتل یا قاتلوں کے بارے میں کوئی قابلِ ذکر سراغ نہیں ملا۔ لے دے کر بس یہی اندازہ لگایا جا سکا ہے کہ آخری واردات کے مجرم کا ایک یا دونوں ہاتھ زخمی ہوئے ہیں۔ اس نظریے کی تصدیق کارپٹ میں گرنے والے تمھارے خون کے تجزیے سے بھی ہو گئی ہے کیونکہ وہ مقتول کے خون سے بالکل مختلف ہے۔"

"یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، میرے علاوہ تمھیں بھی اندازہ تھا کہ ایسا ضرور ہوگا۔"

"اور اب پولیس پوری مستعدی کے ساتھ قاتل کی تلاش میں ہے۔ میری اطلاع کے مطابق دو تین ایسے افراد بھی بازپرس کے لیے حراست میں لیے جا چکے ہیں، جن کے ہاتھوں پر کسی گھریلو کام یا پیشہ ورانہ مصروفیات کے دوران کچھ معمولی زخم آئے ہوئے تھے، انھیں خون کے تجزیے کے بعد ہی رہائی نصیب ہو سکی۔"

"یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں پولیس کی آنکھوں میں دھول جھونک کر لندن سے ہیشام تک کا دو طرفہ سفر کر کے بخیر و عافیت یہاں آ گیا۔ شاید دو تین روز میں میرے ہاتھ کے زخم بھی بھر جائیں گے۔"

"میں بھی یہی کہنا چاہ رہی تھی کہ زخم بھرنے تک تمھیں اسی فلیٹ میں محدود رہنا ہوگا۔"

"کیا یہی وہ اہم بات ہے جس کے لیے تم یہاں دوڑی آئی ہو؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"خوب!" وہ اٹھلا کر بولی۔ "اتنا ہی احمق سمجھا ہوا ہے تم نے مجھے؟"

"پہیلیاں تو اسی طرح بجھوا رہی ہو جیسے خود کو کم سنوں میں شمار کرانے کا شوق ہو۔"

"ویلنگٹن آرکیڈ کے ایک صرّاف نے آج تمھارے خلاف ڈکیتی کی باقاعدہ رپورٹ درج کرائی ہے۔" وہ میری طرف جھک کر آہستگی کے ساتھ بولی اور میرے وجود میں سنسنی سرایت کر گئی۔

"لندن کے کسی صرّاف کو مجھ سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟"

"وہ صرف صرّاف ہی نہیں شی کا ہرکارہ بھی ہے۔ یہ رپورٹ یقیناً اوپر والوں کے ایما پر درج کرائی گئی ہے۔" ویرا نے اپنا گلاس خالی کرتے ہوئے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"تو انھیں پورا یقین ہو گیا ہے کہ میں نہ صرف زندہ ہوں بلکہ لندن میں ان کے خلاف ہونے والی کارروائیوں میں بھی میرا ہی ہاتھ ہے۔" یہ کہتے ہوئے اچانک ہی مجھے ایک نکتہ سوجھا اور میں ویرا سے سوال کر بیٹھا۔ "رپورٹ میرے خلاف کیسے ہو سکتی ہے۔ آخر اس صرّاف نے رپورٹ میں میرا نام کیسے درج کرایا ہوگا؟ ڈاکو واردات سے پہلے اپنا تعارف تو کہیں بھی نہیں کراتے؟"

"یہی تو اس پوری کہانی کی جان ہے۔" وہ ایک گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔ "رپورٹ کسی نامعلوم مسلح ڈاکو کے خلاف لکھوائی گئی ہے جو فرار ہوتے ہوئے بے خبری میں اپنا پرس صرّاف کی دکان میں پھینک گیا تھا، اس پرس میں سے معمولی رقم اور چند بے مقصد کاغذ کے پُرزوں کے علاوہ تمھاری ایک تصویر بھی برآمد ہوئی ہے لہٰذا اب پولیس اس تصویر والے کی تلاش میں ہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ پولیس والوں نے ڈکیتی کی اس بودی کہانی پر یقین کر لیا۔"

"یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ بھی ہونا چاہیے تھی۔ کیا کمی ہے اس کہانی میں؟"

"میں نے سنا ہے کہ یہاں کی بیشتر دکانیں اینٹی برگلری الارم سسٹم سے منسلک ہوتی ہیں، آخر دکاندار نے وہ الارم استعمال کیوں نہیں کیا پھر میں ویلنگٹن آرکیڈ کے محل وقوع سے تو واقف نہیں لیکن وہ ضرور لندن کا کوئی بارونق علاقہ ہوگا، وہ دکاندار ڈکیتی کے گواہ کہاں سے پیش کرے گا؟"

وہ یوں ہنسی جیسے میں نے کوئی احمقانہ بات کہہ دی ہو۔ "تم شی کے اندر رہنے کے باوجود یہ سب کہہ رہے ہو۔ رپورٹ درج کرانے سے پیشتر اس دکان پر عملاً ساری کارروائی کی گئی تھی۔ قرب و جوار کے لوگوں نے اس صرّاف کے یہاں سے ایک آدمی کو تھیلا اٹھائے عجلت میں ایک کار کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ اس نے ہیٹ ماتھے پر جھکایا ہوا تھا اور اسٹر کے کالر کھڑے کیے ہوئے تھے۔ اس لیے کوئی اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔ ایک پڑوسی اپنے تجسس سے مجبور ہو کر صرّاف کی دکان میں داخل ہوا تو وہاں اودھم برپا ہو گیا صرّاف کاؤنٹر کے پیچھے اپنی نشست سے نیچے بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ تجوری کھلی ہوئی تھی اور وہیں ڈاکو کا پرس پڑا ہوا تھا۔ پولیس اور ایمبولینس کو پڑوسیوں نے طلب کیا تھا۔ صرّاف نے بعد میں ہوش میں آ کر اپنا بیان درج کرایا۔ وہ اس علاقے کا چھوٹا سا صرّاف ہے اس لیے اس نے کبھی الارم لگوانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ اس واردات میں وہ دس ہزار پاؤنڈ نقد اور بائیس ہزار کے زیورات سے محروم ہوا ہے۔"

"پوری طرح سوچ سمجھ کر رپورٹ درج کرائی گئی ہے۔" میں نے ہولے سے سیٹی بجاتے ہوئے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ وہ مجھے ہر طرف سے گھیرنے پر تُل گئے ہیں۔"

"صرّاف کا بیان ہے کہ ڈاکو نے دکان میں داخل ہوتے ہی اس کے منہ پر کوئی زود اثر ٹھنڈا سیال پھینکا تھا اور وہ اس کی صورت دیکھے یا کوئی آواز نکالے بغیر آناً فاناً میں ڈھیر ہو گیا۔" ویرا بولی۔ "میری

زندگی میں یہ پہلا موقع ہے کہ شی نے اپنے کسی حریف کو زیر کرنے کے لیے پولیس کا سہارا لیا ہے۔"

"آخر تم نے یہ نتیجہ کیسے اخذ کر لیا؟ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ ڈکیتی کی کوئی حقیقی واردات رہی ہو تم کس بنا پر اس واقعے کو مجھ سے منسوب کر رہی ہو؟"

"ڈاکو کے پرس سے برآمد ہونے والی تصویر شام کے اخبارات نے نمایاں طور پر شائع کی ہے میں تمہاری وہ تصویر دیکھ کر ہی چونکی تھی پھر باقی معلومات حاصل کرنا زیادہ دشوار نہیں تھا۔ تصویر نہ دیکھتی تو میرے فرشتوں کو بھی اس قصے کا علم نہ ہو پاتا۔"

"وہ اخبار لائی ہو؟" میں نے پُرتجسس لہجے میں سوال کیا۔

ویرا نے اپنے پرس میں سے تہ کیا ہوا دو ورقی اخبار نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے تہیں کھولیں تو پہلے ہی صفحے پر اپنی تین کالمی تصویر دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ وہ میری کم از کم دو سال پرانی تصویر تھی جس کا پس منظر دھندلا بلکہ ناقابلِ شناخت تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ میں نے پاکستان میں کبھی بھی تنظیم کے کسی اہلکار کو اپنی تصویر نہیں دی تھی جس کا مطلب تھا کہ شی کے سربرآوردہ لوگ اپنے اہم مہروں کا ریکارڈ خود ہی تیار کر کے محفوظ رکھتے تھے اور وہ تصویر ایسے ہی کسی ذخیرے سے شاید داؤد کے ذریعے پاکستان سے لندن پہنچی تھی۔

خبر کی تفصیلات وہی تھیں جو ویرا اختصار کے ساتھ مجھے سنا چکی تھی۔ نامہ نگار نے اپنی حاشیہ آرائیوں اور کئی افراد کے بیانات کے سہارے خبر کو خاصا پھیلا دیا تھا۔

"یہ تو بڑی تشویش ناک صورتِ حال ہے۔" میں نے اخبار سلطان شاہ کو دیتے ہوئے کہا جو تجسس کے عالم میں میرے قریب ہی آ بیٹھا تھا۔

"اسی وجہ سے میں خود آئی ہوں۔" وہ میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔ "میرا خیال ہے کہ اب تمھیں داڑھی رکھ لینا چاہیے کیونکہ اخباری تصویر میں تم کلین شیو ہو۔ بالوں کا انداز تو خود بخود ہی بدل چکا ہے۔ چاہو تو رنگین کانٹیکٹ لینس بھی استعمال کر سکتے ہو۔"

مجھے خوشی ہوئی کہ وہ مسئلے کے ساتھ اس کا حل بھی لے کر آئی تھی جس کی معقولیت پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا تھا۔

"مجھے خوشی ہے کہ تمھیں میری سلامتی کی اتنی فکر ہے۔" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "لیکن غزالہ کے بارے میں ابھی تک کوئی طریقۂ کار طے نہیں کر سکی ہو۔"

"اس کی تلاش پر آدمی مامور کر دیے گئے ہیں۔" اس نے پُرسکون [illegible] "مشکل یہ ہے کہ میرے پاس اس کی کوئی تصویر نہیں ہے [illegible] میرے بتائے ہوئے حلیے پر ہے۔"

"مگر جوزف میکفرسن تو اسے اچھی طرح پہچانتا ہے۔ دیکھو جائے تو اس کے لیے دشواریوں کا آغاز اسی کے گھر سے ہوا تھا تم اسے غزالہ کی تلاش پر مامور کیوں نہیں کرتیں؟"

"اس وقت اس سے دور رہنے میں ہی عافیت ہے۔ بیٹھ کالاہان اور کاؤنٹری میں دو اسکن ہیڈز کے قتل کا معاملہ ابھی تازہ ہے اور جوزف پولیس کی نگاہوں میں ہے وہ جہاں بھی جائے گا خفیہ پولیس والے اس کا پیچھا کریں گے میں اس بارے میں غور سوچ چکی ہوں۔"

"بس یہ یاد رکھنا کہ اب ہم دونوں کے گرد قانون کا حلقہ بھی تنگ ہونے لگا ہے، پولیس کے پاس سرے اور کاؤنٹری سے ملے ہوئے غزالہ کے فنگر پرنٹ موجود ہی تھے۔ اب ڈیوڈ ایولنگ کے قتل کے بعد میری جلد، ریشوں اور خون کی رپورٹ بھی پولیس کی تحویل میں آ چکی ہے۔ ان حالات میں ہم زیادہ وقت نہیں گزار سکتے۔"

"خود کو الگ کر کے نہ سوچو۔" وہ سنجیدگی کے ساتھ بولی۔ "شاید تمھیں علم نہیں کہ پولیس نے فرینکی کے ایک ساتھی کو حراست میں لیا ہے جس نے بتایا ہے کہ اپنی موت سے چند روز پیشتر فرینکی کی سرگرمیاں مشکوک ہو گئی تھیں اور وہ فون پر مختلف لوگوں سے کسی شوگر کوئین کے بارے میں گفتگو کرتا رہتا تھا۔"

بے اختیار میرے ذہن میں ڈیلی میل کی وہ چھوٹی سی خبر گھوم گئی جس کا متن ویرا کے بیان سے مطابقت رکھتا تھا۔ "بے شک تمھارا ایک خفیہ نام پولیس کے ریکارڈ پر آ گیا ہے۔" میں نے کہا۔ "لیکن یہ تمھارے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے، وہ کس طرح ثابت کریں گے کہ تم ہی شوگر کوئین کا نام استعمال کرتی رہی ہو؟"

"وہ بعد کی بات ہے۔ میں تو تمھیں یہ جتانا چاہ رہی تھی کہ میں خود بھی خطرے سے باہر نہیں ہوں۔ شی میں مجھے اپنا کھویا ہوا مقام کسی حد تک واپس مل گیا ہے لیکن باہر میرے لیے بھی خطرات پیدا ہو گئے ہیں۔"

"تمھارے یہاں بہتیرے روابط ہیں۔ تم کہیں بھی پناہ لے سکتی ہو لیکن میں تو بالکل تمھارے رحم و کرم پر ہوں۔ مجھے یہ تک معلوم نہیں کہ اچانک ضرورت پیش آ جائے تو تم سے کہاں اور کیسے رابطہ قائم کیا جا سکے گا۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے قدرے ترش لہجے میں کہا۔

"مرچیں نہ چباؤ۔ ایک آدھ روز میں میں فیئر میں اپنے فلیٹ میں منتقل ہو جاؤں گی۔ میری طویل غیر حاضری کی وجہ سے فلیٹ بہت گندا ہو رہا ہے جس کی صفائی ہو رہی ہے۔ وہاں تم کسی بھی وقت کسی کوڈ کے تحت مجھ سے رابطہ قائم کر سکو گے۔ شی میں واپسی کے بعد وہ فلیٹ میرے لیے مخدوش نہیں رہا ہے۔"

"کوڈ کی ضرورت بھی پیش آئے گی؟" میں نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

"میں نہیں چاہتی کہ تم مجھے اپنے اصل نام سے فون کرو، ہو سکتا ہے کہ کچھ عرصے تک جان میرے فون کی نگرانی کراتا رہے تم ایڈی کے نام سے اردو میں بات کر سکتے ہو لیکن الفاظ کے انتخاب میں محتاط ہی رہنا ہوگا۔"

"اور اگر اس سے پہلے ضرورت پیش آ گئی؟"

"انتہائی مجبوری کی صورت میں تم موریس سے بات کر سکتے ہو۔ اس کا نمبر جوڈی کے پاس موجود ہے۔" اس نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔ "جیکب کے قتل کے بعد اب وہی میرا دستِ راست ہے مگر جوڈی اس کی اہمیت سے بالکل بے خبر ہے۔ وہ بہت بے خوف اور جان پر کھیل جانے والا آدمی ہے۔"

"تمھارے لیے تو بے چارہ لارڈ آرتھر تک جان پر کھیل گیا۔ اس معاملے میں تو میں پہلے دن سے تمھاری صلاحیتوں کا معترف ہوں، جس مرد کو چاہتی ہو اشاروں پر نچانے لگتی ہو۔"

سلطان شاہ کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ ویرا کے ساتھ میرے مصالحانہ رویے کے بارے میں وہ ہمیشہ ہی شاکی رہتا تھا لہٰذا اس وقت میری کھری کھری باتوں سے اسے خاصی خوشی ہوئی تھی مگر فوراً ہی ویرا نے اس کی مسکراہٹ بھانپ لی اور اس کے پیچھے پڑ گئی۔

ویرا ایک تجربے کار اور منہ زور عورت تھی جو بھانت بھانت کے مردوں سے نمٹنا خوب جانتی تھی جب کہ سلطان شاہ اپنے ذاتی مزاج کی وجہ سے عورتوں سے نہ صرف دور دور رہتا تھا بلکہ ان سے گفتگو کرتے ہوئے بھی جھجکتا تھا لہٰذا ویرا سے دو چار مکالموں میں ہی اُسے پسینے چھوٹ گئے اور وہ اپنی مدافعت کرتے ہوئے اس قدر سنجیدہ نظر آنے لگا جیسے برسوں سے مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو کر نہ گئی ہو۔

مزید کچھ دیر ٹھہر کر ویرا واپس چلی گئی۔

☆☆

پیشام تک بھاگ دوڑ کی تکان کچھ اتنی عجیب اور گہری تھی کہ وہاں سے واپسی پر صبح سویرے سو لینے کے باوجود نیند پوری نہیں ہوئی اور رات کو کھانے کے بعد ایک بار پھر نیند کا شدید غلبہ ہوا اور میں سیدھا خواب گاہ میں جا کر بستر پر دراز ہو گیا۔

اسی عالم میں خوابیدہ ذہن کے کسی گوشے میں ایک گھنٹی کی تیز گونج اور میں ہڑبڑا کر بیدار ہو گیا میرا نیم خوابیدہ ذہن یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ وہ خواب تھا یا کوئی حقیقی چیخ تھی۔

میری خواب گاہ کے ادھ کھلے دروازے کے باہر راہداری میں دھیمی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور فلیٹ میں مکمل سناٹے کا راج تھا۔ میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا اور میں اپنے حواس مجتمع کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بستر پر بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا کہ طویل وقفے کے بعد اچانک فلیٹ کی محدود فضا میں ڈور بیل کی دھیمی اور مختصر سی آواز گونجی جو سناٹے میں بم کے دھماکے سے کم نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے باہر کسی نے ڈور بیل کے بٹن پر انگلی رکھ کر فوراً ہی ہٹا لی ہو۔

غیر ارادی طور پر میری نگاہ اپنی روشن ڈائل والی گھڑی پر گئی جس کی سوئیاں صبح کے پانچ بجے کا اعلان کر رہی تھیں۔ اتنی صبح گھنٹی کا بجایا جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ میرے ذہن پر چھایا ہوا نیند کا خمار فوراً ہی کافور ہو گیا اور سارے حواس یک بیک کام کرنے لگے۔

میں نے تکیے کے نیچے سے بھرا ہوا پستول نکالا اور پھرتی کے ساتھ بستر چھوڑ دیا۔ نیم روشن راہداری کو عبور کر کے میں انٹرکام کی طرف لپکا تو وہاں جوڈی مجھ سے پہلے شب خوابی کے لباس میں بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ پریشان لہجے میں انٹرکام پر ہکلا رہی تھی۔ بڑھاپے کی کچی نیند کے علاوہ اس کی خواب گاہ کا انٹرکام سے تقریباً ملحق ہونا اس کی وہاں موجودگی کا بنیادی سبب تھا۔ میری آہٹ پاتے ہی وہ ریسیور کان سے لگائے میری طرف مڑی تھی اور میں نے اس کی آنکھوں میں لرزاں خوف کے سائے واضح طور پر دیکھ لیے۔

"م... مگر آفیسر! یہاں سب خیریت ہے.... تم یہاں کیوں آنا چاہتے ہو؟" اس کی زبان سے بدقت تمام ٹوٹے پھوٹے الفاظ ادا ہوئے تھے۔

اس کی زبان سے آفیسر کا لفظ سن کر میں چونکا تھا پھر جوڈی نے دوسری طرف کا جواب سنتے ہوئے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر سرگوشیانہ لہجے میں کہا تھا۔ "پولیس آ گئی ہے۔"

مجھ پر اضطراری کیفیت طاری ہو گئی۔ میرے لیے وہ بدترین صورتِ حال تھی جس سے فرار کی کوئی راہ سامنے نہیں تھی میں نے فضا میں ہاتھ لہرا کر جوڈی کو اشارہ کیا کہ وہ انھیں آنے دے۔

میرا داہنا ہاتھ بری طرح لہولہان اور پٹیوں میں لپٹا ہوا تھا جس کی بنا پر مجھ پر فوری طور پر ڈیوڈ ایولنگ کا قاتل ہونے کا شبہ کیا جا سکتا تھا پھر میرے خلاف ڈکیتی کی ایک جھوٹی رپورٹ بھی درج تھی جس کی وجہ سے میری گلو خلاصی کا کوئی امکان نہیں رہا تھا۔ میں نے بے بسی کے ساتھ اپنے بائیں ہاتھ میں دبے ہوئے پستول کا جائزہ لیا اور پھر اس کا سیفٹی کیچ چڑھا کر پستول قریبی تپائی کے پیچھے ڈال دیا۔

اس دوران میں جوڈی بٹن دبا کر بیرونی دروازے کا [illegible]

چکی تھی پھر لمحہ بھر بعد اس نے سلیپنگ گاؤن کی پروا کیے بغیر فلیٹ کا داخلی دروازہ بھی کھول دیا۔

سرد رات کے سناٹے میں باہر کئی وزنی جوتوں کی چاپ سنائی دی۔ میرا دورانِ خون لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا اور پھر تین مہیب وردیوں میں سنگلاخ چہرے سامنے آ گئے۔

آگے والا ان میں سینئر افسر معلوم ہوتا تھا۔ اس نے جوڈی کے سامنے ٹھہر کر عادتاً سر کو قدرے خم کیا پھر اس کی سرد اور سپاٹ آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ "مادام! کیا ہمیں گھر میں داخل ہونے کی اجازت ہے؟"

جوڈی کی آواز اس کے گلے میں گھٹ کر رہ گئی۔ وہ مضطربانہ انداز میں پیچھے پلٹی تو اس کی آنکھوں میں بے بسی کی فریاد رچی ہوئی تھی۔ تینوں پولیس والے اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر اسے نرمی سے ایک طرف ہٹاتے ہوئے اندر داخل ہو گئے اور پھر آگے آنے والے افسر کی سرد اور بے رحمانہ نگاہیں میرے چہرے پر جم گئیں۔

میں نے اپنا داہنا ہاتھ پشت پر لے جا کر عارضی طور پر چھپا لیا تھا لیکن چہرہ چھپانا میرے بس سے باہر تھا۔ اس کے ماتحتوں میں سے ایک نے فلیٹ کا دروازہ بند کیا اور دوسرے نے قریبی سوئچ بورڈ پر طبع آزمائی کر کے فلیٹ کے اس حصے میں تیز روشنی کر دی۔

"ہمیں افسوس ہے کہ یوں ناوقت تم لوگوں کی نیند خراب کی مگر میرا خیال ہے کہ ہماری یہاں آمد بے سود نہیں رہی ہے۔" افسر نے براہِ راست مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "مجھے انسپکٹر گورڈن کہتے ہیں اور میرے پاس اس مکان کی تلاشی کا اجازت نامہ موجود ہے۔ کیا تم اپنا تعارف کرانا پسند کرو گے؟"

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" مجھے اچانک اپنی پشت سے سلطان شاہ کی متوحش آواز سنائی دی اور پھر وہ بھی میرے پہلو میں آ کھڑا ہوا۔

"میرا نام اکبر ہے اور یہ میرا ساتھی علی شیر ہے۔" میں نے سلطان شاہ پر توجہ دیے بغیر اس افسر کو جواب دیا۔ "کیا میں اس مکان میں تم لوگوں کی آمد کا سبب جان سکتا ہوں؟"

"میرا خیال تھا کہ تم خود ہی سبب جان گئے ہو گے۔" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ویلنگٹن آرکیڈ میں ڈکیتی کی واردات میں کامیابی کے بعد تم زیادہ دیر تک خود کو قانون کی گرفت سے نہ بچا سکے۔"

"میرا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" جوڈی نے اچانک ہی روہانسی آواز میں فریاد شروع کر دی۔ "مجھے ہرگز علم نہیں تھا کہ ان لوگوں نے کوئی واردات کی ہے۔ میں تو بس اپنے گزارے کے لیے مناسب شناختی کاغذات کی جانچ پڑتال کے بعد کسی کو بھی کرائے پر چند روز کے لیے ٹھہرا لیتی ہوں...!"

"تم فکر نہ کرو۔" افسر نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ [کر] لہجے میں کہا۔ "ہمیں تم پر کوئی شبہ نہیں ہے۔ ہاں عدالت میں [بیان] اور گواہی کے لیے تمھیں ضرور زحمت دی جائے گی۔ دراصل تم[ھیں] کے سامنے ندامت سے بچانے کے لیے ہی ہم نے کار[روائی] کے لیے صبح کے اوّل وقت کا انتخاب کیا ورنہ تمھارا فلیٹ رات سے ہماری نگرانی میں ہے۔ اگر یہ ہوشیار ہو کر فرار ہو[نے کی] کوشش کرتے تو شاید ہم رات کو ہی کچھ کر گزرتے۔"

"خدا تمھیں اس کا اجر دے گا۔" جوڈی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ شون میکارتھی کے سینے میں چھری کی نوک بھونک[نے پر] آمادہ وہ بڑھیا اس وقت مظلومیت اور ہم لوگوں سے لاتعلقی [کی] بہترین اداکاری کر رہی تھی جو اس اعتبار سے ہمارے حق میں [بہتر] تھی۔ ہمارے لے جائے جانے کے بعد وہ ہر اکو نئی صورتِ حال [سے دوچار] کر سکتی تھی۔

افسر نے اچانک اپنے ہولسٹر سے سروس ریوالور نکال [کر ہم] دونوں کو اس کی زد میں لے لیا اور ٹھہری ہوئی سپاٹ آواز میں [بولا]: "میں تم دونوں کو ڈکیتی کے الزام میں حراست میں لیتا ہوں۔ اپنے ہاتھ اُٹھا لو۔"

بازی اس قدر غیر متوقع انداز میں پلٹی تھی کہ کسی بھی قسم کی [مزاحمت] کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں تھا لہٰذا میں نے شکست خوردہ انداز [میں] اپنے ہاتھ اوپر اُٹھا دیے۔ میرے داہنے ہاتھ پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھوں میں چمک نمودار ہوئی اور وہ تحیر آمیز آواز میں بولا: "تو تمھارا ایک ہاتھ بھی زخمی ہے۔ مجھے تو یہ صبح خوش نصیبی کی نقیب ہو رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تم میرے لیے ترقی کا زینہ بن جاؤ۔"

اس اثنا میں دونوں ماتحت ہم دونوں کی جامہ تلاشی فرد[اً فرداً لے] چکے تھے۔ میں نہتا تھا لیکن سلطان شاہ کے پاس سے بھرا ہوا [پستول] برآمد کیا گیا جو اس نے شاید سرکاری وردیاں دیکھتے ہی جیب میں ڈال لیا تھا۔

"تم جو چاہو کہتے رہو۔ میں بس اتنا بتا دوں کہ آخر میں شرمندگی ہی تمھارے ہاتھ آئے گی۔" میں نے کہا۔

اس نے اشارے سے اپنے ماتحتوں کو خانہ تلاشی کے [لیے] اندر بھیج دیا اور خود ہم دونوں کو ریوالور کی زد پر لیے ڈرائنگ [روم] کی طرف ہو لیا۔ جوڈی نے اس مرحلے پر بھی خوشامد کا موقع [ضائع] نہیں کیا اور اسے چائے کی پیشکش کی جو اس نے خشک لہجے میں [رد] کر دی اور جوڈی کو اچانک ہی خیال آ گیا کہ وہ گاؤن کے بغیر سلیپنگ سوٹ میں اب تک کارٹون بنی پھر رہی تھی۔

وہ اپنی خواب گاہ کی طرف چل دی اور ہم تینوں ڈرائنگ [روم] میں بیٹھ گئے۔

ملزموں سے باز پرس میں ہم مہذب اور محتاط رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد انسپکٹر گورڈن نپے تلے لہجے میں کہنے لگا۔ "لیکن مجرموں کے معاملے میں ہم خاصے غیر مہذب ہو جاتے ہیں۔ تم جو چاہو ہرزہ سرائی کر لو لیکن نہ اپنی صورت بدل سکتے ہو اور جہاں تک میرا اندازہ ہے نہ تجزیوں کے نتیجے میں ایک قتل کے جرم سے دامن بچا سکو گے لہٰذا بہتری اسی میں ہے کہ خود بخود سچ اگلتے چلے جاؤ۔ اس طرح تم اس ناروا تشدد سے بچ سکو گے جس کی علامت جسم کے کسی حصے پر نظر نہیں آتی۔"

میں دل پر جبر کر کے مسکرایا۔ "میں فی الحال تمھارے کسی اندازے کی تردید کیے بغیر یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ تم اس فلیٹ تک کیسے پہنچائے گئے ہو؟"

"یہ بھی ایک اتفاق ہی سمجھو۔" وہ بولا۔ "ہم گمنام اطلاعات پر عموماً کوئی کارروائی نہیں کرتے لیکن آج شام جب اس عمارت میں کام کرنے والی ایک ہاؤس میڈ نے اپنا نام ظاہر کیے بغیر اس فلیٹ میں دو مشتبہ ایشیائیوں کی آمد و رفت کی اطلاع دی تو میرے پاس کوئی کام نہیں تھا لہٰذا میں نے وقت گزاری کے لیے اس اطلاع پر کارروائی کا فیصلہ کر لیا اور نتیجہ تمھارے سامنے ہے۔"

"کیا وارنٹ کے بغیر تمھیں کسی گرفتاری کا اختیار ہے؟" میں نے سرسری لہجے میں سوال کیا۔

"ہر مجرم اسی طرح کتابی نکتوں کا سہارا لیتا ہے۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "ایسی ہنگامی ضرورت کے لیے تصدیق شدہ سادے وارنٹ ہر ذمہ دار افسر کی تحویل میں رہتے ہیں۔ اس میں تمھارا نام بھر کر ضابطے کی کارروائی پوری کر لی جائے گی۔"

وہ خاصا خوش اخلاق اور اچھا افسر تھا جو میری ہر بات کا جواب دیتا جا رہا تھا ورنہ کوئی بد دماغ افسر ہوتا تو میری گفتگو کو اپنی توہین تصور کر کے وہیں جوتے کاری بھی شروع کر سکتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد دونوں سپاہی تلاشی سے فارغ ہو کر واپس لوٹ آئے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ انھوں نے سرسری انداز میں پورے گھر کا جائزہ لیا تھا ورنہ ان کا اتنی جلدی فارغ ہونا ناممکنات میں سے تھا۔ مدعا یہ تھی کہ وہ دونوں اس پستول تک بھی نہیں پہنچ سکے تھے جو میں نے ان کی آمد کی وجہ سے راہداری میں ایک تپائی کے پیچھے ڈال دیا تھا۔

ان تینوں کو میری غیر متوقع گرفتاری کی دل ہی دل میں اتنی خوشی تھی کہ وہ اس وقت صرف مجھے اور سلطان شاہ کو سلاخوں کے پیچھے پہنچانے پر اکتفا کرتے نظر آ رہے تھے اور انسپکٹر گورڈن تو خود ان میرے زخمی ہاتھ کو دیکھ کر مجھے اپنی ترقی کا زینہ قرار دے چکا تھا۔

"مادام!" اپنے ماتحتوں کے لوٹ آنے پر انسپکٹر گورڈن نے کھڑے ہو کر ہانک لگائی اور جوڈی فوراً ہی بوکھلائی ہوئی وہاں آ موجود ہوئی۔ اس کے جسم پر ریشمی سلیپنگ گاؤن موجود تھا مگر جس معمولی بات نے میری توجہ اس کی طرف مبذول کرائی، وہ یہ تھی کہ اس کے بال بدستور منتشر تھے جب کہ گاؤن پہننے کے بعد اس کے پاس بال سنوارنے کے لیے خاصا وقت موجود رہا ہو گا۔

"یہ بہت خطرناک مجرم ہے۔" انسپکٹر گورڈن نے جوڈی سے میرے بارے میں کہا۔ "اس کا ساتھی بھی بہت سے جرائم میں ملوث رہا ہو گا، اس لیے ہم ان دونوں کو اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں۔"

"ضرور لے جاؤ۔" جوڈی نے کانپتی ہوئی خوفزدہ آواز میں کہا۔ "قدرت نے تم لوگوں کو میرے لیے رحمت کا فرشتہ بنا کر بھیجا ہے ورنہ یہ دونوں کسی بھی وقت اپنی فطرت سے مجبور ہو کر مجھے موت کے گھاٹ اتار سکتے تھے۔ میرے خدا! اب تو یہ سوچ کر ہی میرا دل ڈوب رہا ہے کہ میں نے یہ پوری رات ان ڈاکوؤں کے ساتھ بسر کی ہے۔"

"تمھیں خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔" انسپکٹر گورڈن نے کہا۔ "اگر میرے قیاسات درست ہیں تو ان دونوں کی گرفتاری تمھیں بہت شہرت بخشے گی۔ ہمیں اس سلسلے میں تمھارے بیان کی بھی ضرورت ہے مگر میں تمھیں مزید بے آرام نہیں کروں گا۔ فی الحال تم اپنی نیند پوری کر لو، صبح گیارہ بجے تک میں خود تمھارا بیان لینے آؤں گا مگر اس وقت تک تم ان دونوں کے بارے میں کسی سے زبان نہیں کھولو گی۔"

"میں کسی سے ایک لفظ بھی نہ کہوں گی۔" وہ اپنے دونوں کانوں کو چھو کر بولی۔

"چلو۔" انسپکٹر گورڈن نے اپنے ریوالور کی نال کو جنبش دے کر مجھ سے کہا۔ اس کا ایک ماتحت ہم سے آگے ہو لیا اور دوسرے ماتحت کے ساتھ ہمارے پیچھے نکاسی کے راستے کی طرف چل دیا۔ اس بار ہم نے ہاتھ نہیں اُٹھائے تھے اور نہ ہی گورڈن نے اس پر اصرار کیا تھا۔ ہماری جامہ تلاشی کے بعد اسے اپنی برتری پر مکمل بھروسا ہو چلا تھا اور میرا ذہن مسلسل اس ناگہانی افتاد سے نجات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

اگر ہم دونوں کی گرفتاری کسی چھوٹے موٹے جرم میں ہوئی ہوتی تو شاید میں اتنا فکرمند نہ ہوتا لیکن اس وقت ہمیں جس فردِ جرم کا سامنا تھا، وہ نہ صرف بہت سنگین بلکہ زبان زدِ خاص و عام بھی تھی۔

ڈکیتی کی مفروضہ واردات کے سلسلے میں شائع ہونے والی میری تصویر گرفتاری کا بہانہ بنی تھی لیکن اپنے زخمی ہاتھ کی وجہ سے میں ڈیوڈ ایونگ کے قتل کے الزام سے کسی طرح اپنا دفاع نہیں کر سکتا تھا۔ لندن کے اخبارات نے پچھلے چند دنوں میں پے در پے رونما ہونے والی قتل کی وارداتوں پر اس قدر قیاس آرائیاں کی تھیں

کہ چھوٹی سے چھوٹی تفصیلات بھی قارئین تک پہنچا دی تھیں جن میں ٹیپ کا بند یہ تھا کہ ڈیوڈ کے قتل کا تعلق دوسری وارداتوں سے بھی قائم کر لیا گیا تھا۔ مزید خطرناک بات یہ تھی کہ ڈیوڈ منشیات کی دنیا کے ایک چالاک مجرم کے طور پر پہچان لیا گیا تھا جسے قانون کبھی چوبیس گھنٹے سے زائد قید میں نہیں رکھ سکا تھا۔

مجھے اندازہ تھا کہ ایک بار حوالات میں پہنچنے کے بعد جوں ہی میری گرفتاری کی خبر پھیلتی، پورے برطانیہ کے نامور تفتیشی ماہرین مجھ پر یلغار کر دیتے اور اس معاملے کو پریس کے ذریعے اس قدر تشہیر ملتی کہ میرے لیے نجات یا فرار کی تمام راہیں مسدود ہو کر رہ جاتیں اور حوالات پر پولیس کی بھاری گارڈ متعین کر دی جاتی۔

فلیٹ کی خنک مگر آرام دہ فضا سے باہر آتے ہی شب خوابی کے لباس میں سردی کا احساس ہوا تھا۔ فضا کہر آلود تھی اور باہر کا سناٹا آسیبی سماں پیدا کر رہا تھا۔

"ذرا بھی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو میں گولی چلانے میں دریغ نہیں کروں گا۔" گورڈن نے باہر آتے ہی تیز سرگوشیانہ آواز میں کہا۔

"مجھے آزادی سے زیادہ زندگی عزیز ہے۔" میں نے خوش دلی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "اگر زندگی ہے تو آزاد فضا دوبارہ بھی نصیب ہو سکتی ہے۔"

"کاش، پھانسی کی سزا برقرار ہوتی تو تم جیسے قاتل کو یہ آرزو کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔" انسپکٹر گورڈن نے غصّے اور حسرت کے ساتھ کہا۔

"آدمی کو قید کیا جا سکتا ہے، آرزوؤں کو پابند نہیں کیا جا سکتا۔"

"یہ شاعری تھوڑی دیر بعد صاف ہو جائے گی۔" باہر نکلتے ہی اس کی کھوپڑی کچھ گرمی کھا گئی تھی اور مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میں نے اسے زیادہ غصہ دلانے کی کوشش کی تو خود ہی خسارے میں رہوں گا۔ لہٰذا جواب میں مزید کچھ کہنے کے بجائے میں نے خاموشی اختیار کر لی۔

باہر سڑک کے نکڑ پر ان کی کشادہ نشستوں والی واکسہال کار موجود تھی جو اپنے مخصوص رنگ اور چھت پر نصب گھومنے والی زرد روشنی کی وجہ سے دور ہی سے پہچانی جا سکتی تھی۔

انسپکٹر گورڈن کے ایک ماتحت نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور دوسرا ہم دونوں کے ساتھ عقبی نشست پر بیٹھ گیا۔ انسپکٹر نے ڈرائیور کے برابر والی سیٹ اس طرح سنبھالی تھی کہ اس کی نگاہیں ونڈ شیلڈ کے بجائے ہم دونوں پر مرکوز تھیں اور ریوالور والا ہاتھ سیٹ کی پشت گاہ پر ٹکا ہوا تھا۔ ہماری ذرا سی حرکت پر وہ نہایت آسانی کے ساتھ ہمیں نشانہ بنا سکتا تھا۔

آنے والے روح فرسا حالات کی دہشت اپنی جگہ تھی اور میں خود کو ذہنی طور پر آنے والے حالات کے لیے تیار کر رہا تھا کیونکہ راستے میں کوئی کارروائی خارج از امکان ہی نظر آ رہی تھی۔

ویران سڑکوں پر پولیس کار تیز رفتاری کے ساتھ منزل کی طرف بڑھ رہی تھی اور بالآخر کار اس سفر کا بھی اختتام ہو گیا۔ پولیس اسٹیشن کے احاطے میں داخل ہوتے ہی کار ڈرائیو کرنے والے نے ہیڈ لیمپس جلا بجھا کر کوئی مخصوص اشارہ دیا تھا اور کار رکتے ہی اس کے دونوں طرف کہیں سے تین مسلح سپاہی نمودار ہوئے۔ وہ پوری مستعدی اور ..... جارحانہ تیوروں کے ساتھ کار کے اندر دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

انسپکٹر گورڈن اندر کی بتی روشن کر کے بے پروایانہ انداز میں کار سے اتر گیا اور پچھلا دروازہ کھول کر ہمیں بھی نیچے اتار لیا گیا۔

"لاک اپ ون۔" گورڈن نے اپنے ایک غیر مسلح ماتحت سے کہا اور وہ وہاں سے تقریباً دوڑتا ہوا قریبی عمارت میں معدوم ہو گیا۔ اسی کے ساتھ تین بندوقوں کی نالوں کے سہارے ہم کو بھی اسی طرف روانہ ہونا پڑا۔

وہ عمارت خاصی پُرشکوہ تھی مگر اندر اس کے چپّے چپّے سے ہیبت سی برس رہی تھی۔ ایک قطار میں بنے ہوئے کمروں کے سامنے سے گزرتے ہوئے یہ مختصر سا جلوس کمروں کے اختتام پر دائیں جانب گھوما اور فوراً ہی مضبوط سلاخوں والے آہنی دروازے والا ایک لاک اپ سامنے آ گیا، جہاں اندر ایک دھندلایا ہوا بلب روشن تھا اور پورے کمرے میں ننگی دیواروں اور سنگلاخ فرش کے علاوہ ایک تنکا بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

گورڈن کا ماتحت پہلے سے دروازے کا قفل کھولے ہم لوگوں کی آمد کا منتظر تھا۔ مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ گورڈن میرے بارے میں کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا اور سب سے پہلے مجھے سلاخوں کے ساتھ لاک اپ میں بند کرنے کے بعد ضابطے کی کارروائیاں مکمل کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

"تمھارے پاس صرف چند گھنٹے ہیں، چاہو تو ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ کوئی بہتر فیصلہ کر سکتے ہو، ورنہ صبح افسرانِ بالا کی آمد کے ساتھ ہی تھرڈ ڈگری کا آغاز ہو جائے گا۔" اُس نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"اِس ننگے فرش پر دل و دماغ کے ساتھ جسم بھی ٹھنڈا ہو جائے گا۔ مناسب انتظام کے بغیر ہم یہاں نہیں رہ سکتے۔" میں نے لاک اپ کے کھلے ہوئے دروازے کے سامنے رُک کر کہا۔

"اندر چلو۔" اُس کا لہجہ سخت ہو گیا۔ "جو کچھ یہاں موجود نہیں، فراہم کر دیا جائے گا۔"

اُس کے الفاظ کے ساتھ ہی تینوں مسلح سپاہیوں کے بندوقیں تن گئے تھے، جیسے میری زبان سے مزید انکار کی صورت میں وہ مجھے زبردستی اندر دھکیلنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ میں زیرِ لب بڑبڑاتا ہوا حوالات میں داخل ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے اس رویّے سے بہت دل برداشتہ نظر آ رہا تھا۔ وہ اندر جا کر سیدھا ایک کونے میں جا کھڑا ہوا جب کہ میں وہیں رُک کر گورڈن کی طرف متوجہ ہو گیا، جو اپنی نگرانی میں دروازہ بند کر کے مقفل کروا رہا تھا۔

"ہو سکے تو مجھے سگریٹ فراہم کر دو، میں اپنا پیکٹ بستر پر ہی چھوڑ آیا ہوں۔" میں نے موٹی موٹی آہنی سلاخوں کے درمیان سے اُس کو دیکھتے ہوئے ملتجیانہ لہجے میں کہا۔

"اس حوالات میں دھات کی بنی ہوئی یا آتشیں اشیاء کا داخلہ ممنوع ہے۔" اُس نے خشک لہجے میں کہا۔ "ماچس یا لائٹر کے بغیر سگریٹ تمھارے لیے بے کار ہو گی۔"

"ماچس سے لوہے یا کنکریٹ میں آگ تو نہیں لگائی جا سکتی۔"

"اپنا لباس جلا کر خودکشی تو کی جا سکتی ہے۔" اُس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ "مایوس مجرم کسی بھی لمحے کوئی انتہائی قدم اٹھا سکتا ہے لہٰذا تم صبر کرو۔ کمبل اور تکیے ابھی مل جائیں گے، چاہو گے تو چائے یا کافی بھی بھجوا دی جائے گی۔"

"پھر کافی ہی بھجوا دینا۔" میں نے مایوسانہ لہجے میں کہا اور وہ آخری بار تالے کی مضبوطی کا یقین کر کے واپس چل دیا۔ بقیہ پانچوں اُس کے پیچھے ہو لیے تھے اور اُن کے قدموں کی آوازیں دور ہوتے ہوئے بتدریج معدوم ہو گئیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" تخلیہ میسّر آتے ہی سلطان شاہ کی بھرّائی ہوئی آواز گونجی تھی۔ اس پورے معاملے میں ابتدائی ایک فقرہ ادا کرنے کے بعد وہ مسلسل خاموش رہا تھا۔

"زخمی ہاتھ اور اخباری تصویر گلے پڑتی نظر آ رہی ہے۔" میں نے دھیمے اور تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "یہ سب اس قدر اچانک ہوا کہ ہاتھ پیر مارنے کی نوبت ہی نہ آ سکی۔"

"اب شاید بجلی کی کرسی ہی مقدر بنے گی؟" اس کی آواز میں مایوسی اُمڈ آئی۔

"سزائے موت یہاں رائج نہیں ہے مگر چودہ برس کی عمر قید بھی موت سے کم نہ ہو گی۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "مگر مجھے ابھی بھی اُمید کی کرن نظر آ رہی ہے۔"

"کس اُمید کی بات کر رہے ہو؟" وہ یک بیک جذباتی ہو گیا۔ "اس ناقابلِ شکست حوالات میں کون تمھاری مدد کو آئے گا؟ تم نے اُس چھوکری پر بھروسا کر کے اپنے ہی ساتھ بھائی کی زندگی بھی برباد کر دی ہے۔ تم جیل میں سڑو گے اور وہ بے چاری کسی نہ کسی کے ہاتھوں ماری جائے گی۔"

"پاگل نہ بنو۔ تم نے جوڈی کی اداکاری پر غور نہیں کیا۔" میں نے اُس کا بازو تھام کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ "وہ بہت گھاگ عورت ہے، اگر ہم سے ہمدردی ظاہر کرتی تو یہ لوگ اسے بھی ساتھ لے آتے۔ اب وہ آزاد ہے اور ویرا کو اس نئی اُفتاد سے مطلع کر سکتی ہے۔ بلکہ میرا تو خیال ہے کہ اُس نے ان لوگوں کی موجودگی میں سلیپنگ گاؤن پہننے کے بہانے ویرا کو آگاہ کر دیا ہو گا۔"

"ویرا!" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "وہ تمھاری سانسوں میں رچ گئی ہے۔ اُسے پتا چل بھی گیا تو وہ کیا کر لے گی؟ قانون توڑنا اور بات ہے، قانون سے ٹکرانے کے لیے پتھر کا کلیجا ہونا چاہیے۔"

مجھے اِس قدر طیش آیا کہ اگر میں اپنے عضلات کی اضطراری جنبش پر بروقت قابو نہ پا لیتا تو اُس کے منہ پر میرا بھرپور طمانچہ پڑا ہوتا۔

میں اپنی مجبوریوں کو سمجھتے ہوئے ویرا کے ساتھ مصالحانہ رویّہ اختیار کیے ہوئے تھا اور وہ اُس کی طرف سے حسد کی آگ میں جل رہا تھا۔ میری ہر بات میں اُسے منفی پہلو نمایاں نظر آتا تھا اور اب وہ کسمپرسی کے عالم میں بھی میرے زخموں پر نمک پاشی کیے جا رہا تھا، مگر مجھے اُس کی نیّت پر بھروسا تھا۔ وہ بعض اوقات عقل کے بجائے دل سے سوچنے لگتا تھا اور ویرا سے تو اُسے ابتدا ہی سے للّٰہی بغض تھا۔ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا، اپنی دانست میں میرے فائدے کے لیے ہی کہہ رہا تھا۔ میں اپنے غصّے کو ضبط کرتے ہوئے خاموشی کے ساتھ اُس سے دور ہٹ گیا۔

حوالات کی نیم روشن کوٹھری میں موت کا سا سنّاٹا چھا گیا، جس میں مجھے اپنے سانسوں کی آواز واضح طور پر سنائی دے رہی تھی۔

غنیمت یہ تھا کہ وہ دیسی نہیں بلکہ ولایتی حوالات تھی جو نہ سیلن زدہ تھی اور نہ متعفن اور وہیں ملحقہ باتھ روم بھی موجود تھا، جو پاکستانی معیار سے بہت صاف ستھرا تھا۔

یہ سکوت چند منٹ ہی برقرار رہ سکا اور راہداری میں کہیں دور وزنی جوتوں کی دھمک گونجنے لگی جو لمحہ بہ لمحہ قریب آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ آخر کار ایک مسلح سپاہی موڑ گھوم کر سامنے آ گیا۔ اُس کے ہاتھوں میں کئی کمبل اور تکیے دبے ہوئے تھے۔ قریب آنے پر میں نے اُسے پہچان لیا۔ وہ اُن تینوں میں سے ایک تھا، جنھوں نے تھانے پہنچنے پر پولیس کار کے گرد گھیرا ڈالا تھا۔

اس وقت اُس کی نگاہوں میں عجیب سی چمک تھی اور وہ سلاخوں کے پار سے بغور میری آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ پھر اُس نے میرے چہرے پر سے نظریں ہٹائے بغیر ایک ایک کر کے سلاخوں کے درمیان سے چار کمبل اور دو تکیے میرے حوالے کیے جو میں اُس

سے لے کر فرش پر ڈھیر کرتا رہا۔ آخری تکیہ دیتے ہوئے اُس نے اچانک سختی سے میرا ہاتھ دبایا اور میں چونک پڑا۔

اُس نے پلٹ کر ایک نگاہ پیچھے ڈالی اور بجلی کی سی سرعت کے ساتھ اپنی جیب سے ایک مُڑا تڑا کاغذ نکال کر مجھے تھماتے ہی واپس چل پڑا۔

میں چند ثانیوں تک سکتے کے عالم میں یوں ہی کھڑا اُسے اور اُس کی پشت پر شانے سے جھولتی ہوئی بندوق کو دیکھتا رہا۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ وہ کاغذ میرے لیے بہت اہم تھا۔ شاید قید یا آزادی کے بارے میں اسی پر کوئی فیصلہ کیا گیا تھا اور اگر کوئی سپاہی کاغذ میری تحویل میں دیکھ لیتا تو بچاؤ کے سارے امکان ہمیشہ کے لیے معدوم ہو سکتے تھے۔

میں پلٹ کر تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے باتھ روم میں داخل ہوا اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

سنسنی اور ہیجان کے عالم میں میں نے وہ کاغذ کھولا تو اس پر عجلت میں ہاتھ سے چند مختصر مگر بے حد اہم سطور لکھی ہوئی تھیں۔

"تم احمق ہو، کافی ہرگز نہ پینا ورنہ صبح تک سوتے رہو گے۔ ہوشیار رہو اور میرا انتظار کرو۔ اس کاغذ کے پُرزے کر کے نالی میں بہا دینا۔"

نیچے کسی کا نام وغیرہ نہیں تھا مگر تحریر کے متن سے ظاہر تھا کہ وہ پیغام دوستوں یا خیر خواہوں کی طرف سے تھا جو مجھ سے غافل نہیں تھے۔ میرا جی چاہا کہ اسی وقت سلطان شاہ کو بھی باتھ روم میں بُلا کر وہ پیغام پڑھواؤں تاکہ وہ خود دیکھ سکے کہ اُس کی بدگمانیاں کتنی بے بنیاد تھیں لیکن وہ وقت ایسی کسی جذباتی غلطی کا نہیں تھا جو سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دے۔ میں نے اس کاغذ کو پھاڑ کر ننھے ننھے پرزوں میں تبدیل کیا اور انھیں کموڈ میں ڈال کر فلش ٹینک چلا دیا اور وہ سارے پُرزے پانی کے تیز ریلے میں بہہ گئے۔

وہ پیغام جس انداز میں ملا تھا اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ جوڈی کی طرف سے میری پُر امیدی غلط نہیں تھی۔ اس نے پہلی فرصت میں ویرا کو ہماری دشواری سے آگاہ کر دیا تھا اور وہ اپنے پورے وسائل کے ساتھ فوری طور پر فعال ہو گئی تھی۔ مجھے دل ہی دل میں اعتراف کرنا پڑا کہ داؤد کی پیدا کردہ مشکلات پر قابو پانے کے بعد ویرا نے ثابت کر دیا تھا کہ لندن میں اس کی دسترس بہت وسیع تھی۔

اس مسلح سپاہی نے اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ جس طرح بے خوفی سے انسپکٹر گورڈن کی موجودگی میں ہمیں اپنی زد میں لیا تھا اُس کی بنا پر یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ اُس نے محکمے کے کسی آدمی کو غائب کر کے اُس کی جگہ لی ہو گی بلکہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ محکمۂ پولیس کا وہ مستقل ملازم شی یا ویرا کا زر خرید تھا اور محکمے میں رہ کر اُن کے مفادات کے لیے کام کرتا تھا۔

اُس نے مجھے آنکھوں ہی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے زبان سے ایک لفظ بھی ادا کیے بغیر وہ تحریری پیغام میرے حوالے کیا تھا۔ اس سے یہ شبہ ہوتا تھا کہ قرب و جوار میں کسی کے موجود نہ ہونے کے باوجود وہ خائف تھا کہ کہیں اُس کی آواز اُس کے افسران یا ساتھیوں کے کانوں تک نہ پہنچ جائے۔ اگر اُسے ایسا کوئی خدشہ ہوتا تو اپنی تحریر کا ثبوت چھوڑنے کے بجائے وہ لازمی طور پر زبانی پیغام رسانی کا سہارا لیتا۔ مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ کہیں اس سنگلاخ حوالات میں کوئی حساس ڈکٹافون پوشیدہ نہ ہو جس کی مدد سے محکمے کے افسران حوالات میں لائے جانے والے ملزمان کی بے خبری میں اُن کے خیالات سے آگاہ رہنے کی کوشش کرتے ہوں۔

باتھ روم سے نکلتے ہوئے میں نے اسی خدشے کی بنا پر عمل کا وقت آنے تک اپنی زبان بند رکھنے کا فیصلہ کر لیا اور سلطان شاہ سے اس موضوع پر کوئی بات کیے بغیر سیدھا اِن کمبلوں اور تکیوں تک جا پہنچا جو ہمارے لیے بھیجے گئے تھے۔

وہ کمبل خاصے دبیز اور آرام دہ تھے۔ سلطان شاہ لاتعلقانہ انداز میں حوالات میں ایک طرف بیٹھا رہا اور میں نے دو کمبل فرش پر بچھا کر بستر بنایا اور دو کمبل اوڑھنے کے لیے رکھ لیے۔

اسی اثنا میں ایک سادہ پوش اردلی ایک دوسرے مسلح سپاہی کی معیت میں ہمارے لیے کافی لے آیا جو آہنی سلاخوں کے درمیان سے ہمیں تھما دی گئی۔ اپنے ضوابط کے سلسلے میں وہ لوگ اتنے سخت تھے کہ کافی پلاسٹک کے نرم مگوں میں بھیجی گئی تھی جنھیں کسی بھی طرح کسی کو زخمی کرنے کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا تھا۔

وہ دونوں کافی دے کر چلے گئے۔ انھوں نے آپس میں ہم پر ایک آدھ فقرہ بھی چُست کیا جسے میں نے نظرانداز کر دیا۔ سلطان شاہ نے اُن کے جاتے ہی گرم گرم کافی کا گھونٹ لینا چاہا تھا جس کی بھاپ سے اُٹھنے والی تیز خوشبو بہت اشتہا انگیز تھی لیکن میں نے سلطان شاہ کا بازو دبا کر اُسے سر کے اشارے سے منع کر دیا۔ اُس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کچھ پوچھنا چاہا مگر میں نے سختی کے ساتھ اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اُسے خاموش کر دیا۔

میں کچھ دیر تک کافی کے مگ کو سامنے رکھے وقت گزارتا رہا۔ یہ بات یقینی تھی کہ اس سیّال میں انسپکٹر کی ہدایت پر کوئی خواب آور دوا ملا دی گئی تھی تاکہ صبح کا اُجالا نمودار ہونے تک ہم حوالات میں بے سُدھ پڑے رہیں اور اُن لوگوں کے لیے کوئی مسئلہ کھڑا نہ کریں۔

پھر میں نے محتاط انداز میں وہ مگ باتھ روم میں لے جا کر سنک میں خالی کر دیا۔ میری واپسی پر سلطان شاہ نے بھی میری تقلید کی اور میں دوسرا کمبل تان کر بستر پر دراز ہو گیا تاکہ انسپکٹر گورڈن کا کوئی آدمی کافی کے اثرات کا جائزہ لینے آئے تو اُسے مایوسی نہ ہو۔

وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا۔ میں کمبل اوڑھے بے حس و حرکت لیٹا رہا مگر میرے حواس پوری طرح بے دار تھے اور کان آہٹوں پر جمے ہوئے تھے جو کافی فاصلے پر ڈوبتی اُبھرتی سنائی دے رہی تھیں۔ اس دوران میں ایک سپاہی گشت کرتا ہوا اِدھر آیا اور باہر سے کچھ دیر تک ہمارا جائزہ لینے کے بعد واپس لوٹ گیا۔

اس اعصاب شکن انتظار میں کافی وقت بیت گیا پھر اچانک ہی اس عمارت کے کسی دُور اُفتادہ حصے میں یکے بعد دیگرے دو شدید دھماکے سنائی دیے جن کی وجہ سے حوالات کا فرش لرز کر رہ گیا۔ ہلچلی آوازوں کے ساتھ بہت سے بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز آئی اور اسی کے ساتھ یک بیک اندھیرا پھیل گیا اور میں اپنے اوپر سے کمبل دُور اچھال کر بستر سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

اندھیرے میں ہر طرف ہڑبونگ اور افراتفری مچی ہوئی تھی کہ اچانک کوئی پنجوں کے بل دوڑتا ہوا ہماری حوالات کی طرف آیا اور ہلکی سی آہنی کھڑکھڑاہٹ کے بعد حوالات کا قفل کھول دیا گیا۔

میں سلطان شاہ کے ساتھ پہلے ہی حوالات کے دروازے کے قریب موجود تھا اور آنے والے نے بھی قفل کھولتے ہی اندھیرے میں اپنے قریب ہماری موجودگی کو بھانپ لیا تھا۔

"یہاں سے نکل کر داہنی طرف۔" تاریکی میں اُس نامعلوم ہمدرد کی ہیجان آمیز سرگوشیانہ آواز اُبھری۔ "پھر ایک گلیارا چھوڑ کر دوسرے موڑ پر دوبارہ دائیں گھوم جانا۔ بالکل سامنے ایک دروازہ آئے گا اُس کی کنڈی کھول کر باہر نکل جانا۔ چند فٹ کے فاصلے پر دیوار ہے۔ اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی تمھارا منتظر ہو گا۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے دروازے کے دیو ہیکل بولٹ بھی کھول دیے اور میں سلطان شاہ کے ہمراہ حوالات کا دروازہ دھکیلتا ہوا باہر نکل آیا۔

دو دھماکوں کے بعد جس انداز میں اندھیرا پھیلا تھا اُس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ پہلے عملے کی توجہ مبذول کرانے کے لیے باہر سے کارروائی کی گئی تھی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی افراتفری کا فائدہ اٹھا کر عملے میں موجود ویرا کے ساتھی یا ساتھیوں نے مین سوئچ آف کر دیے تھے تاکہ اندھیرے میں ہمیں آسانی کے ساتھ فرار ہونے کا موقع مل سکے۔

وفادار عملے میں سے کوئی بھی شخص کسی بھی لمحے مین سوئچ آن کر کے اندھیرا دور کر سکتا تھا۔ اس خطرے کی وجہ سے ہمارے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہاں رُک کر اپنے محسن کا شکریہ ادا کرتے لہٰذا حوالات سے نکلتے ہی ہم نے اس کی بتائی ہوئی سمت میں دوڑ لگا دی اور آناً فاناً مُرمُر کے بتائے ہوئے دونوں موڑ گھوم کر اُس بند دروازے پر پہنچ گئے جس کے پار آزادی ہماری منتظر تھی۔

اُس دروازے کے پار ایک تنگ سی گلی تھی جس کے اختتام پر احاطے کی دیوار تھی۔ اُس وقت ہم دونوں کے بدن میں نہ جانے کہاں کی سرعت پیدا ہو گئی تھی کہ ہم دونوں ہی ایک دوسرے سے کوئی مدد لیے بغیر تقریباً بیک وقت دیوار کی دوسری جانب کُود گئے تھے۔

زمین سے پیر لگتے ہی میں نے فٹ پاتھ کے سہارے ایک لمبی سی سیاہ کار کی جھلک دیکھی تھی، پھر دیوار سے چپکا ہوا ایک انسانی سایہ الگ ہو کر میری طرف جھپٹا اور اس سے قبل کہ میں دیوار سے کُودنے کے بعد اپنا توازن درست کرتا، کنپٹی پر کسی سخت چیز سے ضرب لگائی گئی اور میرا ذہن تاریکیوں کی اتھاہ دلدل میں ڈوبتا چلا گیا مگر پوری طرح حواس کھو بیٹھنے سے قبل میرے کانوں میں سلطان شاہ کے کراہنے کی آواز آئی تھی جس کا مطلب تھا کہ اُس کا حشر بھی مجھ سے مختلف نہیں ہوا تھا۔

✡ ✡

دوبارہ ہوش آیا تو سماں ہی کچھ اور تھا۔

میں ایک وسیع و عریض اور آراستہ خواب گاہ میں نرم بستر پر موجود تھا اور اسی دُہرے بستر پر میرے قریب سلطان شاہ بے سدھ پڑا ہوا تھا اور ہمارے لباس بدلے ہوئے تھے۔

ہوش میں آ جانے کے بعد مجھے اپنی بائیں کنپٹی کسی پھوڑے کی طرح دکھتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ ضرب کھاتے ہی میرے ذہن میں پہلا خدشہ یہ آیا تھا کہ شاید ہماری فرار کی کوشش ناکام ہو گئی تھی۔ اور دیوار کے قریب موجود پولیس کے حفاظتی عملے نے ہمیں بے ہوش کر کے بے بس کر دیا تھا لیکن دوبارہ آنکھ کھلنے پر اِس اندیشے کی نفی ہو گئی تھی۔

اگر ہم دوبارہ پولیس ہی کی تحویل میں آئے ہوتے تو انھوں نے ہمیں پُرتکلف خواب گاہ کے بجائے اس بار حوالات کے ننگے فرش پر ہی ڈالا ہوتا۔ پھر اس خواب گاہ میں قالین اور پردوں سے فرنیچر تک ہر چیز اس قدر بیش قیمت اور نفیس تھی کہ برطانیہ جیسے ملک میں عوامی پیسے سے سرکاری اہلکار ایسی شاہ خرچیوں کی جسارت بھی نہیں کر سکتے تھے۔

میرے لیے یہ خیال بہت تقویت کا باعث تھا کہ ہم جہاں کہیں بھی تھے، پولیس کی تحویل میں نہیں تھے۔ یہ سوچتے ہوئے میں نے بستر چھوڑ دیا اور نرم قالین پر ننگے پاؤں چلتے ہوئے کمرے میں سگریٹ تلاش کرنے لگا جس کی طلب ناقابلِ برداشت ہوتی جا رہی تھی۔

کئی درازوں اور گوشوں میں جھانکنے کے بعد میں آخر میں بیڈ سائیڈ ٹیبل کی طرف متوجہ ہوا تو وہاں اوپر کی دراز میں سگریٹ کے کئی نئے اور نیم استعمال شدہ پیکٹ موجود تھے۔

مَیں سگریٹ سُلگا کر آرام سے ایک گوشے میں پڑی ہوئی آرام دہ کُرسی پر جا بیٹھا اور گزرے ہوئے واقعات کی کڑیاں ملانے کی کوشش کرنے لگا۔

جوڈی کی چالاکی اور مکاری میرے ذہن پر نقش تھی اور ہمیں حوالات سے فرار میں جس طرح مدد ملی اِس میں جوڈی کا کلیدی کردار نظر آ رہا تھا۔ پولیس کے علاوہ میرے سامنے دو فریق تھے جن میں سے ویرا کی ہمدردیاں میرے ساتھ تھیں اور شی میرے لہو کی پیاسی تھی۔

اُن میں لے دے کے ویرا ہی کو میری رہائی سے دلچسپی تھی اور غالباً وہ ساری کارروائی اُسی کے اشارے پر عمل میں آئی تھی لیکن اس پوری کہانی میں میری اور سلطان شاہ کی بے ہوشی کا قصہ فرار کی ہمدردانہ کارروائی سے میل نہیں کھاتا تھا۔ اگر تھانے کی دیوار کے ساتھ موجود لوگ ہمارے ہمدرد اور ویرا کے ساتھی تھے تو اُنھیں ہم کو بے دردی کے ساتھ بے ہوش کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ ان حالات میں وہ لوگ ہمیں جو ہدایات دیتے، ہم اُس پر بلا چون و چرا عمل کرتے اور اُن کے بوجھ ڈھونے کے بجائے خود اپنے قدموں سے چل کر سرعت کے ساتھ اُن کی لائی ہوئی گاڑی میں سوار ہوتے۔

سلطان شاہ کے ہوش میں آنے تک میں مسلسل اسی نکتے پر غور کرتا رہا لیکن کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔

سلطان شاہ ہوش میں آتے ہی متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکاتا ہوا بستر سے نیچے کودا تھا مگر فوراً ہی دھمک کے باعث سَر کی چوٹ میں اٹھنے والی ٹیسوں کے باعث اُس کا چہرہ بگڑ گیا تھا اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر وہیں مسہری کے کنارے پر بیٹھ گیا تھا۔

"ہم کہاں پہنچے ہوئے ہیں ؟" اُس نے وہیں بیٹھے بیٹھے گھبرائی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"فی الحال اپنی چٹخی ہوئی کھوپڑی پر اتنا زور نہ دو۔" مَیں نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا "فی الحال اتنا ہی کافی ہے کہ ہم شریف اور مہربان لوگوں میں ہیں۔ جنھوں نے ہمیں یہ آرام دہ خواب گاہ فراہم کی ہوئی ہے۔"

"تو کیا تمھاری بھی ابھی تک کسی سے ملاقات نہیں ہوئی؟" اُس نے میری طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"مَیں بھی چند منٹ پہلے ہی ہوش میں آیا ہوں۔" مَیں نے اُسے ہاتھ سے اپنے قریب آنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ شریف لوگ بڑے عجیب ہیں کہ اپنے مہمانوں کی کھوپڑیاں داغ دار کر کے انھیں بلاتے ہیں۔" وہ بُرے بُرے منہ بناتا ہوا میرے قریب پڑی ہوئی دوسری کرسی پر آ بیٹھا۔

"دال میں کچھ کالا نظر آ رہا ہے۔" مَیں نے اپنا دہانہ اُس کے کان کے قریب لے جا کر دھیمی آواز میں کہا "جب تک یہ لوگ سامنے نہ آجائیں، ویرا کا نام زبان پر نہ لانا۔"

اُس نے مجھے یوں گھور کر دیکھا جیسے میری صحیح الدماغی کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا ہو پھر بولا۔ "اگر وہ لوگ سامنے نہیں آتے ہیں تو ہمیں اس کمرے سے نکل کر انھیں تلاش کرنا چاہیے... مجھے شدت سے بھوک بھی محسوس ہو رہی ہے۔"

مَیں نے نظریں اٹھا کر وال کلاک کی طرف دیکھا جس کی سوئیاں دس بجا رہی تھیں لیکن کھڑکیوں پر پڑے ہوئے دبیز پردوں کے پیچھے یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ اس وقت دن تھا یا رات اور اگر دن تھا تو وہی دن تھا یا ہمیں تھانے سے باہر بے ہوش ہوئے چوبیس گھنٹوں سے زیادہ گزر چکے تھے؟

مجھے ہوش آتے ہی میرے ذہن پر سگریٹ کی طلب یوں سوار ہوئی تھی کہ مَیں سب کچھ بھول گیا تھا مگر سلطان شاہ کے ذکر کرنے پر احساس ہو رہا تھا کہ میرے معدے کی حالت بھی اُس سے زیادہ مختلف نہیں تھی۔

مَیں نے اُٹھ کر قریبی کھڑکی کا پردہ سرکا کر باہر کے ماحول سے دن یا رات کا اندازہ لگانا چاہا لیکن کھڑکی پر لگے ہوئے شفاف شیشے کے پیچھے باہر کی طرف لگے ہوئے بلائنڈز اس طرح گرے ہوئے تھے کہ نہ باہر کا جائزہ لینا ممکن تھا نہ اُن کے درمیان سے روشنی کی کوئی کرن اندر آ رہی تھی۔ دوسری کھڑکی کی بھی یہی صورت تھی۔

"یہاں تو دن رات کا بھی پتا نہیں چل رہا۔" سلطان شاہ پیچھے عقب سے بڑبڑایا۔

"اب نکاسی کے راستے پر بھی طبع آزمائی کیے لیتے ہیں۔"

مَیں نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ وقت گزرنے کے ساتھ مجھے کچھ شبہ ہونے لگا تھا کہ حوالات سے ہمارا فرار کسی سازش کے تحت عمل میں آیا تھا اور ہمیں ایک چوہےدان سے باہر ہانک کر دوسرے پنجرے میں پھانس لیا گیا تھا۔

نکاسی کا راستہ خلاف توقع کھلا ہوا تھا۔ دروازے کے ہینڈل پر ہلکا سا دباؤ ڈالتے ہی پَٹ کھل گیا اور ہم دونوں محتاط انداز میں خواب گاہ سے باہر نکل گئے۔

بظاہر اس مکان میں سناٹا چھایا ہوا تھا، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہاں ہم دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا ذی رُوح موجود نہ ہو۔ اس کے علاوہ مکان کی ساخت کچھ ایسی تھی کہ اندر رہ کر باہر کے ماحول کے بارے میں اندازہ لگانا ناممکن تھا۔ جہاں جہاں بھی شیشے کی کھڑکیاں تھیں اُن پر باہر بلائنڈز گرے ہوئے تھے جو غالباً آہنی اور بہت مضبوط تھے۔ مکان سے نکاسی کا مضبوط دروازہ مقفل اور اس قدر مضبوط تھا کہ غیر معمولی توڑ پھوڑ اور زور آزمائی کے بغیر اُسے جنبش دینا بھی محال نظر آ رہا تھا۔ کچن میں فریج اور ڈیپ فریزر میں خور و نوش کا سامان اتنی وافر مقدار میں موجود تھا کہ ہم کئی ہفتے بے فکری کے ساتھ گزار سکتے تھے اور حیرت کی بات تھی کہ مکان ویران ہونے کے باوجود کچن میں ایسی علامات موجود تھیں جیسے وہ مسلسل زیرِ استعمال رہتا آیا ہو۔

خورد و نوش کا سامان دیکھتے ہی سلطان شاہ کی بھوک چمک اُٹھی اور وہ وہیں اَڑ گیا۔ مگر مَیں آتشِ شکم سرد کرنے سے پہلے پورے مکان کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ لہٰذا مَیں اُسے وہیں واش بیسن میں منہ دھوتا چھوڑ کر کچن سے آگے بڑھ گیا۔ آخری خواب گاہ سے ملحق اسٹڈی روم میں داخل ہوتے ہی میرے قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے۔ کتابوں سے بھری ہوئی دیوار گیر الماریوں کے درمیان پڑی ہوئی میز پر ایک لڑکی دنیا و مافیہا سے بے خبر دروازے کی طرف پشت کیے کرسی پر دراز کسی کتاب کے مطالعے میں منہمک تھی۔

مَیں نے آہستہ سے کھنکھار کر اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی اور وہ ہڑبڑا کر یوں میری طرف پلٹی تھی جیسے اس کی پشت پر کوئی دھماکا ہوا ہو۔

نگاہیں چار ہوتے ہی اُس کے چہرے پر خفت آمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی اور مَیں اُسے وہاں دیکھ کر ششدر رہ گیا تھا کیونکہ وہ ایمی فرانسس نامی وہی کرسچین لڑکی تھی جس نے کراچی سے روم تک ہمارے ساتھ سفر کیا تھا اور عین وقت پر اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ نہ آنے پر پریشان تھی۔

وہ لڑکی دفتر میں کام کرتی تھی اور کراچی میں موسیٰ نامی ایک عیار شخص نے اپنی شان و شوکت سے مرعوب کر کے اُسے اپنے ساتھ دوستی پر آمادہ کیا اور پھر ایک روایتی سی کہانی کا سہارا لے کر میری دانست میں ایمی کو ہیروئن کی ایک قیمتی کھیپ کے ساتھ تنہا روم روانہ کر دیا تھا جہاں ایک مقررہ ہوٹل میں قیام پذیر ہونے کے بعد ایمی کو باخبر کیے بغیر سوٹ کیس سمیت وہ ہیروئن کسی کو حوالے کرنے کی ہدایت ملنے کا امکان تھا۔

ایمی کو مَیں نے اپنے خدشات سے آگاہ کر دیا تھا اور وہ مشتبہ سوٹ کیس روم ایئرپورٹ پر لاوارث چھوڑ کر نکل جانے پر آمادہ ہو گئی تھی، اُس کے بعد میرا اور اُس کا کوئی رابطہ نہیں رہا تھا۔ اب اُسے یوں پُراسرار حالات میں اپنے ساتھ اِس مکان میں موجود پا کر میرا حیران ہونا فطری اَمر تھا۔ دوسری طرف اُس کی مسکراہٹ میں شامل اطمینان سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس مکان میں میری موجودگی سے لاعلم نہیں تھی۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" کئی ثانیوں کے بعد مَیں اپنی حیرت پر قابو پا کر اُس سے سوال کرنے کے قابل ہو سکا تھا۔

"مَیں تو کئی دن سے یہیں رہ رہی ہوں۔" وہ مجھے کُرسی پیش کرتے ہوئے بولی "لیکن تمھیں کیا ہو گیا تھا؟ تمھیں پیٹر کے ساتھ دیکھ کر مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ سکا تھا کہ دنیا اتنی مختصر ہو سکتی ہے۔ چند روز پیشتر ہم دورانِ پرواز مل کر بچھڑ گئے تھے اور آج تم پھر میرے مہمان ہو۔"

اُس کی آنکھوں میں اعتماد کی چمک موجود تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی، اُس کے بارے میں پُریقین تھی اور اگر ہمارے خلاف کوئی سازش کی گئی تھی تو کم از کم وہ اس میں شریک نہیں تھی۔

"یہ پیٹر کون ہے؟" مَیں نے اُلجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"بہت اچھا اور مہربان آدمی ہے، شاید ہم دونوں جلد ہی شادی کر لیں گے۔" وہ بات کرتے کرتے ایک دم چونک کر بولی "مگر وہ تو شاید تمھارا شناسا ہے؟"

"یہ کس بنا پر کہہ رہی ہو؟"

"روم میں مَیں ناقابلِ بیان دشواریوں سے دوچار ہو گئی تھی" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی "مَیں نے تمھارے مشورے پر عمل کرتے ہوئے موسیٰ کا سوٹ کیس ایئرپورٹ پر ہی چھوڑ دیا تھا۔ تمھارے اندازے کے عین مطابق پاکستان سے موسیٰ کا فون آیا اور اُس نے اپنا سوٹ کیس مجھے اپنے کسی اطالوی دوست کے حوالے کرنے کا مشورہ دیا جو ہوریشو کے نام سے مجھ سے ملنے والا تھا۔ وہ لوگ مجھ سے موسیٰ کے سوٹ کیس کا مطالبہ کر رہے تھے، اسی دوران میں پولیس کی ایک گاڑی آتی نظر آئی اور وہ غنڈے میرا وینٹی بیگ چھین کر مختلف سمتوں میں فرار ہو گئے اور پولیس نے مجھے دھر لیا۔ پاسپورٹ سمیت میرے شناختی کاغذات وینٹی بیگ میں تھے۔ اس لیے مَیں پولیس والوں کو مطمئن نہ کر سکی اور مجھے اٹلی میں غیر قانونی داخلے کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا لیکن چند گھنٹوں کے اندر ہی پیٹر ایک فرشتۂ رحمت بن کر نمودار ہوا اور مجھے ضمانت پر رہا کرا کے اپنے ساتھ لے گیا۔ پھر اُسی نے میرے تمام کاغذات تیار کرائے اور اگلے دن ہم ایک ساتھ روم سے روانہ ہو کر لندن آ گئے۔"

"جب وہ تمھارے لیے اجنبی تھا تو تمھاری ضمانت کرانے کیسے پہنچا؟" ایمی کے بیان کی روشنی میں مجھے پیٹر کا کردار بہت زیادہ مشکوک نظر آ رہا تھا۔

"وہ ایک خیراتی ادارے کا سرگرم رکن ہے جو اٹلی میں ضرورت مند غیر ملکی سیاحوں کو مالی اور قانونی امداد فراہم کرتا ہے۔ اسی ادارے کے ذریعے اسے میرے کوائف کا علم ہوا تھا۔"

"اور اس نے تم سے تمھاری گرفتاری کے اسباب پر خاصی تفصیلی گفتگو کی ہو گی؟"

"وہ خود بات نہ بھی چھیڑتا تو میں خود اسے ہر بات من و عن بتا دیتی۔" اس نے کہا۔ "موسٰی کے بارے میں اس کی رائے بھی تم سے مختلف نہیں تھی۔"

"تم نے اسے یہ بھی بتا دیا ہوگا کہ موسٰی کا دیا ہوا سوٹ کیس تم نے ائیرپورٹ پر ہی چھوڑ دیا تھا؟"

"میں نے اس سے کوئی بات نہیں چھپائی تھی بلکہ یہاں تک بتا دیا تھا کہ مجھے موسٰی پر ہرگز شبہ نہ ہوتا اگر دورانِ پرواز تم نے مجھے مشورہ نہ دیا ہوتا۔"

"پھر میری اور اس کی شناسائی کا ذکر کہاں سے آ گیا؟"

"تمھارا ذکر آنے پر اس نے مجھ سے تمھارا حلیہ دریافت کیا تھا پھر بتایا کہ پاکستان میں اس کا بھی ایک قریبی دوست ہے جو بہت ذہین ہے مگر اکثر اپنا نام بدلتا رہتا ہے۔ وہ تمھیں اکبر کے بجائے کسی اور نام سے جانتا ہے۔" وہ فخریہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔ "اس کا خیال تھا کہ میرا بتایا ہوا حلیہ اس کے دوست ہی کا تھا۔"

"اس خیال کی تائید کس طرح ممکن ہو سکی تھی؟" میں نے سوال کیا۔ اس کی کہانی میرے لیے بہت دلچسپ اور سنسنی خیز ثابت ہو رہی تھی۔ پیٹر بہت چالاک اور خود غرض آدمی تھا اور یقینی طور پر کسی فلاحی ادارے کا رُکن ہونے کے بجائے ہورلیشو کے ساتھیوں میں سے تھا۔ ہورلیشو کی ناکامی کے بعد اس نے بہت چالاکی کے ساتھ امی کی ہمدردیاں حاصل کیں اور نہ صرف ہیروئن والے سوٹ کیس کا پتا چلا لیا بلکہ اس سے میرے برطانیہ کے سفر کے بارے میں بھی بہت کچھ معلوم کر لیا۔ امی فرانسس وطن سے دور آ کر خود کو بے سہارا محسوس کر رہی تھی لہٰذا اس نے خود کو پوری طرح پیٹر کے حوالے کر دیا جو اسے شادی کی امید دلا کر لندن لے آیا مگر میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اس نے مجھ پر ہاتھ ڈالنے کے لیے امی کو چارہ بنایا تھا اور آخر کار امی کی ذات کا سہارا لیے بغیر مجھے زیر کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس کی ذات کے بارے میں میرے دل میں شدید تجسس بیدار ہو چکا تھا کہ وہ کون تھا جو روم میں بیٹھ کر میرے بارے میں اتنا باخبر تھا۔

امی کے جواب نے پیٹر کے بارے میں میرے شبہات کی تصدیق کر دی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "پیٹر نے مجھے اپنے چیدہ چیدہ ایشیائی اور سفید فام دوستوں کی تصاویر کا البم دکھایا تھا۔ اس میں تمھاری تصویر بھی موجود تھی۔ جب میں نے تمھیں پہچانا تو وہ بہت محظوظ ہوا تھا اور دیر تک دل کھول کر ہنستا رہا تھا۔"

"مگر میری یادداشت کے کسی خانے میں پیٹر کا نام نہیں ہے۔" میں نے اسے حقائق سے آگاہ کرنے کے بجائے اپنے ذہن پر زور دینے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ تم بھی اسے کسی اور نام سے پہچانتے ہو۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "ٹھہرو، میں تمھیں اس کی تصویر دکھاتی ہوں تاکہ اس طرح تمھاری یادداشت تازہ ہو سکے۔"

وہ اُٹھی اور کتابوں کی ایک الماری میں چند منٹ ڈھونڈنے کے بعد ایک تصویر لیے میری طرف مڑی۔ "یہ تصویر مجھے اتفاقاً مل گئی تھی جو میں نے یہاں کتابوں میں دبا دی تھی۔"

قریب آ کر اس نے تصویر میرے ہاتھ میں دی تو میرا دماغ جگہ سُن ہو کر رہ گیا۔

وہ سوفی صد ویرا کے باپ جمی لائیڈ کی تصویر تھی جو میں لائیڈز کالج کے تہ خانے میں کسی اور انداز میں پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔

وہ تصویر پہچانتے ہی چند ثانیوں کے لیے میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس بار میں ویرا کی قید سے آزاد نہیں ہوا تھا بلکہ حوالات سے نکل کر براہِ راست شیطانوں کے سربراہ جمی لائیڈ کا قیدی بن گیا تھا۔ جو ویرا کے بیان کے مطابق میں ڈان مرسیانو کے نام سے ایک گھٹیا دلال کے طور پر پہچانا جاتا تھا اور دوسری طرف پیٹر کے روپ میں امی کو اپنے ساتھ شادی کے سُہانے سپنے دکھا کر احمق بنا رہا تھا۔

میرے لیے وہ صورتِ حال یک بیک بہت سنگین ہو گئی تھی۔

"پیٹر ہم دونوں کو خود یہاں لایا تھا؟" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد میں نے سوال کیا۔

"ایمبولینس میں ڈلوا کر لایا تھا۔ تم دونوں کسی حادثے میں زخمی ہو کر اسے سڑک کے کنارے پڑے ہوئے ملے تھے۔ اس اتفاق پر وہ بہت افسردہ تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر وہ اتفاقاً اُدھر سے نکل گیا ہوتا تو کوئی لاپروا ٹرک ڈرائیور تمھیں کچلتا ہوا گزر جاتا اور تمھاری لاشیں قابلِ شناخت بھی نہ رہتیں۔"

"اور تمھیں اس کی کہانی پر یقین آ گیا؟" [illegible] سے سوال کیا۔

"کیوں نہ کرتی؟" [illegible] میں ابھی تک تمھاری یادداشت تازہ نہیں کر سکی۔ [illegible] وہ بہت معصوم اور نرم دل آدمی ہے۔ مجھ سے کر چکا [illegible] بھلا اسے مجھ سے کوئی جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ [illegible] کچھ کہتا، میں مان لیتی۔"

میں نے اندازہ لگایا کہ جمی لائیڈ نے اپنے رویّے سے لڑکی کی اس قدر مکمل برین واشنگ کی تھی کہ وہ خود کسی تلخ ترین تجربے سے دوچار ہوئے بغیر اپنی رائے نہیں بدل سکتی تھی۔

"اب تمھارا ہونے والا شوہر کہاں ہے؟" میں نے ایک گہرا سانس لے کر سوال کیا۔

"وہ کل صبح تمھیں یہاں پہنچانے کے بعد بلفاسٹ چلا گیا تھا۔" اس کی زبان سے کل صبح کا ذکر سن کر میں بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔ اگر ہمارا حوالات سے فرار پچھلی صبح کا واقعہ تھا تو پھر بھوک کے بارے میں سلطان شاہ کی شکایت اور بے تابی بالکل جائز تھی۔

"بلفاسٹ میں آئرش دہشت پسندوں کے ایک گروپ نے تین پادریوں کو یرغمال بنا کر دو لاکھ پاؤنڈ تاوان کا مطالبہ کیا ہے۔ پیٹر ان ہی پادریوں کی مدد کے لیے گیا ہے۔ ایک دو روز میں واپس لوٹ آئے گا۔" امی نے میرے ردِعمل پر مسکراتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ "اس کی بتائی ہوئی دوائیں مقررہ وقفوں سے تمھارے جسموں میں انجیکٹ کرتی رہی ہوں۔ تم بے فکر رہو، تمھاری دیکھ بھال صحیح طریقے پر ہوتی رہی ہے۔"

"تم بالکل احمق اور کند ذہن ہو۔" میں غصے میں تقریباً دانت پیستے ہوئے بولا۔ "ہمیں کسی دوا کی ضرورت نہیں تھی۔ ہمیں انجکشن دے کر تم ہماری بے ہوشی کی مدت بڑھاتی رہی ہو۔"

"پتا نہیں، تم پیٹر کی طرف سے اتنے بدظن کیوں ہو؟" وہ سہم کر بولی۔ "وہ تمھارا خیرخواہ نہ ہوتا تو تمھیں سڑک کے کنارے سے اُٹھا کر کیوں لایا ہوتا؟"

"یہ سب بکواس ہے۔" ایک بار غصہ آنے کے بعد میری ذہنی رَو بہکتی ہی چلی گئی۔ "تمھیں اور ہمیں وہ ایک ہی جگہ سے لایا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ تمھاری ضمانت لی گئی تھی اور ہم دونوں کو حوالات سے اغوا کر کے یہاں پہنچایا گیا ہے اور اب ہم تینوں یہاں اس کے قیدی ہیں۔"

"مجھے تم سے خوف آ رہا ہے۔" وہ مجھ سے نظریں چُراتے ہوئے ہکلا کر بولی۔ "پتا نہیں، تمھیں پیٹر کی ہر بات پر شبہ کیوں ہو رہا ہے۔ میں سمجھ رہی ہوں کہ تمھیں میری اور اس کی شادی کی خبر سے ذہنی صدمہ پہنچا ہے مگر میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں... پیٹر پرستش کے قابل ہے۔"

اس کی مختصر سی کھوپڑی پر صرف عشق اور پیٹر کی عظمت کا بھوت سوار ہو رہا تھا لہٰذا میں پیر پٹختا ہوا اسٹڈی سے باہر نکل آیا۔ راستے ہی میں سلطان شاہ سے مڈبھیڑ ہو گئی جو کچن سے شکم سیر ہو کر بارونق چہرے کے ساتھ میری تلاش میں اسی طرف آ رہا تھا۔

"کون مل گیا؟ کس سے باتیں کر رہے تھے؟" اس نے سامنا ہوتے ہی میرے تیوروں کا اندازہ کیے بغیر سوال داغ دیا۔

"ویرا کی والدہ سے باتیں کر رہا تھا۔" میں نے کچن کی طرف اپنی پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے جلے بُھنے لہجے میں کہا۔

"ویرا کی والدہ؟" حیرت سے اس کا منہ بھاڑ کی طرح کھل گیا اور میں بے اختیار مسکرا دیا۔

"ہاں، علاوہ ویرا کی سوتیلی ماں بن چکی ہے اور دو چار روز میں باقاعدہ شادی کا خواب دیکھ رہی ہے۔" میں نے اس کی پشت پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"کس کی بات کر رہے ہو؟ ذرا کُھل کر بتاؤ نا؟" اس کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔

"میرے خدشات درست ثابت ہوئے ہیں۔ اس وقت ہم براہِ راست جمی لائیڈ کے قیدی ہیں اور وہ خود ہی ہمیں یہاں لایا تھا۔" میں نے کہا۔

اس انکشاف پر وہ بھونچکا رہ گیا اور میں مختصر الفاظ میں اسے امی فرانسس اور پیٹر کے قصے کی تفصیلات سے آگاہ کرنے لگا جو اس کے لیے بے اعتباری کی حد تک حیران کُن ثابت ہو رہی تھیں۔

باتیں کرتے ہوئے ہم کچن میں پہنچ گئے جہاں سلطان شاہ نے اپنی جھوٹی پلیٹیں صاف کرنے کے بعد میرے لیے میز سجائی ہوئی تھی۔ اس اہتمام کے لیے اس نے صرف جمی ہوئی غذاؤں پر ہی انحصار نہیں کیا تھا بلکہ چولھا جلا کر کچھ گرماگرم چیزیں بھی تیار کر ڈالی تھیں جن سے انصاف کرتے ہوئے میں نے اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھا۔

"میرے لیے تو یہ سب ناقابلِ یقین ہے۔" میرے خاموش ہونے پر وہ متحیر زدہ لہجے میں بولا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ ویرا اور جوڈی کی طرف سے رہائی کی اُمید کرتے کرتے یہ جمی لائیڈ اچانک کہاں سے آ کودا؟"

"اور میرے لیے یہ سمجھنا دشوار ہو رہا ہے کہ اس نے ہمیں کس مقصد کے لیے زندہ رکھا ہوا ہے۔ اگر پولیس اسٹیشن کے عملے میں اس کے آدمی موجود تھے تو زیادہ سہل یہ ہوتا کہ وہ ہمیں حوالات ہی میں زہر دے کر ختم کرا دیتا۔ اس پورے کھیل میں اہم کردار اسی مسلح سپاہی کا ہے جس نے ہمیں رقعہ پہنچایا تھا۔" میں نے کہا۔

"یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ اس سپاہی نے ڈکیتی والی تصویر کی روشنی میں تمھیں پہچان کر شی میں اپنے اس آقا کو اطلاع دی ہوگی جو اس سے کام لیتا رہا ہے۔ پھر دھماکے کی آڑ میں ہمیں حوالات سے فرار کراتے ہی باہر بے بس کر لیا گیا مگر یہ جمی لائیڈ والی بات حلق سے نہیں اترتی۔"

"تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ تمھی کے لیے وہ محض ایک نام ہے، صورت سے اسے کوئی بھی نہیں پہچانتا۔ اگر ویرا نے لائیڈز کالج میں اپنے باپ کی تصویر نہ پہچانی ہوتی تو امی کی دکھائی ہوئی تصویر

میرے لیے بالکل اجنبی ہوتی۔ ہوسکتا ہے کہ جمی لائیڈ ایک عام کارکن کی طرح اس ٹولی میں شامل رہا ہو جس نے ہمیں پولیس اسٹیشن کا احاطہ پھلانگتے ہی بے ہوش کیا تھا۔"

اسی وقت اچانک ایمی کچن کے دروازے پر آ کھڑی ہوئی۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں زندگی کی چمک کے بجائے عجیب سی لاتعلقی اور بے رونقی رچی ہوئی تھی۔

"اب یہاں کیوں آئی ہو، میرے پیچھے؟" میں نے غصیلے لہجے میں سوال کیا۔

"تمہارے کھانے پینے کا بندوبست کرنے آئی تھی۔" اس کے ہونٹوں سے کمزور سی آواز خارج ہوئی۔ سلطان شاہ حیرت سے اس کی طرف تکے جا رہا تھا۔

"میں اب تمہارے ہاتھوں بے ہوش ہونے کے بجائے اپنی نیند سونا پسند کروں گا۔" میں نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔ "تمہیں ہمارے لیے کوئی زحمت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اپنا کام ہم خود کر سکتے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم مجھ سے ناراض ہو۔" وہ مایوسانہ لہجے میں بولی۔ "مگر میں تمہاری خدمت کرنا چاہتی ہوں کیونکہ میں تمہاری احسان مند ہوں۔ اگر تم مجھے جہاز میں مشورہ نہ دیتے تو میں پیٹر جیسے بے مثال آدمی سے کبھی نہ مل پاتی۔"

"شاید تمہیں معلوم نہیں کہ وہ تمہاری عمر کی ایک لڑکی کا باپ بھی ہے . . ."

"ہوا کرے۔" وہ میری بات کاٹ کر بولی۔ پیٹر کے تذکرے پر اس کی آنکھوں میں پھر چمک عود کر آئی تھی۔ "اس کی عمر کچھ بھی ہو مگر وہ قوت، مردانگی اور کردار میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔"

"جاؤ، اور اس کی تصویر سینے سے لگا کر دعا کرو کہ وہ بلفاسٹ سے جلد از جلد زندہ سلامت لوٹ آئے۔" میں نے پچکارتے ہوئے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

"ذرا یہ تو بتاتی جاؤ کہ اس وقت باہر دن ہے یا رات؟" اچانک سلطان شاہ نے ہانک لگائی اور وہ جاتے جاتے پھر رک گئی اور میں سلطان شاہ کو قہر آلود نظروں سے گھور کر رہ گیا۔

"دن ہی ہوگا۔" وہ بولی۔ "اگر کسی کام کے لیے میری ضرورت محسوس کر سکو تو مجھے خوشی ہوگی۔"

"پھر یہ بھی بتا دو کہ یہ جگہ لندن کے کس حصے میں واقع ہے؟" اس بار میں نے سوال کیا تھا۔

"مجھے کچھ اندازہ نہیں۔ بس یہ بتا سکتی ہوں کہ ہم ایک طویل سفر کے بعد یہاں پہنچے تھے۔"

پھر وہ خوابناک انداز میں چلتی ہوئی وہاں سے واپس چلی گئی۔

"مجھے تو یہ اپنے ہوش و حواس میں نظر نہیں آتی۔" سلطان شاہ نے کہا۔ "جب وہ یہاں آئی تھی تو تم نے دیکھا تھا کہ اس کی آنکھوں میں کیسی بھیانک لاتعلقی جھانک رہی تھی۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ لڑکی مسکّن دواؤں کے زیرِ اثر ہے۔" [...] نے رائے دی۔ "اور اس کے دماغ پر جمی لائیڈ کی گرفت اتنی مضبوط ہے کہ اس کے چلے جانے کے باوجود یہ تسلسل کے ساتھ اس کا ڈوزنے لے رہی ہے ورنہ یہ اتنی کند ذہن ہرگز نہیں تھی، اشارے سے بات کی تہ تک پہنچ جاتی تھی۔"

"اس بار قید ہوتے ہی ہم جمود کی زد میں آ گئے ہیں۔" سلطان شاہ نے میرے لیے پیالی میں چائے بناتے ہوئے کہا۔ "یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے ہم پسپائی اختیار کرتے ہوئے دیوار سے آ لگے ہوں اور اب کوئی بھی لمحہ ہماری زندگی کا آخری لمحہ ہو سکتا ہے جسے کسی قیمت پر نہ ٹالا جا سکے گا۔"

"میں ابھی اتنا مایوس نہیں ہوا۔ اس عمارت میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اندر ساری آسائشیں موجود ہونے کے باوجود باہر کی دنیا سے ہر رابطہ منقطع ہے۔ میں کوشش کے باوجود ٹیلی فون کا سراغ نہ لگا سکا۔ باہر سے رابطے کی کوئی صورت نکل آئے تو یہ بازی آسانی سے پلٹ سکتی ہے۔"

"کھڑکیوں پر طبع آزمائی کیوں نہیں کرتے؟" اس نے چونک کر کہا۔ "بڑے بڑے شیشوں پر کہیں بھی کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ شیشے توڑ کر بلائنڈز اکھاڑنا زیادہ دشوار نہیں ہوگا۔"

"ہمارا حریف جمی لائیڈ ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں شرط لگا سکتا ہوں کہ سارے شیشے بلٹ پروف ہوں گے۔ انہیں توڑنا آسان نہ ہوگا۔"

"ابھی لو۔" سلطان شاہ نے یہ کہتے ہی میز پر سے ایک وزنی چھری اٹھا کر پوری قوت کے ساتھ کچن کی واحد کھڑکی کے شیشے پر دے ماری۔ چھری ایک پُرشور چھناکے کے ساتھ شیشے سے ٹکرا کر اچھل گئی اور فرش پر آ کر گری۔ سلطان شاہ کے چہرے پر مایوسی کی لہر دوڑ گئی اور میں اس صورتِ حال سے نجات کے امکان پر غور کرنے لگا۔

☆☆

سارا دن اسی چار دیواری میں بے مقصد بھٹکتے ہوئے گزر گیا لیکن وہ جمود توڑنے کی کوئی راہ نہ سوجھ سکی۔ اس دوران میں کئی بار ایمی سے بھی سامنا ہوا اور اس کی ذہنی کیفیت کا صحیح ادراک ہونے کے بعد مجھے اپنے اس رویّے پر ندامت محسوس ہونے لگی جو میں نے اس کے ساتھ پہلی ملاقات میں اختیار کیا تھا۔ اس کے ازالے کے لیے میں نے بعد میں ایمی کے ساتھ ہمدردانہ رویّہ اختیار کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم تینوں نے دوستانہ فضا میں ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے سے پہلے ایمی کی خواب گاہ میں ایک مختصر سی نشست جمائی جہاں ایک کیبنٹ میں اسکاچ اور عمدہ قسم کی سُرخ و سفید وائن کی چند منتخب بوتلیں موجود تھیں۔

کھانے کے فوراً بعد ایمی اپنے کمرے میں چلی گئی اور ہم دونوں اپنی خواب گاہ میں آ کر رمی کھیلنے میں مصروف ہو گئے۔ دن بھر کی مغز زنی کے بعد تھوڑی سی اسکاچ معدے میں اتارنے کے بعد میں نے حالات سے بے پروائی اختیار کر کے وقت گزارنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ بعد میں جو حالات سامنے آتے ان کے مطابق فوری طور پر نئی حکمتِ عملی مرتب کی جا سکتی تھی۔ اس بارے میں پہلے سے سوچ سوچ کر اپنی جان کو روگ لگائے رکھنا بے سود تھا۔

سلطان شاہ رمی کے تیسرے ہاتھ کے پتّے بانٹ رہا تھا کہ اچانک کمرے میں ایک بھاری مردانہ آواز گونجی اور ہم دونوں بے ساختہ اُچھل پڑے۔

"مجھے امید ہے کہ یہ بندوبست تمہیں پسند آیا ہوگا؟" بولنے والے کا لہجہ صاف اور تحکم آمیز تھا لیکن آواز کے ساتھ ہلکا سا ریڈیائی شور بھی گونج رہا تھا جس کی وجہ سے میری توجہ فوراً ہی کسی ایسے ریڈیائی انسٹرومنٹ کی تلاش میں مبذول ہو گئی، جس سے مواصلاتی رابطے کا کام لیا جا سکے جب کہ دن میں میں کسی بگ یا ٹرانسمیٹر کی تلاش میں پورا گھر کسی کامیابی کے بغیر چھان چکا تھا لیکن اس وقت میں آواز کے مخرج کا تعین کرنے میں کامیاب ہو گیا جو خواب گاہ میں رکھے ہوئے ایک سیک سے چوبی صوفے کا نچلا حصّہ تھا جس پر باہر سے مصنوعی چمڑا منڈھا ہوا تھا۔

"صرف میزبان کی کمی ہے ورنہ یہاں ہر آسائش میسّر ہے۔" میں نے قدرے بلند آواز میں کہا جو دوسری طرف سُن لی گئی جس کا مطلب تھا کہ وہ جدید مواصلاتی سلسلہ دو مختلف چینلوں پر کام کر رہا تھا۔

"میزبان لڑکی پسند نہیں آئی؟" آواز میں ہلکا سا طنز تھا۔

"لڑکی تو شروع سے ہی پسند ہے لیکن تم اُسے تباہی کے راستے پر ڈال چکے ہو، اس کا ذہن ماؤف ہوتا جا رہا ہے۔" میں نے اپنے دل کی تیز دھڑکنوں کے درمیان کہا۔

"لڑکی اب اپنا کام پورا کر چکی ہے۔ اسے بہت جلد سارے دکھوں سے نجات مل جائے گی۔"

"شاید تم پیٹر بول رہے ہو... وہ لڑکی تو تمہاری ذات کے طلسم میں گرفتار ہے۔"

"میرا پورا نام پیٹر اینج ہے۔" آواز گمبھیر ہو گئی۔ "لڑکی کے ذریعے مجھے اپنی تصویر تم تک پہنچانا تھی تاکہ یہ دیکھ سکوں کہ تم مجھے پہچانتے ہو یا نہیں... اس نے اپنا کام بے خبری کے باوجود پورا کر دیا۔

اب اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ تم لائیڈز کالج کے اس مخصوص حصّے میں رسائی حاصل کر چکے تھے جہاں میری تصویر معتقل رہتی تھی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے میری اور ایمی کی گفتگو سُن لی تھی؟"

"میں نے صبح سے اب تک اس عمارت میں لی جانے والی سانسوں کی آوازیں تک سُنی ہیں۔ تم دونوں کو وہاں چھوڑنے کا مقصد یہی تھا کہ میں دور رہ کر تمہاری گفتگو سُنتا رہوں لیکن تم سے دو طرفہ رابطے کا ذریعہ صرف اسی خواب گاہ میں ہے جہاں تم شاید ابھی رمی کھیل رہے تھے۔"

"اپنے اغوا، میزبانی اور پھر نگرانی کا مقصد میری سمجھ میں اب تک نہیں آ سکا۔"

"پاکستان ہمیشہ سے میری سب سے آسان پیداواری منڈی رہا ہے لیکن جس دن سے تم نے سر اٹھایا اسی دن سے مجھے اپنا بیشتر وقت پاکستان کے بارے میں سوچتے ہوئے گزارنا پڑتا ہے۔ اب میں پاکستان میں تمہارے لیے کام کرنے والے ہر فرد کا خاتمہ چاہتا ہوں اور اسی لیے تم ابھی تک زندہ ہو۔ لیکن یہ یاد رکھنا کہ میں صرف اور صرف پیٹر اینج ہوں۔ میرا کوئی دوسرا نام تمہاری زبان پر آیا تو وہ تمہاری زندگی کا آخری لمحہ ہوگا۔"

"تمہارے اینج، فٹ یا گز ہونے سے میرے لیے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میرے لیے تم جو ہو وہی رہو گے... لیکن مجھے میرے سوال کا جواب ابھی تک نہیں مل سکا۔"

"میں تمہاری کسی بدتمیزی کو نظر انداز کرنے پر مجبور نہیں ہوں لیکن تمہاری مجبوریوں سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہوں لہٰذا سنو کہ تمہاری لندن آمد کی پہلی اطلاع مجھے اتفاقاً ایمی سے ملی تھی۔ تمہاری تصویر کی شناخت کے بعد میں ایمی سمیت لندن آ گیا اور زادو بو تمہاری راہ پر لگا دیا کیوں کہ تمہارا مسئلہ اصولاً اسی کو بھگتنا چاہیے تھا مگر وہ تمام رعایتیں حاصل کر کے بھی سرخروئی حاصل نہ کر سکا بلکہ اس کی نااہلی نے تمہارے حوصلے بڑھا دیے اور تمہارے راستے بند کرنے کے لیے تمہاری تصویر کی اشاعت ضروری سمجھتے ہوئے ڈکیتی کا واقعہ بنا لیا گیا۔ یہ تمہاری بدقسمتی تھی کہ تم غیر متوقع طور پر پولیس کے ہاتھ لگ گئے لیکن مجرم تم میرے تھے۔ عدالتی قصّوں میں تم نہ جانے کیا کیا ہذیان بک سکتے تھے لہٰذا اپنے مخبر سے تمہاری گرفتاری کی اطلاع ملتے ہی میں نے تمہیں اٹھوانے کا منصوبہ بنا لیا۔ مجھے معلوم تھا کہ ویرا کے دل میں تمہارے لیے نرم گوشہ ہے اور تم اس کی طرف سے پُرامید ہو گے لہٰذا تمہاری اسی کمزوری سے فائدہ اٹھایا گیا اور اب تم میرے قیدی ہو۔ یہ یاد رکھنا کہ تمہاری زندگی کا انحصار اب خود تم پر ہے۔ مجھ سے مخاصمت مول لی تو مرنے کی ہزار دل [...]

کے باوجود نرم سکے گا اور اگر مطلوبہ معلومات مہیا کر دیں تو ہمیشہ اسی مکان میں میرے قیدی رہو گے اور سکون سے اپنی طبعی عمر گزار سکو گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ویرا کسی وقت خود کو اہل ثابت کر کے کسی منصب پر آجائے تو تمھیں اس کے قدموں میں ڈال دیا جائے۔"

"کیا میں یہ سمجھوں کہ تمھاری نسبت ویرا کا دعویٰ حقیقت پر مبنی ہے؟"

"ذاتیات میں دخل انداز ہونے کی ضرورت نہیں۔" اس کی غراہٹ سنائی دی۔ "اس بساط پر صرف وہی مہرے آگے بڑھتے ہیں جنھیں میری شہ حاصل ہو ورنہ وہ پیٹ دیے جاتے ہیں۔ میرے گرد ایسے بے شمار مرد اور عورتیں موجود ہیں جو مجھے اپنا سب کچھ سمجھتے ہیں۔ مجھے اس میں کسی نام کے اضافے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"میں تمھاری پیش کش پر غور کرنے کے لیے مہلت چاہتا ہوں۔" میں نے قدرے سکوت کے بعد کہا۔ "پاکستان میں میرے ساتھیوں کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" وہ اسی لہجے میں غرایا اور میں دل ہی دل میں اُس کی حماقت پر ہنس کر رہ گیا۔ کہ وہ میرے بارے میں خاک جانتا تھا۔ دو نفری جماعت کو وہ اپنا قیدی بنا کر اس کی سابقہ انتقامی کارروائیوں کو محض اس لیے کسی گروہ سے منسوب کر رہا تھا کہ اس کے نزدیک بے خوفی اور بے جگری کا مفہوم بہت محدود تھا۔

"تم دونوں میرے قیدی ہو اور تمھاری ساتھی لڑکی کہیں روپوش ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "سونیا والی کہانی پولیس والوں کو چکر دے سکتی ہے مگر مجھے نہیں۔ جلد یا بدیر وہ بھی تمھارے ساتھ ہو گی۔"

"لیکن اُسے تمھارے آدمیوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔" غزالہ کے ذکر پر میں نے اپنے وجود میں بھڑک اُٹھنے والی آگ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"کیا یہ کوئی دھمکی ہے؟"

"قیدی دھمکی نہیں دیتے، التجا کر سکتے ہیں۔" موضوع کی نزاکت کے پیش نظر میں نے لہجہ اور نرم کر لیا۔

میرے جواب پر وہ خوش ہو گیا۔ "میں ضمانت دیتا ہوں اگر وہ میرے آدمیوں سے مقابلہ کرتے ہوئے بھی ماری گئی تو اس کی موت آبرومندانہ ہو گی۔ زندگی اور موت کا انتخاب خود اس کا اپنا ہو گا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ میں تمھارا قیدی ہوں، کم ظرف دشمن سے بڑی اذیت کوئی اور نہیں ہوتی۔" اس بار الفاظ میرے دل کی گہرائیوں سے نکلے تھے کیوں کہ جمی لائیڈ نے غزالہ کے بارے میں ایک ضمانت دے کر میرے سر سے بڑا بوجھ اتار دیا تھا۔

"سوچنے کے لیے تم کتنی مہلت چاہتے ہو؟" اس نے سوال کیا پھر بدلے ہوئے لہجے میں اس کی آواز ابھری۔ "یہ یاد رکھو کہ اب میرے ساتھ کوئی مکاری نہیں چل سکے گی۔ میں جب چاہوں ایذائیں دے کر تمھیں زبان کھولنے پر مجبور کر سکتا ہوں۔ تمھیں سمجھوتے کی پیش کش کر کے میں صرف اس بات کی قیمت ادا کر رہا ہوں کہ ... بارے میں تم ضرورت سے کچھ زیادہ ہی جان چکے ہو۔"

"صرف دو دن اور وہ بھی تمھارے الفاظ کا وزن پرکھنے کے لیے۔" میں نے کہا۔ "تم خود اعتراف کر رہے ہو کہ جو کچھ میں جانتا ہوں وہ کسی کے علم میں نہیں ہے۔ مطلوبہ معلومات حاصل ہونے کے بعد کون سی قوت تمھیں میرے قتل سے باز رکھ سکے گی۔ جس لمحے یہ نکتہ سمجھ میں آگیا، میں سب کچھ اگلتا چلا جاؤں گا۔"

"یہ میرا ظرف ہے کہ میں تم سے اتنی بات کر رہا ہوں ورنہ تمھاری موت میرے سارے مسائل کا آسان حل ہے۔ تم واپس نہ لوٹ سکے تو پاکستان میں تمھارا گروہ خود بکھر جائے گا۔ نہ جانے کیوں میں تمھیں زندہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں تمھیں دو روز دیتا ہوں مگر یہ یاد رکھنا کہ ذرا بھی شرارت کرنے کی کوشش کی تو ہتھیلیاں اور زبان کٹوا کر کسی کوڑے گھر میں پھنکوا دوں گا اور تم عمر بھر کسی کو کچھ نہ بتا سکو گے۔ ساتھ ساتھ ڈکیتی کے مقدمے میں عمر قید بھی بھگتنا پڑے گی۔"

"میں تیار ہوں۔" میں نے دل کڑا کر کے کہا۔ اس وقت میں اس بُری طرح بے بس ہوا تھا کہ اس سے وقت حاصل کرنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ "میں تم سے رابطہ کیسے قائم کر سکوں گا؟"

"میرا یہ اپریٹس ہر وقت آن رہتا ہے۔ اس کے علاوہ اس مکان میں پیدا ہونے والی آوازیں سول پوائنٹس سے مانیٹر کی جاتی ہیں۔ میری غیر موجودگی میں یہ سب ریکارڈ ہوتا رہتا ہے۔ جب بھی تمھارا پیغام ملا وقت ملتے ہی میں خود تم سے بات کر لوں گا۔"

"یہاں میں کھلا آسمان دیکھنے کو ترس گیا ہوں..."

"ناممکن۔" اس کا لہجہ اٹل تھا۔ "ایسی کوئی بھی کوشش خودکشی کے برابر ہو گی۔ بلٹ پروف شیشے تم نے آزما لیے۔ ان کے باہر ... بلائنڈز میں ہر وقت طاقت ور برقی رو دوڑتی رہتی ہے۔ اس کے علاوہ دو مسلح محافظ دن رات باہر پہرہ دیتے ہیں۔ تمھیں اب اسی چار دیواری میں رہنا ہے، حالات سے سمجھوتا کرنا سیکھو۔"

"ایمی کے جس ناخوشگوار انجام کا تم نے ذکر کیا تھا اس میں کوئی تبدیلی ہو سکتی ہے؟"

"سفارشوں کے بجائے اپنے مستقبل پر دھیان دو۔" اس کا لہجہ درشت ہو گیا۔ "میں اپنے طریقوں پر کام کرنے کا عادی ہوں اور میں کسی کی دخل اندازی پسند نہیں کرتا۔"

میں خاموش رہا اور دوسری طرف سے بھی گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

"غنیمت ہے کہ باہر کی دنیا سے کوئی آواز تو سنائی دی۔" کچھ دیر کے انتظار کے بعد سلطان شاہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ انگریزی سے واجبی واقفیت کے باعث شاید مسئلے کی سنگینی پوری طرح اس کے ذہن میں نہیں سما سکی تھی۔ ورنہ وہ بھی میری طرح پریشان ہو گیا ہوتا۔

"ہمیں ساری عمر قید رہنا ہو گا۔" میں نے سلطان شاہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "اب یہ فیصلہ ہمارے ہاتھ میں ہے کہ اسی مکان میں پڑے رہیں یا کسی اذیت خانے میں منتقل ہو جائیں۔"

اس کے استفسار پر میں نے اسے اپنی اور جمی لائیڈ کی گفتگو کا خلاصہ سنا دیا۔

"یہ کھلی بکواس ہے۔" میرے خاموش ہونے پر سلطان شاہ بے اعتباری کے ساتھ بولا۔ "وہ کوئی مشنری نہیں ہے جو ہمیں خدمتِ خلق کے نام پر ساری زندگی یہاں پالتا رہے گا۔ وہ یقیناً کسی لمبے چکر میں ہے۔ ہمیں اپنے مقصد سے آگاہ کیے بغیر وہ کوئی ایسی بات معلوم کرنا چاہتا ہے جو ہماری نظروں میں بالکل بے وقعت ہو گی۔"

"بہرحال دو روز میں ہمیں سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا ہے اور یہ بھی ذہن میں رکھنا ہے کہ اس عمارت سے فرار کی کوئی کوشش بار آور نہ ہو سکے گی۔ ہمیں پیٹر اپنچ کے ساتھ کوئی نہ کوئی سمجھوتا کرنا ہی ہو گا۔"

"پاگل ہوئے ہو۔" وہ آنکھیں نکال کر بولا۔ "دشمن سے سمجھوتا کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ اپنا اُلو سیدھا کرتے ہی ہمیں ٹھکانے لگا دے گا اور تم اس کے وعدوں کی دہائی دیتے رہ جاؤ گے۔"

"اور ایک مجبوری یہ بھی ہے کہ یہاں سولہ حساس مائیکروفون نصب ہیں جن کے ذریعے وہ ہمارے ایک ایک لفظ سے باخبر رہتا ہے۔" میں نے دانستہ لہجہ دھیما کر لیا جیسے سلطان شاہ کو کوئی راز کی بات بتا رہا ہوں۔ "یہ اور بات ہے کہ اسے اردو کا ترجمہ حاصل کرنے میں کچھ وقت لگ جائے۔"

"اب ہم قیدی ہیں تو اسے پورا اختیار ہے کہ ہمیں جس طرح چاہے رکھے مگر میں زندگی کی امید میں اس کا آلۂ کار بننا پسند نہیں کروں گا۔ اگر مرنا ہی ہے تو یہ احساس دل کو گرما دے گا کہ میں نے جانتے بوجھتے ہوئے موت کو اپنے گلے سے لگایا ہے، اس کی کسی مکاری یا ہوشیاری کا نشانہ نہیں بنا ہوں۔"

"بہرحال ابھی ہمارے پاس دو دن ہیں، میں تمھیں قائل نہ کر سکا تو وہی ہو گا جو تم چاہو گے۔" میں نے اُسے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کرتے ہوئے پُرخیال لہجے میں کہا اور بستر پر دراز ہو گیا۔

جمی لائیڈ بہت چالاک شخص تھا لیکن میں نے اس کی گفتگو سے اس کی کمزوری بھانپ لی تھی۔ اس نے اپنے اور ویرا کے رشتے کے بارے میں میرے سوال پر اپنی خفگی کا اظہار کیا تھا مگر اس کے ساتھ یہ بھی کہہ گیا تھا کہ تنظیم میں وہی کارکن آگے بڑھتے ہیں جن کی وہ خود پشت پناہی کرتا ہے۔ ویرا کو پاکستان کی حد تک تنظیم میں ایک اہم مقام حاصل تھا۔ لندن میں بھی شوگر کوئین کے نام سے وہ سرگرم رہی تھی پھر پچھلے دنوں داؤد کے مقابلے میں شی کے بڑوں سے مخاصمت کے بعد جس طرح اس کی سرکشی کو نظر انداز کر کے دوبارہ شی کی ذمے داریاں سونپی گئی تھیں ان کی بنا پر یہ نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں تھا کہ اُسے ڈھکے چھپے انداز میں جمی لائیڈ کی حمایت حاصل تھی اور تنظیم کے سربرآوردہ لوگ جمی لائیڈ کی ناراضگی کے خوف سے ویرا کی بے اعتدالیوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی میں ضرورت سے زیادہ محتاط رہتے تھے۔

ان کھلی کھلی علامتوں کی روشنی میں کم از کم میرے لیے یہ نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں تھا کہ بظاہر جمی اس رشتے کے اعتراف سے گریز کرتا تھا لیکن ویرا کی طرف سے اس کے دل میں چور موجود تھا جس کی وجہ سے وہ ویرا کی بہت سی حرکتوں کی طرف سے چشم پوشی اختیار کیے رہتا تھا۔

اس کی دانست میں میں شی کا مجرم تھا لیکن اس نے اعتراف کیا تھا کہ وہ اس بات سے پوری طرح باخبر تھا کہ ویرا میرے لیے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتی تھی مگر مجھ سے مراسم رکھنے پر اس نے کبھی ویرا سے جواب طلب نہیں کیا تھا بلکہ یہاں تک کہہ گیا تھا کہ اگر کبھی ویرا اپنی اہلیت کی بنا پر کسی بڑے منصب پر فائز ہوئی تو اسے میرے مقدر کا فیصلہ کرنے کا کھلا اختیار مل جائے گا جس پر خود اسے کوئی اعتراض نہیں تھا۔

بستر کی پُرسکون آغوش میں جمی لائیڈ کی گفتگو کے ان منتشر اور بظاہر بے ربط جملوں کو یکجا کرنے سے اس کی اس خواہش کا سبب سامنے آجاتا تھا کہ وہ مجھے زندہ دیکھنا چاہتا تھا۔

غزالہ کے وجود سے واقف ہونے کے باوجود اس کے ذہن کے کسی گوشے میں یہ بات جم گئی تھی کہ ویرا مجھے چاہنے لگی تھی۔ لہٰذا وہ مجھے اپنی بیٹی کا محبوب سمجھ کر کچھ رعایتیں دینے پر آمادہ تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ویرا کی رگوں میں اسی کا خون دوڑ رہا ہے لیکن زندگی میں باپ کا شفقت آمیز سایہ نہ ملنے کی وجہ سے اس کی تربیت جس آزادانہ اور بے باک ماحول میں ہوئی تھی اس نے ویرا کو سرکش اور ضدی بنا دیا تھا۔

ویرا کو اپنی باضابطہ ولدیت نہ دے کر جمی لائیڈ نے اس کے حق میں ایک ناقابلِ تلافی جرم کا ارتکاب کیا تھا اور اپنی بیٹی کے ساتھ ڈان مرسیانو کے نرغے میں اس نے ایک بے رحم سوداگر بن کر

دوسرا جرم کیا تھا۔ گو اسے علم نہیں تھا کہ ویرا اس کے اس گھناؤنے روپ کو پہچان چکی تھی مگر اس کے دل میں خلش ضرور رہی ہوگی۔ اس پس منظر میں وہ میرے بارے میں کوئی سنگدلانہ فیصلہ کرکے ویرا کے قہر کو نہیں للکارنا چاہتا تھا۔ اُس کی دبی دبی سی خواہش یہی معلوم ہوتی تھی کہ اگر دیرا کو اپنی زندگی میں باپ کی محبت نہ مل سکی تو کم از کم شوہر کی محبت ضرور ملنا چاہیے اور اس کی نظروں میں اس منصب کا سزاوار میں قرار پا چکا تھا۔

میری، سلطان شاہ کی اور غزالہ کی زندگیوں کے لیے یہ ضروری ہوگیا تھا کہ جمی لائیڈ کے ذہن میں وہ غلط فہمی مضبوطی کے ساتھ جمی رہے تاکہ وہ ہمارے بارے میں اپنی روایتی سنگدلی کا مظاہرہ نہ کرسکے جس کی ایک جھلک اُس نے ایمی جیسی معصوم اور سادہ لوح لڑکی کے بارے میں بے رحمانہ فیصلہ صادر کرکے دکھائی تھی۔

اس کے لہجے سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ اب ایمی کو زیادہ مہلت نہیں دے گا لیکن وہ ہمارے ساتھ اسی چھت کے نیچے مقیم تھی۔ تو پھر کیا ایمی کو وہاں سے نکال لے جانے کی کوشش کی جائے گی؟

یہ خیال ذہن میں اُبھرتے ہی میں مضطرب ہوگیا۔ اگر ایسی کوئی کوشش کی جانے والی تھی تو وہی ہمارے لیے نجات کا بہترین موقع فراہم کرسکتی تھی۔

میں نے زبان سے ایک لفظ بھی نکالے بغیر سلطان شاہ کا شانہ چھو کر اسے خاموشی کے ساتھ بستر چھوڑنے کا اشارہ کیا اور پھر خود بھی بستر سے نیچے قالین پر اُتر گیا۔

اس مکان کے پورے فرش پر دبیز قالین موجود تھا مگر پھر بھی میں بہت احتیاط سے آگے بڑھ رہا تھا کیوں کہ ہمیں کچھ پتا نہیں تھا کہ جمی لائیڈ تک ہماری آوازیں پہنچانے والے مائیکروفون کہاں کہاں نصب تھے۔

خواب گاہ سے باہر نکل کر میں نے اشاروں کی مدد سے بدقت تمام سلطان شاہ کو اپنے منصوبے سے آگاہ کیا اور جب اُس نے سر ہلا کر پوری بات سمجھ جانے کا اشارہ کیا تو میں آگے چل دیا اور اسے نکاسی کے دروازے کے سامنے اسٹور میں جگہ سنبھالنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود ایمی کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

ایمی اپنی خواب گاہ میں پڑی بے خبر سو رہی تھی۔ اس کا جائزہ لے کر میں واپس ہوا اور کچن کے دروازے کے ساتھ ایک ایسی جگہ بیٹھ گیا جہاں سے سلطان شاہ مجھے نظر آرہا تھا۔

میرا خیال تھا کہ شاید وہ لوگ ہماری بے خبری میں اسی رات ایمی کو نکال لے جانے کی کوشش کریں گے اگر چھپ کر ان کی نگرانی کرتے ہوئے ہمیں ان پر حملہ آور ہونے کا موقع مل گیا تو ہمیں دُنیا کی کوئی طاقت اس پنجرے سے فرار ہونے سے نہ روک سکے گی۔

ہم لوگ چوبیس گھنٹے سے زائد مدت تک بے ہوش رہے تھے۔ پھر شکم سیر ہوکر کھانے پینے کے بعد دوپہر میں بھی تھوڑی دیر اونگھ لیے تھے اس لیے اس وقت آنکھوں میں دُور دُور تک نیند کا پتا نہیں تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ان لوگوں کے انتظار میں ہم آسانی کے ساتھ رات کالی کرسکیں گے۔

بستر سے اپنے ان خفیہ مورچوں پر منتقل ہونے کے بعد وقت کی رفتار یک لخت سست ہوگئی تھی مگر پھر بھی ہم نے آدھی سے زیادہ رات آنکھوں ہی آنکھوں میں کاٹ دی جس کے بعد سلطان بار بار منہ پھاڑ کر جمائیاں لینے لگا اور مجھ پر بھی اکتاہٹ کا غلبہ شروع ہوگیا۔

آخر کار ساڑھے تین بجے کے قریب ہم مایوس ہوکر بے آواز قدموں سے چلتے ہوئے اپنی خواب گاہ میں واپس آگئے اور بستر سنبھال لیا۔

خواب گاہ میں طویل خاموشی کے بعد ہم آپس میں کوئی بات بھی نہیں کرسکتے تھے۔ ورنہ دوسری طرف سے ہماری آوازیں سُن کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ ہم مکان میں خاموشی کے ساتھ کوئی کارروائی کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ غنیمت یہ تھا کہ دُہرے پلنگ والی وہ مسہری بہت مضبوط تھی اگر اس کی چولیں آواز پیدا کررہی ہوتیں تو ہمارے لیے بے خوابی کے اس عالم میں بار بار کروٹیں بدلنا بھی دشوار ہوجاتا۔

پھر نہ جانے کب میری آنکھ لگ گئی۔

دوبارہ آنکھ کھلی تو وال کلاک دس بجا رہا تھا اور مجھے پورا یقین تھا کہ وہ صُبح ہی کے دس بجے تھے لیکن سلطان شاہ کا بستر خالی تھا۔ شاید وہ مجھ سے پہلے بیدار ہوگیا تھا۔

میں غسل خانے سے فارغ ہوکر کچن میں پہنچا تو سلطان شاہ انڈے فرائی کر رہا تھا۔

"ایمی غائب ہے۔" مجھے دیکھتے ہی اُس نے بلند آواز میں یوں اعلان کیا جیسے ایمی کی گمشدگی اس کے لیے سراسر غیر متوقع ہو۔ اور میں دل ہی دل میں خود کو ملامت کرنے لگا۔

ایمی کے بارے میں میری چھٹی حس کی وارننگ بالکل درست اور بروقت تھی لیکن ہم دونوں ہی کے اعصاب طویل اور اکتا دینے والے انتظار کی مشقت برداشت نہ کرسکے اور ہمیں وہاں سے نکلنے کا ایک سنہرا موقع ہاتھ آتے آتے رہ گیا۔ مشکل یہ تھی کہ اپنی حماقت پر ہم آپس میں بات کرکے دل کی بھڑاس بھی نہیں نکال سکتے تھے لہٰذا میں نے اس کی اطلاع سُن کر مصنوعی لہجے میں حیرت کا اظہار کیا اور پھر ایمی کے بارے میں چند ہمدردانہ تبصروں کے ساتھ اس موضوع کو وہیں ختم کردیا کیوں کہ اب اس میں سر کھپانا بے سود تھا۔

خاموشی کے ساتھ ناشتا معدے میں اُتارتے ہوئے مجھے اچانک اس تصویر کا خیال آیا جو ایمی نے اسٹڈی میں مجھے دکھائی تھی۔ میرا خیال تھا کہ اگر آنے والا جمی لائیڈ ہی تھا تو تصویر اپنی جگہ سے غائب ہونا چاہیے تھی۔ کیوں کہ وہ اپنی تصویر اپنے کسی کارکن سے منگوا کر اپنے سیپڑانچ کے روپ کو موضوعِ سخن بنانے کی حماقت نہیں کرسکتا تھا۔

ایمی نے تصویر جس جگہ واپس رکھی تھی، وہ مقام مجھے یاد تھا لیکن ناشتے کے بعد جب میں نے وہاں کی تلاشی لی تو تصویر کا کہیں پتا نہیں تھا۔

کچن سے میں سلطان شاہ کو بلند آواز سے بلا کر اسٹڈی روم میں لایا تھا لہٰذا اس نے بلا تکلف سوال کر ڈالا کہ میں وہاں کیا تلاش کر رہا تھا۔

"ایمی نے پیٹرانچ کی تصویر یہیں واپس رکھی تھی لیکن اب وہ غائب ہے اس کا مطلب ہے کہ رات کو وہ خود ایمی کو اُٹھا لے گیا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"تمھیں کیوں اس تصویر کی فکر لاحق ہو رہی ہے؟" اس نے بیزاری کے عالم میں کہا "یہاں جو کچھ ہوتا ہے، ہونے دو اور تن بہ تقدیر ہوکر بیٹھے رہو، جب خود پر کوئی اُفتاد پڑے گی تو دیکھا جائے گا۔"

"تم پر چڑچڑا پن سوار ہونے لگا ہے۔" میں نے مصنوعی برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا "شاید تم مسلسل میری صورت دیکھ دیکھ کر اُکتا گئے ہو۔ ایمی چلی گئی ہے لہٰذا اب تم اس کی خواب گاہ میں رہو تاکہ ہمارے آپس میں دست و گریباں ہونے کی نوبت نہ آئے۔"

"اگر تم مجھ سے چھٹکارا چاہتے ہو تو چلو یہ بھی کرلوں گا۔" اس نے میرے اشارے کو سمجھتے ہوئے کہا اور پھر وہ راستے میں ہی ایمی کی خالی خواب گاہ میں گھس گیا۔

اس قید خانے میں کھانے اور آرام کرنے کے علاوہ کوئی کام نہیں تھا اس لیے میں پھر بستر پر دراز ہوگیا مگر ذہن خالی نہیں تھا۔ مجھے جمی لائیڈ کی قید اپنے حق میں سرکاری حوالات سے بھی بدتر ثابت ہوتی نظر آرہی تھی۔ جہاں ڈھنگ کا بستر میسر نہ ہونے کے باوجود کھلے آسمان کے نیچے جانے کی اجازت تھی۔

بارہ بجے صوفے کے نچلے حصے میں آپریٹس سے اُبھرنے والی آواز نے مجھے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔

"ڈینی! کیا تم میری آواز سُن رہے ہو؟" جمی لائیڈ سوال کر رہا تھا۔

"سُن رہا ہوں۔" میں نے بستر پر لیٹے لیٹے جواب دیا۔

"تم لوگوں کی زبان کا ترجمہ کرانے میں مجھے دقت ہوتی ہے۔ لیکن مجھے اعتراف ہے کہ تم بہت ذہین ہو، تم نے میری تصویر کی بنا پر صحیح اندازہ لگایا کہ رات میں خود وہاں آیا تھا۔"

"ایسی ذہانت کس کام کی جو بند کمروں میں سڑ جائے؟" میں نے تلخ لہجے میں کہا "بتا کر آتے تو ذرا تم سے آمنے سامنے ملاقات بھی ہوجاتی۔"

"فضول باتیں مت کیا کرو۔" اس کا لہجہ سخت ہوگیا "اور کان کھول کر سُن لو مجھے تمھارا ساتھی خطرناک ہوتا ہوا نظر آرہا ہے۔ وہ تمھارے مشورے قبول کرنے کے بجائے اس بُرے وقت میں سرکشی پر اُتر آیا ہے۔ شاید تم نے بھی اُسے اپنے سے الگ کرکے دوسرے کمرے میں بھیج دیا ہے۔"

"یہ ہماری آپس کی باتیں ہیں۔ وہ جلد ہی ٹھیک ہوجائے گا۔ تمھیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونا چاہیے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"وہ تمھیں بھی گمراہ کردے گا۔ میں نے اسے تمھارے پاس سے ہٹانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔" اس کی تحکم آمیز آواز اُبھری۔

"میں اکیلا تو یہاں پاگل ہوجاؤں گا۔ کھانے اور ناشتے وغیرہ کا بندوبست وہی کرتا ہے۔ اس کی جگہ تمھیں کوئی اور آدمی دینا ہوگا۔"

"میرے لیے یہی کافی ہے کہ تم ذہنی طور پر اس سے الگ ہونے کے لیے تیار ہو۔" اس نے میری مرضی کے مطابق نتیجہ اخذ کرتے ہوئے کہا "دو گھنٹے بعد میرے آدمی کسی بھی وقت وہاں پہنچیں گے اور اسے ساتھ لے جائیں گے۔ یہ خیال رکھنا کہ تمھاری گفتگو میں پیٹرانچ کے علاوہ میرے کسی اور نام کا حوالہ نہیں آنا چاہیے۔"

"تم مطمئن رہو۔ مجھے اپنی زندگی تم سے زیادہ عزیز ہے۔"

"اُسے میرے اس پیغام سے باخبر نہ کرنا ورنہ وہ مزاحمت کے لیے تیار ہوجائے گا۔" اس پیغام کے بعد فضا پر سکوت چھا گیا اور میں نے آہستگی کے ساتھ مسہری چھوڑ دی۔

مایوسی اور نااُمیدی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں وہ اُمید کی پہلی کرن نظر آئی تھی اور میں کوئی آواز پیدا کیے بغیر سلطان شاہ کو جلد از جلد اس موڑ سے آگاہ کرنا چاہتا تھا تاکہ وقت ضائع کیے بغیر ہم دونوں آنے والے خطرناک معرکے کی تیاریاں کرسکیں۔

ہم نہتے ضرور تھے لیکن کچن میں موجود وزنی چھریوں کے سہارے آنے والوں کو زیر کرکے ان کے اسلحے پر قابض ہونا بظاہر زیادہ دشوار نظر نہیں آرہا تھا کیوں کہ وہ ذہنی طور پر سلطان شاہ کے خلاف صف آرا ہوکر آرہے تھے اور میں ان کے اعتماد کا آدمی تھا۔

جمی لائیڈ کو ابھی تک یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ ہم دونوں ساتھ جینے اور ساتھ مرنے والوں میں سے تھے۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ ایک کی موجودگی میں دوسرے کو کسی چوپائے کی طرح بے دست و پا کیا جاتے اور وہ خاموش تماشائی بنا رہے اور جمی لائیڈ اپنے اس غلط اندازے کی بھاری قیمت ادا کرنے والا تھا۔

اپنی تمام تر ہوشیاری اور چالاکی کے باوجود وہ آخر کار ہمارے دام میں آنے ہی والا تھا۔

قدرت کی دی ہوئی ہر نعمت اپنی جگہ بے مثال ہوتی ہے جس کا بدل تلاش کرنا انسانی تخیل سے باہر ہوتا ہے۔ اس وقت میں پوری شدت سے یہی سوچ رہا تھا کہ آخر انسان اللہ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلا سکے گا؟ ہم قوتِ گویائی سے پوری طرح مالا مال تھے اور دنیا کے کسی بھی، بُرے بھلے موضوع پر گھنٹوں بے تکان گفتگو کر سکتے تھے لیکن اس مکان کے مختلف حصوں میں لگے ہوئے سولہ حساس ڈکٹا فون ہماری زبانوں کے لیے قفل بن کر رہ گئے تھے۔ میں پیٹر انیج سے ملنے والی نئی معلومات سے سلطان شاہ کو آگاہ کرنا چاہ رہا تھا لیکن وہ موضوع ایسا نازک اور غیر یقینی تھا کہ میرے تمام اشارے اُسے کچھ سمجھانے میں کامیاب نہ ہو سکے اور اُس کے چہرے پر اُلجھن بڑھتی ہی چلی گئی۔

مجھے اپنی پوری زندگی میں اس وقت پہلی بار گونگوں کی بے بسی کا اندازہ ہوا جو اللہ کی ایک نعمت سے محروم ہونے کے باوجود دوسروں کو اپنی بات سمجھانے کی کوئی نہ کوئی راہ نکال ہی لیتے ہیں لیکن اس بارے میں اُن کا تجربہ اُن کے کام آتا ہے۔ اپنے گہرے مشاہدے سے وہ ہر عمل اور فعل کے لیے ایک ایسا بھرپور اشارہ مقرر کر لیتے ہیں جو اس عمل یا فعل کی پوری پوری عکاسی کرتا ہے مگر ہم دونوں اس معاملے میں بالکل اناڑی تھے اور میں سلطان شاہ کو کسی طرح یہ سمجھا نہیں پا رہا تھا کہ تھوڑی دیر قبل ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو کی بنا پر پیٹر انیج نے اُسے خطرناک قرار دے دیا تھا اور دو گھنٹے بعد کسی بھی وقت اُسے وہاں سے لے جایا جا سکتا تھا۔

پھر اس سے قبل کہ سلطان شاہ میرے اشاروں سے زچ آکر زبان کھول بیٹھتا، میں نے وہ سلسلہ وہیں منقطع کر دیا اور لائبریری کی طرف چل دیا۔ وہاں کوئی آواز یا آہٹ پیدا کیے بغیر میں نے پینسل اور سادہ کاغذ تلاش کیا اور ایک کونے میں بیٹھ کر اپنی اور پیٹر کی گفتگو کا خلاصہ کاغذ پر لکھ کر سلطان شاہ کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔" خلاصہ پڑھ کر اُس نے لکھا۔ "ہمیں اپنی نوک جھونک جاری رکھنا چاہیے تاکہ ہماری محاذ آرائی کے بارے میں اُس کے رہے سہے شبہات بھی زائل ہو جائیں۔"

"وہ بھی کرتے رہو لیکن اصل مسئلہ اسلحے کا ہے۔ اُس کے آدمی کسی بھی وقت آ سکتے ہیں۔ کچن سے تیز دھار اور مضبوط چھُریاں جمع کر لو، ان کے مقابلے میں وہی کام آ سکیں گی۔ نہتے رہ کر ہم اُن کا بال بھی بیکا نہ کر سکیں گے۔"

"فکر نہ کرو، کچن میرا دیکھا بھالا ہے۔ وہاں تین چھُریاں تو ایسی ہیں کہ اُن سے سانڈ بھی ذبح کیے جا سکتے ہیں۔" رقعے پر آخری سطر لکھ کر وہ چلا گیا اور میں اپنے کمرے میں لوٹ آیا۔

اسکاچ کا ایک گلاس تیار کر کے میں سگریٹ سے شغل کر رہا تھا کہ وہ واپس لوٹ آیا۔ "اب میں تمھاری خدمت نہیں کر سکتا۔" اُس نے کمرے میں گھُستے ہی چڑچڑے لہجے میں کہا۔ "کچن میں اپنا کام تمھیں خود کرنا ہو گا۔ ہر وقت چولہا جھونکنا میرے بس سے باہر ہے۔"

"جو کر سکتے ہو کرو، جو نہیں کر سکتے، نہ کرو۔ میں بغیر کھائے پیے بھی دو چار دن گزار سکتا ہوں لیکن بد قسمتی سے کھانا تیار کرنا میرے لیے ممکن نہیں ہے۔" میں نے اُس کے ہاتھ میں دبی ہوئی لمبے پھل والی چھُریوں کو آسودہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ نہ سمجھنا کہ تمھاری نقاہت پر ترس کھا کر میں موم ہو جاؤں گا بلکہ اب تو دو تین وقت تمھیں میری خدمت کرنا چاہیے۔ اگر ہمیں خوش گوار ماحول میں ساتھ رہنا ہے تو سارے کام باری باری کرنے ہوں گے۔" یہ کہتے ہوئے اُس نے آہستگی کے ساتھ چھُریاں بستر پر ڈال دیں۔

"تم حد سے تجاوز کر رہے ہو۔" میں نے ترش لہجے میں کہا۔ "بدقسمتی ہے کہ اس وقت ہم دونوں کسی کے قیدی ہیں لیکن تم میرے زیر دست ہو، اپنی اس حیثیت کو فراموش نہ کرو۔" میں نے چھُریوں کی تیز دھار پر اُنگلی پھیرتے ہوئے سلطان شاہ کو آنکھ مار کر کہا۔

"اس وقت تو محمود و ایاز کو ایک ہونا پڑے گا۔ مقدر سے رہائی نصیب ہو گئی تو تم مجھے دوبارہ اپنا فرماں بردار پاؤ گے۔ یہاں رہ کر اگر ہم نے کھُلے دل کے ساتھ ایک دوسرے کے مشوروں سے استفادہ کیا تو کسی بھی لمحے بے دردی کے ساتھ ذبح کر دیے جائیں گے۔ چھُری کی دھار زیر دست اور زبردست کی گردن میں کوئی امتیاز نہیں کرتی۔"

"چھُری نہیں، یہ بارودی ہتھیاروں کا دور ہے۔" میں نے اپنے لیے ایک چھُری کا انتخاب کرتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر اُکتا گئے ہیں۔ میرا مشورہ ہے کہ تم بیشتر وقت مجھ سے دُور رہ کر گزارو تاکہ ہم میں تھوڑی بہت مفاہمت ضرور برقرار رہے۔ تمھاری یہی روش جاری رہی تو ہمیں فنا کرنے کے لیے باہر کی کسی کارروائی کی کوئی ضرورت نہیں ہو گی، ہم خود ہی ایک دوسرے کے گریبان تھام لیں گے۔"

"مجھے خود پر اتنا بھروسا ہے۔" اُس کا لہجہ طنزیہ تھا جیسے ہمارے درمیان ہونے والے وہ مکالمے ڈراما نہیں، حقیقت ہوں۔ "کہ نہ میں تمھارا گریبان تھاموں گا نہ آنکھ بند کر کے تمھارے کسی حکم کی تعمیل کروں گا۔"

"یعنی تم سرکشی پر تُل گئے ہو؟" میں نے غرّاتے ہوئے سوال کیا۔

"سرکشی نہیں . . . بس تمھاری ذہنی حالت پر بھروسا نہیں رہا ہے۔" اُس کا لہجہ بے پروایانہ تھا جیسے وہ میری بات کو ذرا بھی وزن دینے پر آمادہ نہ ہو۔ "تم ان لوگوں سے بہت زیادہ مرعوب ہو گئے ہو اور بزدل بن کر ان سے زندگی کی بھیک تک مانگنے پر آمادہ ہو جب کہ میں لڑتے ہوئے مر جانے کو ترجیح دوں گا۔"

"مسلح اور مکّار دشمن سے خالی ہاتھوں تصادم مول لینا خودکشی سے کم نہیں ہو گا۔ میں تمھیں مرنے سے نہیں روک سکتا مگر موت باعزت اور بامقصد ہونا چاہیے۔"

"میں کب مرنا چاہتا ہوں؟" اُس نے حیرت سے کہا۔ "دلیری کے ساتھ زندہ رہ سکا تو ضرور رہوں گا اور مغلوب ہو گیا تو میرے بس میں کچھ بھی نہیں رہے گا۔"

"یہ توقع نہ رکھنا کہ تمھارے سفاک اور مکّار دشمن تمھاری موت کے بعد تمھیں وکٹوریہ کراس دلوا دیں گے۔ تم جس طرح بھی مارے گئے، اُن کے لیے ایک ناپسندیدہ لاش ہی رہو گے۔"

"مجھے تو اُن سے ذرا بھی اُمید نہیں ہے۔ بس اپنے دل اور حوصلے کی بات ہے۔ میں دل میں کوئی خلش لے کر زندہ نہیں رہنا چاہتا۔" اُس نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔ "تم جانتے ہو کہ میں عقیدے کے اعتبار سے پکا مسلمان ہوں اور یہ جانتا ہوں کہ جس کی جتنی زندگی لکھ دی گئی ہے، اس میں نہ ایک پل کی کمی ہو سکتی ہے نہ اضافہ۔ پھر کیوں نہ ایک شیر کی طرح زندہ رہنے کی کوشش کی جائے۔"

"عجیب منطق ہے۔" میں نے بھنّائی ہوئی آواز میں کہا۔ "ٹرین کے سامنے پٹڑی پر لیٹ جاؤ، اگر زندگی باقی ہے تو پوری ٹرین پٹڑی چھوڑ کر ہوا میں تیرتی ہوئی گزر جائے گی۔"

"جب ایمان مضبوط تھے تو یہ بھی ہوتا رہا ہے۔" وہ یک بیک جوش میں آ گیا۔ "عقیدہ اتنا مضبوط ہو کہ دل کے کسی بھی گوشے میں ناکامی کا خوف نہ ہو تو انسان کا ارادہ جیت جاتا ہے۔ ہاں میرے دل میں ٹرین کے نیچے کچلے جانے کا خوف موجزن ہو اور سورمائی دکھانے کے لیے پٹڑی پر لیٹ جاؤں تو میرے چیتھڑے بھی نہ مل سکیں گے۔ میری تعلیم واجبی سی ہے لیکن لکھ پتی بننے کے چکر میں کراچی آنے سے پہلے میں نے اپنی تاریخ اچھی طرح پڑھی ہے جو ایسے بے شمار واقعات سے بھری پڑی ہے۔ لوگ اسے کشف اور کرامات کہتے ہیں اور میں کامل توکل اور ناقابلِ شکست قوتِ ارادی کہتا ہوں۔ تم دیکھ لینا کہ ابھی ہمارا وقت نہیں آیا، تم ان کی خوشامد کر کے زندہ رہو گے اور میں لڑ کر زندہ رہوں گا۔"

"تمھیں سمجھانا بے سود ہے۔" میں نے دوسری چھُریاں اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں تمھارا مشکور ہوں کہ تم نے آخری وقت پر مجھے دھوکا نہیں دیا بلکہ پہلے ہی سمجھا دیا ہے کہ اب میں اکیلا ہوں اور اپنی بقا کی جنگ مجھے تنہا لڑنا ہے۔"

"یہ تمھاری سراسر غلط بیانی ہے۔" اُس نے ڈھٹائی سے کہا۔ "تم خود مجھ سے کٹ رہے ہو کیونکہ تمھارے دماغ پر ویرا کا بھوت سوار ہے۔ تم اُس کے عشق کی آڑ میں پناہ ڈھونڈ رہے ہو . . . خود کو میری جگہ رکھو اور پھر بتاؤ کہ پیٹر انیج نے اب تک ہمیں زندہ کیوں رکھا ہوا ہے؟ اُسے ایسی کیا مجبوری لاحق ہے جو وہ ہمیں اس پُرتعیش عمارت میں عمر بھر روٹیاں کھلاتا رہے؟ وہ یقیناً کسی لمبے چکر میں ہے، جوں ہی اُس کا مقصد حاصل ہوا، وہ ہمیں چیونٹیوں کی طرح مسل کر پھینک دے گا۔"

اس مردود نے ڈرامے بازی میں وہ نازک موضوع چھیڑ دیا تھا جس سے واقف ہوتے ہوئے بھی میں اس پر رائے زنی کرنے سے گریز کرتا رہا تھا مگر مجھے خوشی تھی کہ باہمی تبادلۂ خیال نہ ہونے کے باوجود اس بارے میں میری اور اُس کی سوچ ایک ہی تھی۔ ہمیں جو کچھ رعایت مل رہی تھی، ویرا کی وجہ سے مل رہی تھی اور جمی لائیڈ یا پیٹر انیج کی رائے میں سارے خصوصی سلوک کا مستحق صرف میں تھا کیونکہ اُس کی غیر قانونی بیٹی، ویرا میری ذات میں دلچسپی لے رہی تھی اور وہ نکتہ ذہن میں آتے ہی پیٹر انیج نے سلطان شاہ کو مجھ سے الگ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اُس نے سلطان شاہ کے بارے میں خاصا نرم لب و لہجہ اختیار کیا تھا مگر میں اُس کا مفہوم اچھی طرح سمجھ سکا تھا۔ سلطان شاہ کو وہاں سے لے جائے جانے کے بعد یقیناً قتل کر دیا جاتا اور اسی خون ریز سازش کو ناکام بنانے کے لیے ہم دونوں خاموشی کے ساتھ وسائل یکجا کر رہے تھے۔

"طویل فاقوں کے بعد یہاں ملنے والی مرغن اور وافر غذاؤں نے تمھارے دماغ پر خراب اثرات ڈالے ہیں۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "لہٰذا بہتر یہ ہو گا کہ تم فی الحال میرے سامنے سے دفع ہو جاؤ۔"

"جا رہا ہوں۔" وہ مجھے آنکھ مارتے ہوئے گہرا سانس لے کر بولا۔ "لیکن یہ یاد رکھنا کہ جس وقت بھی دل گھبرایا، دوبارہ آ جاؤں گا۔ اتنی آسانی کے ساتھ تمھارا پیچھا نہیں چھوٹ سکے گا۔"

"فی الحال تو یہاں سے جاؤ۔" میں نے اپنے لہجے میں بیزاری پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "تمھارے بارے میں مجھے اب سنجیدگی کے ساتھ کچھ سوچنا پڑے گا۔"

وہ مسکراتا ہوا میرے کمرے سے چلا گیا اور میں اپنی منتخب کی ہوئی چھُری کی دھار پر اُنگلیاں پھیرتے ہوئے یہ سوچنے لگا کہ وہ واحد ہتھیار آنے والوں کے مقابلے میں کس حد تک کارگر ثابت

ہو سکے گا۔

میں بستر پر دراز اسی سلسلے میں ذہن میں یکے بعد دیگرے بہت سے خاکے بناتا اور بگاڑتا رہا لیکن دل مطمئن نہ ہو سکا۔ مجھے رہ رہ کر یہ خیال ستا رہا تھا کہ اپنی آپس کی نوک جھونک سے ہم جمی لائیڈ کو یہ تاثر دینے میں تو کامیاب ہو گئے تھے کہ ہمارے درمیان شدید قسم کا اختلافِ رائے پیدا ہو گیا ہے اور وہ اِس قید خانے میں اپنے آدمی بھیجنے پر بھی آمادہ ہو گیا تھا مگر ہمارے پاس اپنی مدافعت کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ دو تین چھریوں سے ہم تھوڑی سی خون ریز مزاحمت تو کر سکتے تھے لیکن آنے والوں کو زیر کر کے جمی لائیڈ کے اس پُرتعیش قید خانے سے نکلنا محال نظر آ رہا تھا۔ وہ لوگ ہم پر حاوی ہونے کے بعد سلطان شاہ کو وہاں سے اٹھا لے جاتے اور پھر اُس کا پتا بھی نہ چلتا کہ اُسے ذبح کر کے کس گڑھے میں دفن کیا گیا ہے۔ اس طرح ہم نے خود ہی اپنے لیے ایک دشواری کو دعوت دی تھی۔

اُس وقت میرے اعصاب پر لحظہ بہ لحظہ تناؤ طاری ہوتا جا رہا تھا اور میرے کان مکان میں چھائے ہوئے گمبھیر سکوت پر جمے ہوئے تھے۔ میرا خیال تھا کہ اگر اِس وقت اس مکان کے کسی حصّے میں ننگے فرش پر سُوئی بھی گرتی تو میرے کان اُس کی آواز سُن لیتے مگر آنے والے لمحات نے میرے اس خیال کو غلط ثابت کر دیا۔

خواب گاہ کے کھلے ہوئے دروازے کے سامنے اچانک ہی دو انسانی ہیولے نمودار ہوئے تھے۔ اُن پر نگاہ پڑتے ہی میرا دل اچانک تیزی کے ساتھ دھڑکنے لگا۔ نگاہوں کے سامنے لمحہ بھر کے لیے تاریکی چھا گئی اور سنسنی کی شدت سے میری دونوں طرف کی پسلیوں سے اُبھر کر درد کی ایک میٹھی سی لہر پشت میں سرایت کرنے لگی۔

وہ دونوں ملک الموت کی طرح بالکل بے آواز قدموں کے ساتھ وہاں تک پہنچے تھے اور اُن کے ہاتھوں میں مہیب آہنی دہانوں والے پستول موجود تھے۔ میں نے اُن پر نگاہ پڑتے ہی پھرتی کے ساتھ مسہری چھوڑ دی۔

اُن کے نمودار ہونے سے میرے مسہری چھوڑنے تک جو کچھ ہوا کسی وقفے کے بغیر تسلسل کے ساتھ ہوا لیکن مجھے یُوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وقت کی رفتار یک بیک دھیمی ہو گئی ہو۔ جب میری نگاہوں کے سامنے سے دھندلاہٹ چھٹی تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ خواب گاہ کے دروازے پر موجود دو ہیولوں میں ایک میرا آشنا سا تھا۔ اور وہ ویرا تھی۔

جس قدر حیرت مجھے اُس کو وہاں دیکھ کر ہوئی اُس سے زیادہ حیرت ویرا کے بُشرے اور آنکھوں سے ہویدا تھی۔ اُس کا چوڑے شانوں والا، دراز قامت ساتھی سرد، بے رحمانہ نگاہوں سے یوں مجھے گھور رہا تھا جیسے اگلے ہی لمحے گولی چلا کر مجھے وہیں ڈھیر کر دے گا۔

"تو یہاں بھی تم ہی ہو!" آخر کار ویرا کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی تحیّر آمیز آواز اُبھری۔ "اِس کا مطلب ہے کہ تمھارا ساتھی سلطان ہو گا اور مجھے اسی کو لے جانا ہے۔ ۔ ۔"

اُس کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اسی لمحے فضا میں ایک گھٹی گھٹی سی ادھوری چیخ گونجی تھی۔ ویرا یکلخت خاموش ہو کر چوکنے انداز میں چیخ کی سمت کا اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگی مگر اس کا دراز قامت ساتھی فوراً ہی کسی بھپرے ہوئے درندے کی طرح پلٹ کر واپس بھاگا تھا۔

"اِسے روکو۔" میں اضطراری لہجے میں بولا۔ "اس نے کوئی گڑبڑ کی تو سلطان شاہ اُسے ذبح کر ڈالے گا۔"

ویرا کوئی جواب دیے بغیر پُرتجسّس نگاہوں سے میری طرف گھورتی رہی۔ پل بھر کے فطری اضطراب کے بعد وہ ایک بار پھر یُوں پُرسکون نظر آنے لگی تھی جیسے اُس نے کوئی غیر معمولی چیخ سُنی ہی نہ ہو۔ اُس کی بولتی ہوئی آنکھوں اور خاموش لبوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اُسے اپنی آواز ریکارڈ ہونے یا کہیں اور سُنے جانے کا شبہ تھا جس کی تائید یا تردید ہونے تک وہ گفتگو کی حد تک محتاط رہنا چاہتی تھی۔

"تم یہاں کیسے لائے گئے؟" قدرے سکوت کے بعد اُس نے پُرسکون لہجے میں سوال کیا تھا۔

اِس بار میرے زبان کھولنے سے قبل ہی اندر سے فائر اور پھر کراہ کی آواز سنائی دی تھی اور میں ویرا کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی خوابگاہ سے نکل کر سلطان شاہ کی طرف دوڑتا چلا گیا۔

اُس طرف خاصی ہنگامہ آرائی ہو چکی تھی۔ ویرا کا دراز قامت ساتھی پستول ہاتھ میں لیے غضبناک تیوروں کے ساتھ راہداری میں موجود تھا۔ میرے قدموں کی دھمک محسوس کرتے ہی وہ پلٹا تھا اور اُس نے سختی کے ساتھ اپنے پستول والے ہاتھ کو جنبش دے کر مجھے اپنی جگہ رُک جانے کا حکم دیا تھا اور مجھے مشینی انداز میں وہیں تھم جانا پڑا۔

اُس سے آگے سلطان شاہ اپنی لہولہان پنڈلی کو دونوں ہاتھوں سے تھامے دراز قامت کو کینہ توز نظروں سے گھور رہا تھا اور قالین پر ایک اور شخص بے حس و حرکت اوندھا پڑا ہوا تھا۔ اُس کی پشت پر بائیں جانب کوئی کاری زخم آیا تھا جس سے خون اُبل اُبل کر قالین پر پھیلتا جا رہا تھا۔

فضا میں پھیلی ہوئی بارود کی بُو اور دوسری علامتوں کی بنا پر میرے لیے یہ اندازہ کرنا دشوار نہیں تھا کہ قالین پر بے حس و حرکت پڑا ہوا شخص ویرا ہی کا ساتھی تھا جسے وہ مکان کی تفصیلی تلاشی کے لیے اُدھر چھوڑتی ہوئی اندر میری طرف آئی تھی اور وہ شخص بے خبری میں سلطان شاہ کی چھری کا نشانہ بن گیا ہو گا۔ زخم کے مقام اور زخمی کے بے حس و حرکت جسم کو دیکھتے ہوئے یہ شبہ ہو رہا تھا کہ اُس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی اور شاید ویرا کا دراز قامت ساتھی بھی اِس حقیقت سے واقف ہو چکا تھا ورنہ اب تک اُسے اپنے ساتھی کی طبی امداد میں مصروف ہو جانا چاہیے تھا۔

میرا اندازہ تھا کہ سلطان شاہ نے شاید دراز قامت پر بھی چھری سے حملہ کرنے کی کوشش کی تھی اور اُس نے اپنی مدافعت میں فائر کر کے سلطان شاہ کی داہنی پنڈلی کو زخمی کر دیا تھا۔

دراز قامت کی دھمکی پر میں اضطراری طور پر اپنی جگہ رُک گیا مگر چند ثانیوں میں صورتِ حال کا ادراک ہوتے ہی میں نے کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"میرے ساتھی سے زیادہ تمھارا ساتھی زخمی معلوم ہوتا ہے تمھیں اس کی مدد کرنا چاہیے۔" میں نے اپنی جگہ سے ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے ناصحانہ لہجے میں کہا۔

"وہیں رُکے رہو۔" وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اپنا پستول والا ہاتھ میری طرف بڑھاتے ہوئے غرّایا۔ "میرے ساتھی کی فکر نہ کرو، وہ ہر قسم کی مدد سے بے نیاز ہو چکا ہے۔"

"کیا؟" میں نے مصنوعی حیرت کے ساتھ سوال کیا۔ "اتنی خاموشی کے ساتھ مر گیا؟"

"اب کوئی حرکت کی تو تم اِس سے زیادہ خاموشی کے ساتھ مرو گے۔" وہ زہریلے لہجے میں بولا۔

"اگر تم اپنے ساتھی کی موت کے بارے میں اتنے ہی پُریقین ہو تو مجھے اپنے ساتھی کی دیکھ بھال کرنے دو، اُس کی ٹانگ بُری طرح زخمی معلوم ہوتی ہے۔" میں نے خوشامدانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"یہ نہ بھولو کہ وہ قاتل ہے ___ کسی اور کا لہو بہا کر وہ خود کب خیریت سے رہ سکتا تھا۔" دراز قامت کا لہجہ بدستور زہر آلود تھا۔ "اگر میں نے گولی چلانے میں ذرا بھی تردّد کیا ہوتا تو وہ مجھ پر چھری پھینک چکا ہوتا۔"

اس وقت میں نے پہلی بار دیکھا کہ سلطان شاہ والی چھری دراز قامت کے بائیں جوتے کے نیچے دبی ہوئی تھی اور اس کے چمکتے ہوئے پھل پر مرنے والے کے خون کے داغ نمایاں تھے۔

"میں ٹھیک ہوں۔" سلطان شاہ نے شکستہ انگریزی میں اپنا مطلب واضح کرتے ہوئے قدرے بلند لہجے میں کہا۔ "تمھیں اِس مردود کے آگے گڑگڑانے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"زبان کو لگام نہ دی تو ابھی دوسری پنڈلی کو بھی اُدھیڑ ڈالوں گا۔" دراز قامت سفید فام نے طیش میں آ کر کہا۔ "اور اس چار دیواری سے باہر تمھاری فریاد بھی نہ سن سکے گا۔"

"کھوپڑی ٹھنڈی رکھو فل۔" اچانک ویرا کی سرد اور سپاٹ آواز گونجی۔ "میری موجودگی میں دوسروں کے اشاروں پر ناچنا تمھیں زیب نہیں دیتا۔"

"مادام!" ویرا کی الزام تراشی پر وہ سراپا احتجاج بن گیا۔ "یہ تم کیا کہہ رہی ہو؛ تم نے دیکھا نہیں کہ یہ کالا خبیث ایڈی کو بے رحمی سے ہلاک کر چکا ہے اور میرے ہاتھوں مرنے سے ابھی تک محفوظ ہے۔"

"میں سب دیکھ چکی ہوں، اسی لیے کہہ رہی ہوں کہ تمھیں ان دونوں کے ہاتھوں میں نہیں کھیلنا چاہیے۔ یہ تمھیں اشتعال دلا کر ایسی کسی غلطی پر مجبور کرنا چاہتے ہیں جس کے نتیجے میں بازی ان کے حق میں پلٹ جائے۔ میں انھیں اچھی طرح جانتی ہوں۔ ایڈی سے محروم ہونے کے بعد نفری برابر ہو گئی ہے، اس لیے اب ہمیں محتاط رہنا چاہیے۔"

ویرا دراز قامت سے مخاطب تھی۔ مگر میں اُسے بہت قریب سے دیکھ چکا تھا بلکہ اس کی رگ رگ سے واقف تھا۔ میں نے فوراً ہی اس کے الفاظ میں پوشیدہ پیغام کو محسوس کر لیا۔ اُس نے بہت لطیف پیرائے میں مجھے آگاہ کر دیا تھا کہ وہاں ان دونوں کے علاوہ کوئی اور موجود نہیں تھا جب کہ جمی لائیڈ نے اس پُرتعیش قید خانے کے باہر ہمہ وقت مستعد مسلح محافظوں کی کہانی سنائی ہوئی تھی، جو اِن حالات میں قرینِ قیاس بھی لگتی تھی۔

"تم فکر نہ کرو۔" فل نے پُرغرور لہجے میں ویرا سے کہا۔ "تمھیں ہاتھ بھی نہیں ہلانا پڑے گا اور میں محض مُکّے مار مار کر اِن دونوں کو زمین چٹوا دوں گا۔"

میں اِس وقت ویرا کی طرف متوجہ تھا۔ میں نے پل بھر کے لیے اُس کی آنکھوں میں وحشیانہ چمک اُبھرتے دیکھی مگر وہ بولی تو اُس کی آواز پُرسکون تھی۔

"تم اِن دونوں سے طاقت ور ضرور ہو مگر یہ بلا کے مکّار اور چالباز ہیں۔ تمھارے زیر ہونے کے بعد میں تنہا اِن دونوں کو نہ سنبھال سکوں گی۔"

ویرا کے الفاظ پر فل کا ردِّ عمل میری توقع کے عین مطابق تھا۔ اُس کے منہ سے بے اختیار کئی غلیظ گالیاں اُبلی تھیں۔ پھر وہ بُرا سا منہ بناتے ہوئے بولا تھا۔ "میں تمھارے بارے میں مدّت سے بہت کچھ سنتا آ رہا ہوں لیکن مجھے افسوس ہے کہ تم فل کی طاقت اور کارناموں سے یکسر بے خبر ہو۔ میں نے اسپین میں ایک سانڈ کے سر پر گھونسا مار کر ناک کے راستے اُس کا بھیجا بہا دیا تھا۔ میرے سامنے یہ دونوں تو بالکل حقیر سے بھڑے ہیں۔"

وہ شہ زور ضرور تھا مگر عقل سے اسی قدر تہیم نظر آ رہا تھا۔ ویرا بڑے غیر محسوس انداز میں اُس کی انا پر تازیانے لگا کر اُسے اُکسا رہی تھی اور وہ ہم سے بھڑ جانے پر تُلا جا رہا تھا۔

لمحہ بھر کے لیے میری اور ویرا کی نظریں چار ہوئیں اور میرے ابرو کے اشارے سے اپنے خاموش سوال کا جواب پاتے ہی وہ پھر فل کی طرف متوجہ ہوگئی "زخمی کو تم زیر کر لو۔ ۔ ۔ ڈینی کو میں پستول کی زد پر لیے رہوں گی۔ یہ تمھارے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔"

اُس کی کھوپڑی پر اس وقت واقعی کُبر چھنے لگی تھی کیونکہ ویرا کی پیش کش سنتے ہی وہ مچل گیا "آج تم بھی میرا تماشا دیکھ ہی لو تاکہ میرے بارے میں تمھاری رائے ٹھیک ہوسکے۔ تم زخمی کو کور کرو، میں اس کا بانکا کرتا ہوں۔"

فل کے آخری الفاظ میرے بارے میں تھے۔ ویرا بے بسی کے ساتھ شانے اُچکا کر رہ گئی اور وہ ویرا کی اس حرکت کو لینے لیے اجازت تصور کر کے بازو پھیلائے میری طرف بڑھنے لگا۔ اپنا پستول اُس نے سیفٹی کیچ چڑھا کر پتلون کی عقبی جیب میں نال کے رُخ سے اُڑس لیا تھا۔

ویرا نے اپنے پستول کا دہانہ سلطان شاہ کی طرف گھما لیا۔

فل نے خاصے فاصلے سے میرے اوپر جست لگائی تھی شاید وہ پہلے ہی وار میں مجھے اپنے وجود کے سہارے پیس کر رکھ دینا چاہتا تھا۔ اُس کے بازو یُوں پھیلے ہوئے تھے کہ میرے لیے دائیں بائیں جھکائی دینا ممکن نہیں تھا لہٰذا میں نے فوری طور پر ایک خطرناک فیصلہ کر لیا اور جب وہ فضا میں کسی دیو ہیکل عفریت کی طرح اُڑتا ہوا میرے اوپر آیا تو میں پشت کے بل نیچے لیٹ کر اپنے دونوں پیر فضا میں بلند کر چکا تھا۔

میری وہ حرکت فل کی توقع کے برعکس تھی، وہ ایک ایسی پوزیشن اختیار کر چکا تھا جس میں تبدیلی اُس کے لیے ممکن نہیں رہی تھی لہٰذا وہ اپنے وجود کی پوری جھونک میں پیٹ کے بل جوں ہی میرے پیروں پر آیا، میں نے پیروں کے ہلکے سے اشارے سے اُسے اُسی کے زور پر سر کے بل پیچھے اُچھال دیا۔

وہ ایک غضب ناک غرّاہٹ اور پُرشور دھماکے کے ساتھ دیوار سے ٹکرا کر قالین پر گرا تھا اور اُس کے اُٹھنے سے پہلے میں سیدھا کھڑا ہو کر دوسرے وار کی تیاری کر چکا تھا۔

دیوار سے ٹکرا کر بُری طرح گرنے کے باوجود اُس کا پستول اُس کی پتلون کی عقبی جیب میں اسی طرح اُڑسا ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اگر پستول اُس کی جیب سے نکل جاتا تو سلطان شاہ اُس پر قبضہ کرنے میں ذرا بھی تاخیر نہ کرتا۔

فل بگڑے ہوئے خوف ناک چہرے کے ساتھ دہاڑتا ہوا قالین سے اُٹھ رہا تھا تو میں نے دوسرے وار کے لیے اُسے پیش قدمی کا موقع دینے کے بجائے خود پہل کرنے کا فیصلہ کر لیا اور جب وہ سیدھا کھڑا ہونے کی کوشش کر رہا تھا تو میں نے بجلی کی سی سرعت کے ساتھ آگے بڑھ کر اُس کے پیٹ کے نچلے حصّے میں پوری قوت سے لات رسید کی جس پر اُس کے حلق سے اضطراری طور پر ایک کریہہ چیخ آزاد ہوئی مگر میری ٹانگ اُس کی وحشیانہ گرفت میں آ گئی۔

غصّے اور جھلاہٹ میں اُس نے میری ٹانگ کو بے رحمی سے مروڑتے ہوئے اس طرح جھٹکے دینے شروع کیے جیسے وہ پوری کی پوری کسی جوڑ سے اکھاڑ دینا چاہتا ہو۔ میں نے دونوں ہتھیلیاں قالین پر ٹکا کر اپنے جسم کو کرتبی انداز میں بَل دیتے ہوئے خود کو گویا اس اذیت سے بچانے کی کوشش کی مگر اُس کی لمحہ بہ لمحہ مضبوط ہوتی ہوئی گرفت سے بوکھلا کر مجھے اپنی آزاد ٹانگ کا بھی خطرہ مول لینا پڑا اور میں نے اپنی ہتھیلیوں پر اپنے جسم کا توازن سنبھالتے ہوئے دوسری ٹانگ سے اس کے چہرے پر لات رسید کر دی۔ اس مرتبہ وہ بے خبر نہیں تھا۔ وہ میری لات کی ضرب سے اپنا چہرہ تو نہ بچا سکا مگر میری پُشت پر ایک زوردار ٹھوکر رسید کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

اس دوران میں سلطان شاہ اپنی جگہ بیٹھا وہ تماشا دیکھتا رہا۔ ویرا اپنی جگہ پستول سنبھالے خاموشی کے ساتھ وہ کھیل دیکھتی رہی۔ اُس کی آنکھوں سے لاتعلقی اور سخت گیری جھلک رہی تھی لیکن میرا خیال تھا کہ وہ جلد از جلد میری بالادستی اور کامیابی کی منتظر تھی۔

میں پشت پر پڑنے والی ٹھوکر سے سنبھالا لے کر دوبارہ فل کے مقابل آیا تو میرا ذہن بالکل صاف تھا۔ ویرا فل سے گفتگو کرتے ہوئے مجھے بہت کچھ سمجھا چکی تھی۔ ایڈی کے مرنے کے بعد ہمارے سامنے صرف وہی دونوں رہ گئے تھے۔ اگر ہم فل کو بے دست و پا کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو ویرا کی ہمدردیاں ہمارے ساتھ ہوتیں، وہ پہلے ہی فل کو خبردار کر چکی تھی کہ اس کے بعد وہ تنہا ہم دونوں کو نہ سنبھال سکے گی۔ اس طرح ویرا نے کسی نہ کسی کو اپنی غیر جانبداری کا یقین دلانے کی کوشش کی تھی۔ شاید اُسے اندازہ تھا کہ اس عمارت میں کہیں نہ کہیں ڈکٹا فون نصب تھے جن پر ساری گفتگو کوئی سُن رہا تھا لہٰذا اُس نے اپنی باتوں سے سننے والے کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ فل اُس کے روکنے کے باوجود اپنی شہ زوری کے مظاہرے پر اُڑ گیا تھا اور اگر وہ زیر کر لیا جاتا تو ویرا ہمارے فرار کے معاملے سے بڑی حد تک بری الذمہ ہوسکتی تھی۔

لیکن اس بارے میں مجھے زیادہ غور کرنے کی مہلت نہیں مل سکی۔ فل اس بار اشتعال کے عالم میں کسی پیشہ ور باکسر کی طرح جسم سمیٹ کر فضا میں اپنے دونوں مُکّے ہلاتا ہوا میری طرف لپکا تھا جس کے لیے میرا ذہن ماؤف ہو کر رہ گیا اور میں نے دونوں ہاتھ بڑی پھرتی سے فل کے مُکّوں سے بچانے کی کوشش کی مگر اُس نے اچانک دوسری طرف سے میرے چہرے پر ایسا زبردست مُکّا رسید کیا کہ میرا چہرہ ہل کر رہ گیا اور میری آنکھوں کے سامنے ستارے گردش کرنے لگے۔

میں لڑکھڑاتا ہوا بائیں پہلو کے بَل نیچے گرا۔ اُس لمحے مجھے اپنے دُکھتے ہوئے جبڑے کے سوا کچھ یاد نہیں رہا تھا اور میں گرتے گرتے بھی گردن جھٹک کر اپنی آنکھوں کے سامنے پھیلی ہوئی دُھند کو صاف کرنے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ فل کے اگلے حملوں سے اپنا بچاؤ کر سکوں جو میرے لیے مہلک بھی ہوسکتے تھے۔

اسی وقت میرے کانوں میں ویرا کی للکارتی ہوئی سرد آواز گونجی "خبردار! تم اپنی جگہ بیٹھے رہو، یہ برابر کا مقابلہ ہے۔ اگر تم نے دخل اندازی کی کوشش کی تو گولی مار دوں گی۔"

ویرا نے وہ فقرہ اُردو میں ادا کیا تھا جس کا مطلب تھا کہ اس کا مخاطب سلطان شاہ تھا۔

جب تک میں حاوی رہا وہ تماشائی بنا رہا لیکن مجھے مغلوب ہوتے دیکھ کر شاید اُس نے میری حمایت میں فل سے بھڑ جانے کا فیصلہ کر لیا تھا جب ہی ویرا نے اُسے روکا تھا۔

اس وقت میں اپنے تحفظ کی جنگ لڑ رہا تھا جس کے نتیجے پر نہ صرف میری آزادی بلکہ شاید سلطان شاہ کی زندگی اور موت کا بھی انحصار تھا جب کہ فل صرف اپنی طاقت کے گھمنڈ میں لڑ رہا تھا۔ مجھے زیر کرنے سے زیادہ وہ ویرا کو اپنی جی داری سے مرعوب کرنا چاہ رہا تھا۔ لہٰذا میرے جبڑے پر ایک شدید ضرب لگانے کے بعد اُس کے قدم ذرا دھیمے ہو گئے تھے جب کہ مجھے اپنا جیو بگڑنے کا خوف ستا رہا تھا۔

میں ایک بار پھر اپنے قدموں پر کھڑا ہوگیا اور اس بار ہم دونوں ایک دوسرے سے بُری طرح گتھم گتھا ہو گئے۔ فل نے میری بغلوں کے نیچے ہاتھ ڈال کر میری پسلیوں کو اپنے آہنی بازوؤں میں بھینچنا شروع کر دیا جیسے زور لگا کر میری پسلیاں توڑ دینے کا ارادہ رکھتا ہو۔ میرے دونوں ہاتھ اُس کی گرفت سے آزاد تھے مگر میں نے محسوس کر لیا تھا کہ چند ہی ثانیوں میں میرا سانس سینے میں گھٹنا شروع ہو جائے گا اور میں فل کی گرفت میں مفلوج ہو کر رہ جاؤں گا۔

میں نے آخری کوشش کے طور پر اپنے دونوں ہاتھوں کو پوری طرح استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اُسی وقت میرے ذہن میں فل کے پتلون کے مہیب دہانے نے سر اُبھارا۔ یاد داشت کا وہ خانہ تازہ ہوتے ہی میرے دونوں ہاتھ فل کی پتلون کی عقبی جیب میں اُڑسے ہوئے پستول کے دستے پر جم گئے۔ غنیمت یہ تھا کہ اس وقت تک میری دائیں ہتھیلی کے زخموں پر کھرنڈ جم چکا تھا ورنہ اتنی زور آزمائی کے بعد زخموں سے دوبارہ خون جاری ہو گیا ہوتا۔

میری اُنگلیاں ہر قسم کے ہلکے آتشیں ہتھیاروں کی خوب عادی تھیں، اس لیے سیفٹی کیچ ہٹانے میں مجھے ذرا بھی دقّت پیش نہ آئی اور میں نے نکلتے پستول کی نال اُس کی کھوپڑی کے عقبی حصّے سے لگا کر ایسے زاویے سے گولی چلا دی کہ اگر وہ اس کی کھوپڑی کے پار بھی نکل جاتی تو میرا سر یا چہرہ اس کی زد میں نہ آتا۔

"اوہ! یہ کیا کر دیا تم نے؟" فائر کا دھماکا ہوتے ہی ویرا کی متحیرزدہ چیخ اُبھری تھی۔ "فل چاہتا تو تمھارے بدن کو ہاتھ لگائے بغیر تمھیں گولی مار سکتا تھا۔"

میں اُسے گولی کا نشانہ بناتے ہی اُس کی گرفت سے آزاد ہو چکا تھا اور وہ کسی شہتیر کی طرح قالین پر گر کر یُوں بُری طرح تڑپ رہا تھا، جیسے اُسے کچھ نظر نہ آ رہا ہو۔ میں نے اُس پر تحیّر آمیز نظر ڈال کر ویرا کی طرف دیکھا۔ میرا خیال تھا کہ اُس نے مجھے فل کی جیب سے پستول نکالتے دیکھا تھا اور اگر وہ اُسے بچانا چاہتی تو عین وقت پر جھپٹ کر اُس پستول پر قبضہ کر سکتی تھی لیکن وہ یُوں انجان بن رہی تھی جیسے اُس نے فائر کے دھماکے سے پہلے کچھ بھی نہ دیکھا ہو۔ اس وقت میرا سانس پھولا ہوا تھا، اعصاب پر سنسنی طاری تھی اور ذہن کچھ ماؤف سا ہو رہا تھا اُس لیے میری زبان سے ویرا کے بارے میں کوئی تلخ تبصرہ نکلنے ہی والا تھا کہ اُس نے عین وقت پر آنکھیں نکالتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے مجھے خاموش کرا دیا اور میں جھرجھری لے کر دوبارہ اپنے حواس میں آ گیا۔

مجھے یاد آ گیا کہ ویرا کچھ نہ جانتے ہوئے بھی شی کے مواصلاتی شعبدوں سے خائف تھی اور اپنی تمام تر عملی ہمدردیوں کے باوجود زبانی طور پر غیر جانبدار رہنا چاہتی تھی۔

"فل احمق تھا اور میں احمق نہیں ہوں! اسی لیے اس کا پستول میرے ہاتھوں چلا ہے ــــ میں مسلح ہوتا تو خود اُسے اپنے قریب نہ آنے دیتا۔" میں نے صورتِ حال کا اندازہ کرتے ہی برجستہ جواب دیا۔ "اور اب تم بھی آئندہ مجھے نہ دھمکا سکو گی، اپنا پستول نیچے گرا دو۔"

اس وقت تک فل کا بدن تڑپ تڑپ کر ساکت ہو چکا تھا۔

"فل کے انجام پر مجھے دُکھ ہے مگر وہ واقعی ایک احمق بُل فائٹر تھا۔ ۔ ۔ مجھے تم اپنی دھمکیوں سے مرعوب نہیں کر سکو گے۔ ہمت ہے تو چلا دو گولی مجھ پر۔" وہ مُسکراتے ہوئے بولی۔

"یہی کام مجھ سے نہ ہو سکے گا۔" میں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ تم میری دوست ہو یا دشمن؟ اگر یُوں ہی اپنا قیدی بنانا تھا تو فلیٹ سے حوالات اور پھر وہاں سے فرار کا ڈراما رچانے کی کیا ضرورت تھی، جب چاہتیں اپنا قیدی بنا سکتی تھیں۔"

"مجھے خود علم نہیں تھا کہ تم حوالات سے فرار ہو کر لندن آ گئے ہو۔" وہ مصالحانہ لہجے میں بولی۔ "تم جن لوگوں کے قیدی ہو، ان کو میں جواب دہ ہوں لیکن مجھے قطعی علم نہیں تھا کہ تم یہاں قید ہو۔"

"پھر یہاں کیوں آئی ہو؟" میں نے چُبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"انجانے میں یوں دوسری بار سامنا ہوا ہے۔" وہ سنجیدگی کے ساتھ بولی۔ "سنا ہے کہ ہیشام میں شون میکارتھی کے مکان میں تم ہی چھپے ہوئے تھے اور میرے آدمیوں کا محاصرہ توڑ کر نکل بھاگے تھے۔"

"اوہ! تو وہ تمھارے آدمی تھے!" میں نے مصنوعی حیرت کے ساتھ کہا۔ "بہت سخت مقابلہ تھا، مقدر ہی یاور تھا کہ بارود کی برسات میں ہم صحیح سلامت نکل جانے میں کامیاب ہو گئے۔"

"اور اب میں یہاں سے ایک قیدی کو لے جانے کے لیے آئی تھی مجھے بتایا گیا تھا کہ یہاں دو میں سے ایک قیدی سرکش ہے، اُسی کو ساتھ لے جانا ہے۔" وہ بولی۔

"یہ کیسے پتا چلتا کہ ہم میں سے کون سرکش ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"زخمی قیدی کو یہیں چھوڑنا تھا، ظاہر ہے کہ تمھارا ہاتھ زخمی ہے لہٰذا سلطان میرا مطلوبہ آدمی ہے۔" اُس نے کہا۔ "اس کے باوجود دشواری ہوتی تو حسبِ ضرورت ماسٹر بیڈ روم میں کسی ذریعے سے ہدایات مل سکتی تھیں لیکن میں اس کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔"

"میں سب کچھ مان سکتا ہوں لیکن یہ بات میرے لیے قابلِ قبول نہیں ہو سکتی کہ ہیشام کے بعد دوسری بار تم کو بے خبر رکھ کر یہاں میرے مقابل لانے کی کوشش کی گئی ہے۔" میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "تم شی میں اتنی بھی بے وقعت نہیں ہو کہ تمھیں اس طرح کسی بے وقعت مُہرے کی طرح استعمال کیا جا سکے۔"

"معاملات بڑوں کے ہاتھوں میں ہوں تو اس سے زیادہ عجیب واقعات جنم لے سکتے ہیں۔ تم اب تک یہی اندازہ نہیں لگا سکے کہ اس وقت کس کے قیدی ہو؟" وہ قدرے ترش لہجے میں بولی۔

"اگر تم پیٹر اینج کو اپنا بڑا سمجھتی ہو تو تمھارا خیال درست ہے۔" میں نے ڈکٹافون پر سنانے کے ساتھ ویرا کو ٹٹولنے کی نیت سے کہا کیونکہ جمی لائیڈ نے مجھے اپنا وہ مفروضہ نام استعمال کرنے کی اجازت دی ہوئی تھی۔

"پیٹر اینج!" ویرا تنفر آمیز انداز میں ہونٹ سکوڑ کر بولی۔ "اس بہروپیے کو تو میں اس قابل ہی نہیں سمجھتی کہ اُسے شی کے تنظیمی ڈھانچے میں کوئی بھی مقام دوں ـــــ وہ کرائے کا ٹٹو ہے اور معاوضے پر اکثر شی کے لیے عارضی کام سرانجام دیتا رہتا ہے۔"

"بدقسمتی سے میں اسی کرائے کے ٹٹو کا قیدی ہوں۔" میں نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔ مجھے حیرت تھی کہ ویرا پیٹر اینج سے واقف ہونے کے باوجود اُسے جمی لائیڈ کی حیثیت سے پہچاننے سے قاصر تھی جب کہ پیٹر اینج کے چہرے کا ایک ایک نقش لائیڈز کاٹیج میں ملنے والی جمی لائیڈ کی تصویر سے مشابہ تھا۔

"یہ تمھاری خوش فہمی ہے۔" ویرا پُراعتماد لہجے میں بولی۔ "اسے تمھارے اغوا کے سلسلے میں استعمال کیا گیا ہوگا۔ مگر تم اس کے قیدی نہیں ہو سکتے، وہ بے چارہ تو سرکس کا ایک بھانڈ ہے جو برسوں و ضع وضع کا میک اپ کر کے اسٹیج سے لوگوں کو ہنساتا رہا ہے اور اپنی چالاکی پر چھوٹے موٹے جرائم بھی صفائی کے ساتھ کرتا رہا ہے۔ کی اس سے زیادہ کوئی وقعت نہیں ہے۔"

"تم نے کبھی اسے اسٹیج پر دیکھا تھا؟"

"دیکھا نہیں لیکن ہر ایک سے اس کے ماضی کے بارے میں یہی ایک کہانی سنی ہے اور وہ اب بھی بہت کامیابی کے ساتھ اپنا چہرہ بدل سکتا ہے۔"

میں دل ہی دل میں جمی لائیڈ کی عیاری کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ شی کی نچلی صفوں میں شامل رہنے کے لیے اُس نے پیٹر اینج کے نام سے اپنے بارے میں ایسی مفروضہ کہانیاں پھیلائی ہوئی تھیں کہ اس پر شی کا سربراہ ہونا تو کجا، کوئی ذمّے دار رکن ہونے کا بھی شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا جب کہ میں نے اُسے بہت قریب سے اُس کے اصل چہرے میں جمی لائیڈ کی حیثیت سے پہچانا تھا۔

"پیٹر اینج اسی قدر حقیر اور ناکارہ آدمی ہے تو اُس کی رسائی شی کے کسی ٹرانسمیشن سسٹم تک بھی نہ ہونی چاہیے؟" میں نے چیلنج کرنے والے لہجے میں سوال کیا۔

"جس ٹرانسمیٹر پر پیٹر اینج کی آواز سنائی دے جائے، سمجھ لو کہ اُس کی تباہی کا وقت قریب آ گیا ہے۔" اس کا ایک ایک لفظ پُراعتماد تھا یعنی وہ پورے خلوص کے ساتھ وہی کچھ کہہ رہی تھی جو اُس کے دل میں تھا۔

"پھر یہاں دو لاشوں کی پوجا کرنے کے بجائے میرے ساتھ ماسٹر بیڈ روم میں چلو اور اپنے مطلوبہ آدمی کے بارے میں کسی سے تصدیق کرنے کی کوشش کرو، سب کچھ خود بخود واضح ہو جائے گا۔" میں نے کہا۔

"ضرور چلو ـــ مگر یہ لاشیں؟" وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"ہماری واپسی تک کہیں نہیں بھاگیں گی، تم خواب گاہ میں تو چلو۔" میں نے اصرار کیا۔

"تم چغد ہو۔" وہ چڑ کر بولی۔ "مجھے اب ان کو ٹھکانے لگانے کا انتظام بھی کرنا ہے، چلو یہ بھی دریافت کر لوں گی۔"

"مجھے اجازت ہو تو میں اپنے زخم کی مرہم پٹی کر لوں؟" سلطان نے ہمیں وہاں سے روانگی پر آمادہ پا کر مسمسی آواز میں سوال کیا۔

"اسے اجازت ہے لیکن یہ سمجھا دو کہ یہ کسی شرارت کے بارے میں ہرگز نہ سوچے ورنہ میرا رویہ بہت سخت اور دو ٹوک ہوگا۔" ویرا نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"تم مطمئن رہو، ہماری دشمنی تمھارے ساتھیوں سے تھی، ان کے مر جانے کے بعد تمھیں ہم سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ میرے اور تمھارے مراسم کا سلطان شاہ بھی لحاظ کرتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔ ویرا مطمئن نظر آنے لگی۔

سلطان شاہ کے ٹوکنے پر مجھے دل ہی دل میں شرمندگی ہوئی تھی کہ ویرا سے گفتگو میں مصروف ہو کر میں اُس کے زخم کو یکسر فراموش کر بیٹھا تھا۔ میں نے زخم صاف کرنے میں اُس کی مدد کرنا چاہی لیکن وہ اتنا تنگ دل نہیں تھا۔ اسے صورتِ حال کی نزاکت کا پورا احساس تھا۔ پھر گولی نے اُس کی پنڈلی کی ہڈی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا بلکہ گوشت پھاڑتی ہوئی گزر گئی تھی لہٰذا اسے اُس کی خواب گاہ کے دروازے پر چھوڑ کر میں ویرا کے ساتھ ہو لیا۔

"سلطان شاہ میرے اور تمھارے کون سے مراسم کا لحاظ کرتا ہے؟" راستے میں ویرا متجسس لہجے میں انگریزی میں وہ نازک سوال کر ہی بیٹھی۔

"اسے معلوم ہے کہ ہم خلوت میں بھی ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں۔" میں نے دھیمی اور پُرخیال آواز میں کہا۔ "مجھے خود اندازہ نہیں کہ تمھارے اور غزالہ کے درمیان میری کیا حیثیت ہے، لیکن سلطان شاہ اس بات کا شاکی ہے کہ میرے دل میں غزالہ کا خیال دن بدن کمزور ہوتا جا رہا ہے اور اس کی گمشدگی کی وجہ سے تم یہ خلا پُر کر رہی ہو۔"

"کیا یہ درست ہے؟" اُس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ اُس کے لہجے میں اشتیاق سمٹ آیا تھا پھر وہ فوراً ہی سنبھل گئی۔ شاید اُسے اپنی آواز سُنے جانے کا خیال آ گیا تھا۔

اُس کی آواز یک بیک استہزائیہ ہو گئی۔ "میرا نام ویرا ہے ڈینی ڈارلنگ! اس دنیا میں مرد خود کو شاہ سمجھتے ہیں اور لڑکیاں اُن کی خواہشوں کی غلام تصور کی جاتی ہیں مگر میں مردوں کو کھلونا سمجھتی ہوں اور ہر کھلونے سے بہت جلد اس قدر اُکتا جاتی ہوں کہ کچھ عرصے بعد ذہن میں دُور تک اُس کی شناخت بھی باقی نہیں رہتی۔ مجھے تم اپنے عشق کے جال میں نہیں پھانس سکو گے۔ بس جب تک تمھیں پسند کرتی ہوں، تھوڑی سی ڈھیل دیتی رہوں گی ـــ وہ بھی صرف اس لیے کہ میرے بڑوں نے تم کو اس عمارت کا شریف قیدی قرار دیا ہے۔"

"مجھے سوچنا پڑے گا۔" میں نے اُداس لہجے میں کہا۔ "شاید جسموں کی بھول بھلیوں سے گزرنے والے راستے مجھے آخر میں غزالہ ہی کے نام تک پہنچا دیں کیوں کہ وہ ایک مشرقی لڑکی ہے جو نہ خود کھلونا بن سکتی ہے اور نہ کسی اور کو اپنا کھلونا سمجھنے کے بارے میں سوچ سکتی ہے۔"

"مشرق کا طعنہ نہ دو۔" وہ تلخ لہجے میں بولی۔ "میں تمھارے ملک میں بُرے لوگوں کے ساتھ کافی دن گزار چکی ہوں، کھلونے وہاں بھی بکتے ہیں بلکہ بہت سستے بکتے ہیں اور بے جوڑ بکتے ہیں... ."

"ویری گڈ ویرا ڈارلنگ!" ہمارے خواب گاہ میں گھستے ہی یک بیک جمی صوفے کے نچلے حصّے سے تحسین آمیز ریڈیائی آواز اُبھری اور ویرا کی بات ادھوری رہ گئی۔

"تم نے طبیعت خوش کر دی۔" دوسری طرف سے پیٹر اینج یا جمی لائیڈ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ "تمھارے خیالات بہت واضح اور قابلِ قدر ہیں مگر یہ بُری بات ہے کہ تمھارا عمل اتنا واضح نہیں ہے۔"

"تم... اُلّو کے پٹھے! کون ہوتے ہو میرے معاملات میں دخل دینے والے؟" ویرا اس کی آواز پہچانتے ہی ایک دم بھڑک اٹھی۔

"میں تمھارا خادم پیٹر اینج ہوں مائی ڈیئر بے بی!" اس کی آواز چڑانے والی ہو گئی تھی۔ "اور اس وقت تمھیں جو کام سونپا گیا ہے، اس کے لیے تم براہِ راست مجھ ہی کو جوابدہ ہو۔"

"میں اپنے اوپر کسی گھٹیا بھانڈ کی بالادستی تسلیم نہیں کرتی۔" ویرا کی برہمی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ "تمھیں اس ہائی چینل ٹرانسمیٹر پر گدھے کی طرح رینکنے کا اختیار کس نے دیا ہے؟"

"شاید اسی نے جس پر تم زبردستی اپنا باپ ہونے کا الزام لگاتی پھرتی ہو کیوں کہ شی کے تمام فیصلوں کی آخری ذمّے داری اسی کی ہوتی ہے۔ ڈینی کو پکڑنے کے لیے داؤد اور گروپ نائین کی ناکامی کے بعد تم بھی ہیشام میں جھک مار کر واپس آ گئیں تو تمھارے بڑوں نے اس کام کے لیے میری خدمات حاصل کیں اور میں نے مختصر سی مدت میں ان دونوں کو مقررہ ٹھکانے پر پہنچا دیا۔ جب تک میں ان دونوں کو کسی کے چارج میں نہ دوں، اس مہم کا سربراہ میں ہی رہوں گا اور اسی حیثیت میں اس وقت تم سے مخاطب ہوں۔"

ویرا اسے پیٹر اینج سمجھ کر اس کی تضحیک کر رہی تھی مگر میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ کس سے بات کر رہا تھا۔ میرے لیے باپ بیٹی کی وہ گفتگو سخت تحیّر انگیز تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے جمی لائیڈ دانستہ ویرا کو چڑا کر گالیاں کھانے پر تلا ہوا ہو۔ میری دانست میں اس کا واحد سبب یہ تھا کہ ان دونوں کے مابین جو بھی رشتہ تھا وہ مذہب، اخلاق اور قانون کی ساری حدود سے ماورا تھا اس لیے گفتگو میں بھی وہی رنگ غالب تھا۔

"شاید شہر کے سب لوگ مر گئے ہیں جو تم سے کام لینے کی نوبت آ گئی۔" ویرا کا لہجہ زہریلا تھا۔ "مگر تم اس ٹرانسمیٹر پر مجھ سے مخاطب ہو جس پر کوئی خارش زدہ کتا بھی بھونکنے لگے تو میں جواب دینے پر مجبور رہوں گی۔ اس لیے جو پوچھنا ہے بلاتوقف پوچھتے چلے جاؤ۔"

"پہلی بات کہ تم نے ایڈی کے قتل کے بعد فل کو دانستہ کیوں قتل کرایا؟"

"تم سامنے ہوتے تو اس الزام تراشی پر تمھارا منحوس چہرہ نوچ لیتی۔" ویرا پھر چراغ پا ہو گئی۔ "مجھ سے بات کرنا ہے تو ہوش میں رہ کر کرو ورنہ خاموشی سے ڈکٹا فون پر سُن گُن لیتے رہو۔ مجھے کیا ضرورت تھی اُسے مروانے کی؟ تم نے سنا نہیں کہ وہ ایک گھونسے میں ڈینی کا بھیجا ناک کے راستے بہا کر مجھ پر اپنی طاقت کی دھاک بٹھانا چاہتا تھا اور میرے سمجھانے کے باوجود باز نہ آیا۔"

"زیادہ طاقت عقل پر اثر انداز ہوتی ہے۔ وہ تمھاری چالاکی نہیں سمجھ سکا جب کہ میں تمھارا مقصد بھانپ گیا تھا۔ تم بظاہر اسے روک رہی تھیں لیکن درحقیقت اس کی انا کو اُبھار کر اسے مقابلے پر اُکسا رہی تھیں۔"

"تم اس مہم کے سربراہ ہو لہٰذا اپنی رپورٹ کے ساتھ میری اور اس کی گفتگو کا ٹیپ بھی بھیج دینا میرے بڑے خود فیصلہ کرلیں گے کہ میری نیت کیا تھی؟"

"میں کوئی ٹیپ کہیں نہیں بھیجوں گا۔ اپنے معاملات کی تم سے خود وضاحت چاہتا ہوں۔"

"تمھارا کوئی معاملہ نہیں۔" ویرا نے سرد مہری کے ساتھ جواب دیا۔ "کرائے کے لوگوں کو جواب دینا میری توہین ہے جن کا معاملہ ہے وُہی مجھ سے بازپُرس کا حق رکھتے ہیں۔"

"تمھارے دل میں ڈینی کے لیے نرم گوشہ موجود ہے؟"

وہ میرے اسی سوال پر انکار کر رہی تھی مگر پیٹرانچ کے استفسار پر چڑ گئی۔ "ہاں ہے، مجھے اس سے محبت ہے اس پر بھروسا نہ ہونے کے باوجود میں اسے زندہ دیکھنا چاہتی ہوں، تم کیا بگاڑ سکتے ہو میرا؟"

"اور میرے لیے؟" جمی لائیڈ نے وہ سوال ایک باپ کے جذبے کے ساتھ کیا تھا۔

"سامنے ہوتے تو سینڈل ہاتھ میں لے کر جواب دیتی۔" ویرا نے اسے ایک مرد کا روایتی سوال سمجھ کر تلخ لہجے میں جواب دیا۔

چوبی صوفے میں پوشیدہ اسپیکر پر پیٹرانچ کے ایک گہرے سانس کی آواز اُبھری۔ شاید وہ ویرا سے اتنے تلخ جواب کی توقع نہیں کر رہا تھا۔

وہ خود عجیب سی ذہنی کیفیت سے دوچار تھا اور اس نے خود ہی ویرا سے اپنے تعلق کو اپنے لیے سوہانِ روح بنایا ہوا تھا۔ اگر ویرا اپنے دعوے میں جھوٹی تھی تو جمی لائیڈ جیسے سنگدل آدمی کے لیے بہت آسان تھا کہ اپنی ذات کو بدنامی سے بچانے کے لیے وہ خاموشی کے ساتھ مدتوں پہلے ویرا کو ٹھکانے لگوا دیتا۔ ایک فرانس جیسی تنہا اور مجبور لڑکی کے بارے میں اپنا سفاکانہ فیصلہ صادر کرکے جمی لائیڈ نے مجھ پر اپنی شقی القلبی واضح کر دی تھی۔

لیکن دوسری طرف وہ اپنے اور ویرا کے رشتے کے بارے میں اپنی زبان سے کوئی اعتراف کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ جب میں نے ویرا کے دعوے کے سلسلے میں اس سے سوال کیا تو وہ برہم ہو گیا تھا اور اس وقت بھی وہ براہِ راست ویرا سے ہم کلام ہونے کے باوجود اسے یہ تک بتانے پر آمادہ نہیں تھا کہ وہ پیٹرانچ نہیں بلکہ جمی لائیڈ تھا۔ پیٹرانچ بن کر وہ ویرا سے گالیاں کھا رہا تھا، نشی کے معاملات میں اسے ضرورت سے زیادہ ڈھیل دیتا رہا تھا اور ویرا کو باخبر کیے بغیر یہ امید بھی کر رہا تھا کہ وہ خود ہی اپنے رویے کی اصلاح کرکے محض چھٹی حس کے سہارے اس کا احترام کرے گی۔

وہ عجیب صورتِ حال تھی، وہ چاہتا تو ویرا کے سامنے اپنی حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر سارا معاملہ ختم کر سکتا تھا۔ باپ کو سامنے پا کر برسوں کی ترسی ہوئی ویرا خود اس کے سینے سے لگ جاتی لیکن وہ ویرا سے الگ رہتے ہوئے بھی ہر لمحے اس کی نگہداشت کرتا رہتا تھا۔ وہ جرائم کی دنیا کا بے تاج بادشاہ تھا، اس کی اپنی ایک مخصوص سوچ تھی، وہ ویرا کو شفقتِ پدری نہ دینے کے باوجود اسے اپنا جانشین بنانے کے لیے کوشاں تھا۔ اس راہ میں ویرا کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ اس کا لڑکی ہونا تھا مگر جمی لائیڈ نے ڈان مرسیانو کے گھناؤنے کردار میں ویرا سے قریب ہو کر اسے ایسے بامعاوضہ تجربات سے دوچار کیا تھا کہ اب ویرا بالکل بے حجاب ہو چکی تھی، اس کے نزدیک اس کا عورت ہونا یا نہ ہونا یکساں تھا کیوں کہ اس کی ذات سے ڈان مرسیانو نے وہ جوہر ہی کھرچ کر صاف کر دیا تھا جس کی بنا پر عورت اپنے عورت ہونے پر سدا ناز کرتی ہے۔

وہ باپ تھا مگر خود کو باپ کہلوانے پر آمادہ نہیں تھا، ویرا اپنی ولدیت کی متلاشی تھی اور کوئی اسے اپنی بیٹی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میرا خیال تھا کہ ان دونوں کے تعلق کی درمیانی کڑی اس قید کے دوران میں میرے ہاتھ آ چکی تھی مگر جمی لائیڈ کے قہر کے خوف سے میں اپنی زبان بند رکھنے پر مجبور تھا۔

"یہ میری بدنصیبی ہے ویرا کہ تم مجھ سے اتنی متنفر ہو، سینہ چیر کر دیکھو تو تم پیٹرانچ کے دل میں اپنے لیے بہت جگہ پاؤ گی۔" جمی لائیڈ کی آواز سپاٹ ہو گئی۔

"کبھی تمھارا سینہ چیر سکی تو تمھارا دل چیل کوّوں کو ہی کھلاؤں گی۔ مجھے تم جیسے نکمے اور ناکارہ آدمی کے دل میں رہنے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، میرے لیے ڈینی ہی کافی ہے۔"

"مجھے بھی تم سے عشق نہیں ہے۔ بس چڑانے میں لطف آتا ہے۔" پیٹرانچ کا لہجہ یک بیک شوخ ہو گیا۔ "اب تم فوراً سلطان شاہ کو ساتھ لے کر وہاں سے چل دو تاکہ میں اپنے دوسرے کام نمٹا سکوں۔"

"اور اگر میں ڈینی کو بھی ساتھ لے جانا چاہوں؟"

"میں تمھیں نہ روک سکوں گا لیکن میری ساری محنت برباد ہو جائے گی۔ وہ لوگ ڈینی کے بغیر مجھے ایک پیسہ بھی نہیں دیں گے، تم ان سے اچھی طرح واقف ہو۔"

"اور لاشوں کا کیا ہوگا؟" ویرا نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

"تم انھیں بھول جاؤ، مُردوں کی دیکھ بھال بھی میرے ہی معاہدے میں شامل ہے۔"

"لیکن میں یہاں تنہا نہیں رہ سکتا۔" میں نے پہلی بار دخل اندازی کرتے ہوئے احتجاج کیا۔

"شٹ اَپ۔" پیٹرانچ کی آواز ایک دم غرّاہٹ میں تبدیل ہو گئی۔ "تم یہاں مہمان نہیں، میرے قیدی ہو۔"

"ایسی صورت میں ویرا میرے ساتھی کو یہاں سے نہ لے جا سکے گی۔" اس کی قلابازی پر مجھے بھی یک بیک تاؤ آ گیا۔ "میرے اور اس کے لاکھ اختلافات سہی مگر تم اس سے فائدہ نہ اُٹھا سکو گے۔"

"پھر تم دونوں کو یہیں ٹھکانے لگانا ہوگا، میں تمھیں زندہ رکھنے کا پابند نہیں ہوں۔" پیٹر کی سرد اور بے رحمانہ آواز اُبھری۔ "وہ لوگ صرف تمھاری بازیابی میں دلچسپی رکھتے ہیں، انھیں تمھارے زندہ یا مُردہ ہونے سے کوئی غرض نہیں ہے۔"

"پھر شاید ویرا کے لیے امی کی کہانی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔" میں نے دھمکی دی۔

"تمھارا حشر عبرتناک کر دوں گا۔" غضب ناک آواز سنائی دی۔ "امی ایک حادثے میں مر چکی ہے، اگر تم نے دوبارہ اس کا نام لیا تو میرے عتاب سے نہ بچ سکو گے۔"

"موت سے زیادہ عبرت کسی انجام میں نہیں ہوتی اور میں اس کے لیے تیار ہوں۔"

"میرے ہوتے ہوئے تم ڈینی کا بال بھی بیکا نہ کر سکو گے۔" ویرا بولی۔ "اور اب میں امی کی کہانی ضرور جاننا چاہوں گی۔ تم ڈینی کو نہیں روک سکتے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم بغاوت پر آمادہ ہو؟"

"میں تمھاری وفادار کب تھی جو اب بغاوت کروں گی؟" ویرا نے ترش لہجے میں کہا اور میرے شانے پر ہاتھ مار کر خاموشی کے ساتھ وہاں سے کھسکنے کا اشارہ کیا۔

"یہ معاملہ اب نشی سے ہٹ کر میرے اور تمھارے درمیان آ گیا ہے۔" جمی لائیڈ یا پیٹرانچ کی مشتعل آواز سنائی دی۔ "اور میں نشی میں تمھاری رپورٹ کیے یا ان لوگوں کو درمیان میں لائے بغیر خود تم سے نمٹوں گا۔"

"مجھے تمھاری مردانگی اور زبان پر بھروسا نہیں ہے۔ کاش تم اپنے اس عہد پر قائم رہ سکو۔" ویرا وہ الفاظ ادا کرتے ہوئے میرے پیچھے خواب گاہ سے نکل آئی۔

میں اس سے کچھ پوچھنا چاہ رہا تھا اور اُسے کچھ بتانا بھی چاہتا تھا لیکن وہ اچانک ہی بہت زیادہ محتاط اور عجلت میں نظر آنے لگی تھی۔ اس نے اشارے سے مجھے بالکل خاموش رہنے کی ہدایت کی تھی۔ ہم دونوں تیزی کے ساتھ سلطان شاہ تک پہنچے اور اُسے بھی خاموشی سے اپنے ساتھ لے کر اس قید خانے سے نکاسی کے راستے کی طرف ہو لیے۔

وزنی چوبی دروازہ مقفل تھا۔ ویرا اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ اس راستے سے گزر کر اندر داخل ہوئی تھی اور دو ہی ساتھیوں کو واپس لے جا رہی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس کے ہمراہ آنے والے اندر پہنچنے کے بعد زندگی کی حرارتوں سے محروم ہو چکے تھے اور ہمیں قید سے رہائی مل رہی تھی۔

ویرا نے مخصوص انداز میں ٹھہر ٹھہر کر پہلے تین مرتبہ پھر پانچ مرتبہ اس چوبی دروازے پر اپنی پوری ہتھیلی کی ضرب سے دستک دی تھی اور دروازہ فوراً ہی یوں کھل گیا تھا جیسے ان دستکوں سے کوئی مشینی نظام متحرک ہو گیا ہو۔ دروازے سے باہر چمکتے ہوئے آسمان پر نظر پڑتے ہی میں نے بے اختیار کئی گہرے سانس لیے اور دروازے سے گزرنا چاہا لیکن چست لباس میں ملبوس دو مسلح محافظوں نے میرا اور سلطان شاہ کا راستہ روک لیا۔

ان میں سے ایک کے ہاتھ میں عجیب ساخت کی فولادی چابیاں تھیں اور دوسرا اپنے شانے سے لٹکی ہوئی سب مشین گن اتار چکا تھا اور ان دونوں کی اشتباہ آمیز نظریں ہم پر جمی ہوئی تھیں۔

"ہٹ جاؤ۔" ویرا نے ان دونوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے کہا۔ "ان دونوں کو میں اپنے ساتھ لے جا رہی ہوں۔"

"مگر مادام! ہمیں بتایا گیا تھا کہ تم ایک کو ساتھ لے جاؤ گی، دوسرا یہیں رہے گا۔" چابی والے سفید فام نے محتاط اور مؤدبانہ لہجے میں ویرا کو آگاہ کیا۔ "پھر تمھارے ساتھ آنے والے بھی کہیں نظر نہیں آ رہے ہیں۔"

"تو کیا یہاں سے جانے کے لیے مجھے تم دونوں کو پوری رپورٹ دینا پڑے گی؟" ویرا نے برہمی کے عالم میں سوال کیا۔

"تم جانتی ہو کہ ہمیں ہدایات سے سرِمو انحراف کی بھی اجازت نہیں ہے۔" وہی کلید بردار معذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔ "ہمیں تو یہ بھی علم نہیں کہ تم کو کسے لے جانا اور کسے چھوڑنا تھا۔ بات صرف تعداد کی ہے۔"

ویرا نے غصیلے انداز میں اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا اور بند مٹھی میں کوئی چیز نکال کر ان کے سامنے کر دی۔ جیسے دیکھتے ہی وہ رکوع کے انداز میں اس کے سامنے جھکتے چلے گئے اور اس نے اپنے ہاتھ میں تھامی ہوئی چیز دوبارہ اسی رازدارانہ انداز میں واپس اپنی جیب میں ڈال لی۔

ہم دونوں ان کے سیدھے ہونے کا انتظار کیے بغیر آگے بڑھ گئے مگر میرے دل میں اس چیز کے بارے میں تجسس جاگ اٹھا تھا جسے دیکھتے ہی محافظوں کا رویّہ بدل گیا تھا۔

△▽△

وہ چاروں طرف سے چٹانوں میں گھرا ہوا کوئی بہت ہی محفوظ اور پُراسرار مقام تھا جہاں تاحدِ نظر اس ہولناک قید خانے کے علاوہ کوئی عمارت نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس عمارت کی بیرونی ساخت چوکور اور بالکل سیدھی تھی، اس کے ایک طرف مختصر سا باغ تھا اور کافی جگہ چھوڑ کر کنکریٹ کی تین چار فٹ اونچی دیوار پر چاروں طرف آہنی جنگلے نصب تھے جنھوں نے احاطے کی صورت اختیار کر لی تھی۔ وہیں کچھ فاصلے پر مکمل آہنی باڈی والی بند لینڈ روور کھڑی ہوئی تھی جس میں شاید ویرا وہاں تک آئی تھی۔

سیاہ لینڈ روور کے ٹائر اور باڈی کا نچلا حصّہ دھول میں اَٹا ہوا تھا جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس عمارت تک رسائی کے لیے گاڑی میں کافی دیر تک کچّے راستے پر سفر کیا گیا تھا۔

"یہ کون سی جگہ ہے؟" جب ویرا لینڈ روور کے دروازے کا قفل کھول رہی تھی تو میں اپنے اس سوال کو نہ روک سکا۔

"یہ عمارت عرفِ عام میں ڈیلٹا کیمپ کہلاتی ہے۔" وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے بولی اور میں دوسری طرف سے گھوم کر پسنجر سیٹ پر پہنچ گیا۔ سلطان شاہ نے عقبی نشست سنبھال لی تھی۔

"اس کا مصرف کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ایک مصرف تو تم بھگت ہی چکے ہو۔" اس نے انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی کو آگے بڑھاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "میں بھی یہاں دوسری بار آئی ہوں، پہلی مرتبہ یورپ کے نمائندوں کے اجلاس میں شرکت کرنے آئی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ عام دنوں میں یہاں کچھ اور بھی ہوتا ہو۔"

"تم نے محافظوں کو جیب سے کیا چیز نکال کر دکھائی تھی؟"

"وہ میری نئی دریافت ہے اور ہر بڑے کی شناخت کا ذریعہ ہے۔" اس نے یہ کہتے ہوئے اپنی جیب سے ایک طلائی سکّہ نکال کر میری طرف بڑھا دیا جس کے دونوں طرف چاندی سے اُبھری ہوئی ایک حسین انسانی آنکھ ڈھلی ہوئی تھی۔ طلائی سکّے کے دونوں طرف انسانی آنکھ اس قدر بھرپور اور مکمل انداز میں ڈھلی ہوئی تھی کہ اس کی ایک ایک پلک تک نمایاں تھی اور ڈائی کاسٹنگ کے بغیر مہارت سے اس قدر یکساں نقاشی کرنا انسانی بساط سے باہر معلوم ہوتا تھا۔ سکّے کے پس منظر پر سفید آنکھ دور ہی سے نمایاں طور پر نظر آ سکتی تھی۔

میں نے تفصیلی جائزہ لے کر وہ سکّہ اپنی جیب میں ڈالا تو ویرا بُری طرح تلملائی تھی۔ اس نے سکّہ واپس لینے کے لیے مجھ سے بہت بحث کی مگر میں کسی بُرے وقت کے لیے اس طلسماتی سکّے کو اپنے پاس محفوظ رکھنے کا فیصلہ کر چکا تھا لہٰذا ویرا کو ہار ماننا ہی پڑی۔

وہ ہمیشہ سے ایسے سکّوں کے بارے میں سنتی آئی تھی جن کو حاصل کرنے والے شی میں آئی مین کہلاتے تھے مگر ویرا ابھی تک اس مقام پر نہیں پہنچی تھی کہ خود بھی ایسے سکّے کی مالک ہوتی لیکن داؤد کو ہلاک کرنے کے بعد اسے خوش قسمتی سے اس کی جیب سے وہ نقرئی آنکھ مل گئی تھی۔ ویرا کا خیال تھا کہ داؤد کو گروپ نائین کی سربراہی کے ساتھ ہی وہ سکّہ عطا کیا گیا تھا تاکہ وہ کسی بھی مرحلے پر اپنے اختیارات میں کمی کے احساس میں مبتلا نہ ہو ورنہ یورپ سے باہر شی کے اراکین میں اس خفیہ شناخت کا رواج نہیں تھا۔

اس سکّے کے مالک آئی مین سے شی میں کسی کو کوئی دوسری شناخت طلب کرنے کا اختیار نہیں تھا اور جو ایسی جسارت کا مرتکب ہوتا اُسے آئی مین اپنی مرضی کے مطابق مواخذے کے کسی خوف کے بغیر قتل بھی کر سکتا تھا۔ اس شناختی سکّے کی اہمیت کے پیشِ نظر یہ ذہن میں یہ خیال پیدا ہونا لازمی تھا کہ داؤد کی موت کے بعد شی کی طرف سے گمشدہ سکّے کی تلاش میں بھرپور کوششیں کی گئی ہوں گی۔ مگر ان میں ناکامی کے بعد شی کے سربراہ وہ لوگوں کو یہ یقین ہو گیا ہو گا کہ اُن کا ایک شناختی نشان شی سے باہر کسی کے قبضے میں چلا گیا ہے جو اس کی اہمیت سے واقف ہونے کے بعد کسی بھی وقت اُسے شی کے مسلّمہ مفادات کے خلاف استعمال کر سکتا ہے۔

"داؤد کی موت بلکہ اس سلور آئی کی گمشدگی کے بعد ہی تمھاری تلاش کی مہم میں شدّت آئی ہے۔ وہ لوگ داؤد کی موت کو تم سے منسوب کر رہے ہیں اور اسی کی بازیابی کے سلسلے میں تمھارے خلاف ڈکیتی کا اسکینڈل کھڑا کیا گیا تھا تاکہ تمھیں پکڑ کر سلور آئی کے بارے میں بازپرس کی جا سکے۔" اُس نے میرے سوال پر کہا۔

"لیکن پیٹرانیچ نے اس جلسے میں مجھ سے ایک لفظ بھی نہیں پوچھا۔ بے ہوشی کے دوران میں میری تلاشی لے کر انھیں یہ اندازہ تو ہو ہی گیا ہو گا کہ نقرئی آنکھ اگر میرے قبضے میں نہیں تھی تو میں نے اُسے کہیں چھپایا ہو گا۔"

"تم پیٹرانیچ کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہے ہو۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "تم یہ غور کیوں نہیں کرتے کہ انھوں نے تمھیں مروانے کے بجائے زندہ قیدی بنا کر ڈیلٹا کیمپ میں کیوں رکھا تھا۔ بازپرس کی ابتدا تو اُسی وقت ہوتی جب پیٹرانیچ تمھیں شی کے ذمّے داروں کے حوالے کرتا۔ انھیں ایک بار یہ یقین ہو جاتا کہ سلور آئی تمھارے قبضے میں نہیں ہے تو وہ تمھیں ایک لمحے کے لیے بھی زندہ نہ رہنے دیتے۔ شی اپنے دشمنوں کو زندہ رکھ کر پروان چڑھانے کے بجائے پہلی فرصت میں انھیں موت کے گھاٹ اتارنے میں یقین رکھتی ہے۔ انھیں تم سے محبت نہیں ہو گئی تھی جو تم اب تک زندہ ہو۔"

بات قابلِ فہم تھی بلکہ ہم دونوں ہی اس بات کا کوئی جواز تلاش نہیں کر سکے تھے کہ پیٹرانیچ ہمیں بہلا پھسلا کر زندہ رہنے کی اُمید دلاتا رہا تھا مگر اہم نکتہ یہ تھا کہ ویرا پیٹرانیچ کی اصلیت سے بے خبر تھی۔ اُسے باہر کا ایک ادنیٰ آدمی سمجھ رہی تھی جب کہ وہ خود ہی شی کا روحِ رواں، جمی لائیڈ تھا جسے ہم سے براہِ راست سلور آئی کے بارے میں بات کرنا چاہیے تھی۔

"تم پیٹرانیچ کے بارے میں اسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جس میں وہ تمھیں اُلجھائے رکھنا چاہتا ہے۔" میں نے چند ثانیوں کے پُرخیال توقف کے بعد ویرا سے کُھل کر بات کرنے کا ارادہ کر ہی لیا۔ "یہاں وہ روپ بدل کر شی کی نچلی صفوں میں گھس کر اپنے ایک ایک آدمی کی کارکردگی پر نظر رکھتا ہے مگر دراصل وہی جمی لائیڈ ہے۔"

وہ بے اختیار زور سے ہنس پڑی۔ "مجھے حیرت ہے کہ تم اس سے مل کر بھی اس کی اصلیت اور ذہنی صلاحیتوں کے بارے میں درست اندازہ نہیں لگا سکے! پتا نہیں تم کس طرح اُس کے ہاتھ لگ گئے ورنہ وہ انتہائی کند ذہن اور غبی آدمی ہے۔ یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ وہ شی کا سربراہ تو کجا، کوئی اہم رکن بھی ہو سکتا ہے۔"

"میں نے اُسے بہت قریب سے دیکھا ہے، وہ ہو بہو اس تصویر کی نقل ہے جو ہم دونوں نے لائیڈز کالج میں دیکھی تھی۔" میں نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "اُس نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے کہیں اس راز کا ذکر بھی کیا تو وہ میری زندگی کا آخری لمحہ ثابت ہو گا۔"

"وہ میک اَپ میں رہا ہو گا۔" ویرا نے بے پروائی کے ساتھ کہا۔ "اب یہی دیکھ لو کہ تم وہ راز میرے سامنے افشا کر چکے ہو مگر وہ تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

"میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں۔" میں نے قدرے چڑ کر کہا۔ "اصل صورت اور میک اَپ میں آسانی کے ساتھ تمیز کر سکتا ہوں۔ وہ اپنی اصلی صورت میں رہتا ہو یا نہ رہتا ہو مگر ایمی نے مجھے اُس کی جو تصویر دکھائی تھی وہ لائیڈز کالج والی تصویر سے مشابہ تھی۔"

"اوہ! تو تم نے اس کی صرف تصویر ہی دیکھی ہے اور میری آنکھوں کی دیکھی ہوئی بات پر شبہ کر رہے ہو مائی ڈیئر ڈینی! تصویر میں تو بڑے سے بڑا ماہر بھی اچھے میک اَپ کا پتا نہیں چلا سکتا۔ بہرحال مجھے یہ اندازہ ہو گیا ہے کہ وہ مسخرہ تمھیں مرعوب کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ تصویر سرے سے اُس کی نہ ہو۔"

"پھر وہ تصویر ڈیلٹا کیمپ میں کیسے پہنچی؟ وہاں اس کا کیا مقصد تھا؟ ایمی نے اس تصویر کو پیٹرانیچ کی حیثیت سے میرے حوالے کیا تھا اور وہ کئی دن سے اُس کے ساتھ تھی۔"

"یہ ایمی کون ہے؟" ویرا نے چونک کر سوال کیا۔

جواب میں میں نے اختصار کے ساتھ اُسے ابتدا سے پوری کہانی سُنا ڈالی جو ویرا کے لیے بہت دلچسپ ثابت ہوئی۔ وہ ناہموار اور کچّے پہاڑی راستے پر لینڈ روور ڈرائیو کرتے ہوئے درمیان میں سوال بھی کرتی جا رہی تھی۔

"یہ تو میں مان ہی نہیں سکتی کہ پیٹرانیچ جمی لائیڈ ہے۔" میرے خاموش ہونے پر وہ پُرخیال انداز میں بولی۔ "لیکن جو کچھ تم نے بتایا وہ خاصا تشویشناک ہے۔ اگر وہ احمق دیا گل لڑکی اُس کے عشق میں مبتلا ہو گئی تھی تو اُس نے پیٹر کے میک اَپ پہ غور ہی نہیں کیا ہو گا۔ . . "

"آخر اس وقت پیٹر کو جمی لائیڈ کا میک اَپ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے اُس کی بات کاٹ کر کہا۔ "وہ تو اُس سوٹ کیس کی تلاش میں ایمی تک پہنچا تھا جس میں ہیروئن چھپا کر اٹلی لائی گئی تھی۔ میرا معاملہ تو اتفاقاً ہی درمیان میں آ گیا ورنہ وہ ایمی سے ہمدردی جتا کر سوٹ کیس کے بارے میں معلومات حاصل کر کے لاپتا ہو جاتا۔"

اُس وقت تک گاڑی ایک سرسبز علاقے میں پختہ سڑک پر آ چکی تھی جہاں کچھ فاصلے پر دیہی آبادی کے آثار نظر آ رہے تھے۔

"پھر تو یہ خیال بھی غلط ہو جاتا ہے کہ وہ جمی لائیڈ ہی تھا مگر پیٹرانیچ کے نام سے ایمی کے سامنے آیا تھا۔" وہ خود کلامی کے انداز میں بولی۔ "کوئی جلتے ہوئے توے پر کھڑا ہو کر بھی کہے کہ جمی لائیڈ ہی یہاں پیٹرانیچ بنا ہوا ہے تو میں یقین نہیں کر سکتی مگر اب یہ ضرور دیکھنا پڑے

گا کہ یہ دونوں نام یکجا کیسے ہوگئے۔"

"تمھارے ماننے یا نہ ماننے سے حقائق نہیں بدل سکتے۔" میں نے اس کی ہٹ دھرمی پر ناگواری کے ساتھ کہا۔ "تم سے ملاقات کے بعد میرے ذہن میں تو سب کچھ صاف ہوگیا ہے۔ جمی لائیڈ ایمی کو ساتھ لے کر میری تلاش میں لندن آیا اور اُس نے داؤد کی موجودگی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اُسے آئی مین بنا دیا کیونکہ وہ شی کا پاکستانی سربراہ ہونے کی وجہ سے میرے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا مگر داؤد اپنی بدقسمتی سے مارا گیا اور اُس کی سلور آئی تم نے اُڑا لی اور یوں جمی لائیڈ کو خود میری طرف متوجہ ہونا پڑ گیا۔ اُس نے مجھے زیر بھی کر لیا مگر وہ مجھے اپنی ہمدردی کا پورا یقین دلانے کے بعد ہی سلور آئی کا مسئلہ اُٹھانا چاہتا تھا اور اسی لیے اُس نے مجھے بتائے بغیر یا تمھیں میرے بارے میں بتائے بغیر تم کو بے خبری میں ڈیلٹا کیمپ بھیج دیا۔ شاید اُسے اُمید رہی ہو کہ میں تم سے سلور آئی کا ذکر کروں گا تو وہ اپنے حساس لاسلکی نظام پر ہماری گفتگو سننے میں کامیاب ہو جائے گا۔"

"موقع ملا تو میں تم کو دکھاؤں کہ پیٹرانچ کس قدر حقیر اور نکما آدمی ہے۔" وہ بولی۔ "میں اسے تمھارے سامنے گریبان سے پکڑ کر طمانچے بھی لگاؤں گی تو وہ ہنس ہنس کر میرے ہاتھوں سے پٹتا رہے گا۔ تم لائیڈز کا بیج والی تصویر کی بات کر رہے ہو تو پیٹر کی شکل دور دور تک اس سے نہیں ملتی۔"

"نہ ملتی ہوگی۔ میں نے تو سارے واقعات تسلسل کے ساتھ تمھیں سُنا دیے۔ مجھے یقین ہے کہ ایمی سے ٹکرانے والا جمی لائیڈ تھا اور اُسی نے مجھے قید کیا تھا پھر اُسی سے میری ٹرانسمیٹر پر بات ہوئی۔ تمھارے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے میں نے اُس کی آواز پہچانی تھی۔ اب اگر تم مُصر ہو تو میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ جمی لائیڈ نے پیٹرانچ کا نام استعمال کیا ہوگا لیکن ایک نکما اور غیر متعلق آدمی یک بیک اتنا اہم کیسے ہو سکتا ہے کہ شی کا سربراہ اُس کا نام استعمال کر بیٹھے۔ ایسے واقعے کا کوئی نہ کوئی پس منظر ضرور ہونا چاہیے ورنہ جمی لائیڈ بھی خبطی اور فاتر العقل ثابت ہو جاتا ہے۔"

"ہمیں سفر کرتے ہوئے کافی دیر ہوگئی ہے۔" اچانک سلطان شاہ نے دخل اندازی کی۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ تم دونوں کی بحث میں ہم راستہ بھول گئے ہوں؟"

"شاید تمھیں یہ اندازہ نہیں کہ تم دونوں لندن سے تقریباً پچاس کلومیٹر باہر قید تھے اور اب میں تمھیں دوبارہ لندن لے جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی۔ اس لیے ہم ایک ساحلی قصبے کی طرف جا رہے ہیں۔"

"میرا تو خیال ہے کہ فی الحال تمھیں بھی لندن کا رُخ نہیں کرنا چاہیے۔ ڈیلٹا کیمپ کے محافظوں سے یہ بات پھیل جائے گی کہ سلور آئی تمھارے قبضے میں ہے۔" میں نے کہا۔

"یہی میرا ٹیسٹ پوائنٹ ہے۔" وہ بولی۔ "پیٹرانچ تنظیم کا [illegible] نہیں ہے۔ محافظ اُسے سلور آئی کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں [illegible] گے بلکہ میرے نکل جانے کا کوئی بہانہ بنا دیں گے اور اگر وہ شی کا [illegible] ہے تو اُسے علم ہو جائے گا کہ سلور آئی میرے پاس ہے۔ اس وقت میں اُس کی حیثیت کے بارے میں کسی ڈھنگ کی بات پر ضرور غور کروں گی۔"

"یعنی تم لندن جانے کا خطرہ مول لو گی؟" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ تو لینا ہی پڑے گا۔ مجھے زندہ رہنے کے لیے سہارے کی ضرورت ہے۔ شی سے کٹ کر میں زندہ نہیں رہ سکتی۔ میں اس [illegible] رہ کر اپنا دفاع کروں گی۔ اس بار میں ملا ہوا مقام دوبارہ نہیں کھونا چاہتی۔"

"یعنی اب میرے اور تمھارے راستے الگ ہوں گے؟"

"میں نے یہ نہیں کہا۔ میرے لیے شی کی اہمیت بس اسی قدر ہے کہ میں اپنے باپ تک پہنچ سکوں کیونکہ میری زندگی کا اس کے سوا کوئی مقصد نہیں رہ گیا ہے۔ تم نے پیٹرانچ کا شوشہ چھوڑ کر مجھے خلجان میں مُبتلا کر دیا ہے۔ میں اب بھی یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں کہ میں اتنے گھٹیا باپ کی بیٹی ہو سکتی ہوں۔"

"حالانکہ تمھارا باپ کسی معیار سے بھی اچھا آدمی نہیں ہے۔ اُس نے ڈان مرسیانو کے روپ میں تمھارے ساتھ جو شرمناک سلوک کیا اُسے سوچ کر ہی تم چراغ پا ہوگئی تھیں۔"

"وہ اس کی سوچ کا ایک رُخ تھا۔ ہو سکتا ہے کہ میرے ذہن سے عورت اور مرد کے فرق کو مٹانا چاہتا ہو مگر ڈان مرسیانو کے روپ میں بھی وہ بلا کا ذہین اور کائیاں ثابت ہوا تھا۔"

"یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ ڈان مرسیانو اٹلی میں مقیم تھا اور پیٹرانچ بھی روم ہی میں ایمی سے ٹکرایا تھا اور ان ناموں کو تم دونوں نے جمی لائیڈ کی حیثیت سے شناخت کیا ہے۔"

"روم پہنچ کر میں بہت کچھ کر سکوں گی۔" وہ پُرخیال لہجے میں بولی۔ "اُس نے ایمی کے سامنے جو نام بھی اختیار کیا ہو، پولیس کے ریکارڈ میں اُس کا نام پتا ضرور ہوگا کیونکہ کسی کی ضمانت لینے والے کے لیے باحیثیت ہونا ضروری ہوتا ہے۔"

"ضمانت کی کہانی اُس نے ایمی کو سنائی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اُس نے بالا ہی بالا رشوت دے کر ایمی کو چھڑایا ہو۔ اس جیسے چالاک لوگ کہیں بھی اپنا کوئی سراغ نہیں چھوڑتے۔"

"یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ فی الحال تو میں یہ سوچ رہی ہوں کہ تمھارا لندن کے مضافات بلکہ برطانیہ میں رہنا ہی تمھارے حق میں خطرناک ہو سکتا ہے۔ تمھیں پہلی فرصت میں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

"ہم کہاں جا سکتے ہیں؟ اب تو ہمارے پاس کاغذات بھی نہیں رہے ہیں۔"

"کاغذات سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس وقت ہم جیتھام جا رہے ہیں۔ اگر مطلوبہ آدمی مل گیا تو وہ راتوں رات تم دونوں کو یہاں سے نکلوانے کا بندوبست کر سکتا ہے۔"

"اور غزالہ کا کیا ہوگا؟" میں نے اضطراری لہجے میں سوال کیا۔

"تم یہاں رہ کر بھی اُس کے لیے کچھ نہ کر سکو گے لہٰذا فی الحال تمھیں اُس کو بھولنا ہوگا۔" وہ سنجیدگی کے ساتھ بولی۔ "میرے آدمی اس کی تلاش میں مصروف ہیں۔ اگر وہ مل گئی تو تمھارے پاس پہنچا دی جائے گی۔"

"پیٹرانچ بھی اس کا ذکر کر رہا تھا۔ وہ لوگ بھی غزالہ کی تلاش میں ہیں۔ سونیا والی کہانی کاؤنٹری کی پولیس کے لیے تو کارگر ثابت ہوگئی تھی مگر ان لوگوں کو اس پر شبہ ہے۔"

"مجھے یہ نظر آ رہا ہے کہ تم لوگوں کے انہماک کا یہی عالم رہا تو جیتھام پہنچنے سے پہلے کہیں ہمارے چیتھڑے اڑا دیے جائیں گے۔" سلطان شاہ کی طنزیہ آواز اُبھری۔

"کیوں؟" ویرا نے چونک کر سوال کیا۔ اُس کی نگاہیں فوراً ہی عقب نما آئینے پر گئی تھیں اور میں نے بھی اضطراری طور پر سر گھما کر پیچھے ویران سڑک کا جائزہ لیا تھا۔

"پیچھے تو کوئی بھی نہیں ہے۔ پھر یہ وہم کیوں ہو رہا ہے تمھیں؟" ویرا نے سلطان شاہ سے پوچھا۔

"تم دونوں باتوں میں مصروف ہو اور میں خالی بیٹھا گھٹتی بڑھتی آوازیں سن رہا ہوں۔ مجھے موہوم سا شبہ ہے کہ ہمارا پیچھا کیا جا رہا ہے اور ہم ہر لمحے اُن کی زد میں ہیں۔" وہ جھجکتے ہوئے بولا۔

"سڑک تو صاف پڑی ہے۔ کہیں تمھیں بدروحیں تو نظر نہیں آ رہی ہیں؟" ویرا نے اُس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔

"بدروح ہی سمجھ لو کیونکہ واسطہ شی سے پڑا ہوا ہے۔" سلطان شاہ نے بُرا منائے بغیر کہا۔ "ہماری کیمپ سے روانگی کے چند ہی منٹ بعد مجھے ہیلی کاپٹر کا شور سنائی دیا تھا جو بار بار کبھی قریب آ جاتا ہے اور کبھی دُور ہو جاتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ ہمارے پیچھے بڑے دائرے میں چکر کاٹتے ہوئے نگرانی کر رہا ہے۔"

"اوہ!" ویرا مضطرب ہوگئی۔ "تو اتنی دیر سے چُپ کیوں بیٹھے تھے؟ ذرا دیکھو تو ڈینی!"

میں اُس کی ہدایت سے پہلے ہی کھڑکی کا شیشہ گرا کر سر باہر نکال چکا تھا۔ ہماری گاڑی سے کافی پیچھے زمین سے کافی بلندی پر فضا میں ایک ہیلی کاپٹر واپس جاتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ میں نے سر اندر ڈال کر ویرا کو فضا میں ہیلی کاپٹر کی موجودگی کی اطلاع دی تو اس کے چہرے پر گہری تشویش پھیل گئی۔

"سلطان شاہ کا خیال درست معلوم ہوتا ہے کیونکہ شی کے لیے ڈیلٹا کیمپ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اب اس کے قریب ہیلی پیڈ بھی بنا لیا گیا ہو۔"

"لیکن ڈیلٹا کیمپ تو پیٹرانچ کی تحویل میں ہے۔ وہ باہر کا آدمی ہوتے ہوئے شی کے وسائل کو کیسے حرکت میں لا سکتا ہے؟" میں نے تشویش کے باوجود طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

"ڈیلٹا کیمپ صرف اُس کے تصرف میں ہے۔ اُس کی حفاظت کے لیے معمول کے مطابق ہر کارروائی کی جاتی رہے گی۔ ذرا کچھ دیر تک اس کی نقل و حرکت پر نگاہ جمائے رہو، میں راستہ تبدیل کرتی ہوں۔"

"جب تم سلور آئی دکھا چکی ہو تو اب تمھارے تعاقب کا کیا جواز رہ جاتا ہے؟ میرا خیال ہے کہ وہ ہیلی کاپٹر کسی تفریحی پرواز پر ہے اور سلطان شاہ ہمیں وہم میں ڈال رہا ہے۔"

"وہ تفریحی پرواز پر ہوتا تو راستہ بدل چکا ہوتا۔ تم نے سنا نہیں کہ سلطان شاہ مسلسل اُس کی آوازیں سنتا رہا ہے۔ اس وقت ہم ایک مغربی ملک میں ہیں، پاکستان میں نہیں، جہاں بعض سرکاری ایجنسیاں بھی ایسی سہولتوں سے محروم ہوتی ہیں۔ تم ذرا اُس ہیلی کاپٹر کو دیکھتے تو رہو۔"

مجھے یاد آیا کراچی میں ڈاکٹر ویسلر کی سربراہی میں ہونے والی بین الاقوامی انسدادِ منشیات کی کانفرنس میں جب پہاڑی علاقوں میں مومن خان اور دوسرے لوگوں کی ہیروئن تیار کرنے والی فیکٹریوں کا ذکر چلا تو یہ بات بھی سامنے آئی تھی کہ قبائلی علاقوں کے بعض مخلص اور نیک نیت لوگوں کو بھی ہیروئن کی برآمد کے ذریعے علاقے کی مجموعی معاشی خوشحالی کے خواب دکھا کر کارخانے قائم کرنے پر اُکسایا گیا تھا اور پھر تعلیم اور جدید دَور کی سہولتوں سے ناآشنا ان لوگوں نے دشوار گزار پہاڑی دَرّوں اور وادیوں میں ایسے کارخانے قائم کیے تھے جن کی حفاظت ریڈار اور دوسرے جدید ترین مواصلاتی رابطوں کے ذریعے کی جاتی تھی۔ اگر شی کے کارندے خیبر کے دونوں طرف ایسی سہولتیں متعارف کرا سکتے تھے جن سے پاکستان میں قانون کے محافظ بھی محروم تھے تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ خود عالمی پیمانے پر ان سہولتوں سے استفادہ نہ کرتے۔

میں کھڑکی سے سر باہر نکالے فضا میں بہت دُور معدوم ہوتے ہوئے ہیلی کاپٹر پر نظریں جمائے یہی سب سوچتا رہا۔ اسی دوران میں ہیلی کاپٹر معدوم ہوتے ہوتے ایک بار پھر لمحہ بہ لمحہ واضح ہونے لگا۔ ہوا کی سمت مخالف ہونے کی وجہ سے اس کے انجن یا پنکھوں کا شور نہیں سنائی دے رہا تھا لیکن یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ ہواباز ایک طویل چکر کاٹ کر دوبارہ ہماری طرف آ رہا تھا۔ اگر اس ہیلی کاپٹر کا تعلق شی سے ہی تھا تو ہم تینوں کے لیے صورتِ حال سنگین

ہو چکی تھی۔

ہیلی کاپٹر سڑک کے بائیں طرف سرسبز میدانی علاقے پر بلندی پر پرواز کرتا ہوا لینڈ روور سے چند سو گز کے فاصلے تک آیا تھا اور پھر اچانک داہنی طرف گھوم کر سڑک کی دوسری جانب نیم دائرہ بناتا ہوا میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میں نے خنک ہوا سے جمی ہوئی کھوپڑی اندر کی تو سلطان شاہ داہنی کھڑکی سے ہیلی کاپٹر کی واپسی کے منظر سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"وہ ہم سے چند سو گز کا فاصلہ برقرار رکھ کر ایک بڑے دائرے کی صورت میں پیچھا کر رہا ہے اور ابھی واپس گیا ہے" میں نے ویرا کو باخبر کرتے ہوئے کہا۔

"شاید وہ ہمارا پیچھا کر کے منزل کا تعین کرنا چاہتے ہیں، اسی لیے میں نے گاڑی کا رخ چیتھام کے بجائے ایش فورڈ کی طرف موڑ دیا ہے تاکہ انھیں یہ اندازہ نہ ہو سکے کہ ہم ساحلی پٹی کی طرف نکلنا چاہتے ہیں۔" وہ آہستہ سے بولی۔ "میرا خیال ہے کہ ہمیں گاڑی سے باہر نکل کر ہوا باز کے ردِ عمل کا جائزہ لینا چاہیے۔"

"وہ غیر مسلح نہیں ہو گا۔" میں نے کہا۔ "کھلے آسمان کے نیچے اُس نے ہماری جھلک بھی دیکھ لی تو وہ ہمیں اپنی مشین گن کی بوچھاڑ سے بہ آسانی بھون ڈالے گا۔"

"اِدھر خودرو گھاس میں ہم آسانی سے خود کو چھپا سکیں گے۔" وہ بائیں طرف لہلہاتی ہوئی ہریالی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "وہ ویسے بھی زیادہ نیچے آنے کی غلطی نہیں کرے گا۔ اُسے خوف لاحق ہو گا کہ کہیں نیچے سے چلائی جانے والی کوئی گولی ہیلی کاپٹر کی تباہی کا سبب نہ بن جائے۔"

"پھر ہمیں گاڑی روک دو۔" میں نے کھڑکی سے سر نکال کر پیچھے فضا کا جائزہ لینے کے بعد کہا۔ "ابھی تک وہ واپسی کے لیے نہیں گھوما ہے، وہ لوٹ آیا تو پھر اگلے چکر کا انتظار کرنا ہو گا۔"

"پیچھے سے اسٹین گن لے لو۔" ویرا نے لینڈ روور کچے میں اُتار کر بریک لگاتے ہوئے سلطان شاہ سے کہا اور پھر ہم تینوں نے گاڑی سے اُتر کر بائیں طرف اُگی ہوئی لمبی خودرو گھاس کے میدان میں دوڑ لگا دی۔ ایک دوسرے کے پیچھے کئی گز اندر گھسنے کے بعد ویرا نے آس پاس سے کافی گھاس توڑ کر اپنے سر پر جمالی تاکہ ہیلی کاپٹر کے قریب آنے پر دیکھے جانے کے خدشے کے بغیر کھڑی ہو کر صورتِ حال کا جائزہ لے سکے۔ ہم دونوں بھی اس کے قریب ہی کھڑے ہوئے تھے۔ سلطان شاہ اسٹین گن کا میگزین چیک کر رہا تھا اور میری نگاہیں واپس آتے ہوئے ہیلی کاپٹر پر مرکوز تھیں۔

فاصلہ کم رہ جانے پر میں سلطان شاہ کے ساتھ گھاس میں دبک گیا۔ ہیلی کاپٹر کا دبتا اُبھرتا شور تیزی کے ساتھ قریب آتا گیا۔ اس دوران میں ویرا مسلسل تبصرے کرتی جا رہی تھی تاکہ ہم دونوں بھی بدلتی ہوئی صورتِ حال سے پوری طرح باخبر رہ سکیں۔ اس بار ہیلی کاپٹر گاڑی سے دُور واپس لوٹنے کے بجائے چنگھاڑتا ہوا عین گاڑی کے اوپر سے گزرا تھا۔ شاید پائلٹ کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ اس بار لینڈ روور سڑک پر متحرک نہیں تھی۔ اس بار ہیلی کاپٹر دُور تک جا کر لمبا چکر کاٹنے کے بجائے قریب سے ہی لوٹا تھا اور پھر اُس نے ایک مختصر سے دائرے میں لینڈ روور کے گرد کئی چکر کاٹنے کے بعد گھاس کے میدان پر پرواز شروع کر دی تھی۔ ویرا کے اندازے کے عین مطابق پائلٹ نے بلندی کم کرنے کا خطرہ مول نہیں لیا تھا جس کی وجہ سے ہمارے دیکھ لیے جانے کا امکان بہت کم رہ گیا تھا۔

پائلٹ نے مختلف سمتوں اور زاویوں سے سڑک کے دونوں طرف میدان پر کافی دیر تک نیچی پرواز کی مگر ہمارا سراغ لگانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس علاقے میں خودرو گھاس کی اتنی کثرت تھی کہ کئی سو افراد بھی سبزے میں روپوش ہو جاتے تو اُن کا پتا چلانا محال تھا۔

آخر کار ہیلی کاپٹر لینڈ روور کے اوپر ایک خاص بلندی پر فضا میں معلق ہو گیا۔ ویرا کو لمحہ بھر کے لیے شبہ ہوا کہ شاید کسی کا رسّے کی مدد سے نیچے کودنے کا ارادہ ہو مگر اُس کا اندازہ غلط ثابت ہوا اور ہیلی کاپٹر دوبارہ آگے بڑھ گیا۔ اس بار اُس نے بتدریج بلندی کم کرتے ہوئے دو بار گاڑی پر چکر لگایا تھا اور آخر کار پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد پائلٹ نے اُسے عظیم الجثہ پرندے کی طرح قریب ہی کہیں اُتار لیا اور فضا انجن اور پنکھوں کے کان پھاڑ دینے والے شور سے گونجنے لگی۔ فضا صاف ہوتے ہی ہم دونوں بھی اُٹھ کھڑے ہوئے۔

اس وقت صورتِ حال بہت خطرناک اور سنسنی خیز تھی، دونوں حریف ایک دوسرے کے عزائم سے بے خبر قریب قریب موجود تھے۔ ہمارے لیے گھاس اور جھاڑیوں کے پار دیکھنا محال تھا اور کچھ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ ہیلی کاپٹر میں کتنے افراد سوار تھے اور وہ لینڈنگ کے بعد کس قسم کی کارروائی کا ارادہ رکھتے تھے۔ ہیلی کاپٹر کے مسلسل چلتے ہوئے انجن سے یہ اندازہ ضرور ہو رہا تھا کہ وہ زیادہ دیر تک وہاں رُکنے پر مائل نہیں تھے۔

میں اس وقت پیش قدمی کر کے انھیں خوف زدہ کرنے کے حق میں تھا جب کہ ویرا اُن سے ذرا بھی اُلجھنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ مجھے یہ خوف تھا کہ لینڈنگ کے باوجود کوئی مزاحمت نہ ہونے پر ان کے دلوں سے ہیلی کاپٹر گرائے جانے کا خوف دُور ہو جائے گا اور وہ

ہینڈ روور کے مسافروں کی تلاش میں اُس علاقے پر نیچی پرواز کا سلسلہ شروع کر دیں گے جو ہمارے لیے خطرناک تھا۔

خودرو گھاس کے اس جنگل پر ہیلی کاپٹر جدھر سے بھی گزرتا اُس کے پنکھوں سے خارج ہونے والی تیز ہوا زمین پر آندھی کی سی کیفیت پیدا کر دیتی اور گھاس زمین پر جھک کر یوں کھلتی جاتی کہ ہماری پناہ گاہ ان کی نظروں میں آجاتی۔ اس کے علاوہ بھی میرے ذہن میں کئی خدشات موجود تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر ویرا کا اُن سے اُلجھنے کا ارادہ نہیں تھا تو ہمیں گاڑی روکنے کے بجائے کسی بھی سمت میں سفر جاری رکھنا چاہیے تھا اور جب انھیں ایندھن کی کمی کی وجہ سے واپس لوٹنا پڑ جاتا تو ہم تیزی کے ساتھ چیتھام کی طرف نکل سکتے تھے۔

خالی گاڑی میں وہ چاہتے تو کوئی بھی خرابی کر کے اُسے سفر کے بے ناکارہ بنا سکتے تھے یا پھر قرب و جوار میں اپنا کوئی مسلح آدمی چھوڑ سکتے تھے جو ہمارے نمودار ہوتے ہی اپنے اسلحہ کے بل پر ہمیں بے بس کر سکتا تھا۔ تیسرا اور سب سے زیادہ خطرناک امکان یہ تھا کہ وہ گاڑی میں کوئی ایسا ناقابلِ شناخت، ننھا سا ٹیگ نصب کر جاتے جو اُن کے واپس لوٹ جانے کے باوجود طاقتور ریڈیائی سگنل نشر کر کے ان کے کسی مانیٹرنگ اسٹیشن کو ہماری پل پل کی نقل و حرکت سے باخبر کرتا رہتا۔ داؤد کے لیے کام کرنے والے گروپ نائین کے سفاک قاتلوں سے دو دو ہاتھ کرتے ہوئے ہمیں ایسے آلات کا تلخ تجربہ ہو چکا تھا اور میں آزادی مل جانے کے بعد ایک مرتبہ پھر کسی بھی دام میں پھنسنے کے لیے قطعی تیار نہیں تھا۔

ہیلی کاپٹر کی نیچی پرواز کا ازالہ ویرا کے ذہن میں تھا۔ اُس نے کہا کہ پائلٹ نے ایسی حماقت کی تو وہ اپنے بے نقاب ہونے سے پہلے ہی فائرنگ کر کے ہیلی کاپٹر تباہ کرا دے گی لیکن انجن ناکارہ ہونے یا ٹیگ لگائے جانے کے سلسلے میں وہ بالکل کوری تھی اور ہمارے لیے تحمل کے ساتھ انتظار کرنے کے علاوہ کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہ گیا تھا۔

آخر کار چند منٹ کے انتظار کے بعد ہیلی کاپٹر کے انجن کی آواز تیز ہوئی اور وہ دوبارہ فضا میں بلند ہو کر خلافِ توقع میدان کی طرف آنے کے بجائے تیزی سے اُسی طرف پرواز کرتا چلا گیا جدھر سے نمودار ہوا تھا۔

شور معدوم ہونے کے بعد کافی دیر تک فضا پر چھایا ہوا سکوت غیر فطری محسوس ہوتا رہا۔ پھر ہم نے سرگوشیوں میں فیصلہ کیا کہ ہمیں ایک ساتھ نکلنے کے بجائے مختلف سمتوں میں پھیل کر سڑک پر نکلنا چاہیے اور ہیلی کاپٹر کا کوئی سوار اگر گاڑی کے قریب رہ گیا ہو تو ہم میں سے کسی ایک پر اپنی توجہ مرکوز کر سکے اور باقی دو دُور رہ کر اُس کی مدد کر سکیں۔

اس مرتبہ ہیلی کاپٹر شاید واپس ہی چلا گیا تھا کیونکہ آسمان تاحدِ نظر صاف پڑا ہوا تھا اور فضا میں ہیلی کاپٹر کے انجن کی ذرا بھی دھمک باقی نہیں رہی تھی۔

ویرا نے اپنے لیے وہی راستہ اختیار کیا جس سے ہم گھاس کے جنگل میں داخل ہوئے تھے۔ اُس نے سلطان شاہ سے اسٹین گن واپس لے لی تھی اور ہم دونوں دو مختلف سمتوں میں آگے بڑھنے لگے۔ میرے لیے وہ راستہ بہت ناہموار اور دشوار ثابت ہوا کیونکہ نرم اور لمبی گھاس کی جڑوں میں جا بجا خاردار جھاڑیاں بھی اُگی ہوئی تھیں جن کا پتا اسی وقت چلتا تھا جب کانٹے جسم یا لباس کے کسی حصے میں چبھتے تھے لیکن میں کوئی آواز پیدا کیے بغیر مسلسل آگے بڑھتا رہا پھر رُخ تبدیل کر کے سڑک کی طرف ہو لیا۔ جھاڑیوں سے نکلنے سے پیشتر میں نے لینڈ روور کی سمت میں نگاہیں دوڑائیں تو وہاں ویرا اطمینان سے کھڑی سگریٹ پیتی ہوئی نظر آئی۔ اس کے علاوہ دُور تک کسی متنفس کا پتا نہیں تھا۔

سلطان شاہ تقریباً میرے ساتھ ہی وہاں پہنچا تھا۔ "یہاں تو میدان صاف ہے۔" ویرا نے فضا میں دھوئیں کے مرغولے بکھیرتے ہوئے بے پروائی کے ساتھ کہا۔ "پتا نہیں وہ لوگ اپنا وقت کیوں برباد کر رہے تھے، بس انجن کا ڈسٹری بیوٹر کیپ نکال کر ڈرائیونگ سیٹ پر ڈال دیا گیا ہے۔"

"وارننگ!" میں نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "انھوں نے ہمیں جتایا ہے کہ وہ چاہتے تو گاڑی کو ناکارہ بھی کر سکتے تھے مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ اس پلاسٹک کیپ کو آسانی سے توڑا جا سکتا تھا، پھر نیا کیپ ڈالے بغیر انجن ہی اسٹارٹ نہ ہو پاتا لیکن یہ مہربانی کیوں کی گئی ہے؟"

"تم ڈسٹری بیوٹر کیپ اور تار واپس لگاؤ۔ میں گاڑی میں ٹیگ تلاش کرتی ہوں۔" اُس نے گہرا سانس لے کر کہا اور میں بونٹ اٹھا کر انجن کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کیپ لگا کر میں نے وسطی سوراخ میں کوائل سے آنے والے تار کا سرا لگایا پھر پلگ وائر لگانے لگا جس کی ترتیب مجھے یاد نہیں رہی تھی۔ چار سلنڈر والی گاڑیوں میں سلنڈر فائرنگ کی ترتیب ایک تین چار دو ہوتی ہے مگر چھ سلنڈر والے انجن کا معاملہ ذرا دشوار تھا۔ خرابی یہ تھی کہ پلاسٹک کیپ پر ڈھلے ہوئے نمبر کھرچ کر مٹا دیے گئے تھے مگر مجھے اندازہ تھا کہ تاروں کی ترتیب غلط ہونے سے زیادہ سے زیادہ کاربوریٹر میں دو چار زوردار پٹاخے ہی ہوں گے اس سے زیادہ کچھ نہ ہوتا۔ تین بار میں نے تار تبدیل کر کے سیلف لگایا اور فضا انجن کے بیک فائر سے گونج اٹھی۔ ویرا نے گھبرا کر ڈیش بورڈ کے خانے میں گاڑی کی کتاب تلاش کی جو نہ مل سکی اور اسی دوران میں میری

چوتھی کوشش بارآور ہوئی اور انجن ہلکے سے جھٹکے کے ساتھ پوری قوت کے ساتھ بیدار ہوگیا۔

ویرا ایگب کی تلاش میں ناکام رہی تھی مگر مجھے پورا یقین تھا کہ ہیلی کاپٹر والوں نے کوئی خفیہ کارروائی کیے بغیر ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا ہوگا۔ لہٰذا یہ طے ہوا کہ ہم لوگ لینڈ روور سے براہِ راست چیتھام جانے کے بجائے ایش فورڈ کی راہ میں پڑنے والے قریب ترین شہر میڈاسٹون کا رخ کریں اور لینڈ روور وہاں کرائے کے کسی گیراج میں بند کرکے کرائے کی گاڑی میں چیتھام روانہ ہوجائیں۔ وہاں سے واپسی پر ویرا اپنی گاڑی واپس لے کر لندن جاسکتی تھی۔

پروگرام میں اس تبدیلی کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب ہماری کرائے کی کار چیتھام کی حدود میں داخل ہوئی تو فضا میں شام کا دھندلکا پھیل چکا تھا اور مغرب سے آنے والی سمندری ہواؤں میں رچی ہوئی خنکی سے براہِ راست ہڈیوں میں اترنے کی کوشش کر رہی تھی۔

ویرا کے لیے وہ نئی جگہ نہیں تھی، اس لیے اندھیرا پھیلنے کے باوجود وہ آسانی کے ساتھ سلائٹ کے وسیع و عریض رقبے پر بنے ہوئے کاٹیج پر پہنچ گئی جہاں ایک طرف احاطے میں مویشی پلے ہوئے تھے۔ کال بیل کے جواب میں مکان سے برآمد ہونے والی ادھیڑ عمر خاتون نے ہم تینوں کو اشتباہ آمیز نظروں سے دیکھا تھا پھر ویرا کے استفسار پر بتایا کہ دھندلکا پھیلنے کے بعد سلائٹ رات گئے تک چیتھام کے واحد پب میں جما رہتا تھا۔ ویرا نے چاہا کہ سلائٹ کو مہمانوں کی آمد کی اطلاع دے کر گھر بلالیا جائے مگر اُس خاتون نے صاف انکار کردیا وہ سلائٹ کے غصے سے خوف زدہ نظر آتی تھی جو پب میں اپنا ڈسٹرب کیا جانا بالکل پسند نہیں کرتا تھا۔

ویرا سلائٹ کے ساتھ ہمارا معاملہ چپ چپاتے طے کرنا چاہتی تھی، اس لیے کسی بھیڑ بھاڑ کے مقام پر سلائٹ سے ملنا نہیں چاہتی تھی مگر اُس خاتون کے انکار پر ہمیں مجبوراً پب کا رُخ اختیار کرنا پڑ گیا۔ میں دل ہی دل میں خوش تھا کہ بھاگ دوڑ کے بعد کم از کم بیٹھ کر اہتمام کے ساتھ پینے کا موقع میسر آنے والا تھا۔

ویرا ہمیں گاڑی میں چھوڑ کر سلائٹ سے ملنا چاہتی تھی لیکن قدرے بےفکری میسر آتے ہی میں نے اُس کی تجویز ماننے سے انکار کردیا اور ہم چند منٹ بعد ہی کوسٹل اِن پہنچ گئے جس کا نام بڑے بڑے نیون سائن میں جگمگا رہا تھا مگر چوبی عمارت کے گیٹ پر وکٹورین طرز کے وہ لیمپ دھیمی لَو کے ساتھ جل رہے تھے جو کراچی میں خال خال نظر آنے والی تفریحی بگھیوں پر کوچوان کے پہلوؤں پر روشن نظر آتے ہیں۔

پب کی عمارت کی سلامی دار چھت پر بنی ہوئی چمنی سے خارج ہونے والا دھواں بڑھتی ہوئی ٹھنڈ کی وجہ سے فضا میں تحلیل ہونے کے بجائے پب کے اوپر ہی بادلوں کا روپ اختیار کیے ٹھہرا ہوا نظر آتا تھا۔ ہم تینوں چوبی دروازے سے گزر کر پب کے ہال میں داخل ہوئے تو میں اندر کی فضا دیکھتے ہی مسحور ہوگیا۔

چوبی فرش اور دیواروں کے علاوہ پب کی آرائش میں حتی الامکان لکڑی ہی استعمال کی گئی تھی۔ ایک کونے میں بنے ہوئے بار کے فرش سے چھت تک بنی ہوئی الماریاں بھانت بھانت کی ہلکی اور تیز اور نجی برانڈ شراب کی وضع وضع کی حسین بوتلوں سے سجی ہوئی تھیں اور آگے چوبی کاؤنٹر پر کئی دمکتی ہوئی پیتل کی ٹونٹیاں لگی ہوئی تھیں جن میں سے مگوں میں بھانت بھانت کی بیئر ہینڈل والے مگوں میں انڈیل کر گاہکوں کو پیش کی جا رہی تھی۔ کاؤنٹر کے عین اوپر پیتل کی چمکتی ہوئی گھنٹیوں کی قطار رنگین ڈوریوں سے اس طرح لٹکی ہوئی تھی کہ بار ٹینڈر ڈوری کا ایک سرا کھینچ کر بیک وقت ساری گھنٹیوں میں خوابیدہ ترنم کو بیدار کر کے لوگوں کو پب بند ہونے کا اعلان سُنا سکتا تھا مگر یہاں مرد کا صیغہ غلط ہوگا کیونکہ اس پب میں کاؤنٹر کے پیچھے کوئی مرد موجود نہیں تھا بلکہ تین حسین اور نوخیز لڑکیاں بنے سنورے چہرے کے ساتھ، گلابی ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے ساقی گری کر رہی تھیں۔ ان کے گورے جسموں پر سیاہ اسکرٹ اور بلاؤز نے ان تینوں کو بہت زیادہ نمایاں کیا ہوا تھا اور شاید ان ہی کی وجہ سے نوجوانوں کی کئی ٹولیاں ہال میں پڑی ہوئی نشستوں کو چھوڑ کر کاؤنٹر کے سامنے درختوں کے تنوں سے بنے ہوئے اسٹولوں پر براجمان خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔ ان نوجوانوں میں ساقیوں کے قرب کی طلب اتنی شدید تھی کہ جنھیں بیٹھنے کی جگہ نہیں مل سکی تھی وہ وہیں کھڑے بظاہر مے نوشی کر رہے تھے مگر درحقیقت لڑکیوں کی طرف متوجہ تھے جو گلاس چھلکانے اور گاہکوں کو سرو کرنے کے ساتھ ہی تیکھی چتون اور دل نواز مسکراہٹوں کے ساتھ بار بار ان کی حوصلہ افزائی کر رہی تھیں۔

ہال میں دیوار کے ساتھ چوبی شہتیروں کی بینچ بنی ہوئی تھی جن کے سامنے تپائیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اس طرف ہر عمر کے مقامی لوگ نظر آرہے تھے۔ داخلی دروازے کے عین مقابل دیوار گیر آتشدان میں لکڑیوں کا الاؤ روشن تھا اور وسط میں ایک ٹرے میں جنگل سے کاٹی ہوئی لکڑی کے چھوٹے بڑے آڑھے ٹیڑھے ٹکڑے سلیقے سے جے ہوئے تھے۔ آتشدان کے سامنے ایک ادھیڑ عمر شخص اکڑوں بیٹھا منقش پیتل کے دستے والی آہنی سلاخ سے آتشدان میں لکڑیوں کو الٹ پلٹ کر رہا تھا مگر چمنی کے ذریعے دھوئیں کی مناسب نکاسی کا انتظام ہونے کے باعث ہال میں ذرا بھی گھٹن نہیں تھی۔

پب میں اندر کہیں بھی برقی روشنی نہیں تھی بلکہ مناسب مقامات پر چمکتے ہوئے پیتل کے ڈھانچوں اور شفاف شیشوں والی چمنی

بڑی جہازی روشنیاں تیز لَو کے ساتھ جل کر ماحول کو خوابناک بنا رہی تھیں۔ ان لیمپوں میں مٹی کے تیل کے بجائے شاید اسپرٹ استعمال کی گئی تھی کیونکہ باہر کے مقابلے میں اندر کی گرم اور آرام دہ فضا میں شراب و تمباکو کے دھوئیں کی ملی جلی بُو کے سوا مٹی کے تیل کی چراند کا شائبہ بھی نہیں تھا۔

"یہاں تو الف لیلیٰ بنائی ہوئی ہے!" سلطان شاہ نے اندر داخل ہوتے ہی اس رومانی فضا میں چند گہرے سانس لیتے ہوئے کہا۔ "شاید اسی ماحول میں آکر پارسا اپنی قسم توڑتے ہوں گے۔"

"قطعی فطری ماحول ہے۔" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ "نہ بجلی کی مجبوری ہے نہ پنکھے کی ضرورت لیکن اس مشینی دور میں یہ ماحول مصنوعی لگتا ہے۔"

"اردو شاعری کی ساری ضرورتیں یہاں موجود ہیں۔" وہ کاؤنٹر کی طرف دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ "مے خانوں میں ایسے ساقی تو مقدر ہی سے ملتے ہوں گے۔"

"دیہی علاقوں میں اب بھی کہیں کہیں ایسے روایتی پب پائے جاتے ہیں جن کے تذکرے سیاحوں کے لیے شائع ہونے والے کتابچوں میں ملتے ہیں۔ باہر سے آنے والے طویل مسافت طے کرکے ایسے پبوں میں آتے ہیں اور اپنی شامیں گزار کر ہلکے ذہن کے ساتھ واپس لوٹ جاتے ہیں۔"

ویرا ہمارے ساتھ کھڑی خاموشی کے ساتھ پب میں موجود لوگوں کا جائزہ لے رہی تھی مگر اسے سلائٹ غالباً کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔

"ہے سلائٹ!" اچانک ایک بینچ پر بیٹھے ہوئے شخص نے ٹھیٹ دیہاتی لہجے میں ہانک لگائی۔ "آگ سے زیادہ نہ کھیلو، یہ انگلیاں جلادے گی۔"

تبصرے پر آس پاس کے کئی افراد دھیمی آواز میں ہنسے اور آتشدان کے سامنے اکڑوں بیٹھا ہوا شخص سیدھا کھڑا ہوگیا۔ "جس کے دل میں الاؤ روشن ہو، انگارے اس کا کچھ نہیں بگاڑتے۔" اس نے گمبھیر لہجے میں کہا اور پلٹ کر آگ کریدنے والی سلاخ ہک پر لٹکانے لگا۔

ویرا اسے پہچان کر تیزی کے ساتھ اس کی طرف لپکی۔ اس دوران میں پب میں موجود کئی افراد نے تجسس آمیز نظروں سے ہماری طرف دیکھا تھا لیکن کسی نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ وہاں لوگ الگ الگ ٹولیوں میں ضرور بٹے ہوئے تھے لیکن ان سب کے درمیان بے تکلفانہ آشنائی نمایاں تھی۔ چیتھام نسبتاً ایک چھوٹی سی آبادی تھی، اس لیے اس پب میں روزمرہ آنے والوں نے رفتہ رفتہ ایک برادری کی صورت اختیار کرلی تھی جس میں کوئی کسی کی بات کا برا نہیں مانتا تھا اور اسی وجہ سے پب غیر رسمی طور پر دو حصوں میں بٹ کر رہ گیا تھا۔ جواں سال لڑکے لڑکیاں کاؤنٹر کے آس پاس جمع تھے اور ہال کا باقی حصہ زیادہ عمر کے لوگوں کے لیے مخصوص ہو کر رہ گیا تھا جہاں وہ ماضی کی حسرتوں اور ذاتی کمزوریوں کے حوالے سے کھل کر ایک دوسرے پر چوٹ کرسکتے تھے۔

سلائٹ بہت زیادہ عمر رسیدہ نہیں تھا لیکن اس کا چہرہ دور ہی سے بارعب نظر آرہا تھا۔ سیدھی کمر، مضبوط قویٰ اور چمکدار آنکھوں کے ساتھ وہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ تجربہ کار نظر آتا تھا۔

ویرا کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر وہ لمحہ بھر کے لیے خالی الذہن نظر آیا لیکن پھر ویرا کو پہچانتے ہی اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ اسی عالم میں وہ اپنی جگہ سے آگے لپکا اور پھر ہال کے وسط میں دونوں گرمجوشی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملے تھے۔

وہ نیم بزرگانہ انداز میں ویرا کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ایک گوشے کی طرف بڑھا تھا جہاں میز پر اس کا خالی گلاس رکھا ہوا تھا۔ اس میز پر سلائٹ کے ہم عمر تین اور افراد بھی موجود تھے۔

"یہ دونوں میرے ساتھ ہیں۔" ویرا نے ہمیں اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتے ہوئے سلائٹ سے کہا۔

"اوہ! پہلے کیوں نہیں بتایا تم نے؟" اس نے شکایتی لہجے میں کہا، پھر بڑھ کر ہمارا استقبال کیا اور اپنی میز کی طرف گھوم کر اونچی پاٹ دار آواز میں بولا۔ "چلو لیری! میری میز خالی کرو، میرے مہمان آگئے ہیں۔"

اس بار پب میں موجود تقریباً سارے ہی مے خواروں نے گردنیں گھما گھما کر سلائٹ کے مہمانوں کا جائزہ لینا ضروری سمجھا تھا مگر سلائٹ کی میز کے گرد موجود لوگوں نے خاموشی کے ساتھ اپنے مگ اور گلاس سنبھال کر جگہ خالی کردی تھی۔

میز کے گرد جگہ سنبھالتے ہی سلائٹ نے سب سے پہلے مشروب کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ ویرا کو حالانکہ اسی وقت واپس لندن جانا تھا اور انگلینڈ میں شراب پی کر ڈرائیونگ کرنے والوں کے خلاف سخت قوانین موجود تھے مگر پھر بھی اس نے تلخ بیئر کا ایک بڑا مگ پینے کا فیصلہ کرلیا۔

میں سلائٹ کے ساتھ بار تک گیا تھا جہاں اس نے کمر کے ایک شوخ لڑکی کو آرڈر دیا۔ سلائٹ کے جاتے ہی نوجوانوں میں قدرے خاموشی کی لہر دوڑ گئی۔ بلند قہقہے مسکراہٹوں میں دم توڑ گئے اور اونچی آوازیں سرگوشیوں میں بدل گئیں مگر سلائٹ نے ان پر نگاہ ڈالنے کی بھی زحمت نہیں کی۔ مجھے اندازہ ہوا کہ سلائٹ اپنے علاقے میں احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا یا پھر لوگ اس سے خائف رہتے تھے۔

ہم دونوں واپس لوٹے تو سلطان شاہ کا منہ پھولا ہوا تھا۔ شاید ہماری غیر موجودگی میں ویرا کے ساتھ اس کی کوئی نوک جھونک ہوئی تھی

لیکن وہ وقت ان تفصیلات میں جانے کا نہیں تھا لہٰذا ہم تینوں نے سگریٹیں سُلگا کر ایک دوسرے کا جامِ صحت تجویز کرتے ہوئے گلاس کو فضا میں ہولے سے ٹکرا کر اپنے لب تر کیے اور سلطان شاہ نے ایک ہی گھونٹ میں لیمونیڈ کا گلاس آدھا کر دیا۔

ویرا نے سرسری انداز میں سر گھما کر گرد و پیش کا جائزہ لیا پھر کہنیاں میز پر ٹکا کر دھیمی آواز میں سلائٹ سے بولی: "یہ دونوں میرے گہرے دوست ہیں اور خطرات میں گھرے ہوئے ہیں۔"

"یہ جب تک چاہیں، میرے پاس رہ سکتے ہیں۔" وہ سگریٹ کا دھواں اُگلتے ہوئے فراخ دلی سے بولا۔ "چیتھام میں کسی کی مجال نہیں کہ میرے مہمانوں کی طرف ٹیڑھی نگاہ سے دیکھ سکے۔"

"پولیس بھی ان کی راہ پہ ہے۔"

"ہوا کرے۔" وہ بے پروائی کے ساتھ بولا۔ "تم جانتی ہو کہ میں یہاں ان پر کتنا پیسہ بہاتا ہوں لیکن یہ کتنے دن تک یہاں رُکیں گے؟ میں شاید اگلے ہفتے باہر چلا جاؤں گا۔"

"میری تو خواہش ہے کہ تم انھیں بھی جلد از جلد انگلینڈ سے باہر نکال دو۔ ان کے لیے یہاں کے حالات دن بدن مخدوش ہی ہوتے چلے جائیں گے۔" ویرا بیئر کا گھونٹ لے کر بولی۔

"کاغذات وغیرہ؟" سلائٹ نے ٹٹولنے والے لہجے میں سوال کیا۔

"سب بندوبست تم ہی کو کرنا ہوگا۔" ویرا نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "میں چاہتی ہوں کہ یہ کسی نہ کسی طرح روم تک پہنچ جائیں، وہاں میں سنبھال لوں گی۔"

"ان کے ساتھ کوئی ذاتی سامان وغیرہ تو نہیں ہوگا؟" سلائٹ نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد سوال کیا۔

"ہرگز نہیں۔" ویرا پُریقین لہجے میں بولی۔ "تم یقین رکھو کہ تمھارے ساتھ کوئی گھپلا نہیں ہوگا۔ مجھے آسٹن والا قصّہ معلوم ہے۔ اس نے دیدہ دانستہ سازش کی تھی اور تمھیں بے وقوف بنا کر کوکین کی بھاری کھیپ یورپ پہنچانے کی کوشش کی تھی۔"

"اور تمھیں معلوم ہے کہ میں نے کھلے سمندر میں اس کے دونوں آدمیوں کو ہلاک کر کے کوکین سمیت سمندر میں شارک مچھلیوں کے حوالے کر دیا تھا۔ میں ہر کام کرتا ہوں لیکن خطرناک منشیات سے ہمیشہ دور رہتا ہوں۔ یہ دھندا ایک نہ ایک دن انسان کو لے ڈوبتا ہے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ اس دنیا میں آج بھی تم جیسے وضع دار انسان باقی ہیں۔" میں نے مجرم کی جگہ انسان کا لفظ استعمال کرتے ہوئے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

"اسی لیے پولیس والے میری عزت کرتے ہیں۔" وہ فخر کے بغیر سپاٹ لہجے میں بولا۔ "وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں کیا کرتا ہوں اور کن دھندوں سے دور رہتا ہوں حالانکہ ایسے کاموں کے لیے مجھے بارہا ناقابلِ تصور معاوضے کی پیش کشیں موصول ہوئی ہیں لیکن میں اپنے اصول نہیں توڑتا۔"

"تم چاہو گے تو یہ سفر پر تمھارا ہی دیا ہوا لباس بھی استعمال کریں گے۔ ان کا ڈرگ ٹریفک سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔"

"اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ مجھے تم پر اعتماد ہے۔"

سلائٹ دوسرے راؤنڈ کے لیے اُٹھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ جھاڑی لیمپوں کی دھیمی اور خواب ناک روشنی میں بار کاؤنٹر پر کام کرنے والی ایک سیاہ پوش خوبرو دوشیزہ وہاں آ پہنچی۔ وہ سلائٹ کے لیے کسی کے فون کا پیغام لائی تھی۔

"کون اُلّو کا پٹھا ہے؟" سلائٹ نے برا سا منہ بنا کر برہمی کے ساتھ پوچھا۔ "یہ لوگ مجھے یہاں بھی چین نہیں لینے دیتے۔"

"اس نے نام نہیں بتایا۔ تم سے بات کرنے پر مُصر ہے۔" سیاہ پوش دوشیزہ سلائٹ کے لہجے سے سہم کر بولی۔

سلائٹ نے ایک جھٹکے سے اپنی جگہ چھوڑ دی اور غصیلے انداز میں تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔ بار والی سیاہ پوش لڑکی اس کے پیچھے تھی۔

"عجیب خبطی آدمی ہے۔" اس کے چلے جانے پر میں نے سر جھٹک کر ویرا سے کہا۔ "اس دور میں تو نیک نام افسر، تاجر اور صنعت کار تک لمبے ہاتھ مارنے کے چکر میں منشیات کی طرف راغب ہو رہے ہیں اور یہ جرائم کی دنیا کا آدمی ہوتے ہوئے بھی اصولوں کو سینے سے لگائے بیٹھا ہے۔"

"اس نے اپنی جوان بیٹی کو ایڈکشن کے کرب ناک عذاب سے گزر کر، گُھل گُھل کر مرتے دیکھا ہے۔ آخری دنوں میں تو یہ اپنی بیٹی کی زندگی کو طول دینے کے لیے خود مارفین کے انجکشن خرید کر اس کی نسوں میں اتارتا تھا۔ بیٹی کی موت کے بعد اس نے تنِ تنہا چیتھام سے منشیات فروشوں کو مار مار کر نکالا ہے۔ یہاں تمھیں ہر معاشرتی خرابی ملے گی لیکن شراب اور سگریٹ کے علاوہ کسی اور قسم کی منشیات کی ایک چٹکی بھی نہیں مل سکتی۔"

"پھر اس کی آمدنی کے ذرائع کیا ہیں؟" میں نے پوچھا۔

ویرا نے کچھ کہنے کے لیے مُنہ کھولا مگر پھر خاموش رہ گئی کیونکہ سلائٹ واپس آ رہا تھا۔ اس کی چال میں اشتعال نہیں تھا، شاید فون پر اسے کوئی پریشان کن خبر ملی تھی۔

اپنی جگہ واپس آ کر وہ کئی ثانیوں تک خاموشی کے ساتھ باری باری ہمارے چہرے تکتا رہا۔ اس کا انداز اس قدر بھرپور تھا کہ مجھے اپنے وجود میں چیونٹیاں سی رینگتی محسوس ہونے لگیں۔

"کیا دیکھ رہے ہو سلائٹ؟ کیا ہمارے بارے میں کوئی خبر ملی ہے؟" ویرا مضطربانہ لہجے میں اس سے سوال کر ہی بیٹھی۔

"ان میں ڈکیتی کا مجرم کون ہے؟" سلائٹ نے دھیمی آواز میں

سوال کیا اور میں بری طرح چونک پڑا۔

"یہ الزام اس پر ہے؟" ویرا نے تحیر اور بے یقینی کے عالم میں سلائٹ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے میری طرف اشارہ کیا۔ "مگر تم یقین کرو کہ اس کا دامن صاف ہے۔ اسے دشمنوں کی طرف سے گھیرنے کی کوشش کی گئی ہے۔" پھر وہ چونک کر بولی۔ "مگر تم کو یہ اطلاع کیسے ملی؟"

"یہاں پولیس سے میرے مراسم بہت اچھے ہیں۔" وہ پُرسکون لہجے میں بولا۔ "انسپکٹر اسمتھ کا فون تھا۔ اسے کسی نے فون پر اطلاع دی ہے کہ کوسٹل اِن میں میرے ساتھ لندن میں ڈکیتی کا ایک مجرم موجود ہے۔"

"اوہ! یہ تو بہت برا ہوا۔ ہمیں واقعی محتاط رہنا چاہیے تھا۔" ویرا مضطربانہ لہجے میں بولی۔ "اخبارات میں شائع ہونے والی تصویر بہتیرے ذہنوں میں محفوظ رہ گئی ہوگی۔"

"کچھ برا نہیں ہوا۔" وہ اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔ "انسپکٹر اسمتھ اپنے ماتحتوں کے ساتھ بیس منٹ بعد یہاں پہنچے گا۔ میں نے اسے صاف بتا دیا کہ آنے والے چور ہوں یا ڈاکو مگر میرے مہمان ہیں۔ اگر اس کو ملنے والی اطلاع درست ہوئی تو اس کے آنے سے پہلے میرے مہمان پب سے نکل جائیں گے۔"

بے اختیار ہم تینوں کے لبوں سے گہرے سانس آزاد ہوگئے۔

"اور اگر اس نے یہاں سے نکلتے ہوئے ہمیں روک لیا؟" ویرا نے سوال کیا۔

سلائٹ کے بشرے پر ناگواری کی لہر دوڑ گئی۔ "اس میں اتنی جرأت ہوتی تو مجھے فون کرنے کے بجائے پب پر اچانک ہی دھاوا بولتا۔ تم گھر جا کر انتظار کرو۔ میں اپنے معمول کے مطابق یہاں سے اٹھوں گا۔ مجھے یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ مخبری کس نے کی ہے؟"

"تم اسے اپنے خلاف مخبری کیوں تصور کر رہے ہو؟" ویرا اٹھتے ہوئے ناصحانہ انداز میں بولی۔ "تصویر کی بنیاد پر کوئی بھی اسے پہچان سکتا تھا۔"

"اپنے معاملات کو میں بہتر سمجھتا ہوں۔" وہ تیز لہجے میں بولا۔ "شکایت یا رپورٹ میں میرا حوالہ دیا گیا ہے.... اب مجھے دیکھنا پڑے گا کہ تم لوگوں کی آمد کے بعد کون کون پب سے واپس گیا تھا۔ ان میں سے اسمتھ کے گمنام مخبر کو کھوج نکالنا میرے لیے زیادہ دشوار نہیں ہوگا۔"

"تم کب تک گھر واپس لوٹو گے؟"

"گیارہ بجے پب بند ہوتا ہے اسی وقت یہاں سے نکلتا ہوں۔ تم گھر جا کر آرام کرو۔ میں تمہارے پہنچنے سے پہلے کیتھی کو فون کر دوں گا۔ وہ تمہارے لیے علیحدہ کمرے کھول دے گی۔"

ہم تینوں اس سے ہاتھ ملا کر اس فسوں خیز پب سے باہر آگئے۔

"یہ بھی تو ممکن ہے کہ اسمتھ کو خبر دینے والا نتائج کے انتظار میں آس پاس ہی موجود ہو اور سلائٹ کے گھر تک ہمارا پیچھا کر کے دوبارہ انسپکٹر اسمتھ کو فون کر دے۔" میں نے خنک ہواؤں سے بچنے کے لیے کالر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"سلائٹ بہت بے رحم اور وحشی آدمی ہے۔" ویرا نے جواب دیا۔ "اپنی کرنے پر آتا ہے تو اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ اس سے چیتھام کا بچہ بچہ ڈرتا ہے۔ مخبری کرنے والا اس کا کوئی دشمن رہا ہو تو اور بات ہے ورنہ وہ شریف آدمی تو اپنی خواب گاہ میں گھسا اپنی جلد بازی اور حماقت پر پچھتا رہا ہوگا۔"

ہم کار میں واپس سلائٹ کے گھر کی طرف روانہ ہوئے تو دور تک کسی تعاقب کرنے والے کا پتا نہیں تھا اور گھر میں ادھیڑ عمر کیتھی شاید دروازے پر ہی گھنٹی کے انتظار میں کھڑی تھی۔

کیتھی کے ایما پر ویرا نے کار مویشیوں کے باڑے سے ملحق گیراج میں کھڑی کر دی اور ہمیں داخلی دروازے کے قریب ہی ان دو خواب گاہوں میں لے گئی جو اپنے محل وقوع کے اعتبار سے مہمانوں کے لیے مخصوص معلوم ہوتی تھیں لیکن ہم تینوں سلائٹ کی آمد تک اپنا وقت ایک ساتھ رہ کر گزارنا چاہتے تھے لہٰذا کیتھی کا شکریہ ادا کر کے نسبتاً کشادہ خواب گاہ میں آگئے۔

"تمہارا فوری واپسی کا پروگرام تو اب منسوخ ہوتا نظر آرہا ہے۔" میں نے ویرا سے کہا۔

"مجھے ہر قیمت پر واپس جانا ہوگا۔" ویرا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "ڈیلٹا کیمپ کے واقعات کے بعد مجھے جلد از جلد جان کو رپورٹ دینا ہوگی ورنہ حالات میرے حق میں خراب ہو سکتے ہیں۔"

"یعنی تم جان کی ہدایت پر ڈیلٹا کیمپ پہنچی تھیں؟"

"داؤد کی پیدا کی ہوئی غلط فہمیاں دور ہونے کے بعد میں براہ راست اسی کی نگرانی میں کام کر رہی ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ پیٹرا پخ کو بھی اسی نے وقتی طور پر کام دے دیا ہو۔"

"پیٹرا پخ کا معاملہ تو خیر تم دیکھ ہی لوگی مگر میں سلائٹ سے بھی بہت متاثر ہوا ہوں۔ اپنی شامیں پب میں گزارنے والا یہ آدمی بھی کچھ کم پُراسرار نہیں ہے ورنہ پولیس والے ہزار رشوتوں کے باوجود مجرموں کا اتنا لحاظ کہاں کرتے ہیں، جب موقع ملتا ہے گردن پکڑ کر حوالات میں ڈال دیتے ہیں۔"

"چیتھام میں منشیات کے خاتمے اور دوسرے بڑے جرائم کے سدباب میں سلائٹ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں شاید اسی وجہ سے اس کے ساتھ خصوصی سلوک کیا جاتا ہے پھر شاید مقامی آبادی کی ہمدردیاں بھی اس کے ساتھ ہیں۔ پولیس والوں کو ان تمام باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے کیونکہ وہ بھی اسی ماحول اور معاشرے میں رہتے بستے ہیں۔"

"سلائٹ کی آمدنی کے ذرائع والی بات ادھوری رہ گئی تھی۔"

سلطان شاہ نے یاد دلایا۔

"لندن کے بہت سے تفریحی مقامات پر سلائٹ کی جوئے کی مشینیں نصب ہیں۔ وہ معاوضے پر اس ساحلی پٹی سے لوگوں کو اندر لانے اور برطانیہ سے نکالنے کا کام بھی کرتا ہے اسی کے ساتھ وہ پرانے اور ازکار رفتہ جہازوں کی خرید و فروخت کا کام بھی کرتا ہے۔ پہلے وہ ایسے سودوں میں صرف دلالی کرتا تھا مگر اب اپنا سرمایہ لگاتا ہے۔ سستے سودے خرید کر بھاری منافع پر مناسب گاہکوں کو فروخت کر دیتا ہے۔"

"اس کام میں بھی کوئی نہ کوئی تو گڑبڑ ہوگا؟"

"مجھے زیادہ تفصیلات کا علم نہیں لیکن یہ سنا ہے کہ سلائٹ پرانے جہازوں پر گاہکوں کی مرضی کا نیا مال لدوا دیتا ہے جسے جہاز کے اسٹور میں اندراجات کر کے قانونی بنا لیا جاتا ہے۔ عام طور پر پرانے جہاز درآمد کرنے والے ملکوں میں ایسے مال کی براہ راست درآمد پر کڑی پابندیاں ہوتی ہیں یا اس پر ٹیکسوں کی شرح بہت بھاری ہوتی ہے۔ جہازوں کی توڑ پھوڑ سے پہلے ہی وہ سارا مال احتیاط سے نکال کر گوداموں یا بازار میں پہنچا دیا جاتا ہے۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ اس طرح منشیات کی غیر قانونی تجارت بھی ہوتی رہتی ہو؟" [illegible] نے سوال کیا۔

"منشیات [illegible] کے کہاں سے لائی جاتی ہیں، یہاں سے وہاں بھیجی [illegible] وہ بولی۔ "اور پھر سلائٹ خود بھی محتاط رہتا ہے۔ اسے [illegible] جائے تو وہ اپنے نقصان کی پروا کیے بغیر سودے کو منسوخ کر سکتا [illegible] بہت ضدی اور سخت طبیعت کا مالک ہے، پب میں تو تم نے اسے بہت شائستہ روپ میں دیکھا ہے۔"

سلائٹ کی واپسی تک ہمارے پاس کوئی کام نہیں تھا، اسی کے ساتھ میرے ذہن پر دھیمے دھیمے یہ احساس بھی مسلط ہوتا جا رہا تھا کہ ویرا کے ساتھ سنسنی خیز رفاقت کے بعد آخر کار ہمیں اس کو چھوڑنا پڑ رہا تھا یہ اور بات تھی کہ وہ چند روز میں روم پہنچنے کا وعدہ کر رہی تھی لیکن میں اس اہم نکتے کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اپنی مرضی کی مالک نہیں تھی بلکہ کشتی میں اپنے بڑوں کی ہدایات کے تحت کام کرنے پر مجبور تھی۔

سچی بات تو یہ تھی کہ اس وقت اگر مجھے اپنی سلامتی کی طرف سے چاروں طرف خطرات لاحق نہ ہوتے تو میں ہرگز برطانیہ کی سرزمین کو خیرباد کہنے کے بارے میں نہ سوچتا جہاں غزالہ میری ہمدردی اور حمایت سے محروم تنہا اپنی بقا کی جدوجہد کر رہی تھی۔ شون میکارتھی کے ہیشام والے مکان میں اس کی موجودگی کا سراغ ملنے کے بعد وہ پھر لاپتا ہوگئی تھی اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اٹلی جا کر مجھے عملاً غزالہ کو طویل مدت کے لیے بھول جانا پڑے گا۔ اگر ہمارے مقدر میں یکجائی لکھی ہوئی تھی تو وہ زندگی کے کٹھن راستوں پر سفر کرتی ہوئی کہیں نہ کہیں دوبارہ مجھ سے ٹکرا سکتی تھی۔ اس کی تلاش کے سلسلے میں ویرا کے دعووں اور اس کے آدمیوں کی صلاحیت پر مجھے ذرا بھی اعتماد نہیں تھا کیونکہ ان کے لیے غزالہ کی وہ اہمیت ہرگز نہیں ہو سکتی تھی جو میرے دل میں موجود تھی۔ میرے علاوہ روئے زمین پر اگر غزالہ کا کوئی خیرخواہ تھا تو وہ صرف سلطان شاہ تھا جس نے محض میرے اور غزالہ کے دل کے رشتے کی بنا پر اُسے اپنے لیے محترم بنا لیا تھا۔

سلائٹ کی واپسی تک ویرا نے دو مرتبہ سلور آئی کی واپسی کا معاملہ اٹھایا مگر میں نے دونوں مرتبہ اسے ٹال دیا۔ اس شناختی نشان کی اہمیت کے پیشِ نظر میں کسی برے وقت کے لیے اسے اپنے پاس محفوظ رکھنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

سلائٹ واپسی پر ہمارے ساتھ خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آیا تھا لیکن آثار بتا رہے تھے کہ اس کا موڈ خوشگوار نہیں تھا۔ وہ اپنی دیگر خصوصیات کے علاوہ بلانوش بھی نظر آرہا تھا کیونکہ اس کے چہرے اور آنکھوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ پب سے ہماری واپسی کے بعد وہ مسلسل پیتا رہا تھا لیکن اس کے لب و لہجے یا گفتگو میں ذرا بھی لغزش نہیں تھی۔ چند رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد وہ فوراً ہی اصل موضوع کی طرف آگیا تھا۔

رقم کے معاملے میں ویرا بہت فیاض تھی لہٰذا تین ہزار پاؤنڈ اسٹرلنگ کے عوض سلائٹ سے معاملہ طے ہوگیا۔ رقم ویرا کو لندن ہی میں ادا کرنا تھی جس میں ہمارے سفر کے جملہ اخراجات کے ساتھ اطالوی کرنسی میں ملنے والی وہ رقم بھی شامل تھی جو سلائٹ کے آدمی ہمیں روم میں ابتدائی اخراجات کے لیے فراہم کرتے۔

ہماری روانگی کے بارے میں سلائٹ وقت کا تعین نہیں کر سکا تھا۔ اس نے بتایا کہ اسمتھ کے فون کے بعد ہی اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ہم دونوں کا جلد از جلد برطانیہ سے نکلنا کتنا ضروری تھا لہٰذا اس نے اپنے ایک آدمی کو معلومات جمع کرنے پر مامور کر دیا تھا تاکہ ہمیں پہلی فرصت میں برطانوی قانون کی عمل داری سے نکال سکے لیکن اپنے آدمی کی واپسی سے قبل وہ اس بارے میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتا تھا۔

روانگی سے قبل ویرا نے اسمتھ کے معاملے کے بارے میں جاننا چاہا تو سلائٹ کا لہجہ تلخ ہوگیا۔ "وہ آیا اور رسمی کارروائی پوری کر کے چلا گیا۔ میں تم لوگوں کی آمد سے انکار نہیں کر سکتا تھا مگر میں نے اسے بتا دیا کہ تم تینوں میں سے کوئی اشتہاری مجرم نہیں تھا نہ ہی پب میں کسی اور نے تمہارے ساتھی کو شناخت کیا تھا۔ وہ تو بس ابراہام کی شامت ہی آئی ہوئی تھی کہ اسے لندن کے صراف کے یہاں ہونے والی ڈکیتی کی تصویریں یاد رہ گئیں کیونکہ بدقسمتی سے وہ خود بھی صراف ہے اسی کے ساتھ لوگوں کو سود پر قرض بھی دیتا ہے۔"

"تم نے اتنی جلدی مخبر کا کھوج بھی نکال لیا؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "کوئی دشمنی تو نہیں ہے اس سے تمہاری؟"

"دشمن کا کھوج اتنی جلدی نہیں ملتا۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "پیسے کی بہتات اکثر لوگوں کو بزدل بنا دیتی ہے' ان ہی میں ابراہام کا شمار ہوتا ہے۔ تمہاری آمد اور انسپکٹر اسمتھ کی فون کال کے درمیان پب سے واپس جانے والے تین افراد میں وہ بھی شامل تھا اور مجھے پہلا شبہ اُسی یہودی پر ہوا۔ دو چار ہی تھپڑوں میں وہ اعتراف کر بیٹھا کہ اسمتھ کو اُسی نے فون کیا تھا۔ تمہیں پہچان کر اُسے اپنے لٹنے کا خوف لاحق ہو گیا تھا۔"

"اچھا ہوا کہ یہ معاملہ بھی صاف ہو گیا۔" ویرا یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

سلطان شاہ کے ساتھ ہونے والی تمام تلخیوں کے باوجود وہ ہم دونوں سے بہت گرم جوشی کے ساتھ رخصت ہوئی تھی اور اس کی کار روانہ ہونے کے بعد سلائٹ ہمیں ساتھ لے کر ڈرائنگ روم میں جا بیٹھا۔ مضافاتی علاقے کا باشندہ ہونے کی وجہ سے اس کی دیر تک جاگنے کی عادت میرے لیے حیران کن تھی مگر وہ ہمارا میزبان تھا اور اُس کا ساتھ دینا ہمارا اخلاقی فرض قرار پاتا تھا لیکن جب اُس نے کیبنٹ سے ڈمپل کی بڑی سی بوتل نکالی تو سلطان شاہ چھری کی دھار کے نیچے آئے ہوئے بکرے کی طرح بے بسی سے میری طرف دیکھنے لگا اور میں نے سلائٹ سے سلطان شاہ کی کمزور انگریزی اور پارسائی کا عذر کرتے ہوئے اُسے خواب گاہ میں جانے کی اجازت دلوا دی۔

"کمال ہے کہ تمہارا ساتھی ہنگامہ خیز زندگی گزارنے کے باوجود شراب نہیں پیتا۔" سلطان شاہ کے چلے جانے کے بعد سلائٹ نے اپنے اور میرے لیے دو گلاس تیار کرتے ہوئے کہا۔

"وہ کٹر مسلمان ہے' سگریٹ تک کو ہاتھ نہیں لگاتا۔" میں نے پیکٹ سے اپنے لیے سگریٹ منتخب کرتے ہوئے ہنس کر کہا۔

"تو کیا تم مسلمان نہیں ہو؟" اُس نے بھنویں چڑھا کر سوال کیا۔

بہت ذاتی اور جارحانہ سوال تھا جسے میں نے اُسی پر لوٹا دیا۔ "شاید تم کرسچین ہو' تمہارا مذہب بھی شراب نوشی کی اجازت نہیں دیتا مگر تم پیتے ہو۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ تم عیسائی نہیں ہو۔"

وہ ہنس پڑا۔ "اچھا جواب ہے — لیکن میں نے سنا ہے کہ تمہارا مذہب ان عیاشیوں کے بہت زیادہ خلاف ہے' ہمارے یہاں تو فادر بھی کبھی کبھار موقع پا کر دو چار ڈبل چڑھا لیتے ہیں۔"

"کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم مذہب کے علاوہ کسی اور موضوع پر بات کریں؟" میں نے اپنا گلاس اٹھاتے ہوئے خوش گوار لہجے میں کہا۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم لاعلمی میں ایک دوسرے کی دل آزاری پر اُتر آئیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ یہ انسان کو بہت زیادہ حساس بنا دیتا ہے اور تم لوگ تو مذہب کے معاملے میں ویسے بھی بہت زیادہ حساس ہوتے ہو۔ خود مذہب کو جتنا چاہو مسخ کر لیتے ہو مگر دوسروں کو اس بارے میں ذرا بھی رعایت نہیں دیتے۔ جمہوریت سے آمریت اور بادشاہت تک جہاں جو بھی حکومت ہے' اُسے اسلامی قرار دیا جاتا ہے لیکن کوئی نقاد یہ کہہ دے کہ تمہارے مذہب میں جمہوریت کا تصور محدود ہے تو اُس کے پیچھے پڑ جاتے ہو۔"

"ہماری روانگی کے بارے میں کوئی اطلاع کب تک مل سکے گی؟" میں نے موضوع بدلنے کی نیت سے فوراً ہی سوال کر ڈالا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ اپنے ہوش و حواس میں ہونے کے باوجود وہ اس وقت اپنی ذہنی رَو کا غلام ہو کر رہ گیا تھا جو بدقسمتی سے مذہب کی طرف بھٹک رہی تھی۔

"میرا آدمی گھاٹ پر گیا ہوا ہے۔" وہ گلاس سے اپنے لبوں کو تر کرتے ہوئے بولا۔ "اسی کے انتظار میں میں نے یہ بکھیڑا پھیلایا ہے۔ فرانس میں عنقریب ایک میلے کا آغاز ہونے والا ہے جس کے لیے یہاں سے شراب فرانس اسمگل کی جا رہی ہے۔ کوئی لانچ تیار مل گئی تو تمہیں اُسی پر روانہ کر دوں گا۔"

"فرانس ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "پورے یورپ کو خشکی کے راستے عبور کر کے ہم روم تک پہنچ سکیں گے۔ کاغذات کے بغیر سفر خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔"

"بحری راستہ اس کے مقابلے میں محفوظ ہے مگر وہ تمہارے لیے بہت تکلیف دہ ہوگا۔" وہ بولا۔ "انگلش چینل عبور کرتے ہی تم فرانس کے ساحل پر اُتر سکتے ہو مگر بحری راستے سے روم پہنچنے کے لیے فرانس اور اسپین کے گرد بحرِ اوقیانوس میں سفر کرتے ہوئے تم جبرالٹر سے گزر کر کئی دن بعد بحیرۂ روم میں داخل ہو سکو گے۔"

"میرے لیے دوسرا راستہ زیادہ آسان ہوگا۔" میں نے اصرار کیا۔

"وہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ کھلے سمندر میں میرا ایک جہاز لنگر انداز ہے جو کل اپنے آخری سفر پر پاکستان روانہ ہونے والا ہے۔ یہ بحیرۂ روم اور پھر نہرِ سویز سے گزر کر ہی بحیرۂ احمر اور بحیرۂ عرب میں داخل ہوگا۔"

"پاکستان؟" اُس کی زبان سے اپنے ملک کا نام سن کر میرے دل میں ہوک سی اُٹھی۔ "تو کیا یہ چلتا ہوا جہاز وہیں لے جا کر توڑا جائے گا؟"

"پروگرام یہی ہے... ویسے بھی کوئی خریدار اسے منافع کے ساتھ نہیں چلا سکتا کیونکہ پُرانے انجنوں میں ایندھن کا خرچ کرایوں سے بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے... اگر تم پاکستانی ہو تو اسی جہاز سے اپنے وطن جا سکتے ہو۔"

"خالی جہاز کا سودا ہوا ہے یا اس پر کچھ مال بھی ہے؟" میں نے اس کی پیش کش کو نظر انداز کرتے ہوئے سوال کیا۔

"پرفیوم، قیمتی دوائیں اور مصنوعی جواہرات تمہارے ملک میں بہت مقبول معلوم ہوتے ہیں۔ فاضل پُرزوں کی پیٹیوں میں تمہیں یہ سبھی سامان ملے گا۔"

وہ حقائق کی بات کر رہا تھا اور میں مفروضوں پر سوچ رہا تھا۔ کھلے جرائم اور اسمگلنگ کی اور بات تھی لیکن اسمگلنگ کو کاروبار کا ضروری حصہ بنا لینا یقیناً قابلِ نفرت جرم تھا جو دن بدن میرے ملک میں فروغ پا رہا تھا۔ ملکی صنعتوں کو خام مال فراہم کرنے اور ان کے فروغ کے لیے عالمی پیمانے پر ناکارہ بحری جہازوں کی درآمد اور شکست و ریخت یقیناً قابلِ تحسین تھی اور ایسے سودے لازماً مروجہ قانونی پابندیوں کے مطابق ہوتے ہوں گے لیکن کچھ کالی بھیڑوں نے اس کام میں بھی چور دروازے پیدا کر لیے تھے اور راتوں رات لکھ پتی بننے کے لیے کوشاں تھے۔

میں سوچ رہا تھا کہ دیگر درآمدی اشیاء کی طرح پُرانے جہاز بھی کسٹم کے ضابطوں کے مطابق پاکستان پہنچتے ہوں گے۔ ان کی ٹنکیوں میں ایندھن کی مقدار کا کم یا زیادہ بچنا تو قرینِ قیاس تھا لیکن جہاز کے اپنے ساز و سامان میں دوسری غیر قانونی اشیاء کسٹم کے عملے کی نگاہوں سے کیسے بچائی جاتی ہوں گی؟ اس سوال کا جواب زیادہ دشوار نہیں تھا۔ جس معاشرے میں رشوت ایک رواج بن جائے' وہاں پیسے کے زور پر اس سے بڑی بڑی دھاندلیاں ہو سکتی تھیں۔

ایک بجے کے بعد سلائٹ کا آدمی واپس آیا تھا۔ اُس نے اطلاع دی کہ فرانس کے لیے وسکی لے کر روانہ ہونے والی لانچ اسی شام نکل چکی تھی اور اگلے دو روز تک ایسا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ سلائٹ نے چند منٹ تک گفتگو کے بعد اسے واپس لوٹا دیا۔ اسے میرے خیالات سے آگاہی حاصل ہو چکی تھی اور لانچ نہ ہونے کے باعث اب واحد راستہ یہی رہ گیا تھا کہ پاکستان کے سفر پر روانہ ہونے والے جہاز کے ذریعے ہماری روانگی کا بندوبست کیا جائے۔

"وہ جہاز صبح لنگر اُٹھائے گا۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں جہاز پر پہنچنے کے لیے اسی وقت کچھ کرنا ہوگا۔ رات کا اندھیرا ہمارے لیے مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ دن کے اُجالے میں نادیدہ دشواریاں حائل ہو سکتی ہیں۔" اُس نے واپس آ کر تھکے ہوئے لہجے میں اعلان کیا اور میں نے فوراً اپنی آمادگی کا اظہار کر دیا۔ میرے لیے اس سے اچھے امکانات ہو سکتی تھی کہ وہاں پڑے رہنے کے بجائے فوری طور پر روانگی کا بندوبست ہو جائے۔

اُس وقت تک سلطان شاہ گہری نیند سو چکا تھا۔ سلائٹ نے اُس کی خواب گاہ میں موجود لباسوں سے بھری ہوئی دیوار گیر الماری میرے لیے کھول دی۔ "اس میں سے اپنی ضرورت کے لیے جو چاہو لے سکتے ہو۔" اُس نے فراخدلی کے ساتھ کہا۔ "یہ خیال رکھنا کہ وہ مال بردار جہاز ہے۔ بستر اور خور و نوش کے سامان کے علاوہ جہاز پر کچھ نہیں مل سکے گا۔ ذاتی ضرورت کی چیزیں ہر ایک اپنے طور پر لاتا ہے۔"

وہ آدھے گھنٹے میں واپسی کا وعدہ کر کے چلا گیا اور میں سلطان شاہ کو بیدار کر کے نئے پروگرام سے آگاہ کرنے لگا جو اُس کے لیے حیرت ناک ثابت ہوا تھا۔

"مجھے تو یہ سلائٹ بھی خطرناک آدمی نظر آتا ہے۔" سلطان شاہ نے میری بتائی ہوئی تفصیلات سننے کے بعد کہا۔

"ہمارے لیے اتنا کافی ہے کہ ویرا کو اس پر اعتماد ہے... آخر یہ ہمارے ساتھ کیا ہیر پھیر کر سکتا ہے؟"

"میں تم کو یہی بتانا چاہ رہا تھا کہ کہیں ویرا اس کے بارے میں خوش فہمی کا شکار نہ ہو۔" اُس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا یہ عجیب اتفاق نہیں ہے کہ آج شام ویرا ہمیں یہاں لائی اور صبح سویرے سلائٹ کا جہاز اسی طرف روانگی کے لیے تیار ہے جدھر ہم کو جانا ہے۔"

"ویرا بتا چکی تھی کہ سلائٹ پُرانے جہازوں کی خرید و فروخت کا کام کرتا ہے۔ اتفاق ہے کہ ہمیں پاکستان جانے کے لیے اس جہاز میں جگہ مل رہی ہے جو اس روٹ پر اپنا آخری سفر کر رہا ہے۔" میں نے کہا۔ "کم از کم یہ بھی تو پتا چلے کہ تم کو سلائٹ پر کس بات کا شبہ ہو رہا ہے؟"

"بظاہر کوئی بات اُس کے خلاف نہیں جاتی بس تم اسے میری چھٹی حس کی تنبیہ کہہ سکتے ہو۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ ہم آسمان سے گر کر کھجور میں پھنس جائیں گے۔"

"دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ہم یہیں رہ کر حالات کا مقابلہ کریں۔ یہ بات بھی سامنے آ جائے گی کہ ہمارے انکار کا اُس پر کیا ردِعمل ہوتا ہے۔ اس کی نیت صاف ہے تو اسے ہمارے پروگرام کی تبدیلی پر کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیے۔"

"میں یہاں رُکنے کا مشورہ نہیں دیتا۔ یہاں سے تو اَب ہمیں نکل ہی جانا چاہیے لیکن سلائٹ کو آزمانے کے لیے تم اُسے چھیڑ سکتے ہو بشرطیکہ اُس کے بھڑکنے کا اندیشہ نہ ہو۔"

"یہی تو دیکھنا ہے کہ وہ ہمارے پروگرام کی تبدیلی قبول کر لیتا ہے یا اِس پر بھڑک اُٹھتا ہے۔"

"یہ دو الگ الگ باتیں ہیں۔" سلطان شاہ نے اپنی بات واضح کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "ایک تو وہ اپنا منصوبہ ناکام ہونے پر مشتعل ہو سکتا ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ اسے ہمارے پل پل بدلنے والے پروگرام پر غصہ آجائے اور وہ سرے سے ہماری مدد کرنے سے انکار کر دے۔"

"وہ آئے گا تو دیکھوں گا۔" میں نے کہا۔ "فی الحال تو اس الماری سے اپنے لیے کپڑے منتخب کرو۔"

"انسپکٹر اسمتھ کی فون کال کا قصہ بھی مجھے من گھڑت محسوس ہوا تھا۔" وہ الماری میں لٹکے ہوئے ملبوسات کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ "کسی مجرم کے اس قدر معزز ہونے کا واقعہ پہلی بار میرے سامنے آیا ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پرانے زمانے کا کوئی عوامی ڈاکو دوبارہ زندہ ہو گیا ہو۔"

"اب اس کی طرف سے میرا دماغ خراب نہ کرو۔" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "جب تک کوئی بات سامنے نہ آئے ہمیں اس پر اعتماد کرنا ہی ہوگا۔"

تھوڑی دیر بعد سلائٹ بالکل ہی مختلف، ملاحوں جیسے چست لباس اور سیاہ چرمی جیکٹ میں واپس آیا تھا تو اس کا موڈ خاصا خوشگوار تھا۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ بحری سفر کئی دن کی طوالت اختیار کر سکتا ہے اگر چند روز کسی بہتر ذریعے کا انتظار کر لیا جائے تو مناسب ہوگا۔" میں نے کہا۔

"شوق سے انتظار کرو۔" اس نے پیشانی پر بل لائے بغیر کہا۔ "لیکن یہ بتا دوں کہ فرانس کے ساحل سے خشکی کا راستہ تمھیں پرخطر معلوم ہوتا ہے اور میں اس کے علاوہ بحری سفر کا بندوبست ہی کر سکتا ہوں چیتھام سے تم اس کے علاوہ کسی ذریعے سے نہ نکل سکو گے۔"

اس کے ردِ عمل میں کوئی مشتبہات نہیں تھی لہٰذا میں نے فوراً ہی قلابازی کھالی۔ "میرا مطلب تھا کہ سفر کے لیے شاید کوئی بہتر اسٹیمر میسر آسکے۔ اس علاقے میں تم خاصے وسائل کے مالک معلوم ہوتے ہو۔"

"تمھاری جگہ میری تصویر اخباروں میں چھپی ہوتی تو مجھے ہرگز ایسی عیاشیاں نہ سوجھتیں۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔ "تمھیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ تم ایک اجنبی ملک میں مشکل حالات سے دوچار ہو۔"

"بس ایک سرسری سا خیال آیا تھا ذہن میں لیکن تمھارا مشورہ مناسب ہے، ہم تیار ہیں۔"

ہم تینوں وہاں سے سلائٹ کی گاڑی میں روانہ ہوئے تو رات گزر چکی تھی اور میری رسٹ واچ صبح کے پونے تین بجا رہی تھی فضا پر کہر کی گہری چادر محیط تھی، موسم سرد تھا لیکن غنیمت یہ تھا کہ تیز ہوائیں نہیں چل رہی تھیں ورنہ اس وقت وہی سردی ناقابل برداشت ہو کر رہ جاتی۔

چیتھام کی سنسان اور خوابیدہ سڑکوں سے گزرتے ہوئے کچھ دیر بعد ہم قصبے کی ساحلی آبادی میں داخل ہوئے جہاں دور سے آتی ہوئی سمندر کی لہروں کا دھیما دھیما شور ہوا کی لہروں پر گونج رہا تھا۔ کچھ دیر تک تنگ اور پرپیچ سڑکوں پر ڈرائیونگ کرنے کے بعد سلائٹ نے ایک جگہ گاڑی سڑک کے کنارے لگا کر انجن بند کیا اور چند منٹ میں واپسی کے لیے کہتا ہوا ایک قریبی گلی میں روپوش ہو گیا۔

"یہ اب کہاں گیا ہے؟" سلطان شاہ نے عقبی نشست سے سوال کیا۔

"کسی ملاح کو لینے گیا ہے۔ اس کا جہاز کھلے سمندر میں لنگر انداز ہے، ہمیں لانچ کے ذریعے وہاں تک پہنچایا جائے گا۔"

"سلائٹ خود بھی ہمارے ساتھ جہاز تک جائے گا؟"

"دیکھنا پڑے گا — ابھی تک تو آثار یہی بتا رہے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

سلائٹ کچھ دیر بعد داڑھی والے ایک قوی الجثہ شخص کے ساتھ نمودار ہوا جس کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے سوتے سے اٹھایا گیا تھا۔ آنے والے نے سلطان شاہ کے ساتھ عقبی نشست سنبھال لی اور سلائٹ نے ایک مرتبہ پھر انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی [illegible] کی طرف جانے والے راستے پر ڈال دی۔

تھوڑی دیر بعد ہم نے آبادی سے نکل کر مختصر سا راستہ عبور کیا اور پھر یہ سفر ایک بے قاعدہ سے کچے پارکنگ ایریا پر ختم ہو گیا۔ اس دوران میں نووارد مسلسل خاموش رہا تھا۔

گاڑی کے دروازے کھڑکیاں مقفل کر کے سلائٹ نے ہماری رہنمائی شروع کر دی اور تھوڑی دیر بعد ہم سیڑھیاں طے کر کے اس کشادہ چوبی برتھ پر پہنچ گئے جو شہتیروں کے سہارے سمندر میں آگے تک پھیلی ہوئی تھی اور سمندر کا پانی اس کے نیچے ہلکورے لے رہا تھا۔ برتھ پر جا بجا ماہی گیری کے جال اور دوسرا سامان ڈھیر تھا۔ اس سے آگے سمندر میں کئی لانچیں لنگر انداز تھیں جن کی اِکا دُکا پورٹ لائٹس دھند میں چمک رہی تھیں، ادھر کے موسمی حالات کی وجہ سے وہاں تقریباً تمام ہی روشنیاں زرد رنگ کی تھیں جو کہر میں بھی دور سے نظر آسکتی تھیں۔

"کون ہے؟" چوبی برتھ پر ہم چاروں کے قدموں کی گونج کے جواب میں کسی طرف سے کسی نے ناگواری کے ساتھ للکارا تھا۔

"اسٹیوارٹ سلائٹ!" اس نے اونچی رعب دار آواز میں اپنا پورا نام دہرایا۔ "میں اپنی لانچ پر جا رہا ہوں۔"

"ٹھہرو۔" وہی آواز گونجی۔ "آج سمندر پر کہر بہت گہری ہے تمھارا اُدھر جانے کا ارادہ تو نہیں ہے؟" آواز کے ساتھ ہی قدموں کی چاپ بھی سنائی دی تھی، شاید وہ ہماری طرف آرہا تھا۔

سلائٹ کا ہاتھ اپنی جیکٹ کی جیب میں رینگ گیا اور وہ وہیں رک کر آنے والے کا انتظار کرنے لگا۔ اس کے اشارے پر ہم تینوں بھی وہیں تھم گئے تھے۔

"صبح آٹھ بجے تک کسی لانچ کو برتھ چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے۔" کہر سے نمودار ہونے والے شخص نے ہم دونوں کا بغور متجسس نگاہوں سے جائزہ لیتے ہوئے کہا لیکن اس کا لہجہ تحکمانہ نہیں بلکہ نرم تھا اور اس کے دہانے سے دھواں خارج ہو رہا تھا۔

"اطلاع دینے کا بہت بہت شکریہ پیٹر! ہم اس سے بہت پہلے واپس آجائیں گے۔" سلائٹ کی مٹھی جیکٹ کی جیب سے نمودار ہوئی اور پیٹر کی جیب میں کھل گئی۔ "اگر ہماری بدقسمتی سے کوئی حادثہ پیش آجائے تو تم کہہ دینا کہ ہم تمھاری وارننگ کے باوجود لانچ لے بھاگے تھے۔"

"تمھاری مرضی۔" پیٹر نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے بے بسی کے ساتھ کہا۔ "تم چیتھام کے بادشاہ ہو، تمھیں کون روک سکتا ہے ویسے بھی سمندر کو تم سے زیادہ کون سمجھے گا — ذرا جلدی لوٹ آنا ... فارم ..."

سلائٹ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "فارم واپسی پر بھر دوں گا، اس پر کوئی اندراج نہ کرنا۔ واپسی پر خانہ پری بھی میں خود ہی کروں گا۔"

"وِش یو لک۔" اس نے اپنے داہنے ہاتھ کی کھلی انگلیوں سے اپنی پیشانی چھو کر کہا اور ہم چاروں ایک مرتبہ پھر چوبی برتھ پر پرشور قدموں کے ساتھ آگے بڑھنے لگے۔

سلائٹ کی سفید لانچ کا نام اسپیڈ بوٹ تھا جس کے کیبن میں چار مسافروں کے لیے ہر آسائش موجود تھی۔ اس کے ساتھ آنے والا ڈھیل پھدک کر روانگی کا انتظام کرنے لگا اور سلائٹ ہمارے ساتھ کیبن میں آگیا۔ پھر ہمیں تاریک کیبن میں چھوڑ کر وہ خود بھی نووارد کے پاس چلا گیا۔ چند ثانیوں بعد ہی لانچ کا طاقتور ڈیزل انجن اسٹارٹ ہوا اور کیبن میں روشنیاں جگمگا اٹھیں۔ مزید چند ثانیوں تک لانچ وہیں کھڑی ہلکورے لیتی رہی۔ شاید اس کے برتھ پول سے بندھے ہوئے رسّے کھولے جا رہے تھے اور پھر لانچ آہستہ آہستہ برتھ سے دور ہٹنے لگی۔

قرب و جوار میں موجود دوسری لانچوں اور رکاوٹوں سے دور کرنے کے بعد ہولے ہولے لانچ کا رخ تبدیل ہوا اور وہ قدرے تیز رفتار کے ساتھ کھلے سمندر کی طرف بڑھنے لگی۔

کیبن کے سامنے والی ونڈ شیلڈ سے میں نے پردہ ہٹایا تو سلائٹ اپنے ساتھی کے ہمراہ لانچ کے کنٹرول میں مصروف نظر آیا۔ لانچ کی اگلی تیز روشنیوں کے باوجود گہری کہر میں زیادہ دور تک دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ اس وقت پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ سلائٹ نے ایسے ناساز گار موسم میں کھلے سمندر کا قصد کر کے بہادری [illegible]

جوں جوں لانچ آگے بڑھ رہی تھی اس کی رفتار بڑھتی جا رہی تھی۔ غنیمت یہ تھا کہ اس وقت سمندر پرسکون تھا ورنہ اس بڑھتی ہوئی رفتار پر مخالف سمت سے آنے والی موجیں لانچ کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی تھیں۔ ہم دونوں کے لیے تفریح سے قطع نظر کسی بحری سفر کا وہ پہلا تجربہ تھا جس کا آغاز زیادہ خوش گوار نہیں تھا لہٰذا ہم دونوں ہی خاموش بیٹھے ونڈ شیلڈ سے باہر فضا میں کچھ تلاش کرنے کی کوشش کر رہے تھے جو دونوں سمتوں سے اڑنے والے سمندری جھاگ کی ہلکی بوچھاڑ سے لمحہ بہ لمحہ دھندلاتی جا رہی تھی۔

کچھ دیر بعد سلائٹ فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ کیبن میں آگیا۔

"موسم واقعی بہت سرد اور خراب ہے۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ میرے دہانے سے نکلنے والے آبی بخارات نے بھی ٹھنڈ کی وجہ سے سفید دھوئیں کی صورت اختیار کر لی تھی۔ "اور شاید لانچ کی رفتار بھی بہت تیز ہے۔"

"ملاح بہت تجربہ کار ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "موسم ہی کی وجہ سے وہ چالیس ناٹ کی رفتار سے جا رہا ہے ورنہ اسپیڈ بوٹ سمندر کی سطح پر اڑتی ہے۔"

"جہاز ساحل سے کتنی دور لنگر انداز ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"اس رفتار سے ہمیں تقریباً ایک گھنٹا لگے گا۔ آبنائے ڈوور کی سمندری گزرگاہ کے قریب ہی جہاز نے لنگر ڈالا ہوا ہے، اس طرف زیادہ بھاری جہاز ساحل کے قریب نہیں آسکتے اس لیے گہرے پانی میں رکنا پڑتا ہے۔"

"ٹھنڈ واقعی زیادہ ہے، تھوڑی سی برانڈی لو گے؟" اس نے [illegible] جیکٹ کی اندرونی جیب سے برانڈی کا ادّھا نکالتے ہوئے [illegible] مجھ سے سوال کیا۔

"[illegible] خون کرو سلائٹ!" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔ "تم [illegible] جا رہے ہو۔ ایسا نہ ہو کر تم واپسی کے سفر کے [illegible]"

"[illegible] مراپنی او[illegible] پہچان کر پیتے تو کبھی نشہ نہیں ہوتا۔" وہ [illegible] کر ایک لمبا گھونٹ معدے میں اتارنے کے بعد [illegible] وقت چڑھتی ہے جب اوقات سے زیادہ پی لی جائے۔"

[illegible] اندازہ ہوا کہ وہ بہت دلچسپ اور یار باش آدمی [illegible] سے باہر نکالنا بہت مشکل کام تھا جس [illegible] ہوئی تھی [illegible] باتوں میں اس سے پتا چلا کہ پاکستان جانے والے جہاز کا نام [illegible] تھا اس کا سارا عملہ یونانیوں پر مشتمل [illegible] آخری سفر کے لیے سلائٹ نے یونانی کپتان [illegible] اپنے اعتماد کے ایک انگریز کا تقرر کیا تھا تاکہ

جہاز پر لادے جانے والے غیر قانونی مال کا راز فاش نہ ہو سکے۔

ٹھیک ایک گھنٹے کے سفر کے بعد لانچ کی رفتار سُست پڑنے لگی پھر یوں محسوس ہوا جیسے وہ ایک بڑے دائرے کی صورت میں داہنی طرف مُوڑی جا رہی ہو چند منٹ بعد گہرے پانی میں لنگر انداز روزالی کی روشنیاں بھی نظر آنے لگیں۔ لانچ کے پائلٹ نے مخصوص اونچی نیچی آوازوں میں تسلسل کے ساتھ ہوٹر بجاتے ہوئے روزالی کے گرد چکر لگانا شروع کر دیا۔ اسی کے ساتھ اسپیڈ بوٹ کی رفتار بھی بالکل دھیمی ہو گئی۔

روزالی کے عرشے پر تمام بتیاں روشن تھیں لیکن گہری دُھند کے باعث وہ سیاہی مائل دیوہیکر مال بردار جہاز سمندر کے سینے پر کسی مہیب عفریت کی طرح ہلکورے لے رہا تھا۔

سلائٹ ہم دونوں کو ساتھ لے کر کیبن سے نکلا تو برف میں بھیگی ہوئی سرد ہواؤں نے ہمارا استقبال کیا لیکن اس وقت روزالی سے جوابی سگنل موصول ہونے تک ہمیں لانچ کے ملاح کی مدد کرنا تھی پھر جہاز کے عرشے پر ایک تیز روشنی تین مرتبہ چمک کر معدوم ہو گئی اور مَیں نے اطمینان کا سانس لیا کہ ہمیں دیکھ لیا گیا تھا۔

"لنگر کی چین کے قریب ٹھہرنے کی کوشش کرو۔" اوپر سے کسی نے انگریزی میں چیخ کر کہا۔ "ہم سیڑھی نیچے اُتارتے ہیں، تمھیں اس کے ذریعے اوپر آنا ہو گا۔"

جہاز کے گرد دوسرا چکر کاٹتے ہوئے اسپیڈ بوٹ آہستگی کے ساتھ ہچکولے لیتی ہوئی جیسے ہی اگلے لنگر کی آہنی زنجیر کے قریب پہنچی، سلائٹ نے نائیلون کی مضبوط رسّی کے سرے پر بندھا ہوا فولادی ہُک زنجیر کی طرف اُچھال دیا۔ فضا میں لوہے سے لوہا ٹکرانے کی جھنکار گونجی اور سلائٹ نے رسّی کے سہارے لانچ کو جہاز کے قریب کھینچ کر رسّی کا سرا ایکر بورڈ سے باندھ دیا تاکہ لانچ سمندر کی تیز لہروں کے ریلے میں دُور نہ بہہ سکے۔

کئی منٹ کے انتظار کے بعد عرشے کی ریلنگ پر دو افراد جھکے ہوئے نظر آئے اور انھوں نے دُہرے رسّوں میں مضبوطی سے ایک ایک فٹ کے فاصلے سے بندھے ہوئے چوبی زینوں والی سیڑھی نیچے لٹکا دی جس کے سطحِ آب تک پہنچتے ہی سلائٹ نے حلق سے آواز نکال کر اوپر والوں کو سگنل دیا اور سیڑھی وہیں رُک لی گئی۔

"اوپر آجاؤ۔" لہروں کے شور میں چند منٹ بعد اوپر سے پیغام ملا۔ سلائٹ نے ہم دونوں کی پیراکی کے بارے میں سوال کیا لیکن کُھلے سمندر کی خوفناک لہروں کو دیکھ کر ہم دونوں نے ہی اپنی معذوری کا اعتراف کر لیا۔

"پھر پہلے تم اوپر جاؤ۔" اُس نے کہا۔ "تاکہ ہاتھ پیر پھسل جائے تو میں تمھیں پانی سے نکال سکوں۔"

مَیں جھرجھری لے کر رہ گیا۔ اُس کا تبصرہ بہت بےمحل تھا۔ پھر مَیں نے کچھ کہے بغیر سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور لانچ سے ذرا دُور فضا میں لہراتی ہوئی سیڑھی کو پکڑنے کی کوشش کرنے لگا۔

کہیں اور ایسی سیڑھی پر طبع آزمائی اور بات تھی لیکن کھلے سمندر کی جھاگ اُڑاتی موجوں پر وہ تجربہ بہت سنسنی خیز تھا۔ میرے وزن اور ہوا کے جھونکوں سے سیڑھی گزوں کے حساب سے فضا میں اِدھر اُدھر جھول رہی تھی اور میرا دل پوری رفتار سے کنپٹیوں تک دھڑک رہا تھا۔

اگر ذرا بھی توجہ کسی اور طرف مبذول ہوتی تو بلندی سے چھپاک کے ساتھ سمندر میں گرنا یقینی تھا۔ لمحہ بہ لمحہ تقریباً تیس فٹ کی بلندی طے کر کے میں ریلنگ تک پہنچا تو وہاں موجود دو افراد نے سہارا دے کر مجھے اوپر کھینچ لیا۔ ان میں ایک انگریز تھا اور دوسرا شکل سے یونانی لگ رہا تھا۔

انگریز نے اپنا تعارف کاٹرل کے نام سے کرایا۔ یونانی کا نام جوناس تھا۔ میرے لیے اپنا اصل نام چھپانا بے سود تھا لہٰذا مَیں نے اُنھیں ڈینی بتانا مناسب سمجھا جو اُن کے لیے مختصر اور سہل تھا۔

میرے بعد سلطان شاہ اوپر آیا۔ آخر میں سلائٹ ہمارے سامان کا بیگ اپنے کندھے سے لٹکائے کسی بندر کی سی پھرتی کے ساتھ اوپر آ پہنچا۔ اُس نے آتے ہی رسمی طور پر سب کا ایک دوسرے سے تعارف کرایا اور پھر مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ "ڈیوڈ کاٹرل اِس جہاز کا نیا کپتان ہے اور تمھیں اس کی ہدایات پر لفظ بہ لفظ عمل کرنا ہو گا۔ اس کے تعاون سے تم اپنے سفر کو یادگار اور کسی حد تک خوشگوار بنا سکو گے۔"

"تم روم جا رہے ہو۔ بس یہ یاد رکھنا کہ روم جانا ہو تو وہی کرنا چاہیے جو رومن کرتے ہیں۔" کاٹرل اپنی عقابی نظریں میرے چہرے پر جما کر خوشگوار لہجے میں بولا۔ "میں تمھیں عملے کا ایک آرام دہ ڈبل کیبن دے دوں گا۔ میری پیشگی اجازت کے بغیر تم اس کیبن سے نہیں نکلو گے۔"

"کپتان کاٹرل کو ہمارے مسائل کا بھی علم ہو گا؟" مَیں نے جھجکتے ہوئے سلائٹ سے سوال کیا۔

"سب معلوم ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "جب میں گھر یا آدھ گھنٹے کے لیے تم سے الگ ہوا تھا تو مَیں نے ریڈیو فون پر کاٹرل کو سب کچھ بتا دیا تھا ورنہ ان لوگوں کا صبح سے پہلے بیدار ہونا محال تھا۔ سمندر کے سینے پر زندگی گزارنے والے نیند کے پکّے ہوتے ہیں۔ ان کے سروں پر نقارے بھی بجاتے رہو تو مقررہ وقت سے پہلے بیدار نہیں ہوتے۔"

سلائٹ نے وہیں عرشے پر کھڑے رہ کر گفتگو ختم کی اور پھر نسلی دے کر نیک خواہشات کا اظہار کرتے ہوئے اسی سیڑھی کے ذریعے دوبارہ اسپیڈ بوٹ پر پہنچ گیا۔ اس کے نیچے پہنچ جانے کے بعد جوناس نے بڑی سی چرخی گھما کر سیڑھی واپس لپیٹنا شروع کر دی اور اسی دوران میں اسپیڈ بوٹ روزالی سے دور ہوتے ہوئے کُہر کے اتھاہ دُھندلکے میں معدوم ہوتی چلی گئی۔

"تم آرام کرو۔ میں انھیں ان کے کیبن میں پہنچا دوں گا۔" کاٹرل نے چرخی پر مصروف جوناس سے کہا اور پھر نیچے جانے والے زینوں کی طرف بڑھ گیا۔ جوناس عرشے پر اکیلا کھڑا چرخی گھماتا رہ گیا۔

عمودی گولائی میں بنے ہوئے تنگ آہنی زینوں سے تین منزلیں اُترنے کے بعد وہ ایک راہداری میں رکا تھا۔ "تمھیں اپنے کیبن میں تو رہنا ہی ہے۔ پہلے میرے کیبن میں تمھاری آمد کی خوشی میں ایک چھوٹا سا دَور ہو جائے۔"

"مَیں تیار ہوں مگر میرا ساتھی خشک ہے۔" مَیں نے بے تکلفی کے ساتھ کہا کیونکہ کُھلے سمندر کی یخ بستہ ہواؤں نے مجھے حرارت کی تلاش پر مجبور کر دیا تھا جس کی پیش کش کاٹرل خود کر رہا تھا۔

اسی راہداری میں اُس کا کیبن تھا۔ اُس نے قفل میں چابی گھما کر دروازہ کھولا تو مَیں اندر قدم رکھتے ہی اپنی جگہ سُن ہو کر رہ گیا۔ بالکل یہی کیفیت سلطان شاہ کی ہوئی تھی۔

بے اختیار میرے ذہن میں سلطان شاہ کے خدشات سَر اُبھارنے لگے۔ شاید اُس کی چھٹی حس صحیح رُخ پر کام کر رہی تھی جو اُس نے ہتھیام میں ہی خطرہ بھانپ لیا تھا کہ ہم کسی ایک چکر سے نکل کر دوسرے میں پھنسنے جا رہے تھے۔ سلائٹ ہمیں روزالی پر چھوڑ کر جا چکا تھا۔ زمین سے ہمارا ہر رابطہ منقطع ہو چکا تھا اور اب ہم روزالی کے کپتان اور اُس کے عملے کے رحم و کرم پر تھے۔ پیشہ وَر ملاحوں کی اتنی بڑی تعداد سے ٹکرا کر کامیاب ہونا ہمارے لیے ناممکن تھا اس لیے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا۔ میری کنپٹیاں سنسنانے لگی تھیں اور دورانِ خون یکدم تیز ہو گیا تھا۔

مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کپتان کے کیبن میں سامنے کی دیوار پر لگی ہوئی جمی لائیڈ کی تصویر ہمیں دیکھ کر طنزیہ انداز میں مسکرا رہی ہو۔ وہ بالکل اُسی تصویر کی نقل تھی جسے مَیں نے ویرا کے ساتھ لائیڈز کالج کے تہ خانے میں دیکھا تھا اور اسی کی ایک چھوٹی نقل الکزانس نے مجھے اور سلطان شاہ کو ڈیلٹا کیمپ میں دکھا چکی تھی۔

"رُک کیوں گئے؟ آگے بڑھو نا۔" ڈیوڈ کاٹرل کی آواز مجھے کسی میلوں گہرے کنوئیں کی تہ سے اُبھرتی سُنائی دی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ مجھ پر طنز کر رہا ہو۔

میں نے ایک جھٹکے کے ساتھ قدم اُٹھائے اور دروازے سے گزر کر کیبن میں داخل ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا اور ڈیوڈ کاٹرل ہمارے پیچھے کیبن میں داخل ہوا تھا۔ اس کی رسمی پیش کش سے پہلے ہی میں نے اس کے آراستہ کیبن میں ایک آرام دِہ نشست سنبھال لی کیوں کہ اس وقت جمی لائیڈ کی تصویر کی وجہ سے میرے اعصاب پر ناقابلِ بیان تناؤ طاری ہو چکا تھا اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اپنی ساری جدّوجہد کے باوجود بھی میں شی کے ہولناک چُنگل سے نکلنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ شی کا ہر پراہ ایک آسیبی سائے کی طرح ہمارا تعاقب کر رہا تھا۔ ویرا نے اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے سلور آئی کی مدد سے ہمیں ڈیلٹا کیمپ سے نکالا تھا لیکن اب آبنائے ڈوور کے اس کھلے سمندر میں جمی لائیڈ کی تصویر ایک بار پھر ہماری بدنصیبی پر خندہ زن تھی۔

ہم تینوں ایک دوسرے کے ساتھ تھے، اس لیے ڈیوڈ کاٹرل کو شاید ہمارے چہروں پر اُبھرنے والے تحیّر آمیز تاثرات کا جائزہ لینے کا موقع نہیں مل سکا اور اسی وجہ سے وہ ہمارے ٹھٹکنے کے سبب سے واقف نہ ہو سکا تھا۔

"باربرداری کے اس سالخوردہ جہاز پر اتنے خوبصورت کیبن کا وجود میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اتنی آسائش تو عام گھروں میں بھی میسر نہیں ہوتی۔"

"لمبا سفر درپیش ہو تو اس یکسانیت سے بھی دل اُکتا جاتا ہے۔ عرشے پر جاؤ تو ہر طرف پانی ہی پانی اور کیبن میں وہی در و دیوار اور فرنیچر نظر آتا ہے۔" ڈیوڈ کاٹرل نے کہا اور اس کی تقلید میں ہم دونوں نے اندر داخل ہو کر کشن والی ہلکی مگر آرام دِہ کُرسیاں سنبھال لیں۔

"شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ بحری زندگی تمھارا پیشہ بن گئی ہے ورنہ لوگ تو سمندری سفر کو بجائے خود ایک تفریح اور عیاشی سمجھتے ہیں۔"

"مسافر بردار جہازوں کی زندگی بہت پُرکشش اور رنگین ہوتی ہے۔" وہ واش کیبنٹ کا پٹ کھولتے ہوئے بولا۔ "بھانت بھانت اور ملک ملک کے ہزاروں لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ دورانِ سفر بہت سے مسافروں کے ساتھ ایسی ذہنی ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ برسوں یاد رہتے ہیں۔ میں نے بھی ایسے کئی سنسنی خیز اور رومان انگیز سفر کیے ہیں لیکن مال بردار جہازوں پر زندگی بہت سپاٹ اور سنگلاخ ہو جاتی ہے۔ چاہتے یا نہ چاہتے ہوئے بھی کرخت مردانہ چہروں اور ملاحوں یا خلاصیوں کی درشت آوازوں کے ساتھ گزارا کرنا پڑتا ہے۔"

"بحری سفر کا سارا مزہ اُس کی طوالت میں ہوتا ہے۔ کیا جہاز کے دفتری عملے میں بھی لڑکیاں وغیرہ نہیں رکھی جاتیں؟" میں نے شوخ لہجے میں سوال کیا۔

"ایسے حسین انداز میں سوچنے والے تم پہلے آدمی نہیں ہو۔" اس نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔ "ساری دُنیا میں ملاحوں کی برادری عام طور پر اتنی تند خو اور فسادی ہوتی ہے کہ ان کے درمیان عورتوں کا گزارا ہو ہی نہیں سکتا، روز خون خرابے ہوں گے اور ہر ملاح عورتوں کو قتل کر کھا جانے پر تلا ہوا نظر آئے گا۔ یہ سب مسافر بردار جہازوں کے چونچلے ہوتے ہیں جو مال بردار جہازوں پر بالکل نہیں چل سکتے، یہاں تو لڑکوں سے دوستی پر خون آشام رقابتیں چل نکلتی ہیں۔" یہ کہتے ہوئے اُس نے پیمانہ میرے سامنے رکھ کر اس میں اسکاچ انڈیل دی۔

"تم واقعی نہیں لو گے؟" اس نے سلطان شاہ سے پوچھا۔ اور اس نے مسکراتے ہوئے نرمی سے انکار کر دیا اور ڈیوڈ اپنا جام لے کر میرے سامنے جم گیا اس دوران میں میں کئی بار دُزدیدہ نگاہوں سے جمی لائیڈ کی تصویر کی طرف دیکھ چکا تھا اور کسی ایسے مناسب موقع کی تلاش میں تھا کہ ڈیوڈ سے تصویر کے بارے میں سوال کر سکوں۔

ہم دونوں نے اپنے جام فضا میں ہولے سے ٹکرائے اور پھر اپنے لبوں کو تر کرنے لگے۔

"یہ تمھاری داہنی ہتھیلی پر کیسا زخم ہے؟" اچانک ہی اُس کی نگاہ میرے زخم پر پڑ گئی۔

"اب تو یہ ٹھیک ہو چلا ہے۔" میں نے جام رکھ کر خود اپنی ہتھیلی کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "ٹوٹی ہوئی بوتل کا وار روکتے ہوئے یہ ہتھیلی شیشے کی نوکیلی دھار سے کٹ گئی تھی۔"

"خطرناک آدمی معلوم ہوتے ہو۔" اُس نے معنی خیز انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "اس قسم کی مار دھاڑ سے شرفا کا واسطہ کم ہی پڑتا ہے۔"

"یہ کیوں بھول رہے ہو کہ شرفا بغیر دستاویزات کے مال بردار جہازوں پر سفر نہیں کیا کرتے۔" میں نے ہنستے ہوئے اُس کی وہ بات وہیں اُڑا دی اور وہ بھی میرے ساتھ ہنسی میں شریک ہو گیا۔

"اگر مجھے اجازت ہو تو میں اپنے کیبن میں چلا جاؤں۔" ہماری گفتگو میں توقف آتے ہی سلطان شاہ نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا اور ڈیوڈ فوراً ہی انٹرکام پر اپنے کسی ماتحت سے بات کرنے لگا۔

مجھے اندازہ تھا کہ ڈیلٹا کیمپ میں پنڈلی زخمی ہونے کے بعد سلطان شاہ مسلسل ہی بھاگ دوڑ کرتا رہا تھا جب کہ اسے تھوڑے سے آرام کی ضرورت تھی۔ وہ تو غنیمت تھا کہ اس کی پنڈلی کی ہڈی محفوظ رہی تھی ورنہ وہ چلنے کے قابل بھی نہ رہ پاتا۔ اس کے چہرے سے مجھے احساس ہو رہا تھا کہ وہ بہت زیادہ تھکا ہوا تھا۔

چند منٹ بعد ڈیوڈ کا ایک آدمی کیبن کے دروازے پر دستک دے کر اندر آیا اور ڈیوڈ نے اسے کیبن نمبر پانچ کے بارے میں ہدایت دے کر سلطان شاہ کے ساتھ روانہ کر دیا۔

"یہ تصویر کس کی ہے؟" تخلیہ ہوتے ہی میں نے سرسری لہجے میں دیوار گیر تصویر کے بارے میں سوال کر ڈالا۔

"یہ جمی لائیڈ کی تصویر ہے۔" اس نے میرے سوال پر چونکے بغیر جواب دیا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی زبان سے شی کے سربراہ کا نام سنتے ہی میری کھوپڑی سُن ہو کر رہ گئی ہو۔

"یہ بحری نقل و حمل کا شہنشاہ سمجھا جاتا ہے۔" ڈیوڈ کارل کہہ رہا تھا۔ "ایک وسیع ذاتی بحری بیڑے کے علاوہ دُنیا کی تمام بڑی جہاز راں کمپنیوں میں کسی نہ کسی طرح اس کے بیش قیمت مفادات ہیں۔"

"تو کیا جہازوں میں اس کی تصاویر شگون کے طور پر لگائی جاتی ہیں؟"

"دراصل اسٹیورارٹ سلاٹ نے یہ جہاز جمی لائیڈ کی کمپنی سے خریدا ہے۔ اس کے ہر ذاتی جہاز پر کپتان کے کیبن میں اس کی تصاویر آویزاں ہوتی ہیں۔ اس لائن میں تمام سودے جہاز کے پورے آرائشی سامان سمیت ہوتے ہیں، کسی بھی چیز کو اس کی جگہ سے اُکھاڑنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اِسی لیے یہ تصویر بھی رہ گئی۔"

"بعض لوگ واقعی مقدر کے دھنی ہوتے ہیں جس کام میں ہاتھ ڈالیں وارے کے نیارے ہو جاتے ہیں اور بعض بے چارے ساری عمر روتے دھوتے گزار دیتے ہیں۔"

"میں نے اب تک جن سات کمپنیوں میں کام کیا ہے اُن میں سے پانچ کے بیشتر اثاثے جمی لائیڈ کی ملکیت ہیں۔" اُس نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "اور سُننے میں آیا ہے کہ سب کچھ اس نے اپنی محنت سے پیدا کیا ہے، موروثی طور پر اُسے کچھ بھی نہیں ملا تھا کیوں کہ اُس کا تعلق ایک معمولی گھرانے سے تھا۔"

"تمھارا ہم قوم ہی معلوم ہوتا ہے۔" میں نے تصویر پر ایک نگاہ ڈال کر کہا۔

"سرمایہ دار کی کوئی قوم نہیں ہوتی۔" وہ گھونٹ لے کر تلخ لہجے میں بولا۔ "پیدائشی طور پر وہ انگریز ہی ہے، مگر اس کا تمام کاروبار یورپ اور امریکا میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کے بارے میں یہ سب سُنی سُنائی باتیں ہیں ورنہ میں اس سے کبھی نہیں مل سکا۔"

میں اس سے جمی لائیڈ کے بارے میں بہت کچھ پوچھنا چاہ رہا تھا

مجھے یہ خوف بھی لاحق تھا کہ کہیں ڈیوڈ میری طرف سے شبہات کا شکار نہ ہو جائے لہٰذا میں وہیں خاموش ہو گیا مگر میرے ذہن میں اس وقت خیالات کی آندھیاں سی چلنے لگی تھیں اور ان کا مرکز جمی لائیڈ کی پُراسرار اور طلسماتی ذات تھی۔

کراچی کے گلی کوچوں میں چرس اور پھر ہیروئن کی فروخت سے شروع ہونے والی اس کہانی کے پس پشت دن بدن نت نئے مفادات سامنے آ رہے تھے۔ پہلے میں پاکستانی تنظیم کو مقامی لوگوں کا محتاط گروپ سمجھتا رہا لیکن رفتہ رفتہ ان کے وسائل اور عجیب و غریب طریقۂ کار سے واقف ہوتے ہوئے لاہور کا لائیڈز کاٹیج سامنے آیا تو پتا چلا کہ وہ وسیع و عریض محل اپنی جگہ ایک حکومت کا مرکز تھا۔ وہاں سے صرف منشیات کی مقامی تجارت اور برآمد ہی کنٹرول نہیں کی جاتی تھی بلکہ لائیڈز کاٹیج کی زمین دوز تعمیرات میں غیر قانونی طور پر درآمد کیے ہوئے اسلحے اور بارود کے ذخائر بھی رکھے جاتے تھے اور وہیں میں نے پہلی بار جمی لائیڈ کی تصویر دیکھی تھی اور ویرا نے انکشاف کیا تھا کہ اسی شخص نے اٹلی میں ڈان مرسیانو کے نام سے ویرا کے ساتھ بہت برا سلوک کیا تھا۔ پھر دوسری بار ڈیلٹا کیمپ میں قید کے دوران میں ایمی فرانسس کے ذریعے وہی تصویر سامنے آئی جسے ایمی نے پیر ڈاموغ کے نام سے شناخت کیا مگر ویرا کا کہنا تھا کہ پیٹر ڈاموغ محض ایک بہروپیا اور بھانڈ تھا جو کسی بھی طرح شی کا سربراہ کہلائے جانے کے قابل نہیں تھا اور اب ڈیوڈ کارل جمی لائیڈ کو جہاز رانی کی صنعت کا ایک بڑا نام قرار دے رہا تھا۔ کمال کی بات یہ تھی کہ جمی لائیڈ کی ذات کے بارے میں ہونے والے سارے انکشافات اس کی ذات کو بے نقاب کرنے کے بجائے اس کی شخصیت کو مزید اُلجھاتے جا رہے تھے۔ اور یہ فیصلہ کرنا دشوار تر ہوتا جا رہا تھا کہ اس پر ہاتھ ڈالنے کے لیے کون سی راہ اختیار کی جائے؟

شی کے بارے میں میری یہ غلط فہمی عرصہ دراز پہلے دور ہو چکی تھی کہ اس میں نیچے سے اُوپر تک صرف مجرم ہی بھرے ہوئے تھے۔ ان میں اعلیٰ دماغ اور پیشہ ور فنی ماہرین بھی تھے جو بھرپور مدد کی اہم مواصلاتی اور دیگر سہولتوں سے شی کو فیضیاب کر رہے تھے اور غالباً یہ بات بھی ایک کھلا ہوا راز تھی کہ شی کا مطلق العنان سربراہ جمی لائیڈ تھا۔ شی کا ہر اہم فرد جمی لائیڈ کے نام سے واقف تھا اور اگر وہی جمی لائیڈ جہاز رانی میں ایک بڑا نام تھا تو ویرا اس حقیقت سے کیوں لاعلم تھی۔ تنظیم میں رہ کر اپنے باپ کی تلاش کا طویل راستہ اختیار کرنے کے بجائے اسے جہاز رانی سے متعلقہ لوگوں سے مراسم استوار کر کے براہِ راست اپنے باپ تک رسائی کی کوشش کرنا چاہیے تھی۔

جب ویرا پاکستان میں مجھ سے ٹکرائی تو اپنے باپ کی صورت سے واقف نہیں تھی، بس نام ہی جانتی تھی، اگرچہ جمی لائیڈ کا نام اسے شی میں لانے کا محرک بنا تو نام ہی کی بنا پر اسے جہاز راں جمی لائیڈ کی طرف بھی متوجہ ہونا چاہیے تھا جو اپنی کاروباری سرگرمیوں کی بنا پر کوئی ڈھکا چھپا نہیں بلکہ معروف نام رہا ہو گا۔

لیکن اس بارے میں میرے ساتھ عجیب اتفاقات پیش آ رہے تھے۔ اگر ڈیوڈ کارل مجھے اپنے کیبن میں شراب نوشی کی دعوت نہ دیتا یا میں اس کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیتا تو میں جمی لائیڈ کے بارے میں اس سنسنی خیز کہانی سے محروم رہ جاتا کیوں کہ ڈیوڈ کے بیان کے مطابق وہ تصویر صرف کپتان ہی کے کیبن میں ہوا کرتی تھی جہاں عام حالات میں میرے گزر کا کوئی امکان ہی نہیں تھا۔ میں روز الی پر اپنا سفر طے کر کے اٹلی پہنچ جاتا اور میرے فرشتوں کو بھی اس جہاز سے یا جہازی صنعت سے جمی لائیڈ کے تعلق کا پتا نہ لگ پاتا۔

ڈیوڈ کے کیبن میں جمی لائیڈ کی تصویر دیکھتے ہی مجھ پر دہشت اور تشویش کی جو لہر طاری ہو گئی تھی، ڈیوڈ سے بات ہونے کے بعد رفع ہو گئی مجھے اندازہ تھا کہ سلطان شاہ بھی کیبن میں اپنے بستر پر اسی تشویش میں مبتلا ہو گا پھر رات بھی جاگتے ہوئے گزر چکی تھی لہٰذا میں نے دوسرے دور کی فرمائش کیے بغیر ہی اپنی کرسی چھوڑ دی اور ڈیوڈ کی رہنمائی میں اپنے کیبن کی طرف روانہ ہو گیا جو اسی فلور پر میری راہداری میں واقع تھا۔

ڈیوڈ کو صبح کی روانگی کے لیے کچھ پیشگی تیاریوں کا جائزہ لینا تھا۔ لہٰذا وہ مجھے پانچ نمبر کیبن کے سامنے چھوڑتا ہوا آگے بڑھ گیا اور سلطان شاہ نے پہلی دستک پر میرے لیے کیبن کا دروازہ کھول دیا۔

"یہ جہاز پہلے جمی لائیڈ کی ملکیت میں تھا اُس وجہ سے اُس کی تصویر موجود ہے۔" میں نے جوتوں سمیت بستر پر دراز ہوتے ہوئے گہری سانس لے کر کہا۔

"کیا یہ بات تمھیں ناقابلِ یقین نہیں لگی؟" اُس نے پُرتشویش لہجے میں سوال کیا۔

"ڈیوڈ سے میری تفصیلی بات ہوئی ہے۔ وہ جھوٹ نہیں بول رہا۔"

"لیکن یہ جمی لائیڈ مال بردار جہاز کیوں رکھنے لگا؟" اس نے دوسرا سوال کیا اور میں نے وہ تمام معلومات اس کے سامنے دُہرا دیں، جو ڈیوڈ سے میرے علم میں آئی تھیں۔ وہ خاموشی کے ساتھ میری باتیں سُن رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں سے بے اعتباری مترشح تھی۔

”اگر وہ اتنا ہی کامیاب کاروباری ہے تو اسے منشیات کی لعنت میں ہاتھ ڈالنے کی کیا ضرورت تھی؟“ میرے خاموش ہوتے ہی اس نے اگلا سوال کر ڈالا۔

”تم اُلٹی طرح سوچ رہے ہو۔ سارا پیسہ اس نے ہیروئن اور اسلحے کی اسمگلنگ کے ذریعے کمایا ہے لیکن اس کالے دھن کے ذریعے وہ معاشرے میں عزت کا مقام حاصل نہیں کر سکتا تھا لہٰذا اُس نے اپنی بے اندازہ دولت کا ایک حصّہ جہاز رانی کی صنعت میں لگا دیا اور اسی کی آڑ میں کھلے بندوں دندناتا پھرتا ہے۔“

”اور وہ خود کو چھپانے کی کوشش بھی نہیں کرتا۔“

”آخر وہ کیوں چھپائے؟ وہ جہاز راں کی حیثیت ... سامنے آتا اور اپنی تصاویر لگواتا ہے مگر شی میں صرف اس کا نام چلتا ہے۔ میں شرط لگانے کو تیار ہوں کہ شی میں کبھی کسی نے جمی لائیڈ کو نہ دیکھا ہوگا اور وہ اس قدر کامیاب دُہری زندگی گزار رہا ہے کہ شی والے یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ ان کی مجرمانہ سرگرمیوں کی سرپرستی کرنے والا اتنا بڑا صنعت کار بنا بیٹھا ہے۔ وہ ڈٹ کر پوری دُنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک رہا ہے۔“

”جب ڈیراسمیت اس کے تمام قریبی ساتھی اس حقیقت سے بے خبر ہیں تو میں حیران ہوں کہ تم نے یہ نتیجہ کیسے اخذ کر لیا!“ وہ فرطِ حیرت سے اس لمحے شاید خالی الدماغ ہو کر رہ گیا تھا۔

”شی کے اراکین کے لیے جمی لائیڈ بس ایک نام ہے جب کہ میں نے لائیڈ کاٹیج میں اس کی پوشیدہ تصویر دیکھی تھی تم مان لو کہ روزالی پر اگر ڈیرا بھی ہمارے ساتھ ہوتی تو وہ بھی نتیجہ اخذ کرتی جو میں نے کیا ہے۔“

”یہ تو مافیا کا سا چکر معلوم ہونے لگا ہے۔“ وہ پُرخیال لہجے میں بڑبڑایا۔ ”مجرم بھی سیاست داں اور صنعت کار ہونے لگیں تو انسان کس پر اعتبار کر سکے گا؟“

”یہ اعتبار کا دور ہی نہیں رہا۔“ میں نے جوتے اُتارتے ہوئے کہا۔ ”چھوٹے موٹے جرائم کی اور بات ... لیکن بڑے جرائم اس وقت رونما ہوتے ہیں جب ان کے پیچھے بارسوخ لوگ کارفرما ہوں۔“

”اس کی جہازی کمپنی کا کیا نام ہے؟“

”اس بارے میں میں نے ڈیوڈ سے زیادہ بات نہیں کی ورنہ وہ میری طرف سے شبہات کا شکار ہو جاتا۔ موقع ملا تو میں جہاز کے عملے سے بات کروں گا۔ اسٹیوارٹ نے بتایا تھا کہ اس جہاز کا سارا عملہ پُرانا ہے۔ اس نے بس کپتان ہی کو بدلا ہے۔ ان پُرانے آدمیوں کو جمی لائیڈ کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہوگا۔“

”میں یہ سوچ رہا ہوں کہ جمی کے بارے میں ہمارے اندازے اگر درست ہیں تو وہ حیرت ناک صلاحیتوں کا مالک ہے۔“ اس نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد کہا۔

”اس کی صلاحیتوں میں تو واقعی کوئی شبہ نہیں لیکن تم کس بنا پر یہ کہہ رہے ہو؟“

”وہ بیک وقت کئی کردار ادا کر رہا ہے۔ لندن میں پیٹر کی حیثیت میں وہ اسٹیج کا ایک ریٹائرڈ مسخرہ ہے جو گزارے کے لیے چھوٹے موٹے جرائم بھی کر لیتا ہے، روم میں ڈان ریٹو ہے جو قحبہ گری میں مصروف ہے پھر شی کا سربراہ بھی ہے اور جہاز رانی کا کاروبار بھی کرتا ہے اور ہر جگہ موجود نظر آتا ہے کسی کو اپنی ذات پر شبے کا موقع دیے بغیر بیک وقت اتنے متضاد کردار ادا کرنا آسان نہیں ہے۔“

”اور اب میرے ذہن میں ایک اور خطرہ سر اُبھار رہا ہے۔“ میں نے بستر پر پہلو بدلتے ہوئے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

”تمھارے اندیشے کبھی بے بنیاد نہیں ہوتے۔“ وہ ہلکے سے مُسکرا کر بولا۔ ”اب کیا سوچ رہے ہو؟“

”جمی لائیڈ بہت چالاک اور محتاط آدمی ہے۔ اگر ڈیوڈ کا بیان درست ہے تب بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جمی لائیڈ نے اپنی تصویر روزالی پر کیوں چھوڑی، بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ اپنے تمام جہازوں کے کپتانوں کے کیبن میں اپنی تصویریں کیوں آویزاں کرائی ہوئی ہیں؟“ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”ہو سکتا ہے کہ یوں اپنی انا کی تسکین کرتا ہو۔“

”انا کی تسکین کی بات ہوتی تو تصویر کپتان کے کیبن کے بجائے عرشے پر کسی ایسی جگہ لگی ہوئی ہوتی، جہاں زیادہ لوگ اسے دیکھ سکتے، کیبن کے بجائے جہاز کا میس بھی اس کے لیے مناسب ہوتا۔“ میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ ”دوسری بات یہ کہ جمی لائیڈ جیسے متضاد رُوپ اختیار کیے ہوئے ہے، اس کی وجہ سے وہ حتی الامکان اپنی تشہیر سے بچنے کی کوشش کرتا ہوگا۔ اس خیال سے غور کرو تو محسوس ہوتا ہے کہ تصویر لگانے کے لیے کپتان کا کیبن سب سے موزوں جگہ ہے، جہاں اس کی اجازت کے بغیر کوئی نہیں پھٹک سکتا۔“

”پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب تشہیر ہی مقصود نہیں تو تصویر لگانے کی کیا ضرورت تھی؟“

”گڈ!“ میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ ”اب تم صحیح لائن پر آئے ہو، میرا خیال ہے کہ وہ صرف تصویر نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ کوئی شعبدہ بھی منسلک ہے...“

”ٹرانسمیٹر؟“ اس نے میری بات کاٹ کر تحیر آمیز لہجے میں کہا۔

”طاقت ور ٹرانسمیٹر جس کے ذریعے کپتان کے کیبن میں ہونے والی ہر بات کہیں سُنی یا ریکارڈ کی جاتی ہے تاکہ جمی لائیڈ ہر وقت اپنے سینئر عملے کے عزائم پر نگاہ رکھ سکے۔“ میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ ”شی میں تم دیکھ ہی چکے ہو کہ جدید ترین مواصلاتی آلات یہ لوگ کتنی بے دردی کے ساتھ استعمال کرتے ہیں، میں نے پاکستان میں جیوا ہاؤز بھی دیکھا تھا اور ابھی آخر میں ہم ڈیلٹا کیمپ کے تجربے سے گزر چکے ہیں۔“

”جہاں تک مجھے معلوم ہے، ہر ٹرانسمیٹر کے کام کرنے کی ایک حد ہوتی ہے، جب کہ بحری جہاز دُنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سفر کرتے رہتے ہیں اور مرکز سے ایک مخصوص فاصلہ پیدا ہوتے ہی ٹرانسمیٹر ناکارہ ہو جاتے ہوں گے پھر ان کی کیا افادیت رہ جاتی ہے؟“ اس نے سوچ سمجھ کر سوال کیا۔

”یہ بات میرے ذہن میں بھی تھی، اسی لیے میں نے سُننے کے ساتھ ریکارڈنگ کا بھی ذکر کیا تھا۔ ریکارڈنگ یونٹ جہاز کے کسی بھی محفوظ اور ناقابلِ رسائی حصّے میں ہوگا۔ جہاز کے شیڈول کے مطابق راستے کی مخصوص بندرگاہوں پر اس یونٹ سے کارٹرج نکال لیا جاتا ہوگا جو جمی تک پہنچ جاتا ہوگا۔“

”لیکن ٹرانسمیٹر تو کیبن میں کہیں بھی لگایا جا سکتا تھا، اس کے لیے تصویر کی آڑ کی کیا ضرورت تھی؟“

”ان کیبنوں میں بہت کم اور ہلکا پھلکا سامان ہوتا ہے اور سارا بحری عملہ ہمیشہ یکسانیت کا شاکی رہتا ہے، ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ دورانِ سفر کیبن کے سامان کو اُلٹ پلٹ کرتے رہتے ہوں، اس میں ٹرانسمیٹر کا راز فاش ہو سکتا تھا لیکن جہاز کے مالک کی تصویر عملے کے لیے ایک اعتبار سے اہم ہو جاتی ہے، پھر وہ تصویر اتنی مہارت کے ساتھ لگائی گئی ہے کہ دیوار کی ساخت کا ایک حصّہ بن گئی ہے۔ اسے اُکھاڑنے سے اس مقام پر چوکور بدنما خلا بھی پیدا ہو سکتا ہے لہٰذا تصویر ہمیشہ جُوں کی تُوں رہتی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ پہلے کے وام جہاز فروخت ہونے کے بعد بھی اسے نہیں چھیڑا گیا۔“

”میرا خیال ہے کہ تم اس موضوع پر بلاوجہ اپنا ذہن تھکا رہے ہو۔“ وہ بولا۔ ”اگر سب کچھ اس طرح ہی کیا گیا ہے تو اس میں ہمارے لیے تشویش کی کوئی گنجائش نہیں۔“

”مجھے بس اتنا خوف ہے کہ ہم اس وقت برطانوی ساحل کے پاس لنگر انداز ہیں، اگر شی کے کسی ساحلی مانیٹرنگ اسٹیشن پر اس ٹرانسمیٹر کی آواز سُنی جا رہی ہے تو ہم چوہے دان میں پھنس سکتے ہیں۔“

”تم تھک گئے ہو۔“ وہ سنجیدگی سے بولا۔ ”شی کا اس جہاز یا جمی لائیڈ کی جہاز راں کمپنی سے کوئی متعلق نہیں ہو سکتا۔ ابھی ہم یہی بات کر رہے تھے کہ اس کی ذلت ہر جگہ مشترک ہونے کے باوجود اس نے کامیابی کے ساتھ ہر کام کو ایک دوسرے سے الگ رکھا ہوا ہے۔“

اس پر اکتاہٹ کا حملہ ہو چکا تھا، لہٰذا میں خاموش ہو گیا لیکن میری تشویش میں کوئی کمی نہ آ سکی۔ میں جانتا تھا کہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے سُنی ہوئی جوبات بھی جمی لائیڈ تک پہنچتی، وہ پل بھر میں شی کے متعلقہ لوگوں کو پہنچائی جا سکتی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ ان دنوں جمی لائیڈ پیٹر ایلنچ کے رُوپ میں لندن میں موجود تھا اور ویرل کے ذریعے ہمارے فرار نے اُسے مشتعل کیا ہوا تھا، وہ صرف ہماری آوازیں سُن کر بھی ہم کو پہچان سکتا تھا جب کہ کیبن میں میری زخمی ہتھیلی اور کاغذات کے بغیر سفر کے معاملات بھی گفتگو کا موضوع بنے تھے، جن کی مدد سے جمی لائیڈ پوری صورتِ حال کا صحیح اندازہ لگا سکتا تھا۔

یہی سب سوچتے سوچتے میرے ذہن پر تکان غالب آنے لگی اور پھر میری آنکھ لگ گئی۔

جہاز پر ڈیوڈ کا ٹرل کا رویہ مفاہمانہ اور حوصلہ افزا تھا لیکن مجھے اس کی پہلی ہدایت بھی یاد تھی جو اس نے اسٹیوارٹ سلائٹ کی موجودگی میں دی تھی۔ لہٰذا میرے پاس کیبن میں بیٹھے رہ کر سگریٹیں پھونکنے کے علاوہ کوئی کام نہیں تھا۔ ڈیوڈ نے پیشگی اجازت کے بغیر کیبن سے نکلنے پر پابندی لگا کر عملاً ہمیں قیدی بنا لیا تھا۔ اس کے ساتھ مے نوشی کرتے ہوئے مجھے اس پابندی سے پیدا ہونے والی کوفت کا ذرا بھی خیال نہیں رہا ورنہ میں اس سے دوستانہ فضا میں دوبارہ اس موضوع پر بات کر لیتا۔

جہاز میں موہوم سے ارتعاش کے ساتھ طاقت ور انجنوں کی دھمک بھی سُنائی دے رہی تھی جس کا مطلب تھا کہ جہاز حسبِ پروگرام لنگر اُٹھا چکا تھا لیکن انٹرکام پر تین مرتبہ کی کوشش کے باوجود ڈیوڈ سے رابطہ نہ ہو سکا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے جہاز کے حرکت میں آتے ہی اس پر کام کا دباؤ بڑھ گیا ہو۔

اس وقت میری رسٹ واچ بارہ بجا رہی تھی جس کا مطلب تھا کہ جہاز کو اپنے سفر کا آغاز کیے کافی دیر ہو چکی تھی اور شاید کچھ ہی دیر بعد دوپہر کے کھانے کا آغاز ہونے والا تھا۔ میں نے اُٹھ کر دروازے کا اندرونی بولٹ گرا کر دروازے کا ہینڈل گھمایا تو دروازہ باہر سے بند نہیں کیا گیا تھا لیکن مسئلہ اسی پیشگی اجازت کا تھا۔ میں ڈیوڈ سے بات کیے بغیر باہر نکل کر کوئی ناخوشگوار صورتِ حال پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

میں نے انٹرکام کے ساتھ چوبی دیوار پر لٹکی ہوئی فہرست

میں جہاز کے ریڈیو روم کا نمبر تلاش کیا اور آپریٹر پر ڈیوڈ کاٹرل سے اپنی ملاقات کی خواہش کا اظہار کر دیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ اسے تلاش کر کے میرا پیغام پہنچا سکے گا۔

"تم اس سے ملنے کے لیے اتنے مضطرب کیوں ہو؟" سلطان شاہ نے سوال کیا۔

"اسی تصویر کا مسئلہ حل کرنا چاہتا ہوں۔"

"میرا خیال تھا کہ اب تک تم اسے بھول چکے ہو گے۔ اگر وہاں واقعی کوئی ٹرانسمیٹر پوشیدہ ہے اور اس پر ہر بات سُنی جا رہی تھی تو اب تک کچھ نہ کچھ ہو جانا چاہیے تھا۔ ہمیں جہاز پر آئے ہوئے سات آٹھ گھنٹے گزر چکے ہیں۔ ہمارے دشمنوں کو اگر روزالی پر ہماری موجودگی کا شبہ بھی ہو گیا ہوتا تو وہ ہمیں ہرگز اتنی لمبی مہلت نہ دیتے۔"

"اس موضوع پر بحث نہ کرو۔" میں نے ناگواری کے احساس کے ساتھ خشک لہجے میں کہا۔ "میری چھٹی حِس مجھے خطرے کا احساس دلا رہی ہے اور ویسے بھی کیبن میں محدود ہو کر رہ جانا میرے لیے دشوار ہے۔"

وہ میری بات کا بُرا مانے بغیر انگڑائی لے کر بستر پر دراز ہو گیا۔

چند ہی منٹ بعد انٹرکام کی گھنٹی بجی تھی، میں نے جھپٹ کر ریسیور اُٹھایا تو دوسری طرف حسبِ توقع ڈیوڈ بول تھا۔ "کیا بات ہے۔ سنا ہے تم میری تلاش میں ہو؟"

"کیبن سے نکلنے کے لیے تمھاری اجازت درکار ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"فی الحال یہ ناممکن ہے۔ ایک بجے تک شاید یہ پابندی ختم کر دی جائے۔" اس کی معذرت خواہانہ آواز اُبھری۔ "مجھے خوشی ہے کہ تم نے میری ہدایت کو نظر انداز کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میں اس وقت کارگو ہولڈ میں پھنسا ہوا ہوں۔"

"تمھارے کیبن میں تو دو دن بھی گزارے جا سکتے ہیں لیکن اس خشک کمرے میں گھٹن ہو رہی تھی۔ خیر میں ایک بجنے کا انتظار بھی کر لوں گا۔" میں نے خوش دلی سے کہا اور اس نے شکریے کے ساتھ سلسلہ منقطع کر دیا۔

انٹرکام پر ڈیوڈ کی آواز کے پس منظر میں انسانوں اور سامان کا ملا جلا شور سُنائی دے رہا تھا جس کا مطلب تھا کہ جہاز پر موجود کچھ مال اِدھر اُدھر کیا جا رہا تھا اور شاید اِسی کام کی رازداری کو برقرار رکھنے کے لیے ہم دونوں کو اپنے کیبن میں محدود رہنے کی ہدایت دی گئی تھی۔

مجھے ایک لمحے کے لیے خیال آیا کہ کیبن کا دروازہ مقفل تو نہیں تھا اور ڈیوڈ کاٹرل جہاز کے نچلے حصّے میں کارگو ہولڈ میں کچھ دیر کے لیے مصروف تھا۔ میں اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر اس کی لاعلمی میں اس کے کیبن کی دیوار پر لگی ہوئی جمی لائمیڈ کی تصویر کا جائزہ لے سکتا تھا لیکن اس خیال کو میں نے خود ہی مسترد کر دیا۔ کیوں کہ ایسی کوشش کے دوران کسی سے سامنا ہونے کی صورت میں معاملات ناقابلِ تصور حد تک بگڑ سکتے تھے۔

ڈیڑھ بجے کے قریب ڈیوڈ اپنے کام سے فارغ ہو کر سیدھا ہمارے پاس آیا تھا۔ "اب تم کیبن سے نکل سکتے ہو لیکن نیچے کا رُخ نہیں کرو گے۔ یہ رعایت میں تمھیں سو فیصد اپنی ذمّے داری پر دے رہا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ تم میرے الفاظ کی پاسداری کرو گے۔" اس نے دوستانہ انداز میں میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔

"بہت بہت شکریہ۔" میں نے تشکر آمیز لہجے میں کہا۔ "ہم پوری احتیاط رکھیں گے۔"

"ناشتے کے وقت تم دونوں بے خبر سوئے ہوئے تھے، کھانے کی خواہش ہو تو ڈائننگ ہال میں چلے جانا۔" اُس نے نہایت شرافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "چاہو تو عرشے پر کچھ وقت گزار سکتے ہو، اس وقت مطلع ابر آلود ہے لیکن سمندر پُرسکون ہے اور ہم پچیس ناٹ کی رفتار سے سفر کر رہے ہیں۔ دُعا کرو کہ موسم ایسا ہی رہے تو سفر خوشگوار گزرے گا۔"

"معلومات فراہم کرنے کا شکریہ۔ کیا تم ہمیں تھوڑا سا وقت دے سکو گے؟"

"اس وقت مشکل ہے۔" اس نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔ "بدقسمتی سے یہ اس جہاز پر میرا پہلا مگر اس جہاز کا آخری سفر ہے۔ اس لیے مجھے بہت کچھ دیکھنا پڑ رہا ہے۔ جب تک ہم فرانس اور برطانیہ کے درمیان سفر کرتے ہوئے انگلش چینل سے بحیرۂ اوقیانوس میں داخل نہیں ہو جاتے، میں چین سے نہیں بیٹھ سکوں گا...."

"ٹھیک ہے... میں انتظار کر لوں گا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر بے پروائی سے کہا اور وہ عجلت میں وہاں سے نکلا چلا گیا اور ہم دونوں بھی کیبن سے نکل آئے، ہمارے پاس کوئی قیمتی سامان نہیں تھا لہٰذا میں نے کیبن کے غیر مقفل دروازے کو یوں ہی بند کر دیا البتہ سلور آئی میں نے ایک پٹی کے ساتھ اپنے پیٹ پر باندھی ہوئی تھی کیوں کہ اس سے مجھے بہت سی توقعات وابستہ تھیں۔ اس مہم میں وہ سکّہ کہیں بھی کام آ سکتا تھا۔

زینہ طے کرتے ہوئے ہم عرشے کی طرف بڑھے تو سمندری لہروں کے ساتھ دیوہیکل جہاز کے ہچکولوں کا احساس واضح ہونے لگا جب کہ ڈیوڈ کی اصطلاح میں سمندر پُرسکون تھا۔ میری

دانست میں اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جہاز پر مال نہیں لدا ہوا تھا۔ پاکستانی خریدار کی خواہش پر جہاز کے وسیع و عریض کارگو ہولڈ میں جو کچھ لادا گیا تھا وہ اُونٹ کے مُنہ میں زیرے سے زیادہ وزن کا مال نہیں رہا ہو گا۔ وزن کی اس کمی کی بنا پر سطحِ سمندر پر روزالی کی بلندی معمول سے زیادہ رہی ہو گی جو ہچکولوں کی شدت میں اضافے کا سبب بن رہی تھی۔

زنگ خوردہ آہنی چادروں اور چوبی شہتیروں پر مشتمل عرشہ ویران پڑا ہوا تھا۔ گھڑی کے حساب سے دن کافی گزر چکا تھا لیکن آسمان پر گہری سرمئی بدلیاں اس طرح بکھری ہوئی تھیں کہ سورج کی ایک شعاع بھی نظر نہیں آ رہی تھی جس کی وجہ سے سردی بڑھی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ عرشے کے دونوں طرف تاحدِ نظر سمندر کا نیلگوں پانی جھاگ اُڑاتا لہریں لے رہا تھا اور خشکی کا دُور تک پتا نہیں تھا۔

"اگر یہ خوشگوار موسم ہے تو خراب موسم تو واقعی خوفناک ہوتا ہو گا۔" سلطان شاہ نے ہاتھوں کو حرارت پہنچانے کے لیے بغلوں میں دباتے ہوئے کہا۔

"ملّاحوں کی زبان میں موسم کا تعلق جہاز کے کل پُرزوں کے ردِعمل سے ہوتا ہے۔ روزالی کے لیے شاید یہی موسم بہتر ہو گا۔" میں نے نائیلون اور فولادی تاروں کے بنے ہوئے موٹے موٹے رسّوں کے بنڈلوں سے بچ کر عرشے کے ایک دُور افتادہ حصّے میں پڑی ہوئی کُرسیوں کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "ہم واقعی زیادہ دیر یہاں نہ رُک سکیں گے۔"

"کھلا آسمان اور خوشگوار موسم تو دیکھ ہی لیا۔ شام ہوتے ہوتے گھری کہر آ لے گی، میری مانو تو یہاں بیٹھ کر نمونیے کا خطرہ مول لینے کے بجائے نیچے واپس چلو۔" وہ جھُرجھُریاں لیتے ہوئے بولا۔ "کہیں جہاز کے ساتھ ہی یہ ہمارا بھی آخری سفر نہ بن جائے۔"

میں ہنستے ہوئے واپس ہو لیا۔

ڈیوڈ نے بتایا تھا کہ جہاز پچیس ناٹ کی رفتار سے سفر کر رہا تھا جس کا ثبوت طاقت ور انجنوں کے شور اور دھُواں اُگلتی چمنی سے بھی مل رہا تھا لیکن سمندر کی طرف دیکھنے سے کسی حرکت کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ جہاز جھاگ اُڑاتے سمندر کے بیچ میں ساکت کھڑا دائیں بائیں جھُول رہا ہو۔

"اِدھر کہیں فرانس کا ساحل ہو گا اور اس طرف برطانوی علاقہ ہے۔" میں نے اندازے سے سلطان شاہ کو بتایا کیوں کہ کھلے عرشے پر سمتوں کی رہنمائی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا ہر شناخت سمندر کے بیکراں سینے میں گم ہو گئی تھی۔

"بحیرۂ منجمد بھی یہیں کہیں شمال میں ہو گا۔" اُس نے بُرا سا مُنہ بنا کر کہا۔ "اُلّو کے پٹھے نے ہمیں ٹھنڈ پھانکنے کے لیے اِدھر ہانک دیا۔ اور خود اپنے آدمیوں سمیت جہاز کے گرم حصّوں میں دُبکا ہوا ہے۔"

"شاید تمھیں بھوک لگ رہی ہے۔" میں نے اس کی پشت پر ہاتھ جماتے ہوئے کہا۔ "اب اتنی بھی ٹھنڈ نہیں ہے کہ تمھارا دم نکلنے لگے۔ کھانے کے بعد ہم اوورکوٹ وغیرہ پہن کر اُوپر آئیں گے۔"

"ضرور آنا لیکن میرے نہیں بلکہ ڈیوڈ کے ساتھ آنا، وہ بوتل بھی ضرور ساتھ لائے گا۔"

اپنے فلور پر پہنچ کر ہم ذرا ٹھٹکے تھے کہ ایک پتلی سی لہراتی سے جھُلسی ہوئی رنگت لیکن تیکھے نقوش والا ایک یونانی ملّاح اپنی میلی ڈانگری میں نمودار ہوا۔ میں نے اس سے ڈائننگ ہال کے بارے میں استفسار کیا تو وہ ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں راستہ سمجھا کر لاتعلقانہ انداز میں اپنے راستے پر ہو لیا۔

کھانے کا اصل دور شاید ختم ہو چکا تھا کیوں کہ جب ہم ڈائننگ ہال میں پہنچے تو وہاں جہاز کے عملے کے صرف تین افراد نظر آئے جو سفید فارمیکا کی میزوں پر موجود تھے ہمارے داخل ہوتے ہی ان میں سے ایک ہمیں دیکھ کر بدتمیزی کے ساتھ اُونچی آواز میں ہنسا تھا۔ پھر وہ تینوں ہی ہمیں یوں استہزائیہ نگاہوں سے گھُورنے لگے جیسے ہماری پیشانیوں پر سینگ اُگ آئے ہوں۔

"انھیں نظر انداز کرنے کی کوشش کرو۔" میں نے سلطان شاہ کے بدلتے ہوئے تیور بھانپ کر جلدی سے کہا۔ "ان اُجڈ لوگوں سے اُلجھ کر ہم خسارے میں رہیں گے اور تماشا بن جائیں گے۔"

ڈائننگ ہال میں کچن کے قریب ایک لمبی سی میز پر کھانوں کی بھری ہوئی ڈشیں دھیمی لَو کے چولہوں پر سجی ہوئی تھیں اور دونوں سِروں پر کراکری اور کٹلری کے ڈھیر موجود تھے۔ میز کے پیچھے صرف ایک آدمی موجود تھا جو شاید چائے، چینی یا مصالحوں وغیرہ کی فراہمی کا ذمّے دار تھا۔

دیارِ فرنگ ہمارے لیے اجنبی نہیں رہا تھا۔ مگر سلطان شاہ کھانے کے معاملے میں بہت محتاط تھا۔ اس نے گوشت کی کسی ڈش کو نہیں چھُوا کیوں کہ وہ جھٹکے کا حرام گوشت کھانے کے لیے بالکل آمادہ نہیں تھا۔ سبزیوں اور سلاد سے اپنی پلیٹ بھر کر وہ میری طرف متوجہ ہوا اور ہم اس موضوع پر کوئی بات کیے بغیر ایک ایسے گوشے کی طرف بڑھ گئے جہاں ان تینوں شرپسندوں کی طرف سے کسی اشتعال انگیزی کا امکان نہیں تھا۔

"اس جہاز پر ہر چیز ہتھوڑا چھاپ ہے۔" سلطان شاہ بیٹھتے ہوئے بولا۔ "نہ میز پوش ہیں نہ نیپکن جب کہ نیپکن تو ان کے گھٹیا ترین ہوٹلوں میں بھی فراہم کیے جاتے ہیں۔"

"عملے کی حالت تم دیکھ ہی چکے ہو، میز پوش ہر سروس کے بعد دھلوانے پڑ جائیں گے۔ کالے پیلے لباس کے ساتھ یہی مناسب ہے، صفائی ستھرائی ہر چیز کا ازالہ کر دیتی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہاری عملے سے مل بیٹھنے کی کوشش کامیاب نہ ہو سکے گی۔" وہ چند ثانیوں کے توقف کے بعد بولا۔ "یہ لوگ باہر کے کسی آدمی کو اپنے میں قبول کرنے پر آمادہ نظر نہیں آتے۔"

وہ کچھ ایسا لمحہ تھا کہ سلطان شاہ کے خاموش ہوتے ہی اس کی قیاس آرائی کی تردید کا موقع فراہم ہو گیا کیوں کہ دروازے سے جو ناس ڈائننگ ہال میں داخل ہوتا نظر آیا تھا وہ وہی یونانی تھا جس نے ہماری آمد کے بعد چرخی کے ذریعے سیڑھی اوپر کی تھی اور شاید انگریزی بھی خاصی جانتا تھا۔

اس کے جسم پر وردی کے بجائے قرینے کا گرم سوٹ چڑھا ہوا تھا جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جہاز میں کسی صاف ستھرے دفتری کام پر مامور تھا جس کے لیے حلیہ خراب کرنا چنداں ضروری نہیں تھا۔

کچن کے قریب والی میز سے اپنی پلیٹ صاف کر کے وہ جوں ہی فارغ ہوا، میں نے اپنی جگہ سے اس کا نام لے کر پکارا اور اس کو دعوت دی کہ وہ اکیلا ہو تو ہماری ہی میز پر آ جائے۔ اس نے گھوم کر قدرے حیرت سے ہماری طرف دیکھا تھا پھر اطمینان سے ہماری ہی طرف آ گیا۔ اس کی آنکھوں سے شناسائی کا اظہار ہو رہا تھا اور لبوں پر مسکراہٹ رقصاں تھی۔

"تو تمھیں کیبن چھوڑنے کی اجازت مل ہی گئی؟" اس نے کرسی سنبھالتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"ڈیوڈ بہت اچھے دل کا آدمی ہے، ہمارے بارے میں اس نے بہت جلدی اندازہ لگا لیا کہ ہماری نیتیں صاف ہیں۔" میں نے کہا۔ "لیکن کیبن چھوڑ کر بھی ہم یہاں تنہا تھے دوسری طرف بیٹھے ہوئے تینوں مزدوروں نے تو ہمیں دیکھتے ہی اشتعال دلانے کی کوشش کی تھی اب تم ملے ہو تو ذرا زبان کی بھڑاس نکل سکے گی۔"

"وہ تینوں ہی بدمعاش ہیں، اپنے حصے کا کام بھی دوسروں پر لاد دیتے ہیں اور ڈیوٹی کا وقت اِدھر اُدھر بیٹھ کر ضائع کر دیتے ہیں۔ ڈیوڈ نیا آدمی ہے، میں نے دانستہ اسے ان تینوں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا مگر مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی نفری میں تین کی کمی کو بُری طرح محسوس کر رہا ہو گا۔"

"تو ان کی چھٹی کیوں نہیں کر دی گئی؟"

"بس آخری سفر کی رعایت سمجھ لو، ویسے ان میں سے دو سیمنز ایسوسی ایشن کے جنرل سیکرٹری کے رشتے دار ہیں۔ اسی زعم نے ان کے دماغ خراب کیے ہوں گے۔"

"اس کا مطلب ہوا کہ تم کافی عرصے سے انھیں بھگت رہے ہو... کب سے ہو اس جہاز پر؟" موقع پلٹتے ہی میں نے ایک لمحے کی بھی تاخیر کیے بغیر اپنے مطلوبہ سوال کی بنیاد ڈال دی۔

"اس جہاز پر تو یہ میرا اٹھائیسواں سفر ہے، پہلے میں اسی کمپنی کے دوسرے جہاز پر تھا، ان میں سے دو وہاں بھی میرے لیے سوہانِ رُوح بنے رہے تھے... بس یوں سمجھ لو کہ پچھلے تین سال سے ان سے تقریباً مسلسل واسطہ پڑا ہوا ہے۔"

"تمہاری کمپنی انگلش ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"نہیں، یونانی کمپنی ہے، اس کے صدر دفاتر بھی وہیں ہیں۔ جمی لائیڈ کی مشہور کنگ لائنز ہے۔" اس نے ایسے لہجے میں کہا جیسے اس بارے میں میری لاعلمی اس کے لیے حیرت ناک رہی ہو اور جمی لائیڈ سے واقف ہونا ہر شخص کا بنیادی فرض ہو۔

"وہ خود ایسے لوگوں پر نگاہ نہیں رکھتا؟" میں نے مصنوعی حیرت سے سوال کیا۔

"وہ بہت مصروف آدمی ہے۔" اس نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "پورا کاروبار اس کے پیشہ ور ملازمین چلا رہے ہیں۔ میں اٹھارہ سال سے اس کی ملازمت میں ہوں، لیکن آج تک اس کی صورت بھی نہیں دیکھ سکا۔ سُنا ہے کہ اس کے اور بھی لمبے چوڑے کاروبار ہیں اور وہ سال میں اپنا بیشتر وقت عالمی دوروں پر گزارتا ہے۔"

"حیرت کی بات ہے، میں تو اسے مقدر کا دھنی ہی کہوں گا جو اتنی بے پروائی کے باوجود کمپنی کو منافع میں چلا رہا ہے ورنہ اس دور میں مخلص ملازم کہاں ملتے ہیں؟"

"میرا مشورہ ہے کہ جہاز پر کسی سے اُلجھنے کی کوشش نہ کرنا۔" وہ ایک دم موضوع بدل کر ہمدردانہ لہجے میں بولا۔ "تمہارا سفر مختصر سا ہے، اسے ٹھنڈے ملتھے سے ہی تم بہتر طور پر گزار سکو گے۔"

"مشورے کا شکریہ، میں بھی اس بات کو سمجھتا ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر گفتگو وہیں ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا، کیوں کہ جمی لائیڈ کے بارے میں اٹھارہ سال کی طویل مدت میں وہ جو کچھ جان سکا تھا، وہ اس نے دو فقروں میں بتا دیا تھا اور اب اس سے مزید کوئی کارآمد بات معلوم ہونے کی اُمید نہیں تھی۔

کھانے کے بعد ہم دونوں پانچ نمبر کیبن میں لوٹ آئے اور اپنے آئندہ لائحہ عمل کے بارے میں بحث کر کے وقت گزارنے کی کوشش کرنے لگے۔ اسی اثنا میں چار بجے کے بعد انٹرکام پر ڈیوڈ نے پیغام دیا کہ وہ فارغ ہو چکا ہے اور میں اس سے اس کے کیبن میں ملاقات کر سکتا ہوں۔

ڈیوڈ کاٹرل اپنے آرام دہ اور گرم کیبن میں نہا دھو کر گاؤن پہنے بے تکلفی کے ماحول میں میرا منتظر تھا۔ اس کا وہ غیر روایتی انداز میرے لیے خوشگوار طور پر حیران کن تھا کیوں کہ میں نے یہی سُنا ہوا تھا کہ حقیقی انگریز کٹر روایت پرست ہوتے ہیں اور پورا لباس زیب تن کیے بغیر اپنے گھر میں بھی مہمانوں کے استقبال کو معیوب سمجھتے ہیں، مگر وہ گاؤن کی ڈوری کسے نہایت اطمینان سے بیئر پی رہا تھا۔

"تمھیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟" رسمی کلمات کے بعد اس نے براہِ راست سوال کیا تھا۔

"قطعی نہیں۔ میرا خیال ہے کہ ایک ایسے جہاز پر جو اپنے آخری سفر پر جا رہا ہو، اس سے زیادہ کوئی سہولت نہیں سوچی جا سکتی جو ہمیں پہلے ہی میسر ہیں۔" میں نے سگریٹ سُلگاتے ہوئے کہا۔

"مصروفیت کے باوجود میں کئی بار سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ تم مجھ سے ملنا چاہتے ہو۔ میرا خیال تھا کہ تمہارے ساتھ کوئی بدمزگی ہوئی ہے۔"

"تم بے فکر رہو، چھوٹے موٹے معاملات سے ہم خود نمٹنا جانتے ہیں، ان کے لیے تمہارا وقت برباد نہیں کریں گے۔"

"تو کیا کوئی بڑا واقعہ ہوا ہے؟" اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پُرتجسس لہجے میں سوال کیا۔

"واقعہ کوئی نہیں ہوا۔ بس میں ذرا اس تصویر کو قریب سے دیکھنا چاہ رہا تھا۔" میں نے دیوار پر آویزاں جمی لائیڈ کی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کہا۔

"اس تصویر کے بارے میں تم ضرور کوئی خاص بات جانتے ہو جو مجھ سے چھپا رہے ہو۔" وہ اپنی نظریں میرے چہرے پر جما کر مضبوط لہجے میں بولا۔ "میرا اندازہ ہے کہ صبح تم میرے کیبن میں داخل ہوتے ہوئے یہی تصویر دیکھ کر ٹھٹکے تھے۔"

"تمہارا اندازہ درست ہے۔ دراصل میں پہلے بھی ایک ایسی ہی تصویر دیکھ چکا ہوں جو بولنے پر بھی قادر تھی۔" میں نے نپے تُلے لہجے میں ایک سوچا سمجھا جواب دیا اور وہ حیرت سے اپنی کرسی پر اُچھل پڑا۔

"کیا کہہ رہے ہو؟ بھلا تصویریں بھی کبھی بولتی ہیں؟" اس نے بُرا سا منہ بنا کر تلخ لہجے میں کہا، جیسے میں نے اس کے ساتھ کوئی بھونڈا مذاق کرنے کی کوشش کی ہو۔ "نہیں بتانا چاہتے تو میں تمھیں مجبور نہیں کر رہا جو تم یوں بے سروپا کہانی سُنا رہے ہو۔"

"میں سنجیدہ ہوں مسٹر ڈیوڈ کاٹرل!" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "پہلی بار میں نے آواز سُنی تو مجھے بھی وہم ہوا تھا کہ تصویر کے لب ہلے ہیں لیکن آواز دراصل تصویر کے فریم میں پوشیدہ ایک لاسلکی مواصلاتی ریسیور سے اُبھری تھی جس کا راز فریم توڑ کر ہی فاش ہو سکا تھا۔"

"اوہ۔" اس کی تنی ہوئی تیوریاں یک بیک ڈھیلی پڑ گئیں۔ "یہ تصویر تو نہ جانے کب سے یہاں لگی ہوئی ہے۔ اگر اس میں سے کبھی کوئی آواز اُبھری ہوتی تو مجھے ضرور بتایا جاتا۔ مجھے تو یہ عام سی تصویر لگتی ہے۔ اس کے مقابلے میں مجھے تمہارے بارے میں اپنے فیصلے پر نظرِثانی کرنا پڑے گی۔ تم یقیناً وہ نہیں ہو جو نظر آنے کی کوشش کرتے ہو۔"

اچانک میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ اس موضوع پر ڈیوڈ سے بات کرنے میں یہی ایک خطرہ تھا کہ وہ ہماری طرف سے بھڑک نہ جائے اور وہ خطرہ درست ثابت ہوتا نظر آ رہا تھا مگر میں نے بظاہر اس کی بات کا کوئی اثر لیے بغیر ہنستے ہوئے کہا۔ "میرے بارے میں تم جو چاہو فیصلہ کر لینا لیکن فی الحال مجھے تصویر کا جائزہ لینے کی اجازت دے دو۔"

"اور اگر تم نے تصویر کو نقصان پہنچانے کی کوشش یا کوئی شرارت کی؟" اس کی آنکھوں میں شبہات کی پرچھائیاں اُمڈ آئی تھیں۔

"تمہارے جہاز پر میری موجودگی کا کوئی اندراج نہیں ہے۔ بے دریغ گولی مار کر سمندر میں پھکوا دینا۔" میں نے بلاتامل جواب دیا۔

"تصویر تو یہاں سے بھی نظر آ رہی ہے، اسے چھیڑ کر تم کیا تیر مار لو گے؟"

"میں اس کے فریم کے مختلف حصوں پر زور دے کر اس میں کہیں دُہری ساخت کا پتا چلانا چاہتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ میں تمھیں واقعی کوئی حیرت ناک ثبوت دکھانے میں کامیاب ہو جاؤں۔"

"کوئی اوزار نہیں ملے گا، ہاتھوں سے جتنا چاہو ٹٹول لو۔" اس نے بیئر کے گلاس سے ایک لمبا گھونٹ لے کر کہا۔ "مگر یہ یاد رکھنا کہ میری نگاہیں تم پر ہر لمحہ مرکوز رہیں گی۔"

میں نے گہری فکرمندی کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑ دی اور جمی لائیڈ کی تصویر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس کی طرف بڑھ گیا۔ پہلے میں نے ایک تپائی پر کھڑے ہو کر تصویر کو چھیڑے بغیر غور سے تصویر اور پورے فریم کا جائزہ لے ڈالا لیکن اس میں کہیں بھی کوئی غیر معمولی بات تلاش کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا پھر میں نے دونوں ہاتھوں سے مضبوط

چوبی فریم کے ہر حصّے پر دباؤ ڈالنا شروع کردیا لیکن فریم اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوسکا۔

"سر کے بل کھڑے ہوکر دیکھو تو شاید کچھ مل ہی جائے گا۔" ڈیوڈ کی استہزائیہ آواز میرے کانوں میں آئی۔

"مجھے بھی یہی محسوس ہورہا ہے۔" میں نے چوبی فریم پر اپنا کام جاری رکھتے ہوئے جواب دیا۔ "زیادہ افسوس اس بات کا ہوگا کہ میں نے اپنے ساتھ تمھارا بھی قیمتی وقت برباد کیا۔"

چند ثانیوں کے لیے کیبن کی فضا پر بوجھل سکوت چھا گیا۔

میں فریم کی اوپری لکڑی پر طبع آزمائی کررہا تھا کہ اچانک کیبن ڈیوڈ کی پُرجوش ہذیانی آواز سے گونج اٹھا۔ "ہٹو... تصویر سے دور ہٹو... وہ رنگ بدل رہی ہے۔"

میں نے بوکھلاہٹ میں تپائی سے چھلانگ لگادی۔ ڈیوڈ اپنی کرسی چھوڑ کر کھڑا ہوگیا تھا اور حیرت سے مُنہ پھاڑے تصویر کی طرف یوں نگراں تھا جیسے وہ ہولے ہولے زندہ ہورہی ہو۔

اس کی حیرت اور محویت کو دیکھتے ہوئے میں بھی پنجوں کے بل تصویر کی طرف گھوما اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ تصویر تیزی کے ساتھ سرخی مائل رنگ بدلتی جارہی تھی اور پوری تصویر کی اوپری سطح پر ایسی جھرّیاں نمودار ہوگئی تھیں جیسے تصویر انگاروں پر رکھ دی گئی ہو۔

یہ صورت بمشکل چند ثانیوں تک برقرار رہی پھر پوری تصویر اچانک جل اٹھی۔ دیوار پر شعلوں کی لپک دیکھتے ہی ڈیوڈ بدحواس ہوگیا اور گاؤن ہی میں کیبن کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا اور میں سحرزدہ انداز میں جلی ہوئی تصویر کی راکھ کو قالین پر گرتے دیکھتا رہا۔ تصویر کے ساتھ ہی اس کی پشت پر لگا ہوا گتا اور چوبی فریم بھی جلنا شروع ہوگیا تھا۔

ڈیوڈ آگ بجھانے کا ایک آلہ اُٹھائے فوراً ہی واپس آیا تھا اور اس نے پائپ کے سرے پر لگا ہوا نوزل لیور دبا کر جیسے ہی تصویر پر دھار ماری، اچانک اس کے حلق سے چیخیں نکل گئیں۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے کسی طاقتور عفریت نے اسے پورے وجود سے ہلا کر رکھ دیا ہو۔ پائپ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ خود بھی بے دم ہوکر قالین پر گر گیا۔ اس کا چہرہ خوف سے دُھواں ہورہا تھا اور دہشت زدہ پھٹی پھٹی آنکھیں تصویر کے سلگتے ہوئے ڈھانچے پر یوں مرکوز تھیں جیسے اسے دُھویں کی آڑ میں جمی لائیڈ کا بھوت نظر آرہا ہو۔ اس کے ہاتھوں پر گرنے کے بعد بھی تشنج طاری تھا۔

غنیمت یہ تھا کہ اس ساری ہنگامہ آرائی اور ڈیوڈ کی چیخوں کے باوجود کسی نے دخل اندازی نہیں کی تھی یا شاید خوش قسمتی سے اس وقت جہاز کا وہ حصہ ویران ہی پڑا ہوا تھا۔

"اس کیبن سے نکل چلو۔" ڈیوڈ کے حلق سے سرسراتی ہوئی پھنسی ہوئی آواز ابھری۔ "یہ تصویر آسیبی تھی، اس پر دھار مارتے ہی کسی نادیدہ وجود نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔" خوف سے اس کی حالت غیر ہوئی جارہی تھی۔

"کچھ نہیں، یہ سب ثبوت ضائع کرنے کے لیے شعبدہ بازی تھی۔" میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ "تصویر اور گتے کے درمیان چھپے ہوئے ملبا دالے طاقتور برقی ہیٹر پوشیدہ تھے جو فریم میں پوشیدہ کوئی خفیہ سوئچ دبتے ہی آن ہوگئے اور تصویر خاکستر ہوگئی۔ تم نے آلے سے جو دھار تصویر پر ماری، اس کے ذریعے تمھیں برقی جھٹکا لگا ہوگا کیونکہ آگ بُجھانے کے عام آلے بجلی کی آگ پر خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔ تم یہیں ٹھہرو۔ میں بجلی کی آگ بجھانے والا آلہ تلاش کرکے لاتا ہوں ورنہ سلگتی ہوئی لکڑیاں پھر بھڑک اٹھیں گی۔"

"انٹرکام پر کسی سے کہہ دو، تم یہیں ٹھہرو۔ وہ واقعی بجلی کا طاقتور جھٹکا تھا... بدن سے ساری جان نکل گئی ہے۔" اس نے ہانپتے ہوئے اٹک اٹک کر کہا۔

"شکر ادا کرو کہ تم زندہ بچ گئے، یہ جھٹکا تو شاید ہاتھی کو بھی ختم کردیتا۔ اب کسی کو بلانے کی ضرورت نہیں، میری مانو تو اس واقعہ کا کسی سے ذکر بھی نہ کرنا۔ یہ کہانی پھیل گئی تو کچھ لوگ تمھارے خون کے پیاسے ہوجائیں گے۔"

اس کی ساری اکڑفوں رفع ہوگئی تھی اور وہ سہمے ہوئے کسی فرماں بردار بچّے کی طرح توجہ سے میری بات سُن رہا تھا۔ میں کیبن سے نکلا اور راہداری کے سرے سے بجلی کی آگ بجھانے والا آلہ اُٹھا لیا۔

جلی ہوئی تصویر میں سے ہیٹر کے کئی سیاہ تار ٹوٹ کر باہر نکل آئے تھے اور وہی ڈیوڈ کی خوش نصیبی تھی اگر جلتے ہوئے تار فوم کمپاؤنڈ کی ٹھنڈی دھار پڑتے ہی ٹوٹ نہ جاتے تو شاید ہزاروں واٹ کی برقی لہر آناً فاناً میں اس کے بدن کو جلا کر سیاہ کردیتی۔

میں نے اپنا لایا ہوا آلہ احتیاط کے ساتھ استعمال کرکے پوری آگ سرد کردی۔ اس دوران میں ڈیوڈ کا نڈھال قالین سے اٹھ کر تھکے ہوئے انداز میں بستر پر گر گیا تھا لہٰذا میں ایک مرتبہ پھر تصویر کے باقی ماندہ فریم کی طرف متوجہ ہوگیا کیونکہ اس حیرت ناک آتش زنی کے بعد میرے نتھنوں نے بلاشک اور فائبر کے جلنے کی بو نمایاں طور پر محسوس کی تھی جب کہ تصویر میں وہ مادّے کہیں استعمال نہیں ہوئے تھے۔

تھوڑی سی کوشش کے بعد میں تصویر تک آنے والے دیوار میں پوشیدہ برقی تاروں کے سرے تلاش کرنے میں کامیاب ہوگیا جو داہنی طرف سے فریم کے نیچے آئے تھے۔ انھیں علیحدہ کرکے میں نے ادھ جلے فریم کو دیوار سے الگ کرنا شروع کردیا جو آگ سے محفوظ کسی مصالحے کی چادروں سے کھڑی کی گئی تھی۔

تصویر اپنے سارے لوازمات کے ساتھ خاکستر ہوچکی تھی لہٰذا فریم کی اوپری لکڑی کے نیچے کا کھوکھلا حصّہ بہت آسانی کے ساتھ نظروں میں آگیا جہاں پلاسٹک اور ننھے ننھے الیکٹرونک پرزوں پر مشتمل ایک جلا ہوا ڈھیر پوشیدہ تھا۔ اس ڈھیر کو نکال کر میرے ذہن میں خدشات کی تصدیق ہوگئی کیونکہ جلنے سے پہلے وہ اشیا یقینی طور پر کسی طاقتور ٹرانسمیٹر کی صورت میں رہی ہوں گی مگر میں نے ڈیوڈ کی حد تک اپنی بولتی ہوئی تصویر کی کہانی پر جمے رہنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے تھے۔" اس نے ادھ جلے ڈھیر کا معائنہ کرتے ہوئے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔ "تو تمھارا خیال ہے کہ یہ لاسلکی ریسیور ہے جس پر کسی بھی وقت آواز ابھر سکتی تھی۔"

"میرا اندازہ یہی ہے کیونکہ میں نے ایک تصویر کو خود بولتے سُنا تھا۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"وہ کون لوگ ہیں جو اس واقعہ سے آگاہ ہوتے ہی میرے خون کے پیاسے ہوسکتے ہیں؟" اس کی آواز میں خوف اور تشویش کے آثار بدستور برقرار تھے۔

"میں خود ان سے لاعلم ہوں۔" میں نے بےبسی کے ساتھ کہا۔ "میں بولتی ہوئی تصویر کا کہیں ذکر کر بیٹھا تھا۔ اس کے بعد مجھ پر یکے بعد دیگرے تین ناکام قاتلانہ حملے ہوئے تھے۔ زندگی تھی جو بچ گیا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ کنگ لائنز کے ہر جہاز میں جمی لائیڈ کی ایسی ہی ہولناک تصاویر لگی ہوئی ہیں؟" اس نے پُرخیال انداز میں فضا میں گھورتے ہوئے کہا۔

"امکان یہی ہے۔" میں گفتگو کو اختصار دے کر اس سے جلد از جلد پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔

"لیکن اس کا مقصد کیا ہوسکتا ہے۔ ہر جہاز پر طاقتور ریڈیو مواصلاتی نظام ہوتا ہے، اس کی موجودگی میں یہ دُہرا خفیہ نظام کیوں ضروری سمجھا گیا؟"

"اس پر بعد میں بھی غور کیا جاسکتا ہے۔ پہلے دیوار کے اس حصّے کو صاف کرکے یہاں کینوس یا ریکسین لگانے کا بندوبست کرو، تاکہ نئے آنے والے کو کیبن میں کسی بڑی تبدیلی کا احساس نہ ہو۔"

جمی لائیڈ کی تصویر کے حیرت ناک انجام نے میرے اور ڈیوڈ کے درمیان ہر تکلف اور فاصلہ آناً فاناً میں مٹا دیا تھا اور وقتی طور پر یوں محسوس ہورہا تھا جیسے وہ میری مدد کے بغیر کچھ بھی نہ کرسکے گا۔ دیوار کے متاثرہ حصّے کو چھپانے کے لیے اس کے پاس کوئی چیز نہیں تھی جبکہ کیپٹن میکس نے جہاز کے عملے کے کسی فرد کی آمد پر پہلے ہی پابندی عائد کردی تھی لہٰذا میں نے اسے ضروری سامان کیبن نمبر پانچ میں بھجوانے کا مشورہ دیا اور خود بھی سلطان شاہ کے پاس پہنچ گیا۔

تصویر کی کہانی اس کے لیے ناقابلِ یقین حد تک حیرت ناک ثابت ہوئی اور وہ اس بارے میں اپنی کہی ہوئی باتوں پر نادم نظر آنے لگا۔ "ہمیشہ یہی ہوتا آیا ہے کہ تم جو کچھ کہہ دیتے ہو وہ اٹل ثابت ہوتا ہے مگر مجھ میں اتنی مغززنی کی قوت نہیں ہے جو سامنے آجاتا ہے اسی پر یقین کرلیتا ہوں۔ میرے تبصرے تمھیں ناگوار بھی گزرے تھے۔"

"تصویر میں آگ لگنے کا مطلب ہے کہ وہ نظام پوری طرح فعال تھا۔ ان لوگوں کی طرف سے ابھی تک کوئی کارروائی نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ابھی تک ہماری اس جہاز پر موجودگی کی خبر جمی لائیڈ تک نہیں پہنچی ہے۔ اب ہمیں روم کا خیال ترک کرکے پہلی فرصت میں روزالی چھوڑنے کی فکر کرنا چاہیے۔"

"اس بارے میں تو ڈیوڈ ہی کوئی مناسب مشورہ دے سکے گا۔"

"میں نے اندازہ لگالیا ہے کہ ظاہری بھرم اور رعب دار شخصیت کے باوجود وہ اندر سے بہت بودا آدمی ہے، وہ اس قدر خوفزدہ ہوگیا ہے کہ اب اعتدال پر آنے تک مجھے اپنے ساتھ ہی رکھنا چاہے گا۔ تمھاری طرح تصویر جل اُٹھنے تک وہ بھی میرا مضحکہ اڑا رہا تھا اور سر کے بل کھڑے ہوکر تصویر دیکھنے کا مشورہ دے رہا تھا۔"

اسی گفتگو کے دوران میں ایک خلاصی ڈیوڈ کے بتائے ہوئے سامان کا تھیلا لے آیا اور ہم اس کی واپسی کے چند منٹ بعد تھیلے سمیت ڈیوڈ کے کیبن کی طرف ہولیے۔

"اوہ خدا!" اندر قدم رکھتے ہی سلطان شاہ حیران رہ گیا تھا۔ "یہاں تو ایسا معلوم ہورہا ہے، جیسے کوئی بہت بڑا معرکہ ہوا ہو، بس چند لاشوں کی کمی نظر آرہی ہے۔"

"سب کچھ اس قدر غیر متوقع انداز میں ظہور پذیر ہوا کہ چند منٹ کے لیے تو میں بھی حواس باختہ ہوگیا تھا اور ڈیوڈ کو ہر طرف آسیب نظر آنے لگے تھے۔" میں نے کہا۔

"تم کون سی زبان بولنے لگے؟ انگریزی میں بات کرو تاکہ میں بھی کچھ سمجھ سکوں۔" ڈیوڈ نے کمزور آواز میں اعتراض کیا جو ان حالات میں بالکل جائز تھا۔

"میرے ساتھی کی انگریزی ذرا کمزور ہے، اس لیے اسے اپنی قومی زبان میں صورتِ حال سمجھا رہا تھا۔ تم آرام کرو، میں اس کے ساتھ مل کر دیوار کی مرمّت کراؤں گا۔" میں نے اس کے قریب جاکر نرم لہجے میں کہا۔ "تم چاہو تو تھوڑی سی وسکی لے لو، اس سے تمھارے اعصاب کو سکون مل سکے گا۔"

"تم نے مجھے مشکل میں ڈال دیا ہے۔ یہ بتاؤ کہ اس تصویر کا راز معلوم کرکے تمھیں کیا حاصل ہوگیا۔ لگی رہتی تو پاکستان میں جہاز توڑنے والے مزدور خود ہی اس کا حلیہ بگاڑ دیتے۔"

"یہ بتاؤ کہ جہاز پر تمھارے پاس کچھ اسلحہ بھی ہے؟" میں نے سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا۔

وہ بوکھلا کر بستر سے اٹھ گیا۔ "خدا کا خوف کرو ڈینی! یہ جسلی نہیں، ایک بوسیدہ اور از کار رفتہ مال بردار جہاز ہے کیا اب تم اس

پر چاند ماری کی مشق کرنا چاہتے ہو؟"

"میں نے تو پہلے تصویر کو صرف بولتے دیکھا تھا، ہو سکتا ہے کہ تمھارے کیبن کی تصویر سے جو کچھ برآمد ہوا وہ محض ریسیور نہیں بلکہ ٹرانسمیٹر بھی رہا ہو تو صورت حال کیا بنے گی؟" میں نے موقع دیکھ کر اسے آنے والے حالات کے لیے تیار کرنے کی نیت سے صحیح صورت حال سے آگاہ کرنا چاہا۔

"اس وقت تو اگر تم یہ بھی کہہ دو کہ وہ ٹرانسمیٹر نہیں بلکہ چھ ٹانگوں والا ہاتھی تھا تو شاید مجھے یقین کرنا پڑے گا۔" اس نے منہ بنا کر تلخ لہجے میں کہا۔ سلطان شاہ تھیلے سے سامان نکال کر کیبن کی دیوار کی مرمت میں مصروف ہو گیا تھا۔

"مجھے ڈر ہے کہ اس آلے کے ذریعے تمھارے کیبن میں لیے جانے والے سانسوں کی آواز بھی کہیں سُنی یا ریکارڈ کی جا چکی ہو گی اور انھیں علم ہو گیا ہو گا کہ ہم دونوں تصویر کے راز سے واقف ہو کر نادانستگی میں اسے تباہ کر چکے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ پلٹتے ہی ہمیں کہیں ہم کو گھیرنے کی کوشش شروع کر دیں۔"

"اپنا دماغ تھکانے کے بجائے کیوں نہ ہم اپنے ریڈیو آفیسر کو اعتماد میں لے لیں، وہ پلاسٹک اور لوہے کے اس وزنی ڈھیر کو دیکھ کر اس کی کارکردگی کے بارے میں صحیح رائے دے سکے گا۔" اس نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد کہا۔

"تم ریڈیو آفیسر کو اعتماد میں لو اور وہ کسی اور کو اعتماد میں لے گا اس طرح رات کے کھلنے تک یہ کہانی جہاز کے پورے عملے میں پھیل جائے گی۔ میرا خیال ہے کہ تم جہاز پر اسلحہ دیکھو اور اپنے اعتماد کے دو چار آدمیوں کو عرشے پر مامور کر دو۔"

"کھلے سمندر میں چلتے ہوئے جہاز کے قریب کوئی نہیں پھٹک سکتا، دوسری بات یہ کہ روزالی کا عملہ میرے لیے اجنبی ہے مگر ان میں کوئی بھی آتشیں اسلحہ نہیں رکھتا۔ پورے جہاز پر میرے پستول کے سوا شاید ہی کوئی دوسرا ہتھیار موجود ہو۔ اس بارے میں تم معاملات مجھ پر چھوڑ دو، جہاز پر کوئی ہیلی کاپٹر سے ہی کود جائے تو اور بات ہے ورنہ سمندر سے تو پرندہ بھی ہمارے جہاز پر پَر نہیں مار سکے گا۔ چلتے ہوئے جہاز کے گرد سرکش موجوں کا بہاؤ اس قدر خوفناک ہوتا ہے کہ اس کی زد میں آنے والے سیدھے تہ نشین ہو جاتے ہیں۔" اپنے موضوع کا آغاز ہوتے ہی اس میں خود اعتمادی بحال ہونے لگی تھی۔

اس نے بستر چھوڑ دیا اور خاموشی کے ساتھ دو گلاس تیار کرنے لگا۔ اس سے پہلے میں اس کے کیبن میں آیا تو وہ بیئر پی رہا تھا لیکن اس نے مروتاً بھی مجھے مدعو کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی کیونکہ اس وقت وہ میری طرف سے شبہات میں مبتلا ہو چکا تھا مگر اب ہمارے درمیان باہمی اعتماد کا مضبوط رشتہ استوار ہو چکا تھا۔

"اس وقت ہم کس علاقے میں سفر کر رہے ہیں؟" اس کے ساتھ مے نوشی کا آغاز کرتے ہوئے میں نے سوال کیا۔

"ہم انگلش چینل سے گزر چکے ہیں اور فرانس یا برطانیہ کی بحری حدود سے باہر بحیرۂ اوقیانوس کے بین الاقوامی پانیوں میں تقریباً جنوب کی طرف سفر کر رہے ہیں کل دن میں کسی وقت ہم اسپین کے ساحل کے قریب پوزیشن بدل کر اسپین اور پرتگال کے ساحلوں سے ملحق کھلے پانیوں میں ہوں گے۔"

"یعنی ہم عملاً ہر قانون کی پابندیوں سے آزاد ہیں؟"

"علاقائی سمندری حدود سے باہر بین الاقوامی بحری قوانین لاگو ہوتے ہیں کم از کم کتابی حد تک سمندر میں ایک انچ بھی جگہ ایسی نہیں ہوتی جہاں سرے سے کوئی قانون ہی رائج نہ ہو۔" اس نے وضاحت کے ساتھ بتایا۔

"اور علاقائی حدود میں اسی علاقے کا قانون چلتا ہے؟" میں نے اپنی معلومات میں اضافے کے لیے سوال کیا۔

"ہاں اور اس بارے میں ہمیں بہت محتاط رہنا پڑتا ہے کیونکہ بعض پڑوسی ملکوں کے قوانین ایک ہی چیز یا عمل کے بارے میں اتنے متضاد ہوتے ہیں کہ ذرا سی چوک ہمیں مجرم بنا سکتی ہے۔"

"جہاز کے اسٹور میں جو سامان شامل کیا گیا ہے، غالباً پاکستان کی بحری حدود میں وہ بھی غیر قانونی ہو گا۔" میں نے کہا اور وہ بری طرح چونک کر مجھے گھورنے لگا۔

"میں نے تمھیں کارگو ہولڈ کا رُخ کرنے کی سختی کے ساتھ ممانعت کی تھی۔" اس نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔ "مگر تم باز نہیں آئے۔"

"ہم نے تمھاری ہدایت کا پورا پورا احترام کیا ہے، یہ راز ہمیں اسٹوارٹ سلائٹ نے خود بتایا تھا۔"

وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔ "یہ اسٹوارٹ بھی عجیب آدمی ہے۔ ریڈیو فون پر خود مجھے ہدایت کی تھی کہ اپنے اہم معاملات کی تم دونوں کو ہوا بھی نہ لگنے دوں اور اہم ترین بات خود ہی تمھیں بتا بیٹھا لیکن یہ کان کھول کر سن لو کہ اس کے باوجود ہم پاکستان کے کسی قانون کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔"

"میں کوئی کسٹم آفیسر نہیں ہوں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تم بھی جانتے ہو کہ تم پاکستان میں غیر قانونی برآمد یا صاف لفظوں میں اسمگلنگ کا ارتکاب کر گئے، اس کام میں خرابی یہی ہے کہ جب تک آدمی مخصوص ضابطوں کے تحت پکڑا نہ جائے خود کو مجرم نہیں سمجھتا ہے ملک میں ہزاروں عام شہری ذاتی سامان میں بیرون ملک سے ممنوعہ اور تجارتی مقدار میں اشیا لاتے ہیں اور صاف نکل جاتے ہیں جو دس پانچ بدنصیبی سے دھر لیے جاتے ہیں، انھیں اخبارات اور سرکاری کاغذات میں اسمگلر قرار دیا جاتا ہے فرق بس اتنا ہوتا ہے کہ اسمگلر سارے ہی ہوتے ہیں، بچ نکلنے والے کامیاب اور پکڑے جانے والے ناکام اسمگلر ہوتے ہیں۔"

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔ ہم پاکستان کی سمندری حدود سے پچاس میل باہر پارٹی کو جہاز کی ڈیلیوری دیں گے، جہاز کو گودی میں لے جانا اور مقامی قانونی ضابطے پورے کرنا اسی کی ذمّے داری ہے۔"

"اور تمھاری واپسی کی کیا صورت ہو گی؟"

"جو لانچ روزالی کے لیے مقامی عملہ لائے گی وہی ہمیں دوبئی پہنچا دے گی جہاں کے لیے ہمارے پاس مکمل سفری دستاویزات ہیں۔ دوبئی سے ہم طیارہ لے کر لندن آ جائیں گے۔"

"تمھارے ساتھ تو جہاز پر کافی عملہ موجود ہے۔ کیا یہ سب ایک لانچ میں سما جائیں گے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"لانچ بڑی ہو تو اس سے زیادہ مسافر لے جا سکتی ہے لیکن جہاز ڈیلیور کرتے وقت جہاز پر صرف چھ افراد ہوں گے، باقی عملہ راستے کی بندرگاہوں پر آف لوڈ ہوتا جائے گا۔ اس سلسلے میں لزبن ہماری پہلی پورٹ ہو گی، ایندھن کے ساتھ ہی جبرالٹر کے لیے کلیئرنس لینے کے بعد ہم وہاں سے روانہ ہوں گے۔"

اسی وقت انٹرکام کی گھنٹی نے گفتگو میں خلل ڈال دیا۔ ڈیوڈ چند سیکنڈ تک دوسری طرف کا پیغام سنتا رہا پھر جلد ہی آنے کا وعدہ کر کے سلسلہ منقطع کر دیا۔ ایک لمبے گھونٹ میں گلاس خالی کر کے وہ اُٹھا تو میرا چونکنا فطری امر تھا۔

"ریڈیو پر میرے لیے کوئی پیغام آ رہا ہے۔" وہ پُرتشویش لہجے میں بولا۔

"یہ پروگرام میں شامل نہیں تھا، نہ جانے کیا بات ہے۔" اس نے بتایا اور پھرتی کے ساتھ لباس تبدیل کرنے میں مصروف ہو گیا۔

خلاف توقع اس کی واپسی خاصی دیر سے ہوئی اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

"تم نے قانون کی پابندیوں سے آزاد رہ کر سفر کرنے کے بارے میں کیوں پوچھا تھا؟" اس نے آتے ہی مجھ سے درشت لہجے میں سوال کیا تھا۔

"بس یوں ہی خیال آ گیا تھا۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو اور پکے سازشی معلوم ہوتے ہو۔ پتا نہیں اسٹوارٹ سلائٹ نے کس جرم کی سزا میں تمھیں میرے ہی سر پر مسلط کیا ہے۔ اگر تم نے مجھ سے کھل کر بات نہ کی تو میں واقعی تمھیں شوٹ کر دوں گا۔" وہ تیز اور غصیلے لہجے میں غراتے ہوئے بولا۔

"تم بلاوجہ اعصاب زدہ ہو رہے ہو۔ سکون سے بیٹھ کر بتاؤ کہ کیا ماجرا ہے تو تمھاری پریشانی کا حل سوچا جا سکے گا اس طرح دھمکیاں دے کر تم ہمیں خودکشی پر مجبور کر دو گے۔" میں نے بھی خشک لہجے میں کہا۔

"تم کالی زبان والے ہو جو بک رہے ہو وہ خود بخود ہوتا چلا جا رہا ہے۔" وہ غصّے میں ایک دم پھٹ پڑا۔ "فرانسیسی بحریہ کی ایک گن بوٹ روزالی کے قریب منڈلا رہی ہے۔ ان ہی کا پیغام تھا، وہ ہمیں روک کر جہاز کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔"

وہ خبر سُن کر میرے اعصاب جھنجھنا اُٹھے اور میں نے برجستہ ڈیوڈ سے سوال کیا۔ "مگر تم تو بتا رہے تھے کہ روزالی اس وقت بین الاقوامی سمندر میں سفر کر رہا ہے؟"

"کوئی دھونس اور دھاندلی پر اُتر آئے تو کوئی دلیل نہیں چلتی۔" وہ غصّے اور جھلاہٹ کے عالم میں بولا۔ "تم نے سنا نہیں کہ وہ عام لانچ نہیں بلکہ گن بوٹ ہے، انھوں نے میری ہر دلیل کو مسترد کر دیا اور دھمکی دی ہے کہ اگر اگلے ایک گھنٹے میں جہاز کے لنگر نہ ڈالے گئے تو وہ فائرنگ کر کے روزالی کو سفر کے ناقابل بنا دیں گے اور اس کے نتیجے میں ہونے والے جانی اور مالی نقصان کی ساری ذمّے داری میری گردن پر ہو گی۔"

"انھوں نے تلاشی کا کوئی جواز تو بتایا ہو گا؟" اس وقت میرا ذہن بہت تیزی کے ساتھ کام کر رہا تھا لیکن ہم ایسی نازک صورت حال سے دوچار تھے کہ مفر کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔

"تمھارا ہی معاملہ معلوم ہوتا ہے۔ انھیں روزالی پر کچھ مفرور مجرموں کی تلاش ہے۔ پہلے انھوں نے مجرموں کو اپنے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا تھا، میں نے ایسے افراد کی موجودگی سے انکار کیا تو وہ تلاشی کا مطالبہ کر بیٹھے۔"

"لب و لہجے سے کیا وہ واقعی فرنچ لگتے ہیں؟"

"ان کے جس افسر نے مجھ سے بات کی وہ تو کم از کم فرنچ ہی تھا۔ تمھیں ان کی اصلیت پر شبہ نہیں ہونا چاہیے وہ جہاز پر آ کر اپنی شناخت دکھلانے پر آمادہ ہیں۔" اس نے میرا مقصد سمجھتے ہوئے کہا۔

"شناخت دکھاتے دکھاتے وہ ہمیں بے بس بھی کر سکتے ہیں۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "پھر گن بوٹ کی بات بھی بس زبانی ہے۔ باہر کہر کے باعث کچھ نظر نہیں آئے گا۔ وہ قریب آئیں تو جب ہی پتا چل سکے گا کہ وہ واقعی اتنے طاقتور ہیں یا ہمیں صرف گیدڑ بھبکی دے رہے ہیں۔"

"یہ نہ بھولو کہ ہمارے قریب آ کر وہ بھی بہت بڑا خطرہ مول لیں گے۔ انھیں کیا معلوم کہ ہم بالکل غیر مسلح ہیں؟ انھیں یہ ڈر رہے گا کہ اگر ہمیں ان کے جھوٹ کا اندازہ ہو گیا تو ان کے زد میں آتے ہی ہم عرشے کی بلندی کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے انھیں بوٹ سمیت تہس نہس کر دیں گے۔"

"ان کے پاس ہماری تصاویر تو ہرگز نہ ہوں گی۔" میں نے

چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد کہا۔" ان سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ ہم لباس اور حلیہ بدل کر تمھارے عملے میں گھل مل جائیں۔"

" تعداد میں دو کا اضافہ کہاں جائے گا' میرے پاس تو صرف اپنے عملے کی سفری دستاویزات ہیں؟"

" وہ پوری فوج تو نہیں لائے ہوں گے' دو آدمی تو اتنے بڑے جہاز پر کہیں بھی چھپ سکتے ہیں۔"

" یہ کوشش تم کر لینا' میری طرف سے پوری اجازت ہے۔ ضرورت پڑے تو تمھیں کارگو ہولڈ میں بھی گھسنے کی آزادی ہوگی۔ میں اپنے کسی آدمی کو داؤ پر نہیں لگاؤں گا۔ ان کی تعداد کتنی بھی ہو' وہ جہاز کا چپا چپا دیکھیں گے۔ اگر انھوں نے سمندر میں چلتے جہاز کو روکا ہے تو کسی یقین کی بنا پر روکا ہے۔"

" بد قسمتی سے ہم دونوں ہی اناڑی ہیں' تمھارے دو تیراک عرشے کی دوسری طرف سے بوٹ کی واپسی تک کے لیے سمندر میں کود جائیں تو تعداد بھی درست ہو سکتی ہے۔"

" بوٹ کی واپسی تک وہ ٹھنڈے پانی میں ٹھٹھر کر مر چکے ہوں گے....."

" تم انھیں غوطہ خوری کا لباس دے سکتے ہو۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔" تاکہ بوٹ کے جہاز کے چاروں طرف گھومنے کی صورت میں وہ زیرِ آب جا سکیں۔ وہ لباس انھیں سردی سے بھی بچائے گا۔"

" بنیادی بات یہ ہے کہ تمھارے لیے اپنے دو آدمیوں کو میں خطرے میں نہیں جھونک سکتا۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔" پھر تم ان اطراف کی سمندری زندگی سے بھی بے خبر ہو دیو ہیکل موجوں کے ریلے میں یہاں جا بجا شارک مچھلیاں ملیں گی' ان میں سے ایک بھی نکل آئی تو پانی میں اترے ہوئے کسی ملاح کا سراغ تک نہیں مل سکے گا۔"

اس کی آخری بات میں وزن تھا۔ اس لیے مجھے خاموش ہونا پڑا۔ اب تن بہ تقدیر ہو کر صورتِ حال کا سامنا کرنے کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نظر نہیں آ رہا تھا۔

" پھر ہمیں دو استعمال شدہ ڈانگریاں منگوا دو' ستارے یاوری کرے تو شاید ہم آنے والوں کی نگاہوں میں دھول جھونکنے میں کامیاب ہو جائیں۔" میں نے اس کے سامنے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

" انجن روم تمھارے لیے سب سے بہتر رہے گا۔" وہ نرم پڑتے ہوئے بولا۔" وہاں ہاتھ منہ کالے کر کے تم خود کو پوری طرح چھپا سکو گے۔" اسی وقت فضا میں کسی ہوٹر کی آواز گونجی جو روزالی کا نہیں تھا۔ شاید گن بوٹ والے اپنی موجودگی کا احساس دلا رہے تھے۔

" انجن روم!" میں تلخ انداز میں ہنسا۔" مسئلہ تو یہی ہے کہ ہمیں جہاز کی ساخت سے پوری واقفیت نہیں ہے' ہو سکتا ہے کہ ہم ان کے ایک آدمی سے بچنے کی کوشش میں بے خبری میں دوسرے کے سامنے جا کھڑے ہوں ورنہ ہمیں بزدلوں کی طرح اپنی جگہ دوسروں کو رگڑوانے کا شوق نہیں ہے۔"

" بات پھر وہیں آ جاتی ہے کہ میں عملے کے لیے نیا آدمی ہوں۔ کام اور ڈیوٹی سے ہٹ کر وہ میری بات کیوں مانیں گے؟ اگر میں نے دھونس دینے کی کوشش کی تو ان کی رسمی حمایت سے بھی محروم ہو جاؤں گا اور وہ سب تم دونوں کو پکڑ کر آنے والوں کے سامنے ڈال دیں گے۔ میں ایسا کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔"

اسی افہام و تفہیم میں کافی دیر گزر گئی اور آخر کار ہم میلی ڈانگریاں کی معیت میں انجن روم کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں وہ ہم دونوں کو انجن روم کی روایتی احتیاطی تدابیر سے آگاہ کرتا رہا جن پر عمل کر کے ہم وہاں موجود عملے کے کام میں خلل انداز ہوئے بغیر خود کو مصروف رکھ سکتے تھے۔ نچلی منزل پر انجن روم تک پہنچنے سے پہلے ہی شور اور ارتعاش میں اس قدر وحشت انگیز اضافہ ہو گیا کہ میں نے وہاں پناہ لینے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس ماحول میں چند منٹ گزارنے کے بعد ذہن کوئی بھی ڈھنگ کی بات سوچنے کے قابل نہ رہ جاتا' میری فرمائش پر ڈیوڈ نے راستہ تبدیل کر دیا اور تھوڑی سی مسافت کے بعد ہمیں ایک وسیع و عریض لیکن نمناک اور بڑی حد تک نیم تاریک گودام میں چھوڑ کر چلا گیا۔

" اب جو کچھ نہ ہو جائے کم ہے۔" تخلیہ میسر آتے ہی میں نے سلطان شاہ سے کہا۔" مجھے یقین نہیں ہے کہ وہ فرانس کی بحری پولیس ہوگی۔ یہ یقیناً شی کی کارروائی ہے ورنہ فرانسیسیوں کو ہم سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟"

" آج کا دن تمھارا ہے' اس لیے میں تم سے بحث نہیں کروں گا۔" وہ پُرتشویش لہجے میں بولا۔" ویسے مجھے بھی آثار مایوس کن نظر آ رہے ہیں' غالباً انھوں نے سارا دن گزار کر اپنی کارروائی کے لیے دانستہ شام کا وقت منتخب کیا ہے تاکہ گھر کی چادر ان کی کارروائی کو تحفظ فراہم کر سکے۔"

" لیکن ڈیوڈ بالکل الّو کا پٹھا ہے۔" میں نے ایک فوری خیال کے تحت چونک کر کہا۔" اسے ان کی بات پر یقین کرنے کے بجائے کسی قریب ترین بندرگاہ یا جہاز سے رابطہ قائم کر کے فرانسیسی حکام سے اس چھاپے کی تصدیق کرنا چاہیے تھی۔ اگر وہ لاعلمی کا اظہار کرتے تو وہ بحری قزاقی کا خطرہ ظاہر کر کے ساحل سے مدد بھی طلب کر سکتا تھا۔"

" ہر آدمی کی کھوپڑی تمھاری جیسی نہیں ہو سکتی' جب دل میں چور ہو تو قانون کے کسی محافظ کا نام سامنے آتے ہی اوسان خطا ہو جاتے ہیں۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکا ہو گا کہ آنے والے بہروپیے ہو سکتے ہیں یا دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ اس وقت ہر ریڈیائی رابطے کی پہنچ سے باہر ہو۔"

" ساحل سے فاصلہ بھی اہمیت رکھتا ہے' ہو سکتا ہے کہ جب تک وہاں سے مدد آتی' آنے والے اپنا کام کر کے لوٹ جاتے۔" میں نے خود ہی اپنے خیال کی تردید کرتے ہوئے بلند آواز میں سوچا۔" اس نے اوپر جا کر ایمرجنسی کا اعلان کر دیا ہو گا اور اب کسی بھی وقت جہاز کے لنگر ڈالے جا سکتے ہیں۔"

ہم دونوں کافی دیر تک وہاں بیٹھے مختلف سمتوں سے آنے والی آوازوں پر غور کر کے آپس میں رائے زنی کرتے رہے۔ میرا خیال تھا کہ سمندری لہروں کے ہچکولوں کے لحاظ سے وہ گودام پانچ نمبر کیبن سے بہت بہتر تھا۔ آخر کار ہمیں لنگر کی دیو ہیکل زنجیر کی کڑیوں کی آواز سنائی دی جس کا مطلب تھا کہ روزالی کی رفتار دم توڑ چکی تھی اور گھر میں گھرے ہوئے غضب ناک سمندر کے سینے میں لنگر اتارے جا رہے تھے۔

کھیل کسی بھی لمحے شروع ہو سکتا تھا۔ ہم دونوں سنسنی اور ہیجان کے عالم میں گنگ ہو کر رہ گئے تھے۔ دنیا جہان کے موضوعات پر مختلف اوقات میں ہم اتنی بکواس کر چکے تھے کہ اپنی زندگی کے اس نازک موڑ پر ہمارے لیے ایک دوسرے سے کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں رہ گیا تھا۔ وہ میری حالت سے واقف تھا اور میں اس کی کیفیت اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔

اور پھر وہی ہوا جو ایسے اعصاب شکن لمحات میں ہوا کرتا ہے۔ سلطان شاہ نے اعصابی تناؤ سے نجات پانے کے لیے اچانک ہی غزالہ کا ذکر چھیڑ دیا اور میرے وجود میں درد کی ایک میٹھی سی لہر دوڑ گئی۔

اپنی زندگی میں نے بری بھلی جیسی بھی گزاری' اپنی مرضی کے مطابق گزاری تھی کبھی عقل میرے فیصلوں پر غالب رہی اور کبھی میں نفس کا غلام بنا رہا لیکن عیش و نشاط کی پُرشکوہ محفلوں میں سب کچھ پا کر بھی کبھی مجھے وہ خوشی نہیں ملی تھی جو غزالہ کی ایک میٹھی اور دلکش مسکراہٹ سے ملتی تھی اور بڑی بات یہ تھی کہ اس نے میرے ماضی اور حال سے واقف ہونے کے باوجود مجھے' میری ذات کی تمام اچھائیوں اور برائیوں سمیت قبول کر لیا تھا' اس قبولیت کے ساتھ ہی وہ نیک نفس لڑکی اپنی قبولیت کی ایک صلیب پر لٹکا دی گئی تھی۔ اس کا جرم یہ تھا کہ اس کا مجھ سے تعلق تھا' وہ میری چاہت تھی اور میں اس کا شیدا تھا۔ اس جرم میں وہ وطن سے بے وطن کر دی گئی۔ ماں نے بیٹی کے اندوہناک غم میں' اس کی بے خبری میں سسک سسک کر جان دے دی۔ بیٹی کی رفاقت سے محروم باپ نے بیوی کی آغوش میں فرشتۂ اجل کو براجمان دیکھا تو اپنی وفا کی وہ بے وفائی برداشت نہ کر سکا۔ اس عظیم انسان نے پے در پے صدموں سے بوکھلا کر اپنے ہاتھوں خود اپنی زندگی کا چراغ گل کر لیا۔ غضب یہ تھا کہ غزالہ اپنے گھرانے پر گزرنے والے ان جانکاہ حادثات سے یکسر بے خبر تھی۔ ویرانے سے میری مفاہمت بھی غزالہ کے مقدر کی گردش کو دور نہیں کر سکی تھی بلکہ اس کے بعد سے غزالہ مسلسل ایک جد و جہد سے گزر رہی تھی جس میں وہ بالکل اکیلی تھی اور میں اپنی پوری کوشش کے باوجود اس کے کام نہ آ سکا۔

غزالہ بھیڑیوں کے خونخوار غول میں پھنسی اپنا دفاع کر رہی تھی اور مجھ پر وہ سرزمین اس حد تک تنگ کر دی گئی تھی کہ اسے وہاں چھوڑ کر نکل بھاگنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔

جذبات کی اس شدید ذہنی لہر میں وقتی طور پر یہ فراموش کر بیٹھا کہ میں کہاں اور کن مشکل حالات سے دوچار ہوں لہٰذا میرے کان بھاری قدموں کی وہ چاپ نہ سن سکے جو لحظہ بہ لحظہ قریب آتی جا رہی تھی۔ ان آہٹوں پر میرا کوئی ردِ عمل نہ دیکھ کر سلطان شاہ نے رحمی کے ساتھ مجھے جھنجوڑ کر رکھ دیا۔

" وہ شاید اسی طرف آ رہے ہیں' ہوش میں آؤ ورنہ وہ گردن میں رسّی باندھ کر لے جائیں گے۔" اس کی ہذیانی سرگوشی نے مجھے غزالہ کے درد و کرب میں ڈوبے ہوئے تصوّر کی حسین وادیوں سے نکال کر روزالی کے اس نمناک اور نیم تاریک گودام میں لا پھینکا۔

چوبی شہتیروں پر دو آدمیوں کے قدموں کی چاپ یکایک معدوم ہو گئی۔ وہ رک گئے تھے یا معجزاتی طور پر جہاز کے پیندے میں نمودار ہونے والے کسی سوراخ سے خوف ناک موجوں کی نذر ہو گئے تھے۔ میں خوابناک ذہن کے ساتھ بس اسی قدر سوچ سکا تھا کہ آوازیں پھر قریب آنے لگیں' وہ یوں تھم تھم کر بڑھ رہے تھے جیسے گودام میں قدم رکھنے سے پہلے ہمیں سسکا سسکا کر ادھ موا کر دینا چاہتے ہوں۔

ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ شانے سے شانہ ملائے بے آواز قدموں سے سرک کر اسی دیوار سے چپک گئے جس میں سامان کے داخلے کے لیے وسیع و عریض خلا چھوڑا گیا تھا۔

آہٹیں قریب تر ہوتی چلی گئیں' پھر وہ دونوں اس قدر عجیب انداز میں گودام میں داخل ہوئے تھے کہ ہم دونوں ایک ثانیے کے لیے بھی ان کی نگاہوں سے نہ بچ سکے۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے پشت ملا کر اُلٹے یا سیدھے کے بجائے پہلو سے چلتے ہوئے یوں اندر آئے تھے کہ ایک کی نگاہیں براہِ راست ہم پر پڑی تھیں اور دوسرا داخلی خلا کے بعد والی دیوار کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ دونوں ہی پوری وردیوں میں ملبوس تھے اور ان کے ہاتھوں میں ٹامی گنیں دبی ہوئی تھیں۔ ہمیں دیکھنے والے نے

فوراً ہی ٹامی گن کا دہانہ ہماری طرف تان کر للکارا تھا "ہینڈز اپ!" دوسرا اس کے جسم کی جنبش محسوس کرتے ہی آن کی آن میں اس کے برابر آ کھڑا ہوا تھا۔ وہ ٹامی گنیں پل بھر میں ہمارے چیتھڑے اڑا سکتی تھیں اس لیے ہاتھ بلند کرنے کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں تھی۔

اپنے خدوخال اور لہجے سے وہ فرانسیسی ہی لگ رہے تھے، ان کے چہروں پر وہی پیشہ ورانہ پختگی اور سنجیدگی چھائی ہوئی تھی جو باقاعدہ فوجیوں کا طرۂ امتیاز ہوتی ہے۔ ان کا ایک ایک انداز ایسا نپا تلا تھا کہ ان پر فوجی نہ ہونے کا شبہ کیا ہی نہیں جا سکتا تھا۔ وہ دونوں چند ثانیوں تک اسی پوزیشن میں کھڑے ہم کو گھورتے رہے پھر داہنی طرف کھڑے ہوئے فوجی نے کرخت لہجے میں بولنا شروع کر دیا۔

"اپنی دونوں پنڈلیاں ننگی کرو اور دونوں ہاتھ سامنے پھیلا کر ہتھیلیاں اوپر کی طرف کھول لو۔" پہلے فوجی کی طرح وہ بھی فرنچ تھا اور انگریزی پر قادر الکلام نہ ہونے کے باوجود سپاٹ اور آسان الفاظ میں اپنا حکم صادر کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا جو میرے لیے مایوس کن ثابت ہوا تھا۔

حلیہ تبدیل کر کے اور ڈانگری پہن کر میں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ آنے والوں کے پاس نہ ہماری تصاویر ہوں گی نہ وہ ہم کو پہچان سکیں گے اور یوں بچاؤ کی ایک راہ نکل آئے گی مگر میں یہ بھول گیا تھا کہ ہمارا واسطہ جمی لائیڈ جیسے چالاک دشمن سے پڑا ہوا تھا جسے یہ معلوم تھا کہ گروپ نائین کے ایک ہرکارے کو زخمی کرتے ہوئے میری داہنی ہتھیلی پر اتنا گہرا زخم آیا ہوا تھا جو اتنی جلدی نہیں بھر سکتا تھا اور ڈیلٹا کیمپ میں ویرا کے ساتھی کی گولی سے سلطان شاہ کی پنڈلی زخمی ہونے کا واقعہ تو پچھلے دن ہی رونما ہوا تھا۔

ڈانگری کا پائنچا پلٹتے ہی جوں ہی سلطان شاہ کے زخم پر بندھی ہوئی پٹی نمودار ہوئی ایک فوجی نے دانت پیستے ہوئے فرنچ میں کچھ کہا اور ہمیں فوری طور پر ایک دوسرے سے پانچ قدم دور ہٹنے کا حکم دیا۔ اس حکم کی تعمیل ہوتے ہی وہ دونوں اپنی ٹامی گنیں تانے الگ الگ ہماری طرف بڑھے تھے۔

قریب آ کر میری ہتھیلی کا مندمل ہوتا ہوا زخم دیکھتے ہی وہ فوجی قہر آمیز لہجے میں انگریزی میں غرایا تھا "اور یہ دوسرا باسٹرڈ ہے، اب کپتان سے پوچھیں گے کہ ان دونوں کو اس کی ماں نے کب جنا تھا۔"

اس کا ایک ایک لفظ توہین آمیز اور اشتعال انگیز تھا مگر اس وقت میرے دماغ پر مایوسی کی کہر جمنا شروع ہو گئی تھی لہٰذا میں خالی الذہنی کے عالم میں اسے گھورتا رہ گیا، زبان سے کچھ نہ کہہ سکا۔

وہ دونوں تلخ اور گندی زبان میں ہدایات دے کر ہمیں لے کر اوپر عرشے پر پہنچے تو وہاں ڈیوڈ کاٹرل مجرمانہ انداز میں ہاتھ بلند کیے ریلنگ کے پاس کھڑا تھا، اس کے قریب جوناس کے علاوہ اس کا ایک اور ماتحت بھی موجود تھا، ان تینوں کو ایک تیسرے فوجی نے اپنی خودکار گن کی زد پر لیا ہوا تھا، اس فوجی کے پیچھے وردی میں ملبوس ایک ادھیڑ عمر شخص موجود تھا جو وردی پر لگے ہوئے نشانات اور اپنے افسرانہ انداز کے باعث ان تینوں کا کمانڈر نظر آ رہا تھا۔ ہمیں ڈیوڈ اور اس کے ماتحتوں کی طرف دھکیل کر ہمیں لانے والوں میں سے ایک نے فرنچ میں اپنے کمانڈر کو ہمارے بارے میں اپنی کارگزاری سے آگاہ کرنا شروع کر دیا، اس اثنا میں میری اور ڈیوڈ کی نگاہیں چار ہوئیں تو اس کا چہرہ زرد پڑا ہوا تھا۔ ہمیں بچانے کی کوششوں میں ناکامی کے بعد اسے ہمارے نامعلوم انجام کا ملال تھا اور وہ خود اپنے انجام سے بے خبر تھا۔

"تم کتیا کے بچے۔" فوجی کے خاموش ہوتے ہی کمانڈر ڈیوڈ کاٹرل پر انگریزی میں برس پڑا "تم تو ان کے وجود سے انکاری تھے پھر اب یہ کس کی کوکھ سے نکلے ہیں؟"

"مجھے کچھ نہیں معلوم، یہ میری بے خبری میں جہاز پر چڑھے ہوں گے۔" ڈیوڈ نے کمزور لہجے میں اپنا دفاع کیا۔

"بے خبری؟" کمانڈر غصیلے لہجے میں دہاڑا اور اشتعال کے عالم میں اس نے اپنے بغلی ہولسٹر سے پستول نکال کر ڈیوڈ کی کھوپڑی پر گولیاں برسانا شروع کر دیں "تو چلو ہمیشہ کے لیے بے خبری کے جہنم میں جاؤ۔"

پہلی گولی خطا ہوئی، دوسری ڈیوڈ کی پیشانی میں اتر گئی تیسری اس کی بائیں آنکھ کو بھیانک غار میں بدلتی ہوئی کاسۂ سر میں کہیں معدوم ہو گئی اور ڈیوڈ کے قدم اکھڑ گئے وہ ایک کربناک چیخ کے ساتھ عرشے کی ریلنگ سے ہوتا ہوا سمندر کی سفاک موجوں میں پُرشور چھپاکے کے ساتھ جا گرا۔ اس کے ریلنگ پر سے سمندر میں گرتے گرتے بھی کمانڈر نے مزید دو گولیاں اس کے دم توڑتے ہوئے بدن میں اتار دی تھیں۔

چند ثانیوں کے لیے عرشے کی فضا پر موت کا سناٹا چھا گیا۔ کہر آلود فضا میں بارود کا دھواں جگہ جگہ انگڑائیاں لے رہا تھا لیکن سب مُہر بہ لب تھے۔ کمانڈر کی دیوانگی دیکھتے ہوئے کوئی بھی اس کی بربریت پر احتجاج کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ آخر اس

موت کو کمانڈر ہی نے اپنے ماتحتوں سے مخاطب ہو کر توڑا۔ اس بار بھی وہ فرنچ بول رہا تھا لیکن یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی خارش زدہ کتا اپنے زخموں میں لگی ہوئی جونکوں سے پریشان ہو کر بلبلا رہا ہو۔

ایک فوجی ہم تمام قیدیوں پر ٹامی گن تانے رہا، دوسرا واکی ٹاکی پر کسی سے بات کرنے میں مصروف ہو گیا اور تیسرا جہاز کے قریب سمندر میں ٹھہری ہوئی گن بوٹ والوں سے کچھ کہنے لگا۔

مجھے ڈیوڈ کی موت کا بڑا قلق تھا۔ وہ بالکل بے گناہ مارا گیا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ بنیادی طور پر قانون کی پاسداری کرنے والا ایک شریف انسان تھا جو ایک مغلوب الغضب درندے کا شکار ہو گیا تھا۔ اگر وہ واقعی فوجی افسر تھا تو اسے انسانوں کی غیر قانونی نقل و حمل کے جرم میں کسی کو گولی مارنے کا کوئی اختیار نہیں تھا لیکن انھوں نے زخموں کی بنا پر ہم دونوں کو شناخت کر کے خود ہی اپنے کامیاب ڈرامے کا بھانڈا پھوڑ دیا تھا۔

اپنی تمام تر تربیت اور رکھ رکھاؤ کے باوجود وہ کسی طرح بھی پیشہ ور فوجی نہیں تھے کیوں کہ دنیا کے کسی بھی خطے میں فوجیوں کو محاذ سے دور درندگی دکھانے کی تربیت نہیں دی جاتی جب کہ محاذ پر یہی درندگی اور بے رحمی شجاعت کی حسین اور فکر انگیز کہانیوں کا عنوان بن جاتی ہے۔

میں نے دل ہی دل میں عہد کیا کہ اگر ذرا بھی موقع مل گیا تو میں اس کمانڈر سے ڈیوڈ کی موت کا انتقام ضرور لوں گا خواہ اس کے لیے مجھے ایک بار فرانس کا سفر ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

دن کے مقابلے میں اس وقت سردی زیادہ شدید تھی۔ کچھ ہوائیں بھی چل رہی تھیں لیکن روح فرسا واقعات کی تیزی نے موسم کی شدت کے احساس کو بالکل ہی سلب کر لیا تھا۔ البتہ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ کمانڈر اب عرشے پر کیوں رکا ہوا تھا۔ بظاہر تو ہماری گرفتاری کے بعد اس کا مقصد حاصل ہو گیا تھا اور اسے وقت ضائع کیے بغیر روانہ ہو جانا چاہیے تھا۔

چند منٹ بعد عرشے پر ایک سمت سے مزید دو انسانی ہیولے ابھرے اور پتا چلا کہ وہ دونوں بھی نوواردوں کی ٹولی سے تعلق رکھتے تھے۔ اس دوران میں ایک تیسرا فوجی رسّے کی مدد سے ایک مضبوط آہنی صندوق عرشے پر کھینچ چکا تھا۔ نئے آنے والوں نے کمانڈر کو مختصر سی رپورٹ دینے کے بعد صندوق والے کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا اور وہ تینوں صندوق لے کر ایک بار پھر چکردار نچلے زینوں کے کنوئیں میں غائب ہو گئے۔

"یہ صندوق ریموٹ کنٹرولڈ بم ہے جو اس جہاز کی تباہی اور غرقابی کے لیے کافی ہے۔" کمانڈر نے جوناس اور اس کے ساتھی سے مخاطب ہو کر کہنا شروع کیا "اس کا کنٹرول یونٹ ہمارے پاس ہے اور بم ہم جہاز کی تہ میں لگا کر جا رہے ہیں تاکہ مجرموں کے ساتھ ہماری واپسی پر تم کوئی شرارت نہ کر سکو۔ میرے آدمیوں نے رپورٹ دی ہے کہ جہاز پر کہیں بھی اسلحہ کی موجودگی کے آثار نہیں ملے، یہ بات تمھارے حق میں بہت اچھی ہے، اگر واپسی پر ہم کو نہ چھیڑا گیا تو یہ بم یوں ہی پڑا رہے گا، تم کہیں بھی اسے گہرے سمندر میں پھینک دینا لیکن ہمارے ساتھ ذرا بھی شرارت ہوئی تو عملے سمیت جہاز کا ملبہ منٹوں میں سمندر کی تہ میں پہنچا دیا جائے گا۔"

"ہم قانون کا احترام کرتے ہیں۔" جوناس نے خوف زدہ اور ہکلائی ہوئی آواز میں کہا "ہم کوئی شرارت نہیں کریں گے، خدا کے لیے یہ تباہ کن بم یہاں نہ چھوڑو۔"

قریب ہی لگی ہوئی زرد فاگ لائٹ کے انعکاس میں کمانڈر کے پتلے پتلے ہونٹوں پر سفاکانہ مسکراہٹ پھیل گئی "یہ یقین کر لو کہ وہ بم ان دونوں قیدیوں سے کم خطرناک ہیں، جنھیں ہم ساتھ لے جا رہے ہیں۔ جب تم نے انھیں پناہ دی ہوئی تھی تو کچھ دیر بم کو بھی برداشت کرو۔" اس کا لہجہ زہریلا تھا۔

جوناس خوف سے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

"بم پھٹے یا نہ پھٹے، اس کی موجودگی کے انکشاف کے ساتھ ہی ہمارے عملے میں سراسیمگی پھیل جائے گی، ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ خوفناک لہروں اور شارک مچھلیوں کی پروا کیے بغیر سمندر میں چھلانگ لگا دیں۔" جوناس کے ساتھی نے سہمی ہوئی آواز میں فریاد کی جو اس پر اثر انداز نہ ہو سکی۔

ترحم آمیز رویے کے بجائے اس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر ہلکا سا کھچاؤ نمودار ہوا تھا جیسے وہ ملاحوں میں پھیلنے والے خوف اور ہراس کا تصور کر کے دل ہی دل میں خوش ہو رہا ہو پھر وہ سپاٹ لہجے میں بولا تھا "جن کی موت آ گئی ہے انھیں دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکے گی، وہ ہر خطرے کو نظر انداز کر کے ضرور خودکشی کی اندھی کوشش کریں گے لیکن تم دونوں کا رول بہت اہم ہو گا، تم انھیں جہاز پر بارودی ڈھیر کی موجودگی سے کیوں آگاہ کرنا چاہتے ہو؟ کیا تمھیں اپنے آدمیوں پر اعتماد نہیں رہا ہے؟"

چند ثانیوں کے لیے وہ سٹپٹا گئے جیسے ان سے کمانڈر کے سوالات کے جواب نہ بن پا رہے ہوں پھر جوناس نے ہی سنبھالا لیا تھا "ہمیں کچھ نہیں معلوم کہ اب کیا کرنا ہو گا۔ ان سب سے کام لینے والا اپنی بدقسمتی سے تمھارے ہاتھوں موت

کے گھاٹ اُتر چکا ہے۔"

"وہ اَب تک اپنے لباس سمیت خونخوار مچھلیوں کی خوراک بن چکا ہوگا۔ اسے بھولنے کی کوشش کرو۔ ماضی سے رشتہ برقرار رکھ کر کوئی زیادہ دیر نہیں جی سکتا۔" وہ منہ بنا کر بے پروائی کے ساتھ بولا۔ "مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا ورنہ آج دنیا کی آبادی اتنی نہ بڑھی ہوتی۔"

"ہم دونوں....." میں نے زبان کھولی ہی تھی کہ اس نے ہاتھ اٹھا کر سخت لہجے میں میری بات کاٹ دی اور کسی قدر استہزائیہ لہجے میں بولا۔

"تم سے بوٹ پر بات ہوگی۔ فی الحال تم دونوں اپنی زبانیں بند رکھو گے۔ فرصت اور انتظار کے ان لمحات میں مجھے ان تینوں کا دُکھ بانٹنے دو جن کا باپ ابھی سمندر کی بھینٹ چڑھا ہے۔"

اور میں نے سختی کے ساتھ اس کی ہدایت پر عمل کرنے کا فیصلہ کرلیا کیوں کہ وہ سرپھرا کسی بھی لمحے ہم کو بھی اپنے تشدد کا نشانہ بنا سکتا تھا کیوں کہ اس کے اصل شکار ہم دونوں ہی تھے، باقی لوگوں سے تو وہ بس اپنا دل بہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"سفر جاری رکھنا چاہو یا واپس لوٹو، یہ تمھاری مرضی پر منحصر ہوگا۔" کمانڈر ان سے کہہ رہا تھا۔ "بس یہ یاد رکھنا کہ اب تم ساحل یا کسی اور جہاز سے رہنمائی نہ لے سکو گے کیوں کہ تمھارے ریڈیو روم کے بعض اہم پُرزے ناکارہ بنا دیے گئے ہیں اور تمھیں اپنے سفر کے باقی حصّے کے لیے صرف اور صرف اپنے آلات پر انحصار کرنا ہوگا۔ یہ اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ تم جمہوریۂ فرانس کے بحری محافظوں کے خلاف اپنے نامعلوم حمایتیوں سے مدد طلب نہ کرسکو۔"

ان دونوں کے چہرے تاریک پڑ گئے جیسے وہ خبر ان کے لیے سب سے زیادہ منحوس رہی ہو۔ خوف ناک کھلے سمندر میں ریڈیائی آلات کی مدد کے بغیر سفر کرنا بالکل ایسا ہی تھا جیسے کسی اندھے شخص کو کسی پُرہجوم شاہراہ پر ٹریفک کی بھیڑ میں چھوڑ دیا جائے۔

اسی وقت بارودی صندوق لے جانے والے تینوں سپاہی خالی ہاتھ عرشے پر واپس لوٹ آئے۔ کمانڈر نے ان سے چند فقروں کا تبادلہ کیا اور دو سپاہی اپنی ٹامی گنیں شانوں سے لٹکا کر رسّوں کی سیڑھی کے ذریعے گن بوٹ پر اُترنے لگے۔

ان کے اُتر جانے کے بعد کمانڈر نے مجھے اور سلطان شاہ کو روزالی چھوڑنے کا حکم دیا۔ سیڑھی کی طرف بڑھتے ہوئے میری اور جوناس کی نگاہیں چار ہوئیں تو اس کی آنکھوں میں ہمارے لیے ترحم اور افسوس کے جذبات صاف پڑھے جاسکتے تھے جب کہ میرا دل ان کی بدنصیبی پر رو رہا تھا لیکن یہ قدرت ہی کو معلوم تھا کہ ہم میں سے کون زیادہ اور کون کم مظلوم ہونے والا تھا۔

گن بوٹ ایک چھوٹے سے جہاز سے کم نہیں تھی گو روزالی کے مقابلے میں اس کا عرشہ بہت مختصر تھا جس کا بیشتر حصّہ خوف ناک گن نے گھیرا ہوا تھا مگر عرشے سے نیچے جانے والے زینوں پر یہ ضرور ظاہر ہو رہا تھا کہ بوٹ پر زیادہ نہیں تو کم از کم دو منزلیں ضرور تھیں۔ گن کا وزن اور گن فائر کی طاقتور تھرتھراہٹ سنبھالنے کے لیے اس جنگی کشتی کی وہ ساخت زیادہ تحیر خیز نہیں تھی۔

گن بوٹ کا دھیمی آواز والا انجن بیدار تھا اور روزالی سے اترنے والے دو فوجیوں کے علاوہ عرشے پر مزید دو سادہ پوش مسلح افراد ہمارے استقبال کے لیے تیار تھے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ کمانڈر سمیت گن بوٹ پر گل نفری انھی سات نفوس پر مشتمل تھی جن میں سے تین ابھی روزالی پر تھے اور شاید مزید دو تین آدمی گن بوٹ کی نیویگیشن میں رہے ہوں گے۔

دونوں سادہ پوش ہمیں ٹامی گنوں سے کور کرکے فوراً ہی عرشے سے ہٹا لے گئے۔ نچلی منزل پر اُترتے ہی اس گن بوٹ کی نفیس ترین تزئین و آرائش اور راہداری میں پڑے ہوئے دبیز قالین دیکھ کر میں یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ فرانس کی بحریہ اپنے فرائضِ منصبی کو بھول کر عیش کوشی میں مبتلا ہو چکی تھی اور زندگی کے اس روپ کے رسیا رنگین بزم آرائیاں تو بڑی دھوم سے کرسکتے تھے لیکن اپنے کمزور ترین حریف کے خلاف بھی رزم آرا ہونا ان کی فطرت اور مزاج کے بالکل خلاف ہوتا۔

گن کا ڈھانچا اس منزل پر بھی خاصی جگہ گھیرے ہوئے تھا اور باقی جگہ میں راہداری کے دونوں طرف آٹھ وسیع کیبنوں کے دروازے نظر آ رہے تھے۔ وہ دونوں ہمیں انھی میں سے ایک کیبن میں لے گئے جہاں فرش پر پڑے ہوئے دبیز قالین اور منقش وال پیپر سے آراستہ سپاٹ دیواروں کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ بغلی دیوار میں نظر آنے والا دروازہ شاید ملحقہ باتھ روم کا تھا۔

میرا خیال تھا کہ ہمارے پیچھے وہ دونوں سادہ پوش بھی اندر آئیں گے لیکن میں دروازہ بند ہونے کی ہلکی سی آواز سُن کر مڑا تو کیبن میں میرے اور سلطان شاہ کے سوا کوئی تیسرا نہیں تھا اور اندر کے رُخ پر دروازہ بھی دیواروں کی طرح بالکل سپاٹ تھا۔ اس میں کوئی ہینڈل یا دستہ تک نہیں تھا جس کی مدد سے دروازے کو اندر کی طرف کھولا جاسکتا جس کا مطلب تھا کہ وہ اس مختصر سے بحری یونٹ کا قید خانہ تھا جو اب ہمارا مقدر بن گیا تھا۔

"سب کچھ چوپٹ ہوگیا۔" سلطان شاہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ فرانس کی بحریہ کو ہماری تلاش کیوں ہے؟"

"یہ سب ڈھکوسلا معلوم ہوتا ہے۔" میں نے آہستگی کے ساتھ کہا۔ "انھوں نے روزالی پر دھاوا بولنے کے لیے بحری فوج کی وردیاں اور نشانات ضرور استعمال کیے ہیں لیکن اس گن بوٹ کے شاہانہ ٹھاٹ باٹ سخت فوجی زندگی سے ذرا بھی میل..... نہیں کھاتے....."

"تم آرمی سے مقابلہ کر رہے ہو، نیوی والے تو شاید ہر جگہ تھوڑی سی بہتر زندگی گزارتے ہیں۔"

"سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انھوں نے ہمیں ناموں یا چہروں کے بجائے ہمارے زخموں سے پہچانا ہے اور یہ معلومات صرف شی والے ہی فراہم کرسکتے تھے... تھوڑی دیر صبر کرو، سب کچھ سامنے آجائے گا۔"

سلطان شاہ سر جھٹک کر باتھ روم کی طرف چلا گیا اور میرا ذہن ایک بار پھر ڈیوڈ کاٹرل کی طرف چلا گیا۔

اسے جس قدر بھیانک اور لاتعلقانہ انداز میں ٹھکانے لگایا گیا تھا، وہ میرے نزدیک ناقابلِ معافی تھا۔ کمانڈر نے یہ بھی جاننے کی کوشش نہیں کی تھی کہ ڈیوڈ سمندر میں گر کر مرا تھا یا مر کر گرا تھا۔ اسے ایک بے جان پتھر کی طرح سمندر میں لڑھکا کر بھلا دیا گیا تھا۔

ڈیوڈ نوجوان نہیں تو اتنا عمر رسیدہ بھی نہیں تھا۔ چند گھنٹوں کی رفاقت میں اس ضدی مگر محنتی جہازراں نے میرے دل میں اپنے لیے ایک خاص مقام پیدا کرلیا تھا۔ اسے اسٹیورٹ سلائٹ نے خاص طور پر اس بحری سفر کے لیے چنا تھا اور ڈیوڈ بھی یہی سوچ رہا تھا کہ وہ سمندر کے سینے پر روزالی کے آخری سفر کی کمان کر رہا تھا لیکن روزالی کا آخری سفر مکمل ہونے سے پہلے ہی ڈیوڈ کی زندگی کا چراغ بے رحمی کے ساتھ گل کر دیا گیا تھا۔ وہ جب تک زندہ رہا، پوری شان کے ساتھ، اپنی مرضی کے مطابق سمندروں کو پامال کرتا رہا اور موت کے بعد بھی اس کے بے گور و کفن جسدِ خاکی کو سمندر کی لہروں نے اپنی آغوش میں لے لیا تھا.......... شاید سمندر کی سبک خرام موجیں لمحہ بہ لمحہ اسے کسی انجان ساحل کی طرف لے جا رہی تھیں جہاں تک اگر وہ مچھلیوں کی خوراک بننے سے محفوظ رہتا تو ایک گمنام لاش کی حیثیت سے کہیں دبا دیا جاتا۔

میرا خیال تھا کہ ہم دونوں کی تلاش میں شی والوں نے فرانس کی بحری فوج کی آڑ لے کر ایک بہت بڑی غلطی کی تھی۔ ان کی پُرشکوہ گن بوٹ سے ظاہر ہوگیا تھا کہ وہ ان سمندری علاقوں میں عرصۂ دراز سے فعال تھے اور شاید قریبی ممالک بھی اپنے قرب و جوار میں ان کی سرگرمیوں سے لاعلم تھے لیکن روزالی کے واقعے کی خبر پھیلتے ہی تحقیقات کے نتیجے میں یہ بات سامنے آتی کہ فرانس کے کسی بحری یونٹ نے روزالی کا رُخ نہیں کیا تھا تو لامحالہ فرانس اور ساتھ ہی برطانیہ کو ان بحری مجرموں کی فکر لاحق ہو جاتی جو اُن کی سمندری حدود سے آگے بین الاقوامی سمندر میں اپنی بالادستی قائم کرچکے تھے، اس طرح شی کی بحری سرگرمیوں پر براہِ راست زد پڑ سکتی تھی۔

کمانڈر نے روزالی کے ریڈیو روم کے اہم پُرزوں کو ناکارہ بنا کر یہ بندوبست تو کرلیا تھا کہ وہ لوگ فوری طور پر گن بوٹ کے بارے میں کسی کو کوئی پیغام نہ دے سکیں لیکن یہ امر یقینی تھا کہ جلد یا بدیر روزالی والوں کو کہیں نہ کہیں سے مدد مل سکتی تھی یا وہ سمندری خطرات سے بچتے ہوئے کسی ساحل پر لنگر انداز ہوسکتے تھے۔ ایک بار ان کا خشکی سے رابطہ قائم ہو جاتا تو ڈیوڈ کی موت کے ساتھ ہی گن بوٹ والوں کی چیرہ دستیوں کی کہانی علاقائی حکام تک پہنچ جاتی اور بڑے پیمانے پر ان کی تلاش کی مہم کا آغاز ہو جاتا۔

اس موازنے سے یہ ظاہر ہو جاتا تھا کہ وہ ہر خطرہ مول لے کر ہماری گرفتاری پر تل گئے تھے اور اس مقصد کے حصول کے لیے تھوڑی سی مدت کے لیے اپنے بعض مفادات سے دستبردار ہونے کے لیے تیار تھے۔ روزالی پر ڈیوڈ کے کیبن میں جمی لائیڈ کی تصویر دریافت ہونے سے اس وقت واقعات جس تسلسل سے رونما ہوتے تھے، ان کی بنا پر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی تھی کہ جہاز رانی کی دنیا کا ایک معتبر نام ہی شی کی سربراہی کر رہا تھا اور یہ ایک ایسا ہولناک راز تھا جس سے روئے زمین پر میرے اور سلطان شاہ کے علاوہ شاید کوئی تیسرا واقف نہیں تھا۔

ہم جمی لائیڈ پر محض الزام ہی عائد کرسکتے تھے لیکن اس کی دوہری زندگی کے بارے میں کوئی ٹھوس ثبوت فراہم کرنا ہمارے بس سے باہر تھا۔ پیٹرانج کے بارے میں ویرا کے سامنے زبان کھول کر میں نے دیکھ لیا تھا کہ اس نے میرے مشاہدے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ جب کہ میرے یقین کے مطابق پیٹرانج اور جمی لائیڈ ایک ہی شخصیت کے دو نام تھے اور امی فرانسس جو اس امر کی واحد گواہ تھی، اسے جمی لائیڈ نے ایک حادثے کی آڑ میں قتل کرا دیا تھا۔ اس کا ہر کام اتنا مکمل اور بھرپور ہوتا تھا کہ اسے کہیں بھی غلط ثابت کرنے میں دانتوں پسینہ آسکتا تھا۔

میں ان ہی خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک کیبن کا

دروازہ کھلا اور کمانڈر ایک مسلح سادہ پوش کے ساتھ اندر آ گیا۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں کسی عقاب جیسی چمک تھی جس نے دور کسی شکار کو بھانپ لیا ہو۔

"جسے ہم پکڑنا چاہیں، وہ روئے زمین پر کہیں بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔" اس نے پُرغرور لہجے میں ہرزہ سرائی شروع کر دی۔ "تم نے دیکھا کہ ہم نے کتنی آسانی کے ساتھ تمھیں کابک میں دبکے ہوئے کبوتروں کی طرح پکڑ لیا۔"

"لیکن ابھی تک ہمیں ہمارا جرم نہیں بتایا گیا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "روزالی پر تم اتنے مشتعل نظر آ رہے تھے کہ میں نے تم سے کوئی سوال کرنا مناسب نہیں سمجھا۔" اسی لمحے سلطان شاہ باتھ روم سے باہر آ گیا۔

"میرا خیال ہے کہ سب کچھ بہت واضح ہے۔ کسی کے کچھ بتائے بغیر تم کو معاملے کی تہ تک پہنچ جانا چاہیے۔" اس نے جیب سے ایک سگار نکال کر اس کا گوشہ توڑا اور اسے سلگانے میں مصروف ہو گیا۔

"ہمارے دشمنوں کی تعداد کافی ہے۔" میں نے تجاہل عارفانہ سے کام لینے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ فرانس کے قانون کو ہم سے کیا پرخاش ہے جو ہماری گرفتاری کے لیے اس کی بحری فوج کے ایک یونٹ کو غیر معمولی انداز میں یہ کارروائی کرنا پڑی۔"

اس نے بہت بُرا سا منہ بنایا تھا۔ "تمھارے بارے میں جو کچھ سُنا تھا، اس کی روشنی میں مَیں تم کو اتنا ڈفر نہیں سمجھ رہا تھا۔ تم تو عقل سے بالکل کورے معلوم ہوتے ہو۔"

"تو کیا تمھارا تعلق بحری فوج سے نہیں ہے؟" میں نے چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے سوال کیا۔

"بحری فوج کھُلے سمندر میں روزالی کی تلاشی لینے کے بجائے پورے جہاز کو کسی قریبی بندرگاہ پر لے جا کر ضابطے کے مطابق کارروائی کرتی ہے۔ ہم لوگ قانون کی ہر عمل داری سے آزاد ہیں۔ جہاں، جو کچھ دل میں آتا ہے، طاقت کے بل پر کر گزرتے ہیں۔ تمھاری زخمی ہتھیلی سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ تمھارا نام ڈینی ہے؟"

آخری فقرہ اس نے تصدیق طلب لہجے میں کہا تھا۔ میں نے اثبات میں اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اگر تم اسی حد تک طاقت کے پجاری ہو تو شاید تمھارا تعلق صنفِ نازک سے ہو۔"

"بکواس مت کرو۔" وہ ایک دم غرّایا۔ غصّے سے اس کا چہرہ سُرخ ہو گیا تھا۔ "میں بدتمیزی برداشت کرنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"معاف کرنا کمانڈر! تم میری بات نہیں سمجھ سکے۔" میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ "میرا اشارہ شی کی طرف تھا۔ اس وقت شاید وہی سب سے زیادہ منظم اور طاقتور گروپ ہے۔ کوئی اور یوں کھلے عام فوجی وردیاں استعمال کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ مجھے اعتراف ہے کہ تمھاری مکمل اداکاری مجھے اب تک حقیقت سے بے خبر رکھنے میں کامیاب رہی۔"

"اس کے بغیر روزالی کو لنگر انداز کرانا مشکل تھا اور ہم کوئی جانی نقصان اٹھائے بغیر اس مہم کو سر کرنا چاہتے تھے۔" وہ سگار کے کثیف دُھویں کے مرغولے اگلتے ہوئے بولا۔ "لیکن ہماری مہم ابھی مکمل نہیں ہوئی۔ تم میرے ساتھ آؤ تو میں تمھیں ایک تماشا دکھاؤں گا۔"

مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے مجھے کسی دعوت کے قابل سمجھا تھا۔ میں فوراً ہی اس کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گیا۔ "کیا میں اپنے ساتھی کو بھی لے لوں؟"

"اس کی ضرورت نہیں۔" وہ سلطان شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں بولا۔ "یہ تو محض ایک روبوٹ ہے جو تمھارے دیے گئے احکام کی تعمیل کرتا رہتا ہے۔ اصل بات تم ہی سمجھ سکو گے۔"

سلطان شاہ کو اسی کیبن میں مقفل کر کے ہم تینوں باہر نکل گئے۔ نقلی فوجی کمانڈر مجھ سے آگے تھا اور سادہ پوش مسلح شخص پیچھے چلا آ رہا تھا۔

ویران عرشے پر پہنچ کر میں نے چاروں طرف دیکھ ڈالا۔ لیکن گہری دھند میں روزالی کا کہیں پتا نہیں تھا۔ شاید کارروائی کی تکمیل کے بعد گن بوٹ تیزی کے ساتھ حرکت میں آ کر روزالی سے کافی دور آ چکی تھی۔ دوسری حیرت ناک بات یہ تھی کہ عرشے پر گن کی نال کہیں نظر نہیں آ رہی تھی اور عرشے پر پھیلے ہوئے گن کے ڈھانچے نے اس وقت دھات کے ایک گنبد کی صورت اختیار کر لی تھی جس پر کسی بھی طرح گن ہونے کا شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

"یہ فولڈنگ گن ہے۔" میری حیرت بھانپ کر کمانڈر فخریہ لہجے میں بولا۔ "اپنے سائز اور رینج میں یہ دنیا کی سب سے مہنگی گن ہے جس کا نشانہ کم ہی خطا ہوتا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے آہنی گنبد کے کسی حصّے کو چھیڑا اور فوراً ہی عرشے سے چند انچ کی بلندی پر ایک اتنا بڑا خلا پیدا ہو گیا جس میں سے ایک آدمی اندر داخل ہو سکتا تھا۔ پہل کمانڈر نے کی اور جب میں اسی خلا سے گزر کر اندر پہنچا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں کسی فولادی دمدمے میں آ گیا ہوں۔

اس تنگ جگہ میں پہلو بہ پہلو دو کرسیوں کے سامنے ایک پیچیدہ الیکٹرانک پینل موجود تھا جس میں دو اسکرینیں بھی لگی ہوئی

نہیں۔ میں حیرت سے ان تمام چیزوں کا جائزہ لے رہا تھا کہ کمانڈر نے پینل کے اوپر نصب ٹیلی اسکوپ کے آئی پیس سے آنکھ لگا دی اور ہولے ہولے ٹیلی اسکوپ کو نیچے اوپر اور دائیں بائیں گھمانے لگا۔ اس آلے کا دوسرا سرا آہنی دمدمے سے باہر نکلا ہوا تھا اور اسی نکتے کے سہارے پورے آلے کو کسی بھی طرف گھمایا جا سکتا تھا۔

اس وقت میں.... کمانڈر پر حملہ کر کے اسے بہ آسانی زیر کر سکتا تھا کیوں کہ وہ ٹیلی اسکوپ پر کسی خاص نشانے کی تلاش میں منہمک تھا لیکن اسی وقت سادہ پوش شخص نے فولادی گنبد کے خلا سے کھنکار کر مجھے اپنی موجودگی کا احساس دلا دیا۔ اس کی ٹامی گن کی نال خلا میں موجود تھی اور وہ خود عرشے پر بیٹھا میری طرف نگراں تھا۔

"یہ اس گن کا آٹو فائرنگ کنٹرول ہے۔" آخر کار وہ ٹیلی اسکوپ سے ہٹتے ہوئے بولا۔ "اس کے مانیٹرنگ یونٹ پر ٹیلی اسکوپ کے ذریعے ایک بار نشانے کا تعین کر دیا جائے تو خودکار نظام کے تحت گن موزوں ترین سمت اور زاویے سے اس وقت تک لگاتار فائر کرتی رہتی ہے جب تک نشانہ نیست و نابود نہ ہو جائے۔"

"اور اب تم شاید گن کی اسی صلاحیت کا مظاہرہ کرنے والے ہو؟" میں نے اپنے وجود میں بیک وقت ہزاروں چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس کیں۔

"تم اتنے بھی اہم نہیں ہو کہ تمھارے لیے اس گن کو بیدار کیا جائے۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "تم ٹیلی اسکوپ میں دیکھو، میں ابھی ایک تماشا دکھانے والا ہوں۔"

میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ ٹیلی اسکوپ سے آنکھ لگا دی۔ فوری طور باہر پھیلی ہوئی گہری دُھند میں مجھے چند زرد دھبّوں کے سوا کچھ نظر نہ آیا لیکن کمانڈر نے جو اہتمام کیا تھا اُس کے مطابق کچھ نہ کچھ نظر آنا لازمی تھا لہٰذا میں اپنے بصری عضلات پر زور ڈالنے لگا۔ زرد روشنیوں کے گرد ایسی علامات دیکھنے میں کامیاب ہو گیا جن کی بنا پر یہ اندازہ کیا جا سکتا تھا کہ وہ کوئی جہاز تھا جو ٹیلی اسکوپ پر آہستہ آہستہ بائیں طرف سرکتا محسوس ہو رہا تھا۔

"یہ.... یہ تو کوئی جہاز معلوم ہوتا ہے۔" میں نے اضطراری لہجے میں کہا۔ اس وقت مجھے اپنا حلق خشک ہوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"ابھی نظر آ رہا ہے نا؟" اس نے سوال کیا اور میری تائید پر پھر بولا۔ "بس اسے غور سے دیکھتے رہو۔"

ابھی چند سیکنڈ بھی نہیں گزرے تھے کہ اچانک آگ اور دھوئیں کے ایک ہولناک طوفان میں سب کچھ غائب ہو گیا۔ ٹیلی اسکوپ پر سمندر کے وسط میں نظر آنے والا وہ منظر بہت بھیانک تھا۔

"وہ روزالی تو نہیں تھا؟" میں نے ٹیلی اسکوپ سے آنکھ ہٹا کر امید و بیم کے عالم میں اس سے سوال کیا۔

"خوب پہچانا۔" وہ میری تشویش سے لطف اندوز ہوتے ہوئے قہقہہ مار کر بولا۔ "اس وقت ہمارے گرد و پیش میں بس وہی ایک جہاز موجود تھا۔"

"اور تم نے اس پر فائر کر دیا؟" میں نے دہشت اور بے یقینی کے عالم میں سوال کیا۔

اس نے اپنا سر نفی میں ہلاتے ہوئے اپنے بائیں ہاتھ میں دبی ہوئی پلاسٹک کی ایک ڈبیا میری طرف اُچھال دی۔ "یہ روزالی میں لگائے گئے بم کا ریموٹ کنٹرول تھا۔ اسے آپریٹ کرتے ہی وہ سب ہزاروں مشکلات سے آزاد ہو گئے۔ ایسی سہل موت خوش نصیبوں کو ہی ملتی ہے۔"

میرے ہاتھ پیر یکلخت ٹھنڈے پڑ گئے، کنپٹیاں چٹخنے لگیں اور یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے وجود سے ساری طاقت سلب کر لی ہو۔ اس شخص نے اپنی انگلی کے ذرا سے اشارے سے پچیس تیس آدمیوں سمیت روزالی کو تباہ کر دیا تھا۔ میرا دماغ ماؤف ہو کر رہ گیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس خون آشام درندے سے کیا سلوک کروں جو اذیت رسانی کے کسی ہولناک ذہنی عارضے میں مبتلا نظر آ رہا تھا۔

اسے جو کرنا تھا، وہ کر گزرا تھا اور اس سے اس موضوع پر بات کرنا اسے مزید خونریزی کی طرف مائل کرنے کے مترادف ہوتا لہٰذا میں نے زبان سے ایک لفظ بھی نکالے بغیر اضطراری طور پر اپنی آنکھ ٹیلی اسکوپ سے لگا دی۔

سامنے پورے عدسے کی گولائی میں یکساں دُھند ہی دُھند نظر آ رہی تھی اور کچھ بھی نہ تھا جس کا مطلب تھا کہ یا تو روزالی اپنے بدنصیب عملے سمیت غرقاب ہو چکا تھا یا گن بوٹ کی سمت تبدیل ہونے سے جائے حادثہ ٹیلی اسکوپ کی زد سے نکل گئی تھی۔

"اب میری مہم مکمل ہوئی، چلو باہر نکلو۔" اس نے سگار کا ایک گہرا کش لیتے ہوئے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "تمھیں یہ منظر دکھانا ضروری تھا تاکہ تم اپنے مستقبل کے بارے میں کسی خوش فہمی کا شکار نہ رہو۔"

"مجھے اب بھی یقین نہیں آ رہا کہ تم نے ان سب کو اتنے اطمینان اور بے رحمی سے مار ڈالا، وہ بے چارے بھلا میرے لیے کیا کر سکتے تھے؟" میں نے تاسّف آمیز بوجھل لہجے میں کہا۔

"سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اب اس علاقے میں ہماری موجودگی کا راز فاش نہیں ہو گا۔" اس نے براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ زندہ بچ جاتے تو پورے یورپ میں

سیکڑوں پُراسرار کہانیاں پھیلنے لگتیں جن میں ہماری مداخلت سے ڈیوڈ کے قتل تک کی بازگشت سنائی دیتی مگر اب بدنصیب روزالی کے ساتھ کسی مہلک اتفاقی حادثے کے علاوہ کچھ بھی نہیں سوچا جاسکتا۔ جس مقام پر روزالی غرق ہوا ہے، وہاں سمندر اس قدر گہرا ہے کہ کوئی بھی جہاز کے ملبے تک نہ پہنچ سکے گا اور ہمارا راز ہمیشہ سمندر کے سینے میں دفن رہے گا۔"

وہ خاموش ہوا تو میں توپ کے سوائیول بیس کے نیچے بنے ہوئے فولادی دمدمے سے باہر آگیا اور ہم تینوں ایک بار پھر کیبن کی طرف ہولیے۔ اس وقت میرا دل روزالی والوں کی ناگہانی اجتماعی موت پر خون کے آنسو رو رہا تھا اور میں اپنے دور کے اس سفاک ترین انسان سے انتقام لینے کے امکانات پر غور کر رہا تھا۔

اس وقت اسے ہر اعتبار سے ہم پر بالادستی حاصل تھی۔ اور ہم اپنی خواہشات کے برعکس اس کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور تھے بظاہر دور دور تک ایسا کوئی امکان نظر نہیں آرہا تھا جس کی بنا پر صورتِ حال میں کسی نمایاں تبدیلی کی امید کی جاسکتی۔

ہم تینوں خاموشی کے ساتھ اسی کیبن میں واپس پہنچے تو وہاں سلطان شاہ کا پتا نہیں تھا۔

"میرا ساتھی کہاں گیا؟" میں نے مضطربانہ لہجے میں سوال کیا۔ مجھے یاد تھا کہ ہمارے جانے سے پہلے ہی وہ باتھ روم سے فارغ ہوکر آیا تھا، اسے اتنی جلدی دوبارہ وہاں جانے کی ضرورت پیش نہیں آسکتی تھی۔

"کہیں نکل گیا ہوگا۔" اس نے مکارانہ اطمینان کے ساتھ کہا۔ "لیکن فکر نہ کرو، وہ کھلے سمندر میں چلتی ہوئی گن بوٹ سے کہیں فرار نہ ہوسکے گا۔"

"مجھے معلوم ہے کہ اس کیبن سے تمھاری مرضی کے بغیر چڑیا کا بچہ بھی نہیں نکل سکتا پھر وہ کہاں گیا؟" میرے لہجے میں غیر ارادی طور پر تحکم اور سخت گیری عود کر آئی۔

"میں تمھارے ساتھ تھا، مجھے کیا معلوم کہ وہ کہاں گیا۔" اس کا بھی لہجہ تیز ہوگیا مگر وہ ایک دم آپے سے باہر نہیں ہوا تھا۔

"تم نے ایک تیر سے دو شکار کیے ہیں مجھے روزالی کی تباہی کا تماشا دکھانے ادھر لے گئے اور یہاں سے سلطان شاہ کو غائب کرا دیا۔۔۔۔ یہ یاد رکھنا کہ اسے کچھ ہوا تو میں کسی کو معاف نہیں کروں گا۔"

وہ زور سے ہنس پڑا۔ اس کی ہنسی بہت بھیانک تھی۔ "اپنی اور میری حیثیت کا فرق نہ بھولو ڈینی! میں اپنی مرضی کا مالک ہوں اور تم میرے ایک مجبور قیدی۔۔۔۔ اگر تم اسی طرح ہذیان بکتے رہے تو ایسا نہ ہو کہ زندہ ہونے کے باوجود تم اپنے لیے عبرت کا ایک شاہکار بن جاؤ۔"

غصے کے باوجود میرا ذہن حاضر تھا میں نے محسوس کرلیا کہ اس نے مشتعل ہوکر مجھے ہلاک کرنے کی دھمکی نہیں دی تھی، شاید اسے میری زندہ گرفتاری کا حکم ملا ہوا تھا اور اس بارے میں وہ مجبور تھا۔

"وقت بدلتے دیر نہیں لگتی۔۔۔ اور وقت ہمیشہ کسی کا ساتھ بھی نہیں دیتا۔" اپنے بارے میں اس کی کمزوری بھانپ کر میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "بہتر یہی ہوگا کہ میرے ساتھی کے بارے میں اگر تمھارے کوئی ناپاک عزائم ہیں تو انھیں ترک کردو۔ روزالی کے پورے عملے کی ہلاکت اور بات تھی کیوں کہ ان میں سے کوئی مجھے عزیز نہیں تھا لیکن میرے لیے میرا ایک ساتھی ان سب پر بھاری ہے۔ اس کے لیے میں تمھارے تصور سے بڑھ کر خطرناک ثابت ہوسکتا ہوں۔"

کمانڈر کے قدم بجلی کی سی سرعت کے ساتھ حرکت میں آئے تھے اور اس نے میرے چہرے پر اُلٹے ہاتھ کا تھپڑ رسید کرنے کی کوشش کی تھی جو میں نے بروقت اپنی جگہ چھوڑ کر ناکام بنادی اور وہ اپنی جھونک میں لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم آگے چلا گیا اس کے قدم اُکھڑتے ہی سادہ پوش نے ٹامی گن سیدھی کرکے مجھے للکارا تھا اور میں کمانڈر پر جھپٹتے جھپٹتے رُک گیا ورنہ اس کی کمر پر لات ضرور رسید کرسکتا تھا۔

وہ سنبھل کر پلٹا تو غصے اور توہین کے احساس سے اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا اور آنکھیں اپنے حلقوں سے اُبلی پڑ رہی تھیں "میں تمھیں پیس کر رکھ دوں گا۔" وہ غراتے ہوئے بولا تھا۔

"زیادہ باریک نہ پیسنا، آج کل تو قصاب بھی موٹا قیمہ بیچنے لگے ہیں۔" میں نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں اسے مزید اشتعال دلانے کی نیت سے کہا۔

وہ تصادم کا آغاز کرچکا تھا تو میں نے بھی کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کرلیا تھا اس وقت میرے ذہن میں بہتیرے روح فرسا خیالات گڈمڈ ہو رہے تھے جن میں یہ خوف سب پر حاوی تھا کہ ڈیلٹا کیمپ میں جمی لائیڈ کی آخری خواہش سلطان شاہ کو مجھ سے الگ کرنے کی تھی اور اس نے ویرا کو سلطان کے اغوا کے لیے ہی دو مددگاروں کے ساتھ بھیجا تھا لیکن بازی پلٹ گئی اور ہم ان دونوں مددگاروں کو ختم کرکے ویرا کے ساتھ ڈیلٹا کیمپ سے فرار ہوگئے۔

بظاہر ڈیلٹا کیمپ کا معرکہ پورے تسلسل کے ساتھ جاری تھا۔ ہم ڈیلٹا کیمپ سے جیتھام پہنچ کر روزالی کے ذریعے برطانیہ سے نکلنے میں کامیاب ہوگئے تھے لیکن طویل وقفے کے بعد آخر کار جمی لائیڈ کے آدمیوں نے روزالی پر دھاوا بول کر ہمیں اپنا قیدی بنالیا تھا۔ اس موقع پر منطقی طور پر کمانڈر کی خواہش وہی ہونی چاہیے تھی جسے جمی لائیڈ ڈیلٹا کیمپ میں ویرا کے ذریعے پورا نہیں کراسکا تھا یعنی مجھے زندہ قیدی بناکر سلطان شاہ کو مجھ سے الگ کرنا اور پھر اسے قتل کرا دینا۔

میں نے ڈیلٹا کیمپ میں ہی محسوس کرلیا تھا کہ جمی لائیڈ سلطان شاہ سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن اس سے میرے قریبی تعلق کی بنا پر اسے میرے سامنے نہیں مروانا چاہتا تھا اور اب کمانڈر نے بھی بجنسہٖ وہی کام کر دکھایا تھا کہ میں اس کا اسیر تھا اور سلطان شاہ غائب تھا۔

کمانڈر زخم کھائے ہوئے کسی غضب ناک درندے کی طرح میرے مدِمقابل تھا اور میرا ذہن تیزی کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ گن بوٹ پر موجود مسلح نفری کے مقابلے میں، میں بالکل بے بس تھا۔ انھیں کتنا بھی مار دھاڑ لیتا لیکن آخر میں میرا زیر ہونا یقینی تھا اور مایوسی کے اس گھٹاٹوپ اندھیرے میں آخر کار امید کی ایک کرن چمک ہی اٹھی۔

ڈیلٹا کیمپ سے ہمارا فرار طاقت کے ذریعے عمل میں نہیں آیا تھا بلکہ عمارت کے باہر موجود مسلح محافظوں کو ویرا نے سلور آئی دکھا کر اپنی راہ سے ہٹنے پر مجبور کیا تھا جو اس وقت بھی میلی ڈانگری کے نیچے میرے پیٹ سے بندھی ہوئی تھی۔

یہ ثابت ہوچکا تھا کہ وہ شی کے آدمی تھے اور اسی کے اقتدارِ اعلیٰ کی خواہشات پر عمل کر رہے تھے لہٰذا ان کے لیے بھی سلور آئی نامی وہ طلائی سکہ واجب الاحترام ہونا چاہیے تھا جسے دکھانے والے کی شی سے وفاداریاں ہر شک و شبہ سے بالا سمجھی جاتی تھیں سا یسی کوشش میں مشکل بس یہی تھی کہ کمانڈر نے کسی کے حکم پر مجھ پر ہاتھ ڈالا تھا اور میرے پاس سلور آئی کی موجودگی کو تسلیم کرنا اس کے لیے بہت دشوار تھا۔

دوسری طرف مجھے یہ بھی اندازہ تھا کہ سلور آئی شی کے بڑوں کی باہمی شناخت کی ایک ایسی عالمی کلید تھی جس سے شی کا ہر چھوٹا بڑا اچھی طرح واقف تھا اس لیے سلور آئی کے بھرم کو بچانے یا برقرار رکھنے کے لیے جمی لائیڈ نے ایسے ایک سکے کے ہاتھ سے نکل جانے کا واقعہ اپنی ہی ذات تک محدود رکھا ہوا تھا اور مجھے گھیر کر ذاتی طور پر داؤد کی لاش سے غائب ہونے والے اس نشان کو برآمد کرنا چاہتا تھا اس لیے میرے جرائم کی طویل فہرست کے باوجود شی میں جمی لائیڈ کے علاوہ کوئی اور میرے پاس موجود سلور آئی پر مسروقہ ہونے کا شبہ نہیں کرسکتا تھا۔

"میری بیم گن لاؤ۔" کمانڈر نے مجھے خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا۔ "اب میں اسے ہاتھ لگائے بغیر زندگی بھر کے لیے معذور کردوں گا۔"

مسلح آدمی نے اپنے شانے سے جھولتے ہوئے واکی ٹاکی کا بٹن دبا کر فرنچ زبان میں غالباً وہی ہدایت کسی کو دہرا دی، اس کی گفتگو میں بیم گن کے علاوہ کوئی لفظ میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

"ٹھہرو۔" میں نے حتی الامکان پُراعتماد مسکراہٹ کے ساتھ داہنا ہاتھ فضا میں بلند کرکے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "اب اس کھیل کو خطرناک ہونے سے پہلے ختم ہوجانا چاہیے۔"

میرے رویّے کی اس اچانک تبدیلی نے کمانڈر کو بوکھلا دیا اور اس کی نگاہوں میں تحیر آمیز بے یقینی سی تیر گئی۔ "کوئی ڈراما نہیں چل سکے گا۔ میں وہی کروں گا جو چاہتا ہوں۔"

"حماقت کی ضرورت نہیں۔" میں غرایا اور پھرتی کے ساتھ ڈانگری میں ہاتھ ڈال کر اپنے پیٹ سے بندھی ہوئی کپڑے کی وہ پٹی کھول دی جس میں نقرئی آنکھ والا طلائی سکہ بندھا ہوا تھا۔

"خبردار جو کوئی ہتھیار نکالا۔" کمانڈر دہاڑا تھا۔ "یہ پٹی پھینک کر ہاتھ اٹھالو ورنہ گولی مار دوں گا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے پھرتی کے ساتھ اپنا پستول نکال لیا تھا۔

میرے ذہن میں اچانک ڈیوڈ کی زندگی کے آخری لمحات گھوم گئے۔ کمانڈر اگر احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اضطراری حالت میں مجھے گولی مار دیتا تو بعد میں اسے جو سزا ملتی سو ملتی مگر میری زندگی واپس لوٹنا ناممکن تھی، اس لیے میں نے بلاتاخیر وہ پٹی قالین پر پھینک کر اپنے ہاتھ اٹھا دیے۔

"پٹی کو دیکھو گے تو اپنا سر پیٹتے رہ جاؤ گے۔" میں نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر کہا۔ "میں اپنی شناخت کرانی چاہ رہا تھا۔ تم اپنا کام پورا کرچکے ہو۔"

"زخمی ہتھیلی کے بعد اب کسی شناخت کی ضرورت نہیں رہی۔" وہ قالین پر پڑی ہوئی پٹی کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔ "میں اچھی طرح تمھیں پہچان چکا ہوں۔ تمھاری کوئی مکاری اب تمھارے کام نہیں آئے گی۔"

مجھے لمحہ بھر کے لیے خوف ہوا کہ اس وقت سلور آئی میری تحویل سے نکل چکی تھی مگر امید یہ تھی کہ ان لوگوں میں اس شناختی سکے کی جو وقعت تھی، اس کی بنا پر وہ مجھے اس سے محروم کرنے کی جرأت نہیں کرسکیں گے۔

"پٹی کھول کر دیکھو۔" چند ثانیوں تک اسے گھورتے رہنے

کے بعد میں نے تحکم آمیز لہجے میں کہا۔ "اس وقت تم اپنے آئی مین سے مخاطب ہو۔ اب دیر کی تو خود کو سزا سے نہ بچا سکو گے۔"

حیرت سے اس کا منہ کھل گیا اور آنکھیں پیشانی پر جا چڑھیں۔ اس کے لیے وہ انکشاف اس قدر غیر متوقع تھا کہ وہ فوری طور پر اپنی جگہ نہ چھوڑ سکا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے سکتہ ہو گیا ہو لیکن آئی مین کے الفاظ سنتے ہی اس کے مسلح ساتھی کے بدن میں بجلی سی دوڑ گئی۔ وہ ٹامی گن سنبھالے تیزی سے لپکا اور قالین سے پٹی اٹھا کر درمیانی تہوں میں لگی ہوئی گرہ کھول دی۔

سلور آئی ہاتھ میں آتے ہی وہ ٹامی گن میرے قدموں میں پھینک کر رکوع کی حالت میں جھکتا چلا گیا پھر اس نے اسی حالت میں پیش قدمی کر کے وہ مقدس سکہ دونوں ہتھیلیوں پر سجا کر میری طرف بڑھا دیا تھا۔ اس کا ردِ عمل دیکھ کر کمانڈر کے حلق سے ایک کربناک آواز نکلی اور وہ بھی جھکتا چلا گیا لیکن رکوع کی حالت سے گزرنے کے بعد بھی اس کا جسم نہ ٹھہر سکا۔ مجھے گمان ہوا کہ شاید وہ اپنی گستاخیوں کے ازالے کے لیے سجدہ ریز ہونا چاہتا تھا مگر ایسا نہ ہو سکا۔ اس کی پیشانی قالین سے چند انچ دور رہی تھی کہ وہ سر کے بل لڑکھڑا کر قالین پر گرا اور ساکت ہو گیا۔

حیرت اور خوف کی شدت سے وہ موذی شاید بے ہوش ہو گیا تھا۔

"اٹھو۔" میں نے دوسرے کی ہتھیلی سے سلور آئی اٹھاتے ہوئے تحکمانہ لہجے میں کہا اور وہ کانپتے ہوئے میرے روبرو سیدھا کھڑا ہو گیا۔

اس کی پنڈلیاں واضح طور پر کانپ رہی تھیں، چہرہ خوف سے زرد پڑ گیا تھا اور آنکھیں قالین کی طرف جھکی ہوئی تھیں میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اپنے قدموں میں پڑی ہوئی ٹامی گن اٹھا لوں لیکن میرے لیے وہ امتحان کا لمحہ تھا۔ ایسی کوئی بھی حرکت شی کے ایک آئی مین کے وقار کے منافی سمجھی جا سکتی تھی۔

کمانڈر جھکتے ہوئے قالین پر ڈھیر ہوا تھا اس لیے بائیں پہلو پر گرنے کے باوجود اس کے گھٹنے پیٹ کی طرف سمٹے ہوئے تھے میں نے ٹھوکر سے اس کے بائیں رخسار پر زور دے کر اس کا چہرہ اوپر گھمایا تو اس کی پھٹی پھٹی، بے رونق آنکھوں میں موت ٹھٹھری ہوئی نظر آئی اور میرے وجود میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔

گن بوٹ پر وہ میرا سب سے بڑا مجرم تھا اور میں اس سے سوزالی کے بے گناہ عملے کی ہلاکت کا خوف ناک انتقام لینے کا عزم کر چکا تھا لیکن قدرت کا ایک اپنا نظام ہوتا ہے جو مکافاتِ عمل کہلاتا ہے۔ ان گنت انسانوں کا قاتل اپنے جیسے ایک انسان کو آئی مین کے مصنوعی روپ میں سامنے دیکھ کر دہشت کے باعث ایسے جان لیوا دورے کا شکار ہوا تھا کہ اس کے حلق سے کوئی آواز تک نہیں نکل سکی تھی۔

میں نے جھک کر اپنی ہتھیلیوں سے اس کے پپوٹے آنکھوں پر گرا دیے۔ وہ میرا مجرم ضرور تھا لیکن لاش کی حرمت میرے نزدیک ہر جذبے پر مقدم تھی۔ میں نے سوچا کہ اچھا ہی ہوا جو وہ اپنی موت آپ مر گیا اس کے جرائم اتنے سنگین تھے کہ اگر میں اسے بے دست و پا کر کے اس کے جسم سے ننھی ننھی بوٹیاں بھی کٹواتا تو میرے دل کو قرار نہ ملتا۔ اس مرحلے پر میرے ہاتھوں اتنی سفاکی شاید ابھی قدرت کو منظور نہیں تھی۔

سادہ پوش چونکہ میرے اور کمانڈر کے ساتھ عرشے پر گن کے بنکر کی طرف گیا تھا لہٰذا مجھے یقین تھا کہ وہ سلطان شاہ کے بارے میں کچھ نہ بتا سکے گا اور میرے استفسار پر ہوا بھی یہی، اس سے پتا چلا کہ گن بوٹ چلانے والے دو افراد کے سوا اس کشتی پر چھ افراد کمانڈر کے نیچے کام کرتے تھے جن میں سے ایک وہ خود تھا۔ بقیہ پانچوں کو بھی میں دیکھ چکا تھا۔

"ان پانچوں کو میں فوراً یہاں دیکھنا چاہتا ہوں۔" میں نے ترش لہجے میں حکم دیا۔ "سب کو بتا دو کہ اب اس گن بوٹ پر انگریزی کے سوا کوئی دوسری زبان نہیں بولی جائے گی۔"

"او کے سر!" اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا اور اپنے واکی ٹاکی پر کسی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

میں نے وقت گزاری کے انداز میں ٹہلتے ہوئے قالین پر پڑی ہوئی ٹامی گن اٹھالی جس کا میگزین پوری طرح لوڈ تھا۔ اس دوران میں غیر مسلح شخص نے اپنے آپریٹس پر انگریزی میں میری ہدایات کسی تک پہنچاتے ہوئے یہ بھی بتا دیا کہ گن بوٹ اس وقت ایک عظیم آئی مین کی تحویل میں تھی جسے چند منٹ قبل تک بدقسمتی سے ایک مجرم سمجھا جا رہا تھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" اس کا کام ختم ہو جانے پر میں نے کمانڈر کے وجود کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔ میرا خیال تھا کہ اس کا لباس میرے بدن پر بالکل صحیح طور پر فٹ آسکے گا۔

"ریمبراں۔" اس نے مؤدبانہ انداز میں سر کو خم دے کر کہا۔ وہ غیر ضروری طور پر گفتگو کرنے سے خائف نظر آ رہا تھا۔

"یہ کب سے تمہارا کمانڈر تھا؟" میں نے لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں شروع سے موسیو شیلون کے [illegible] کرتا آ رہا ہوں۔"

"شیلون کے بارے میں تمہاری رائے کیا تھی؟"

اس نے میرے چہرے کی طرف دیکھنا چاہا لیکن مجھے پوری طرح اپنی طرف متوجہ پا کر بوکھلا کر پھر نظریں نیچی کر لیں۔ "موسیو شیلون بہت ذہین افسر تھے تنظیم کے لیے اپنی جان بھی دے سکتے تھے۔ پتا نہیں تمہارے معاملے میں بدقسمتی نے کیوں ان کی عقل پر پردے ڈال دیے۔ وہ اپنے بڑوں کے سامنے ہمیشہ عاجز و محکوم ہی نظر آتے تھے۔"

اسی وقت کیبن کا دروازہ کھلا۔ چار باوردی اور ایک سادہ پوش مسلح شخص اندر داخل ہوا۔ اندر آ کر وہ سب صف آرا ہو کر رکوع کی حالت میں میرے سامنے جھکے اور پھر پانچ ٹامی گنیں میرے قدموں میں ڈال دی گئیں۔ انھیں لگام ڈالنے کے لیے مجھے سلور آئی نکالنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ ان کے پتے ویسے ہی پانی ہو رہے تھے۔

"میرا ساتھی کہاں ہے؟" ان کے سیدھے ہوتے ہی میں نے کرخت آواز میں سوال کیا۔

سب کے چہرے دھواں ہو گئے۔ چار خاموشی سے مجرمانہ انداز میں سر جھکائے کھڑے رہے، پانچواں دراز قامت باوردی شخص بدقت تمام بولنے میں کامیاب ہوا تھا۔ "وہ فریزنگ باکس میں قید ہے... تم... موسیو شیلون کے حکم پر۔"

اس نے جو کچھ کہا، وہ بہت واضح تھا۔ وہ ڈبا یقینی طور پر ڈیپ فریزر کی ہی کوئی شکل رہی ہو گی جس میں سلطان شاہ کو ڈالا گیا تھا۔ "اسے فوراً لاؤ۔ اگر اس کا بال بھی بیکا ہوا تو تم سب فنا کر دیے جاؤ گے۔" میں نے دہاڑ کر کہا، وہ سب یوں گھبرا کر وہاں سے دوڑے تھے جیسے لمحہ بھر کی تاخیر ان پر جہنم کے دہانے کھول دے گی۔

میں بھی اضطرار کے عالم میں ان کے پیچھے لپکا تھا۔

اس وقت اندازہ ہوا کہ گن بوٹ پر عرشے سے نیچے صرف دو منزلیں تھیں۔ درمیانی منزل پر کیبن تھے اور نچلی منزل پر انجن روم وغیرہ واقع تھا۔ گن کا دیو ہیکل فولادی ڈھانچا نیچے کی طرف بتدریج پھیلتا ہوا جہاز کی تہ تک چلا گیا تھا۔ وہیں ایک روشن کمرے میں وہ سب گھسے تھے۔

اس کمرے میں دیگر آلات کے علاوہ دو قدِ آدم صندوق بھی کھڑے تھے جن کے دروازے شیشے کے تھے تاکہ اندر کا منظر نظر آتا رہے ایک فریزنگ باکس خالی تھا جب کہ دوسرے میں سلطان شاہ کھڑا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس کے ہونٹ ٹھنڈ کی زیادتی سے نیلے پڑے ہوئے تھے۔ سانس اکھڑ اکھڑ کر چل رہا تھا اور آنکھیں بند تھیں۔ غالباً سردی کی شدت سے وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

خالی صندوق کو دیکھ کر یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ سلطان شاہ بے ہوش ہونے کے باوجود اپنے قدموں پر کھڑا ہوا کیسے نظر آ رہا تھا۔ اس میں بغلوں کے مقام پر دو مضبوط چرمی تسمے لگے ہوئے تھے جن میں قیدی کو شانوں کے سہارے جکڑا جا سکتا تھا اور بے ہوشی کے بعد سارا وزن ان ہی تسموں پر منتقل ہو جاتا۔ قیدی کو بے بس کرنے کے لیے ٹخنوں اور پنڈلیوں سے اوپر چار تسموں کے ساتھ پہلوؤں پر کلائیاں جکڑنے کے دو تسمے بھی موجود تھے، ان آٹھ تسموں میں باندھے جانے کے بعد مضبوط سے مضبوط قیدی بھی اس برف گھر میں بے بس ہو سکتا تھا۔

ان میں سے بولنے والا اس کمرے میں پہنچتے ہی سلطان شاہ والے برف گھر کا قفل کھولنے میں مصروف ہو گیا تھا اور میری نگاہیں سلطان شاہ کے سینے کے ناہموار زیر و بم پر جمی ہوئی تھیں۔ برف گھر کے دروازے میں لگے ہوئے شیشے کے علاوہ اندر ہر طرف برف کے نرم نرم گالے جمنا شروع ہو گئے تھے جنھیں دیکھ کر سلطان شاہ کی دردناک حالت کا بہ آسانی اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

"مشین بند کرو۔" میں نے ریمبراں کا کالر پیچھے سے گھسیٹ کر غراتے ہوئے کہا اور وہ بوکھلا کر قریبی ساکٹ سے مشین کا پلگ نکالنے کے لیے دوڑ گیا۔

برف گھر کا دروازہ کھلتے ہی پورے کمرے میں خنکی کی لہر دوڑ گئی۔ سلطان شاہ کی انگلیوں کے ناخن بھی اودے ہو چکے تھے اور وہ یوں رک رک کر اکھڑے ہوئے سانس لے رہا تھا جیسے ٹھنڈ اس کی ہڈیوں میں اتر کر اعضائے رئیسہ تک میں سرایت کر چکی ہو اور اس کے پھیپھڑوں میں بھی آبی بخارات کی برف جمنا شروع ہو گئی ہو۔

میں نے اس کے یخ بستہ رخساروں پر پے در پے تھپڑ لگاتے ہوئے کئی بار اضطراری انداز میں اسے پکارا لیکن اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ اس کا ذہن بے ہوشی کی اتھاہ گہرائیوں میں خوابیدہ تھا۔ اس کے سانسوں کی لڑی یوں ٹوٹ ٹوٹ کر جڑ رہی تھی کہ اس تک پہنچنے میں ذرا بھی تاخیر ہوتی تو اس کی زندگی کا ساز ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا ہوتا۔

چرمی تسموں کی بندشیں مضبوط اور پیچیدہ تھیں اور سلطان شاہ یک بیک ناپسندیدہ قیدی سے آئی مین کے منظورِ نظر کے منصب پر فائز ہو چکا تھا لہٰذا ایک باوردی شخص نے پھرتی کے ساتھ اپنی جیب سے شکاری چاقو نکال کر یکے بعد دیگرے تسمے کاٹنے شروع کر دیے۔

ٹانگوں کے آزاد ہوتے ہی اس کے جسم نے زبردست جھرجھری لی تھی۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا کہ کہیں وہ اس کی آخری سانس نہ ہو لیکن اس کے سینے کی دھونکنی اس کے بعد بھی چلتی رہی اور میں نے یہ سوچ کر اطمینان کا سانس لیا کہ شاید وہ اس کے لاشعور میں دبی ہوئی اپنے جسم کو جنبش دینے کی شدید خواہش تھی جس نے جھرجھری کا روپ دھار لیا تھا۔

سب سے آخر میں اس کے شانوں کے تسمے کاٹے گئے اور دو آدمیوں نے اس کے بے جان، یخ بستہ وجود کو تیسرے قوی ہیکل شخص کے کندھوں پر لاد دیا۔

"اسے حرارت کی ضرورت ہے کسی ایسی جگہ لے چلو، جہاں کافی

حرارت مل سکے۔“ میں نے کسی خاص آدمی سے مخاطب ہوئے بغیر اونچی آواز میں ایک عمومی ہدایت جاری کی۔

” ہر کیبن میں حسبِ خواہش حرارت بڑھائی جا سکتی ہے سر!“ ریمبراں نے ادب سے کہا۔ ”میرا مشورہ ہے کہ ہم اسے موسیو شیلون کے کیبن میں لے چلیں۔“

” میرے سامنے اس ملعون خونی کا نام اتنے احترام سے نہ لو۔“ میں غیر ارادی طور پر سلگ اٹھا۔ ”ایسا نہ ہو کہ اس کی موت کے بعد تم میرے قہر کا نشانہ بن جاؤ۔“

میری اونچی آواز پر سب کے قدم رک گئے، چہروں پر ہراس سمٹ آیا۔ ریمبراں کی درگت کے بعد شاید وہ منزل کے بارے میں میرے فیصلے کے منتظر تھے۔ آئی مین کے عتاب سے ہر ایک ضرورت سے زیادہ خوفزدہ تھا۔ شاید انھیں ڈر تھا کہ میں ان سے اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا بدلہ ضرور چکاؤں گا۔

” شیلون کے کیبن میں چلو!“ میں نے اپنی کھوپڑی پر قابو پاتے ہوئے حکم جاری کیا۔ سب کے قدم حرکت میں آ گئے مگر ایک شخص بجلی کی سی سرعت کے ساتھ دوڑا تھا۔

ہم مخمل و حریر سے آراستہ، شیلون کے کیبن میں پہنچے تو دوڑ لگانے والا ہم سے پہلے وہاں موجود تھا اور درجۂ حرارت کو کنٹرول کرنے والے آلات سے چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا جس کے نتیجے میں کیبن کا درجۂ حرارت کافی حد تک بڑھ گیا تھا۔

قوی ہیکل شخص نے آہستگی کے ساتھ سلطان شاہ کو نرم اور وسیع بستر پر ڈال دیا۔

وہ سب مل کر سلطان شاہ کے تلووں اور ہتھیلیوں پر اپنی ہتھیلیوں سے مالش کر کے اس کے جسم کو تیزی سے حرارت پہنچانے کی کوشش کرنے لگے۔ ریمبراں کیبنٹ سے برانڈی کی بوتل نکال لایا۔ میں اسے خاموشی کے ساتھ گلاس میں برانڈی انڈیلتے دیکھتا رہا۔ اس وقت میرے دل و دماغ میں ایک عجیب کشمکش جاری تھی۔ سلطان شاہ نے اپنی زندگی میں کبھی شراب کی ایک بوند بھی نہیں چکھی تھی مگر اب اس کے یخ بستہ بدن کو حرارت کی فوری ضرورت تھی جس کے لیے برانڈی ایک بہترین ذریعہ ثابت ہو سکتی تھی۔

ریمبراں کا عمل اپنی جگہ درست تھا مگر سلطان کی ابتر حالت کو دیکھتے ہوئے میں اس کی زندگی یا موت کے بارے میں بہت زیادہ پُریقین نہیں تھا۔ اگر اس کا آخری وقت آ ہی گیا تھا تو محض زندگی کی جھوٹی امید میں اس کے منہ میں برانڈی انڈیل کر مجھے اس کی ساری زندگی کا پندار توڑنے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا کیونکہ حرام اور حلال کے لیے مقرر کیے گئے الہامی اصول اس نے ہمیشہ اٹل سمجھے تھے۔

میں نے بڑھ کر ریمبراں کے ہاتھ سے برانڈی کا گلاس لے لیا، اسے گمان ہوا کہ شاید میں اپنے ہاتھوں سے وہ سیال سلطان شاہ کے معدے میں انڈیلنا چاہتا تھا لیکن جب میں نے وہ گلاس اپنے لبوں سے لگا کر پے در پے گھونٹوں میں یکلخت خالی کر ڈالا تو اس کے چہرے پر حیرت پھیل گئی۔

میں نے حلق سے معدے تک اترتی ہوئی تلخ لکیر پر ذرا سا منہ بنایا، ایک دو ہچکیاں آئیں اور پھر میں سلطان شاہ کے بستر کی طرف بڑھ گیا۔

اس وقت تک کمرے کا درجۂ حرارت بہت بڑھ چکا تھا لیکن ریمبراں کے ہاتھ میں برانڈی کی بوتل دیکھنے کے بعد سے مجھے سلطان شاہ کا آخری وقت قریب آنے کا یقین ہو چلا تھا۔ اسے سمندر بُرد کرنے کا تصور میرے لیے ناقابلِ قبول تھا۔ اگر میرا اندیشہ درست ثابت ہوتا تو اس کا بدن مناسب قبر ملنے تک برف گھر میں ہی محفوظ رہ سکتا تھا۔

میرا دل ڈوبنے لگا اور آنکھوں کے گوشے نمناک ہونے لگے۔

” ریمبراں کے علاوہ سب باہر ٹھہرو!“ میں نے تحکمانہ لہجے میں کہنا چاہا لیکن میری جو آواز بلند ہوئی وہ بھرائی ہوئی تھی اور کیوں نہ ہوتی؛ سلطان شاہ میرے بدترین لمحوں کا ساتھی اور میرا جاں نثار تھا جس پر میں کہیں بھی آنکھیں بند کر کے اعتماد کر سکتا تھا۔ وہ میرا بھائی نہیں تھا مگر مجھے بھائی سے زیادہ چاہتا تھا۔ اس نے اپنے خلوص اور بے لوث محبت سے چپکے چپکے میری زندگی میں اپنا ایک ایسا مقام بنا لیا تھا جسے زندگی بھر کوئی دوسرا پُر نہیں کر سکتا تھا۔

وہ سب چلے گئے اور میں بستر پر سلطان کے قریب بیٹھ گیا۔ اسے برف گھر کی اذیت سے نجات مل چکی تھی مگر اس کی حالت بگڑتی ہی جا رہی تھی۔ سانس بدستور بے ربط تھے اور ہر بار سانس اندر لیتے ہوئے اس کا سارا بدن بستر سے اوپر اٹھ جاتا تھا جو سانس خارج کرتے ہوئے بے جان وجود کی طرح گر جاتا تھا۔

” اسے برف گھر میں کس نے ڈالا تھا؟“ میں نے اپنی جھلملاتی ہوئی آنکھوں سے ریمبراں کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

” میں نہیں تھا سر!“ اس نے گڑگڑا کر میرے پیر تھام لیے۔ ”یہ کام اولینی کا ہو سکتا ہے کیونکہ اسی نے تمہارے سوال کا جواب دیا تھا، ہو سکتا ہے کہ کسی اور نے بھی اس کی مدد کی ہو۔“

میری آنکھوں میں آنسوؤں کی چادر دبیز ہو گئی اور جھلملاتے ہوئے زنگار رنگ ستاروں کے سوا سب کچھ غائب ہو گیا۔ جو ہونا تھا اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں ٹال سکتی تھی۔ سلطان شاہ کو برف گھر میں قید کرانے والا شیلون خود حرکتِ قلب بند ہونے سے مر گیا تھا اور سلطان شاہ ابھی تک زندہ تھا۔ اس کی زندگی کے جتنے سانس لکھ دیے گئے تھے وہ ہر حال میں پورے ہونے تھے۔ انھیں نہ شیلون کم کر سکا نہ میں بڑھا سکتا تھا مگر اولینی کا نام میرے دل پر نقش ہو گیا تھا۔ شیلون کی موت کے بعد اگر کوئی میرے انتقام کا مستحق تھا تو وہ اولینی ہی تھا۔

وقت کی رفتار ایک جگہ تھمی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ سرد اور کہر آلود موسم میں گن بوٹ کھلے سمندر کے سینے پر کسی ایسی منزل کی جانب سفر کر رہی تھی جس سے میں یکسر بے خبر تھا اور نہ ہی اس وقت میرے دل میں کوئی بات جاننے کی خواہش باقی رہ گئی تھی۔ بوٹ کے اس پُرتعیش کیبن میں سلطان شاہ میری نگاہوں کے سامنے نرم اور آرام دہ بستر پر بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ اس کا سانس بدستور اکھڑ اکھڑ کر چل رہا تھا۔ نیلے اور سُتے ہوئے ہونٹوں پر زندگی کی حرارت معدوم تھی اور اس کے چہرے پر بے ہوشی سے قبل برف گھر کی اذیت کے تمام آثار یوں ثبت ہو کر رہ گئے تھے جیسے وہ زندہ انسان کے بجائے برفانی موت کے کسی صدیوں پرانے شکار کی حنوط شدہ ممی ہو جس کے چہرے کے تاثرات اور نقوش وقت کے بے رحم ہاتھ بھی آج تک نہ کھرچ سکے۔۔۔ آنسوؤں کی چادر سے جھلملاتی ہوئی میری دھندلی آنکھیں اپنے اس عزیز دوست اور ہم سفر کے چہرے پر مرکوز تھیں جو ذرا دیر پہلے زندگی کے پورے جوش اور جذبے سے سرشار تھا مگر اب موت اس کی دہلیز پر دستک دے رہی تھی۔

مے نوشی میری ایک بہت بری عادت تھی جس پر میں نے کبھی ناز نہیں کیا تھا۔ جانتا تھا کہ میرا وہ شوق گناہِ کبیرہ تھا مگر میں اپنی کمزوری سے مجبور تھا، سامنے ہوتی تو اس سے گریز میرے بس سے باہر ہو جاتا تھا۔ یہ ضرور تھا کہ سُرور کی بات دیگر تھی لیکن وہ کبھی میرے سر پر چڑھ کر نہیں ناچی تھی، مجھے ہمیشہ اپنی سوچ اور اعمال و افعال پر پوری طرح اختیار رہتا تھا لیکن ان جذباتی لمحات میں میں نے محض سلطان شاہ کے پندار کو بچانے کے لیے ریمبراں سے لے کر برانڈی کا جو گلاس اپنے معدے میں انڈیلا تھا، وہ اپنا رنگ دکھاتا محسوس ہو رہا تھا جس کی وجہ سے میرے دل پر چھائی ہوئی رقت اور مایوسی کی لہر لحہ بہ لحہ گہری ہوتی جا رہی تھی۔

” یہ مر گیا تو میں اولینی کی زندگی کو عبرت کا ایسا شاہکار بنا دوں گا کہ اُسے دیکھنے والے اسے موت کی دعائیں دینے پر مجبور ہو جایا کریں گے۔“ میں نے کئی ثانیوں کی خاموشی کے بعد بھرائی ہوئی قہر آلود آواز میں کہا۔

” کوئی تمہارا راستہ روکنے کی جرأت نہ کر سکے گا۔“ ریمبراں نے سہمی ہوئی آواز میں ہکلاتے ہوئے کہا۔ ”اولینی نے جو کچھ کیا اپنی مرضی سے نہیں بلکہ شیلون کے حکم پر کیا ہو گا مگر پھر بھی وہ سزاوار ہے کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟ اسے تو زندہ کولھو میں ڈال کر پلوا دینا چاہیے!“

میں چونک پڑا۔ میں نے اپنی ہتھیلی کی پشت سے اپنی آنکھوں میں تیرتے ہوئے آنسو صاف کیے اور غور سے ریمبراں کی طرف دیکھا جو میرے قدموں میں سر جھکائے قالین پر بیٹھا ہوا تھا۔ سلو آئی دیکھ لینے کے بعد سے وہ میرے مقام اور مرتبے سے خوفزدہ تھا، اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ قشی میں کسی بھی آئی مین کو اپنے آدمیوں کے مقدر کے فیصلے کرنے کا اختیارِ مطلق حاصل ہوتا ہے مگر پھر بھی وہ بے ضمیر نہیں تھا۔ اس نے میرے الفاظ کی تائید کرتے ہوئے لفظوں کی آڑ میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ مجھے یہ جتا دیا تھا کہ اولینی نے سلطان شاہ پر وہ ستم اپنی مرضی سے نہیں ڈھایا تھا، وہ خود شیلون کے حکم کا تابع تھا اور اس نے وہی کچھ کیا جس کا اسے حکم دیا گیا تھا۔ اسے الہام نہیں ہو سکتا تھا کہ جس قیدی کو وہ برف گھر میں ٹھونسنے جا رہا تھا، وہ کچھ دیر بعد قشی کے ایک آئی مین کا منظورِ نظر بھی ثابت ہو سکتا تھا۔

” اولینی کی قسمت کا فیصلہ کرنے کا اختیار میں تمھیں دے دوں تو تمہارا فیصلہ کیا ہو گا؟“ میں نے اس سے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

اس نے زبان کھولنے سے قبل بوکھلا کر سر ادپر اٹھایا مگر مجھے پوری توجہ کے ساتھ اپنی طرف نگراں پا کر پہلے سے بھی زیادہ بوکھلاہٹ کے ساتھ اپنا سر جھکا لیا۔ ”مجھ میں یہ تاب اور مجال نہیں ہے کہ میں تمہاری ہمسری کا تصور بھی کر سکوں!“ وہ بدستور سہمی ہوئی آواز میں بولا۔ ”تمہاری شناخت سے قبل میں بھی اولینی کی طرح شیلون کے احکام کا تابع تھا۔ یہ اولینی کی بدنصیبی تھی کہ اسے تمہارے ساتھی پر برفانی تشدد کے لیے منتخب کیا گیا۔ وہی حکم مجھے ملا ہوتا تو شاید اس وقت مجھے تم سے ہم کلام ہونے کی سعادت بھی نہ ملی ہوتی۔ خدا کے لیے میرا امتحان نہ لو، اولینی کا فیصلہ تم ہی کر دو گے اور اب اس گن بوٹ پر صرف وہی ہو گا جو تم چاہو گے۔ کوئی اس کے خلاف دم بھی نہ مار سکے گا۔“

” مجھے تمہارا انداز پسند آیا ہے ریمبراں!“ میں نے توصیفی لہجے میں کہا۔ ”مجھ سے اپنی بھرپور وفاداری کے اظہار کے ساتھ ہی تم نے اولینی کی بھی قابلِ تعریف وکالت کی ہے۔“

” مم… میں!“ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ ”میں ہرگز کسی کی وکالت نہیں کر رہا۔ مجھے کسی کی وکالت یا سفارش کا کوئی اختیار نہیں ہے… اگر میری کسی بات سے اس امر کا اظہار ہوا ہے تو میں اپنے کیے پر نادم ہوں اور دل کی گہرائیوں سے تم سے معافی چاہتا ہوں۔“

” میں مختلف مزاج کا آدمی ہوں۔“ میں نے نرمی سے کہا۔ ”تمہارا مقصد جو بھی رہا ہو لیکن تم سے بات کرنے کے بعد مجھے احساس ہو گیا ہے کہ اولینی بے قصور ہے۔ وہ تنظیم کے ڈسپلن کا غلام ہے، اس نے وہی کیا جس کا اسے حکم دیا گیا تھا۔ شیلون چاہتا تو یہی کام تم سے بھی لے سکتا تھا۔ اس لیے اولینی کو اپنے کسی بڑے کے حکم کی تعمیل کی سزا نہیں دی جا سکتی۔“

"تم اپنی مرضی کے مالک ہو۔" اس نے تابعدارانہ لہجے میں کہا۔ جو فیصلہ چاہو کرسکتے ہو، مجھے اپنے حکم کا غلام پاؤ گے۔ ہم لوگ اپنی عقل اور جذبات کا سہارا لینے لگیں تو شی کا سخت ڈسپلن چند روز بھی نہ چل پائے گا۔"

"میں نے اولینی کو معاف کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ "میرا اندھا انتقام سلطان شاہ کے سانسوں کی ٹوٹتی ہوئی لڑی کو کوئی سہارا نہیں دے سکتا۔"

"اس کیبن کی حرارت سے اس کی حالت بہتر ہورہی ہے۔" ریمبراں نے بستر کی طرف دیکھتے ہوئے پُرامید لہجے میں کہا۔ "اس کے سانسوں کی رفتار آہستہ آہستہ بہتر ہورہی ہے۔"

اس کے کہنے پر میں نے گہری نظر سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا تو اندازہ ہوا کہ ریمبراں کا قیاس درست تھا۔ سانسوں کے مدّوجزر کے ساتھ اس کے بدن پر طاری ہونے والی کرب کی کیفیت میں خاصی کمی ہوچکی تھی اور سانس اندر لیتے ہوئے سلطان شاہ کے بدن پر بس تناؤ سا طاری ہورہا تھا پھر عضلات ڈھیلے پڑجاتے تھے۔ اس کی پشت مسلسل بستر ہی سے لگی ہوئی تھی۔

"اسے برانڈی دے دیتے تو یہ جلدی سنبھل جاتا۔" ریمبراں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"ہم ایک بہت بھیانک مہم پر ہیں۔" میں نے مذہب کا حوالہ درمیان میں لائے بغیر پُرخیال آواز میں کہا۔ "شیلون تو پھر بھی اپنا تھا دوسروں کے ہاتھوں ہم اس سے بری حالت سے گزر سکتے ہیں۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ برانڈی یا کسی اور سہارے کے بغیر یہ کتنی دیر میں سنبھل سکے گا.... لاؤ ایک گلاس مجھے دے دو۔"

ریمبراں کے چہرے پر تحیّر آمیز بے بسی پھیل گئی اور وہ میرے خالی کیے ہوئے گلاس میں دوبارہ برانڈی انڈیلنے میں مصروف ہوگیا۔ شاید یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی کہ ایک طرف تو میں سلطان شاہ کی زندگی اور سلامتی کی طرف سے بہت زیادہ فکرمند تھا اور دوسری طرف اس کو برانڈی پلانے سے گریز کرتے ہوئے خود پینے پر تُلا ہوا تھا لیکن میں شی کا ایک معتمد رائی مین تھا جس کے کسی بھی حکم یا فیصلے پر کسی کو کوئی سوال کرنے کا اختیار نہیں تھا لہٰذا اپنی حیرانی کے باوجود وہ لب کشائی کی جرأت نہ کرسکا۔

وہ برانڈی بہت عمدہ تھی۔ اضطرار کے عالم میں میں نے اس کا پہلا گلاس پانی کی طرح خالی کیا تو اس کا اثر محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا تھا اس لیے اس مرتبہ میں نے احتیاط برقرار رکھی تھی۔ ریمبراں گلاس میرے نزدیک ایک تپائی پر رکھ کر کسی پشتینی غلام کی طرح سینے پر ہاتھ باندھ کر ادب سے ایک کونے میں جا کھڑا ہوا تھا۔

"وہ پانچوں کہاں ہیں؟" میں نے سگریٹ سلگا کر گلاس سے اپنے لب تر کرتے ہوئے سوال کیا۔

"راہداری میں تمہارے حکم کے منتظر ہیں۔" مؤدبانہ آواز میں جواب ملا۔

"وہ اپنی اپنی جگہوں پر واپس جائیں۔ پہلے کیبن سے اپنا اپنا اٹھو بھی لے لیں.... اس گن بوٹ کا ریڈیو آفیسر کون ہے؟"

"اولینی ہی ہے سر!" اس کی آواز میں معذرت آمیز مایوسی اُمڈ آئی۔

"اسے بتادو کہ میرے اگلے احکام تک گن بوٹ سے نہ کسی ریڈیائی پیغام کا جواب دیا جائے گا نہ از خود کسی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔" میں نے اس کے لہجے کا اثر لیے بغیر برجستہ حکم دیا۔ "اس ہدایت پر بہت رازدارانہ سختی کے ساتھ عمل ہوگا۔ اسی کے ساتھ میں سمندر میں گن بوٹ کی موجودہ پوزیشن اور منزل سے اس کا فاصلہ بھی جاننا چاہوں گا۔"

وہ اپنے سر کو ہلکا سا خم دیتے ہوئے پھرتی کے ساتھ کیبن سے باہر چلا گیا۔ میں نے آخری ہدایت کے لیے سوچ سمجھ کر ذومعنی الفاظ منتخب کیے تھے کیونکہ شی کے خون آشام ہرکاروں سے نجات کے لیے میں نے دیرا سے ملی ہوئی سلور آئی تو کامیابی کے ساتھ استعمال کر ڈالی تھی مگر اس وقت گن بوٹ پر سب سے زیادہ با اختیار ہوتے ہوئے بھی میں سب سے زیادہ بے خبر تھا۔ سلطان شاہ کی حالت میں بہتری کے آثار محسوس کرتے ہی یہ خواہش میرے ذہن پر حاوی ہوگئی تھی کہ گن بوٹ کی طے شدہ منزل میرے علم میں آئے تاکہ اسی کے مطابق اپنا آئندہ لائحۂ عمل طے کرسکوں۔

وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا۔ اس دوران میں سلطان شاہ کی حالت اس حد تک سنبھل گئی کہ اس کی موت کا خوف میرے دل سے نکل گیا۔ اس کا تنفس رفتہ رفتہ اعتدال پر آگیا، اودے ہونٹوں پر خون کی سرخی ابھرتی ہوئی محسوس ہونے لگی اور پپوٹوں کے نیچے وقفے وقفے سے آنکھوں کی پتلیاں بھی متحرک نظر آنے لگیں۔ کم و بیش بیس منٹ تک میں پوری یکسوئی اور توجہ کے ساتھ اسی مشاہدے میں مصروف رہا اور پھر ریمبراں واپس آگیا۔

"منزل کا انحصار اب تمہاری مرضی پر ہے۔" اس نے آتے ہی کہا تھا۔ "ویسے گن بوٹ اس وقت فرانس کے مغرب میں ساحل سے تقریباً ڈیڑھ سو میل دور مغرب ہی میں گہرے سمندر کی طرف سفر کررہی ہے۔"

"میری مرضی کا عنصر اب شامل ہوا ہے۔" میں نے اس کے چہرے سے اس کی نیت کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔ "اس سے پہلے کیا پروگرام تھا؟"

"کچھ بھی نہیں۔" میرے سخت لہجے پر وہ خائف ہوکر بولا۔ "شیلون ایک گن بوٹ کا کمانڈر تھا۔ اسی کے حکم پر ہم سب اپنی کمین گاہ سے کھلے سمندر میں نکلے تھے۔ واپسی کی سمت کا تعین اسی کو کرنا تھا لیکن اب وہ ہم میں نہیں رہا.... کپتان کو بھی نئی صورتِ حال سے آگاہ کردیا گیا ہے۔ اس نے گن بوٹ کی رفتار بہت دھیمی کرلی ہے اور اب تمہارے حکم کا منتظر ہے۔"

"اگر میں گن بوٹ پر نہ آیا ہوتا لیکن شیلون مرگیا ہوتا تو کیا ہوتا؟" میں نے قدرے برہمی اختیار کرلی۔

"میں کپتان سے ہر امکان پر بات کرکے آیا ہوں۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "وہ کہتا ہے کہ کسی مجبوری کی حالت میں ناچار ہمیں اپنے بیس اسٹیشن لوٹنا پڑتا۔"

وہ آئی مین کی حیثیت سے میرے بھرم کا ایک کڑا امتحان تھا۔ اس کی ادھوری باتوں سے مجھے اُلجھن ہونے لگی تھی۔ میں اپنی طرف سے کم از کم سوال کرکے زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا لہٰذا میں نے فوراً ہی مشتعل ہونے کی اداکاری کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

"میرے لیے یہ سب غیر اہم ہے.... تمہارے یونٹ کا طریقۂ کار جہنم میں جائے۔ میں تمہاری مبہم اصطلاحات کے بجائے جغرافیائی حوالوں سے جواب سُننا چاہتا ہوں۔"

"میں معافی چاہتا ہوں.... مجھے معاف کردیں سر!" وہ بوکھلا کر رکوع کے انداز میں جھکتے ہوئے رو دینے والی آواز میں بولا۔ "یہ گن بوٹ فرانس کے انتہائی شمال مغربی کونے پر بریسٹ نامی ساحلی شہر کے نواح میں دشوار گزار کھاڑیوں میں لنگرانداز رہتی ہے، وہی ہمارا بیس اسٹیشن کہلاتا ہے۔ اس وقت ہم بریسٹ سے کم از کم سوا دو سو میل دور نکلے ہوئے ہیں۔ شیلون کی کمان میں ہم نے وہیں سے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا لیکن ہمارا کپتان بہت گھاگ ہے، وہ یورپ کی ہر بندرگاہ سے اچھی طرح واقف ہے۔ تم جہاں چاہو، وہ جاسکتا ہے کیونکہ گن بوٹ پر راشن کا وافر ذخیرہ موجود ہے جو پندرہ روز کے لیے کافی ہوگا۔ اس مدت میں ہم پورا بحرِ اوقیانوس بھی عبور کرسکتے ہیں۔"

"بریسٹ کی خفیہ کھاڑیوں میں چھپے رہنا اور بات ہے، یورپ کی دوسری بندرگاہوں میں یہ گن بوٹ فوری طور پر پکڑلی جائے گی۔" میں خود کلامی کے انداز میں بولا۔

"تفصیلی جانچ پڑتال کے بغیر کوئی اسے گن بوٹ ثابت نہیں کرسکتا۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد ریمبراں نے دھیمی آواز میں کہا۔ "ہماری بوٹ لی ہاورے کی بندرگاہ پر ایک پرائیویٹ سیاحتی بوٹ کے طور پر رجسٹرڈ ہے اور ہمارے پاس موجود ہتھیاروں کے بھی باقاعدہ قانونی کاغذات ہیں۔ گن اور اس کے بارودی گولے غیرقانونی ہیں مگر وہ آہنی خول میں اس طرح پوشیدہ رہتے ہیں کہ کوئی ان کا سراغ نہیں لگا سکتا۔"

"پھر بھی میں پہلے بریسٹ پہنچنا چاہوں گا۔" میں نے نئی سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس بارے میں ریڈیو پر کسی کو کچھ بھی نہیں بتایا جائے گا۔ میں اچانک وہاں پہنچوں گا۔"

"ریڈیو رابطے کی ممانعت کی جاچکی ہے، اگر کہیں سے ہمارے لیے کوئی پیغام آیا تو اولینی جوابی رابطے کے بجائے براہِ راست تم سے رجوع کرے گا۔"

"جاؤ اور میری ہدایات کپتان تک پہنچادو۔ میرے ساتھی کے ہوش میں آنے تک تم اسی کیبن میں موجود رہو گے۔"

میں ایک دفعہ پھر بے ہوش سلطان شاہ کے ساتھ اس کیبن میں اکیلا رہ گیا جہاں بڑھا ہوا درجۂ حرارت اب مجھے ناخوشگوار محسوس ہونے لگا تھا۔ سلطان شاہ خطرے کی حد سے نکل چکا تھا لہٰذا میں نے تھرمواسٹیٹ گھما کر درجۂ حرارت میں کمی کا بندوبست کیا اور اپنے اس منصوبے پر غور کرنے لگا جو میرے ذہن میں جنم لے چکا تھا۔

گن بوٹ کے عملے پر اپنی مضبوط گرفت کا اندازہ لگاتے ہی میں نے اس چھوٹے سے جنگی جہاز پر مکمل قبضے کا منصوبہ بنالیا تھا جس کی کلید اس کے بیس اسٹیشن کی تباہی میں تھی۔ بریسٹ کی نواحی کھاڑیوں والے جب تک زندہ اور محفوظ تھے، گن بوٹ کو فراموش نہیں کرسکتے تھے اور جب کئی دن تک گن بوٹ واپس نہ لوٹتی یا اس کی طرف سے کوئی پیغام نہ ملتا تو ہنگامی بنیادوں پر ہر طرف اس کی تلاش کی مہم کا آغاز ہوجاتا لیکن ایک بار ان کو ہلاک اور ان کے مواصلاتی آلات کو تباہ کرنے کے بعد میں نسبتاً زیادہ مدّت تک بے فکری کے ساتھ گن بوٹ کو استعمال کرسکتا تھا۔ اس بارے میں مجھے ابھی ریمبراں سے بہت کچھ معلوم کرنا تھا اور اس سے کام بھی لینا تھا۔

ان لوگوں کو شی اور جہازراں جمی لائیڈ کے تعلق کا علم نہیں تھا مگر میں اس بارے میں پوری طرح پُریقین تھا کیونکہ ہم دونوں کے روزالی پر سفر کے بارے میں انگلینڈ میں کوئی ایسا سراغ نہیں چھوڑا گیا تھا جو شی کی مدد کرتا۔ ویرا نے ایک مبہم پروگرام کے تحت ہمیں اسٹوارٹ سلائٹ کے حوالے کیا اور اس نے ہمیں روزالی پر پہنچادیا۔ وہ دونوں ہی ایسے سخت جان اور ضدی تھے کہ شی والے کسی طرح ان تک رسائی حاصل بھی کرلیتے تو انھیں ذبح کرنے کے باوجود ان کی زبانیں نہیں کھلوا سکتے تھے۔ روزالی پر گن بوٹ کے چھاپے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی تھی کہ روزالی کے کپتان ڈیوڈ کا ٹرل کے کیبن میں لگی ہوئی جمی لائیڈ کی تصویر میں پوشیدہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے اس کیبن میں ہونے والی ہر بات کہیں سنی جارہی تھی اور اسی ذریعے سے روزالی پر ہمارے فرار کا راز فاش ہوا۔

مجھے ریمبراں کو کسی شبہے کا موقع دیے بغیر اس ست... یافت

کرنا تھا کہ شیلون کو روزالی کی تباہی اور اس پر موجود دو افراد کو قید کرنے کا حکم اوپر سے ملا تھا یا ان لوگوں کو ڈیوڈ کا ٹرل کے کیبن میں ہونے والی گفتگو کا بھی علم تھا۔ جمی لائیڈ کی دُہری زندگی کے باعث یہ امکان کم ہی تھا کہ اس کی تصویر والے ٹرانسمیٹر کا تعلق گن بوٹ یا برلیسٹ کے بیس اسٹیشن کے مواصلاتی نظام سے رہا ہو مگر یہ معلوم ہونا ضروری تھا کہ گن بوٹ کس کے ایما پر اس تباہ کُن مہم پر روانہ ہوئی تھی۔ اگر حالات اجازت دیتے تو برلیسٹ سے دوبارہ روانگی سے پہلے شیلون کو ہدایت دینے والے پر بھی ہاتھ ڈالا جا سکتا تھا جو یقیناً شی کا کوئی عام کارندہ نہ ہوتا۔

ریمبراں کی واپسی سے پہلے سلطان شاہ نے ہولے ہولے کراہتے ہوئے آنکھیں کھول دیں اور میں اضطراری انداز میں اپنی جگہ چھوڑ کر اُٹھ گیا۔ اس کی کھُلی ہوئی آنکھوں میں اس وقت بھی اذیت کے آثار موجود تھے اور آنکھوں کے ڈھیلے یوں بے معنی انداز میں گردش کر رہے تھے جیسے آنکھیں کھلی ہوئی ہونے کے باوجود اُسے کچھ نظر نہ آ رہا ہو۔

"اوہ خدا!" اس نے دبی دبی چیخ کی صورت میں کراہتے ہوئے دونوں ہتھیلیوں سے اپنی کنپٹیاں بھینچ کر آنکھیں موند لیں۔ "یہ میں کس عذاب میں پڑ گیا؟"

اس کی رُندھی ہوئی آواز سُنتے ہی میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ "کیا ہوا سلطان شاہ؟ تم اب بہتر ہو اور میرے قریب ہی موجود ہو۔" میں نے اس کی ٹھنڈی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ بدن میں خاصی حرارت آجانے کے باوجود اس وقت تک اس کا جسم بہت ٹھنڈا تھا۔

"شکر ہے کہ تمھاری صورت نہیں دیکھ سکا مگر آواز تو سُن لی، تم خیریت سے تو ہو نا؟" اس کی آواز میں کرب اور مایوسی کے باوجود خوشی کی ایک ہلکی سی رمق پیدا ہو گئی۔

میں نے جلدی سے کیبن کے بند دروازے کی طرف دیکھا۔ ریمبراں اس وقت تک واپس نہیں آیا تھا۔ میں نے دھیمی آواز میں جلدی سے کہا۔ "اب ہم ان کے قیدی نہیں رہے، یہ سب ہماری مرضی کے تابع ہیں۔ مجھے مجبوراً اپنی خفیہ شناخت ظاہر کرنا پڑی اور اب میں اُن کا آئی مین ہوں۔"

میں نے دیدہ و دانستہ وہ الفاظ استعمال کیے تھے تاکہ کوئی سُن لے تو مجھ پر شبہ نہ کر سکے۔

"مبارک ہو۔ تم آئی مین بن گئے مگر میں شاید اندھا ہو گیا ہوں۔" وہ بستر پر اپنی گردن جھٹکتے ہوئے بولا۔ اس کی آنکھیں بدستور بند تھیں۔

"ڈرو نہیں، آنکھیں کھولو۔" میں نے اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔ "تم کافی دیر تک نقطۂ انجماد سے بھی بہت کم درجۂ حرارت پر رہے ہو۔ اس سرد شاک سے تمھارے عضلات متاثر ہوئے ہیں، بینائی زائل نہیں ہو سکتی۔"

میرے لیے وہ بڑے روح فرسا اور صبر آزما لمحات تھے۔ میں زبان سے اسے تسلی دے رہا تھا لیکن دل ہی دل میں اس کی حالت پر کُڑھ رہا تھا اور بے بس تھا کیونکہ عملاً اس کے لیے کھلے سمندر میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

"دھند، تاریکی اور روشن دھبے ناچ رہے ہیں... کچھ نظر نہیں آتا۔" اس کی مایوسانہ آواز اُبھری۔ میری ہدایت پر وہ بڑی تیزی کے ساتھ پلکیں جھپکاتے ہوئے سر اور آنکھوں کو بے تابانہ مختلف سمتوں میں گھما رہا تھا۔

"ٹھہرو۔" وہ اچانک سے چیخ پڑا اور نظریں ایک جگہ ٹھہرا لیں۔ "دُھند چھٹ رہی ہے۔ کچھ کچھ واضح ہونے لگا ہے۔ شاید تم درست کہہ رہے تھے، میں اندھا نہیں ہوا ہوں۔" میں بستر سے اُٹھ کر اس کے سرہانے جا کھڑا ہوا۔

بصارت کا تعلق آنکھوں سے تھا۔ اس وقت سلطان شاہ نے کسی اندھے کی طرح یوں فضا میں ہاتھ چلانے شروع کر دیے جیسے کسی نادیدہ شے کو پکڑنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس پر کرب کے ساتھ ساتھ امید افزا اضطراب بھی طاری ہو گیا تھا اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ہاتھ پیر چلا کر اپنی بصارت کی بحالی کے عمل کو تیز کرنے کی غیر ارادی کوشش کر رہا ہو اور پھر وہ اچانک ہی بستر سے اُٹھ گیا۔

اس کے چہرے پر گزری ہوئی اذیت کی علامات نقش تھیں مگر آنکھیں وفورِ جوش سے چمک رہی تھیں اور وہ میری ہی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تیرا شکر ہے، میرے مالک کہ میں دیکھ سکتا ہوں۔" اس کے لبوں سے بھّرائی ہوئی آواز نکلی اور اس نے بستر سے اتر کر والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ جانا چاہا لیکن اس کے قدموں نے اس کے وجود کا بوجھ سہارنے سے انکار کر دیا، اگر میں لپک کر اسے اپنے بازو کا سہارا نہ دیتا تو وہ یقیناً کسی معذور کی طرح قالین پر ڈھیر ہو گیا ہوتا۔

اسی وقت ریمبراں کے ہولے سے کھنکھارنے کی آواز آئی جو اس نے مجھے کیبن میں اپنی موجودگی کا احساس دلانے کے لیے شاید زبردستی پیدا کی تھی۔

"یہ زندہ ضرور ہے مگر اس کی حالت قابلِ رحم ہے۔" میں نے سلطان شاہ کو احتیاط سے بستر پر بٹھاتے ہوئے تحکمانہ لہجے میں ریمبراں سے کہا۔

"اس کے اکڑے ہوئے رگ پٹھے آہستہ آہستہ ہی اعتدال پر آ سکیں گے۔" ریمبراں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "قوت بحال ہونے کے ساتھ یہ بستر پر لیٹا ہلکی ہلکی ورزش کرتا رہے تو یہ مدت مختصر بھی ہو سکتی ہے۔"

"مختصر تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔" میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ "مگر... مگر میں ادلینی کو معاف کر چکا ہوں اور شیلون کی خوش نصیبی ہے موت اسے اپنی آغوش میں پناہ دے چکی ہے۔ اس کی لاش کہاں ہے؟" آخری سوال میں نے چونکتے ہوئے کیا تھا کیونکہ اچانک ہی مجھے ایک بار پھر روزالی کے کپتان ڈیوڈ کا ٹرل کی المناک موت یاد آگئی تھی جسے شیلون نے بے دردی کے ساتھ کسی موذی چوپائے کی طرح گولی مار کر جھاگ اُڑاتے سمندر میں پھینک دیا تھا اور ایسا کرتے ہوئے اس سفاک کی پیشانی تک شکن آلود نہیں ہوئی تھی۔

"اسی جگہ اور اسی حالت میں پڑی ہے جیسے تم نے چھوڑی تھی۔" ریمبراں نے آہستگی کے ساتھ کہا۔ "تمھاری ہدایت کے بغیر کوئی اسے ہاتھ بھی نہ لگائے گا۔"

"اس کی لاش سمندر میں پھینک دو۔" میں نے سرد تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "بدمعاش روح جب جسدِ خاکی سے پرواز کر جاتی ہے تو لاش بھاری ہو جاتی ہے اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی لے ڈوبتی ہے۔ بہتر ہو گا کہ ایسی بری گھڑی آنے سے پہلے اسی کو سمندر میں غرق کر دیا جائے۔"

غصے کی روانی میں میں وہ حکم دے گیا اور ریمبراں اس نئے نادر شاہی حکم کی تعمیل کے لیے کیبن سے اُلٹے قدموں واپس بھی چلا گیا لیکن اگلے ہی لمحے میرا دل اس فیصلے پر مجھے ملامت کرنے لگا۔ مُردوں کی تذلیل کر کے انتقام لینا کسی بھی طرح مردانگی کے شایانِ شان نہیں تھا۔ شیلون اگر سنگدل اور بے حس تھا تو مجھے یہ زیب نہیں دیتا تھا کہ اس کے مر جانے کے بعد میں بھی اس کی طرح کمینگی اختیار کروں مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ میں اس وقت شی کا ایک طاقت ور آئی مین بن کر گن بوٹ کے عملے کو کنٹرول کر رہا تھا اور صادر کیے ہوئے فیصلے کو واپس لینا آئی مین کے منصب کے منافی محسوس ہوتا تھا لہٰذا میں نے ان خیالات کو سگریٹ کے دھوئیں میں تحلیل کرتے ہوئے سلطان شاہ پر اپنی پوری توجہ مرکوز کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس وقت مجھے سب سے زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ سلطان شاہ سکرات کے عالم سے گزر کر دوبارہ زندگی کی دہلیز پر واپس آ چکا تھا البتہ اس کے اعصاب اور قویٰ کی گہرائیوں میں اتری ہوئی برف گھر کی ہڈیوں میں گودا جما دینے والی ٹھنڈک کے اثرات باقی تھے جن کے زائل ہونے میں چند گھنٹوں سے چند دن تک کوئی بھی مدت لگ سکتی تھی جس کے بارے میں مجھے اب زیادہ فکر نہیں رہی تھی۔

"کمال ہے، آئی مین ہو جانے کے باوجود تمھارے بدن پر ابھی تک وہی میلی ڈانگری نظر آ رہی ہے جو روزالی پر پہنی تھی۔" سلطان شاہ نے بستر پر لیٹ کر خود کو سنبھالتے ہوئے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ شاید اس نے اپنے حواس بحال ہوتے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ اس کی ابتر حالت کی وجہ سے میں بدترین ذہنی دباؤ کا شکار ہو گیا تھا۔ اسی لیے وہ شگفتہ گفتگو کر کے اس بوجھل پن کو ختم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"میری جسامت شیلون سے مشابہ ہے۔ اس کا لباس میرے بالکل فٹ ہو گا۔" میں خود بھی اس پر گزرے ہوئے کٹھن لمحات کے ذکر سے گریز کرنا چاہ رہا تھا۔ "اور اس وقت ہم اسی کے کیبن پر قابض ہیں۔"

"ابھی تو تم اس آدمی سے شیلون کی لاش سمندر میں پھینکنے کی بات کر رہے تھے۔" اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔

"ہاں وہ دل کے دورے سے مر گیا، وہ وہی ملعون تھا جس نے پہلے ڈیوڈ کا ٹرل کو ہلاک کیا اور پھر تمھیں برف گھر میں قید کرا دیا، اس گن بوٹ کا کمانڈر وہی تھا۔"

"پھر اب اس بوٹ کا کمانڈر کون ہے؟" اس نے کمزور مگر تحیّر آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"آئی مین سپر مین ہوتا ہے۔" میں نے داہنی آنکھ دبا کر کہا۔ "میری موجودگی میں کوئی دوسرا کمانڈر نہیں ہو سکتا۔ تم نے اچھا کیا جو یاد دلا دیا، مجھے اپنا لباس بدل لینا چاہیے۔"

"بہت پہلے بدل لینا چاہیے تھا۔" وہ نحیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "یہ ظاہر داری کا زمانہ ہے۔ شان و شوکت کے بغیر بڑے سے بڑا انسان بھی بری طرح نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔"

میں کیبن کی ایک الماری کی طرف بڑھ گیا جو بادی النظر میں وارڈروب محسوس ہو رہی تھی۔ اس میں تہہ کیے ہوئے متعدد مردانہ ملبوسات کے علاوہ ہینگروں پر بہت سے ملبوسات لٹکے ہوئے تھے جن میں سے کئی اپنی وضع اور تراش خراش کی بنا پر بہ آسانی وردی قرار دیے جا سکتے تھے۔ غالباً وہ لوگ گن بوٹ کی آڑ میں کھلے سمندر میں من مانی کارروائیاں کرنے کے عادی تھے اور ایسی کسی بھی مہم پر متعلقہ ملک اور محکمے کی سرکاری وردیوں کے استعمال میں دریغ نہیں کرتے تھے۔ میں نے وردیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے الماری میں سے اپنے لیے ایک نرم اور گرم لباس منتخب کیا اور کیبن کا دروازہ اندر سے بولٹ کر کے پھُرتی کے ساتھ ڈانگری سے نجات حاصل کر لی کیونکہ میں اس مضحکہ خیز حالت میں ریمبراں کی موجودگی پسند نہیں کرتا تھا۔

"اب تم نے اپنا اصل روپ نکالا ہے۔" سلطان شاہ نے بستر پر پڑے پڑے تعریفی لہجے میں کہا۔ "لیکن یہ تو بتاؤ کہ گن بوٹ

پر کنٹرول حاصل کر لینے کے بعد اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"میں نے اسی خفیہ اڈّے کی طرف واپس چلنے کے لیے حکم دے دیا ہے جہاں سے یہ گن بوٹ ہماری تلاش کی مہم پر روانہ ہوئی تھی۔" میں نے اس کے قریب جا کر سرگوشیانہ لہجے میں بتایا۔

اس کی آنکھوں میں حیرت تیر گئی۔ "کیا یہ خودکشی کی کوشش نہیں ہوگی؟"

"ہم بے خبری میں وہاں پہنچیں گے اور اس اڈّے کا نام و نشان تک مٹا دیں گے۔ اس جنگی کشتی کی گن سے گرنے والا ایک گولا ہی اس ٹھکانے کو ختم کر دے گا اور ہم کسی مزاحمت کے بغیر گن بوٹ پر طویل مدت تک اپنا قبضہ برقرار رکھ سکیں گے کیونکہ اب اسی کے ذریعے ہمیں نجات کی کوئی راہ تلاش کرنا ہے۔"

"اور تمہیں خوش فہمی ہے کہ اس بحری اڈّے کی تباہی میں گن بوٹ کا عملہ بے چون و چرا تمہارا ساتھ دے گا؟" اس نے بے چینی کے عالم میں سوال کیا۔

"تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ میں آئی مین ہوں۔ وہ میرے کسی حکم سے سرِمو انحراف نہیں کر سکیں گے۔" میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "شیلون کی موت کے بعد میں نے ان کے رویّے سے اپنی طاقت کا صحیح اندازہ لگا لیا ہے اور ان لوگوں کو کسی سے بھی ریڈیائی رابطہ قائم کرنے کی ممانعت کر دی ہے۔"

"تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ تمہارے حکم پر شی کے مفادات کے خلاف بھی جا سکیں گے؟"

"شی کے مفادات اور ترجیحات کا تعین ان کا کام نہیں ان معاملات میں آئی مین پالیسی ساز تصور کیا جاتا ہے جو کچھ وہ طے کر دے وہی شی کا مفاد ہوتا ہے۔ اس سے انحراف کرنے والے کے لیے موت سے کم کوئی سزا تجویز نہیں کی جا سکتی۔" میں نے مختصر ترین الفاظ میں اپنے اخذ کیے ہوئے نتائج کا نچوڑ اسے سنا دیا۔

"اللہ کرے کہ تمہارے قیاسات درست ثابت ہوں...."

اس کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اسی وقت کیبن کے بند دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی تھی۔ میں فوری طور پر دروازے کا بولٹ گرانے کے لیے بڑھ گیا۔ دروازہ کھولنے پر ریمبراں کا مُسکراتا ہوا چہرہ دیکھ کر میں نے اسے اندر بلا لیا لیکن اس کے چہرے پر مثبت تاثرات کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ شیلون کے ساتھ کافی عرصے سے کام کر رہا تھا اور اس طویل رفاقت کے نتیجے میں اس کے دل میں اپنے کمانڈر کے لیے نرم گوشہ پیدا ہو گیا تھا۔ شیلون کی موت میں خوف و دہشت کا عنصر ضرور نمایاں تھا لیکن عملاً اس کی موت فطری انداز میں ہوئی تھی جس پر صبر کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا لیکن اپنے کمانڈر کی بے جان لاش کو سمندر کی بے رحم اور سفّاک موجوں کے حوالے کرتے ہوئے ریمبراں کا آزردہ ہونا انسانی جبلت کے عین مطابق تھا جس پر مجھے معترض ہونے کا کوئی حق نہیں تھا کیونکہ مجھے پورا یقین تھا کہ اب پوری دنیا کی ہمدردیاں بھی شیلون کو واپس نہ لا سکیں گی۔

"اس وقت گن بوٹ کی کیا پوزیشن ہے؟" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد میں نے سوال کیا۔

"ہر چیز نارمل ہے۔" ریمبراں نے محتاط لہجے میں کہا۔ "فرانسیسی بحریہ کا پرچم اتار دیا گیا ہے۔ عملے نے وردیاں بھی تبدیل کر لی ہیں اور اب یہ ایک نجی تفریحی بوٹ کی حیثیت میں کھلے سمندر سے بریسٹ کی واپسی کی راہ اختیار کر رہی ہے۔ اندازہ ہے کہ صبح ہونے سے پہلے ہم بہ حفاظت اپنے بیس اسٹیشن پر پہنچ جائیں گے۔"

"میرے ساتھی کی حالت کافی سنبھل گئی ہے۔" میں نے کہا۔ "لیکن اسے دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔ تم یہیں اس کے پاس ٹھہرو، میں بریسٹ پہنچنے سے پہلے گن بوٹ کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔"

"تم چاہو تو تمہاری رہنمائی کے لیے میں کسی کو بلا لوں؟" اس نے مؤدبانہ لہجے میں سوال کیا۔ "اس طرح تم ترتیب کے ساتھ گن بوٹ کا ہر حصّہ دیکھ سکو گے۔"

بات معقول تھی لہٰذا میں نے رضامندی ظاہر کر دی اور وہ ایک گوشے میں دیوار پر ہُک سے لٹکے ہوئے انٹرکام کی طرف بڑھ گیا اور میں سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اس سے پہلے پیغام رسانی کے لیے انٹرکام استعمال کرنے کے بجائے وہ خود کیوں دوڑ کر جاتا رہا تھا؟

"تم نے ہر بار مجھے احکام پہنچانے کا حکم دیا اور میں نے تعمیل کی، اگر میں انٹرکام استعمال کرنے کی اجازت طلب کرتا تو تم اسے میری گستاخی بھی سمجھ سکتے تھے۔" میرے استفسار پر اتنا کہہ کر وہ لحظہ بھر کے لیے جھجکا اور پھر بولا۔ "تم یہ بھی سوچ سکتے تھے کہ میں کسی وجہ سے تمہارے قریب رہنا چاہ رہا ہوں۔"

"ایلی نور کون ہے جسے تم نے بلایا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"گن بوٹ کی اسسٹنٹ نیوی گیٹر ہے۔ فرنچ ہونے کے باوجود اس کی انگریزی بہت رواں اور صاف ستھری ہے۔ دوسروں سے بات کرتے ہوئے تم اُلجھن میں پڑ سکتے تھے۔"

بہ ظاہر اس کی ہر بات معقول اور قابلِ قبول تھی لیکن میں اس نئے ماحول میں کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ دوسری طرف میرے ذہن میں شیلون کی وہ بیم گن موجود تھی جو اس نے مرنے سے قبل ریمبراں سے طلب کی تھی۔ اس کی مدد سے اس نے مجھے ہاتھ لگائے بغیر زندگی بھر کے لیے معذور کرنے کی دھمکی دی تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ کوئی نیا اور مہلک ہتھیار تھا جو کسی مخدوش صورتِ حال میں میرے کام آ سکتا تھا۔

"شیلون کی بیم گن کہاں ہے؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"اجازت ہو تو نکال دوں؟" اس نے استفسار طلب لہجے میں کہا اور میرا اشارہ پاتے ہی مسہری کی دوسری طرف رکھی ہوئی میز کی دراز سے سیاہ پستول نما ایک ہتھیار نکال لایا جس کی نال بہت مختصر تھی اور اس کے آخری سرے پر کھلی ہوئی پوری گولائی کے بجائے چھوٹے سوراخ والا ایک نوزل نظر آ رہا تھا۔ وہ ہتھیار اعشاریہ دو دو کے پستول کے برابر ہونے کے باوجود کافی وزنی تھا۔

"یہ شیلون کو حال ہی میں ملا تھا۔" وہ کہنے لگا۔ "اس سے خارج ہونے والی لیزر بیم ایک انچ موٹی لوہے کی چادر میں سے بہ آسانی گزر جاتی ہے۔"

"میرے لیے یہ نئی چیز ہے۔" میں نے اپنی علمیت کے اظہار کو غیر ضروری سمجھتے ہوئے فراخ دلی کے ساتھ کہا۔ "اپنی موجودہ مہم کے سلسلے میں کافی عرصے سے اہم شعبوں سے میرا رابطہ ٹوٹا ہوا ہے۔ ذرا اس کے استعمال پر روشنی تو ڈالو۔"

"اس کے دستے سے اوپر انگوٹھے کے قریب ایک سرکنے والا سوئچ نصب ہے۔ اسے نیچے سرکاتے ہی اس ہتھیار کی پاور سپلائی بحال ہو جاتی ہے اور ٹریگر دبانے پر نوزل سے لیزر شعاعیں خارج ہوتی ہیں جو ایک انچ موٹے لوہے میں سوراخ کر دینے کی طاقت رکھتی ہیں مگر ان شعاعوں کی خاصیت یہ ہے کہ یہ ایک جسم میں سے گزرتے ہی بے جان ہو جاتی ہیں۔" وہ فخریہ لہجے میں لیزر گن کی کارکردگی کی وضاحت کرنے لگا۔ "یعنی لوہے کی دو پتلی چادریں ایک دوسرے سے چند ملی میٹر کے فاصلے پر آگے پیچھے کھڑی کر دی جائیں تو بیم صرف آگے والی چادر میں سوراخ کرے گی، پچھلی چادر محفوظ رہے گی۔ ایسی صورت میں یہ ٹھوس لوہے کی ایک انچ موٹائی میں سے گزرنے کی طاقت کنڈکشن کی وجہ سے کھو بیٹھتی ہے۔"

"اور اس کی رینج کتنی ہے؟"

"سو میٹر تک یہ شعاعیں بہت مہلک رہتی ہیں۔ انتہائی تیز رفتار ہونے کے باوجود کششِ ثقل کے باعث بیم آگے بڑھتے ہوئے زمین کی طرف بتدریج جھکتی جاتی ہے، اس لیے فاصلے پر مار کے لیے پروجکٹائل کے اصولِ حرکت کو ذہن میں رکھنا پڑتا ہے۔ نال کے قریب بیم کی موٹائی سوئی جیسی ہوتی ہے لیکن فاصلہ بڑھنے کے ساتھ اس کا دائرۂ کار بھی پھیلتا جاتا ہے۔ سو میٹر کے بعد یہ شعاعیں حیرتناک سرعت کے ساتھ فضا میں تحلیل ہو جاتی ہیں۔"

"اگر شیلون کو یہ بیم گن دی تھی تو اس کے پاس ایکسپلوڈر بھی رہا ہو گا؟" میں نے سوال کیا۔

"ایکسپلوڈر سے میں لاعلم ہوں۔" اس نے بے بسی سے کہا۔ "وہ بھی پستول ہی ہے لیکن اس کی گولی کسی بھی جسم میں داخل ہوتے ہی پھٹ جاتی ہے اور لاش کے چیتھڑے اُڑ جاتے ہیں۔" میں نے اسے سمجھایا۔

"اوہ!" وہ تفہیمی انداز میں بولا۔ "ہم اسے تھرموبلاسٹ کہتے ہیں۔ وہ تو میرے پاس بھی موجود ہے۔ وہ شیلون ہی نے مجھے دیا تھا لیکن ایک کُتّے پر آزمانے کے سوا آج تک اس کے استعمال کی نوبت نہیں آئی۔"

"وہ مجھے دے دو، تمہارے پاس اور بھی اسلحہ ہو گا؟"

"ہمارے پاس کافی ہتھیار ہیں، تھرموبلاسٹ فالتو میگزین سمیت میں ابھی اپنے کیبن سے لے آتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ ایک مرتبہ پھر کیبن سے چلا گیا۔ میرا خیال تھا کہ لیزر گن میں اپنے ساتھ رکھوں گا اور تھرموبلاسٹ یا ایکسپلوڈر سلطان شاہ کو دے دوں گا کیونکہ اس وقت ہم بالکل ہی نہتّے تھے۔

دروازہ اس بار اندر سے بولٹ نہیں تھا لہٰذا دروازے پر دستک کے جواب میں میں نے اس طرف مڑنے کی زحمت کیے بغیر بلند آواز میں "کم اِن" کہا۔ میرا خیال تھا کہ آنے والا ریمبراں ہو گا لیکن چند ثانیوں کے بعد میرے کانوں میں ایک سُریلی نسوانی آواز آئی تو میں خوشگوار حیرت کے ساتھ تیزی سے پلٹا اور پھر اپنے سامنے کھڑی اس حسین ساحرہ کو دیکھتا ہی رہ گیا جس کے پتلے پتلے گلابی ہونٹوں پر دعوت انگیز مسکان مچل رہی تھی اور نیلی آنکھوں میں عجیب وحشیانہ سی چمک موجود تھی جس نے اس کے تیکھے خد و خال اور گلابی رنگت کا حسن ناقابلِ بیان حد تک بڑھا دیا تھا۔ اس کے سلیقے سے ترشے ہوئے اخروٹی رنگ کے بال بے پروائی سے اس کے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے اور فر کے کالر والے سیاہ اونی کوٹ کے نیچے اس کے بدن پر اسکرٹ اور بلاؤز نظر آ رہا تھا۔

"مجھے ریمبراں نے طلب کیا تھا سر!" میری بدن میں اتر جانے والی جارحانہ نظروں سے بوکھلا کر اس نے جلدی سے کہا۔ "میرا نام ایلی نور ہے، میں گن بوٹ کی اسسٹنٹ نیوی گیٹر ہوں۔"

"تم جو بھی ہو، بہت خوب ہو۔" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ سلطان شاہ پر گزرنے والے روح فرسا لمحات کے بعد اس حسین و جمیل دوشیزہ کو اپنے روبرو دیکھ کر میری جمالیاتی حس یک بیک ہی پوری قوت سے بیدار ہو گئی تھی اور میرے ذہن میں کچھ ترو تازہ خوشگوار لمحات کی اُمید پیدا ہو گئی تھی۔

"تمہیں معلوم ہے کہ تم اس وقت کس کے روبرو موجود ہو؟" میں نے اس کی زندگی سے بھرپور آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پُراشتیاق لہجے میں سوال کیا۔

"یس سر!" اس نے مستعدی سے جواب دیا۔ اس کے یاقوتی

لبوں پر مخصوص مسکان بدستور موجود تھی جو شاید پیدائشی طور پر ہمیشہ سے اس کی ذات کا ایک ناگزیر حصہ تھی "سب کو معلوم ہے کہ گن بوٹ اس وقت آئی مین کے کنٹرول میں ہے' یہ میری خوش نصیبی ہے کہ میں تم سے ہم کلام ہوں۔"

یہ انگریزی زبان کی ایک بڑی خامی ہے کہ اس میں مخاطب کے لیے صرف تم کا ایک ہی صیغہ ہے! لب و لہجے کی بنا پر یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تخاطب میں کس قدر احترام شامل ہے اور اس صیغے کا اردو میں ترجمہ تم سے کیا جاسکے گا یا آپ کا لفظ مناسب رہے گا۔ میرا اندازہ تھا کہ ایلی نور اس وقت مجھ سے آپ جناب کے لہجے میں مخاطب تھی۔

"تم نے مجھے آئی مین کیسے سمجھ لیا جب کہ یہاں ایک اور بھی اجنبی موجود ہے؟" مجھے اس زہد شکن سراپا سے گفتگو کو طول دینے میں لطف آرہا تھا لیکن وہ اپنی ذات میں میری بڑھتی ہوئی دلچسپی کو نہیں بھانپ سکی تھی۔

"بوٹ پر سب کو معلوم ہے کہ کمانڈر شیلون نے اپنی بدترین غلط فہمی کی بنا پر تمھارے ساتھی کو فریزنگ باکس میں ڈلوا دیا تھا پھر تمھاری شناخت ظاہر ہوتے ہی دہشت سے اس کا ہارٹ فیل ہوگیا۔ اگر تمھارا ساتھی بستر پر دراز ہونے کے بجائے اپنے قدموں پر کھڑا ہوتا تو شاید میرے لیے شناخت دشوار ہوتی۔"

میں نے آگے بڑھ کر نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور اس کے چہرے پر مسرت کی سرخی دوڑ گئی۔ "مجھے خوشی ہے کہ تم صرف خوبصورت ہی نہیں بلکہ ذہین بھی ہو۔" اس وقت مجھے ایلی نور کے دبیز اونی کوٹ پر ہلکا سا غصہ آیا تھا۔

اس کی چمکتی ہوئی نیلی آنکھوں میں آرزوؤں کے الاؤ بھڑک اُٹھے۔ اس مرحلے پر اسے یک بہ یک ہی اپنی ذات میں میری دلچسپی کا ادراک ہوا تھا اور شاید اس کا ذہن فضاؤں میں پرواز کرنے لگا تھا۔ اس نے آنکھیں موند کر اپنے شانے پر رکھے ہوئے میرے ہاتھ کی جانب اپنی گردن کو خم دینا شروع کیا تو میں نے آہستگی سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا اور اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں جن میں ہلکا سا ہراس اُمڈ آیا تھا۔

جذبات کی رو میں بہہ کر وہ جو کچھ کر گزری تھی' اس کے بارے میں پُریقین نہیں تھی کہ میں اس حرکت کو قبول کرلوں گا یا اس کی سرزنش کروں گا لیکن اس وقت میں خود بھی ریبراں کی متوقع واپسی کی وجہ سے محتاط تھا، اس لیے ایلی نور سے نگاہیں چار کیے بغیر سلطان شاہ کی طرف گھوم گیا۔

"چند منٹ ٹھہرو' ریبراں آجائے تو میں تمھارے ساتھ گن بوٹ کا معائنہ کروں گا۔" میں نے ایلی نور کی طرف متوجہ ہوئے بغیر نرم دھیمی آواز میں کہا۔

"مجھ سے اگر کوئی گستاخی ہوئی ہو تو میں معافی چاہتی ہوں۔" میرے کانوں میں ایلی نور کی سہمی ہوئی آواز آئی۔ "میرے ذہن میں آئی مین کا تصور بہت ہولناک اور روح فرسا تھا جس سے بات کرتے ہوئے بڑے بڑے سورماؤں کا پتا پانی ہوجانا چاہیے لیکن تم میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تمھاری نرم دلی اور خوش کلامی سے مسحور ہوگئی تھی۔"

"کوئی بات نہیں' تم سے مل کر مجھے خوشی ہوئی ہے کہ تم جیسی لڑکیاں بھی ہیں۔ تم مجھے اپنے حق میں مہربان اور ہمدرد پاؤ گی مگر ریبراں وغیرہ کے لیے میں ایک سخت گیر آئی مین ہوں' میری شخصیت کے اس تصور میں کوئی فرق نہ آنا چاہیے۔" میں نے اپنے دل کی تیز دھڑکنوں کے درمیان سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"تم بہت عظیم ہو۔" ایلی نور کی آواز وفورِ مسرت سے کپکپا رہی تھی' اس کے وجود میں چھپی ہوئی عورت نے میرے الفاظ میں پوشیدہ پیغام پڑھ لیا تھا۔ "میری وجہ سے تمھاری ذات پر کوئی حرف نہیں آئے گا۔ شاید میں تمھارے ہی انتظار میں اپنی طرف بڑھنے والے ہر مرد کو سردمہری سے ٹھکراتی رہی ہوں۔"

"کیا کہہ رہی ہے یہ؟" سلطان شاہ نے اردو میں کمزور لہجے میں سوال کیا۔

"مجھ سے دوستی چاہتی ہے۔" میں نے اردو ہی میں جواب دیا۔ "بڑی دوآتشہ لڑکی ہے۔ میں اس سے کام لینے کے امکانات پر غور کر رہا ہوں۔ اس سے بہت مدد مل سکتی ہے۔"

"ضرور غور کرو' یہ تو خود تمھارے کام آنے پر تُلی ہوئی ہے۔" سلطان شاہ نے بے پروائی سے کہا۔ "میں نے تو اس کے لہجے سے ہی دال میں کالا ہونے کا اندازہ لگا لیا تھا۔ عجیب لہجے اور تلفظ سے انگریزی بولتی ہے چند الفاظ کے سوا میرے پلے کچھ بھی نہیں پڑ سکا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تمھاری رگوں میں جمی ہوئی برف پگھلنے لگی ہے۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "لیکن اس لڑکی کو میری طرف سے بھڑکانے کی کوشش نہ کرنا۔ یہ مجھے ریبراں کے مقابلے میں زیادہ قابلِ اعتماد نظر آتی ہے۔"

"برقع میں سامنے آئی ہوتی تو تمھاری رائے ہرگز یہ نہ ہوتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسے پہلے سے تمھاری کمزوری کا اندازہ تھا۔"

اسی وقت ریبراں دروازے پر دستک دے کر کیبن میں آگیا' اس کے ہاتھ میں تھرمو بلاسٹ اور ایک ڈبا موجود تھا جو اس نے آتے ہی ادب و احترام سے مجھے تھما دیا۔

"یہ ایکسپلوڈر اور اس کا فاضل میگزین ہے۔" میں نے دونوں چیزیں سلطان شاہ کو دیتے ہوئے اردو میں کہا۔ "اس کے ہوتے ہوئے تم کبھی خود کو بے بس محسوس نہیں کرو گے۔"

"ایلی نور حکم کی منتظر ہے سر!" خاموشی کا وقفہ طویل ہوتے ہی ریبراں نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" میں اس کی طرف گھوم گیا۔ "میں ایلی نور کے ساتھ جارہا ہوں۔ تم میری واپسی تک یہیں ٹھہرو گے۔" یہ کہتے ہوئے میں نے وارڈروب سے اسٹر نکال کر شانوں پر ڈالا اور پھر نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا' ایلی نور نہایت سعادت مندانہ انداز میں میرے پیچھے آئی تھی۔

کیبن کا دروازہ بند کرکے وہ نیم روشن راہداری کے نرم قالین پر بے آواز قدموں سے لپک کر میرے برابر میں آگئی اور میں نے اضطراری طور پر اس کا ملائم' مخروطی ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا جس میں بڑھتے خون کی حرارت موجود تھی۔ اس کے ہاتھ کا بھرپور لمس محسوس کرتے ہی میرے وجود میں بیک وقت ہزاروں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں اور میں نے فوراً اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ مجھے خوف پیدا ہوا تھا کہ راہداری میں کہیں عملے کا کوئی شخص مجھے ایلی نور کے ساتھ اس بے تکلفانہ حالت میں نہ دیکھ لے۔

"کہاں سے شروع کرو گی؟" میں نے لحظہ بھر کے بعد سوال کیا۔

"میرا کیبن قریب ہی ہے... کیوں نہ پہلے ادھر ہی چلا جائے؟" اپنے آئی مین کی توجہ حاصل کرلینے پر اس کا ذہن اس کے قابو سے باہر ہوا جارہا تھا اور آواز بوجھل ہوگئی تھی۔

"اس کی باری آخر میں آئے گی۔ نیوی گیشن کنٹرول اور ریڈیو روم سے ابتدا بہتر رہے گی۔ گن بوٹ پر بے فکری کے کچھ لمحات گزارنے سے پہلے میں اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننا چاہتا ہوں۔ ورنہ سچ پوچھو تو میں اپنی طویل مہم کے دوران ہونے والے جدال و قتال سے اکتایا ہوا ہوں۔"

"تمھاری زندگی کس قدر سنسنی خیز اور ہنگاموں سے لبریز ہوگی؟" وہ منمناتی ہوئی آواز میں رشک آمیز لہجے میں بولی۔ "میں تو اس بارے میں سوچ سوچ کر ہی پاگل ہوئی جارہی ہوں۔"

"اچھا اب خاموش رہو۔" میں نے آہستگی سے کہا۔ "بے تکلفی کے لمحات بعد میں بھی میسر آسکتے ہیں۔"

گن بوٹ کا نیوی گیشن روم مختصر لیکن جدید ترین آلات سے مزین تھا جس میں ایک پیچیدہ کنٹرول پینل بھی موجود تھا جس پر انجن کے مختلف حصوں میں تیل کے دباؤ اور رفتار سے لے کر درجۂ حرارت بتلانے والے گیج بھی نصب تھے۔ اسی پینل سے ایک بٹن دبا کر انجن اسٹارٹ یا بند کیا جاسکتا تھا اور وہیں سے لنگر ڈالنے والے مشینی نظام کو حرکت میں لایا جاسکتا تھا۔ وہاں بحری کپتان کی مخصوص سفید وردی میں ایک خرانٹ شخص موجود تھا جبکہ ایلی نور کی نشست عارضی طور پر بوٹ کے محافظوں میں سے ایک نے سنبھالی ہوئی تھی۔

ریڈیو روم اس سے بھی مختصر اور صاف ستھرا تھا۔ وہاں اولینی کانوں پر ہیڈ فون چڑھائے پینل کے سامنے اپنی اونچی کرسی پر براجمان تھا۔ جگہ جگہ سبز' سرخ اور نارنجی روشنیاں جل رہی تھیں۔ اولینی نے ہمیں دیکھتے ہی اپنی کرسی چھوڑ کر احترام میں سر جھکا دیا تھا۔ اس سے پتا چلا کہ اس وقت تک گن بوٹ کے لیے کوئی پیغام موصول نہیں ہوا تھا البتہ کئی اسٹیشنوں اور قرب و جوار سے گزرنے والے جہازوں کے پیغامات واضح طور پر سُنے جارہے تھے۔

اولینی اور ایلی نور کے جانشین کے علاوہ ڈیوٹی روم میں ایک اور آدمی نظر آیا۔ ایلی نور نے بتایا کہ باقی دو آدمی اگلی شفٹ کی تیاری کے لیے اپنے کیبنوں میں آرام کر رہے تھے' اس طرح گن بوٹ کا سارا عملہ آٹھ نفوس پر مشتمل تھا۔ بعد میں انجن روم اور سوئچ روم سے گزرتے ہوئے ایلی نور کے بیان کی تصدیق ہوگئی کیونکہ وہاں چڑیا کا بچہ بھی نہیں تھا۔

"اب کدھر کا ارادہ ہے؟" میں نے معنی خیز لہجے میں ایلی نور سے سوال کیا۔

"کچن اور میس بیکار ہیں۔ اسٹور میں پُرزوں کی پیٹیوں کے ساتھ ہی اسلحہ کی پیٹیاں بھی موجود ہیں' میرا خیال ہے کہ تمھیں ان میں تو کوئی دلچسپی نہیں ہوگی۔"

"اپنے کیبن کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟"

"بس یہی ٹھیک ہے۔" وہ ایک دم کھل اُٹھی اور اس کا چہرہ گلنار ہوگیا۔ "وہ لوگ سمجھیں گے کہ میں تمھیں پوری بوٹ کا تفصیلی معائنہ کرا رہی ہوں۔"

ہم گن بوٹ کی درمیانی منزل پر آئے۔ اس پورے حصے میں سردی کا اثر بہت کم تھا۔ معلوم ہو رہا تھا کہ کسی مرکزی نظام کے ذریعے اس منزل کو گرم رکھا جارہا تھا۔ راہداری کے وسط میں ایلی نور ایک مقفل دروازے کے سامنے رُکی اور کوٹ کی جیب سے چابی نکال کر قفل کھول دیا۔

گن بوٹ کے معیار کے مطابق وہ کیبن ستھرا' کشادہ اور آراستہ تھا۔ ہر چیز قرینے سے اپنی جگہ پر موجود تھی جس سے ایلی نور کے ستھرے ذوق کا اندازہ ہوتا تھا۔ ایلی نور کو اونی کوٹ اتارنے میں مدد دیتے ہوئے میں نے اس کے سراپا کا جائزہ لیا تو دل ہی دل میں قدرت کی فیاضی کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا' اس جیسی متناسب جسم اور اعضا والی عورتیں میری نگاہوں سے کم ہی گزری تھیں' اونی کوٹ نے درحقیقت اس کی آدھی سے زیادہ دلکشی کو چھپایا ہوا تھا' وہ بغیر کوٹ پہنے شیلون کے کیبن میں آئی ہوتی تو تقویٰ کے موضوع پر... سلطان شاہ کی تقریر یقیناً خاصا طول پکڑ جاتی۔

اپنا اسٹراتار کر میں نے ایک کھونٹی پر ٹانگ دیا اور بے تکلفانہ انداز میں آرام دہ صوفے پر دراز ہو گیا۔ ایلی نور نے پلٹ کر کیبن کا دروازہ اندر سے بولٹ کر دیا۔

"مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا ہے کہ تم مجھ پر اتنے مہربان ہو گئے ہو۔" وہ میرے قریب بیٹھتے ہوئے والہانہ انداز میں بولی۔ "کسی آئی مین سے ملاقات کا تصور شی کے عام کارندوں کے لیے بس ایک خواب ہوتا ہے۔ پتا نہیں میرا یہ خواب کیسے پورا ہو گیا۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا پینا پسند کرو گے؟"

"جو جی چاہے لے آؤ' ویسے میں ڈی لکس اسکاچ کو ترجیح دیتا ہوں۔"

"برا نہ مانو تو کہوں کہ تمھارے سانسوں سے عمدہ قسم کی برانڈی کی بو آرہی ہے۔"

میں ہنس پڑا۔ وہ ریمبراں میرے ساتھی کو پلانا چاہ رہا تھا۔ ویسے تم اس معاملے میں کافی تجربے کار معلوم ہوتی ہو۔"

"اپنا وقت اسی شوق میں گزارتی ہوں۔ مردوں سے میری دوستی آج تک ایک حد سے آگے نہیں بڑھ سکی۔"

"جبھی تمھارے سانسوں میں ارمانوں کی آگ مہک رہی ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر آنکھیں موندتے ہوئے کہا۔ "ایسی خود پسندی کبھی کبھی انسان کو تباہی کے راستے پر لے جاتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم جیسی عورت کو مجھ سے بہتر مردوں نے پوجنا چاہا ہو گا مگر تم نے انھیں ٹھکرا دیا کیونکہ وہ آئی مین نہیں تھے اور اب محض اپنے آئی مین کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے تم فراخ دلی پر آمادہ ہو۔"

"انسان صرف آنکھ ناک اور خدوخال کا نام نہیں ہوتا۔" وہ اسکاچ کے دو گلاس بناتے ہوئے سنجیدگی کے ساتھ بولی۔ "مزاج' اخلاق اور زبان کے بغیر انسان پتھر کا ایک حسین مجسمہ بن کر رہ جاتا ہے جسے نظر بھر کر دیکھا تو جا سکتا ہے لیکن چاہا نہیں جا سکتا۔ اپنے معیار پر میں نے تمھیں ایک مکمل انسان پایا ہے۔"

"مگر میں جب تک اپنی موجودہ مہم کو مکمل نہ کر لوں خود کو ادھورا تصور کرتا رہوں گا۔" میں نے موقع پاتے ہی گفتگو کو اپنی مرضی کے رخ پر ڈالتے ہوئے کہا۔ "مکمل انسان سدا بہار اور آسودہ ہوتے ہیں۔"

"تمھارا منصب بہت بلند ہے جو شاید میرے تصور کی دسترس سے بھی باہر ہے۔" اس نے اسکاچ کے دونوں گلاس تپائی پر رکھتے ہوئے کہا۔ "پھر بھی میں تمھارے کسی کام آسکی تو مجھے خوشی ہو گی۔"

"تم۔" میں نے اپنا گلاس فضا میں ہولے سے اس کے گلاس سے ٹکراتے ہوئے پرخیال لہجے میں کہا۔ "مجھے تمھاری عمر معلوم نہیں لیکن چہرے سے تم خاصی کم سن نظر آتی ہو۔ . . تم سے میں کسی مدد کی توقع نہیں کر سکتا۔ ہاں تمھیں سمندری زندگی کا تجربہ ہوتا تو تم میرے کام آسکتی تھیں۔"

وہ اتنی بھی کم سن نہیں تھی لیکن میں نے اس کے دماغ میں ہوا بھرنے کی نیت سے نپے تلے الفاظ کا انتخاب کیا تھا جن کا اثر میری توقع کے مطابق ہوا۔ اپنی کمسنی کے ذکر پر وہ ایک دم کھل اٹھی اور فخریہ لہجے میں بولی۔ "یہ بات پہلے بھی کئی مرد کہہ چکے ہیں مگر میں نے ہمیشہ یہی سمجھا کہ وہ مجھے رجھانے کے لیے میری تعریف کرتے ہیں مگر تمھاری رائے یقیناً میرے لیے سند ہے — ویسے میں اتنی بھی کم سن نہیں ہوں۔ میری عمر بائیس برس ہے جس میں سے چھ سال میں نے سمندر میں گزارے ہیں اور یہی میرا کل تجربہ ہے۔"

"سمندر کے چھ سال تو بہت ہوتے ہیں۔" میں نے تعجب آمیز حیرت سے کہا۔ "تم شی میں کب سے آئی ہو؟"

"شی میں یہ میرا پہلا سال ہے۔ اس سے پہلے میں کنگ لائنز میں کام کرتی تھی۔" اس کے جواب نے میرے ذہن کے بے شمار دریچے منور کر دیے کیونکہ کنگ لائنز میرے لیے نیا نام نہیں تھا۔ روزالی کے میس میں ڈیوڈ کاٹرل کا ماتحت جوناس ہمیں بتا چکا تھا کہ کنگ لائنز جمی لائیڈ کی ملکیتی جہازراں کمپنی تھی جس کے صدر دفاتر یونان میں تھے اور اب ایلی نور جمی لائیڈ کی اسی کمپنی سے اپنے پرانے تعلق کا اعلان کر رہی تھی۔ جبکہ میں خود ایک طویل تمہید کے بعد گفتگو کو اسی رخ پر لانے کا ارادہ کیے بیٹھا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ ایلی نور نے کنگ لائنز کا نام لے کر میرا کام خاصا آسان کر دیا تھا۔

"پانچ سال میں نے کنگ لائنز کے مالک کے خوب صورت نجی جہاز پر معاون جہازراں کے طور پر گزارے تھے۔" ایلی نور میرے ذہن میں اٹھنے والی آندھیوں سے بے خبر اپنی رو میں کہہ رہی تھی۔ "میڈوسا نامی اس تفریحی جہاز پر دنیا کی ساری آسائشیں موجود تھیں اور وہ سال میں دس مہینے بحیرۂ مردار میں لنگر انداز رہتا تھا۔ اس پر کبھی کبھار بڑی دعوتیں ہوتی تھیں جن میں قیمتی شراب پانی کی طرح بہائی جاتی تھی اور مدہوش جوڑے ساری ساری رات بال روم میں ناچتے رہتے تھے۔ مشہور اداکاروں سے معزز سیاست داں تک میڈوسا کے طلسماتی ماحول میں آکر سحر زدہ ہو جاتے تھے اور ایسی رنگین راتوں میں اس جہاز پر ایسی ایسی بے اعتدالیاں کر گزرتے تھے جن کے بارے میں وہ عام زندگی میں سوچتے ہوئے بھی شرماتے ہوں گے . . ."

"کنگ لائنز تو شاید جمی لائیڈ کی ملکیت ہے۔" میں نے اسے ماضی کی دلفریب یادوں سے واپس حقائق کی دنیا میں لانے کی نیت سے ٹوکا اور وہ ایک جھرجھری سی لے کر رہ گئی۔

"وہ جہاز رانی کی صنعت کا بے تاج بادشاہ ہے۔" وہ بولی۔ "اسی نے مجھے میڈوسا پر ملازمت دی تھی اور پھر اسی کی وجہ سے مجھے وہ یادگار ملازمت چھوڑنا پڑ گئی۔ ان پانچ سالوں میں میں نے مشہور اور بڑے لوگوں کی اکثریت کو قریب سے دیکھا ہے اور ان کے گھناؤنے روپ نے مجھے ان سب سے متنفر کر دیا۔ ان پارٹیوں میں بڑے بڑے کاروباری سودے اور رشوت کے لین دین طے ہوتے تھے۔ ہوسِ زر میں مبتلا ساہوکار اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو دودھ کے جنگل میں چھوڑ کر میڈوسا پر نئے شکار کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے لیکن میڈوسا کی وہ رسوا کن کہانیاں کبھی منظرِ عام پر نہ آسکیں۔ کیونکہ اس حمام میں سب ننگے تھے' کوئی شکاری ایسا نہ تھا جو خود شکار نہ ہوتا ہو۔"

"تم اس ملازمت سے بہت متاثر نظر آتی ہو — پھر آخر وہ ملازمت کیوں چھوڑنا پڑی تم کو؟" میں نے گلاس سے ایک گھونٹ لیتے ہوئے روا روی میں سوال کیا۔

"میرا متاثر ہونا لازمی تھا۔" وہ پرخیال انداز میں اپنے گلاس پر نظریں جما کر بولی۔ "میں اب کم سن نہیں ہوں لیکن اس وقت ضرور کم عمر تھی اور میں نے میڈوسا پر زندگی کا وہ قیمتی تجربہ حاصل کیا ہے جو شاید سو برس کی عمر میں بھی مجھے حاصل نہ ہو سکتا لیکن میں نے اس بھیڑ میں اپنی انا کو کبھی قربان نہیں کیا۔ جمی لائیڈ نے ایسی ہی ایک دعوت میں مجھے اپنی ملازمہ سمجھ کر ایک غیر ملکی امیر البحر کے حوالے کرنا چاہا لیکن میں نے وہ میزبانی قبول کرنے سے انکار کر دیا اور وہی میڈوسا پر میری ملازمت کے آخری لمحات تھے۔ جمی لائیڈ نے مہمانوں کو کریٹ کے ساحل سے میڈوسا پر لانے والی ایک بوٹ کے ذریعے مجھے اسی وقت ساحل پر بھجوا دیا ورنہ میں آج میڈوسا کی چیف نیوی گیٹر ہوتی۔"

"بڑی عجیب کہانی ہے تمھاری۔" میں نے متاثر ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ "عمر کے اس مرحلے پر ترقی کے جوش میں انسان عموماً انا سے سمجھوتا کر کے بڑی سے بڑی قربانی بھی دے جاتا ہے مگر تم تو نری احمق نکلیں۔"

"سمجھوتے کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں۔" اس کے ننھے سے دماغ پر فلسفہ طاری ہونے لگا۔ "شاید جمی لائیڈ خود میری طرف پیش قدمی کرتا تو میں اسے نہ ٹال پاتی لیکن اس نے اپنے مہمان کو آگے لا کر مجھے یہ احساس دلانا چاہا کہ وہ مجھے اپنی زر خرید جاگیر سمجھتا ہے۔ بس یہ بات میں قبول نہ کر سکی۔"

"میرا خیال ہے کہ تم شاید میری مدد کر سکو گی۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "میری موجودہ مہم بھی کنگ لائنز والے جمی لائیڈ کے خلاف ہے۔"

اس کی آنکھیں حیرت سے کشادہ ہو گئیں۔ "کنگ لائنز والے جمی لائیڈ کے خلاف . . . یعنی کچھ نہ کچھ گڑبڑ شروع ہو چکی ہے۔"

"تم کسی اور جمی لائیڈ سے واقف ہو؟" میں نے سوا اور پرسکون لہجے میں سوال کیا۔

"صرف نام سنتی رہی ہوں . . . یہ عجیب اتفاق ہے کہ میری دوسری ملازمت بھی جمی لائیڈ نامی شخص کے پاس ہے . . . شی میں ہر ایک اس نام سے شناسا ہے۔"

"ناموں کی اس یکسانیت نے کبھی تمھیں کچھ سوچنے پر مجبور نہیں کیا؟"

"میں نے کنگ لائنز میں ملازمت نہ کی ہوتی تو شاید ضرور سوچتی۔" اس نے بلا توقف جواب دیا۔ "وہ اس وقت دنیا کا کامیاب ترین جہازراں اور ایک معزز شخص ہے، شی کے سربراہ کا اس سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔"

"کنگ لائنز سے نکالے جانے کے بعد تم شی میں کیسے آئی تھیں؟" میں نے اطمینان سے اپنے لب تر کر کے سگریٹ سلگانے کے بعد اس سے اگلا سوال کیا۔

"ساحل پر اتارے جانے کے بعد میرا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ میں ایک ہوٹل میں چلی گئی اور وہیں مجھے شیلون مل گیا۔ اس نے میرے ساتھ دو پیگ پینے کے بعد مستقل ملازمت کی پیش کش کی جو میں نے قبول کر لی۔ اس طرح میں چند گھنٹوں سے زیادہ بے روزگار نہیں رہی۔ تیسرے دن شیلون مجھے اپنے ساتھ فرانس لے آیا۔"

"تمھیں علم تھا کہ تم شی کی ملازمت اختیار کر رہی ہو؟"

"فرانس واپسی کے بعد ایک ہفتے تک کسی نامعلوم مقام پر میری ذہنی آزمائشیں ہوتی رہیں۔ ان سے گزرنے کے بعد رازداری کا حلف لینے کے بعد مجھے اصلیت سے آگاہ کیا گیا تھا۔ میرے اثباتی ردِ عمل کے دوسرے دن مجھے گن بوٹ پر پہنچا دیا گیا اور میں اپنی اس زندگی سے بہت خوش ہوں۔" اس نے دھیمی آواز کہا۔

"جہازراں جمی لائیڈ کو کسی طرح علم ہو گیا ہے کہ اس کا کوئی ہم نام شی نامی ایک زیرِ زمین تنظیم کا روحِ رواں ہے۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ کر ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "اور اس نے بدمعاشی کی ٹھان لی ہے۔ اس نے شی کا سربراہ بن کر ہمیں لاکھوں ڈالر مالیت کے کئی چرکے لگائے ہیں۔ ایشیائی علاقے خاص طور پر اس کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں اور اب میں ہر قیمت پر اس تک پہنچ کر ہمیشہ کے لیے اس کا خاتمہ کرنا چاہتا ہوں۔"

میرے مفروضہ انکشاف پر وہ ہکا بکا رہ گئی۔ "اب تک بے تحاشا دولت کمانے کے باوجود وہ اس قسم کی گھٹیا حرکتیں کرنے لگا ہے؟"

"قناعت صرف مفلسی اور بے مائیگی میں ہوتی ہے۔ پیسہ بڑھنے کے ساتھ اس کی ہوس بھی بڑھتی جاتی ہے لیکن تمھارے پرانے آجر کا وقت اب پورا ہو چکا ہے۔ شاید اسے کہیں سے بھنک مل گئی

ہے کہ اُس کی موت کا پروانہ جاری ہو چکا ہے۔ اس لیے آج کل وہ ایک جگہ نہیں ٹکتا، چھلاوے کی طرح ٹھکانے بدلتا رہتا ہے۔ اس تلاش میں تم میری کیا مدد کرسکتی ہو؟"

"یہ میرے لیے بہت دلچسپ کام ہوگا۔" وہ اپنا گلاس خالی کرتے ہوئے بولی: "یہ میری خوش نصیبی ہے کہ تم نے مجھے اپنے اعتماد کے قابل سمجھا ہے۔ اس طرح میں اُس سے نہ صرف اپنی توہین کا انتقام لے سکوں گی بلکہ شی کی خدمت بھی کرسکوں گی جو لوگ ظاہر میں معصومانہ سوانگ رچا کر جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں میری نظر میں وہی معاشرے کے ناقابلِ معافی مجرم ہوتے ہیں۔ ورنہ مسلّمہ بدکاروں سے تو ہر ایک ہی چوکنا رہتا ہے۔"

"وہ تمھیں پہچانتا ہے۔ یہ کام تم کیسے کرسکو گی؟"

"یہ باتیں کیا ہم کسی اور وقت طے نہیں کر سکتے؟" وہ دوسرا گلاس تیار کرنے کے لیے اُٹھتے ہوئے اِٹھلا کر بولی: "وقت تیزی سے گزرتا جا رہا ہے۔ ہم یہاں اس لیے تو نہیں آئے تھے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" میں نے پہلو بدلتے ہوئے کہا: "لیکن میرے ذہن پر شب و روز کام سوار رہتا ہے۔ تمھاری زبان سے جعلی جمی لائیڈ کا ذکر سننے کے بعد میرے لیے اس موضوع میں ایک نئی دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔"

"جعلی جمی لائیڈ!" وہ مخمور لہجے میں ہولے سے ہنسی: "تم اسے جو چاہو کہہ سکتے ہو لیکن ہے وہ بھی اصلی۔ بلکہ دیکھا جائے تو وہ زیادہ معروف ہے۔ اُس کی شہرت یورپ کے کاروباری حلقوں سے باہر بھی پھیلی ہوئی ہے۔"

مجھے خوشی تھی کہ میں اسے جمی لائیڈ نامی دو مختلف اشخاص کے وجود کا یقین دلانے میں کامیاب رہا تھا کیونکہ وہ خود بھی یہی سمجھتی تھی جب کہ میرے تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں وہ دونوں ایک ہی تھے اور اُس اکلوتے جمی لائیڈ کی تسخیر میرے لیے عرصۂ دراز سے ایک حسرت بنی ہوئی تھی۔

ایلی نور اسکاچ کا دوسرا گلاس لے کر میرے پہلو میں صوفے پر آئی تو اُس کے قدموں میں بہت ہلکی سی لغزش پیدا ہو چلی تھی اور اُس کی نیلی آنکھوں میں خمار کے ڈورے تیر رہے تھے۔

"تم بہت سُست پیتے ہو۔" اُس نے بے حجابی کے ساتھ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور میں نے ایک ہی گھونٹ میں اپنا گلاس خالی کر دیا۔

دوسرا گلاس پیتے ہوئے گفتگو کا دائرہ سمٹتے سمٹتے بس ہم دونوں کی ذات تک محدود ہو کر رہ گیا اور اِن ہی لمحات میں پہلی بار مجھے خیال آیا کہ گن بوٹ کھلے سمندر میں سفر کر رہی تھی اور اُس کی اسسٹنٹ نیوی گیٹر میرے ساتھ مے نوشی میں مصروف تھی۔ اپنی نشست سے اُس کی طویل غیر حاضری گن بوٹ کے عملے میں بہت سی چہ میگوئیوں کو جنم دے سکتی تھی لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ ایلی نور کے اعصاب پر چڑھتے ہوئے سُرور کو زائل کرنا میرے بس سے باہر تھا۔ میں زیادہ سے زیادہ یہی کرسکتا تھا کہ آئی مین کی حیثیت سے اُس کی انا کی تسکین کا سامان کر کے جلد از جلد وہاں سے اپنے کیبن میں پہنچ جاؤں تاکہ ایلی نور کی غیر حاضری زیادہ شدّت سے میری طرف منسوب نہ کی جاسکے۔

میں اپنے چہرے پر گمبھیر سنجیدگی طاری کیے واپس اپنے کیبن میں پہنچا تو سلطان شاہ اونی کمبل اوڑھے مسہری پر گہری نیند سو رہا تھا اور رمیراں کسی وفادار کُتّے کی طرح صوفے پر مستعدی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا مجھے دیکھتے ہی وہ ہڑبڑا کر اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔ وہ پوری طرح بیدار تھا مگر میں نے اُس کی آنکھوں میں اکتاہٹ کے آثار پڑھ لیے تھے۔ اس لیے فوراً ہی اُسے چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا۔

"تم جا کر آرام کرو لیکن اپنے آدمیوں کو بتا دینا کہ ایلی نور کو ڈسٹرب نہ کریں۔ وہ گہرے نشے میں ہے۔ اس سے پوچھ گچھ کے لیے مجھے مجبوراً الکحل کا سہارا لینا پڑا کیوں کہ میں عورتوں پر تشدد کا قائل نہیں ہوں۔" رمیراں سے وہ کہانی تراش کر میں نہ صرف ایلی نور کو آرام کا موقع دینا چاہتا تھا بلکہ اس طرح میں نے اپنا کامیاب دفاع بھی کیا تھا۔

رمیراں کی آنکھوں سے اُکتاہٹ کافور ہو گئی اور اُس کا چہرہ زرد پڑ گیا: "کیا ایلی نور قابلِ اعتبار نہیں ہے سَر؟" اُس نے حیرت اور بے یقینی کے عالم میں جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

"ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔" میں نے سخت لہجے میں کہا: "یہ تفصیل تم اپنی ذات تک محدود رکھو گے۔ فی الحال میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ ایلی نور کے خود ہوش میں آنے سے قبل کوئی اُس کی تنہائی میں مخل نہ ہو۔ فیصلہ کر لوں گا تو سب کو علم ہو جائے گا۔"

"او۔ کے سَر!" وہ مزید کچھ پوچھنے کی جرأت کیے بغیر سر جھکا کر کیبن سے رخصت ہو گیا اور میں اپنے جسم پر لدے ہوئے وزنی لباس سے چھٹکارا حاصل کرنے میں مصروف ہو گیا۔

"کہاں کہاں کی سیر کر آئے؟" اچانک سلطان شاہ کی شوخ آواز سُن کر میں چونک پڑا۔

"تم تو گہری نیند سو رہے تھے۔" میں نے اُسے گھورتے ہوئے غصیلے لہجے میں کہا۔

"تم جس بلا کو میرے سر پر مسلط کر گئے تھے، اُس سے نجات حاصل کرنے کے لیے سونے کی اداکاری کرنا پڑی ورنہ وہ ہر منٹ بعد خور و نوش اور دیگر خدمات کے بارے میں سوال کر کر کے پاگل کیے دے رہا تھا۔ کئی دفعہ زبردستی بستر پر چڑھ کر میرے ہاتھ پیر دبانے لگا تھا۔"

"تو یوں کہو کہ میرے آئی مین ہونے کا صحیح فائدہ تم اُٹھا رہے تھے۔"

"صحیح فائدہ تو تم ساتھ لے گئے تھے، اُسے کہاں چھوڑ آئے؟ مجھے حیرت ہے کہ تم جیسے شکر خورے کو اس کھلے سمندر میں بھی شکر کی بوری میسر آ گئی۔"

"بکواس مت کرو۔" میں نے بُرا سا منہ بنا کر کہا: "یہ خرافات کا موقع نہیں ہے، وہ لڑکی میرے منصوبے کے لیے بہت کارآمد ثابت ہوگی کیونکہ وہ کنگ لائنز میں پانچ برس جمی لائیڈ کے نجی جہاز پر ملازمت کر چکی ہے۔"

میرے اس انکشاف پر وہ ششدر رہ گیا اور میں نے آہستہ آہستہ اُسے ایلی نور کے پورے پس منظر سے آگاہ کر دیا۔

"کہانی تو واقعی بہت دلچسپ ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایلی نور تمھارے کس منصوبے کے لیے کارآمد ثابت ہو سکتی ہے؟" اس نے بستر پر پہلو بدلتے ہوئے سوال کیا۔

"ابھی میرے ذہن میں بھی اس منصوبے کا خاکہ واضح نہیں ہوا ہے۔ اس پر میں بریسٹ سے واپسی پر غور کروں گا۔ فی الحال یہ سمجھ لو کہ میں ایلی نور کے ذریعے جمی لائیڈ تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"جن حالات میں ایلی نور کنگ لائنز کی ملازمت سے نکالی گئی ہے ان کی روشنی میں تو شاید وہ جمی لائیڈ تک پھٹک بھی نہ سکے گی۔" اس نے پُرخیال انداز میں ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"یہی تمھاری خام خیالی ہے۔ میڈوسا پر امیر البحر اور ایلی نور کا واقعہ اتفاقی بھی ہو سکتا ہے اور پہلے سے طے شدہ بھی کیونکہ جمی لائیڈ اپنے لیے کام کرنے والوں کی نفسیات پر گہری نظر رکھنے کا عادی ہے۔ ایلی نور کی کھلی ہوئی حکم عدولی کے نتیجے میں اسے میڈوسا کی ملازمت سے فوری طور پر برطرف کر دیا گیا لیکن جمی لائیڈ اسے کھونا نہیں چاہتا تھا لہٰذا ایلی نور کے ساحل پر اترنے کے بعد جمی لائیڈ کی ہدایت پر شیلون اس سے جا ٹکرایا اور یوں وہ میڈوسا سے نکالے جانے کے بعد گن بوٹ پر رکھ لی گئی۔ اس لڑکی میں یقیناً کچھ ایسے خواص موجود ہیں جن کی جمی لائیڈ قدر کرتا ہے۔"

"کچھ خواص تو اس قدر ظاہر ہیں کہ مجھ جیسا موٹی عقل والا بھی ان سے انکار نہیں کر سکتا۔ حسین اور اخلاقی اقدار میں یقین نہ رکھنے والی عورتیں مجرموں کے لیے ہمیشہ کارآمد ثابت ہوتی ہیں۔" مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش کر رہا ہو لیکن میں اسے ایلی نور کے پارسائی کے دعوے سے آگاہ کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔

"یہ تو خیر ایلی نور ہے، تم ویرا کو دیکھ لو۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "جمی لائیڈ نے ڈان مرسیا نو بن کر اسے کس قدر گھناؤنے راستوں پر ڈالا تھا جبکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ویرا اس کی بیٹی ہونے کی دعوے دار ہے۔"

"میں اس وقت بحث کے موڈ میں نہیں ہوں...." میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا لیکن اس نے میری بات پوری ہونے سے پہلے کاٹ دی۔

"تھک گئے ہو گے۔" اس کا لہجہ معنی خیز تھا۔

اس سے قبل کہ میں چڑ کر اسے کوئی سخت جواب دیتا کیبن میں لگے ہوئے انٹر کام کی گھنٹی نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرالی۔

"اولینی اسپیکنگ سر!" ریسیور اُٹھاتے ہی میرے کانوں میں اولینی کی تفکر آمیز آواز آئی: "میں نے اس وقت نہایت مجبوری کی حالت میں آپ کو ڈسٹرب کیا ہے۔"

"لمبی تمہید کے بجائے مختصر بات کرو۔" میں سرد اور درشت لہجے میں غرایا۔

"سوری سر!" اس کی بوکھلائی ہوئی آواز ابھری: "پچھلے دس منٹ سے کوئی ہم سے ریڈیائی رابطہ قائم کرنے کی مسلسل کوششیں کر رہا ہے۔ میں نے ابھی نیوی گیشن کنٹرول سے بھی بات کی ہے، لیون کو شبہ ہے کہ کوئی تیز رفتار بوٹ ہمارا تعاقب کر رہی ہے۔ اس کی تمام روشنیاں گل ہیں اور سمندر پر چھائی ہوئی گہری کہر میں اس کی نشاندہی ناممکن ہو کر رہ گئی ہے۔ مجھے اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے؟"

"اس وقت ہم ساحل سے کتنی دور ہیں؟" میں نے جواباً سوال کر ڈالا۔ اس کا انکشاف سُنتے ہی میرے ذہن میں پوری شدّت کے ساتھ اس خدشے نے سر ابھارا تھا کہ کہیں روزالی کی طرح گن بوٹ پر بھی خفیہ ٹرانسمیٹر نصب نہ ہوں جن کی مدد سے شی کے ذمّے داروں کو گن بوٹ پر میرے قبضے کی اطلاع مل گئی ہو اور اب انھوں نے مجھے زیر کرنے کے لیے گن بوٹ کی طرف کوئی مہم روانہ کر دی ہو۔

"فرانس کے ویران ساحل سے ہمارا فاصلہ ڈیڑھ سو میل ہوگا۔"

"سب لوگوں کو الرٹ کر دو، میں خود ریڈیو روم میں آ رہا ہوں۔ ویسے وہ لوگ کون سی زبان بول رہے ہیں؟"

"انگریزی بول رہے ہیں مگر لب و لہجہ ہسپانوی معلوم ہوتا ہے۔"

"بس میں پہنچ رہا ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ گن بوٹ کے رہائشی فلور کا درجۂ حرارت بہت آرام دہ تھا لیکن میں نے پھر بھی شب خوابی کے لباس پر اوور کوٹ پہن

لیا تاکہ عرشے پر جانا پڑ جائے تو سردی میں قلفی نہ جم سکے۔

"معلوم ہو رہا ہے کہ اس سمندری خطّے میں سارے ہنگامے ہمارے ساتھ ساتھ ہی سفر کر رہے ہیں۔" سلطان شاہ نے تشویش زدہ لہجے میں کہا۔ "اپنی بیم گن ضرور ساتھ لے لینا، ضرورت پیش آئی تو میں بھی ایکسپلوڈر استعمال کرنے میں دریغ نہیں کروں گا۔"

"کاش، تم اس وقت اپنے قدموں پر چلنے کے قابل ہوتے تو میں یکسوئی کے ساتھ اس نئی افتاد کا مقابلہ کرتا۔ اب میرا ذہن تمھاری ذات میں اُلجھا رہے گا۔"

"میرے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" وہ پُر اعتماد لہجے میں بولا۔ "اس وقت ہم دونوں عملاً ایک ہی کشتی کے سوار ہیں اور ہمارا انجام ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہوگا۔ تم بچے رہے تو کوئی میری طرف نگاہ بھی نہ اُٹھا سکے گا ورنہ ہم دونوں ہی زیر ہو جائیں گے۔"

"ذرا ہوشیار رہنا۔" یہ کہتے ہوئے میں کیبن سے نکل گیا۔ میں ریڈیو روم کی طرف جانے والے راستے پر پہنچا تو وہاں ریمبراں سمیت گن بوٹ کے چار مسلح محافظ اپنی لوڈ کی ہوئی ٹامی گنوں سمیت پہنچ چکے تھے۔ پانچواں ایلی نور کی جگہ ڈیوٹی سرانجام دے رہا تھا اور چھٹا اولینی اپنی ڈیوٹی پر تھا۔

میں ریمبراں کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتے ہوئے دو پتلی پتلی دیواروں کے درمیان بنے ہوئے بغلی راستے میں مڑ گیا۔ نیم دائرے میں تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد اوپر جانے والے چند زینے تھے جنھیں عبور کر کے اس مختصر راستے سے ہم ریڈیو روم میں داخل ہوئے تو اولینی کانوں پر ہیڈ فون چڑھائے پینسل اور سادا پیڈ سنبھالے تشویش زدہ انداز میں انسٹرومنٹ پینل کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اپنے انہماک کی وجہ سے وہ دبیز فرشی قالین پر ہمارے قدموں کی دھمک نہ سُن سکا اور جب ریمبراں نے قریب پہنچ کر نرمی سے اس کی پشت پر ہاتھ رکھا تو وہ اس بری طرح اچھلا تھا جیسے اس پر طاقتور برقی رو والا ننگا تار آ گرا ہو لیکن ہمیں دیکھتے ہی اس نے فوری طور پر اپنے اضطراری ردِّعمل پر قابو پا لیا اور پینل پر لگی ہوئی ایک ناب کو چھیڑنے لگا۔

"وہ اس وقت بھی لائن پر ہیں۔" وہ اپنے کام سے توجہ ہٹائے بغیر بولا۔ "میں اسپیکر کھولنے جا رہا ہوں تاکہ ان کی ہرزہ سرائی آپ خود سُن لیں، اس باران کے تیور خراب ہیں۔"

"فرنیچ فلیگ بوٹ... فرنیچ فلیگ بوٹ!" اچانک اسپیکر پر ایک بھاری مردانہ آواز سنائی دینے لگی۔ بولنے والا انگریزی بول رہا تھا لیکن اس کا لب و لہجہ اور تلفظ انگریزوں سے یکسر مختلف تھا۔ کال سگنل کی تکرار کے بعد اس نے جہاز رانی کی مخصوص اصطلاحات میں عرض البلد اور طول البلد کے ساتھ شمال مشرقی سمت میں ایک مخصوص زاویے کا ذکر کیا تو میں سمجھ گیا کہ وہ غلط فہمی کا ہر امکان ختم کر کے ہمیں یہ یقین دلانا چاہ رہا تھا کہ ریڈیائی رابطے پر اس کے مخاطب ہم ہی لوگ تھے۔

"تم سے رابطے کی یہ ہماری آخری کوشش ہے۔" ریڈیائی ریسیور پر وہی آواز اُبھر رہی تھی۔ "یہ نہ سمجھنا کہ خاموشی اختیار کر کے تم ہم کو چکمہ دے سکو گے۔ ہم ان تین فری کوئنسی چینل میں سے ایک پر بول رہے ہیں جو اس علاقے میں سفر کرنے والے ہر جہاز یا بوٹ کے لیے آن رکھنے لازمی ہیں، اگر اب بھی جواب نہیں دیا گیا تو نتائج کے ذمّے دار تم خود ہو گے۔"

"صرف ایک چینل ٹرائی کر کے تم نے یہ کیسے فرض کر لیا کہ ہماری بوٹ کے مواصلاتی نظام میں وہی چینل کام کر رہا ہوگا؟" میں نے چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اولینی سے ہیڈ گیئر اور ماؤتھ پیس لے کر اپنے سر پر چڑھاتے ہوئے کہا۔

دوسری طرف سے تلخ ہنسی کی آواز سنائی دی۔ "تم نے دیکھ لیا کہ ہمارا مفروضہ درست تھا۔"

"یہ ہمارے آرام کا وقت ہے، تم کیا چاہتے ہو؟" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"معذور ملاحوں کی بین الاقوامی انجمن کے لیے ہمیں چندہ درکار ہے۔ امید ہے کہ تم ہمیں مایوس نہیں کرو گے۔" دوسری طرف سے کہا [illegible] سنجیدگی کے ساتھ کہا گیا۔ "حادثات کسی کے بھی ساتھ ہو سکتے ہیں، یہ انجمن معذور ملاحوں کی زندگی بھر کفالت کرتی ہے۔"

"کھلے سمندروں میں نتائج کی دھمکی دے کر چندے جمع نہیں کیے جاتے۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "کُھل کر بات کرو کہ تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟"

"پندرہ ہزار پاؤنڈ اسٹرلنگ کا حقیر سا چندہ۔" جواب میں کہا گیا۔ "اس کارِ خیر میں حصّہ لے کر تم خود کو بہت سے مستحق خاندانوں کی دعاؤں کا حق دار بنا لو گے ورنہ وہ سب مل کر تم کو کوسیں گے، اس کے علاوہ معذور اور مفلس لوگ تم کو کیا دھمکی دے سکتے ہیں!"

آخری فقرے پر بولنے والے کا لہجہ استہزائیہ ہو گیا۔ مجھے یقین تھا کہ اس کی دھمکی بے بنیاد نہیں تھی لیکن اس نے مجھے جتلانے کے بعد محض اس خیال سے بات بدل دی تھی کہ کہیں اسی فریکوئنسی پر کوئی اور جہاز بھی ہماری گفتگو نہ سُن رہا ہو اور دھمکیوں کا ذکر سنتے ہی قزاقی یا دہشت گردی کے خطرے کے پیشِ نظر ہماری مدد پر آمادہ نہ ہو جائے۔

"ہم سب ملازمین ہیں اور اتنی بڑی رقم کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔" میں نے اس کے الفاظ میں پنہاں پیغام کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "تم اپنی معذور انجمن کا پتا لکھوا دو، ہمارے مالکان بہت فراخ دل ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تمھاری توقع سے کہیں زیادہ بڑی رقم کا عطیہ بھیج دیں۔"

"زبان سنبھال کر بات کرو۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "ہماری انجمن بہت طاقتور اور بارسوخ ہے، اسے معذور نہ سمجھنا۔ معذوروں کی فلاح و بہبود کے کام کرنے والے عموماً بہت لمبے ہاتھ رکھتے ہیں۔"

"ہاتھ لمبے ہوں یا ٹانگیں چھوٹی، ہم تمھارا مطالبہ پورا نہیں کر سکتے۔" میں نے سخت لہجے میں کہا اور اسی وقت ریمبراں آگے آ گیا۔ اس کی آنکھیں ملتجیانہ انداز میں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"ہم تمھیں صرف آدھا گھنٹا دے رہے ہیں۔" دوسری طرف سے تلخ لہجے میں کہا گیا۔ "ہمارا آپریٹس آن رہے گا۔ تمھارے دل میں معذوروں کی بد دعاؤں کا خوف پیدا ہو جائے تو ہمیں اپنی رضامندی سے آگاہ کر دینا ورنہ ہم کوئی اور راہ تلاش کر لیں گے۔"

"تمھیں کیا تکلیف ہے؟" میں نے ریڈیائی ٹرانسمیشن کا بٹن دبائے بغیر جھلائے ہوئے لہجے میں ریمبراں سے پوچھا۔

"ان سے سمجھوتا کرنا پڑے گا۔" وہ سہمی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہ اس علاقے کے بدنام بحری قزاقوں کا گروہ ہے۔ ریڈیو پر یہ معذور ملاحوں کی بین الاقوامی انجمن کے حوالے سے ہی بات کرتے ہیں لیکن جہاز راں پچھلے تین برس سے اس کوڈ کو سمجھنے لگے ہیں کیونکہ یہ بے رحم درندے اپنا مطالبہ تسلیم نہ کرنے والے تین جہازوں کو خطرناک ہلکے میزائیلوں سے تباہ کر چکے ہیں۔"

"اگر تم ان کو اتنا خطرناک سمجھتے ہو تو پھر تمھی کو ان سے بات کرنا چاہیے تھی۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"تمھاری گفتگو میں دخل انداز ہونے کی جرأت نہ کر سکا۔" وہ خوشامدانہ انداز میں گھگھیایا۔

"لعنت ہو تم پر۔" اس کے رویّے پر میرا غصّہ اور بڑھ گیا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ شپ میں تم کو کیسے برداشت کیا جا رہا ہے۔ اس قدر کم ہمت لوگ تو عام معاشرے میں بھی تم زیادہ دن زندہ نہیں رہ پاتے۔"

"میں بزدل نہیں ہوں سر!" وہ احتجاج آمیز لہجے میں بولا۔ "میں ان درندوں کی کہانیاں سن چکا ہوں۔ خشکی پر عمارتیں اور گلیاں ہر خطرے سے پناہ فراہم کرتی ہیں لیکن اس کھلے سمندر میں اگر ہماری گن بوٹ پر ایک تباہ کن میزائل آ گرا تو دہاڑتی ہوئی بلند لہریں ہمیں لمحوں میں نگل جائیں گی۔" اس اثنا میں اولینی ریڈیو روم سے باہر نکل گیا تھا۔

"تو کیا یہ لوگ کوئی جنگی جہاز لیے پھرتے ہیں؟" لمحہ بھر کے لیے میں نے اس کے جواب کی معقولیت پر غور کرنے کے بعد نسبتاً نرم اور دھیمے لہجے میں سوال کیا۔

"سُنا ہے کہ ایک عام سی لیکن تیز رفتار موٹر بوٹ ہے۔" اس نے کہا۔

"پھر وہ میزائل کیسے چلا سکتے ہیں؟" میں نے بے یقینی کے ساتھ کہا۔

"یہ دور بدل چکا ہے سر!" وہ جھجکتے ہوئے معذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔ "آج کل اسلحہ کی کھلی منڈی میں بیسیوں ایسے تباہ کن میزائل آئے ہوئے ہیں جو کندھے سے فائر ہونے والے ہلکے پھلکے لانچر سے نشانے پر داغے جاتے ہیں اور ان میں بعض تو گائیڈڈ ہوتے ہیں۔ ٹارگٹ کی روشنی یا حرارت محسوس کر کے وہیں جا گرتے ہیں۔"

اگر اس وقت اولینی بھی وہاں موجود ہوتا تو شاید میرا ردِّعمل مختلف ہوتا لیکن میں کچھ نہ بولا۔ اس کے کہتے ہی میرے ذہن میں اسٹنگر اور سلک ورم میزائیلوں کے نام ابھرے تھے جو ان دنوں نئے نئے چلے تھے اور دو محاذوں پر ناقابلِ تصور تباہیاں پھیلانے کی وجہ سے دنیا بھر میں تیزی سے مقبول ہو رہے تھے۔ اس موضوع پر اخباری اطلاعات ذہن میں تازہ ہوتے ہی میں دل ہی دل میں شرمندہ ہو کر رہ گیا۔

ریڈیائی رابطے پر گفتگو کے بعد میرے ذہن سے وہ خطرہ ٹل گیا تھا کہ کہیں آنے والے شی کے ہرکارے نہ ہوں جنھیں گن بوٹ پر میرے قبضے کے خاتمے کے لیے بھیجا گیا ہو۔ اگر وہ شی کے آدمی ہوتے تو عام ریڈیو فریکوئنسی پر گفتگو کرنے کا خطرہ ہرگز مول نہ لیتے بلکہ گن بوٹ تک رسائی کے لیے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرتے پھر ریمبراں نے جس بے ساختہ انداز میں ان کی مہلک سرگرمیوں کا ذکر کیا تھا، وہ بھی میرے پیشِ نظر تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ واقعی بحری قزاق تھے اور قرونِ وسطیٰ کے دور کی طرح خونریز لوٹ مار کے بجائے کُھلے سمندر میں سفر کرنے والوں کو دردناک تباہی کے خطرے سے بلیک میل کر کے لمبی رقمیں اینٹھنے کے عادی تھے۔ ملاحوں پر اپنی دھاک بٹھانے کے لیے انھوں نے چند جہازوں کو غرقاب بھی ضرور کیا ہوگا تاکہ جان کے خوف سے کوئی بھی ان کا مطالبہ ٹھکرانے کی جرأت نہ کر سکے۔

"تو تمھارا مشورہ ہے کہ ہمیں ان کا مطالبہ مان لینا چاہیے؟" خاصے توقف کے بعد میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے سوال کیا۔

"سودے بازی کی جا سکتی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اپنی مجبوری کی وجہ سے ہمیں جھکنا پڑے گا۔"

"تو کیا گن بوٹ پر اتنی رقم موجود ہے جو دے کر انھیں مطمئن کیا جا سکے؟"

لمحہ بھر کے لیے وہ سوچ میں پڑ گیا پھر بولا۔ "رقم تو ناممکن ہے ویسے میرا خیال ہے کہ وہ اسلحہ حاصل کر کے بھی خوشی خوشی لوٹ جائیں گے۔ ابھی بریسٹ تک ہمارا کافی سفر باقی ہے' انھیں نظر انداز کر کے ہم ایک بھیانک خطرہ مول لیں گے جس کا سدِ باب کرنا ہمارے اختیار سے بالکل باہر ہوگا۔"

میں طنزیہ انداز میں ہنس پڑا۔ "ریمبراں! اس وقت تم یہ حقیقت فراموش کر بیٹھے ہو کہ اولینی کے بجائے آئی مین سے مخاطب ہو جو آسانی کے ساتھ شکست تسلیم نہیں کر سکتا' اگر تم میں حوصلہ اور زندہ رہنے کی اُمنگ ہو تو گن بوٹ کی تباہی کے بعد تم ایک ٹوٹے ہوئے تختے کے سہارے بھی تیر کر ساحل تک پہنچ سکتے ہو۔"

"درست ہے۔" وہ سنبھالا لے کر بولا۔ "امید مجھے بھی یہی ہے لیکن یہاں بڑی بڑی شارک مچھلیوں کے غول کے غول لہروں کے مدوجزر میں ڈوبتے ابھرتے رہتے ہیں' یہ مچھلی خون کی بُو سے بالکل دیوانی ہو جاتی ہے' اگر میرے جسم پر حادثے میں ذرا بھی خراش آگئی تو میرے زخم سے سمندر کے پانی میں ملنے والے خون کے قطرات دور دور سے شارک مچھلیوں کو ادھر کھینچ لائیں گے۔ میری عقل محدود ہے اس لیے مجھے یہ خطرات نظر آ رہے ہیں لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ تم کوئی فیصلہ کرو گے تو ہر خطرے کا توڑ تمھارے ذہن میں ہوگا' تمھاری حیثیت تو میں ایک لمحے کے لیے بھی نہیں بھول سکتا۔"

"گن کون فائر کرتا ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سرد اور گمبھیر لہجے میں پوچھا۔

"یہ میرا شعبہ ہے۔" اس نے مجھ سے نگاہیں چراتے ہوئے کہا۔ "کیا یہ ممکن ہے کہ گن کی نال ظاہر کیے بغیر ٹارگٹ کا نشانہ لے کر عین وقت پر نال باہر نکالتے ہی فائر کر دیا جائے تاکہ حریف کو کچھ سمجھنے یا کرنے کا موقع نہ مل سکے۔"

"اس بار بیٹ ٹائپ گن میں فائرنگ کا جدید ترین خودکار نظام موجود ہے۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہنا شروع کیا۔ "اس کے آٹو سرچ سسٹم پر ٹارگٹ کا تعین کر دیا جائے تو گن سے کا پورا نظام اس طرح حرکت میں آتا ہے کہ نشانے کی قریب ترین پوزیشن لے لی جاتی ہے اور گن کی بیرل باہر نمودار ہوتے ہی سرچ سسٹم کے تحت ڈفلکشن اور ایلیویشن وغیرہ آناً فاناً میں خود بخود درست ہوتا ہے اور گن فائر کر دیتی ہے۔"

"اتنی ٹیکنیکل تقریر کی ضرورت نہیں تھی۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "سیدھی سی بات ہے کہ جو میں چاہتا ہوں' وہ کوئی ناممکن بات نہیں ہے۔"

"جی بالکل۔ یہی میں بھی کہنا چاہ رہا تھا۔" وہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں بولا۔

"اب کان کھول کر سنو کہ انھوں نے ہمیں للکار کر اپنی موت کو دعوت دی ہے۔ میں معذوروں کی اس انجمن کو ہمیشہ کے لیے ویران کر دوں گا۔ میں انھیں ان کا مطالبہ مان لیے جانے کی خبر دوں گا اور جب وہ ہماری نظروں میں آجائیں گے تو گن بوٹ سے فائر ہونے والا ایک ہی گولا ان کے چیتھڑے اڑا دے گا۔ اپنے تحفظ کے ساتھ یہ بہت بڑی خدمتِ خلق بھی ہوگی۔"

میرا منصوبہ سُن کر وہ سُن ہو کر رہ گیا۔ شاید وہ مجھ سے اتنے شدید ردِ عمل کی توقع نہیں کر رہا تھا۔

"نہ ہم سب راہب ہیں اور نہ ان کے دامن انسانی لہو سے پاک ہیں۔" اس کی حالت دیکھتے ہوئے میں نے قدرے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھی۔ "اگر ہم نے انھیں جہنم واصل نہ کیا تو وہ گن بوٹ کو ڈبو دیں گے اور یہ ناممکن ہے کہ وہ تیسرے درجے کے غنڈے میری زندگی میں گن بوٹ کو اپنے ناپاک قدموں سے روندتے پھریں۔"

"میں سوچ رہا ہوں کہ اس قدر آسان اور سادہ تجویز میرے ذہن میں کیوں نہیں آئی۔" اس نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "گن بوٹ پر سفر کرتے ہوئے ہمیں چوہوں کی طرح سہمنے کی کیا ضرورت ہے! لیکن بات وہی ہے کہ بڑے فیصلے تم جیسے عالی دماغ لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ ہم محنت اور جان سوزی ضرور کرتے ہیں لیکن شی کے اصل دماغ اوپر والے ہیں اور وہی اس کو چلا رہے ہیں۔"

"تم گن کے فائرنگ بنکر میں جا کر تیاری کرو' میں انھیں دانہ ڈالتا ہوں۔ اگر وہ تمھاری نظروں میں آجائیں تو انٹرکام پر مجھے خبر کر دینا' میں خود عرشے پر آجاؤں گا۔" میں نے کہا اور وہ تابعدارانہ انداز میں سر جھکا کر ریڈیو روم سے نکلا چلا گیا اور میں ریڈیائی آلات کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"معذور ملاحوں کے چیف کے لیے ایک اہم پیغام ہے' اگر وہ میری آواز سن رہا ہے تو فوری جواب دے۔" میں نے ہوائی لہروں پر گن بوٹ سے پیغام نشر کیا۔

"مجھے امید تھی کہ تم بھاگنے کی کوشش کرنے کے بجائے وقت گزرنے سے پہلے کوئی اچھا فیصلہ کر کے ہم سے رجوع کرو گے۔" دوسری طرف سے فوراً ہی جواب آیا تھا۔

"ہم اتنی رقم نقد فراہم نہیں کر سکتے۔" میں نے کہا۔ "یہ ہماری مجبوری ہے۔"

"پھر بھی تم کتنی رقم چندے میں دے سکتے ہو؟" تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا گیا۔

"دس گیارہ ہزار برطانوی پاؤنڈ سے زیادہ رقم نہیں ہوگی۔"

"باقی جنس مجھے دینا۔ ہم لانش' فاضل پرزے اور قانونی اسلحہ بھی قبول کرتے ہیں۔"

"یہ باتیں دو بدو ہی مناسب رہیں گی... یہ بتاؤ کہ تم سمندر میں کس طرف اور ہم سے کتنی دور ہو؟"

بولنے والا فخریہ انداز میں ہنسا پھر اس کی آواز ابھری۔ "دُھند کی وجہ سے تم ہمیں نہیں دیکھ سکے ورنہ ہم تمھاری بوٹ سے چند ہزار گز پیچھے اسی سمت میں سفر کر رہے ہیں۔ بدقسمتی سے ہمارے روشنیوں کے نظام میں کسی خرابی کی وجہ سے ہماری بوٹ پر مکمل اندھیرا ہے' اس لیے ہماری نشاندہی بہت دشوار ہے اور اس سے بھی بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے عملے کے ایک آدمی کا دماغ چل گیا ہے اور وہ عرشے پر ایک ہلکا میزائل لانچر لیے بالکل تیار بیٹھا ہے۔ اسے دھماکوں سے الرجی ہے' اس وقت اس نے پٹاخے کی آواز بھی سن لی تو بلا تردد میزائل فائر کر دے گا۔"

"دونوں مسئلے خطرناک ہیں' انھیں حل کیے بغیر ہمارے قریب آنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ اس کہر آلود سمندری فضا میں ہماری بوٹ سے ٹکرا بھی سکتے ہو... یہ یقین رکھو کہ ہم کوئی دھماکا نہیں ہونے دیں گے' تم اپنے پاگل آدمی کو راکٹ لانچر سمیت کسی کیبن میں بند کرا دو۔"

"مجھے تم سے یہی امید تھی' تم بہت سمجھدار ہو۔" کاٹ دار لہجے میں کہا گیا۔ "تمھاری طرف سے دھماکا نہ ہوا تو میں ضمانت دیتا ہوں کہ وہ میزائل فائر نہیں کرے گا۔ میرا سارا ہی عملہ ناکارہ ہے' میں ابھی خود بجلی کی خرابی تلاش کر کے روشنی کا بندوبست کرتا ہوں تاکہ بے خبری میں کوئی حادثہ نہ ہو سکے۔" اس نے لمحہ بھر توقف کیا پھر بولا۔ "یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہم ایک دوسرے کی بات سمجھ رہے ہیں' کبھی کبھار تو بڑے کوڑھ مغز لوگوں سے واسطہ پڑ جاتا ہے جو میری مجبوریوں کو سمجھنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔"

"میرا خیال ہے کہ تم باتوں میں وقت برباد کرنے کے بجائے بجلی کے نظام کی خرابی تلاش کرو تاکہ جلد از جلد مل بیٹھنے کی صورت پیدا ہو سکے۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔

"روشنیاں درست کر کے ہم تمھاری داہنی جانب متوازی آنے کی کوشش کرتے ہیں پھر لنگر انداز ہو کر بات کریں گے لیکن میں پھر کہہ رہا ہوں کہ دھماکے کی احتیاط رکھنا۔ میرے پاس آنے سے قبل وہ دو جہازوں کو میزائل سے سمندر میں غرق کر چکا ہے۔ وہ تیس سال سے سمندر میں رہ رہا ہے' اسی لیے اسے نوکری دیتے ہوئے میں نے اس کے بارے میں زیادہ چھان بین نہیں کی۔ اگر میں بروقت اس کی کمزوری سے واقف ہو گیا ہوتا تو ہرگز اس مصیبت کو اپنے گلے نہ لگاتا اور نہ اس وقت تم جیسے سخی کے سامنے گڑگڑا رہا ہوتا۔"

عام ریڈیو فریکوئنسی کی وجہ سے وہ اشاروں کنایوں میں سنگین دھمکیاں دے رہا تھا اور میں سب کچھ سمجھتے ہوئے اس کی تسلی کرا رہا تھا لہٰذا میں نے ایک بار پھر اسے اپنے مصالحانہ رویے کا یقین دلایا اور آپریٹس پر سکوت چھا گیا۔ اس دوران میں اولینی نہ جانے کس وقت میرے قریب آکھڑا ہوا تھا۔

"تم باہر کیوں گئے تھے؟" اس پر نظر پڑتے ہی مجھے بلا وجہ غصہ آگیا۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ اسی کے ہاتھوں سلطان شاہ پر اذیت کے ناقابلِ تصور لمحات گزرے تھے۔

"ریمبراں پر تمھارے غصے کی وجہ سے میں نے یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھا۔" اس نے نظریں جھکا کر کہا۔ "بلا وجہ اس کو میرے سامنے شرمندگی محسوس ہونے لگتی۔"

"بلا وجہ؟" میرا پارہ چڑھ گیا۔ "کیا وہ بزدلی کی باتیں نہیں کر رہا تھا؟ تمھاری یہ جرأت کہ میرے فیصلے کو بلا جواز قرار دے رہے ہو؟"

میرے دہاڑنے پر اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور نگاہوں سے خوف جھانکنے لگا۔ "میں معافی چاہتا ہوں... بغیر سوچے سمجھے کہہ گیا تھا' اب ایسی غلطی کا اعادہ نہیں کروں گا۔" اس نے کمزور لہجے میں کہا۔

اس کی تحقیر کر کے بلکہ اس کی زبان سے اس کا اعتراف سن کر میرا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ "بغیر سوچے سمجھے بولنے سے بہتر ہے کہ خاموش رہا کرو۔ ایسی عادتیں انسان کو اچانک ہی لے ڈوبتی ہیں۔"

"شکریہ سر!" اس نے آہستگی سے کہا۔ "آئندہ آپ میری زبان پر لغزش نہ پائیں گے۔"

میں اسے مزید کچھ توہین آمیز مشورے دینے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک انٹرکام کی گھنٹی چیخ اٹھی اور میں نے فوری طور پر ریسیور اٹھا لیا۔

"وہ بوٹ ہمارے سروں پر سوار ہے سر!" اس کی آواز تحیر آمیز اور ہیجان انگیز تھی۔ "ہمارا اندازہ درست تھا کہ وہ اپنی تمام روشنیاں گل کر کے دُھند کی آڑ میں ہمارا تعاقب کر رہے تھے' اب اچانک ہی اس بوٹ کی ساری روشنیاں جل اٹھی ہیں' ان میں سے تین فاگ لائٹس تو دُھند کے باوجود محض آنکھ سے دیکھی جا سکتی ہیں۔"

"یعنی وہ اب تمھاری نظروں میں آگئے ہیں۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "شاید وہ گن کی رینج میں بھی ہوں گے۔"

"بالکل رینج میں ہیں... اس وقت گن بیرل ایکسٹینڈ کی جائے تو دہانہ اسی بوٹ کی سمت میں ہوگا۔" ایک اہم اور خونریز معرکہ قریب آنے کی وجہ سے اس کے لیے اپنے جوش پر قابو پانا دشوار ہو رہا تھا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی رفتار بڑھا کر ہماری گن بوٹ کے متوازی آنے کی کوشش کریں' تم ان پر نگاہ رکھو' میں عرشے پر

اتا ہوں۔ یہ خیال رہے کہ ہمارا وار ذرا بھی اوچھا پڑا تو میزائل ہمیں لے ڈوبے گا۔ یہ صرف شبہ نہیں بلکہ حقیقت ہے اور اس نے خاص طور پر بتایا ہے کہ ہماری طرف سے گولی بھی چلی تو وہ میزائل فائر کرنے میں دریغ نہیں کریں گے۔"

"مجھے اپنی مہارت سے زیادہ اس بار بیٹ گن کے آٹو سرچ سسٹم پر ناز ہے۔ ہماری طرف سے فائر ہوا تو وہ بچ نہ سکیں گے، اجازت ہو تو عرشے کی روشنیاں گُل کرا دوں تاکہ ہماری نقل و حرکت نہ دیکھی جا سکے۔"

"ایسی حماقت بھی نہ کرنا۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "کسی بھی غیر معمولی تبدیلی سے وہ چوکنا ہو جائیں گے۔ عرشے پر ایک دو آدمیوں کی موجودگی ان کے لیے تعجب انگیز نہیں ہوگی کیونکہ قریب آکر وہ ہم سے مذاکرات کرنا چاہتے ہیں۔"

"بہت بہتر۔ میں تمھارا منتظر ہوں۔"

الوداعی فقرہ اس نے ادا کیا اور ریسیور میں نے کریڈل پر ڈال دیا۔

ایلی نور کے ساتھ گن بوٹ کا معائنہ کرتے ہوئے میں سارے راستوں سے واقف ہو چکا تھا لہٰذا اولینی کو ریڈیو روم میں چھوڑ کر میں اکیلا ہی عرشے کی طرف ہو لیا۔ درمیانی رہائشی منزل سے چکردار آہنی زینے کے ذریعے عرشے کی سمت اختیار کرتے ہی بھیگی ہوئی سرد ہوا کے جھونکے میرے چہرے سے ٹکرائے تو میں جھرجھری لے کر رہ گیا۔ عرشے کے علاوہ جہاز کا تمام زیریں حصہ مرکزی نظام کے تحت اتنا گرم اور آرام دہ تھا کہ وہاں رہتے ہوئے کھلی فضا کی ہڈیوں میں اترنے والی سردی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ تو غنیمت تھا کہ میں نے کسی امکانی ضرورت کے پیش نظر دبیز السٹر پہنا ہوا تھا ورنہ اس وقت میں سردی سے جم کر رہ گیا ہوتا۔ میں نے السٹر کا کالر اونچا کر کے گردن اس میں دبکائی اور ہاتھ جیبوں میں ڈال کر آخری چند سیڑھیاں عبور کرتے ہوئے کھلے آسمان کے نیچے ویران عرشے پر پہنچ گیا۔ جہاں اس وقت رگوں میں خون منجمد کر دینے والی یخ بستہ ہواؤں کا راج تھا۔ اس وقت فضا پر اتنی گہری دھند چھائی ہوئی تھی کہ گرد و پیش کا سمندر تو درکنار عرشے پر بھی چند فٹ سے آگے دیکھنا ممکن نہیں تھا لیکن میرے ذہن پر اس وقت بحری قزاقوں کی میزائل سے لیس تیز رفتار بوٹ سوار تھی جس کی روشنیاں جل اٹھنے کی اطلاع دیتے ہوئے ریمبراں نے فاگ لائٹس روشن ہونے کا ذکر بھی کیا تھا۔

گن بوٹ کا طاقتور انجن بڑی حد تک ہموار اور بے آواز تھا کیونکہ گن بوٹ کے چلنے کے باوجود اس وقت عرشے پر صرف سمندر کی بپھری ہوئی موجوں کا غضب ناک شور سنائی دے رہا تھا جو کسی بھی کمزور دل آدمی کو دہشت زدہ کرنے کے لیے کافی تھا بس

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے بہت سے دیو پیکر عفریت لمبی چوڑی آہنی چادروں کے سرے ہاتھوں میں تھامے وحشیانہ انداز میں آپس میں برسرِ پیکار ہوں ورہ رہ کر ان آہنی چادروں کو جھٹکے دے کر مہیب جھنکار پیدا کر رہے ہوں۔

اس وقت میرے لیے سمت کا کوئی احساس باقی نہیں رہا تھا۔ لیکن گن بوٹ کی تیز رفتار کے خلاف اپنے جسمانی ردِ عمل کی وجہ سے میں نے فوراً ہی اس سمت کا تعین کر لیا، جدھر بحری قزاقوں کی بوٹ کی اطلاع ملی تھی۔ اس طرف اندھیری دھند میں مجھے زرد روشنیوں کے کچھ موہوم سے دھبے ایک ثانیے کے لیے نظر آئے اور پھر غائب ہو گئے شاید سمندر کی جھاگ اڑاتی، بلند موجیں میری بصارت اور ان روشنیوں کے درمیان دیوار بن گئی تھیں۔

چند سیکنڈ کے بعد وہ روشنیاں پھر نظر آئیں، ان کی تعداد تین ہی تھی۔ ان کے آس پاس یقینی طور پر عام روشنیاں بھی رہی ہوں گی جو اس موسم میں دھند کا جزو بن کر معدوم ہو گئی تھیں۔ اس بار گن بوٹ کے عقب میں فاصلے پر نظر آنے والی فاگ لائٹس نسبتاً زیادہ دیر تک نظر آتی رہیں اور ایک مرتبہ پھر غائب ہو گئیں جس سے اندازہ ہو سکتا تھا کہ کھلا سمندر اس وقت میری طرح بپھرا ہوا تھا جو محض اپنی لہروں کی بے پناہ قوت سے کمزور بحری ڈھانچوں کو آناً فاناً میں تہس نہس کر سکتا تھا۔

بحری قزاقوں کی بوٹ کی روشنیاں دیکھ لینے کے بعد میں گن کی طرف بڑھا پہلی بار اندازہ غلط ہوا لیکن دوسری مرتبہ میں اس بکتر بند آہنی خول کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جو عام طور پر کچھوے کے خول کی طرح گن کی نال وغیرہ کو چھپائے رہتا تھا۔

اس آہنی بنکر کے کھلے ہوئے مین ہول میں سے روشنی باہر آ رہی تھی۔ میں نے سرشے پر جھک کر اندر دیکھا تو تنگ جگہ میں ریمبراں ماہرانہ انداز میں فائرنگ کنٹرولز سے کچھ چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا۔

"انھوں نے سمت بدلی ہے یا ابھی تک اسی پوزیشن میں چلے آ رہے ہیں؟" میں نے محسوس کیا کہ جسم پر دبیز السٹر موجود ہونے کے باوجود ہڈیوں میں پیوست ہونے والی سردی کے اثر سے میری آواز کانپ رہی تھی۔

"اسی پوزیشن میں ہیں۔" اس نے ایک روشن اسکرین پر بنے ہوئے نکتوں اور لکیروں کے ایک پیچیدہ جال پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ بنکر میں زیادہ گنجائش نہیں ہے ورنہ تم بھی اندر آکر دیکھتے کہ آٹو سرچ کنٹرول کیسی سبک رفتاری سے گن کو نشانے پر لے کر آتا ہے۔"

"میں باہر رہ کر اپنی آنکھوں سے اس بوٹ کی تباہی کا منظر دیکھنا زیادہ پسند کروں گا۔" میں جواب دیتے دیتے چونک پڑا۔

چونکہ اس آرمرڈ بنکر میں سے خفیف لیکن وزنی مشینی گڑگڑاہٹ سنائی دی تھی۔

"کچھ نہیں، گن کا رخ تبدیل ہوا ہے۔" ریمبراں نے میری حیرت بھانپتے ہوئے اندر سے جواب دیا۔ "یوں سمجھو کہ گن کا دہانہ اب ان کے حلق میں اترا ہوا ہے۔ جو بھی سمت اختیار کریں بیرل اسی طرف گھوم جائے گی۔"

"تو کیا وہ رخ بدل رہے ہیں؟"

"نہیں ـــ لیکن لہروں کے زور سے ہزاروں ٹن وزنی جہاز تک ادھر سے ادھر ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کی یا ہماری بوٹ کی کیا بساط ہے۔ ہر لہر کے ساتھ سمت میں ایک آدھ درجے کا فرق آ ہی جاتا ہے۔"

اس وقت مجھے احساس ہوا کہ بحری جہازوں پر ہمہ وقت مشاق نیوی گیٹر کی کیا ضرورت ہوتی ہے۔ موسم اور سمندر پُرسکون ہو تو جہاز میلوں میل اپنی ٹھیک سمت میں چلتا رہتا ہے لیکن مدوجزر کی صورت میں نیوی گیٹر کو ہر لمحے اپنے آلات پر نظر رکھنا پڑتی ہے۔ تاکہ غیر اختیاری تبدیلیوں کا لمحہ بہ لمحہ حساب رکھتے ہوئے جہاز کا رخ موڑ کر اسے صحیح سمت میں سفر پر گامزن رکھ سکے۔

"ان پر فائر کرنے کے لیے موجودہ پوزیشن کیسی ہے؟" میں نے اضطراری طور پر سوال کیا۔

"شاید بہترین۔" اس نے کہا۔ "اگر وہ ہماری داہنی طرف آ گئے تو ان پر فائر کرنے کی صورت میں فائر کی ساری تھرسٹ گن بوٹ کے بائیں پہلو میں پوری لمبائی پر آئے گی اور گن بوٹ سطحِ سمندر پر بری طرح ڈگمگائے گی لیکن پیچھے فائر کرنے میں تھرسٹ گن بوٹ کے اگلے حصے پر آئے گی، جس کا ڈیزائن ہائیڈرو ڈائنامک ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں لمحاتی طور پر گن بوٹ کی رفتار میں قدرے اضافہ ہوگا لیکن توازن پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔"

مسئلہ فنی نوعیت کا اور بہت پیچیدہ تھا لیکن اس نے نہایت آسانی سے پوری بات مجھے سمجھا دی تھی۔ میری معلومات کے مطابق بارودی گولوں کے پچھلے حصے کا حساس پائنٹ چارج گن چلتے ہی ایک نپے تلے انداز میں نال کے اندر جل اٹھتا ہے جس سے فوری ردِ عمل پیدا ہوتا ہے یعنی نال میں گولا آگے بڑھتے ہی گن کے ڈھانچے پر زور آتا ہے اور اگر اس ردِ عمل میں ڈھانچے کا توازن خراب ہو جائے تو نال ضرورت سے زیادہ اوپر اٹھ سکتی ہے جس کے نتیجے میں گولا نشانے سے آگے گر سکتا تھا کیونکہ تباہ کن گولے کو آگے پھینکنے والے چارج کے جلنے اور گولے کے گر کر پھٹنے میں وقفہ لازمی تھا، جو گن کی ساخت اور قوت کے اعتبار سے کم و بیش ہو سکتا تھا۔

"پھر انتظار کے بجائے انھیں ابھی اڑا دو۔" میں نے کچھ دیر تک سوچنے کے بعد کہا۔

"بس ایک منٹ بعد ان کا پتا بھی نہیں ملے گا۔" مجھے جواب دے کر وہ پینل پر جھک گیا اور میں اعصابی کشیدگی کی حالت میں سیدھا کھڑا ہو گیا۔

فولادی خول میں سے چند ہلکی ہلکی مشینی آوازیں ابھریں پھر بھاری گونج کے ساتھ اوپری خول نہایت تیزی کے ساتھ سرک کر ایک پہلو میں غائب ہوتا رہا۔ گن کا اوپری حصہ خالی ہوتے ہی بیرل ایک دم آگے بڑھی تھی۔ اس کا رخ اسی طرف تھا جدھر میں نے زرد روشنیاں دیکھی تھیں۔

کسی زراف کی گردن کی طرح گن کی نال قدرے داہنی طرف ہو کر ذرا نیچے آئی اور پھر میں عرشے پر منہ کے بل گرتے گرتے بچا کیوں کہ ہولناک دھماکے کے ساتھ گولا چلتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے عرشے کا فرش میرے قدموں سے نکل گیا ہو۔ آگ اگلتا ہوا گولا کہر آلود فضا میں تیرتا ہوا نشانے کی طرف گیا اور پھر پہلی بار سمندر کی لہروں کا شور ایک ہولناک دھماکے میں معدوم ہو گیا۔

گولا پھٹنے کے دھماکے کے ساتھ ہی فضا میں سیاہ دھوئیں کے کثیف بادل کی آغوش میں سرخ شعلے آتشیں ناگوں کی طرح اپنی زبانیں نکالتے ہوئے آسمان کی طرف لپکے تھے۔ میرے لیے وہ منظر ناقابلِ فراموش تھا۔

اگر گن کا گولا سمندر میں گرا ہوتا تو دھماکے کے بعد آگ اور دھواں نہ اٹھا ہوتا۔ ان علامات سے ظاہر تھا کہ گولا ٹھیک نشانے پر پھٹا تھا اور بحری قزاق اپنی بوٹ سمیت لقمۂ اجل بن چکے تھے۔ چند سیکنڈ کے سکوت کے بعد اسی طرف پے بعد دیگرے مزید کئی خوفناک دھماکے ہوئے اور کہر میں لپکتے ہوئے شعلوں میں زبردست تیزی آ گئی۔ میں نے بوکھلا کر اپنی گن کی طرف دیکھا تو وہاں اب کچھ بھی نہیں تھا۔ نال دوبارہ غائب ہو چکی تھی اور فولادی خول نے پوری گن کو اپنے دامن میں چھپا لیا تھا۔

"مبارک ہو، وہ غرق ہو گئے۔" ریمبراں دمدمے سے نکل کر پُرجوش لہجے میں بولا۔

"یہ بعد والے دھماکے کیسے تھے؟" میں نے آگ کی سمت دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"میں نے تو ایک فائر ہی کیا تھا۔ وہ لوگ بھی مسلح تھے، ہو سکتا ہے کہ بوٹ پر آگ لگنے سے ان کے میزائل پھٹے ہوں خدا کا شکر ہے کہ گن بوٹ ان کا نشانہ بننے سے بچ گئی۔"

"اس سے پہلے کہ آگ دیکھ کر یا دھماکے کی آواز سن کر کوئی ادھر متوجہ ہو، ہمیں اپنا رخ تبدیل کر لینا چاہیے۔" میں نے خود پر قابو رکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا ورنہ حقیقت تو یہ تھی کہ

اس خطرے کے کامیاب سدِ باب پر میں رمیراں کو اپنے گلے سے لگانا چاہ رہا تھا لیکن آئی مین کا دقار میری راہ میں حائل ہو گیا۔

"آگ ضرور دیکھی جا سکتی ہے لیکن سمندر میں ہر لمحے اس قدر دھماکے گونجتے رہتے ہیں کہ گولے کی آواز عملاً کہیں بھی نہ سنی جا سکی ہو گی۔"

موٹر بوٹ پر اتنی شدید آگ لگی ہوئی تھی کہ اونچی لہریں بھی اسے اپنی اوٹ میں نہ چھپا سکیں شعلوں کے اوپری سرے ہر صورت میں نظر آتے رہے جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ اس وقت سمندر میں کم و بیش پچاس ساٹھ فٹ بلند موجیں پیدا ہو رہی تھیں جو تھوڑی دیر بعد ہی جلتی ہوئی بوٹ کے ریختہ شکستہ ٹکڑوں کو اس کے بدنصیب مسافروں سمیت انجان سمتوں میں بہا لے جانے والی تھیں۔

رمیراں کو فائر کرنے کا حکم دینے کے بعد سے اس وقت تک سردی کا احساس ایک دم کافور ہو گیا تھا اور میری ساری توجہ اپنے فیصلے کے نتائج پر مرکوز ہو کر رہ گئی تھی لیکن بھڑکتی ہوئی فیصلہ کن آگ دیکھتے ہی سردی کی وجہ سے مجھے اپنی انگلیوں کی پوریں سرد ہواؤں سے منجمد ہوتی محسوس ہونے لگیں۔

"میں اپنے کیبن میں جا رہا ہوں، تم گن پر اپنے کام سے فارغ ہو کر وہیں آ جانا۔" میں نے واپسی کے لیے پلٹتے ہوئے کہا۔

"میں فارغ ہوں، گن نارمل ہو چکی ہے، میں نیوی گیشن والوں کو سمت تبدیل کرنے کی ہدایت دے کر آتا ہوں۔" اس نے میرے پیچھے زینوں کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

درمیانی منزل پر پہنچ کر ہم دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ میں کیبن میں پہنچا تو سلطان شاہ وحشت کے عالم میں بستر کے کنارے پر بیٹھا ہوا تھا۔ ایکسپلوڈر اس کی گود میں پڑا ہوا تھا۔

"تھوڑی دیر پہلے کیا ہوا تھا؟" اس نے چھوٹتے ہی سوال کیا۔ "ایک زبردست دھماکے سے پوری گن بوٹ لرز اٹھی تھی۔ میں نے اٹھ کر باہر نکلنا چاہا تھا لیکن میری ٹانگوں نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔"

"یہ سمندر نہ ہوا، لٹیروں کا بازار ہو کر رہ گیا۔" میں نے کرسی پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔ "بحری قذاقوں کی بوٹ تھی، میزائل مارنے کی دھمکی دے کر رقم اینٹھنا چاہ رہے تھے لیکن انھیں یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ تباہ کن گن بوٹ ہے۔ انھیں دلاسا دے کر ہم نے فائر کر دیا۔ وہ اسی کا دھماکا اور جھٹکا تھا۔ اب تک وہ پوری ٹولی تہ نشین ہو چکی ہو گی۔"

"تعداد میں کتنے تھے وہ؟" سلطان شاہ کو وہ خبر سن کر صدمہ ہوا تھا۔

"پوچھا نہیں لیکن وہ سب ہی خونی تھے۔ مطالبہ پورا نہ ہونے پر اسی علاقے میں کئی جہازوں کو ڈبو چکے تھے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "یقین نہیں آتا کہ بیسویں صدی میں مغربی سمندروں میں لٹیروں کو اتنی آزادی ہو گی کہ جب اور جسے چاہیں لوٹ لیں۔ یہ قصے ایشیائی ملکوں کو تو زیب دیتے ہیں لیکن انگلینڈ اور فرانس کے پڑوسی علاقوں میں ایسی کھلی لاقانونیت کا راج میرے تصور میں بھی نہیں تھا۔"

پھر میں اسے مختصر الفاظ میں پورے واقعہ سے آگاہ کرنے لگا۔ سلطان شاہ کے لیے اول تو یہی بات قابلِ قبول نہیں تھی کہ اس ترقی یافتہ دور میں کھلے سمندروں میں چلتے جہازوں کو یوں لوٹا جا سکتا ہے پھر ان کا طریقۂ کار اور معذور ملاحوں کے بین الاقوامی انجمن کا ڈھونگ اس سے بھی زیادہ حیرتناک تھے۔

سلطان شاہ قذاقی کی اس ناکام کوشش کے بارے میں حیران ہو رہا تھا اور میرے ذہن پر آنے والے لمحات کا تناؤ طاری ہونے لگا تھا کیوں کہ بریسٹ کے بحری اسٹیشن میں داخل ہونا آسان کام نہیں تھا۔

فرانس کی علاقائی سمندری حدود میں داخل ہوتے ہی رمیراں نے انٹرکام پہ مجھے مطلع کیا تھا۔ "سر! ہم اب فرانس کے سمندری علاقے میں داخل ہو چکے ہیں... یہاں ہماری بوٹ کا کپتان کون ہو گا؟"

اسی لمحے میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔ سمندری حدود بدلتے ہی ان لوگوں کے تیور بھی بدلتے نظر آ رہے تھے، جب ہی اس مرحلے پر مجھ سے وہ بےتکا سوال کیا گیا تھا۔ "اب تک بوٹ کا کپتان کون تھا؟" میں نے قدرے برہمی کے ساتھ سوال کیا۔

"کوئی نہیں۔" اس کی طرف سے بلا تامل جواب آیا۔ "شیلون بوٹ کا کپتان تھا اس کی موت کے بعد سارا کنٹرول تمھارے پاس ہے۔"

"آخر فرانس کے سمندر میں داخل ہوتے ہی یہ سوال کیوں پیدا ہو گیا؟" کھوپڑی ٹھنڈی رکھنے کی کوشش کے باوجود مجھے اچانک غصہ آ گیا۔

"فرانس کی بحری پولیس ان معاملات میں بہت سخت ہے۔" حسبِ معمول اس کی آواز ایک دم خائفانہ ہو گئی۔ "اگر ان سے سامنا ہو گیا تو وہ پہلا سوال یہی کریں گے۔ پیشہ ورانہ صلاحیت اور تجربے کی سند کے بغیر وہ کسی کو کپتان تسلیم نہیں کرتے اور کپتان کے بغیر انجن بوٹ کو سمندر میں چلانا سنگین جرم تصور کیا جاتا ہے بشرطیکہ نشستوں کی گنجائش چار سے

یادہ ہو۔ اس لیے میں نے پوچھ لیا۔"

"تم احمق ہو گئے ہو رمیراں!" میرا غصہ بڑھ گیا۔ "ہم کسی ...ک پر کار نہیں چلا رہے جہاں کوئی بھی ٹریفک کانسٹبل سڑک ...کنارے روک کر کاغذات طلب کر سکتا ہے۔ کھلے سمندر ...یں وہ کاغذات کیسے دیکھ سکیں گے؟ ان سے سامنا ہو ہی گیا ...تم کوئی بھی نام لے سکتے ہو۔"

"اجازت ہو تو اولینی کا نام لے لوں، اس کے پاس بھی ...ے کاغذات موجود ہیں۔"

"اگر یہی بات تھی تو اتنا طول دینے کی کیا ضرورت تھی؟" ...میں نے برہمی کے عالم میں کہا۔ "آئندہ ایسا پیچیدہ انداز اختیار ...کیا تو میں نظر انداز نہیں کروں گا... معمول کے چھوٹے موٹے ...مسائل میں مجھے ملوث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"میں احتیاط کروں گا۔" اس کی مردہ سی آواز سنائی دی۔

اس سے گفتگو ختم ہونے کے بعد کوئی اور مسئلہ پیدا نہیں ہوا لیکن میرے ذہن پر الجھن سوار ہو گئی۔ نہ جانے کیوں مجھے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ مجھ سے خائف ہونے کے باوجود اپنے ...ملک کی حدود میں داخل ہو کر وہ شیر ہونے کی کوشش کر رہے ...تھے اور اس خیال نے مجھے پوری طرح محتاط رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔

کافی دیر بعد انٹرکام پر ایلی نور کی بوجھل اور بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ گزرے ہوئے لمحات کے بارے میں وہ بہت ...مسرور اور آسودہ تھی، اس نے بتایا کہ آنکھ کھلنے کے بعد وہ منہ ...ہاتھ دھو کر ڈیوٹی پر گئی تھی لیکن اس کے ذہن پر چھائے ہوئے ...ہینگ اوور کی وجہ سے اسے آرام کرنے کے لیے واپس بھیج دیا گیا ...لہٰذا وہ اپنے کیبن میں بستر پر دراز سوچوں کی دنیا میں کھوئی ہوئی ...تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ اس کی طرف سے کھلی دعوت تھی۔ ...مدہوشی کی بات اور تھی لیکن اپنی تمام تر بےتکلفی کے باوجود ...وہ ہوش میں آنے کے بعد آئی مین کو براہِ راست اپنے کیبن ...میں مدعو کرنے کی ہمت نہیں کر پائی تھی۔

رمیراں کے الجھا دینے والے سوال کے بعد میں خود بھی ...خلش محسوس کر رہا تھا۔ ایلی نور کا فون آیا تو میرے ذہن میں پہلا ...خیال یہی آیا کہ اس سے مل کر کچھ کریدنے کی کوشش کی جائے ...لہٰذا میں نے اسے اپنے انتظار کی ہدایت کرتے ہوئے ...انٹرکام کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

ویسے تو مے نوشی کے باعث ایلی نور کے ساتھ جمی لائیڈ ...کی تلاش کے طریقۂ کار کا معاملہ طے ہوتے سے رہ گیا تھا لیکن ...فرانس کے سمندر میں داخل ہونے کے بعد جمی لائیڈ کی ذات میرے لیے ثانوی ہو کر رہ گئی تھی، اس وقت میرے لیے سب سے اہم مسئلہ میرا اپنا تحفظ تھا۔ گن بوٹ کے عملے کی نیت کا اندازہ لگانے کے بعد ہی میں فیصلہ کر سکتا تھا کہ مجھے بریسٹ کے خفیہ بحری اڈے پر دھاوا بولنا چاہیے یا گن بوٹ پر قبضے پر قناعت کر کے وہیں سے دوبارہ کھلے پانیوں کی طرف لوٹ جانا چاہیے۔

"اب یہ نئی لڑکی تمھارے سر پر سوار ہوتی جا رہی ہے۔" سلطان شاہ نے میرے پروگرام سے واقف ہوتے ہی ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "وقت کے دھارے میں بہہ کر تم اکثر و بیشتر غزالہ کو فراموش کر بیٹھتے ہو جو اپنے دل میں تمھارے نام کی شمع روشن کیے نجانے کہاں کہاں کی ٹھوکریں کھاتی پھر رہی ہے۔"

اس نے پہلی بار بھابی کہنے کے بجائے غزالہ کا نام لیا تھا اور وہ نام سنتے ہی میرے دل میں ہوک سی اٹھی تھی میرے لیے وہ نام اور وہ موضوع بہت زیادہ جذباتی اہمیت رکھتا تھا، جب کہ اس اہم اور فیصلہ کن مرحلے پر میں کسی جذباتی گرداب میں پھنسنا نہیں چاہتا تھا لہٰذا میں نے بےتابانہ انداز میں ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کر دیا۔

"اس قسم کی طنزیہ گفتگو نہ کرو، تمھیں اندازہ نہیں ہو پا رہا کہ ہم ایک مرتبہ پھر سنگین دشواریوں سے دوچار ہو سکتے ہیں ان ہی کے سدِ باب کے لیے میں ایلی نور سے بات کرنے جا رہا ہوں۔"

میرے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ وہ آگے ایک لفظ بھی نہ بولا اور میں کیبن سے باہر نکل گیا۔ سلطان شاہ کے تبصرے سے میرے ذہن میں ایک موہوم سا خیال آیا تھا کہ کہیں ایلی نور نے اپنے کیبن سے باہر نکل کر میرے بارے میں کوئی ایسی بات نہ کی ہو جس کی وجہ سے وہ لوگ میرے بارے میں نسبتاً غنیمہ فتے والانہ رویہ اختیار کرنے کی کوشش کر رہے تھے یہ سوچتا ہوا میں اس کے کیبن پر پہنچا تو وہ دروازہ کھولے میرا انتظار کر رہی تھی۔

اس کی مزاج پرسی اور چند رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد میں فوراً ہی اپنی مطلب کی بات پر آ گیا۔ "تم نے کچھ غور کیا کہ جمی لائیڈ کی تلاش کے سلسلے میں تم کیا کر سکو گی؟"

"ابھی میرے ذہن اور جسم پر گہرا خمار چڑھا ہوا تھا۔" وہ ایک ہلکی سی انگڑائی لیتے ہوئے بولی۔ "لیکن میں یہ ضرور سوچ رہی تھی کہ تمھارے لیے اگر جمی لائیڈ کی بیخ کنی اسی قدر ضروری ہے تو تم بریسٹ کیوں جا رہے ہو، گن بوٹ لمبے سفر کے قابل ہے کیوں نہ اسی پر براہِ راست یونانی ساحل کا رخ کیا جائے؟"

"میرا بریسٹ جانا بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔" میں

نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "اس کے کچھ آدمی شی کے کلیدی ٹھکانوں میں بھی داخل ہو چکے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ بریسٹ کا بیس اسٹیشن بھی ان میں سے ایک ہے۔"

"پھر یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ تم بریسٹ والوں کو اطلاع دیے بغیر وہاں کیسے داخل ہو سکو گے؟"

"کیوں؟ اس میں کیا دشواری ہو گی؟"

"تم آئی مین ضرور ہو لیکن شاید ایشیائی علاقے سے ادھر آئے ہو اور یہاں کے ٹھکانوں کے بارے میں بہت زیادہ باخبر نہیں ہو۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر جھجکتے ہوئے بولی۔ "اجازت ہو تو میں کچھ کہوں؟"

"ضرور کہو۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں تو یہ توقع رکھتا ہوں کہ گن بوٹ کا سارا عملہ حتی الامکان میرے ساتھ تعاون کرے گا اور اپنی جملہ معلومات سے مجھے باخبر رکھے گا۔"

"وہ اور بات ہے لیکن تمھارے فیصلے پر کوئی اعتراض کرنے کی جرأت نہ کر سکے گا۔" وہ اپنے لیے سگریٹ نکال کر پیکٹ میری طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "بریسٹ کے بارے میں تمھارے فیصلے سے گن بوٹ کا سارا ہی عملہ ہراساں ہے لیکن کسی میں تمھارے سامنے دم مارنے کی جرأت نہیں ہے۔ تم نے جو کہہ دیا ہے وہ ہو کر رہے گا خواہ اس کوشش میں گن بوٹ ہم سب سمیت تباہ ہی کیوں نہ کر دی جائے۔"

"مگر کیوں؟ مجھے یہ بھی تو پتا چلے۔" میں نے اضطراری لہجے میں سوال کیا۔ اس سے مل کر مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میرا وہ فیصلہ بہت درست تھا اور وہ اس معاملے کے کچھ نامعلوم پہلوؤں سے واقف تھی۔ گن بوٹ کے عملے میں پھیلے ہوئے ہراس کی اطلاع سے ریمبراں کے بدلے ہوئے اور غیر یقینی رویّے کا سبب بھی خود بخود واضح ہو گیا تھا۔ وہ مجھ سے کوئی چالبازی نہیں کر رہا تھا بلکہ جانوں کے خوف نے شاید ان سب کے ذہن ماؤف تھے۔

"وہ لوگ ابھی تک یہ سمجھ رہے ہیں کہ تم امکانی خطرات سے پوری طرح باخبر ہو اور اس کے سدِ باب کے لیے کچھ نہ کچھ سوچ چکے ہو۔ بحری قزاقوں والے معاملے میں تمھارے فیصلے نے سب لوگوں کے دلوں میں تمھارے لیے احترام کے جذبات میں زبردست اضافہ کر دیا ہے اور عملاً وہ خود کو پوری طرح تمھارے رحم و کرم پر چھوڑ چکے ہیں۔"

"یہ سب میں بھی جانتا ہوں، لیکن وہ خطرات کیا ہیں؟ ابھی تک تم نے اس بارے میں زبان نہیں کھولی۔" میں نے اپنے اندرونی اضطراب کو چھپاتے ہوئے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"بریسٹ میں ہمارا بیس اسٹیشن اونچے اونچے آبی پودوں کے درمیان چھپے ہوئے ایک تنگ اور خطرناک آبی راستے پر واقع ہے۔ خطرناک چٹانوں کے درمیان کھاڑیوں سے بھرے ہوئے اس راستے سے گزر کر خفیہ اڈے تک پہنچنا اجنبی لوگوں کے بس کی بات نہیں۔ ذرا سی بے احتیاطی یا لاعلمی کی وجہ سے گن بوٹ چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو سکتی ہے اور اسی کے ساتھ وہاں اڈے کی حفاظت کے لیے خفیہ مانیٹرنگ آلات نصب ہیں اور اگر ایک بڑی مچھلی بھی سمندر میں اس راستے کو عبور کرتی ہے تو اڈے پر اُس کا سگنل مل جاتا ہے۔" وہ سگریٹ کا ایک گہرا کش لینے کے لیے رکی اور پھر بولنے لگی۔ "اب اگر انھیں گن بوٹ کی بحفاظت واپسی کی اطلاع نہیں دی جاتی تو گن بوٹ کے اس راستے سے گزرتے ہی انھیں مانیٹرنگ آلات کے ذریعے سگنل ملے گا اور پھر کوئی طاقت گن بوٹ کو تباہی سے نہ بچا سکے گی اسی لیے ہر بار واپسی سے قبل ہمیں ان سے سیکیورٹی کلیئرنس لینا ہوتی ہے . . . ہمارے بتائے بغیر اول تو انھیں علم ہی نہ ہو سکے گا کہ واپس آنے والی گن بوٹ ہے، موسم بھی بہت خراب ہے، اضطراری طور پر وہ کوئی بھی قدم اٹھا سکتے ہیں اور اب ایک نئی بات یہ کہ اگر ان میں کنگ لائنز والے جمی لائیڈ کا کوئی مخبر بھی گھسا ہوا ہے تو وہ گن بوٹ کی خاموشی کے ساتھ واپسی کو پُراسرار سمجھتے ہوئے خطرہ بھانپ سکتا ہے پھر ہو سکتا ہے کہ وہ دیگر لوگوں کو گن بوٹ کے بارے میں کچھ بتائے بغیر بے خبری میں اُن کے ہی ہاتھوں ہمیں غرق کرا دے۔"

"میں تم سے متفق ہوں۔" میں نے اپنے اندرونی ہیجان کو چھپاتے ہوئے روا روی میں کہا۔ "یہ خطرات میرے علم میں لائے گئے ہوتے تو میں اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کر سکتا تھا۔ اصل مسئلہ نقلی جمی لائیڈ کے آدمیوں کو بے خبر رکھنا ہے لیکن اب مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ واپسی کی اطلاع نہ دینے سے ہمارا کھیل زیادہ بگڑ سکتا ہے . . . اطلاع نہ دینے کی ایک بنیادی وجہ یہ تھی کہ کہیں اولینی جوش میں گن بوٹ پر آئی مین کی موجودگی کی اطلاع نہ دے بیٹھے، اس سے سارا معاملہ بگڑ سکتا ہے۔"

"یہ تم درست کہہ رہے ہو۔ گن بوٹ پر تمھاری موجودگی کی خبر سنتے ہی ہر ایک چوکنا ہو جائے گا اور مشتبہ لوگوں کو بھی سنبھلنے کا موقع مل جائے گا۔ بے خبری میں وہ رنگے ہاتھوں بھی پکڑے جا سکتے ہیں۔ لیکن اولینی بہت ذمے دار اور وفادار آدمی ہے اگر تم اسے بریف کر دو کہ اسے بیس اسٹیشن سے کیا بات کرنی ہے تو وہ ایک لفظ بھی فالتو نہیں بولے گا۔"

"کیوں نہ میں اُسے یہیں بُلا لوں؟"

"یہاں نہ بلاؤ۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "وہ لوگ پہلے ہی کھنچے کھنچے اُکھڑے اُکھڑے نظر آ رہے ہیں۔ ڈیوٹی پر واپس جا کر میں نے پہلی بار اُن لوگوں میں اجنبیت سی محسوس کی ورنہ وہ ہمیشہ مجھ سے گرم جوشی کا اظہار کرتے رہے ہیں۔"

میں ہنس پڑا۔ "اُن کی سرد مہری کی وجہ ہے۔ میں نے ریمبراں کو بتلایا تھا کہ میں نے تمھیں خاصی شراب پلائی ہے اور جب تک تم خود اپنے کیبن سے نہ نکلو تمھیں ڈسٹرب نہ کیا جائے۔"

"اوہ!" اُس نے حیرت سے اپنا سر تھام لیا۔ "جب ہی کسی نے میری طویل غیر حاضری کے بارے میں ایک لفظ تک نہیں پوچھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ پچھلے چند گھنٹوں سے مجھ جیسی ایک معمولی لڑکی تمھارے ساتھ ناقابلِ تصور ذہنی ہم آہنگی پیدا کر چکی ہے۔ تمھاری بات سے ریمبراں نے یہی نتیجہ اخذ کیا ہو گا کہ تم نے مجھ سے کچھ اگلوانے کے لیے مجھے زبردستی شراب پلائی ہو گی اور نشے میں باز پُرس کی ہو گی۔"

میں ہنس کر رہ گیا۔ اُسے یہ بتانے کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ ریمبراں نے کیا سوچا ہو گا کیونکہ میں نے خود اُسے وہی کچھ بتایا تھا جو احمق ایلی نور اُس سے منسوب کر کے سوچ رہی تھی۔

"تو پھر اب کب باز پُرس کا ارادہ ہے؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد ایلی نور نے شوخ لہجے میں سوال کر کے مجھے چونکا دیا۔ اُس کے ہونٹوں پر وہی دعوت انگیز مسکان رقصاں تھی اور اُس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی تھی۔

"یہ سب فرصت کے مشاغل ہیں۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "میں اُسے یہیں بلا رہا ہوں۔ وہ سمجھے گا کہ تم سے مزید باز پُرس کی گئی ہے اور اس کے نتیجے میں ہونے والے انکشافات کی روشنی میں میں نے اپنا فیصلہ تبدیل کیا ہے۔"

"مزید باز پُرس!" وہ آنکھیں موند کر ہولے سے ہنسی۔ "کاش واقعی ہوئی ہوتی۔"

"ذہن پر قابو رکھو ایلی نور!" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "اور اولینی کو یہاں طلب کرو۔"

میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ میرے لہجے پر وہ حیرت اور بے یقینی سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ عورتوں میں سب سے بڑی خرابی یہی ہوتی ہے کہ وہ مشرقی ہوں یا مغربی، مرد کے مقابلے میں جنسِ مخالف سے نسبتاً دشواری سے بے تکلف ہوتی ہیں لیکن جس کے ساتھ ایک بار فراغت اور بے تکلفی کے کچھ لمحات گزار لیں اسے ہمیشہ کے لیے اپنی اداؤں کا اسیر سمجھنے لگتی ہیں۔

مجھے اپنی طرف متوجہ نہ پا کر وہ اٹھی اور انٹرکام پر اولینی کو پیغام دے کر واپس آ گئی۔

بمشکل ایک منٹ بھی نہ گزرا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی اور اجازت ملنے پر اولینی اندر آ گیا۔ ایلی نور اُداسی کے ساتھ منہ لٹکائے لاتعلقانہ انداز میں بیٹھی رہی۔

"ہم بریسٹ سے کتنی دُور ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"صرف آدھے گھنٹے بعد ہم خطرناک آبی ذخیرے میں داخل ہو جائیں گے۔" اولینی نے کہا۔

"پروگرام بدل گیا ہے۔ بیس اسٹیشن کو اپنی واپسی کی رپورٹ کر دو۔"

اُس کے چہرے پر واضح طور پر سکون اور اطمینان کی ایک لہر پھیل گئی۔ جیسے اس کے سر سے ایک بڑا بوجھ اُتر گیا ہو اور وہ مستعد لہجے میں بولا۔ "میں ابھی اطلاع دے دیتا ہوں . . . کیا میں اپنی واپسی کے لیے کامیاب اور محفوظ کے الفاظ استعمال کر سکتا ہوں؟"

"الفاظ کے انتخاب میں تم محتاط رہو گے۔" میں نے تاکیدی لہجے میں کہا۔ "یہی پروگرام میں تبدیلی کی کلید ہے۔ کامیاب اور محفوظ واپسی کے چار الفاظ کے علاوہ پانچواں لفظ نہ ہونا چاہیے۔ نہ شیلون کی موت کی اطلاع دو گے اور نہ میری موجودگی کی۔ اُنھیں یہ سمجھنا چاہیے کہ سب کچھ معمول کے مطابق ہوا ہے اور گن بوٹ اپنے نارمل اسٹاف کے ساتھ واپس آ رہی ہے۔"

"بولو، بولو، کیا بات ہے؟" میں نے اُس کے چہرے پر تردّد کے آثار دیکھ کر اُس کی حوصلہ افزائی کی۔

"شیلون کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا۔ میری آواز سنتے ہی وہ پہلا سوال ہو گا کیونکہ میرے رابطہ قائم کرنے کے بعد ہمیشہ شیلون خود ہی بیس اسٹیشن سے بات کیا کرتا تھا۔" اُس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"وہاں پہنچنے کے بعد سارے معاملات میں سنبھال لوں گا۔ تم کہہ دینا کہ اسے ہیضہ ہو گیا ہے اور وہ اپنے کیبن میں آرام کر رہا ہے۔"

"یس سر! میں سمجھ گیا۔" وہ سر جھکائے واپس چلا گیا۔

"تم نے مجھے آسمان کی بلندیوں سے یک بیک تحت الثریٰ میں پھینک دیا ہے۔" اولینی کے چلے جانے کے چند ثانیوں بعد ایلی نور دل شکستہ لہجے میں بولی۔

"وہ کیسے؟" میں نے انجان بن کر حیرت سے سوال کیا۔

"تمھارے سخت لہجے سے میرا دل ٹوٹ گیا ہے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "ظاہر ہے کہ تم عظیم آئی مین ہو اور میں ایک ادنیٰ کارکن، مجھے تمھاری ہمسری کا تصور کرنے کا کوئی حق نہیں ہے!"

"تمھیں اس قدر عقل ہوتی تو آج تم کہیں اور ہوتیں۔" میں نے ایک ہلکا سا قہقہہ مار کر کہا۔ "آئینے میں اپنی صورت دیکھو گی تو میرے سخت لہجے کا سبب جان جاؤ گی۔"

"میں تو تمھیں بھی آئینہ ہی سمجھ رہی تھی لیکن ابھی معلوم ہوا کہ

آئینے بھی کبھی کبھی اصل صورت نہیں دکھلاتے۔"

میرے لیے وہ توقع سے کہیں زیادہ کارآمد ثابت ہو رہی تھی اور پھر جمی لائیڈ تک رسائی کی مہم کا بیشتر دارومدار اسی کے تعاون پر تھا لہٰذا اس مرحلے پر میں اسے ناراض کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

"تمھاری آنکھیں چمک رہی تھیں اور چہرہ خوشی سے گلنار ہو رہا تھا۔ ادلینی آتے ہی تمھاری صورت دیکھ کر اندازہ لگا لیتا کہ ہم دونوں تمھارے کیبن کی خلوت میں سکون سے بیٹھے خوش گپیاں کر رہے تھے جبکہ میں اُسے بالکل ہی مختلف تاثر دینا چاہتا تھا۔ اگر میں تمھیں اپنے تاثرات پر قابو پانے کی ہدایت دیتا تو تم ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتی تھیں لیکن میرا ایک سخت فقرہ سنتے ہی تمھاری آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی اور چہرہ مُرجھا گیا تھا۔ ادلینی نے تمھارے لیے یقیناً دل میں ضرور ہمدردی کے جذبات محسوس کیے ہوں گے۔"

اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "کیا تم واقعی سچ کہہ رہے ہو؟"

"مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تم واقعی عظیم ہو۔ اتنے برجستہ اور دور رس فیصلے کرنا تم ہی جیسے ذہین ہی کا کام ہے۔ ہم جیسے عام لوگ تو تمھاری گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔" اُس نے محبت اور عقیدت سے لبریز لہجے میں کہا۔

"عام نہیں، تم تو بہت خاص مخلوق ہو۔" میں نے اس احمق لڑکی کو مزید خوش کرنے کی نیت سے کہا۔ "کمی بس اتنی سی ہے کہ عقل پر زور دینے کے بجائے ہر بات کا دل پر اثر لیتی ہو۔ کوئی ہنس کر بول لیا تو خوش ہو جاتی ہو اور ترش لہجے میں بات کی جائے تو اداس ہو جاتی ہو۔ اس کے اسباب پر غور نہیں کرتیں۔"

"اسباب پر غور نہ کرتی تو جمی لائیڈ کے دوست امیر البحر کی خوشنودی حاصل کر کے آج میڈوسا کی چیف نیوی گیٹر ہوتی۔" اُس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "لیکن دیکھ لو کہ تمھارے ساتھ بیٹھی ہوں۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تمھیں آج تک وہ موقع گنوا دینے کا افسوس ہے۔ چاہو تو میں اس ایڈمرل کو تلاش کر کے تمھارے قدموں میں لا ڈالوں؟"

"وہ مار ڈالا گیا — ایک چھوٹے سے افریقی ملک کی بحریہ کا سربراہ تھا۔ فوجی بغاوت کو کچلنے کی کوشش میں بے چارہ خود باغیوں کے ہاتھوں کچلا گیا — اس بارے میں مجھے کوئی خلش نہیں ہے لیکن وہ میری زندگی کا ایک اہم موڑ تھا جسے میں کبھی بھی فراموش نہ کر سکوں گی۔ زندگی میں پہلی بار میری قیمت لگائی گئی جو میں نے قبول نہیں کی۔"

اُس کی ناراضگی دُور ہو گئی تھی اور موڈ خوش گوار ہو گیا تھا لہٰذا میں نے اپنے کیبن کے اعصاب شکن ماحول میں انتظار کے وہ لمحات گزارنے کے بجائے وہیں اپنے لیے اسکاچ کا ایک گلاس بنا لیا۔ ایلی نور نے پہلے میرا ساتھ دینے کا بہانا کر کے پھر طلب ظاہر کر کے دوسرا گلاس بنانا چاہا لیکن اس کی اعصابی حالت کے پیشِ نظر میں نے سختی کے ساتھ اسے روک دیا۔ اس وقت سلطان شاہ اپنے قدموں پر چلنے سے معذور تھا اور ایلی نور کے ساتھ میری خاصی ذہنی ہم آہنگی پیدا ہو چکی تھی لہٰذا میں نہیں چاہتا تھا کہ بیس اسٹیشن پر پہنچنے کے وقت وہ اپنے ہوش و حواس سے بے گانہ ہو کر عضوِ معطل بن کر رہ جائے۔

عالمِ سرور میں ایلی نور کی صورت اور آواز کی دلکشی کچھ زیادہ ہی محسوس ہونے لگتی تھی پھر اُس وقت وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دنیا کے ہر موضوع پر بے حجابی کے ساتھ گفتگو کرنے پر آمادہ تھی لہٰذا وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہو سکا اور پھر انٹرکام کی گھنٹی نے ہمیں چونکا دیا۔

وہ ادلینی تھا۔

اُس کے کہنے کے مطابق گن بوٹ اپنا سفر طے کر کے بریسٹ پہنچ چکی تھی اور چند لمحوں بعد بیس اسٹیشن جانے والے خطرناک آبی راستے پر مڑنے والی تھی اور وہ خود بیس اسٹیشن کو میری ہدایت کے مطابق واپسی کی اطلاع دے چکا تھا۔ شیلون کے بارے میں اِس کی توقع کے مطابق سوال کیا گیا تھا اور اُس نے شیلون کو ہیضے میں مبتلا بتایا تھا۔

"پھر آؤ، نیوی گیشن روم میں ہی چلتے ہیں۔" ایلی نور نے ادلینی سے ہونے والی گفتگو کا خلاصہ سُنا کر کہا۔ "یہ راستہ اور اُس کا دہانہ قابلِ دید ہے۔ میرا خیال ہے کہ دنیا میں شاید ہی کہیں اس قدر محفوظ اور پُرخطر بحری راستہ موجود ہو۔"

"محفوظ اور پُرخطر!" میں اس تضاد پر ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔

"جاننے والوں کے لیے محفوظ اور اجنبیوں کے لیے وہ موت کا چنگل ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔ "صاف موسم میں عرشے سے دیکھ کر ہی اُس کی اصل ہیبت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ رنگین اسکرین پر تو بس بڑا محدود سا منظر دیکھا جا سکے گا۔"

میرا اس کے مشورے پر عمل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا کیونکہ باہر دھند نے بصارت کو مفلوج کیا ہوا تھا لیکن رنگین اسکرین کا ذکر سن کر میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ عرشے پر یخ بستہ اور کاٹ دار ہواؤں میں کھڑے ہو کر اندھوں کی طرح دھند میں دیدے پھاڑنے کے مقابلے میں نیوی گیشن روم میں اسکرین پر باہر کا مشاہدہ کرنا ہر اعتبار سے قابلِ قبول تھا۔

"اپنے نازک جذبات یہیں کیبن میں چھوڑ دینا۔" میں نے اس سے کہا۔ "دوسروں کے سامنے بھرم رکھنے کے لیے شاید کہیں میری تلخ کلامی بھی تمھیں سہنی پڑے۔ ایسے موقع پر تم گھٹنوں میں سر دے کر رونے بیٹھ گئیں تو میں تمھاری کوئی مدد نہ کر سکوں گا۔"

"تم نے ایک دفعہ جو بات سمجھا دی وہ میں اب کبھی نہیں بھول سکوں گی۔"

ہم دونوں نیوی گیشن روم میں پہنچے تو گن بوٹ کا چیف نیوی گیٹر اپنے کام میں منہمک تھا اس نے اپنے سر کو قدرے خم دے کر مجھے تعظیم دی اور پھر دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ ایلی نور کی جگہ کام کرنے والا ابھی مصروف تھا۔

نیوی گیشن کنٹرول پر لگی ہوئی اسکرین پر اس وقت صرف دھند یا سمندر کی جھاگ اڑاتی موجیں ہی نظر آ رہی تھیں جو باہر روشنی نہ ہونے کی وجہ سے بہت غیر واضح تھیں۔ ایلی نور کے ایما پر ہم اسی پینل پر چیف نیوی گیٹر کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔

"صرف دو منٹ۔" چیف نیوی گیٹر ہماری طرف متوجہ ہوئے بغیر مؤدب لہجے میں بولا۔ "گرین لائن نمودار ہونے ہی والی ہے۔"

دو منٹ بہت کافی تھے۔ ان لوگوں پر دشوار گزار آبی درہ عبور کرنے کا تناؤ طاری تھا اور میں اس خفیہ بحری اڈے پر پیش آنے والے امکانی خطرات پر تردد کا شکار تھا لہٰذا میں نے خود کو مصروف رکھنے کے لیے سگریٹ سلگا لیا۔

شیلون مر چکا تھا۔ سلطان شاہ وقتی طور پر معذور تھا اور میں گن بوٹ پر قابض تھا۔ یہ تمام تبدیلیاں بحری اڈے والوں کے علم میں نہیں تھیں مجھے نہ اس اڈے کی ساخت کا پتا تھا نہ نفری کی تعداد کا اندازہ تھا لیکن اپنے تجربے کی بنا پر یہ یقین تھا کہ خفیہ اور غیر قانونی ہونے کی وجہ سے اڈہ بہت محدود اور مختصر رہا ہو گا جہاں [illegible] عملے کو میں سوزآئی کی مدد سے بہ آسانی مسخر کر سکوں گا۔

میری بے چین نظریں اسکرین پر مرکوز تھیں جہاں کا منظر ابھی تک نہیں بدلا تھا پھر اچانک ہی اسکرین کے اوپری سرے پر داہنی طرف ایک سیاہی مائل سبز دھبا نظر آیا اور ایلی نور نے اضطراری طور پر میرا ہاتھ دبایا۔

اس وقت گن بوٹ کی رفتار خاصی سست تھی کیونکہ وہ دھبا بہت دھیمے دھیمے بڑھ رہا تھا اور اسکرین پر داہنی طرف بھی پھیلتا جا رہا تھا۔ میں سانس روکے گہری نظروں سے اس منظر کو دیکھتا رہا اور آخرکار وہ گرین لائن اوپر پورے اسکرین پر پھیل گئی اور داہنی طرف قدرے نیچے تک اتری ہوئی تھی۔

اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ سمندر میں گن بوٹ کے آگے سبزے کی ایک مسلسل دیوار تھی جو یقینی طور پر خشکی پر اگا ہوا تھا اور اس سبزے کی بلندی کا تصویر سے اندازہ لگانا ناممکن تھا کیونکہ ان درختوں کی پوری بلندی اس وقت تک کیمرے کی زد میں نہیں آئی تھی۔

"یہ خوفناک دھار دار چٹانیں ہیں جن پر گھنا جنگل پھیلا ہوا ہے۔" ایلی نور کہہ رہی تھی۔ "یہاں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ چٹانیں ایک دیوار کی طرح سامنے حائل ہیں لیکن ان کے درمیان تقریباً تیس فٹ چوڑا ایک راستہ موجود ہے اور اس کی [illegible] دھبا ہے جو ہم نے قائم کیا ہے۔" یہ کہتے ہوئے [illegible] کے وسط میں اشارہ کیا اور میں نے بھی وہ دھبا دیکھ [illegible] النظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ "اس دھبے [illegible] وہ راستہ ہے اور یہاں اندازے کی ذرا سی بھی غلطی [illegible] پر منتج ہو سکتی ہے۔"

"تو کیا اس راستے پر یہ سبزہ پانی پر اگا ہوا ہے؟" اسکرین پر سبزے کا تسلسل دیکھتے ہوئے میرے ذہن میں وہ سوال ابھرنا لازمی تھا۔

"یہ بید جیسے درخت ہیں جو اپنی لچک کی وجہ سے دونوں طرف سے جھک کر آپس میں ملے ہوئے ہیں اس کے علاوہ پانی میں بیلیں وغیرہ پھیلی ہوئی ہیں جن کی جڑیں خشکی میں ہیں۔ گن بوٹ کے گزرنے کے بعد چند منٹ تک یہ راستہ کسی حد تک باقی رہتا ہے پھر سمندر کی لہروں کے ریلے میں سب کچھ اپنی جگہ لوٹ آتا ہے۔"

ابھی وہ یہ تفصیل بتا ہی رہی تھی اور میں پوری توجہ کے ساتھ اسکرین کی طرف متوجہ تھا کہ اچانک فضا میں ایک ہولناک بارودی دھماکا ہوا اور اسکرین پر سبز دیوار میں سے نکل کر ایک آتشیں گولا تیزی کے ساتھ گن بوٹ کی طرف آتا نظر آیا۔ [illegible] سے بڑھتا ہوا پھیلاؤ دیکھ کر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا اور [illegible] وجود میں کروڑوں چیونٹیاں [illegible] رینگنے لگیں۔

بس ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کامیابی کی شاہراہ پر سفر کرتے کرتے اچانک اور ناگہانی طور پر دلدوز موت مقدر بن کر رہ گئی ہو۔ ہیشام سے شروع ہونے والے بحری سفر کی وہ داستان اس وقت مجھے اپنے دردناک انجام کو پہنچتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ سب لوگ نہ مرتے لیکن گن بوٹ ضرور تباہ ہو جاتی جس پر اپنا قبضہ برقرار رکھنے کے لیے میں نے وہ سارے جتن کیے تھے زخمیوں کو تو پھر بھی گرین لائن کہلانے والے جنگل اور بے رحم دھار دار پہاڑیوں میں بھی پناہ مل سکتی تھی۔

وہ آتشیں گولا میری توقع سے کہیں زیادہ سُرعت کے ساتھ پل بھر میں کیمرے کی آنکھ سے اوجھل ہو گیا پھر باہر فضا میں ہلکے سے دھماکے کے ساتھ گرد و پیش کی فضا اس قدر منور ہو گئی کہ نیوی گیشن روم کے بند شیشوں میں سے آنے والی

چکا چوند سے آنکھیں کھلی رکھنا دشوار ہوگیا۔

"یہ روشنی کا بم تھا۔" ایلی نور کی آواز سُن کر میں نے آنکھیں کھول دیں۔ "فلیش گن کے جھماکے کی طرح یہ بہت تیزی کے ساتھ معدوم ہوتی ہے تاکہ اس کے مخرج اور جائے وقوع کا اندازہ نہ لگایا جاسکے۔ اپنے حساس آلات پر ان اطراف میں کسی انجن کی موجودگی کا سگنل ملتے ہی وہ ایسے خراب موسم میں عموماً روشنی کے گولے پھینکتے ہیں تاکہ گن بوٹ کو صاف طور پر دیکھا اور پہچانا جاسکے۔ اب ہم اطمینان کے ساتھ پیش قدمی جاری رکھ سکتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ گن بوٹ کو دیکھ لیا گیا ہوگا۔"

میرے لیے وہ بہت احمقانہ سچویشن تھی۔ میں ان سب سے اعلا اور برتر ہوتے ہوئے بھی بہت سی ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں سے لاعلم تھا جو غلط فہمی کا سبب بن سکتی تھیں لیکن اس بارے میں میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

روشنی کے جھماکے اور اپنی آنکھیں بند کرنے کے درمیانی وقفے میں میں نے اسکرین پر جنگل میں بے ترتیبی سے اُگے ہوئے درختوں کی تفصیل بھی دیکھی تھی کیونکہ روشنی کے بم سے لمحہ بھر کے لیے جنگل بھی منور ہوگیا تھا لیکن اب پوری اسکرین تاریک پڑی ہوئی تھی کیونکہ گن بوٹ اتنی آگے بڑھ چکی تھی کہ اب سمندر کے کچھ حصے کے بجائے کیمرے کے فوکس میں صرف اور صرف گرین لائن تھی جس نے پوری اسکرین کو گھیرا ہوا تھا۔ اسکرین پر جنگل کی واضح ہوتی ہوئی مبہم جزئیات سے اندازہ ہورہا تھا کہ گن بوٹ کسی بھی لمحے اس دیوار سے کسی صحیح یا غلط مقام پر جا ٹکرائے گی۔ اس دوران میں اسکرین پر اچانک زلزلہ سا آگیا۔ اس وقت نشانی کے طور پر قائم کیا ہوا دھبا بڑا ہوتے ہوتے ایک دم غائب ہوچکا تھا جس کا مطلب تھا کہ گن بوٹ دھار دار چٹانوں کے درمیان سمندر پر جھکے اور پھیلے ہوئے جنگل میں سے ہوکر خفیہ آبی راستے سے گزر رہی تھی۔

لازمی طور پر اس وقت گن بوٹ کی رفتار بہت کم رہ گئی تھی۔ اس لیے اسکرین پر ہلکے اور گہرے سیاہ دھبوں کا تلاطم خاصی دیر تک جاری رہا اور پھر اچانک ہی اسکرین کے اوپری حصے پر سفیدی نمودار ہوئی جو جنگل کے پار پھیلے ہوئے سمندر کی عکاسی کر رہی تھی۔ اس کے چند ہی ثانیے بعد سامنے کھڑی ڈھلان والی ہولناک چٹانوں کے مدھم ہیولے نظر آنے لگے۔

"یہ موت کی چٹانیں ہیں۔" ایلی نور بتانے لگی۔ "ان میں سلیٹ جیسے پرت دار اور دھار والے پتھر ہیں جن کے دامن میں سمندر کی لہریں مچلتی رہتی ہیں اور بظاہر یہ سمندر کا آخری کنارہ معلوم ہوتا ہے لیکن یہاں داہنی طرف ایک لمبی سی کھاڑی ہے جو ایک طرف چٹانوں سے گھری ہوئی ہے۔ اسی کے اختتام پر گھاٹ ہے جو ہمارا بیس اسٹیشن کہلاتا ہے۔ گن بوٹ عموماً وہیں لنگر انداز رہتی ہے۔"

"اسکرین پر دیکھے بغیر اس خطرناک علاقے کی ساخت کو سمجھنا دشوار تھا۔" میں نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیتے ہوئے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "یہاں تک رسائی واقعی کسی کے بس کی بات نہیں۔"

"لیکن قدرتی حسن میں یہ علاقہ جنتِ ارضی سے کم نہیں۔" وہ میرے ساتھ نیوی گیشن روم سے نکلتے ہوئے بولی۔ "ویسے تو یہاں سارا سال شکار کی بہتات رہتی ہے لیکن اگست سے تو یہ سمندری کھاڑی آبی پرندوں کا عجائب گھر بن جاتی ہے۔ شمالی علاقوں سے ہجرت کرکے آنے والے بھانت بھانت کے آبی پرندوں کے بڑے بڑے غول سارا دن پُرسکون سمندر کی سطح اور کناروں پر چھوٹی مچھلیوں یا کیڑے مکوڑوں کا شکار کرتے رہتے ہیں۔ چاہو تو انھیں ہاتھ سے بھی پکڑا جاسکتا ہے۔ وہ تو غنیمت ہے کہ یہ علاقہ انسانی دستبرد سے محفوظ ہے ورنہ موسم کا آغاز ہوتے ہی یہاں ہر طرف آبی پرندوں کے پیشہ ور شکاریوں کے پڑاؤ نظر آنے لگتے۔"

"بہت خوبصورت علاقہ ہوگا یہ۔" میں نے کہا۔ "زمین کے کسی بھی خطے کا قدرتی حسن اسی وقت تک محفوظ اور برقرار رہتا ہے جب تک وہاں انسانی قدم نہ پہنچیں۔ انسان کی رسائی ہوتے ہی فطری حسن مصنوعی رنگینیوں میں معدوم ہوتا چلا جاتا ہے۔"

اسکرین پر دھار دار چٹانیں لمحہ بہ لمحہ واضح اور بڑی ہوتی جارہی تھیں پھر بتدریج گن بوٹ کا رُخ بدلنے لگا اور رفتہ رفتہ داہنی طرف والی وہ لمبی سی کھاڑی بھی نظر آنے لگی جس کے آخری سرے پر بیس اسٹیشن واقع تھا۔ آخر کار گن بوٹ اس بحری کھاڑی میں اپنے سفر کا آخری حصہ طے کرنے لگی۔

اس وقت میرا ذہن بہت تیزی کے ساتھ کام کر رہا تھا اور میں آنے والے حالات کے پیشِ نظر اپنی حکمتِ عملی مرتب کرنے کی فکر میں تھا تاکہ وقت آنے پر پورے اعتماد کے ساتھ صورتِ حال کو اپنی گرفت میں لے سکوں۔

"اس کھاڑی میں بائیں طرف کھڑی ڈھلان والی دھاردار چٹانیں ہیں اور داہنی طرف دور تک دلدلی جنگلات پھیلے ہوئے ہیں۔ آگے جاکر دلدل بتدریج ختم ہوگئی ہے۔ اسی علاقے کو بیس اسٹیشن کے قیام کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔" ایلی نور ایک مرتبہ پھر مجھے بتانے لگی۔ "موسمِ بہار میں یہ علاقہ اس قدر حسین ہوجاتا ہے کہ یہاں سے نکلنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"اولینی سے معلوم کرو کہ بیس اسٹیشن سے رابطہ برقرار ہے یا نہیں؟" میں نے اُسے مصروف رکھنے کی نیت سے کہا کیونکہ اس کی شاعرانہ گفتگو میرے خیالات میں حارج ہو رہی تھی۔ "یہ بھی کہہ دینا کہ معمول سے مختلف کوئی بھی واقعہ اس کے علم میں آجائے تو مجھے فوراً باخبر کرے۔"

وہ سر ہلا کر انٹرکام کی طرف بڑھ گئی۔

اس وقت میرے سامنے دو راستے کھلے ہوئے تھے۔ پہلا اور بظاہر آسان راستہ یہ تھا کہ میں اولینی کے ذریعے بیس اسٹیشن والوں کو مطلع کرا تا کہ اس وقت گن بوٹ پر شی کا ایک آئی مین موجود ہے جو گن بوٹ کے برتھ سے لگتے ہی اسٹیشن کے تمام عملے کو برتھ پر صف آرا دیکھنا چاہتا ہے۔ اس طرح ان سب کو اترتے ہی بے دست و پا کیا جاسکتا تھا۔ گن بوٹ کے عملے کو میرے آئی مین ہونے پر کوئی شبہ نہیں تھا لہٰذا اس کام میں وہ میرے ساتھ ہر ممکن تعاون کرتے۔ وہ یہی سمجھتے کہ میں شی میں کالی بھیڑوں کی تلاش کی مہم کے سلسلے میں ان سب کو حراست میں لے رہا تھا لیکن اس طریقۂ کار میں سب سے بڑی خامی یہ نظر آرہی تھی کہ گن بوٹ کے لنگر انداز ہونے کے وقت میرے حکم کے باوجود بیس اسٹیشن کے سارے عملے کا ایک جگہ جمع ہونا عملاً ناممکن تھا۔ ریڈیو روم سے گن بوٹ کی رہنمائی کرنے والا عملہ اپنی جگہ چھوڑتا تو گن بوٹ لنگر انداز ہونے کی کوشش میں کسی بدترین سانحے سے بھی دوچار ہوسکتی تھی اور پھر وہی لوگ کسی ریڈیائی رابطے پر شی کے سربرآوردہ لوگوں کو یہ اطلاع بھی دے سکتے تھے کہ گن بوٹ پر کوئی آئی مین موجود ہے جبکہ میں سلور آئی کو بھرپور طریقے سے استعمال کرنے کے باوجود اس کی تشہیر کو حتی الامکان محدود رکھنا چاہ رہا تھا۔ ان خدشات کے سدِباب کے لیے بہتر یہی تھا کہ بیس اسٹیشن والوں کو کوئی بھی اطلاع دیے بغیر میں گن بوٹ کے عملے کے ساتھ وہاں اترتا اور پھر سلور آئی دکھا کر تیزی کے ساتھ ہر اس شخص کو بے دست و پا کرتا چلا جاتا جو میری نگاہوں میں آجاتا۔ اس طرح میں وہاں کی صورتِ حال کے پیشِ نظر ہر لمحہ اپنی حکمتِ عملی پر نظرِ ثانی کر سکتا تھا اور کوئی بڑا خطرہ مول لیے بغیر اس اسٹیشن کو نیست و نابود کر سکتا تھا۔

اسی اثنا میں ایلی نور انٹرکام سے فارغ ہوگئی۔ اس وقت تک کوئی غیر معمولی واقعہ رونما نہیں ہوا تھا اور اولینی کا رابطہ بیس اسٹیشن والوں کے ساتھ برقرار تھا۔

آخر کار گن بوٹ دھیمی ہوتے ہوتے اپنی برتھ پر لنگر انداز ہوگئی۔ چیف نیوی گیٹر نے میری طرف گھوم کر سر جھکاتے ہوئے ہاتھ فضا میں لہرا کر کام ختم ہونے کا اشارہ کیا اور ہم نیوی گیشن روم سے نکل آئے۔

ریمبران سلطان شاہ کے پاس موجود تھا۔ میں نے اسے تاحکمِ ثانی وہیں ٹھہرنے کی ہدایت کی کیونکہ آنے والے حالات سے میں خود پوری طرح باخبر نہیں تھا۔ ایسی صورت میں سلطان شاہ کو گن بوٹ سے اتارنا مخدوش ہوسکتا تھا کیونکہ وہ ابھی تک سہارے کے بغیر چلنے کے قابل نہیں ہوسکا تھا اور اگر بیس اسٹیشن پر بساط اُلٹنے کی صورت میں ہمیں راہِ فرار اختیار کرنا پڑتی تو سلطان شاہ کو سنبھالنا دشوار ہی نہیں، ناممکن ہوکر رہ جاتا۔ کسی ناگہانی صورتِ حال سے اپنے بچاؤ کے لیے ایکسپلوڈر سلطان شاہ کی تحویل میں تھا جس کی مدد سے وہ بہت کچھ کر سکتا تھا۔

"گن بوٹ پر بیس اسٹیشن کا عملہ آئے تو مجھے کیا کرنا ہوگا؟" ریمبران نے میری ہدایت سننے کے بعد معذرت خواہانہ لہجے اور دھیمی آواز میں سوال کیا۔

"گن بوٹ پر کوئی نہیں آئے گا۔" میں نے سخت اور دوٹوک انداز میں کہا۔ "نیچے اترتے ہی میں یہ ہدایت جاری کردوں گا۔ اس کے باوجود اگر کوئی آتا ہے تو تمھیں سمجھ لینا چاہیے کہ وہ میرا باغی ہے اور حکم عدولی کا مرتکب ہوا ہے، اسے تم بلاتامل گولی مار سکتے ہو.... اپنے کام سے فارغ ہوکر نئی ہدایات میں صرف اور صرف ایلی نور کے ذریعے بھیجوں گا جو اولینی تمھیں پہنچا دے گی۔"

"یعنی اولینی بھی گن بوٹ پر رُکے گا؟" اس نے سوال کیا۔

"ریڈیو روم میں کسی نہ کسی کا رہنا ضروری ہے۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "اس کے علاوہ نیوی گیشن والے دونوں افراد بھی اپنے کیبنوں میں آرام کریں گے کیونکہ ہم یہاں سے کسی بھی وقت لنگر اٹھا سکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ بعد میں انھیں کافی دیر تک آرام کا موقع نہ مل سکے۔"

مزید کچھ ہدایات اور مشوروں کے بعد سلطان شاہ نے آزدو میں میرے لیے نیک خواہشات کا اظہار کیا اور میں اپنے اوورکوٹ کی جیب میں موجود بیم گن کو ٹٹولتے ہوئے کیبن سے باہر آگیا۔

گن بوٹ کا سارا عملہ کُل نونفوس پر مشتمل تھا جو شیلون کی موت کے بعد کُل آٹھ افراد تک محدود ہوگیا تھا۔ ایلی نور کو نیوی گیشن سے نکالنے کے بعد ایک آدمی وہاں مامور کرنا پڑا تھا جو چیف نیوی گیٹر کے ساتھ گن بوٹ پر ہی آرام کرتا۔ اس کے علاوہ ریمبران، سلطان شاہ کے پاس ٹھہرا ہوا تھا، اولینی ریڈیو روم میں مامور تھا لہٰذا میرے ساتھ گن بوٹ سے اترنے والی نفری کُل چار نفوس تک محدود ہوگئی تھی۔ ان میں ایک ایلی نور تھی اور تین گن بوٹ کے مسلح محافظ۔

ان لوگوں کو ساتھ لے کر میں درمیانی منزل کے گرم اور آرام دہ ماحول سے کھلے ہوئے عرشے پر پہنچا تو ہڈیوں میں اتر جانے والی یخ بستہ ہواؤں نے استقبال کیا اور میں بے اختیار جھرجھری

سے کر رہ گیا۔ گہراِن اطراف میں بھی موجود تھی لیکن زیادہ گہری نہیں تھی جس کی وجہ سے نیچے برتھ کی صورتِ حال کا جائزہ لیا جا سکتا تھا۔
گن بوٹ کے عرشے سے لگی ہوئی سیڑھی سے ہم پختہ برتھ پر اترے تو وہاں ایک دراز قامت سفید فام شخص سبز اور زرد شیشوں والے ہری کین لیمپ سمیت ہمارے استقبال کے لیے موجود تھا۔
مجھ پر نگاہ پڑتے ہی وہ بُری طرح چونکا تھا اور اس نے بجلی کی سی سرعت کے ساتھ ہری کین لیمپ زمین پر رکھ کر اپنے بغلی ہولسٹر سے پستول کھینچ کر میری طرف تان لیا تھا۔ "ہینڈز اپ!" اُس نے آگے بھی کچھ کہا جو میرے پلّے نہ پڑ سکا کیونکہ اس نے شاید اپنا مدّعا بیان کرنے کے لیے پستول کی معروف علامت کے ساتھ فرنچ زبان کا سہارا لیا تھا جو میرے لیے نامانوس تھی۔
"پستول گرا دو ہاک!" اچانک فضا میں ایلی نور کی اضطراری آواز گونجی۔ وہ میری ہدایت نہیں بھولی تھی کیونکہ اس نے اپنے ساتھی کو انگریزی میں ہی مخاطب کیا تھا۔ "اس وقت تم آئی مین سے مخاطب ہو جو صرف اور صرف انگریزی سُننا پسند کرتا ہے۔"
آئی مین کے الفاظ سُنتے ہی پستول بردار دراز قامت شخص کے اعصاب مفلوج ہوتے ہوئے محسوس ہوئے تھے لیکن اس نے لمحہ بھر میں ہی سنبھالا لے لیا۔
"سوری سر!" وہ مجھ پر سے نگاہیں ہٹائے بغیر سر کو خم دے کر ادب سے بولا تھا۔ "گن بوٹ سے اس برتھ پر نیچے اترنے والا پہلا شخص ہمیشہ شیلون ہوتا ہے۔ یہ یہاں کا پروٹوکول ہے جس میں کسی بھی قیمت پر تبدیلی نہیں لائی جا سکتی۔ تم اپنی شناخت کرا دو۔ اگر ایلی نور کا بیان درست ثابت ہوا تو میں تمھارے قدموں میں گر کر معافی مانگ لوں گا۔"
اس کا حکم سُنتے ہی میں اپنے ہاتھ اُٹھا چکا تھا، جنھیں گرائے بغیر میں نے تحکم آمیز اور تلخ لہجے میں کہا۔ "اور اگر میں شناخت ظاہر کیے بغیر تم کو ایلی نور کے بیان پر یقین کر لینے کا مشورہ دوں تو کیا ہوگا؟"
"اگر تم آئی مین ہو تو جانتے ہو گے کہ ہم ماتحت لوگ کن ضابطوں کے تحت کام کرتے ہیں۔" وہ مجھ سے ذرا بھی مرعوب ہوئے بغیر مضبوط لہجے میں بولا۔ "ایلی نور مجھے مشورہ دے سکتی ہے لیکن اسے میرے کام میں مداخلت کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اپنا کام میں بہتر سمجھتا ہوں اور اپنے ہی طریقۂ کار پر عمل کرنے کا عادی ہوں۔"
"جب تک تم اپنا پہلا حکم واپس نہیں لیتے، میں شناخت ظاہر کرنے سے معذور رہوں گا میرے فرض شناس دوست!" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"پہلا حکم؟" اس کے چہرے پر تحیّر کے آثار نظر آئے۔
"ہاتھ گرائے بغیر میں کچھ نہ کر سکوں گا۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔
"اوہ!" وہ گہرا سانس لے کر بولا۔ "تم ہاتھ گرا لو مگر یہ یاد رکھنا کہ میری نگاہیں بہت تیز ہیں۔"
میرے لیے بم گن کو استعمال کرنے کا وہ سنہری موقع تھا لیکن میں اس مرحلے پر محاذ آرائی سے گریز کو مناسب سمجھ رہا تھا۔ وہاں موجود نفری اور اس کی کمین گاہوں سے واقف ہوئے بغیر کوئی انتقامی اقدام میرے کام کو غیر ضروری طور پر طول دے سکتا تھا لہٰذا میں نے بم گن کو بھول کر اندرونی جیب سے وہ بیش قیمت طلائی سکّہ نکالا جس پر چاندی سے ایک ابھری ہوئی حسین آنکھ بنی ہوئی تھی اور وہ سکہ دراز قامت کی طرف اچھال دیا۔
اس کے داہنے ہاتھ میں پستول موجود تھا لہٰذا اس نے بائیں ہاتھ سے سلور آئی کو لپکا اور اس پر پہلی نگاہ پڑتے ہی پستول پختہ فرش پر پھینک کر رکوع کے انداز میں جھکتا چلا گیا۔
"میں اپنی گستاخی پر معذرت خواہ ہوں سر!" اس کی خوفزدہ آواز میرے کانوں میں آئی۔ "مگر میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ میرا کام ہی ایسا ہے کہ میں واضح شناخت کے بغیر کسی پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ اب تم مجھے کسی کتّے کی طرح وفادار پاؤ گے۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ آج میں نے ایک مقدس آئی مین کی زیارت کی ہے۔"
وہ اسی طرح رکوع کی حالت میں چلتا ہوا میری طرف بڑھا اور اس نے سلور آئی دونوں ہتھیلیوں پر سجا کر مجھے واپس پیش کر دی جو میں نے بے نیازی کے ساتھ اُٹھا کر جیب میں ڈال لی۔
"سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور اپنا پستول واپس اُٹھا لو۔" میں نے دانستہ قدرے توقف کے بعد کہا۔ اُس نے مستعدی کے ساتھ حکم کی تعمیل کی اور پستول فرش سے اُٹھا کر ہولسٹر میں اُڑس لیا۔
"اجازت ہو تو میں اپنے عملے کو تمھاری موجودگی سے باخبر کر دوں؟" اس نے اپنے کندھے سے جھولتے ہوئے واکی ٹاکی کو سنبھالتے ہوئے اجازت طلب لہجے میں دریافت کیا۔
"قطعی نہیں۔" میں نے سختی کے ساتھ کہا۔ "میں چاہتا تو گن بوٹ سے ہی یہ پیغام بھجوا سکتا تھا۔ میں یہاں کسی خاص مقصد سے آیا ہوں اور اپنی موجودگی کی تشہیر نہیں چاہتا۔ تمھارے علاوہ کسی کو میرے بارے میں بھنک بھی نہ ملنا چاہیے۔"
"بہت بہتر سر!" اس نے تابعدارانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "میں پوری احتیاط کروں گا۔ فوری طور پر کوئی کام ہو تو مجھے خوشی ہوگی۔ ورنہ میں آرام کا بندوبست کراتا ہوں۔"
"یہاں برتھ پر کچھ نہ ہو سکے گا۔ پہلے ریڈیو روم کی طرف چلو۔"

میں نے آگے خشکی میں قدرے نشیب کی طرف نظر آنے والی دھندلی روشنیوں پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔
ہمارا مختصر سا کارواں فوراً ہی ان روشنیوں کی طرف بڑھنے لگا۔ ہاک ہری کین لیمپ اُٹھائے ہم سب کی رہنمائی کر رہا تھا۔ وہ پختہ برتھ زیادہ وسیع نہیں تھی۔ چند منٹ بعد ہی ہم برتھ سے کچے راستے پر اُتر آئے جس پر بڑے بڑے پتھر جما کر اسے باقاعدہ گزرگاہ کی شکل دی گئی تھی۔ ٹیلوں اور جھاڑیوں کے درمیان سے گزرنے والا وہ راستہ ہر اعتبار سے مثالی اور محفوظ تھا۔
"یہاں اجنبیوں کی طرف سے مداخلت کو روکنے کا کیا بندوبست ہے؟" میں نے ہاک سے دریافت کیا۔
"میری رہنمائی کے بغیر کوئی اس راستے سے زندہ سلامت نہیں گزر سکتا خواہ وہ شیلون ہی کیوں نہ ہو۔ دونوں طرف جھاڑیوں میں مسلح محافظ چوبیس گھنٹے ڈیوٹی پر مامور رہتے ہیں۔ رات کے اندھیرے میں وہ مجھے میرے ہری کین لیمپ سے پہچانتے ہیں۔ اس وقت بھی وہ مجھے پہچان لینے کے باوجود لومڑیوں کی طرح ہمارا تعاقب کر رہے ہوں گے۔ ہمیں عمارت تک پہنچانے کے بعد وہ واپس ساحل کی طرف آ جائیں گے۔"
"اور اگر ان کی واپسی سے پہلے ہی کوئی ادھر گھس آئے تو کیا ہوگا؟" میں نے سوال کیا۔
"ان کی تعداد کم از کم تین ہوتی ہے۔ ایک اب بھی ساحل کی نگرانی کر رہا ہوگا... دو آدمی دونوں پہلوؤں پر جھاڑیوں میں چھپے ہمارے ساتھ چل رہے ہوں گے۔"
"انھیں خطرے کا ادراک کیسے ہوگا؟ ہو سکتا ہے کہ اس وقت تمھیں بے بس کر لیا گیا ہو اور تم دشمن کی ہدایات پر عمل کرنے پر مجبور ہو۔" میں اسے باتوں میں اُلجھائے رکھنا چاہ رہا تھا تاکہ وہ میری اُدھر کے بارے میں یکسوئی کے ساتھ نہ سوچ سکے۔
"راستے پر پتھر لگے ہوئے ہیں۔ ایک دانستہ ٹھوکر کھا کر اگر میں مخصوص انداز میں گرا ہوں تو دشمن کو ہوشیار کیے بغیر اپنے محافظوں کو پوری صورتِ حال سمجھا دوں گا۔"
"میں ان کی موجودگی کا یقین کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے کہا۔
ہاک نے اچانک اپنے حلق سے کسی اُلّو کی سی چیخ نکالی اور گویا بیک وقت دو ہولناک دھماکوں کے ساتھ دونوں طرف سے رائفلوں کے شعلے آسمان کی رفعتوں میں معدوم ہو گئے۔ وہ ہوائی فائر بہت قریب سے کیے گئے تھے اور اس وقت ہماری پوری جماعت یقینی طور پر ان روپوش محافظوں کے اسلحے کی زد میں تھی۔

ایک ٹیلے سے اترتے ہوئے نشیب میں بنی ہوئی نیچی چھت والی وہ روشن عمارت پوری طرح ہمارے سامنے آ گئی جو غالباً ہماری منزل تھی۔ عمارت نہ زیادہ وسیع تھی نہ پُرشکوہ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی عارضی لیکن شدید ضرورت کے تحت اس ویرانے میں کیمپ لگا لیا گیا ہو۔
وہ سادہ اینٹوں سے بنی ہوئی ایک بے روپ یک منزلہ عمارت ثابت ہوئی جس کے بیرونی حصّے پر نہ پلاسٹر کی ضرورت محسوس کی گئی تھی نہ رنگ کی اور نیچی چھت بھی پرانی کھپریل کی تھی جس کا سرخ رنگ شاید دانستہ طور پر سیاہ کر دیا گیا تھا تاکہ فضا سے گزرتے ہوئے اس طرف کسی عمارت کے آثار نہ دیکھے جا سکیں۔
چند کھڑکیاں روشن ہونے کے باوجود عمارت بظاہر ویران نظر آ رہی تھی۔ اس کے کسی دور افتادہ حصّے میں جنریٹر چلنے کی گونج ایک تسلسل کے ساتھ سُنائی دے رہی تھی۔
سرد ہواؤں میں وہ طویل راستہ طے کرنے کے بعد ہم کسی بھی شخص کا سامنا کیے بغیر اس عمارت میں داخل ہوئے تو اندر قدم رکھتے ہی خوشگوار حرارت نے رگوں میں جمتے ہوئے لہو میں دوبارہ روانی پیدا کر دی۔ وہ ایک مختصر سی راہداری تھی جس میں دونوں طرف کمرے بنے ہوئے تھے۔ بیرونی خستہ حالی کے برعکس اندر سے وہ عمارت بہت مزیّن اور آراستہ تھی۔ دیواروں پر رنگ کے ساتھ خوبصورت تصاویر وغیرہ آویزاں تھیں، فرش پر دبیز قالین موجود تھا اور راہداری میں دیواروں کے ساتھ دونوں طرف پیتل کے دمکتے ہوئے گملوں میں بیش قیمت اِن ڈور پودے لگے ہوئے تھے۔
ہاک راہداری کے تقریباً وسط میں ایک بند دروازے کے سامنے رک گیا۔ "یہ ہمارا ریڈیو روم ہے۔"
"تم چاروں یہیں ٹھہرو۔" میں نے ایلی نور سے مخاطب ہو کر کہا۔ "بلکہ یہ سامنے والا کمرہ اگر خالی ہے تو اس میں سستا لو۔ میں یہیں واپس لوٹوں گا۔"
"بالکل۔" ہاک نے مشینی انداز میں تائید کی۔ "یہ میرا کمرہ ہے، دفتر بھی اور خواب گاہ بھی... تم لوگ اندر آرام کرو۔" وہ براہِ راست ایلی نور سے مخاطب تھا۔ "فریج میں خورد و نوش کا سامان بھرا ہوا ہے۔ کیبنٹ میں کافی بھی مل جائے گی۔"
میں نے ایلی نور کے لبوں پر غیر محسوس سا تبسم دیکھ کر اندازہ لگایا کہ شاید اس وقت تک ہاک کا کمرہ ان لوگوں کے لیے شجرِ ممنوعہ بنا ہوا تھا لیکن میری ہدایت پر وہ اسے مہمان خانہ بنانے پر مجبور ہو گیا تھا۔
ہاک نے بڑھ کر ریڈیو روم کا دروازہ کھولا اور میں اندر داخل ہو گیا۔ اندر ایک نوجوان شخص ہماری طرف پشت کیے، سر پر ہیڈ فون

چڑھائے سرور کے عالم میں قدموں سے قالین پر تھاپ دیتے ہوئے جھوم رہا تھا۔ اس کے سامنے مختصر سا ریڈیو پینل موجود تھا جس کے نیچے ریڈیائی آلات موجود تھے۔ دیواروں پر معروف فلمی اداکاراؤں وغیرہ کی بڑی بڑی برہنہ تصاویر آویزاں تھیں جو اس ویرانے میں جبری تجرد کی بے کیف زندگی سے پیدا ہونے والی محرومیوں کی عکاسی کر رہی تھیں۔

میں نے موسیقی کے سرور میں ڈوبے ہوئے نوجوان کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ اپنی کرسی سے یوں اچھلا تھا جیسے اس پر بجلی کا ننگا تار آ گرا ہو۔ اس نے سر گھما کر حیرت سے میری طرف دیکھا پھر ہاک کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی اپنی جگہ منجمد ہو کر رہ گیا۔

"یہ کیا ہو رہا تھا؟" ہاک کوشش کے باوجود اپنی بھیڑیے جیسی غصیلی غراہٹ پر قابو نہ پا سکا۔

اس نوجوان نے سہمے ہوئے انداز میں ہیڈ فون کانوں سے اتار کر انسٹرومنٹ ٹیبل پر ڈال دیا۔ اس نے فرنچ میں کچھ کہا اور ہاک دانت پیس کر بولا "انگریزی میں جواب دو۔"

"ریڈیو پیرس سے موسیقی کا فرمائشی پروگرام سن رہا تھا۔" نوجوان نے مردہ آواز میں ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کہا۔ اس کی نگاہیں مجرمانہ احساس کے ساتھ جھکی ہوئی تھیں۔

"بوٹ برتھ سے لگی ہوئی ہے اور تم گانے سن رہے تھے!" ہاک اسے پھٹکارنے لگا اور میں نے بڑھ کر ہیڈ فون کانوں سے لگایا تو اس میں واقعی تیز موسیقی گونج رہی تھی۔

"غلطی ہو گئی۔ گن بوٹ کے لنگر ڈالنے کے بعد میں نے۔۔"

"شٹ اپ اینڈ گٹ آؤٹ!" ہاک دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر غرایا اور نوجوان بے جان قدموں سے چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

"یہاں تمہارے پاس کُل کتنی نفری ہے؟" دروازہ بند ہو جانے کے بعد میں نے ہاک کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"بارہ بارہ گھنٹے کی شفٹ میں دو ٹیمیں کام کرتی ہیں۔ ہر ٹیم میں تین محافظ اور ایک ریڈیو آپریٹر ہے۔ مجھ سمیت کُل نو افراد یہاں متعین ہیں۔"

"میں ان سب کو تمہارے کمرے میں یکجا دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"اس وقت صرف چار آدمی آ سکیں گے۔" وہ مجھ سے نظریں چراتے ہوئے آہستہ سے بولا "آج ہفتے کی رات ہے۔ ہر ٹیم باری باری ہفتے کی شام اور اتوار کا دن باہر چھٹی میں گزارتی ہے، وہ لوگ شام سے پہلے واپس نہیں لوٹیں گے۔"

"پھر تینوں محافظوں کو ہی طلب کر لو۔"

"باہر کوئی بھی نہ رہے گا؟" اس نے گویا مجھے یاد دلایا۔

"کوئی فرق نہیں پڑتا، گن بوٹ کی موجودگی میں کوئی ادھر پھٹکنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔"

وہ فوراً ہی واکی ٹاکی پر باہر پہرہ دینے والے محافظوں سے رابطہ قائم کرنے کی کوششوں میں مصروف ہو گیا اور میں حسّاس و نازک ریڈیائی پینل کی طرف متوجہ ہو گیا۔

محافظوں سے بات ختم کر کے ہاک بھی میرے قریب آ گیا اور ریڈیو پینل میں میری دلچسپی کو دیکھتے ہوئے اس کے مختلف حصوں کے بارے میں تفصیلات بتانے لگا۔

گن بوٹ کے بیس اسٹیشن کو آنے والے خفیہ آبی راستے پر مختلف سمتوں اور زاویوں سے چار مانیٹرنگ یونٹ لگے ہوئے تھے جو چوتھائی مکعب میٹر سے زیادہ حجم والی کوئی بھی جاندار یا بے جان شے زد میں آتے ہی ریڈیو روم میں الارم اور روشنی کا سگنل دیتے تھے اور اطلاع ملنے پر ہاک اپنے کمرے میں موجود اسکرین کی مدد سے متعلقہ وڈیو یونٹ کو پوزیشن میں لا کر اپنے کمرے میں بیٹھے بیٹھے آنے والے جسم کا جائزہ لے سکتا تھا۔ اس کی میز پر تین خودکار میزائل لانچرز کے ریموٹ کنٹرول بٹن موجود تھے جنھیں دبا کر وہ دلدلی خطے سے میزائل فائر کر کے آبی راستہ عبور کرنے والے جسم کے پرخچے اڑا سکتا تھا، اس طرح ہاک کی مرضی اور اجازت کے بغیر کوئی اس خفیہ سمندری راستے کو زندہ و سلامت عبور نہیں کر سکتا تھا۔

"اپنے اختیارات کے لحاظ سے تم خاصے اہم آدمی معلوم ہوتے ہو۔" میں نے اوورکوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے تحسین آمیز لہجے میں کہا "شی کے لیے کب سے کام کر رہے ہو؟"

"گیارہ برس سے شی میں کام کر رہا ہوں اور میرا ریکارڈ بالکل بے داغ ہے۔" اس نے فخریہ لہجے میں کہا "اس سے پہلے سات خون کر چکا تھا لیکن کبھی قانون کی گرفت میں نہیں آیا۔ شاید میرا یہی ریکارڈ مجھے مونٹی کارلو کے ایک قمار خانے سے شی میں لانے کا سبب بنا تھا اور میں خود کو اپنے بڑوں کے اعتماد کا اہل ثابت کرتا چلا آیا ہوں۔"

"لیکن تم بھول گئے کہ قدرت کا بھی ایک اٹل قانون ہوتا ہے۔" میں نے اپنی جیب میں بیم گن کا دستہ گرفت میں لیتے ہوئے پُرسکون لہجے میں کہا "اس کی گرفت سے بچنا بہت مشکل ہوتا ہے۔"

اس نے حیرت اور بے یقینی کے ساتھ آنکھیں پھاڑ کر میری طرف دیکھا "میں سمجھا نہیں؟" اس کی کھوکھلی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ شی کے آئی مین کی زبان سے قانونِ قدرت کا تذکرہ اس کے لیے ناقابلِ تصور تھا۔

"قدرت ڈھیل ضرور دیتی ہے، سزا دیے بغیر نہیں چھوڑتی شاید اسی لیے مجھے یہاں بھیجا گیا ہے۔" یہ کہتے ہوئے میں نے بیم گن جیب سے نکال کر اس کی طرف تان لی۔

"تم مجھے نہیں مار سکتے۔۔۔ مجھے بتاؤ کہ میرا قصور کیا ہے؟" وہ ہونٹ بھینچ کر ہذیانی انداز میں بولا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ پل بھر میں صورتِ حال یوں اس کے خلاف ہو سکتی تھی۔

"تمہارا قصور ہو یا نہ ہو، بس یہی کافی ہے کہ میں تم کو مارنا چاہتا ہوں۔" میں نے اسے اشتعال دلانے کی نیت سے کہا۔ مقصد یہی تھا کہ بے بسی کے عالم میں وہ ایسی غیر ذمہ دارانہ بکواس شروع کرے جسے بنیاد بنا کر میں گن بوٹ سے آئے ہوئے عملے کے سامنے اسے سزاوار ٹھہرا سکوں کیونکہ ان لوگوں کو میں بہرحال اپنی مٹھی میں رکھنا چاہتا تھا۔

ایک لمحے کے لیے یوں محسوس ہوا جیسے وہ مٹھیاں بھینچ کر مجھ پر ٹوٹ پڑے گا مگر وہ قالین پر ایک ٹھوکر مار کر رہ گیا۔

"تمھیں دیکھتے ہی میرا ماتھا ٹھنکا تھا کہ تمہاری نیت خراب ہے مگر یہ اندازہ نہیں ہوا تھا کہ تم میرے ہی گریبان پہ ہاتھ ڈال دو گے۔ شبہ بھی ہو جاتا تو وہیں بے دریغ گولی مار دیتا لیکن یہ یاد رکھنا کہ مجھے مار کر تم بھی یہاں سے زندہ سلامت نہ نکل سکو گے۔"

"آخاہ!" میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا "ذرا ٹھہرو، تم دلچسپ باتیں کر رہے ہو، ہمیں دوسروں کو بھی اس میں شریک کرنا چاہیے۔ چلو، اپنے کمرے میں چلو۔"

اس نے مجھے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورا مگر وہ میرے حکم کی تعمیل کرنے پر مجبور تھا۔

اس کا کمرہ بہت پُرتعیش اور کشادہ تھا، وہاں موجود پانچوں افراد نے ہم دونوں کو بڑی حیرت سے دیکھا تھا۔

"یہ دغاباز اور مکّار ہے۔" اپنے کمرے میں گھستے ہی ہاک پھٹ پڑا "یہ مجھے مارنا چاہتا ہے۔ تم سب مل کر اس کی ہڈیاں سُرما کر دو اور اسے بتا دو کہ ہاک یہاں اتنا کمزور نہیں ہے۔"

"بس!" میں نے دہاڑ کر اسے خاموش کر دیا "مجھے اسی لیے یہاں آنا پڑا ہے کہ یہاں شی نہیں بلکہ تمہاری ذات مضبوط ہے مگر تمہارے مکروہ خواب کبھی پورے نہیں ہو سکیں گے۔" یہ کہہ کر میں ایلی نور کے ساتھ گن بوٹ سے آئے ہوئے ایک مسلح محافظ سے مخاطب ہو گیا "تم راہداری میں ٹھہرو، میں نے باہر ڈیوٹی دینے والے محافظوں کو بھی بلوایا ہے۔ وہ آ جائیں تو انھیں اندر لے آنا تاکہ وہ بھی اپنے آقا کا اصلی روپ دیکھ سکیں۔"

"وہ میرے جاں نثار ہیں۔ تمہاری باتوں میں آنے کے بجائے میرے ایک اشارے پر تمھیں بھون ڈالیں گے۔" ہاک موت کو سامنے پا کر تیزی کے ساتھ بہکتا جا رہا تھا اور میں اپنا کیس مضبوط کر رہا تھا۔

"اچھا کیا کہ تم نے یہ بھی بتا دیا۔" میں دوبارہ باہر جاتے ہوئے محافظ سے مخاطب ہو گیا "ان تینوں کو اندر لانے سے پہلے غیر مسلح کر دینا تاکہ اس بے چارے کو اپنی حیثیت کا اندازہ ہو سکے۔"

"تم میرا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے اور خود فنا ہو جاؤ گے۔" ہاک چیخا۔

"اسی طرح کلکلا کر بددعائیں دیتے رہے تو شاید ایسا بھی ہو جائے۔ تم یہ بھول رہے ہو کہ اس وقت اپنے آئی مین سے مخاطب ہو جو پوری طرح اپنے فیصلوں کو نافذ کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔"

"میرے نزدیک اب تم آئی مین نہیں بلکہ میرے خون کے پیاسے ہو، میں تمھیں ٹھوکروں سے اڑا دوں گا۔"

"شاید صدمے سے تمہارا دماغ چل گیا ہے۔" میں نے متاسفانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا "معافی مانگنے کے بجائے تمہاری سرکشی بڑھتی جا رہی ہے اور مجھے اپنے فیصلے کی درستگی پر یقین ہوتا جا رہا ہے۔۔۔ تمھیں ختم کر کے مجھے ایک فتنے سے نجات ملے گی اور تھوڑی دیر بعد ہم یہاں سے دور کھلے پانیوں میں تمہارے دردناک انجام پر افسوس کر رہے ہوں گے۔"

وہ کسی پاگل کی طرح گلا پھاڑ کر ہنسا "خفیہ راستے سے تمہارا سایہ تک سلامت نہ نکل سکے گا۔ میں نے ریڈیو روم میں تم سے بات کرتے ہوئے مانیٹرنگ یونٹ اور میزائل لانچرز کو خودکار سوئچ پر ڈال دیا ہے۔"

"اس سے کیا ہو گا؟" میں نے اپنے وجود میں اٹھنے والی خوف کی لہر پر قابو پا کر سپاٹ لہجے میں کہا۔

"واپسی پر مانیٹرنگ یونٹ جوں ہی گن بوٹ کی موجودگی محسوس کرے گا، لانچرز سے خود بخود میزائل فائر ہوں گے اور گن بوٹ کے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔ میرے بٹن دبائے بغیر تمہاری موت کا پورا پورا بندوبست ہو چکا ہے۔ اب تم دلدلوں میں سسک کر جان دے دو گے یا تمھیں کوئی اور راستہ تلاش کرنا پڑے گا۔"

"یہ واقعی پاگل ہو گیا ہے۔" ایلی نور میرے قریب ہو کر منمنائی "تم اس کا قصہ ختم کیوں نہیں کرتے؟"

"میں اس کے محافظوں کا منتظر ہوں تاکہ وہ بھی اس کی زندگی میں کھل کر سامنے آ جائیں۔" میں نے کہا۔

"وہ دشواریاں کھڑی کر سکتے ہیں۔" وہ بولی "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ہاک ہماری آستین کا سانپ ہے، اس کے قتل کے لیے تو اتنا ہی کافی ہے کہ اس نے آئی مین کی توہین کی ہے، ان تینوں کے بارے میں یہ خود بتا چکا ہے کہ وہ اسی کے آدمی ہیں۔ وہ آئیں تو

انھیں بھی اسی کے پیچھے روانہ کر دینا۔"

"کُتیا کی بچّی!" ہاک اس کا مشورہ سُن کر چیخا۔"میں جانتا ہوں کہ ایڈمرل کو ٹھکرانے کا تجھے آج تک افسوس ہے اور اب تو آئی مین کی خوشامد کر کے کسی نہ کسی طرح اس کے قریب ہونا چاہتی ہے تاکہ اپنی انا کی تسکین کر سکے لیکن میری بات لکھ لے کہ یہ آئی مین تجھے بھی برا وقت آنے پر سفّاکی کے ساتھ روند ڈالے گا۔"

"یہ اپنی زندگی کے لمحات خود مختصر کر رہا ہے۔" میں نے غرّاتے ہوئے کہا اور بیم گن کا ٹرائیگر دبا دیا۔ نیلگوں رنگ کی ایک بہت پتلی سی دھار ہاک کے بائیں پہلو پر پڑی اور میرے ہاتھ کی جنبش کے ساتھ پیٹ کی طرف تیر گئی۔

بیم کا اثر اس قدر فوری اور شدید تھا کہ ہاک کا دہانہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ دہشت کے آخری آثار چہرے پر منجمد ہو کر رہ گئے اور وہ دل میں سوراخ ہوتے ہی کسی وزنی شہتیر کی طرح قالین پر ڈھیر ہو گیا۔

فضا میں گوشت، چربی اور ہڈیاں جلنے کی ہلکی سی بو پھیلی تھی کیونکہ اس نیلگوں شعاع کا جلانے کا عمل اتنا تیز اور مؤثر تھا کہ اس کی راہ میں آنے والا ہر ریشہ آناً فاناً میں خاک ہو گیا تھا اور اس زخم سے خون تک نہ بہہ سکا تھا۔

ٹرائیگر سے انگلی کا دباؤ ہٹاتے ہی گن کے دہانے سے مہلک شعاع کا اخراج تھم گیا اور اسی کے ساتھ کمرے کی فضا پر موت کا بوجھل اور ایسا بھرپور سکوت چھا گیا کہ بس گہرے گہرے سانسوں کی آوازیں ہی سنائی دے رہی تھیں۔

"اس کے انجام پر تمہارا ردِّ عمل کیا ہے؟" میں نے باری باری سب کے چہروں کا جائزہ لینے کے بعد سکوت توڑنے کی نیّت سے نوجوان ریڈیو آپریٹر سے سوال کیا۔

"کچھ بھی نہیں۔" اس نے سپاٹ اور دھیمی آواز میں کہا۔

"کیوں؟" میں نے قدرے حیرت سے کہا۔"بُرا یا بھلا، وہ تھا تو تمہارا افسر ہی۔ بُروں سے نجات ملنے پر خوشی ہوتی ہے اور اچھوں کے بچھڑنے پر افسوس ہوتا ہے۔"

"مشین میں ایک پُرزہ گڑبڑ کرنے لگتا ہے تو اسے پھینک کر اس کی جگہ نیا پُرزہ لگا دیا جاتا ہے، دوسرے پُرزوں کو اس پر نہ غم ہوتا ہے نہ خوشی کیونکہ یہ مشین چلانے والے کی مرضی ہوتی ہے، وہ کس پُرزے کو کب تک چلا سکتا ہے۔" اس نے بدستور سپاٹ لہجے میں کہا۔"ویسے ہاک بدزبان ہونے کے باوجود نرم دل تھا۔ وہ مارا گیا ہے تو یقیناً اس سے کوئی ناقابلِ معافی جرم سرزد ہوا ہوگا۔ میں اس معاملے سے بالکل لاتعلق ہوں۔"

"اور تینوں محافظوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ویسے وہ ہاک کے مُنہ چڑھے ہیں۔"

اسی وقت کہیں قریب سے بیک وقت کئی رائفلیں چلنے کی آواز آئی۔ اسی کے ساتھ ایک جگر خراش ادھوری چیخ سنائی دی اور وہاں موجود سب لوگ بُری طرح چونک پڑے۔

"شاید ہمارا آدمی مارا گیا!" ایلی نور تشویش زدہ لہجے میں بولی۔"وہ انھیں غیر مسلح کرنا چاہ رہا ہوگا اور انھوں نے اپنا اسلحہ اس کے حوالے کرنے کے بجائے اسی کو بھون ڈالا۔"

"ہوشیاری سے باہر نکل کر انھیں گھیرو۔" میں نے گن بوٹ سے آئے ہوئے بقیہ دو محافظوں سے مخاطب ہو کر کہا۔"اگر وہ ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نہ ہوں تو بے دریغ انھیں گولی مار دینا۔"

وہ دونوں اپنی ٹامی گنیں سنبھال کر چوکنے انداز میں دروازے کی طرف بڑھے تاکہ باہر نکلنے سے پہلے راہداری کی صورتِ حال کا جائزہ لے سکیں۔ اس وقت میری پوری توجہ لمحہ بھر کے لیے ان کی طرف مبذول ہوئی اور اسی اثنا میں میری چھٹی حس نے کام کیا اور میں تیزی کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑ کر پیچھے پلٹا تو بیس اسٹیشن کا بے ضرر اور غیر جانبدار نظر آنے والا ریڈیو آپریٹر فضا میں جست لگا کر میری طرف آتا نظر آیا۔ اس کے دونوں ہاتھ فضا میں پھیلے ہوئے تھے۔ شاید اس نے مجھے بے خبر پا کر اضطراری طور پر بیم گن پر قبضہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا جو میری نظروں میں ناقابلِ معافی تھا۔

اسے واقعات کی پوری تفصیل کا علم نہیں تھا لیکن ایلی نور اس کے سامنے میرے آئی مین ہونے کا ذکر کر چکی تھی لہٰذا آئی مین کے ہتھیار پر ہاتھ ڈالنے کی جسارت سنگین جرم سے کم نہیں تھی۔ میں نے فیصلہ کرنے میں ذرا بھی تاخیر کیے بغیر ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں بیم گن کی نال سیدھی کی اور ٹرائیگر دبا دیا۔

نیلگوں شعاع اس کی کھوپڑی میں اتر کر فضا میں اُڑتے ہوئے جسم میں سرایت کر گئی اور وہ جہاں تھا وہیں ایک گھٹی گھٹی سی چیخ مار کر قالین پر گرا اور ہلکے سے تشنّج کے بعد بے جان ہو گیا۔

بیس اسٹیشن کا رُخ کرتے ہوئے مجھے اندیشہ تھا کہ وہاں کے عملے پر ہاتھ ڈالتے ہوئے مجھے اپنی آئی مین کی حیثیت برقرار رکھنا دشوار ہو جائے گا اور شاید گن بوٹ کا عملہ یہ سمجھ لے کہ میرا تعلق شی کے ہمدردوں سے نہیں بلکہ دشمنوں سے تھا لیکن ہاک کے ساتھ تنہائی میں ہونے والی گفتگو کے نتیجے میں ان سب نے ایسا رویہ اختیار کر لیا تھا کہ مجھے وہاں کھل کر من مانی کارروائیاں کرنے کی آزادی مل گئی تھی اور مزے کی بات یہ تھی کہ اپنی ان کارروائیوں میں مجھے گن بوٹ کے عملے کی پوری حمایت حاصل تھی۔

غنیمت یہ تھا کہ بیس اسٹیشن والوں کے چار آدمی چھٹی پر گئے ہوئے تھے۔ ہاک اپنی سرکشی اور ہرزہ سرائی کی بنا پر میرے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ ریڈیو آپریٹر مجھ پر ناکام حملہ کرتے ہوئے جہنم واصل ہو گیا تھا اور باہر کے تین مسلح محافظ فائرنگ کا آغاز کر کے خود ہی موت کو للکار بیٹھے تھے۔

فائرنگ باہر سے سنائی دی تھی۔ محافظوں نے راہداری میں جھانکا تو وہ ویران پڑی ہوئی تھی۔ وہ دونوں اپنی ٹامی گنیں سنبھال کر محتاط انداز میں باہر نکل گئے۔ اسی وقت مجھے خیال آیا کہ کہیں ہاک کے محافظ خطرہ بھانپتے ہوئے گن بوٹ پر دھاوا نہ بول دیں۔ ایسا ہوتا تو وہ سب بے خبری میں مارے جاتے۔

"ریڈیو آپریٹر مارا گیا۔ اب اولینی سے رابطہ کیسے قائم ہوگا؟" میں نے اضطراری لہجے میں کہا۔

"میں کروں گی۔" ایلی نور نے پیار سے میرے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا کیونکہ ہاک کے کمرے میں اس وقت میرے ساتھ وہی رہ گئی تھی یا دو خوف آور لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔

"تو فوراً ریڈیو روم چلو۔" میں نے اسے الگ کرتے ہوئے کہا۔"اور اپنی کھوپڑی پر قابو رکھو، کمال ہے کہ دو تازہ لاشوں کے ہوتے ہوئے بھی تمہارے دماغ پر رومان کا بھوت سوار ہے۔"

"اولینی سے اچانک کیا کام پڑ گیا؟" اس نے میرے ساتھ ہاک کے کمرے سے نکلتے ہوئے سوال کیا۔

"باہر والے تین محافظ یقیناً غیر مسلح کیے جانے کے مسئلے پر بدکے ہوں گے۔" میں نے کہا۔"انھیں روکنے والا گن بوٹ کا گارڈ تھا لہٰذا عین ممکن ہے کہ وہ تینوں یہاں رُکنے کے بجائے گن بوٹ پر قبضہ کرنے کی کوشش کریں۔ ایسا ہوا تو وہ لوگ مقابلے کے بغیر بے خبری میں مارے جائیں گے۔"

بات اس کی سمجھ میں آ گئی اور اس نے پینل پر پہنچتے ہی چند سوئچ اوپر نیچے کر کے اولینی سے رابطہ قائم کر لیا اور براہِ راست اصل موضوع پر آ گئی۔

"بیس اسٹیشن پر ہاک نے آئی مین کی بالادستی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اس کے تین مسلح آدمی باہر سے فائرنگ کر رہے ہیں، ہو سکتا ہے کہ مایوسی کے عالم میں وہ برتھ کی طرف دوڑ لگا دیں اور گن بوٹ پر قابض ہونے کی کوشش کریں۔ سیڑھی ہٹا کر اپنے آدمیوں کو ہوشیار کر دو۔ اوور۔"

"فکر نہ کرو۔ عرشے سے میں تنہا ہی پوری بٹالین کو روک لوں گا... اب ریڈیو روم میں میری ضرورت تو باقی نہیں رہی؟ اوور۔" اولینی کا لہجہ پُرجوش تھا۔

"اس کال کے بعد تمھیں پوری آزادی ہے۔" اس بار ایلی نور کے بجائے میں نے کہا۔"گن بوٹ کو بچانے کے لیے میری طرف سے تمھیں ہر کارروائی کا اختیار ہے، ضرورت ہو تو میرے ساتھی کے پاس سے ریبران کو بھی ہٹا لینا... اوور۔"

"اعتماد کا شکریہ سر!" اولینی کی آواز تشکر سے لبریز تھی۔"باغیوں میں سے جو بھی زد میں آ گیا زندہ نہ بچ سکے گا۔ احتیاطاً میں گن بوٹ کو برتھ سے دُور کھلے پانی میں لنگر انداز کرا دیتا ہوں تاکہ وہ لوگ ہماری بے خبری میں کمند ڈال کر اوپر نہ آ سکیں۔ حملہ ٹلتے ہی ہم برتھ پر آ جائیں گے... اوور۔"

"مجھے احساس ہے کہ تمہارے پاس نفری کم ہے... جیسا چاہو، کر سکتے ہو... وِش یو گڈ لک... اوور اینڈ آل۔" میں نے گفتگو کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

"یہاں تو ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے لوگ مدّت سے بھرے بیٹھے تھے۔" ایلی نور نے حیرت سے کہا۔"مگر ہمیں ان کے ساتھ رہنے کے باوجود کبھی ان کے باغیانہ عزائم کا اندازہ نہیں ہو سکا۔"

"لیکن میں دُور ہونے کے باوجود ان حالات سے بے خبر نہیں تھا۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"یہ تو میں بار بار کہہ رہی ہوں کہ تم لوگ عام سطح سے بہت بلند ہو۔ تمھاری سوچ اور فیصلوں کے انداز کو سمجھنا ہم جیسوں کے بس کا روگ نہیں... ایسا نہ ہوتا تو شی آج عالمگیر سطح پر کام نہ کر رہی ہوتی۔"

اسی وقت عمارت کے قریب سے ٹامی گن کی خوفناک تڑتڑاہٹ سنائی دی اور چند ثانیوں بعد یکے بعد دیگرے رائفل کے دو فائروں کے ہولناک دھماکے گونجے اور میرے مُنہ سے بے اختیار اطمینان کا ایک گہرا سانس آزاد ہو گیا۔

"بڑا گہرا سانس لیا ہے، کیا بات ہے؟" ایلی نور نے شوخ لہجے میں سوال کیا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس خون آشام ماحول اور اعصاب شکن بارودی برسات کا ایلی نور کے ذہن پر کوئی اثر نہیں تھا۔

"مجھے خوشی ہوئی ہے کہ وہ گن بوٹ کی طرف جانے کے بجائے ان ہی اطراف میں موجود ہیں۔ بے مقصد فائرنگ کر کے انھوں نے اپنی کمین گاہیں ظاہر کر دی ہیں، اب وہ جلد ہی گھیر لیے جائیں گے۔"

"باہر بہت سوی تھی، تم تھک بھی گئے ہو گے، کیوں نہ ہاک کے کمرے میں ہم اپنی کامیابی کا مختصر سا جشن منا ڈالیں۔" اس نے پُرمسرت لہجے میں تجویز پیش کی۔

"برفانی ہواؤں نے شاید تمھاری کھوپڑی جما دی ہے۔ وہاں دو بھیانک لاشیں پڑی ہوئی ہیں، تم لاشوں پر جشن مناؤ گی؟"

"میرا تو خیال تھا کہ آئی مین ہونے کی وجہ سے تمھارا دل بھی پتھر ہو گا مگر..."

" دل تب بھر نہیں ہے جب ہی تو تمھارے دام میں آگیا۔" میں نے اُسے بات پوری کرنے کا موقع دیے بغیر کہا۔" جب تک ان کا ایک بھی آدمی زندہ ہے میری تشویش دُور نہ ہوسکے گی۔"

" رومیل اور منٹگمری نے جنگ میں ہزاروں لاشوں پر کھڑے ہو کر شیمپئن بہا کر فتح کا جشن منایا تھا۔ جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔ اس وقت باغیوں سے ہماری جنگ جاری ہے اور مجھے تم سے محبت ہے، اسی لیے مجھے ہاک کا آرام دہ کمرہ یاد آرہا ہے، تم چاہو گے تو میں ان دونوں لاشوں پر چادریں ڈال دوں گی۔"

" اصولاً ہمیں باہر نکل کر اپنے آدمیوں کی مدد کرنا چاہیے۔ وہ دو ہیں اور دشمن تین۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

" ہوسکتا ہے کہ ہمارا تیسرا آدمی مرا نہ ہو، صرف زخمی ہوا ہو۔" وہ بے پروائی سے بولی۔" ان کی طامی گنیں خاموش ہوگئیں تو ہم باہر نکلیں گے، اس وقت میں تمھیں باہر نہیں جانے دوں گی۔"

اس نے میرا بازو تھام لیا اور مجھے ہاک کے کمرے کی طرف لے جانے کے لیے زور آزمائی کرنے لگی۔

" معلوم ہوتا ہے کہ اس کمرے سے تمھاری ماضی کی کچھ یادیں وابستہ ہیں جنھیں تم میرے ساتھ تازہ کرنا چاہتی ہو۔" میں نے اس کی تریا ہٹ کے آگے ہتھیار ڈالتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

" وہاں عمدہ شرابیں موجود ہیں لیکن ہاک کبھی اخلاقاً بھی کسی کو پیشکش نہیں کرتا تھا۔ آج اس کمرے کی ہر چیز پر ہمارا تصرّف ہوگا۔ وہ تو تمھارے حکم کے سامنے بے بس ہوگیا، ورنہ اس کے کمرے میں کوئی پھٹک بھی نہیں سکتا تھا۔"

ہاک کے کمرے میں پہنچ کر ایلی نور نے واقعی دونوں لاشوں پر گہرے رنگ کی چادریں ڈال دیں، میں نے صوفہ سنبھال لیا اور ایلی نور نے ساقی گری کی تیاریاں شروع کردیں۔

دوسرے چکر میں وہ ٹرے لے کر آئی تو دو گلاسوں کے ساتھ مخمل کی تھیلی میں رائل سیلوٹ کی حسین بوتل بھی موجود تھی جو اسکاچ وسکی کی مادرِ معظّم تصوّر کی جاتی ہے۔

معدے میں حرارت پہنچنے کے بعد اس سے قبل کہ ایلی نور کے دماغ پر رومان کی گرفت مضبوط ہوتی، میں نے ہاک کی آخری دھمکی کا ذکر چھیڑ دیا۔" ہم لوگ تو خشکی کے راستے سے بھی نکل سکتے ہیں لیکن گن بوٹ اسی کھاڑی میں قید ہو کر رہ جائے گی، میرے لیے یہ خیال سوہانِ روح بنا ہوا ہے۔"

" اگر تم اس بارے میں سوچ رہے ہو تو مجھے پورا یقین ہے کہ جلد ہی اس مسئلے کا کوئی حل بھی تلاش کرلو گے۔" اس نے اپنا گلاس فضا میں لہراتے ہوئے کہا۔

" حل تو ضرور ہے مگر اس پر عمل کرتے ہوئے مجھے دکھ ہوگا۔" میں نے اداس لہجے میں کہا۔

" وہ کیا؟" ایلی نور متجسّسانہ انداز میں میز پر میری طرف جھک آئی۔

" سب کچھ کنٹرول ریڈیو روم سے منسلک ہے اس لیے روانگی سے پہلے ریڈیو روم کی تنصیبات تباہ کردی جائیں تو ہر چیز ناکارہ ہو کر رہ جائے گی۔"

" ضروری نہیں کہ ایسا ہی ہو۔" وہ بولی۔" ممکن ہے کہ مانیٹرنگ یونٹ اور لانچرز میں براہِ راست کوئی تعلق ہو۔"

" پھر اس کا سوئچ ریڈیو روم میں کیسے آگیا؟" یہ کہہ کر میں نے قدرے توقف کیا پھر خود ہی بولا۔" ہر لانچر میں ایک میزائل ہوگا۔ ہم روانگی سے پہلے بٹن دبا کر سارے میزائل فائر کردیں گے، اس طرح ہمارے لیے کوئی خطرہ نہیں رہے گا۔ ریڈیو روم کی تنصیبات بھی احتیاطاً تباہ کرنا ہوں گی تاکہ کوئی دوسرا ٹریپ ہو تو وہ بھی ناکارہ ہو جائے۔"

" یہ ہوسکتا ہے۔" وہ سر ہلاتے ہوئے بولی۔" لانچرز کی لوڈنگ تو خود ہی کرنا پڑتی ہے۔ ایک ایک میزائل فائر ہونے کے بعد تمام لانچرز ناکارہ ہو جائیں گے۔"

" مگر اس میں ایک خطرہ ہے۔" میں نے اپنا گلاس خالی کرتے ہوئے کہا۔" ہمیں کچھ علم نہیں کہ لانچرز کس رُخ پر نصب ہیں۔ اگر اندھا دھند فائر بٹن دبا دیا جائے تو کوئی میزائل اِدھر یا گن بوٹ کی طرف بھی آسکتا ہے۔"

" یہ سب تم سوچتے رہو، مجھے تو سُرور آرہا ہے۔" وہ دونوں خالی گلاس بھرتے ہوئے بے پروایانہ لہجے میں بولی۔" اس وقت تو موسیقی سننے کو دل چاہ رہا ہے۔"

باہر سے وقفے وقفے سے ٹامی گنوں اور رائفلوں کا شور اُبھر رہا تھا، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دونوں فریق ایک دوسرے کی پوزیشن سے آگاہ ہونے کے بعد مقابلے پر ڈٹ گئے ہوں۔ ایلی نور اپنے خوابناک تصوّرات کی دنیا میں مگن تھی اور میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس صورتِ حال سے کیسے نکلا جائے۔

امکان یہ تھا کہ لانچرز کا رُخ اس خفیہ آبی گزرگاہ کی طرف ہوگا جس کی حفاظت کے لیے مانیٹرنگ کے آلات لگائے گئے تھے لہٰذا میں نے کافی سوچ بچار کے بعد فیصلہ کیا کہ آخری تجویز ہی مناسب تھی جس پر عمل کی ابتدا فوری طور پر کی جاسکتی تھی۔ میں ہاک کی میز کی طرف گیا تو ایلی نور بھی میرے ساتھ لگی چلی آئی۔

میز پر ہر لانچر کے لیے ایک علیحدہ سوئچ موجود تھا جس سے کئی روشنیاں منسلک تھیں۔ اس وقت تمام روشنیاں لانچرز کو اسٹینڈ بائی ظاہر کر رہی تھیں۔ سوئچ کو حرکت دے کر میں نے ہر لانچر کو ریڈی کیا۔ سرخ روشنیاں یکے بعد دیگرے جل اُٹھیں پھر میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ پہلا فائر بٹن دبا دیا۔ اس لانچر کی سرخ بتی بجھ گئی اور سبز بلب روشن ہوگیا جس کے نیچے لکھی ہوئی تحریر سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے چارج کیے بغیر دوبارہ فائر نہیں کیا جاسکے گا۔

بمشکل چند سیکنڈ گزرے تھے کہ فضا میں ایک گھُٹا گھُٹا سا مگر شدید دھماکا ہوا اور زمین لرز کر رہ گئی۔

" آواز سے معلوم ہوتا ہے کہ میزائل زیرِ آب پھٹا ہے۔" ایلی نور بولی۔ اس کی آواز پر خمار کے ہلکے ہلکے اثرات نمایاں ہو چلے تھے۔

" اور اب دوسرا۔" یہ کہتے ہوئے میں نے دوسرا بٹن دبا دیا۔

تھوڑے سے وقفے کے بعد دوسرے میزائل کا دھماکا زیادہ شدت کے ساتھ سنائی دیا اور پورا کمرہ لرز کر رہ گیا۔ میرا اندازہ تھا کہ دوسرا میزائل دھاردار پہاڑیوں سے ٹکرا کر پھٹا تھا۔ مجھے خیال ہوا کہ کہیں گن بوٹ والے ان دھماکوں سے ہراساں نہ ہو جائیں لہٰذا میں ایلی نور کو وہیں چھوڑ کر ریڈیو روم کی طرف ہولیا۔ اسے ایک بار گن بوٹ سے ریڈیائی رابطہ قائم کرتے دیکھ کر میں نے اس اپریٹس کا استعمال بخوبی سمجھ لیا تھا اور خود اس سے کام لے سکتا تھا۔

ریڈیو روم میں دوسری طرف سے پہلے ہی اولینی چیخے جا رہا تھا۔ میں نے اندر گھستے ہی بٹن دبا کر اس کی کال کی وصولی کا اشارہ دیا اور وہ فوراً ہی شروع ہوگیا۔" ابھی ابھی دو خوفناک دھماکے ہوئے ہیں، پہلا سمندر میں اور دوسرا چٹانوں میں ہوا۔ دوسرا میزائل میں نے خود فضا میں اڑتے دیکھا تھا... ہم شدید خطرات سے دوچار ہو چکے ہیں۔ اوور۔"

" خطرات ٹل رہے ہیں۔" میں نے کہا۔" صرف دو دھماکے اور ہوں گے، اس کے بعد راستہ صاف ہو جائے گا۔ تم بے فکر رہو، کوئی میزائل تمھاری طرف نہیں آ... اوور۔"

" خدا کا شکر ہے۔" گہرے سانس کے ساتھ اولینی کی آواز اُبھری۔" میں تو سمجھ رہا تھا کہ ہمارے دشمن گن بوٹ کی تلاش میں میزائل فائر کر رہے ہیں اور کسی بھی لمحے ہمیں غرق کردیں گے... اوور۔"

میں جواب بھی نہیں دے پایا تھا کہ اچانک تیسرا دھماکا ہوا اور پھر فوراً ہی ان سب سے شدید چوتھا دھماکا بھی ہوگیا جس نے مجھے بوکھلا کر رکھ دیا۔

" اولینی کالنگ... دو دھماکے اور ہوئے ہیں۔" ریڈیو اپریٹس پر اولینی کی خوفزدہ آواز اُبھر رہی تھی۔" آخری دھماکا ہمارے بہت قریب سمندر میں ہوا ہے اور پوری بوٹ لرز کر رہ گئی ہے۔ اوور۔"

" فکر نہ کرو۔ اب سکون رہے گا۔ اوور اینڈ آل۔" میں نے اپنے غصّے پر قابو پاتے ہوئے کہا اور سلسلہ منقطع کرکے بھناتا ہوا ہاک کے کمرے کی طرف ہولیا۔

وہاں ایلی نور اسکاچ کا گلاس ہاتھ میں لیے ہوئے ہاک کی میز کے قریب کھڑی دیوانہ وار ہنسے جا رہی تھی۔

" یہ کیا حرکت تھی؟" میں نے اس کے شانے پکڑ کر اسے جھنجوڑتے ہوئے غصّے سے سوال کیا۔

" سارے بٹن دبا دیے مگر صرف دو دھماکے ہوئے۔" اس نے اپنی مخمور آنکھیں میری آنکھوں میں ڈال کر معصومانہ لہجے میں کہا۔" میں نے سوچا کہ مجھے بھی تمھارا کچھ ہاتھ بٹانا چاہیے۔"

" تم شراب پی کر ناقابلِ برداشت ہوتی لگتی ہو۔" میں نے اس کے شانے چھوڑتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔

" تو چھوڑ کیوں دیا؟" وہ نشیلی آواز میں بولی۔" مجھے تو چوٗ مارو، میری ہڈیاں توڑ ڈالو۔"

میں نے اس کا ہاتھ تھام کر اُسے صوفے پر دھکیل دیا اور اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ میرے جاتے ہی موقع پا کر وہ آناً فاناً میں پورا ایک گلاس خالی کرگئی تھی جو اسے لگ گیا تھا۔

باہر فائرنگ کے تبادلے میں شدّت آچکی تھی لیکن کسی طرف سے کمزوری کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوئی تھی۔ میں تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا اور ایلی نور اچانک میری گود میں سر رکھ کر رونے لگی۔

میرے لیے وہ غیر متوقع صورتِ حال سخت مضحکہ خیز تھی۔ میرا سارا غصّہ کافور ہوگیا اور میں بوکھلا کر اس مدہوش لڑکی کو خاموش کرانے کی ناکام کوششیں کرنے لگا۔

❋

قیدی کی پنڈلیاں بُری طرح چھلنی ہوئی تھیں اور چہرہ بھی لہولہان تھا۔ اس کی آنکھوں میں موت کا خوف جھلک رہا تھا۔ گن بوٹ کے دونوں محافظوں کی حالت بھی ابتر تھی لیکن طویل مقابلے کے بعد وہ اپنے قدموں پر چلتے ہوئے قیدی کو گھسیٹتے ہوئے لائے تھے، شاید انھوں نے اسے زیر کرنے کے بعد ٹھوکروں سے بُری طرح مارا تھا کیونکہ قیدی کو کسی پہلو چین نہیں مل رہا تھا اور اپنے جسم کی ہر جنبش کے ساتھ وہ مسلسل کراہ رہا تھا۔

" تمھارا تیسرا ساتھی کہاں ہے؟" میں نے گن بوٹ کے محافظوں سے مشفقانہ لہجے میں سوال کیا۔

" ہمارے پہنچنے تک وہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔" ان میں سے ایک متاسفانہ لہجے میں بولا۔" اسلحہ چھوڑنے کے مطالبے پر

انھوں نے قریب سے فائر کرکے اس کی کھوپڑی اُڑا دی تھی۔"

" اور اس کے دونوں ساتھی ؟"

" وہ مقابلہ کرتے ہوئے مارے گئے۔ ان کی لاشیں باہر پڑی ہوئی ہیں۔ یہ بہت مشکل سے قابو میں آیا تھا اس لیے ہم اس کے اذیت کے لمحات کو طول دینے کی نیت سے قیدی بنا کر یہاں لے آئے۔"

" تم گن بوٹ کے محافظ کو پہچانتے تھے؟" میں نے سرد لہجے میں قیدی سے سوال کیا اور اس نے اثبات میں سر ہلا کر مقتول سے اپنی شناسائی کا اعتراف کیا۔

" پھر اس کے مطالبے کو تسلیم کیوں نہیں کیا ؟" میرا لہجہ سخت ہوگیا۔

" ہم آئی مین سے خود ملنا چاہتے تھے کیونکہ اس بیس اسٹیشن کی حفاظت ہماری ذمے داری تھی۔" اس نے اٹک اٹک کر جواب دیا۔" ہم کسی کے کہنے پر اپنی ذمے داریوں سے غافل نہیں ہوسکتے تھے۔"

" اور اب کیا خیال ہے اپنی ذمے داریوں کے بارے میں؟" میں نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

" ہم نے بدنیتی سے کام نہیں لیا۔" وہ کمزور مدافعانہ لہجے میں بولا۔" جو کام ہمارے سپرد تھا، اسے حتی الامکان پورا کرنے کی کوشش کی اور طے شدہ طریقے سے انحراف نہیں کیا۔ اگر وہ ہمیں اسلحے سمیت اندر آنے دیتا تو ہم سلور آئی دیکھتے ہی اپنے ہتھیار آئی مین کے قدموں میں ڈال دیتے۔"

" یہ کیسے مان لیا جائے جبکہ ہاک نے سلور آئی دیکھ لینے کے باوجود تم لوگوں کے بل پر بغاوت کر دی تھی۔ اسے یقین تھا کہ تم لوگ آتے ہی اس کے حق میں پانسا پلٹ دو گے۔"

" یہ اس کی خام خیالی تھی۔" وہ کراہتے ہوئے بولا۔" وہ ہمارا افسر ضرور تھا مگر ہماری وفاداریاں اس کے نہیں، شی کے ساتھ تھیں۔"

میں نے گن بوٹ کے ایک محافظ کو اشارہ کیا اور ہاک کے کمرے کی فضا تامی گن کی آواز سے گونج اٹھی۔ قیدی کا سینہ اور چہرہ بُری طرح چھلنی ہوگیا اور اس نیم جاں نے فوراً ہی جان دے دی۔ میرے نزدیک اسے زندہ رکھنا اپنا وقت برباد کرنے کے مترادف ہوتا کیونکہ وہ بہت نچلی سطح کا آدمی تھا اور اس سے کوئی ایسی بات معلوم ہونے کی امید نہیں تھی جو میری مہم کے لیے سودمند ثابت ہوتی۔ ویسے میری بنیادی حکمت عملی یہ تھی کہ گن بوٹ کے بیس اسٹیشن کی تباہی کے کسی بھی چشم دید گواہ کو زندہ نہ چھوڑا جائے تاکہ شی کے اعلیٰ عہدیداروں کو اپنے اصل حریف کا کوئی سراغ نہ ملے۔

اس اڈّے کی تباہی کا راز اسی وقت فاش ہوسکتا تھا جب شی والے باہر سے رابطہ قائم کرنے کی کوششوں میں ناکامی کے بعد کوئی تفتیشی مہم ادھر روانہ کرتے جو کھنڈرات اور چند لاشیں دریافت کرکے واپس لوٹتی یا پھر اگلی تمام چھلیاں گرا کر واپس آنے والے اس تباہی کی اطلاعات سمیت اپنے کسی قریبی اڈّے سے رجوع کرتے۔

" اب ریڈیو روم کی ساری تنصیبات کو تباہ کر دو۔" میں نے زخمی محافظوں سے مخاطب ہو کر کہا۔" ایسا نہ ہو کہ وہاں سے اب بھی کوئی خطرناک سرکٹ آپریٹ ہونے کا امکان ہو۔ گن بوٹ کی واپسی سے قبل ہمیں خطرے کے ہر امکان کا سدِّباب کرنا ہوگا۔" میں نے وہ تفصیل اس لیے بیان کی کہ وہ میرے فیصلے کے جواز کو بھی سمجھ لیں۔ بصورت دیگر ان کے ذہنوں میں شی سے میری وفاداری کے بارے میں سنگین شبہات جنم لے سکتے تھے۔

" اجازت ہو تو ریڈیو روم میں پٹرول پھیلا کر آگ لگا دیں؟" ایک محافظ نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔" ایسا نہ ہو کہ توڑ پھوڑ میں کوئی اہم چیز تباہ ہونے سے رہ جائے۔"

" اس فیصلے پر میں خوش نہیں ہوں لیکن ہماری سلامتی کے لیے یہ ناگزیر ہے۔" میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔" جب تباہ کرنا ہی ہے، تو آگ لگا دو۔ ہر چیز کو خاکستر کر دو۔"

سوال کرنے والے نے میرا شکریہ ادا کیا اور وہ دونوں ہاک کے کمرے سے نکل گئے۔

" اب تم بھی اٹھو ورنہ یوں ہی کوئلہ بن جاؤ گی۔" میں نے ایلی نور سے کہا۔

" میں اس وقت خود کو پھولوں سے بھی ہلکا محسوس کر رہی ہوں۔" اس نے خوابناک لہجے میں کہا۔" تم کتنے اچھے ہو کہ میرا اتنا خیال رکھتے ہو، تمھاری بانہوں میں مجھے موت بھی آئی تو وہ بہت حسین ہوگی۔"

" اٹھو، میرا پٹرول کے شعلوں میں جل مرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" میں نے جھلا کر کہا۔" وہ دونوں پٹرول کے کنستروں کی تلاش میں گئے ہیں اور جلد ہی واپس لوٹیں گے۔"

" اور یہ تینوں لاشیں ؟" اس نے اٹھتے ہوئے سوال کیا۔

" اپنے گناہوں کی چتا میں خود ہی جل جائیں گی۔" میں نے یہ کہتے ہوئے رائل سیلوٹ کی بوتل اٹھا لی جو ابھی نصف سے زیادہ بھری ہوئی تھی۔

" میں سب کچھ سن اور دیکھ رہی تھی۔" وہ کمرے سے نکل کر راہداری میں میرے ساتھ نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتے ہوئے سرور آمیز لہجے میں بولی۔" لیکن بولنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔

تمھارا ہر فیصلہ اٹل اور بہت نپا تُلا ہوتا ہے جس پر کسی حرف گیری کی گنجائش نہیں ہوتی۔ ریڈیو روم کی تباہی کا فیصلہ تمھارے لیے تکلیف دہ لیکن ناگزیر تھا۔"

" آدمی کو بہت سی تکلیف دہ باتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔" تمھارے سدا مسکراتے چہرے اور طلائی رو پہلے سراپا کے قرب کی آرزو ایڈمرل سمیت نہ جانے کس کس کے دل کی حسرت بنی رہی ہوگی لیکن گولیوں کی گھن گرج اور لاشوں کی موجودگی میں میرا دل تم سے گریزاں تھا... میں نے جو کچھ جتن کیے، وہ صرف تمھاری اشک شوئی کے لیے کیے کیونکہ تمھاری نیلی آنکھوں میں آنسو مجھ سے دیکھے نہیں گئے۔"

" تم عظیم آدمی ہو۔" وہ میرا بازو تھام کر بولی۔" کاش میں کسی طرح تمھارے قریب رہ سکوں۔"

میں دل ہی دل میں سلطان شاہ کو یاد کرکے رہ گیا۔ غزالہ کا ملنا یا سامنے آنا تو بعد کا معاملہ تھا، اس سے پہلے سلطان ہی گن بوٹ پر ایلی نور کو میرے قریب نہ پھٹکنے دیتا۔ وہ خوبصورت لڑکیوں کو میرے قریب دیکھ کر ہی بری طرح بھڑکتا تھا اور پھر ایلی نور تو غیر معمولی حد تک حسین لڑکی تھی۔

ہم دونوں راہداری عبور کرکے عمارت سے باہر نکلے تو دھند میں صبح کا ہلکا ہلکا اُجالا سرایت کر چکا تھا، دھند بھی گہری نہیں تھی لہٰذا میں نے قرب و جوار کا جائزہ لیا تو دیوار سے ذرا دور گن بوٹ کے ایک محافظ کی بغیر سر کی لاش پڑی ہوئی نظر آگئی۔ وہ بے چارہ صحیح معنوں میں میرے حکم پر قربان ہوا تھا۔

" افسوس نہ کرو۔" ایلی نور نے میرے شانے سے چپکتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔" یہ سب شطرنج کے بے بساط مہرے ہیں جنھیں بڑے مہروں کو بچانے کے لیے پٹنا ہی پڑتا ہے۔"

میں دونوں ہاتھ اوور کوٹ کی جیبوں میں ڈال کر واپس نکاسی کے راستے کی طرف ہو لیا جہاں دیوار کی اوٹ ہونے کی وجہ سے کاٹ دار ہواؤں کا اثر نہ ہونے کے برابر تھا۔

ہمیں وہاں زیادہ دیر نہیں رکنا پڑا۔ راہداری میں سے پٹرول کی تیز بُو آ رہی تھی۔ پھر وہ دونوں ریڈیو روم سے نکاسی کے دروازے تک قالین پر کنستر سے پٹرول کی ایک لکیر بناتے ہوئے باہر آگئے۔ میری اور ان کی نگاہیں چار ہوئیں اور میں نے دیا سلائی جلا کر قالین کے سرے پر اچھال دی۔ سرے پر بہت زیادہ بھیگے ہوئے قالین نے بھق کی تیز آواز کے ساتھ آگ پکڑ لی اور شعلے پٹرول کی لکیر پر سفر کرتے ہوئے تیز رفتاری سے ریڈیو روم کی طرف بڑھنے لگے۔

شی کا ایک اور اہم اڈا میرے ہاتھوں ہولناک بربادی کا نشانہ بن چکا تھا۔ میں اپنی شدید خواہش کے باوجود وہاں اپنی کوئی شناخت چھوڑنے کی جرأت نہ کرسکا۔

میں شی کے بڑوں کو جتانا چاہتا تھا کہ ان کے ناقابل تصور وسائل کے باوجود مجھ جیسا تنہا اور بے مایہ انسان محض اپنے عزم کے سہارے کیسے ناقابل فراموش چرکے لگا رہا تھا لیکن میرا سراغ ملتے ہی وہ سمجھ لیتے کہ گن بوٹ میرے قبضے میں آ چکی تھی اور وہ گن بوٹ کی تلاش میں اپنے سارے وسائل جھونک کر ہمیں کھلے سمندر میں کہیں بھی گھیر لیتے۔ جب کہ میرا نام سامنے نہ آنے پر کئی دن تک تو وہ اپنے دشمن کا تعین کرنے میں مصروف رہتے اور جب عمومی انداز میں گن بوٹ کی تلاش کی مہم کا آغاز کیا جاتا تو میں گن بوٹ سے اپنا کام لے کر دور نکل چکا ہوتا۔

ان دونوں نے عمارت میں پٹرول اتنی فراخدلی کے ساتھ پھیلایا تھا کہ آناً فاناً میں کئی کھڑکیوں سے ہولناک شعلے اٹھنے لگے اور فضا پر کثیف دھواں محیط ہونے لگا۔ پھر ایک ہولناک دھماکے کے ساتھ عمارت کی ساری روشنیاں معدوم ہوگئیں۔ غالباً بجلی کے تار جلنے کے باعث جنریٹر کو نقصان پہنچا تھا۔

عمارت کو بھڑکتے ہوئے شعلوں میں گھرا ہوا چھوڑ کر ہم پتھروں والی پگڈنڈی پر ہو لیے جس کے اختتام پر گن بوٹ ہماری منتظر تھی۔ مجھے ذاتی طور پر بہت بڑی کامیابی حاصل ہوئی تھی لیکن وہ تینوں اداس تھے۔ ان کا ایک ساتھی اس خون آشام معرکے میں لقمۂ اجل بن گیا تھا اور ان کی تنظیم کا ایک اہم اڈا خود ان کے ہاتھوں برباد ہوگیا تھا۔

ہم چاروں پتھریلی پگڈنڈی طے کرکے گھاٹ پر پہنچے تو وہاں میدان صاف تھا، برتھ ویران پڑی ہوئی تھی اور گن بوٹ کا حدِ نظر تک کہیں پتا نہیں تھا۔

تشویش اور تجسس کے عالم میں ہم چاروں آنکھیں پھاڑتے ہوئے برتھ کے سرے تک آگئے جہاں آگے گہرا پانی ہلکورے لے رہا تھا لیکن دھند کم گہری ہونے کے باوجود نہ کہیں گن بوٹ کا ہیولا نظر آیا نہ اس کی کوئی روشنی دکھائی دی۔

" مقابلے کے دوران تیز روشنی کے ساتھ وقفے وقفے سے کئی زبردست دھماکے ہوئے تھے۔" اچانک ایک محافظ نے ہیجان آمیز لہجے میں بولنا شروع کر دیا۔" کہیں ان لوگوں نے شکست سامنے دیکھ کر کسی خودکار نظام سے گن بوٹ کو غرق ہی نہ کر دیا ہو۔"

" دھماکے سن کر مجھے بھی یہی شبہ ہوا تھا مگر اس وقت میں اپنی توجہ پل بھر کے لیے بھی کسی اور طرف مبذول نہیں کرسکتا تھا۔" دوسرے محافظ کی آواز پر یک بیک تکان غالب آگئی تھی۔

" وہ دھماکے ہم نے کیے تھے۔" اس مرحلے پر ایلی نور بھی

خاموش نہ رہ سکی: "دو میزائل آئی مین نے فائر کیے تھے اور دو میں نے۔ ہوسکتا ہے کہ میرا ہی فائر بھٹک کر گن بوٹ کو تباہ کر گیا ہو۔"

میں نے انھیں یہ بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ میں نے چاروں دھماکوں کے بعد بہ ذاتِ خود اولینی سے بات کی تھی اور اس وقت تک گن بوٹ محفوظ تھی۔ مجھے یہ بھی یاد تھا کہ کمنڈ کے خطرے کے پیشِ نظر اولینی نے گن بوٹ کو گھاٹ سے دور سمندر میں ہٹا لے جانے کی بات کی تھی لیکن فکر یہ تھی کہ اس وقت گن بوٹ کی کوئی روشنی بھی کہیں نظر نہیں آرہی تھی۔

آخر میں نے سمندر کی طرف گھوم کر منہ پر دونوں ہتھیلیوں سے پیالہ سا بنا کر پھیپھڑوں کی پوری قوت سے اولینی کا نام لے کر پکارا اور میری آواز کی بازگشت دور تک گونجتی چلی گئی۔

چند ثانیوں تک فضا پر تجسس آمیز سکوت چھایا رہا پھر سمندر کی جانب سے میگافون پر ایک بھاری مردانہ آواز سنائی دی: "ادھر گھاٹ پر کون چیخ رہا ہے؟"

میرا اندازہ تھا کہ وہ آواز اولینی کی ہی تھی: "آئی مین!" میں نے دوبارہ اسی طرح چیخ کر کہا۔

"شناخت کیا ہے؟" اندھیرے میں میگافون پر سوال کیا گیا۔

"سلور آئی!" میں نے پھر چیخ کر جواب دیا: "ادھر میدان صاف ہوگیا ہے۔"

"ہم فوراً پہنچتے ہیں۔" اس بار میگافون پر بولنے والے کا لہجہ مؤدبانہ ہوگیا تھا۔

"اللہ کا شکر ہے کہ وہ لوگ موجود ہیں۔" ایلی نور نے ایک گہرا سانس لے کر تشکر آمیز لہجے میں کہا: "میں تو ڈر گئی تھی کہ کہیں گن بوٹ تہ نشین ہی نہ ہوگئی ہو۔"

اسی اثنا میں سمندر کے سینے پر کہر کی چادر میں کچھ روشنیاں جل اٹھیں۔ ان لوگوں نے گن بوٹ کی حفاظت کے لیے اسے ساحل سے ہٹا کر تمام روشنیاں گل کی ہوئی تھیں، اس طرح کہر کی آڑ میں پوری گن بوٹ غائب ہو کر رہ گئی تھی۔

سمندر کی طرف سے آنے والی بھیگی بھیگی یخ بستہ ہوائیں گرم اونی لباس سے گزر کر ہڈیوں میں اتری جارہی تھیں۔ میں نے اوور کوٹ کا کالر کھڑا کر کے گردن اس میں چھپائی ہوئی تھی لیکن ناک کا سرا سردی سے سن ہو کر رہ گیا تھا۔ ایسے میں گن بوٹ کی واپسی کا انتظار بہت صبر آزما تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ گن بوٹ کے لیے وہ فاصلہ بہت مختصر تھا لیکن انجن اسٹارٹ کر کے لنگر اٹھانے سے برتھ پر لگنے تک وہی سارے مشینی تقاضے پورے ہونے لازمی تھے جو کسی بڑے بحری سفر کے لیے ضروری ہوتے

ہیں۔ میں نے وہیں کھڑے کھڑے سردی کا احساس مٹانے کے لیے یکے بعد دیگرے دو سگریٹیں ختم کیں لیکن سردی کی وجہ سے وہ سلسلہ بھی موقوف کرنا پڑ گیا کیونکہ تمباکو نوشی کے لیے ایک ہاتھ اوور کوٹ کی جیب سے نکالے رکھنا ضروری تھا جس کی انگلیاں دو سگریٹوں کے خاتمے تک بری طرح اکڑ اکڑ کر رہ گئی تھیں۔

خدا خدا کر کے سمندر کے سینے پر روشنیوں نے حرکت کی اور چند منٹ بعد ہی بوٹ برتھ پر لنگر انداز ہونے کی پوزیشن میں آگئی۔

"لنگر نہ ڈالنا!" میں نے یہ توقع کرتے ہوئے کہ کوئی نہ کوئی عرشے پر موجود ہوگا، اونچی آواز میں کہا: "ہمارے سوار ہوتے ہی سفر دوبارہ شروع کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے، سیڑھی اتاری جارہی ہے۔" عرشے پر سے اولینی کی آواز آئی۔ اس بار میگافون استعمال نہیں کیا گیا: "تمھارے ساتھ قیدیوں کی تعداد کتنی ہے؟"

"کوئی قیدی نہیں ہے بلکہ ہماری نفری میں بھی ایک کی کمی ہوگئی ہے۔"

"اللہ مرنے والے کی روح کو سکون عطا کرے۔" اولینی نے اونچی آواز میں کہا پھر فضا پر سکوت چھا گیا جس میں بس گن بوٹ کے انجن کی ہلکی ہلکی گونج رچی ہوئی تھی۔

سیڑھی لگتے ہی ہم چاروں حفظِ مراتب کا خیال کیے بغیر دیوانہ وار عرشے پر چڑھے تھے جہاں اولینی اور ریمبراں نے ہمارا استقبال کیا۔ وہ دونوں شاید بہت دیر سے عرشے پر موجود تھے، ان کے قریب ٹامی گنیں، رائفلیں، دوربینیں اور متعدد اقسام کے دستی بموں کا خاصا ذخیرہ موجود تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے ذہنوں میں کسی بڑے معرکے کا تصور لیے بیٹھے تھے جس کے رونما ہونے سے پہلے ہی قصہ نمٹ گیا۔

اولینی سیڑھی ہٹانے کے لیے عرشے پر ہی رکا رہا۔ محافظ اپنے کیبن کی طرف چلے گئے۔ ایلی نور اور ریمبراں میرے ساتھ بڑھے تھے لیکن میں نے نرمی سے انھیں لوٹا دیا: "دونوں محافظ میری طرح زخمی ہیں۔ انھیں مجھ سے زیادہ تمھاری مدد کی ضرورت ہے۔ انھیں فرسٹ ایڈ دے کر میرے پاس آنا، میں اپنے کیبن میں ملوں گا۔"

وہ دونوں بے حیل و حجت واپس مڑ گئے اور میں اپنے کیبن کی طرف ہو لیا جو کبھی شیلوق کے تصرف میں ہوا کرتا تھا۔

کیبن کی گرم اور فرحت آمیز فضا میسر آتے ہی میں نے وزنی اوور کوٹ اتار پھینکا۔ سلطان شاہ بستر پر بیٹھا مسکرانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اس کے بشرے سے گزرے ہوئے لمحات کا تناؤ صاف ظاہر تھا۔ اس کی متجسس نگاہیں کسی اسکائی ٹوٹ پھوٹ کی تلاش میں میرے بدن کا طواف کر رہی تھیں۔

"مجھے یوں نہ دیکھو، میں بالکل ٹھیک ہوں، تمھارا کیا حال ہے؟" میں نے ہنستے ہوئے اس سے دریافت کیا۔

"نئے واقعات سے پیدا ہونے والا اعصابی تناؤ میرے حق میں مفید ثابت ہوا ہے۔" اس نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔ "میں بغیر سہارے کے کئی قدم چلنے کے قابل ہو چکا ہوں۔ بحالی کی یہی رفتار رہی تو اگلے دس بارہ گھنٹوں میں کیں بڑی حد تک نارمل ہو جاؤں گا۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا کر آئے؟"

"اڈا نیست و نابود ہوگیا، پانچ آدمی مارے گئے اور یہ سب اتنی خوش اسلوبی کے ساتھ ہوا کہ گن بوٹ والوں نے انھیں باغی سمجھ کر کارروائی کی ہے اور وہ پوری طرح میرے ساتھ ہیں۔ یوں سمجھو کہ ہم نے اپنے حق میں شی کے وہ تمام آدمی توڑ لیے ہیں جو گن بوٹ پر موجود ہیں۔"

"لیکن تم کب تک ان سے کام لے سکو گے؟"

"جی لائیڈ پر ہاتھ ڈالنے تک ان ہی پر تکیہ کرنا ہوگا۔" میں نے پُر خیال انداز میں کہا: "لیکن گن بوٹ زیادہ دیر تک ہمارا ساتھ نہ دے سکے گی، اس سے جلد از جلد پیچھا چھڑانا ہوگا۔"

"کیا گن بوٹ کو بھی کچھ نقصان پہنچا ہے؟" اس نے چونک کر سوال کیا۔

"گن بوٹ بالکل صحیح سالم ہے لیکن شی والے اپنے بحری اڈے کی تباہی کا معما حل کرنے کے لیے اب گن بوٹ کی تلاش پر توجہ مرکوز کریں گے۔ کھلے سمندروں یا بین الاقوامی بندرگاہوں میں ہم زیادہ دن تک اس دیوہیکل بوٹ کو نہ چھپا سکیں گے۔"

"تو پھر کیا کرو گے؟ اپنے ان آدمیوں سمیت ہم کو کسی قریب ترین بندرگاہ پر اتر جانا چاہیے۔ گن بوٹ شی والوں کو لاوارث حالت میں ملے گی تو ان کی مہم زیادہ زور نہیں پکڑ سکے گی۔"

"میرے ذہن میں کوئی اور ہی منصوبہ پروان چڑھ رہا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا: "میں انھیں گن بوٹ کے بارے میں بھی ایسی زک پہنچاؤں گا کہ یہ مدتوں اپنے زخم چاٹتے رہیں گے۔"

"کیا کوئی خاص بات ہے ذہن میں؟" اس نے سوال کیا۔

"ابھی ایک مبہم سا خاکہ ہے۔ جب تک اولینی وغیرہ سے بات نہ کر لوں، کچھ کہہ نہیں سکتا۔"

"پھر بھی کچھ تو بتاؤ۔" اس نے اصرار کیا لیکن میرے جواب دینے سے پیشتر ہی دروازے پر دستک ہوئی اور ریمبراں مجھ سے اجازت ملتے ہی اندر آگیا، اس کے پیچھے ایلی نور بھی موجود تھی۔

"وہ دونوں خیریت سے ہیں۔" ریمبراں نے آتے ہی زخمی محافظوں کے بارے میں رپورٹ دی: "سطحی زخم خاصے آئے ہیں لیکن وہ جلد ہی مندمل ہو جائیں گے۔ ان کی کارکردگی اور نقل و حرکت پر بھی کوئی خاص اثر نہیں پڑے گا۔"

"ہم اس گرداب سے بچ نکلے۔" میں نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد کہا: "لیکن ہم ابھی تک خطرات سے دوچار ہیں۔ اپنے لوگوں سے ہمارا رابطہ ٹوٹا ہوا ہے۔ جب تک یہ رابطہ بحال نہ ہو جائے، ہم لوگوں کو غیر معمولی یکجہتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک ٹیم کی طرح کام کرنا ہوگا اور آپس میں مشاورت کرنا ہوگی۔"

"ہاک اور اس کے ساتھیوں کے رویے پر ہم حیران ہیں۔" ریمبراں نے شرمسار لہجے میں کہا: "وہ یقینی طور پر دشمن کے آدمی تھے ورنہ آئی مین کے حکم پر انھیں اپنی گردنیں خود کاٹ لینا چاہیے تھیں۔ میرا خیال ہے کہ گن بوٹ کے عملے نے تمھیں مایوس نہیں کیا بلکہ پوری قوت اور صلاحیت کے ساتھ تمھارے ساتھ تعاون کیا ہے۔"

"اسی وجہ سے میں نے ٹیم کا ذکر کیا ہے۔ میں تم سب کا سربراہ ضرور ہوں لیکن موجودہ حالات میں تم میں سے ہر ایک مجھے آزادانہ طور پر مشورے دے سکتا ہے جو مناسب ہوئے تو ضرور قبول کیے جائیں گے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

"چیف گن بوٹ چلا رہا ہے، ایک محافظ نے ایلی نور کی جگہ لی ہوئی ہے، باقی دو زخمی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت اولینی بھی یہاں آجائے تو ہم مستقبل کے خطرات اور امکانات پر کھل کر گفتگو کر سکیں گے۔"

"وہ ریڈیو روم میں جا چکا ہے۔" ایلی نور بولی۔

"اُسے بلا لو وہاں سے۔" میں نے کہا: "ریڈیو روم میں کیا رکھا ہے، اب تو پورا سفر چیف نیوی گیٹر کی صوابدید پر ہی طے ہوگا۔ ہم نے کہیں بھی رابطہ قائم کیا تو مسائل جنم لینے لگیں گے۔"

ایلی نور انٹرکام پر اولینی کو پیغام دے کر صوفے پر بیٹھ گئی، میرے اشارے پر ریمبراں نے بھی نشست سنبھال لی اور میں اٹھ کر اپنے لیے رائل سیلوٹ کا گلاس تیار کرنے لگا۔

اولینی نے کیبن میں آکر اپنی نشست سنبھالی تو میں نے ایک مرتبہ پھر اپنی باتیں دہرائیں اور خاموش ہو کر اسکاچ سے اپنے لب تر کرنے لگا۔

"تم نے ہر ایک کے ذہن کو پڑھ لیا ہے۔" اولینی بولا: "ہم میں سے ہر شخص یہی سوچ رہا ہے اور تمھارے احکام پر اندھا دھند عمل کرنے کے باوجود خطرات کی طرف سے پریشان ہے۔ پہلے ہمارا خیال تھا کہ بحری اڈے پر ایک آدھ کالی بھیڑ ہوگی جسے تم آسانی کے ساتھ پکڑ لو گے مگر وہاں تو پورا گروپ ہی باغی تھا۔"

"مجھے بھی وہاں پہنچ کر ہی معاملے کی سنگینی کا اندازہ ہوا۔ پہلے گمان ہوتا تو شاید میں کوئی دوسرا راستہ اختیار کرتا لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا ہے۔"

"باغیوں کی پشت پناہی کرنے والے ہاتھ بہت مضبوط معلوم ہوتے ہیں۔" اولینی ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "مجھے یقین ہے کہ چھٹی منانے جانے والوں میں بھی ہاک کا کوئی نہ کوئی ہمدرد ہو گا جو اس تباہی کی اطلاع اپنے آقاؤں کو پہنچا دے گا اور ان کے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں ہوگا کہ اس واقعہ کے ذمے دار گن بوٹ والے ہیں۔ ہمارے پاس زیادہ سے زیادہ آج ہی کی مہلت ہے کیونکہ کھلے سمندر میں گن بوٹ ایک جزیرے کی مانند ہو گی۔ کسی دشمن نے ہمیں بھانپ لیا تو ہمارے لیے ہتھیار ڈالنے یا لڑتے ہوئے مر جانے کے علاوہ کوئی تیسرا باعزت راستہ نہیں ہوگا۔"

"اور میں اسی کے بارے میں فکرمند ہوں۔" میں نے کہا۔

"جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں، ہمارے لیے گن بوٹ سب سے زیادہ پریشانی کا سبب بنی ہوئی ہے کیونکہ ہمارے دشمن اسے پہچانتے ہیں۔" ریمبراں آنکھیں جھپکاتے ہوئے بولا۔ "اگر گن بوٹ سے گلو خلاصی ہو جائے تو ہم سب سکون کا سانس لے سکیں گے۔"

"ہونہہ!" ایلی نور منہ بنا کر بولی۔ "بریسٹ سے نکلنے کے بعد ہم فرانس کے مغربی ساحل سے اسپین کے شمالی ساحل تک کہیں بھی گن بوٹ چھوڑ کر بڑی آسانی کے ساتھ مقامی آبادی میں روپوش ہو سکتے ہیں۔"

"بحری اڈے کی تباہی شی کی تاریخ کا ایک افسوسناک واقعہ ہے۔" میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ "لیکن وہ تباہی وسیع تر مفادات کے لیے ناگزیر ہو گئی تھی، اس لیے مجھے وہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ لیکن میں گن بوٹ کو نہیں کھو سکتا۔ یہ شی کا ایک بیش قیمت اثاثہ ہے۔ اس فیصلے کے بجائے میں اپنی سلور تھیو اپنے بڑوں کو واپس کرنے کو ترجیح دوں گا۔"

چند ثانیوں کے لیے سب کو سانپ سونگھ گیا۔ میرے پُرزور الفاظ سُن کر انھیں احساس ہوا کہ گن بوٹ کوئی معمولی کشتی نہیں تھی جسے آسانی کے ساتھ بھلایا جا سکے۔ وہ یقیناً ایک بیش قیمت جنگی کشتی تھی جو اپنے خصوصی ڈیزائن اور فائر پاور کی وجہ سے شی کے بحری مفادات کے تحفظ میں کلیدی کردار ادا کرتی تھی۔

"دشمن بہت مکار اور بارسوخ ہے۔" اولینی نے ہی آخرکار سکوت توڑا۔ "جب تک اس کا سر نہ کچلا جائے گن بوٹ پر تباہی کے اندیشے منڈلاتے رہیں گے... میرے ذہن میں ماضی کے حوالے سے ایک تجویز جنم لے رہی ہے جو پتا نہیں موجودہ حالات میں قابلِ قبول ہوگی یا نہیں۔"

"کھل کر بات کرو۔" میں نے اسے ٹوکا۔ "میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ ہر معقول بات مانی جائے گی۔"

"فلسطینیوں کے ابوالبحر گروپ کے کچھ ممتاز لوگوں سے میرے ذاتی مراسم ہیں۔" اولینی نے جھجکتے ہوئے اپنی بات شروع کی۔ "انھیں کئی بڑے ملکوں سے خطیر مالی امداد ملتی ہے جس کے سہارے وہ سمندری علاقوں میں اسرائیل کے خلاف مہلک چھاپا مار کارروائیاں کرتے رہتے ہیں..."

"بات مختصر کرو اولینی۔" میں نے اپنے وجود میں ابھرنے والے تجسس اور اضطراب سے مجبور ہو کر کہا۔

"اوہ! شاید میں بھٹک رہا تھا۔" وہ سنبھل کر بولا۔ "دراصل اپنی احمقانہ تجویز دہرانے سے پہلے میں ابوالبحر والوں کی مالی حیثیت کی وضاحت کرنا چاہ رہا تھا۔ ان کے ایک ممتاز لیڈر نے آج سے کئی ماہ پہلے مجھے گن بوٹ کے بارے میں کھلی پیشکش کی تھی۔ اسے میرے پیشے کا علم نہیں تھا لیکن میں اسے گن بوٹ کی خفیہ جنگی صلاحیتوں کے بارے میں بتا چکا تھا۔ اس وقت وہ لوگ گن بوٹ کی مُنہ مانگی قیمت دینے پر آمادہ تھے۔"

"یعنی تمھارا مطلب ہے کہ تم آج بھی گن بوٹ ان کو فروخت کر سکتے ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"میرا خیال یہی ہے۔" اس نے سر جھکا کر کہا۔ "اسلحہ اور ہتھیاروں کی کھلی منڈیوں میں خالد کو ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے کیونکہ وہ کھڑے کھڑے لاکھوں ڈالر کے سودے کرتا ہے اور اس کا دیا ہوا کوئی چیک آج تک واپس نہیں لوٹایا گیا۔ میری اسی سے دوستی ہے اور اسے کوئی لمبی مہم درپیش نہ ہو تو وہ عموماً پیرس کے شبینہ ہوٹلوں اور کلبوں میں ملتا ہے۔"

"تجویز قابلِ غور ہے۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔ "گن بوٹ کے پیسے سیدھے کر کے ہم اپنی بلاں کے سر منڈھ سکتے ہیں لیکن قانونی طور پر تو شاید ہم میں سے کوئی بھی گن بوٹ کی فروخت کی دستاویز پر دستخط کرنے کا مجاز نہیں ہے۔"

"یہی تو دلچسپ بات ہے۔" اولینی بولا۔ "اس وقت بھی اس نے مجھے یہی پیشکش کی تھی کہ میں رقم لے کر جنوبی امریکا کے کسی گمنام گوشے میں روپوش ہو جاؤں۔ پھر گن بوٹ پر اپنا قبضہ برقرار رکھنا اور قانونی موشگافیوں سے بچنا اس کے ذمے ہوتا... دراصل ان لوگوں کی سیاسی قوت بھی ہے جس کے بل پر وہ بہت کچھ کر گزرتے ہیں۔"

"میرے خیال میں یہ صورت سب سے بہتر ہوگی۔" میں

ے کہا۔ "گن بوٹ کے پیسے کھرے کر کے ہم خاموشی کے ساتھ ی کے لیے کوئی دوسرا اثاثہ خرید سکتے ہیں۔"

"میں ڈر رہا تھا کہ کہیں اس تجویز پر میرا مضحکہ نہ اڑایا جائے۔" لینی ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "اس وقت خود مجھے بھی خالد ں تجویز پر ہنسی آئی تھی کہ بھلا ایسے سودے کہاں اور کیسے ہو سکتے ہیں لیکن اب تمھاری حوصلہ افزائی کی بنا پر میں گن بوٹ تو کیا رانس کی پوری بحریہ کا بھی سودا کر سکتا ہوں۔"

"آئی مین جس کی پشت پناہ ہو اس کا دنیا کی کوئی طاقت بال بھی بیکا نہیں کر سکتی۔" ریمبراں نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"خالد سے ملاقات کی سہل ترین صورت کیا ہو سکتی ہے؟" ں نے اولینی کی آنکھوں میں براہِ راست دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے سوال کیا۔

اولینی نے میری نظروں کی تاب نہ لا کر نگاہیں جھکا لیں۔ "پیرس جانا طوالت کا باعث بنے گا۔ میں ریڈیو فون پر ہی اس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر سکتا ہوں۔"

"صبح ہو چکی ہے، اب تو پیرس کی تمام شبینہ محفلیں دم توڑ چکی ہوں گی۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "اسے کہاں تلاش کرو گے؟"

"میں اس کے چند ٹھکانوں سے واقف ہوں لیکن یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت وہ کہاں ہوگا۔ بہرحال اپنی سی کوشش تو کر ہی سکتا ہوں۔"

"جاؤ، میں بے چینی سے نتیجے کا انتظار کروں گا۔" میرا اشارہ پاتے ہی وہ پھرتی کے ساتھ کیبن سے چلا گیا۔

تیزی سے پیش آنے والے واقعات کے نتیجے میں مجھ میں اتنی خود اعتمادی پیدا ہو گئی تھی کہ اس وقت تک میں یہ فراموش کر چکا تھا کہ میں نے خود کو ان پر زبردستی مسلط کیا ہوا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں واقعی شی کا آئی مین ہوں اور وہ سب میرے محکوم۔

میں نے انٹرکام پر چیف نیوی گیٹر سے گن بوٹ کی پوزیشن دریافت کی تو پتا چلا کہ ہم خفیہ آبی درے سے گزر چکے تھے جو دھماکوں کے باعث چند بڑی بڑی ساحلی چٹانیں ٹوٹنے کی وجہ سے کافی کشادہ ہو گیا تھا اور دُور ہی سے واضح طور پر نظر آنے لگا تھا۔

"اگلے فیصلے تک ہمیں ساحل سے قریب رہ کر محفوظ بحری پٹی پر سفر جاری رکھنا ہے۔" میں نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ ہمیں کہیں ہنگامی طور پر لنگر انداز ہونا پڑے۔ ویسے اب قریب ترین گھاٹ کتنے فاصلے پر ہے؟"

"پورا ہی ساحل کشتی رانی کے شوقینوں کے لیے بنے ہوئے گھاٹوں سے بھرا ہوا ہے۔" اس کی خشک اور بھاری آواز سنائی دی۔ "اس طرف کبھی جانے کا اتفاق نہیں ہوا لیکن سمندر کی ساخت اور اپنے تجربے کی بنا پر میں کہہ سکتا ہوں کہ ہم کہیں بھی آسانی کے ساتھ ساحل تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

"ان معاملات میں مجھے کوئی تجربہ نہیں لیکن زیرآب چٹانوں کی ہلاکت خیزی کے بارے میں بہت کچھ پڑھ اور سن چکا ہوں۔ نئے اور غیر روایتی راستوں پر ایسی چٹانیں عموماً انسانی جان کی بھینٹ لیتی رہتی ہیں۔"

"سمندر اناڑیوں کو نگل جاتا ہے اور کھلاڑیوں کو اپنے سینے پر تیراتا ہے۔ میری ساری عمر سمندروں میں گزری ہے۔ یہ علاقہ ایسی خونی چٹانوں سے بالکل محفوظ ہے۔"

"ٹھیک ہے، مجھے تم پر پورا اعتماد ہے۔" یہ کہہ کر میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

"میں بھی جاؤں؟" میرے فارغ ہوتے ہی ریمبراں نے سوال کیا۔

"کہاں جاؤ گے؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے سخت لہجے میں پوچھا اور وہ گڑبڑا گیا۔

"اولینی کا ہاتھ بٹاؤں گا۔" وہ بلا سوچے سمجھے بول پڑا۔

"تنہائی میں وہ بہتر سے غلط کام کر گزرتا ہے۔" اس کے جواب پر میں بمشکل اپنی ہنسی ضبط کر سکا اور وہ میرا اشارہ پاتے ہی وہاں سے چلا گیا۔

"یہ خاتون یہاں کیا کر رہی ہے؟" میدان صاف ہوتے ہی سلطان شاہ نے اردو میں سوال کیا۔ "اس کے پتلے پتلے گلابی ہونٹوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ مجھے زہر لگتی ہے۔"

"ایسی مٹھاس کو زہر کب سے سمجھنے لگے ہو؟" میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔

"غلطی سے چکھ لوں تو شاید میں بھی مٹھاس کا قائل ہو جاؤں ورنہ مجھے تو اس کی مسکراہٹ میں دنیا کے سارے مردوں کے لیے چیلنج نہاں نظر آتا ہے۔" سلطان شاہ چھت کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"اور اس کی نیلی آنکھوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟" میں نے اسے چھیڑا۔

"شکار پر جھپٹنے والی بلی کی آنکھوں کی طرح چمکتی رہتی ہیں۔" وہ بلند آواز میں بڑبڑایا۔ "پتا نہیں گن بوٹ پر مردوں کی بھیڑ میں اسے کیوں رکھا گیا ہے۔"

"عورت کیسی بھی ہو، اسے دیکھ کر جواں دلوں میں زندہ رہنے

کی امنگ پیدا ہوتی ہے۔" میں نے اُسے چڑانے کی نیت سے ہنستے ہوئے کہا۔ "کہو تو اس سے تمہاری پنڈلیوں پر شہد کی مالش کرا دوں، تھوڑی ہی دیر میں ہرن کی طرح عرشے پر قلانچیں بھرنے لگو گے۔"

"مجھے معاف رکھو۔" وہ اپنے دونوں کانوں کو چھو کر بولا۔ "اس کے چھوتے ہی میری پنڈلیوں پر فالج کا اثر ہو جائے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تم کو بھی دانہ ڈال رہی ہے۔"

"دانہ ناوانوں کو ڈالا جاتا ہے اور میں اب اتنا نادان نہیں ہوں۔ چاہو تو میں اسے تم سے شادی پر آمادہ کر سکتا ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے معاف رکھو۔" وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "ہم لوگ عورتوں کے پیچھے منڈلانے کو کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ ان کی ناز برداریاں تم ہی کر سکتے ہو، جب ہی سب تمہیں ٹکراتی ہیں۔ میرے مُنّہ کوئی نہیں لگتی۔"

"فکر نہ کرو، آج تمہارے مُنّہ بھی لگوا دوں گا، حسرتیں پوری ہو جائیں گی۔" میں نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ کہا اور اس نے یوں بُرا سا مُنّہ بنا لیا جیسے اچانک اس کے دانتوں میں کوئی کڑوی کسیلی چیز آگئی ہو۔

"اگر تم دونوں کو خلوت درکار ہو تو میں باہر جا سکتی ہوں۔" ایلی نور نے کھنکار کر آہستہ سے کہا۔ میں نے معنی خیز نظروں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا، پھر ایلی نور سے کہا۔ "خلوت تمہارے ساتھ تو ہو سکتی ہے، اس مردود کے ساتھ نہیں۔ اس پر ہر وقت وعظ و تلقین کا شوق سوار رہتا ہے۔ اس کا بس چلے تو تمہیں اسی وقت سمندر میں پھنکوا دے۔"

میرے الفاظ پر ایلی نور کا مسکراتا ہوا، سدا بہار چہرہ کچھ اور کھل اُٹھا۔ "صورت سے ہی خونخوار اور تند خو نظر آتا ہے۔ سچ پوچھو تو میں نے اپنی زندگی میں جو چند خوف آور مردانہ چہرے دیکھے ہیں، یہ اُن میں سرِفہرست ہے۔"

"ایسی خشک باتیں کر رہا ہے جیسے اپنی ماں کی کوکھ کے بجائے پہاڑ کے انڈے سے پیدا ہوا ہو۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ "لیکن اس کے باوجود مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔"

"میں زیادہ گاڑھی انگریزی نہیں سمجھ سکتا لیکن یہ سمجھ رہا ہوں کہ تم اس کے ساتھ مل کر میرا مضحکہ اُڑانے کی کوشش کر رہے ہو۔" سلطان شاہ نے بھرائی ہوئی متاسفانہ آواز میں کہا۔ "لیکن تم لکھ کر رکھ لو کہ یہ ساری حسین تتلیاں آہستہ آہستہ اُڑ جائیں گی اور آخر میں صرف میں تمہارے ساتھ رہ جاؤں گا۔"

"جب ہاتھ میں جنبش اور گھٹنوں میں دم باقی نہ رہے تو سب اکیلے رہ جاتے ہیں، میں تمہارے ساتھ مل کر عبادت کیا کروں گا۔ لیکن یہ خیال دل سے نکال دو کہ میں تمہارا مضحکہ اڑا رہا ہوں۔ دراصل میں اس لڑکی سے مراسم بڑھا رہا ہوں کیونکہ یہ اگلے چند روز میں ہمیں جمی لائیڈ کے کسی ٹھکانے تک لے جانے والی ہے۔"

"تم نے کہا تھا کہ ایلی نور کے ذریعے جمی لائیڈ تک رسائی کے منصوبے پر بریسٹ سے واپسی پر غور کرو گے تو اس بارے میں کیا سوچا ہے۔" جمی لائیڈ کا ذکر آتے ہی وہ یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔

"بریسٹ میں جو کچھ ہوا ابھی تک اس کے اثرات اعصاب پر باقی ہیں۔ پھر گن بوٹ سے گلو خلاصی کی فکر بھی ذہن پر سوار ہو گئی ہے۔ ان مسائل کے حل کے بعد ہی کچھ سوچا جا سکے گا۔" میں نے کہا۔

"اولینی اور ریمبراں کو کہاں بھیجا ہے تم نے؟" اس نے اُلجھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا اور میں اُسے گن بوٹ کی غیر قانونی فروخت کے فوری امکانات سے آگاہ کرنے لگا۔

دن طلوع ہو چکا تھا۔ فضا میں پوری طرح اجالا پھیلا ہوا تھا لیکن سورج نقرئی اور سرمئی بادلوں کے پیچھے چھپا ہوا تھا جس کی وجہ سے سردی کا احساس بڑھ گیا تھا۔ اس وقت تک میں بار بار عرشے پر آکر دوربین سے سمندر کا دُور تک کا جائزہ لے چکا تھا لیکن وہاں تاحدِ نظر گن بوٹ کے علاوہ کوئی چیز متلاطم سمندر کے سینے پر موجود نہیں تھی۔

اس وقت گن بوٹ بہت سست روی کے ساتھ جنوب مشرق کی طرف فرانسیسی ساحل کے متوازی سفر کر رہی تھی۔ ہماری بائیں سمت پر کافی دُور ساحلی پٹی نظر آ رہی تھی اور بقیہ تین اطراف میں جھاگ اُڑاتا یخ بستہ پانی ہی پانی تھا جو موج در موج ساحل کی طرف لپکا جا رہا تھا۔

میرے اضطراب کا سبب یہ تھا کہ اولینی کافی دیر کی کوششوں کے بعد پیرس کی ایک کال گرل کے فلیٹ پر سوئے ہوئے خالد کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ پہلے تو وہ لڑکی خالد کو بیدار کرنے پر آمادہ نہیں ہوئی لیکن اُسے اولینی کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ اولینی نے رسمی کلمات کے تبادلے کے بعد جب خالد کی پرانی پیشکش کے حوالے سے بات آگے بڑھائی تو اس کی نیند کا سارا خمار کافور ہو گیا کیونکہ وہ اس وقت بھی گن بوٹ کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔

اس کی دلچسپی بھانپتے ہی اولینی نے اُسے فوری طور پر مل بیٹھنے کا مشورہ دیا تھا جو خالد نے بڑے شوق سے قبول کر لیا۔ پہلے اس نے پیرس میں ہی ملنا چاہا تھا لیکن جب اولینی نے اُسے بتایا کہ وہ گن بوٹ سمیت خلیج بسکائے میں موجود ہے اور فوری طور پر سودا طے کر کے گن بوٹ ڈلیور کرنے پر آمادہ ہے تو خالد وہیں سمندر میں پہنچنے پر تیار ہو گیا۔

وہ ایک چھاپا مار جنگجو تھا اور ہر قسم کے حالات میں کام کرنے کا عادی تھا لہٰذا اس نے پیرس سے گن بوٹ تک پہنچنے کے لیے تین گھنٹے کی مہلت مانگی تھی۔ اس مدت کے بعد ہمیں نانٹیس نامی گودی کے قرب و جوار میں اس کا انتظار کرنا تھا۔ خالد کا دیا ہوا وقت تقریباً گزر چکا تھا اور ہم نانٹیس سے چند ناٹ آگے نکل آئے تھے، اسی لیے گن بوٹ کی رفتار بہت دھیمی کر دی گئی تھی اور میں بار بار عرشے پر آکر سمندر کا جائزہ لے رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ خالد نانٹیس سے کرائے کی کسی لانچ کے ذریعے ہی گن بوٹ تک آئے گا اور سودا ہو جانے کی صورت میں اسی گودی میں گن بوٹ کی ڈلیوری لینا پسند کرے گا تاکہ ہمارے عملے کی چھٹی کے بعد وہاں سے اپنی مرضی کا عملہ بھرتی کر کے گن بوٹ کو نئی منزل کی طرف روانہ کر سکے۔

میں چوتھی بار گردو پیش کا جائزہ لینے کے بعد عرشے سے نیچے اتر رہا تھا کہ اچانک فضا میں کسی انجن کی بھاری گونج سنائی دی جو تیزی سے قریب آتی جا رہی تھی، پھر دیکھتے ہی دیکھتے نیم فوجی ساخت کا ایک بھاری ہیلی کاپٹر گن بوٹ پر پُرشور آواز میں نیچی پرواز کرتا ہوا آگے نکلتا چلا گیا۔

میں تیزی کے ساتھ واپس عرشے پر آیا، اولینی اور ریمبراں نے بھی میری تقلید کی۔ اس وقت ہم تینوں ہی مسلح تھے کیونکہ ہمیں خالد کے انتظار کے ساتھ ہی ہر لمحے دشمن کی طرف سے مداخلت کا دھڑکا بھی لگا ہوا تھا۔

"یہ کون ہو سکتا ہے؟" میں نے دُور سے دائرے کی صورت میں واپس آتے ہوئے ہیلی کاپٹر پر نظریں جما کر تشویش زدہ لہجے میں کسی کو مخاطب کیے بغیر کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ خالد ہی ہو... کوئی اور ہوتا تو پرواز اس قدر نیچی نہ ہوتی۔" اولینی بولا۔

"بہرحال رائفل سنبھال کر ہوشیار رہو۔" میں نے وسوسوں کو ذہن سے جھٹکتے ہوئے کہا۔ "ہمیں پوری طرح چوکنا رہنا ہو گا۔ وہ ہمارے حریف کے آدمی ہوئے تو بازی وہی جیتے گا، جو وار میں پہل کر جائے گا۔"

"کاش میں نے خالد سے پوچھ لیا ہوتا کہ وہ گن بوٹ تک کیسے پہنچے گا۔ کم از کم اس وقت کے اعصابی تناؤ سے تو نجات مل سکتی تھی۔" اولینی کا لہجہ ندامت آمیز تھا۔

ہیلی کاپٹر ایک طویل چکر کاٹ کر دوبارہ گن بوٹ کی طرف پرواز کرتا ہوا آیا تو اس کے نیچے سفید کپڑے کی ایک لمبی سی پٹی ہوا میں پھڑپھڑا رہی تھی جو واضح طور پر آنے والوں کی طرف سے دوستی کے پیغام کی علامت تھی، جواب میں اولینی نے اضطراری طور پر رائفل عرشے پر ڈال کر اپنے دونوں ہاتھ فضا میں تیزی سے لہرانا شروع کر دیے۔

شاید اس کی حرکت دیکھ لی گئی کیونکہ سفید علامتی پرچم ہیلی کاپٹر سے جدا ہو کر تیز ہوا میں اڑتا ہوا سمندر میں جا گرا۔ اسی کے ساتھ ہیلی کاپٹر اچانک اوپر اٹھنا شروع ہوا اور اس کی افقی رفتار یک بیک دھیمی ہو گئی۔ عین گن بوٹ کے اوپر آکر ہیلی کاپٹر فضا میں معلق ہو گیا۔ اس کے پنکھوں کا شور اور ان سے پیدا ہونے والا ہوا کا دباؤ وحشتناک تھا لیکن ان نازک لمحات میں ہم عرشہ چھوڑ کر نہیں جا سکتے تھے۔

ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے ہیلی کاپٹر کے دروازے سے ایک لمبی رسّی فضا میں اچھالی گئی اور پھر ایک جوان سال گورا چٹّا آدمی اس رسّی کے سہارے تیزی سے پھسلتا ہوا نیچے آنے لگا۔ اس کی مہارت اور بے خوفی قابلِ دید تھی۔ آناً فاناً میں وہ دبلا پتلا فلسطینی نوجوان رسّی چھوڑ کر عرشے پر کود چکا تھا، رسّی اوپر کھینچی جانے لگی تھی اور ہیلی کاپٹر ایک تیز ہچکولا لے کر تیزی کے ساتھ ساحل کی طرف پرواز کرتا چلا گیا تھا۔

فلسطینی نوجوان اولینی کو پہچان کر پُرجوش انداز میں اس کی طرف لپکا اور اس سے بغل گیر ہو کر خالص عربی انداز میں اس کا رخسار چوم لیا۔ وہ دونوں بیک وقت ایک دوسرے کی مزاج پُرسی کرتے ہوئے الگ ہوئے تو اولینی نے باری باری خالد کا ہم سے تعارف کرایا۔ وہ آئی مین کے علاوہ میرے کسی نام سے واقف نہیں تھا لہٰذا میں نے خود ہی اپنا نام ڈیوڈ بتا دیا۔

"تم یہودی تو نہیں ہو؟" خالد نے میرا نام سنتے ہی چونک کر بے خوف لہجے میں سوال کیا۔ اس کے انداز سے بالکل بھی ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ وہ سمندر کے بیچ میں کچھ ایسے مسلح اجنبیوں کے درمیان موجود تھا جن کے مزاج اور مذہب سے وہ سراسر لاعلم تھا اور جو کسی بھی بات پر جاتے تو اس کے لہو کے پیاسے ہو سکتے تھے۔

"یہودی ہی ہوں۔" میں نے اسے آزمانے کی نیت سے مسکراتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "کیا اس سے کوئی فرق پڑتا ہے؟"

"صرف اتنا کہ مجھے تھوڑا سا محتاط رہنا ہو گا۔" وہ بے پروائی سے بولا۔ "میں فلسطینی ہوں اور اسرائیل کی وجہ سے یہودیوں کے بارے میں ہماری رائے کچھ اچھی نہیں ہے ورنہ یہودی بھی ہمارے لیے محترم اور اہلِ کتاب ہیں۔"

"محتاط کیسے رہو گے؟ تم تو شاید مسلح بھی نہیں ہو۔" میں نے اپنی بیم گن انگلیوں کے درمیان نچاتے ہوئے سوال کیا۔

"اسے جیب میں رکھ لو ڈیوڈ!" وہ ناصحانہ لہجے میں بولا۔ "میں ایک دوست کی دعوت پر یہاں آیا ہوں، اس لیے غیر مسلح ہوں ورنہ بستر پر

بھی اسلحہ ہمارے جسموں سے جدا نہیں ہوتا ـــــ ہماری نسلوں کو جہاد کرتے ہوئے نصف صدی ہونے والی ہے، ہم موت سے نہیں ڈرتے، مکاری سے گھبراتے ہیں...... مجھے تم سے کوئی اندیشہ نہیں لیکن سودے بازی میں مجھے تمہاری مکاری سے ہوشیار رہنا پڑے گا۔"

"بہت دلیر ہو۔" میں نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔

"خوف صرف موت کا ہوتا ہے اور ہم روز موت کے منہ میں ہاتھ ڈال کر اپنے لیے نئی زندگی حاصل کرتے ہیں پھر دلیر کیوں نہ ہوں گے۔"

"میں سب کی نہیں، صرف تمہاری بات کر رہا ہوں۔" میں نے عرشے سے نیچے جانے والے زینوں کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"میرے بجائے اب گن بوٹ کی بات کرو۔" اس نے خوش دلی کے ساتھ موضوع تبدیل کر دیا۔ "میرے پاس وقت کم ہے اور میرا خیال ہے کہ یہ سودا تم ہی سے کرنا ہوگا۔"

"یہ کیسے سمجھ لیا تم نے؟" میں نے سیڑھیاں اترتے ہوئے دلچسپی کے ساتھ سوال کیا۔

"تم بول رہے ہو اور دوسرے خاموش ہیں۔ یہی ایک بات تمہیں ان میں ممتاز کرنے کے لیے کافی ہے۔" اس نے بلاتوقف میری بات کا جواب دیا تھا۔ "میری عمر پر نہ جاؤ، میں نے ہر روز برسوں کی زندگی کا تجربہ حاصل کیا ہے اور پورے یقین کے ساتھ اڑتی ہوئی چڑیا کے پر تک گن سکتا ہوں۔"

میں نے سمجھ لیا کہ میرا واسطہ کسی کمزور آدمی سے نہیں تھا۔ اس کے بعد میرے کیبن میں داخل ہونے تک سب خاموش ہی رہے تھے۔ کیبن میں ایلی نور کسی بات پر سلطان شاہ سے الجھ رہی تھی لیکن ہمیں دیکھتے ہی فوراً خاموش ہوگئی۔

"میں نے سنا ہے کہ تم گن بوٹ حاصل کرنے کے خواہاں ہو؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے خالد سے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

"مل جائے تو اچھا ہے۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔ "کیا مانگتے ہو اس کا؟"

"یہ کسی طرح آٹھ دس لاکھ ڈالر سے کم مالیت کی نہیں ہوگی۔" میں نے کاروباری انداز میں کہا۔ "ریڈار، باربیٹ گن، آٹو سرچ سسٹم اور دوسری خوبیاں گنوانا بے سود ہے، یہ باتیں تم جانتے ہی ہو۔"

وہ ہنس پڑا۔ "اس کی مارکیٹ ویلیو تو شاید اس سے بھی زیادہ ہو لیکن یہ نہ بھولو کہ تم گن بوٹ مجھے قانونی حقوق کے ساتھ نہیں بیچ رہے، یہ تو چوری کے مال کا سودا ہے، جو مل جائے غنیمت ہوگا۔"

"پھر تم کیا دیتے ہو؟" میں نے اس کائیاں نوجوان سے بحث کو بے سود سمجھتے ہوئے کہا۔

"میری آفر لینے سے پہلے یہ سن لو کہ مجھے اس گن بوٹ کا شجرہ معلوم ہو چکا ہے، یہ یورپ کی سب سے مضبوط ڈرگ مافیا یعنی ششی کی ملکیت ہے۔ تم سے اس کا سودا کر کے میں ایک بہت بڑا جوا کھیلوں گا جس میں میری ہار بھی ہو سکتی ہے۔ زیر زمین دنیا کے عام کارندے تو ششی کے سائے سے بھی بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔ "لیکن دس بیس ہزار میں بات نہیں بن سکے گی۔"

"اب میں اتنا احمق بھی نہیں ہوں، اگر تم دس آدمی ہو تو کم از کم اتنی رقم تو ہر ایک کے حصے میں آنا چاہیے کیونکہ خطرہ تم بھی مول لے رہے ہو۔ میں ڈھائی لاکھ ڈالر دینے کے لیے تیار ہوں۔"

"یہ رقم بہت کم ہے۔" اولینی نے احتجاج کیا۔

"لیکن تم میرا رسک بھی تو دیکھو، مجھے یہ بوٹ یہاں سے خلیج میں لے جانا ہے۔ ششی والوں سے کہیں بھی ٹکراؤ ہوگیا تو میری ساری رقم ڈوب جائے گی۔" اس نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"پانچ لاکھ سے کم میں یہ سودا نہیں بنے گا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "اس پر رضامندی کے بعد ہی بات آگے چل سکے گی۔"

"بات تو آگے چلانا ہی ہوگی کیونکہ ہیلی کاپٹر مجھے لینے کے لیے واپس نہیں آئے گا۔ سودا مکمل ہونے کے بعد تم لوگ مجھے گن بوٹ سمیت نان تیس پہنچاؤ گے، وہیں میں ڈیلیوری لوں گا۔" اس کے لہجے میں بلا کا اعتماد تھا۔

اس سے مختصر سی حجت ہوئی اور آخر کار پونے چار لاکھ ڈالر پر بات ٹھہر گئی۔ میرے کیبن میں موجود سب لوگوں نے ایک دوسرے سے ہاتھ ملا کر آپس میں سودے کی مبارکباد دی اور ایلی نور رائیل سیلوٹ کی باقی ماندہ بوتل اٹھا لائی۔

خالد نے جیب سے اینگلو سوئس بینک کی چیک بک نکال کر مطلوبہ رقم کا بیئرر چیک کاٹا اور میری طرف بڑھا دیا۔

"مجھے امید ہے کہ یہ باؤنس نہیں ہوگا۔" میں نے چیک لیتے ہوئے خوش خلقی کے ساتھ کہا اور خالد کا چہرہ ایک دم سرخ ہوگیا۔

"مجھے گالی نہ دو ڈیوڈ۔" اس نے برہمی کے عالم میں کہا۔ "ذاتی طور پر میں بہت مفلس اور بے مایہ انسان ہوں لیکن ابوالبحر کی جانب سے جب میں کوئی معاہدہ کرتا ہوں تو وہ موت سے زیادہ اٹل ہوتا ہے۔ آج تک میرا لکھا ہوا کوئی چیک بینک کو دوبارہ پیش کرنے کی نوبت نہیں آئی، میں

ساری ادائیگیاں چیک ہی سے کرتا ہوں۔"

"یہ ضمانت میں بھی لیتا ہوں۔" اولینی نے کہا۔

"نہیں، تمہیں ضمانت لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔" خالد نے تیز لہجے میں کہا۔ "ڈیوڈ کو اب بھی شبہ ہے تو میں چیک واپس لینے کو تیار ہوں۔ اپنی نیک نامی کی قیمت پر میں بڑے سے بڑا فائدہ بھی ٹھکرا سکتا ہوں۔"

"بہت گرم کھوپڑی ہے تمہاری۔" میں نے اپنا گلاس اٹھاتے ہوئے کہا۔ "چلو گلاس اٹھا کر سودے کی خوشی کا جشن مناؤ۔ مجھے افسوس ہے کہ میرے الفاظ سے تمہاری دل شکنی ہوئی۔"

اس نے گلاس اٹھا کر فضا میں ہولے سے میرے گلاس سے ٹکرایا اور لب تر کر کے ہنستے ہوئے بولا۔ "مجھے اندازہ تھا کہ تم چیک واپس نہیں کرو گے، یہودی آئے ہوئے مال کو کبھی نہیں چھوڑتا۔"

"چیف کو بتا دو کہ گن بوٹ کا رخ نان تیس کی طرف موڑ لے۔" میں نے اولینی سے مخاطب ہو کر کہا۔ "لنگر انداز ہونے کے مقام کی نشاندہی خالد خود کرے گا۔"

"اگر تمہارا ناخدا پرانا آدمی ہے تو اسے بتا دو کہ نان تیس کی گودی پر سے قدرے جنوب میں پرل بیچ پر لنگر انداز ہونا ہے، وہ کھاڑی محفوظ اور ویران رہتی ہے۔" خالد نے کہا۔

"پرل بیچ اور ویران رہتا ہے؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "کسی زمانے میں وہاں سچے موتیوں والی سیپیوں کی بہتات ہوتی تھی مگر اب ادھر سارا سمندری گند جمع رہتا ہے اسی لیے کوئی ادھر کا رخ نہیں کرتا لیکن نام پرانا ہی چلا آ رہا ہے۔"

"سب کچھ طے ہوگیا، اب یہ بتاؤ کہ تم گن بوٹ کو خلیج تک کیسے لے جاؤ گے؟" میں نے سوال کیا۔

"اسپین میں سین سبطین کے قریب بحری قزاقوں کی ایک ڈرائی ڈاک ہے جہاں نہایت رازدارانہ انداز میں بہت بڑے بڑے کام کیے جاتے ہیں۔ گن بوٹ چند دن وہاں رہنے کے بعد سمندر میں آئے گی تو تم بھی اسے شناخت نہیں کر سکو گے۔ رنگ و روغن سے لے کر اس کی ظاہری حالت تک بدل جائے گی اور یہ کسی نئے نام سے سمندر میں سفر کرتی رہے گی۔"

"اور عملہ کہاں سے لاؤ گے؟"

"تم لوگ چاہو تو میں پورا پورا معاوضہ دینے کے لیے تیار ہوں۔" اس نے پیشکش کی۔ "ورنہ نان تیس میں مجھے صرف کپتان کا تقرر کرنا ہوگا، باقی عملہ وہ خود تلاش کرے گا۔"

"ہم لوگ اب ایک لمحے بھی گن بوٹ پر نہیں ٹھہر سکتے۔ رنگ و روپ کی تبدیلی کے بعد بھی گن بوٹ ہماری وجہ سے پہچان لی جائے گی، اس میں تمہارے لیے خطرہ رہے گا۔" میں نے وہ پیشکش ٹال دی۔

وہ سودا بالکل غیر متوقع طور پر آناً فاناً میں ہوا تھا جس پر میں دل ہی دل میں بے حد مسرور تھا کیونکہ ششی کی گن بوٹ کو بالا ہی بالا فروخت کر ڈالنا کوئی معمولی کارنامہ نہیں تھا، اس طرح ہم نے نہ صرف ایک بہت بڑے خطرے سے جان چھڑا لی تھی بلکہ ایک خطیر رقم بھی ہماری تحویل میں آگئی تھی۔

اس وقت میں گن بوٹ کے عملے کے ساتھ اپنا اگلا پروگرام طے کرنے کی ضرورت محسوس کر رہا تھا لہٰذا میں نے دوٹوک انداز میں خالد کو بتا دیا کہ اس کی میرے کیبن میں موجودگی غیر ضروری تھی، وہ اس معاملے میں بھی فراخ دل ثابت ہوا اور ریمراں نے ایک محافظ کو طلب کر کے خالد کو اس کے ہمراہ گن بوٹ کے معائنے کے لیے روانہ کر دیا جو اس وقت خالد کی ملکیت ہو چکی تھی۔

"مبارک ہو کہ تم نے گن بوٹ فروخت کر دی۔" خالد کے چلے جانے پر میں نے اولینی سے کہا۔ "یہ خیال تم ہی کو آیا تھا اور پھر ناقابلِ یقین انداز میں پورا بھی ہوگیا۔"

"تمہاری رہنمائی میں ذہن ہر وقت جاگتا رہتا ہے۔ مجھے خلش بس اتنی ہے کہ سین سبطین والی ڈرائی ڈاک میں گن بوٹ کے رنگ و روپ میں تبدیلی کرانے کا خیال مجھے کیوں نہ سوجھا۔ اس طرح ہم گن بوٹ کو اونے پونے فروخت کرنے سے بچ سکتے تھے اور ہمارے سروں پر منڈلاتا ہوا خطرہ بھی ٹل جاتا۔"

"یہ تمہاری بھول ہے۔" میں نے ترش لہجے میں کہا۔ "گن بوٹ کا حلیہ تبدیل ہو جاتا لیکن ہم اپنے چہرے کہاں لے جاتے، ساتھی بیٹھے میں تو کوئی بھی کہیں بھی پہچانا جا سکتا تھا کیونکہ ششی کے دشمن بہت بارسوخ ہیں، انہیں ہاک اور اس کے آدمیوں کے ذریعے گن بوٹ کے عملے کے سارے کوائف معلوم رہے ہوں گے۔"

"پرل بیچ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔" ایلی نور نے دخل دیتے ہوئے کہا۔ "اگر ہم گن بوٹ چھوڑنے سے پہلے مستقبل کا پروگرام طے کر لیں تو بہتر رہے گا۔"

"تمہارا کیا حال ہے؟" میں نے اچانک سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہو کر اردو میں سوال کیا۔

"دوڑ نہیں سکتا لیکن آسانی سے چل پھر سکتا ہوں۔" اس نے کہا۔ "رفتار بڑھاتے ہی توازن برقرار رکھنا مشکل ہو جاتا ہے اور میں لڑکھڑا کر گر پڑتا ہوں۔"

"کاش تم جلد از جلد نارمل ہو سکو۔ اب ہم پر تھوڑا سا سخت وقت آنے والا ہے۔" اردو میں اس سے یہ کہہ کر میں دوبارہ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو گیا جو میری زبان سے اگلا پروگرام سننے کے منتظر تھے۔

"ہمیں نان تیس میں اترتے ہی ایک دوسرے سے الگ ہونا ہوگا۔" میرے الفاظ سنتے ہی ان کے بشروں پر بے چینی پھیل گئی اور وہ سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ اس ردِ عمل کو بھانپتے ہی میں نے وضاحت کی۔

"ہم بظاہر ایک دوسرے سے الگ اور انجان ہوں گے لیکن ہمارا سفر ایک ساتھ جاری رہے گا، اس طرح ہم بہتر طریقے پر ایک دوسرے کی حفاظت کر سکیں گے۔ میں نان تیس پہنچتے ہی خالد کی معرفت چیک کے بدلے نقد رقم حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں تاکہ آزادانہ گزارے کے لیے کچھ رقم ہم آپس میں بانٹ سکیں۔ ہم نان تیس میں رکنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے، ہمیں وہاں سے فوراً ہی کسی قریب ترین شہر کی طرف کوچ کرنا ہوگا جہاں ٹھہر کر ہم اپنے سفری کاغذات تیار کرا سکیں۔"

"ہم سب کے سفری کاغذات تو مکمل ہیں۔" اولینی نے میری بات کاٹ کر کہا۔ "اس کے بغیر ہم گن بوٹ پر سفر ہی نہیں کر سکتے تھے۔"

"ضرور ہوں گے مگر میرے اور میرے ساتھی کے کاغذات بنوانا ہوں گے۔ اسی اثنا میں ہم فیصلہ کریں گے کہ دشمن کو کچلنے کے لیے کس محاذ کی طرف پیش قدمی کی جائے۔"

وہ گفتگو کرتے ہوئے میں نے دانستہ کنگ لائنز والے جمی لائیڈ کا ذکر کیا نہ ہی ایلی نورہ کو اس گفتگو میں ملوث کیا کیونکہ ان سے بات کرتے ہوئے میرے ذہن میں ایک نیا نقشہ جنم لے چکا تھا۔

"نان تیس سے کسی غیر معروف شہر میں جانے کے بجائے پیرس جانا ہی مناسب ہوگا۔" اولینی نے رائے دی۔ "وہ انسانوں کا سمندر ہے اور وہاں دنیا کے گوشے گوشے سے بھانت بھانت کے سیاح آتے ہیں۔ ان کی بھیڑ میں ہمارا وجود محسوس بھی نہ ہو سکے گا۔ چھوٹے شہر میں ہم سب کا بیک وقت داخلہ راز نہیں رہ سکے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے اس کا مشورہ قبول کر لیا۔ "نان تیس سے ہم پیرس ہی جائیں گے۔"

اسی لمحے انٹرکام کی گھنٹی بج اٹھی۔ ریمبراں نے پیغام سننے کے بعد بتایا کہ خالد گن بوٹ سے ایک اہم فون کال کرنا چاہ رہا تھا تاکہ پرل بیچ کے غلیظ اور ویران ساحل پر سواری کا بندوبست کر سکے۔ میں اولینی کو ساتھ لے کر ریڈیو روم کی طرف ہو لیا۔

اولینی نے اپنے آپریٹس پر خالد کا دیا ہوا نمبر ملا کر ریسیور اسے تھما دیا۔ سلسلہ ملنے پر خالد نے عربی میں گفتگو کرنا شروع کی اور چند فقروں کے تبادلے کے بعد سلسلہ منقطع کر دیا۔

"کہاں بات کی ہے تم نے؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"نان تیس ہی سے سواری کا بندوبست کیا ہے۔ پرل بیچ پر ایک کوسٹر ہمارا انتظار کرے گی۔" اس نے کہا۔ "تاکہ ہم تعفن میں زیادہ دیر سڑنے کے بجائے فوراً شہر روانہ ہو سکیں۔"

"شاید ہم بینکاری کے اوقات ختم ہونے سے پہلے ہی نان تیس پہنچ جائیں گے۔" میں نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"ہاں لیکن یہ خیال کیسے آ گیا تم کو؟ نان تیس میں اینگلو سوئس بینک کی کوئی برانچ نہیں ہے۔" وہ فوری طور پر بات کی تہ تک پہنچ جانے میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔

"لیکن ہمیں فوری طور پر رقم کی ضرورت ہو گی۔ نان تیس سے ہماری راہیں جدا ہو جائیں گی۔ ہم زیادہ دیر اکٹھے رہ کر شتی والوں کے کسی عتاب کا شکار نہیں ہونا چاہتے۔" میں نے اپنی آئی بین کی حیثیت کو فراموش کرتے ہوئے کہا۔

"بداعتمادی سے مجھے نفرت ہے لیکن تمہاری مجبوری میرے لیے قابلِ فہم ہے۔ میں نان تیس پہنچ کر تمہیں کہیں نہ کہیں سے پوری رقم نقد دلا دوں گا۔ معمولی سود پر کوئی بھی ساہوکار میرا چیک خرید لے گا لیکن ایک روز کے سود کی رقم تمہیں اپنی گرہ سے ادا کرنا ہو گی۔ میرے بینک کی شاخیں صرف پیرس اور مارسیلز میں ہیں۔ وہاں سے چیک کل ہی کیش ہو سکے گا۔" اس نے کہا اور میں نے بلا کسی حیل و حجت کے اس کی شرط تسلیم کر لی۔

پرل بیچ شاید اس علاقے کا سب سے گندا اور اتھلا ساحل تھا۔ خوبصورت نام والے اس بدنما علاقے میں دور ہی سے فضا میں بدبو کا احساس ہونے لگا تھا۔ عرشے پر آ کر جائزہ لیا تو پتا چلا کہ کوڑے کے ڈبوں، ناکارہ ٹائروں اور خالی بوتلوں سمیت سارا سمندری کچرا اسی علاقے میں سمٹ آیا تھا اور پھر چیف نے اطلاع دی کہ وہاں ساحل تک رسائی ناممکن تھی۔ زبردستی کی صورت میں گن بوٹ ریت میں دھنس سکتی تھی لہٰذا باہمی مشورے کے بعد ساحل سے تقریباً پچاس گز دور گن بوٹ کو ٹھہرا کر سمندر میں لنگر ڈال دیا گیا۔

مجھے تشویش تھی کہ اس گہرے پانی سے ساحل تک کیسے پہنچا جا سکے گا۔ موسم سخت ناموافق اور سمندر گندا ہونے کی وجہ سے تیر کر وہ مسافت طے کرنے کا تصور ہی روح فرسا تھا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ وہیں ٹھہر کر تعفن کی پروا کیے بغیر پانی اترنے کا انتظار کیا جاتا اور پھر ڈیڑھ دو فٹ گہرے پانی میں چلتے ہوئے ساحل تک رسائی حاصل کی جا سکتی تھی لیکن بوٹ کا انجن وغیرہ بند کرنے کے بعد جب چیف نیوی گیٹر اولینی کے ساتھ لائف بوٹ کی طرف متوجہ ہوا تو میری ساری تشویش رفع ہو گئی۔ لائف بوٹ بہت کشادہ تھی اور ایک ہی پھیرے میں سب کو بہ آسانی ساحل پر پہنچا سکتی تھی۔

رسّوں کی مدد سے لائف بوٹ سمندر میں اتارنے کے بعد رسّوں ہی کی سیڑھی نیچے لٹکائی گئی۔ سب سے پہلے ریمبراں نے نیچے جا کر لائف بوٹ کو سنبھالا پھر یکے بعد دیگرے سب لوگ گن بوٹ سے لائف بوٹ میں منتقل ہو گئے۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ سلطان شاہ کو غیر متوازن سیڑھی سے اترنے میں کوئی قابلِ ذکر دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

پتواروں کی مدد سے لائف بوٹ کو کھیتے ہوئے ہم چند منٹ میں ساحل پر پہنچ گئے۔ گن بوٹ کے عرشے کی بلندی سے لائف بوٹ پر آتے ہی سمندر کی سطح سے اٹھنے والے تیز بھبکوں نے طبیعت کو بہت مکدر کیا تھا لیکن اس وقت ہمارے پاس اپنے دلوں پر جبر کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

ساحل پر اترنے کے بعد ریمبراں دو محافظوں کے ساتھ پلاسٹک سے بنی ہوئی لائف بوٹ کو ساحلی ریت پر گھسیٹتا ہوا پانی سے بہت دور خشکی میں لے گیا تاکہ لائف بوٹ پانی کے ریلے میں سمندر میں واپس نہ جا سکے پھر ہم سب خالد کے پیچھے ہو لیے جو ساحل سے آگے ریتیلے ٹیلوں کی طرف جا رہا تھا۔

ٹیلوں کی ڈھلان پر پہنچتے ہی ہمیں دوسری طرف نشیب میں ہلکے نیلے رنگ کی کوسٹر نظر آئی تھی اور ہم سب ریتیلی زمین کو عبور کرتے ہوئے اسی طرف چل دیے۔

کوسٹر میں ڈرائیور مقامی معلوم ہو رہا تھا لیکن اس کے ساتھ ایک عرب بھی آیا ہوا تھا جو خالد سے بہت تپاک سے ملا اور ہمارے سوار ہوتے ہی سفر کا آغاز ہو گیا۔

نان تیس کوئی جدید یا بڑا شہر نہیں تھا۔ وہاں کی زندگی پر دیہاتی طرز کی چھاپ ہر طرف نمایاں نظر آ رہی تھی۔ نیچی چھتوں اور پرانی ساخت کے دو رویہ مکانوں اور بازاروں کے درمیان صاف ستھری سڑکوں سے گزرتے ہوئے آخرکار کوسٹر ایک پارک کے قریب ٹھہر گئی جہاں زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں تھی۔

باقی لوگوں کو گاڑی میں چھوڑ کر خالد نے مجھے ساتھ لیا اور چند تنگ گلیاں عبور کرنے کے بعد ہم پرانی وضع کے ایک تنگ سے بازار میں پہنچ گئے جہاں بھری پڑی دکانوں میں ہر عمر اور جنس کے خریداروں کا کافی ہجوم تھا۔ خالد کے کہے بغیر مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ ہم رقم کے بندوبست کے لیے جا رہے تھے۔

"یہ کوسٹر کرائے کی ہے؟" راستے میں موقع پا کر میں نے اس سے سوال کیا۔

"شاید کرائے کی ہی ہو۔ بندوبست میرے دوست نے کیا ہے۔"

"کیا یہ ممکن ہے کہ ہم یہاں سے فارغ ہونے کے بعد اسی گاڑی میں پیرس تک جا سکیں؟ اس طرح ہم گاڑی بدلنے اور لوگوں کی نگاہ میں آنے سے بچ جائیں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس میں کوئی حرج نہ ہوگا۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔ "اسے معقول کرایہ دے کر تم کہیں بھی لے جانے پر آمادہ کر سکو گے۔"

پھر وہ اچانک ہی تنگ زینوں والی ایک نیم تاریک راہداری میں گھس گیا جس کا اختتام ایک چھوٹے سے دفتر پر ہوا تھا جہاں دو افراد موجود تھے جنھوں نے قدرے حیرت کے ساتھ خالد کا استقبال کیا اور مجھے اشتباہ آمیز نظروں سے گھورنے لگے۔

"یہ میرا ساتھی ڈیوڈ ہے۔" خالد نے ان دونوں سے باری باری ہاتھ ملاتے ہوئے میرا تعارف کرایا۔ "تمھیں اس سے خائف ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ تمھیں لوٹنے کے لیے نہیں آیا ہے۔"

انھوں نے نیم دلانہ انداز میں مجھ سے بھی ہاتھ ملائے اور میز کے سامنے پڑی ہوئی سالخوردہ سی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ خالد نے ان سے میرا تعارف انگریزی میں کرایا تھا پھر ان سے فرنچ میں گفتگو کرنے لگا جو غالباً ان دونوں کے لیے زیادہ سہل اور قابلِ فہم تھی۔ چند منٹ کی گفتگو کے بعد خالد نے مجھ سے اپنا دیا ہوا چیک طلب کیا اور ان میں سے سن رسیدہ شخص کی طرف بڑھا دیا جو محدب شیشوں والی عینک کے پیچھے سے کاغذ کے اس بیش قیمت پرزے کا معائنہ کرنے لگا۔

"سود کے ایک ہزار ڈالر کاٹ کر یہ بڑے نوٹوں کی صورت میں تین لاکھ چوہتر ہزار ڈالر دینے پر آمادہ ہے۔" خالد نے مجھے آگاہ کیا۔ "سود بہت زیادہ ہے لیکن اس قصبے میں اتنی بڑی رقم غیر ملکی کرنسی میں کہیں اور نقد نہیں مل سکے گی۔"

میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا کہ جب میں پیرس ہی جا رہا تھا تو وہ چیک اگلے دن وہاں کیش کرا سکتا تھا لیکن رقم ہاتھ آنے میں تاخیر میرے پروگرام سے میل نہیں کھاتی تھی اس لیے میں نے اپنی رضامندی

ظاہر کر دی اور ان دونوں نے اپنے دفتر کا دروازہ بند کر کے اندر سے کنڈی چڑھا دی۔

اسی کمرے میں کتابوں کے نیچے دبی ہوئی ایک آہنی الماری تھی جس میں سے ایک تھیلا میری طرف بڑھا کر سن رسیدہ شخص نے احتیاط کے ساتھ ڈالرز کے بڑے نوٹوں کی سربمہر گڈیاں میرے سامنے ڈھیر کرنا شروع کر دیں۔

دس ہزار ڈالر کی ایک گڈی جیب میں ڈال کر باقی رقم میں نے گڈیاں گن کر تھیلے میں بھریں اور ہم ان دونوں کو الوداع کہہ کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔ میرے لیے خالد کی وہ ساکھ حیرتناک ثابت ہوئی تھی۔ ان لوگوں نے اس کے لکھے ہوئے چیک کو پورے احترام کے ساتھ قبول کیا تھا۔

میرا خیال تھا کہ خالد گن بوٹ کے سودے کے لیے پیرس سے وہاں پہنچا تھا اس لیے ہمارے ساتھ ہی پیرس جائے گا لیکن وہ کوسٹر لانے والے عرب سے ہمارے پیرس تک سفر کی بات طے کرا کے وہیں اتر گیا کیونکہ گن بوٹ عملے کے بغیر سمندر میں کھڑی ہوئی تھی اور وہ اس پر جلد از جلد عملہ تعینات کر کے اسے سین سبطین روانہ کرنا چاہتا تھا۔

نان تیس کے مضافات سے باہر نکلتے ہی میں نے دس ہزار ڈالرز کی گڈی اولینی کے حوالے کر دی۔ ”ایلی نور میرے ساتھ رہے گی۔ اس کے اخراجات میں ادا کر دوں گا۔ تم فی الحال اپنے آدمیوں کو اخراجات کے لیے ایک ہزار ڈالر فی کس دے دو جو رقم بچے وہ مساویانہ طور پر تمہاری اور ریمبراں کی ہے۔“

”رقم کا شکریہ۔“ اولینی نے گڈی لیتے ہوئے کہا۔ ”لیکن پیرس سے آگے ہمارا پروگرام کیا ہوگا؟“

”یہ کسی بھی وقت طے کر لیا جائے گا۔“ میں نے بے پروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ”ہم سب کسی ایک ہی علاقے میں الگ الگ ہوٹلوں میں ٹھہریں گے تاکہ رابطہ برقرار رکھنے میں آسانی رہے اور کسی کے ساتھ کسی ایک کی وجہ سے دوسروں پر کوئی عتاب نازل نہ ہو۔“

پیرس اولینی کے لیے نیا شہر نہیں تھا اس کے مشورے پر میں نے پارک ہوٹل میں ٹھہرنے کا ارادہ کر لیا جو متوسط درجے کا ہوٹل تھا اور ہم وہاں کسی کی توجہ کا مرکز بنے بغیر بہ آسانی چند روز قیام کر سکتے تھے۔ اس ہوٹل کا منیجر اولینی کا شناسا تھا اور اسے پوری امید تھی کہ اس کی سفارش پر میرے یا سلطان شاہ کے شناختی کاغذات کا مسئلہ نہیں اٹھایا جائے گا۔

آرام دہ کوسٹر میں بیٹھا ہونے کی وجہ سے ہمارا وہ سفر بہت خوشگوار ثابت ہوا۔ موسم سرما کے باوجود سارا راستہ ہی سرسبز کھیتوں اور باغات سے گھرا ہوا تھا اور آخر کار کوسٹر پیرس میں داخل ہو گئی جو نان تیس کے برعکس قدیم اور جدید طرز زندگی کا ایک پرشکوہ سنگم نظر آ رہا تھا۔

بھری پری اور بارونق شاہراہوں سے گزرتے ہوئے کوسٹر پارک ہوٹل کے سامنے ٹھہر گئی۔ ڈرائیور کا معاوضہ راستے میں ہی ادا کیا جا چکا تھا لہٰذا میں سلطان شاہ، ایلی نور اور اولینی کے ہمراہ فوراً ہی گاڑی سے اتر گیا۔

پارک ہوٹل کے منیجر سے اولینی کی شناسائی بہت گہری تھی، اس لیے ہمیں کسی بھی باز پرس کے بغیر نہایت آسانی کے ساتھ ہوٹل میں ایک ایسا کمرہ مل گیا جس میں خوش قسمتی سے تین بستر تھے۔ ہمارے وہاں قیام کا بندوبست کر کے اولینی فوراً ہی چلا گیا۔ ہمارے درمیان یہ طے ہو چکا تھا کہ دیگر افراد اپنے ٹھکانوں سے پارک ہوٹل فون کر کے مجھے اپنے پتے اور فون نمبروں سے آگاہ کر دیں گے تاکہ میں فوری ضرورت کے تحت ان سے رابطہ قائم کر سکوں۔

”گن بوٹ سے بھی جان چھوٹ گئی۔ اب کیا پروگرام ہے تمہارا؟“ کمرے میں پہنچتے ہی ایلی نور نے سینڈلوں سمیت بستر پر دراز ہوتے ہوئے سوال کیا۔

”مجھے اب ایک نئی فکر لاحق ہو گئی ہے۔ اولینی کے بارے میں کیا رائے ہے تمہاری؟“ میں نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”محنتی اور ایماندار آدمی ہے۔“ وہ چونک کر بولی۔ ”میرا تو اندازہ ہے کہ تم خود بھی اسے پسند کرنے لگے ہو۔“

”پسند ضرور کرنے لگا تھا لیکن وہ لالچی معلوم ہوتا ہے جب تک ہم سب اکٹھے رہتے تھے میں ان کی ایک ایک پل کی مصروفیات پر نظر رکھتا تھا مگر اب وہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ جب سے میرے پاس رقم آئی ہے اس کے تیور کچھ بدلے ہوئے نظر آ رہے ہیں، میرا اندازہ ہے کہ وہ رقم حاصل کرنے کی سرتوڑ کوشش کرے گا۔“

”شاید اب تم کوئی نئی کہانی سوچ رہے ہو۔“ سلطان شاہ نے اردو میں کہا۔ ”تمہارے تیور کچھ اچھے نظر نہیں آ رہے ہیں۔“

”میں سوچ رہا ہوں کہ اب اس پورے جلوس کو ساتھ لیے پھرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے ان سے کام لے لیا اب وہ زندہ رہیں یا مر جائیں، میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ایلی نور ابھی بھی ہمارے کام آ سکتی ہے اس لیے اسے میں نے ساتھ رکھ لیا ہے۔“

”تمہیں اس پر شبہ تھا تو پھر اس ہوٹل میں ہرگز نہ ٹھہرنا چاہیے تھا۔“ ایلی نور بولی۔ ”یہاں اسے اپنی من مانی کرنے کی زیادہ آزادی ہوگی۔“

”ہم اسی وقت یہاں سے غائب ہو سکتے ہیں۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”میں اسے اپنی طرف سے ہوشیار نہیں کرنا چاہتا تھا پھر کیا پتا کہ وہ بھی دشمن ہی کا آدمی ہو اور مناسب وقت کے انتظار میں اب تک ہمارا ساتھ دیتا چلا آ رہا ہو۔ یہاں سے جانے میں زیادہ سے زیادہ ایک دن کا کرایہ ضائع ہوگا لیکن سوال یہ ہے کہ کاغذات کے بغیر پیرس میں ہمیں کون پناہ دے گا؟“

”پیشہ ور لڑکیاں شناختی کارڈ نہیں، صرف نوٹ دیکھتی ہیں۔“ وہ ہنستے ہوئے بولی۔ ”تم دونوں کو ذرا سی محنت کے بعد کوئی کام کی لڑکی مل جائے گی، میں کسی ہوٹل میں ٹک جاؤں گی۔“

”ہم بہت غیر یقینی حالات سے دوچار ہیں۔ کچھ پتا نہیں کہ کب اچانک فرار ہونا پڑ جائے، میں تمہیں بھی اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں کیونکہ میرا اصل مقصد کنگ لائنز والے جی لائیڈ کی بیخ کنی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ساری کارروائیوں کی پشت پر اسی کا دماغ کام کر رہا ہے۔“

”ایسی ہی بات ہے تو میں کسی دلال کی معرفت ایک ہفتے کا پیشگی کرایہ دے کر کوئی چھوٹا سا فلیٹ لے سکتی ہوں۔ تم دونوں میرے دوستوں کی حیثیت سے بہ آسانی میرے ساتھ رہ سکو گے۔“ اس نے کہا اور اس تجویز پر میرا دل خوش ہو گیا۔ پیرس جیسے اجنبی شہر میں سر چھپانے کے لیے اس سے محفوظ اور سہل تجویز ممکن ہی نہیں تھی۔

”تم دونوں کمرے میں ٹھہرو، میں نیچے اتر کر جائزہ بھی لیتا ہوں، واپسی پر اخبارات لیتا آؤں گا۔“ یہ کہتے ہوئے میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور ایلی نور رقم کا تھیلا مسہری کے نیچے اڑسنے لگی۔

میں نے باہر جانے کے لیے دروازہ کھولا ہی تھا کہ لمحہ بھر کے لیے میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ اولینی کے بارے میں بدنیتی کی بنیاد پر تراشے ہوئے میرے الزامات درست ثابت ہوتے نظر آ رہے تھے کیونکہ وہ میرے مدمقابل ہوٹل کی راہداری میں موجود تھا اس کے دونوں ہاتھ اوورکوٹ کی جیبوں میں تھے اور وہ نہ جانے کب سے وہاں کھڑا اندر کی سن گن لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ جیب میں پڑی ہوئی بیم گن کے دستے پر میری گرفت سخت ہو گئی اور میں نے کمرے کا پورا دروازہ کھول کر پھرتی کے ساتھ بائیں ہاتھ سے اولینی کا گریبان تھام کر اسے کمرے میں گھسیٹ لیا۔

اولینی کے لیے میرا وہ اقدام شاید بالکل غیر یقینی تھا۔ میرے اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال کر جھٹکا دیتے ہی وہ بری طرح لڑکھڑاتا ہوا کمرے میں آیا تھا اور پھر مسہری کا سہارا لے کر توازن برقرار رکھتے ہوئے تیزی سے میری طرف گھوما تھا۔

”کیا بات ہے؟ کیوں آئے ہو یہاں؟“ میں نے غراتے ہوئے جارحانہ لہجے میں سوال کیا۔

”سب لوگوں کو یہ تو معلوم ہے کہ تم پارک ہوٹل میں قیام کرو گے لیکن ان کے ٹھکانے فی الحال تمہارے علم میں نہیں ہیں۔ میں نے سوچا کہ رخصت ہونے سے پہلے میں تم کو اپنا ٹھکانا بتا دوں۔ میں ہوٹل ڈی پیرس میں ٹھہروں گا۔ وہاں تم جس وقت چاہو مجھ سے رابطہ قائم کر سکتے ہو۔ وہ ہوٹل یہاں سے بمشکل چند منٹ کی مسافت پر واقع ہے۔“

”رقم کی ضرورت ہو تو وہ بھی لیتے جاؤ۔“ ایلی نور نے اسے ٹوکا۔

”یہاں آٹھ دس روز بھی ٹھہرنا پڑا تو شاید مجھے رقم کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔“ اولینی نے عاجزانہ انداز میں کہا۔ ”کسی حادثے کی اور بات ہے اس بارے میں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔“

”تم واقعی شریف اور وفادار آدمی ہو۔“ میں نے اس کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔ ”تمہارے بارے میں مجھے شبہ ہوا تھا کہ شاید تم بدنیتی کی بنا پر رقم ہتھیانے کے لیے واپس آئے ہو۔“

”میں قناعت پسند آدمی ہوں۔“ وہ بولا۔ ”جو مل جاتا ہے اسی پر گزارا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ کسی مہم جوئی میں پڑ کر مجھے نہ اپنا روزگار گنوانا گوارا ہے نہ میں کوئی اور خطرہ مول لے سکتا ہوں۔“

”تو اب تم سیدھے ہوٹل ڈی پیرس جاؤ گے؟“ میں نے اپنی جانب سے لطیف پیرائے میں گفتگو کے اختتام کا اعلان کرتے ہوئے سوال کیا۔ ”وہاں کا فون نمبر کیا ہے؟“

”فون نمبر میں وہاں پہنچتے ہی تمہیں یا آپریٹر کو نوٹ کرا دوں گا۔“ اولینی نے فوری طور پر جواب دیا۔ ”ویسے بھی ہوٹل ڈی پیرس اتنا غیر معروف نہیں ہے۔ محض نام کے حوالے سے آپریٹر براہ راست کال ملا سکتا ہے۔“

”اور تم غالباً وہاں اپنے اصل نام سے ہی قیام کرو گے؟“ میں نے سوال کیا۔

”ضرورت ہو یا تمہارا حکم ہو تو نام بھی بدل لوں گا۔“ اس کے تیوروں میں تندی یا بغاوت کا شائبہ تک نہیں تھا۔

”کوئی ضرورت نہیں۔“ میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ”تمہارے اصل نام سے ہی میں مشکل سے مانوس ہوا ہوں، تم نے نام تبدیل کیا تو اسے یاد کرنے میں کئی دن صرف ہو جائیں گے۔ میرے لیے تم اولینی ہی رہو تو بہتر ہے اور اس سے بھی بہتر یہ ہے کہ اب تم یہاں ٹھہر کر وقت ضائع کرنے کے بجائے اپنے ہوٹل واپس جاؤ تاکہ میں کچھ سوچ سکوں۔“

”میں واپس لوٹ کر سکھ کا سانس نہ لے سکوں گا۔“ اس نے سر اٹھائے بغیر کہا۔ ”یہاں سے میں اپنے دل پر یہ گہرا زخم لے کر جا رہا ہوں کہ تم کو میری نیت پر شبہ ہوا ہے۔ مجھے اپنے ہر قول اور فعل کا محاسبہ کرنا ہوگا کہ مجھ سے کب اور کہاں ایسی غلطی سرزد ہوئی ہے جس نے میرے بارے

میں تمھاری رائے غلط کی ہے۔"

"کسی محاسبے کی ضرورت نہیں۔" میں نے سخت لہجے میں کہا "میں تمھارا آئی مین ہوں لیکن موجودہ حالات میں میں خود ایسی بے یقینی کا شکار ہوں کہ اپنے سائے پر بھی بھروسا نہیں کر سکتا۔ تمھارے لیے میں نے جو کچھ کہا' وہ تمھارے کسی عمل کا ردِ عمل نہیں تھا بلکہ خود میرے ذہن پر چھائے ہوئے خدشوں کا پرتو تھا..... تم جاکر اطمینان سے آرام کرو، تم سے جو کچھ پوچھنا تھا' وہ میں پوچھ چکا، اب اس معاملے میں مغز زنی بالکل بے سود ہے۔"

اس نے سر کو خم دے کر اپنا داہنا ہاتھ پیشانی تک اٹھایا اور تعظیمی انداز میں کمرے سے باہر نکل گیا۔

"مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ اب تمھارے اعصاب پر خوف طاری ہونے لگا ہے جس کی وجہ سے تم اپنے سائے سے بھی بھڑک رہے ہو۔" کمرے کا دروازہ بند ہوتے ہی ایلی نور بولی۔

"تم گھاس کھا گئی ہو۔" اچانک غیر متوقع طور پر سلطان شاہ گفتگو میں دخل اندازی کر بیٹھا۔ "خوف اور دہشت تو ہم پیچھے چھوڑ آئے، یہ سب کام کرنے کی علامتیں ہیں۔ بس تم دیکھتی جاؤ کہ اب کیا ہوتا ہے۔ اولینی کی گردن بچ گئی ہے لیکن جلد ہی کسی مردود کی شامت آنے والی ہے۔"

"کس مردود کا ذکر کر رہے ہو تم؟" ایلی نور نے حیرت سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" میں نے بے پروایانہ انداز میں بات ٹالتے ہوئے کہا۔ "اسے ہر وقت کنگ لائنز والے جمی لائیڈ کی تباہی کے خواب آتے رہتے ہیں جو شی کے جمے جمائے کاروبار پر قابض ہونے کی تیاریاں کر رہا ہے۔"

"کاروبار!" ایلی نور نے پُرخیال انداز میں دُہرایا اور چند ثانیوں کے سکوت کے بعد بولی "کیا تم نے یہ لفظ سوچ سمجھ کر استعمال کیا ہے؟"

"اچھی طرح سوچ سمجھ کر۔" میں نے کہا "کیا تمھیں اس پر کوئی اعتراض ہے؟"

"ہم جو کچھ کر رہے ہیں' وہ ہمارا روزگار تو ضرور کہا جا سکتا ہے لیکن اسے کاروبار نہیں کہا جا سکتا۔" ایلی نور کا لہجہ سنجیدہ تھا۔

"تم بیس برس پرانی باتیں کر رہی ہو۔ آج کل قدریں بدل چکی ہیں۔ ملاوٹ، بے ایمانی اور چور بازاری کے بغیر کاروبار کا تصور ویسا ہی رہ گیا ہے جیسے پانی کے بغیر کنوئیں کا تصور۔ آج کل تو معاشرے میں وہ جرائم بھی اس وقت تک باعزت کاروبار سمجھے جانے لگے ہیں جب تک وہ قانون کی گرفت میں نہ آئیں اور ہم ابھی تک قانون سے کوئی بڑا تصادم مول لیے بغیر بہت کامیابی کے ساتھ پیش قدمی کر رہے ہیں۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو کیوں کہ ہم نتائج کے عہد میں جی رہے ہیں۔ لوگ صرف نتائج پر غور کرتے ہیں' اس سے کسی کو غرض نہیں کہ وہ نتائج کیسے حاصل کیے گئے۔" وہ مضمحل لہجے میں بولی۔ "اگر تمھارے پاس سرمایہ ہے تو تم کامیاب انسان ہو۔ کوئی یہ پوچھنے کی زحمت نہیں کرے گا کہ تم نے وہ پیسہ کسی کا گلا کاٹ کر حاصل کیا ہے یا ہیروئن کی اسمگلنگ میں کمایا ہے۔ بس پیسے کے بل پر تم معتبر، محترم اور منصف سمجھ لیے جاؤ گے۔"

"شاید تمھارے اندر سوئی ہوئی وہ پرانی ایلی نور پھر جاگ رہی ہے جس نے میڈوسا پر ایک امیر البحر کی رفاقت کو بے اعتنائی سے ٹھکرا دیا تھا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"مشکل یہی ہے کہ وہ ایلی نور آج تک نہ سو سکی۔" اس نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "رشتہ تو تم سے بھی کوئی نہیں ہے بلکہ امیر البحر تو میرے آقا کا دوست تھا لیکن تم میرے لیے سراسر اجنبی تھے۔ تمھارے وجود کی مقناطیسی کشش نے مجھے بے خود کر دیا اور اب میں تمھارے اشاروں کی غلام ہوں۔ اس غلامی پر میرا رُواں رُواں خوشی سے سرشار ہے کیوں کہ یہ میں نے جانتے بوجھتے ہوئے اپنی مرضی سے قبول کی ہے۔"

"میرے وجود کی کشش میں شاید میرا آئی مین ہونا ہر خصوصیت پر بھاری تھا۔" میں نے سگریٹ کا گہرا دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے ہنس کر کہا۔

"آئی مین ہونے سے صرف اتنا فرق پڑا کہ فاصلے لمحوں میں سمٹ گئے ورنہ پسند اور ناپسند کا تعلق ان سطحی باتوں سے نہیں ہوتا۔ ایک ایڈمرل اپنی جگہ آئی مین سے کہیں زیادہ معروف اور طاقتور ہوتا ہے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تمھارے فیصلے سوچے سمجھے ہوتے ہیں جن کی تائید میں تمھارے پاس دلائل بھی ہوتے ہیں ورنہ اس عمر کی عورتیں عموماً وقتی جذبات کے ریلے میں بہہ کر احمقانہ فیصلے کرتی ہیں اور چند لمحوں کے لیے بھی ان کا دفاع نہیں کر سکتیں۔ ابتدا میں میں نے اندازہ لگایا تھا کہ تم میرے نہیں' کسی بھی نادیدہ آئی مین کے عشق میں مبتلا تھیں اور اس حیثیت میں مجھے سامنے دیکھتے ہی تم نے مجھ پر اپنی عنایتوں کی بارش کر دی۔"

"ابتدائی اندازے عام طور پر غلط ثابت ہوتے ہیں۔ اب تم یہی دیکھ لو کہ آئی مین کی حیثیت سے تمھارے کئی فیصلے میرے لیے الجھن کا باعث بنے ہوئے ہیں لیکن میں نے تم سے اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں پوچھا۔ بے چون و چرا تمھاری تقلید کیے جا رہی ہوں۔ بعد میں جو ہوگا' وہ دیکھا جائے گا۔"

"کون سے فیصلے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"چھوڑو ان باتوں کو۔" وہ براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ "پتا نہیں' یہ بات کیوں میری زبان پر آگئی۔ میں نے خود کو تمھارے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔ جیسا کہو گے' اسی طرح کرتی جاؤں گی۔"

"میں آئی مین ضرور ہوں لیکن میرے اور تمھارے درمیان ایک قریبی تعلق پیدا ہو چکا ہے' اس لیے ہم کھل کر بات کر سکتے ہیں۔ تنہائی میں تمھاری تنقید بھی میں قبول کر لوں گا البتہ ڈسپلن کی خاطر دوسروں کے سامنے مجھے سخت رویہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اس وقت تم کھل کر بات کر سکتی ہو۔" میں نے فراخ دلی سے کہا ورنہ حقیقت یہ تھی کہ ایلی نور کی ان باتوں نے مجھے پریشان کر دیا تھا اور میں جلد اپنی ان کوتاہیوں سے واقف ہونا چاہ رہا تھا جن کی طرف ایلی نور نے اشارہ کیا تھا۔

"نہ جانے کیوں مجھے یہ احساس ہو رہا ہے کہ تم آئی مین ہونے کے باوجود اس وقت تنظیم کے مفادات کے خلاف جا رہے ہو۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "لیکن میرے سامنے بس وہی حالات اور واقعات ہیں جو مجھے بتائے گئے ہیں' ان سے آگے جو کچھ ہو سکتا ہے وہ صرف تمھارے علم میں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تمھاری نگاہ آخری نتائج پر ہو، جو موجودہ نقصانات کے باوجود آخر کار شی کے لیے سود مند ثابت ہوں گے۔"

"تمھارا جواز درست ہے لیکن پھر بھی میں تمھاری زبان سے ایسے اقدامات کی نشاندہی کرانا چاہتا ہوں۔" میں نے اپنی اضطراری کیفیت پر قابو پاتے ہوئے اصرار کیا۔

"سب سے پہلا تو گن بوٹ کی فروخت کا معاملہ ہے۔" اس نے قدرے توقف کے بعد زبان کھولی۔ "میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ تم اسے یوں اونے پونے داموں پر فروخت کر دو گے۔ دوم یہ کہ تم شروع سے اب تک شی کے ٹھکانوں سے رجوع کرنے سے گریز کرتے آ رہے ہو۔ میں اس کا کوئی سبب سمجھنے سے قاصر ہوں۔"

"حالاں کہ بات بالکل سیدھی ہے۔" میں نے اوپری دل کے ساتھ ایک کھوکھلا قہقہہ لگا کر کہا۔ "بریسٹ کے بحری اڈّے پر دشمن کے آدمی موجود تھے' میں انھیں اپنی طرف سے ہوشیار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ پھر ان لوگوں کے ساتھ ہی وہ اڈّا بھی تباہ ہو گیا۔ جب شی کے دشمنوں کو اپنے ہرکاروں کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملے گی تو انھیں تشویش ہوگی اور وہ اپنے وسائل گن بوٹ کی تلاش پر مامور کر دیں گے' اس لیے گن بوٹ مخدوش ہو گئی تھی۔ کھلے سمندر میں اس کی تباہی سے بہتر تھا کہ جو رقم ہاتھ آسکے' وہ حاصل کر لی جاتے۔ اس اقدام سے شی کو کوئی نقصان نہیں ہوا کیوں کہ ہم... انڈر رائٹرز سے بیمے کی پوری رقم وصول کریں گے...."

"بیمے والی بات میرے ذہن میں نہیں آسکی تھی۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "لیکن رقم مل جانے کے باوجود ہم فوری طور پر گن بوٹ کا متبادل تلاش نہ کر سکیں گے' وہ ہر اعتبار سے اپنی مثال آپ تھی۔"

"اس کے نہ ہونے سے شی کی سرگرمیوں پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اصل نکتہ یہ ہے کہ شی کے سارے معاملات رازداری کے ساتھ طے پاتے ہیں۔ گن بوٹ کے غائب ہونے کا معاملہ بھی اخبارات وغیرہ میں نہیں آئے گا اور شی کے دشمنوں پر گن بوٹ کا نفسیاتی دباؤ باقی رہے گا اور وہ شی کی سرگرمیوں کے لیے کوئی خطرہ پیدا نہیں کر سکیں گے جس کے سدِباب کے لیے گن بوٹ خریدی گئی تھی۔"

"خیر' یہ سب اعلیٰ قیادت کے مسائل ہیں، اپنا بُرا بھلا وہی سمجھ سکتے ہیں لیکن رابطے سے گریز کے بارے میں اب بھی تم نے کوئی وضاحت نہیں کی۔" وہ بولی۔

"بریسٹ کے بحری اڈّے کے بارے میں میں نے جو کچھ کہا' اسی میں اس سوال کا جواب بھی موجود تھا۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"شاید تم ذہنی طور پر کہیں غائب تھیں۔"

"اس بارے میں تم نے جو کچھ کہا' وہ بریسٹ کے بارے میں تھا کہ وہاں موجود دشمن کے ایجنٹوں کو تم اپنی طرف سے ہوشیار نہیں کرنا چاہ رہے تھے لیکن اب پیرس میں بھی ایسا نظر آ رہا ہے جیسے تم دشمنوں میں محصور ہو حالاں کہ یہاں شی والے بہت مستحکم اور بارسوخ ہیں لیکن تم نے انھیں نظر انداز کر کے خود کو اولینی کے رحم و کرم پر چھوڑا ہوا ہے۔ یہ ہوٹل اسی نے بتایا ہے اور تم یہاں سے نکلنے کے بعد مجھ پر انحصار کرو گے۔"

ایلی نور بظاہر سیدھی سادی سہل پسند عورت نظر آتی تھی لیکن اس کے ٹیڑھے سوالات نے مجھے اس کی طرف سے چوکنا کر دیا۔ اس کا اٹھایا ہوا نکتہ بہت مضبوط اور دور رس تھا جس کا فوری جواب دینا محال تھا لیکن اپنے بارے میں مجھے بس ایک ہی خوش فہمی ہے کہ نامساعد حالات میں میرا ذہن بہت تیزی کے ساتھ برجستہ فیصلے کرتا ہے۔

"تم یہ بھول رہی ہو کہ میں کون ہوں اور یہاں کیوں آیا ہوں۔" میں نے فی البدیہہ کہنا شروع کیا۔ اس بار میرا لہجہ قدرے سخت اور مستحکم تھا۔ "اصل مسئلہ شی میں مخالف گروہ کے ایجنٹوں کا ہے جو ہماری غفلت سے فائدہ اٹھا کر نہ جانے کہاں کہاں اپنے قدم جما چکے ہیں۔ مجھے ان کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالنا ہے' اس لیے میری موجودگی کا راز رہنا نہایت ضروری ہے۔ بریسٹ کا اڈّا ان کی سرگرمیوں کے نتیجے میں برباد ہو گیا۔ اب عین ممکن ہے کہ پیرس کی شاخ میں بھی ان کے ہمدرد اور مددگار موجود ہوں۔ میں نے ایک بار ان سے رابطہ قائم کر لیا تو ساری رازداری ختم ہو جائے گی۔ میں دشمنوں کو ان کے اصل روپ میں نہ دیکھ سکوں گا اور وہ سب بظاہر وفادار رہتے ہوئے میری جان کے دشمن ہو جائیں گے' اس لیے میں اپنے لیے عارضی دشواریوں کی پروا کیے بغیر ذاتی یا بالقول تمھارے اولینی کے وسائل

پر انحصار کر رہا ہوں تا کہ کم سے کم افراد کو اس علاقے میں میری موجودگی کا علم ہو سکے۔"

"آئی مین صرف آئی مین ہوتا ہے، وہ چاہے تو اپنی ذات کو پردۂ راز میں رکھ سکتا ہے، جیسے شی کے سربراہ جمی لائیڈ سے اس کے تمام ماتحت کانپتے ہیں لیکن آج تک کسی نے اس کی زیارت نہیں کی۔ اگر تم پیرس میں شی والوں سے رابطہ قائم کر کے ان کی خدمات طلب کرو تو انھیں کیسے پتا چلے گا کہ تم مقامی آئی مین ہو یا ایشیا سے کسی خاص مشن پر یہاں آئے ہو۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تمھاری ننھی سی کھوپڑی میں کسی چوہے کا بھیجا ہے۔ اگر ان لوگوں نے میرے قیام کا بندوبست کرایا ہوتا تو پوشیدہ رہ کر وہ نہ صرف مجھے دیکھ سکتے تھے بلکہ میری سرگرمیوں پر میری لاعلمی میں نگاہ بھی رکھ سکتے تھے۔" میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے جارحانہ لہجے میں کہا۔

"بحث میں تم سے جیتنا مشکل ہے۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "لیکن میری چھٹی حس یہ احساس دلا رہی ہے کہ تم شی کے بدخواہوں کے ساتھ خیرخواہوں سے بھی بچنے کی کوشش کر رہے ہو اور اس کا ایک ہی مطلب ہو سکتا ہے کہ تم درحقیقت وہ نہیں ہو جو خود کو ظاہر کرتے پھر رہے ہو۔"

"پھر بھلا میں کیا ہو سکتا ہوں؟" میں نے مضحکانہ لہجے میں سوال کیا۔ "الف لیلی کا جن یا کوئی آسیب؟"

"ہم اس وقت بالکل ذاتی سطح پر بے تکلفی کے ساتھ گفتگو کر رہے ہیں؟" اس نے براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے تائید طلب مگر محتاط لہجے میں کہا۔

"بالکل بالکل۔" میں نے اس کا مدّعا بھانپتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ بالکل نجی گفتگو ہے، جو کچھ تمھارے دل میں آتا ہے، بے تکلفی کے ساتھ کہہ ڈالو میں قطعاً بُرا نہیں مانوں گا۔"

"تم ایشیا سے آئے ہو تو تم نے ڈینی کا نام ضرور سُنا ہوگا؟"

ایلی نور کی زبان سے وہ سوال سنتے ہی میں بھونچکا رہ گیا۔ اس وقت مجھے اس سے ہر بات کی امید تھی لیکن یہ توقع ہرگز نہیں تھی کہ وہ براہِ راست میرا نام لے بیٹھے گی۔

"شی کے حلقوں میں ڈینی کے حوالے سے عجیب و غریب واقعات سننے میں آتے ہیں۔" وہ میری حیرت سے بے پروا اپنی ہی رو میں کہے جا رہی تھی۔ "اس نے بہت نچلی سطح سے شی کے لیے کام شروع کیا تھا پھر محنت اور کارکردگی کے بل پر ترقی کرتے ہوئے مقامی سربراہ بھی ہو گیا لیکن پھر اچانک وہ تنظیم سے باغی ہو گیا۔ مقامی بڑوں نے فوری طور پر اس کے لیے موت کا فیصلہ صادر کر دیا۔ جب اسے گھیرنے کی کوششیں کی گئیں تو وہ خونریز مقابلے پر تُل گیا۔ اس نے صرف اپنے دفاع پر بس نہیں کیا بلکہ وہ دیدہ دلیری کے ساتھ شی کی انتہائی اندرونی صفوں میں گھس کر شی کے مفادات کو ناقابلِ فراموش زک پہنچانے لگا۔ اپنا وار کر کے وہ ہر بار صاف بچ نکلتا رہا اور شاید آج بھی زندہ ہے۔ مجھے تمھارے وطن کے بارے میں کچھ معلوم نہیں لیکن تمھارے فیصلوں اور طریقۂ کار کو دیکھتے ہوئے مجھے کئی بار ڈینی کا خیال آیا ہے۔"

میں نے ایک بلند آہنگ قہقہہ لگایا۔ "ڈینی کا نام میرے لیے اجنبی نہیں ہے لیکن تم نے اس کے بارے میں کچھ زیادہ ہی افسانہ طرازی کی ہے ورنہ بات صرف اتنی سی ہے کہ وہ شی کا مفرور مجرم ہے اور جب بھی پکڑا گیا نہایت دردناک انجام سے دوچار ہوگا۔..... اور تمھارا خیال ہے کہ میں ڈینی ہوں۔"

"نن... نہیں۔" وہ جلدی سے بولی۔ "میں نے یہ نہیں کہا۔ تم ایشیائی ہو اور بے خوف ہو کر بڑے بڑے فیصلے کرتے ہو۔ اگر تم آئی مین نہ ہوتے تو ضرور ڈینی ہوتے۔"

"اب تم بات گھما رہی ہو ایلی نور!" میں یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔ "مجھ سے کھُل کر بات نہیں کی تو خسارے میں رہو گی۔ اگر تمھیں میرے طریقۂ کار پر اعتراض ہے تو میری ذات پر بھی شبہ ہو سکتا ہے اور میں تم سے اس شبہے کا سبب جاننا چاہتا ہوں۔"

وہ چند ثانیوں تک خاموش رہی جیسے شدید ذہنی الجھن سے دوچار ہو پھر کمزور لہجے میں بولی۔ "آئی مین اپنے طریقۂ کار اور فیصلوں سے ہی خود کو منوا سکتا ہے۔ ابھی تک گن بوٹ کا سارا عملہ تمھاری ذات کے سحر میں مبتلا ہے اس لیے وہ لوگ تمھارے خلاف کوئی بات نہیں سوچ سکے لیکن میرا ذہن مسلسل کام کر رہا ہے۔ مجھے کسی کسی وقت تمھاری اصلیت پر شبہ ہونے لگتا ہے۔"

"لیکن کیوں؟" میں نے پُرزور لہجے میں دریافت کیا۔

"بعض اوقات تمھارا ردِعمل اس قدر اضطراری ہو جاتا ہے جیسے تم کسی چیز سے خائف ہو۔ تم نے ابھی اولینی کو دوبارہ دروازے پر دیکھتے ہی اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے تم اپنی شناخت ظاہر ہونے سے خوفزدہ رہتے ہو اور اسی لیے تم نے شی سے بالکل کنارہ کشی اختیار کی ہوئی ہے۔"

"پھر تم سب نے بظاہر مجھے آئی مین کیوں تسلیم کر لیا؟" میں نے سوال کیا۔ "اپنے اس تجزیے کے بعد تم مجھ سے بغاوت بھی کر سکتی تھیں، دوسروں کو اعتماد میں لے سکتی تھیں۔"

"شی کا ضابطہ ہے کہ سلور آئی کا مالک آئی مین ہوتا ہے میری نظروں میں یہ بڑا احمقانہ اصول ہے۔ کسی بھی سڑک پر کوئی اٹھائی گیرا یا چور تمھاری جیب سے سلور آئی نکال سکتا ہے یا تمھیں زیر کر کے یہ سکہ تم سے چھین سکتا ہے پھر تم اپنے سارے اقتدار اور اختیار سے محروم ہو جاؤ گے، دوسری طرف اس چور کو اگر شی کے بارے میں ذرا بھی واقفیت ہے تو وہ شی کے ہرکاروں کے سامنے محض سلور آئی کے بل پر آئی مین کا روپ اختیار کر سکتا ہے۔"

اس کا ذہن بالکل واضح تھا اور وہ صحیح خطوط پر سوچ رہی تھی۔ مجھے اس حسین و جمیل لڑکی کی ذہانت پر حیرت ہو رہی تھی کہ وہ کتنی آسانی کے ساتھ مسئلے کی تہ تک پہنچ گئی تھی لیکن میں اس کے الزامات کو کسی بھی قیمت پر تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ میں ہر اعتبار سے اس پر اپنی گرفت مضبوط رکھنا چاہتا تھا۔

"تو تمھارا خیال ہے کہ میں ڈینی ہوں اور میں نے کسی اصلی آئی مین سے سلور آئی بزورِ طاقت حاصل کی ہے؟" میں نے گمبھیر لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"میرا خیال تو کچھ بھی نہیں ہے۔ جو کچھ تم نے بتا دیا، وہ میں نے من و عن قبول کر لیا ہے لیکن میرے ذہن میں بار بار شبہات کے سائے لہرانے لگتے ہیں۔ اس وقت تم نے خود ہی کھُلی کھُلی باتیں کرنے کی دعوت دی تو میں نے سب کچھ اگل دیا لیکن تم یقین رکھو کہ یہ میرے ذاتی خیالات ہیں اور ہر حالت میں میری ذات تک محدود رہیں گے۔" وہ خوف زدہ بلکہ تقریباً رو دینے والے لہجے میں بولی۔ "تم جو کچھ بھی ہو لیکن میں تمھیں آئی مین تسلیم کرتی ہوں۔"

"رونے بسورنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اپنے لہجے میں نرمی پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "اچھا ہوا کہ اس وقت تم نے اپنے دل کی بھڑاس نکال لی ورنہ خود ہی سوچ سوچ کر پاگل ہو جاتیں۔ جب تک سلور آئی میری تحویل میں ہے، شی کا کوئی کارندہ میرے اختیارات کو چیلنج نہیں کر سکتا لیکن تم نے سلور آئی کی چوری کا بہت خیال انگیز نکتہ اٹھایا ہے۔ شی کے بڑوں کو مل کر اس کا کوئی حل تلاش کرنا ہوگا۔ اصل آئی مین کو تو دوبارہ سلور آئی عطا کی جا سکتی ہے لیکن تنظیم سے باہر چلی جانے والی سلور آئی کے غلط استعمال اور اس کے سدِباب کے بارے میں شاید آج تک سوچا ہی نہیں گیا، بس یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ ہر آئی مین اتنا مستعد اور طاقتور ہوگا کہ اپنی زندگی میں سلور آئی کی حفاظت کر سکے۔"

"اب دیکھو، مجھے پھر ایک خیال آ رہا ہے۔" وہ رو دینے والے لہجے میں بولی اور میں بے اختیار ہنس پڑا۔

"تم اپنے شبہات پر یقین کا اظہار بھی کر دیتیں تو میرے رویے میں کوئی تبدیلی نہ ہوتی۔" میں نے تشفی آمیز انداز میں اس کی پشت پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔ "تمھارے بارے میں میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ تم اس قسم کی عورتوں سے تعلق رکھتی ہو جو کھل کر محبت یا نفرت کرتی ہیں۔ وفا کے ڈھکوسلے اپنا کر چوری چکاری بے وفائی نہیں کرتیں۔"

"بس یہی میری کمزوری ہے۔" اس نے میری باتوں سے حوصلہ پا کر کہا۔ "اب میں یہ سوچ رہی تھی کہ آئی مین انسان ہی ہوتا ہے جسے ایک نہ ایک دن مرنا ہے، اب اگر کوئی آئی مین کسی حادثے کا شکار ہو جائے اور معاملہ پولیس کی مداخلت تک پہنچ جائے تو مرنے والا معاشرے میں اپنی ظاہری نیک نامی کے باوجود اس عجیب سکے کی وجہ سے مشتبہ بن جائے گا اور شی کا ایک کلیدی راز پولیس کے ہاتھوں میں پہنچ جائے گا۔"

"اور بھی ہزاروں امکانات ہیں۔" میں نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "بنیادی مسئلہ ایک ہی ہے کہ سلور آئی شی کی تحویل سے غلط ہاتھوں میں چلے جانے کا تدارک کیسے ممکن ہے؟"

"کبھی کبھی واقعی مردوں کی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے اور کسی عورت کی کھوپڑی زور دکھانے لگتی ہے۔" اچانک سلطان شاہ دخل دے بیٹھا۔ وہ پوری گفتگو لفظ بہ لفظ نہ سمجھنے کے باوجود عام طور پر طویل گفتگو کا متن سمجھنے لگا تھا۔

"ایلی نور کی کھوپڑی ہی نہیں بلکہ یہ سر سے پیر تک زوردار ہے۔" میں نے سلطان شاہ کو آنکھ مارتے ہوئے کہا۔ "اور تم دیکھنا کہ یہی عورت ہمیں کنگ لائنز والے جمی لائیڈ تک پہنچائے گی جو اپنی... بدمعاشیوں سے شی کے اربوں ڈالر کے کاروبار پر قابض ہونے کی سازشیں کر رہا ہے۔"

"جس طرح یہ تمھارے جگر کاٹتی ہے، اس سے مجھے پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ تم نہیں بچ سکو گے۔" اس بار سلطان شاہ اردو میں بولا تھا۔ "ایلی نور زوردار ہے تو تم بھی زور آور ہو۔ تم نے میرے مشوروں پر کان نہ دھرا تو یہ لکھ لو کہ ایک نہ ایک دن کوئی عورت ہی تمھارے زوال کا سبب بنے گی۔"

"یہ تم سے جلنے لگا ہے۔" میں نے ایلی نور سے انگریزی میں کہا اور سلطان شاہ کا منہ بگڑ گیا۔ "یہ اپنے سوا کسی عورت یا مرد کو مجھ سے زیادہ قریب ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔"

"تو تم اس سے شادی کیوں نہیں کر لیتے؟" ایلی نور کا لہجہ شوخ ہو گیا۔ وہ کافی دیر بعد اعتدال پر آئی تھی۔

سلطان شاہ بھنا کر بڑبڑاتا ہوا بستر سے اُٹھ گیا۔ "یہ کارِ خیر اسکنڈے نیویا کے ملکوں میں ہی ہو سکتا ہے اور وہاں سردی بہت ہوتی ہے۔ میں زیادہ دن ٹھنڈ برداشت نہیں کر سکوں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آج کل تو سرجری بہت ترقی کر گئی ہے، اگر اس میں عورت سے جیسے جذبات موجود ہیں تو ایک ہی آپریشن میں اسے عورت بنایا جا سکتا ہے پھر تمھیں اسکنڈے نیویا جانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔" ایلی نو(ر) نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بکواس بند کرو کتے کی بچی!" سلطان شاہ غضب ناک نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے دہاڑا۔ غنیمت یہ تھا کہ غصے کی اضطراری حالت میں وہ انگریزی بھول گیا تھا اور اُردو میں ہی ایلی نور پر برسا تھا۔

وہ بات نہ سمجھ سکی لیکن سلطان شاہ کے چنگھاڑتے ہوئے لہجے سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ اس نے جو کچھ کہا تھا وہ کچھ زیادہ حوصلہ افزا نہیں تھا۔ وہ کسی کڑک مُرغی کی طرح یوں پھولا ہوا کھڑا تھا جیسے ایلی نور نے اگر اس کے آپریشن کے معاملے پر مزید رائے زنی کی تو وہ جھپٹ کر اس کا گلا دبوچ لے گا۔

"اب چُپ ہی رہو تو بہتر ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "اس موضوع پر پھر کبھی بات کریں گے۔ تم دونوں یہیں ٹھہرو، میں ذرا نیچے کا چکر لگا کر آتا ہوں۔"

میرا ارادہ دیکھتے ہی ایلی نور بوکھلا گئی، وہ سلطان شاہ کے تیوروں سے خوف زدہ تھی۔ اسے خوف تھا کہ تنہائی میں موقع پاتے ہی سلطان شاہ اس کے ساتھ کوئی تشدد آمیز انتقامی کارروائی کر گزرے گا لیکن میں اسے اپنے ساتھ باہر لے جانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ میں بمشکل اسے باور کرا سکا کہ تنہائی میں اگر وہ سلطان شاہ کو جوتے بھی لگائے گی تو وہ اس پر ہاتھ نہ اُٹھا سکے گا۔

میں ان دونوں کو سمجھا بجھا کر لفٹ کے ذریعے نیچے آیا اور ہوٹل ہی میں موجود بُک شاپ میں گھس گیا۔ اندر جاتے ہی اسٹینڈ پر لٹکے ہوئے شام کے اخبارات میری توجہ کا مرکز بن گئے جن کی سرخیوں کے بعض الفاظ میرے لیے نامانوس نہیں تھے۔ ان ہی فرنچ اخبارات میں ایک انگریزی اخبار بھی تھا جس کی شہ سُرخی برلیسٹ میں خون کے دریا کا اعلان کر رہی تھی۔ اپنے اشتیاق پر قابو پاتے ہوئے میں نے وہ انگریزی اور چند فرنچ اخبارات لیے اور کاؤنٹر پر ابوالبحر کے خالد کے ذریعے ملا ہوا امریکی کرنسی کا ایک بڑا نوٹ ادائیگی کے لیے پیش کر دیا کیوں کہ بُک شاپ کے ایک گوشے میں غیر ملکی کرنسیوں کے قابلِ قبول ہونے کی اطلاع شرح تبادلہ سمیت آویزاں تھی۔ کشتی کے مالِ غنیمت سے وہ میری پہلی خریداری تھی۔ اس وقت پہلی بار مجھے یاد آیا کہ کشتی کے ہرکاروں نے کراچی میں میری فیکٹری اور گھر کو نذرِ آتش کر کے مجھے جو مالی زک پہنچائی تھی، اس کا ازالہ ہو چکا تھا۔ ابوالبحر والوں کے ہاتھ گن بوٹ فروخت کر کے میں نے کراچی میں ہونے والے اپنے نقصانات سے کئی گنا زیادہ رقم کمالی تھی۔

میں استقبالیہ کاؤنٹر کے سامنے لفٹ کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اچانک ایک باوردی بیرا میری طرف لپکا۔ "موسیو! تم سے ہوٹل کا منیجر ملنا چاہ رہا ہے۔" اس نے شکستہ انگریزی میں کہا اور میں اس کے ساتھ ہو لیا۔

استقبالیہ سے ملحق مختصر سی راہداری میں منیجر کا کمرہ تھا جہاں وہ تنہا ہی میرا منتظر تھا۔ اس نے نہایت گرم جوشی کے ساتھ میرا استقبال کرتے ہوئے تکلیف دینے پر معذرت کی اور بتایا کہ کاغذات وغیرہ کی فراہمی تک ہمیں ہوٹل میں اپنے کمرے تک محدود رہنا ہوگا۔

"لیکن کیوں؟" میں نے منیجر سے اولینی کی دوستی کے پیشِ نظر احتجاج کیا۔ "یہ تو قید کی سزا ہوگی۔"

"جو چاہے سمجھو۔" وہ خلیقانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "ہوٹل سے باہر اگر تم کسی واردات، حادثے یا واقعے میں ملوث ہو گئے تو میرا ہوٹل بدنام ہو جائے گا۔ میرے کاروباری رقیب اس نکتے کو اچھالیں گے کہ پارک ہوٹل میں سفری دستاویزات نہ رکھنے والے مشتبہ غیر ملکی اور مجرم ڈیرے ڈالے رہتے ہیں، اس لیے ازراہِ کرم اب اپنے کمرے میں ہی محدود رہنا۔ جو چیز چاہو گے، وہ روم سروس والے تمھیں وہیں پہنچا دیں گے۔ میرا ایک آدمی اس بات پر مامور کیا جا چکا ہے کہ تم اس باہمی معاہدے کی خلاف ورزی نہ کر سکو۔"

"اوہ! یعنی ہماری نگرانی بھی ہوگی؟" میں نے غراتے ہوئے کہا۔ "اولینی اسی لیے ہمیں تمھارے پاس لایا تھا؟"

میری غراہٹ سنتے ہی منیجر کے ہونٹوں سے پیشہ ورانہ مسکراہٹ یکلخت غائب ہو گئی اور وہ خشک لہجے میں بولا۔ "یہ اولینی ہی کا دم ہے کہ تم اس وقت میرے ہوٹل میں رہ رہے ہو۔ ہوش میں رہ کر بات کرو ورنہ امیگریشن کے قوانین کے تحت میں تمھیں اسی وقت پولیس کے حوالے کر سکتا ہوں۔"

"میں اسی وقت تمھارا ہوٹل چھوڑ رہا ہوں۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "ایسی ذلت آمیز قید سے تو بہتر ہے کہ ہم اپنی راتیں پیرس کے کسی پبلک پارک میں گزار لیں۔"

"میرے ہوٹل میں نہ آئے ہوتے تو جو چاہتے کر لیتے مگر میری مرضی کے بغیر اب قدم باہر نہ نکال سکو گے۔" اس کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی اور لہجہ سخت ہو گیا۔ "بہتر یہی ہوگا کہ جو میں کہہ رہا ہوں اُسے گرہ میں باندھ لو ورنہ حوالات کی سیر کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ یہاں غیر قانونی تارکینِ وطن کے لیے بہت سخت سزائیں مقرر ہیں۔"

"یہ کھلی ہوئی بلیک میلنگ ہے...!" میں نے احتجاج کرنا چاہا لیکن اس نے میری بات اڑا دی۔

"شش..... اس ہوٹل میں ایسے گھٹیا الفاظ استعمال نہ کرو میاں! پیرس کے شرفا آتے ہیں۔" اس کا لہجہ اس بار سرد اور دھمکی آمیز ہو گیا تھا۔

"پتا نہیں، اولینی تم جیسے بازاری لوگوں سے کیوں ملنے لگا ہے؟"

"فی الحال وہی ہوگا جو تم چاہ رہے ہو لیکن میں جلد از جلد اولینی سے ملنا چاہتا ہوں۔" میں نے بدِقت تمام اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "تم اسے نہ بلا سکے تو میں اسے فون کروں گا۔"

"کوشش کر لینا، اس کا سراغ مل جائے تو مجھے بھی آگاہ کر دینا۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے چونک کر سوال کیا۔

"سارا مسئلہ یہی ہے کہ اولینی سرے سے ہوٹل ڈی پیرس نہیں پہنچا۔" اس نے پہلی بار قرینے سے بات کی اور میرے منہ سے بے اختیار ایک گہرا سانس آزاد ہو گیا۔

"ہوٹل ڈی پیرس یہاں سے چند منٹ کی مسافت پر ہے، اولینی کے وہاں نہ پہنچنے کا مطلب ہے کہ اسے راستے میں سے اغوا کیا گیا ہے۔ جب تک اس کا سراغ نہیں ملتا تمھیں میری پابندیاں قبول کرنا ہوں گی۔"

"اگر تم سچ بول رہے ہو تو تمھاری عائد کی ہوئی پابندیاں کسی بھی لمحے اس ہوٹل کو جہنم میں تبدیل کر دیں گی۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ ظاہر ہے کہ اولینی کو اغوا کرنے والے اس کے دوست نہیں بلکہ دشمن تھے۔ وہ اس پر تشدد کر کے ہمارا ٹھکانا معلوم کریں گے اور ہماری یہاں موجودگی کا یقین کرتے ہی یہاں دھاوا بول دیں گے۔"

اس کی آنکھوں کی چمک معدوم ہو گئی اور چہرہ لمحے بھر میں اُترا ہوا نظر آنے لگا۔ "یہ بات بھی ٹھیک ہے۔ تمھیں پہلی فرصت میں میرے ہوٹل سے نکل جانا چاہیے۔"

"ہم اس طرح بے سرو سامانی کے عالم میں کہاں جائیں گے؟" میں نے آنکھیں نکالیں۔ "پیرس میں ہمارے قیام کا متبادل بندوبست تم ہی کو کرنا ہوگا، اخراجات ہم ادا کریں گے۔"

"میری طرف سے تم جہنم میں جاؤ مگر میرا ہوٹل فوراً چھوڑ دو۔" وہ دانت پیستے ہوئے غرایا۔

"عجیب آدمی ہو۔ ابھی زبردستی روکنے پر مُصر تھے اور اب کھڑے کھڑے نکال رہے ہو، آخر تم چاہتے کیا ہو؟"

"کچھ نہیں، کچھ نہیں۔" وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر بولا۔ "پہلے میں اولینی کے دشمنوں کا سراغ لگانا چاہتا تھا کیوں کہ وہ میرا بہت عزیز دوست ہے مگر میں دوستی میں ہوٹل کی ساکھ قربان نہیں کر سکتا۔ تم لوگ میرے ہوٹل سے پکڑے گئے تو یہاں کل ہی سے اُلّو بولنے لگیں گے اور میں ملازمت سے نکال دیا جاؤں گا۔"

"تو اب تم ہمیں یہاں نہیں دیکھنا چاہتے؟" میں نے اپنا داہنا پاؤں کرسی پر رکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ایک لمحے کے لیے بھی نہیں۔" وہ بے بسی کے ساتھ بولا۔ "میری تو عقل پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ میں تمھارا شکر گزار ہوں کہ تم نے مجھے بروقت حقیقی خطرے سے آگاہ کر دیا۔"

اس وقت منیجر کی ساری طراری دھری کی دھری رہ گئی تھی۔ میں چاہتا تو اسے نئے ٹھکانے کے بندوبست پر مجبور کر سکتا تھا مگر میں کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔

اگر برلیسٹ والے اڈے کی تباہی کے بعد کشتی والوں نے کو اٹھوایا تھا تو معاملات یک بیک سنگین ہو چکے تھے۔ اولینی نے آئی ہی میں سمجھتے ہوئے پوری طرح میرا وفادار تھا لیکن تشدد کے سامنے بڑے بڑے سورما بول پڑتے ہیں۔ اولینی سے پوری کہانی کا علم ہی جب سارے واقعات کشتی کی اعلیٰ قیادت کے علم میں لائے جاتے تو میرا کھیل بے نقاب ہو جاتا۔ ان کے آدمی پارک ہوٹل کا رُخ کرتے اور ہمیں موجود نہ پا کر لامحالہ منیجر پر ہاتھ ڈالتے۔ ایسی صورت میں اس کا فراہم کیا ہوا کوئی بھی ٹھکانا ہمارے لیے موت کا پھندا بن سکتا تھا۔ اس لیے میں نے فیصلہ کیا تھا کہ ہوٹل چھوڑ کر ایلی نور پر ہی انحصار کیا جائے لیکن اس پوری کارروائی میں، میں ایلی نور کو واقعات کی ہوا بھی نہیں لگنے دینا چاہتا تھا۔

"ہم ابھی چلے جائیں گے مگر میری ایک شرط ہے۔" میں نے توقف کے بعد کہا۔

"مجھے ہر شرط منظور ہے، بولو کتنی رقم چاہیے؟" وہ جلدی سے بول پڑا۔

"تم بالکل ڈفر ڈھونچ ہو۔" میں نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "ہم چاہیں تو چھوٹے موٹے چوری ڈاکے سے رقم پیدا کر سکتے ہیں۔"

"ڈفر تو ٹھیک ہے لیکن یہ ڈھونچ کیا ہوتا ہے؟" اس نے گفتگو میں وقفہ آتے ہی سوال داغ دیا۔

"جو بھی ہوتا ہے، بڑا نایاب ہوتا ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "میری شرط صرف اتنی سی ہے کہ تم میرے دونوں ساتھیوں کو اغوا کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گے۔ وہ میری طرح نرم دل نہیں، وہ لامحالہ تمھاری نیت پر شبہ کریں گے اور اولینی کی بازیابی کے بغیر تمھیں اسی دفتر میں گولی مار دیں گے۔"

"لل... لیکن اولینی نے بتایا تھا کہ تم تینوں شریف آدمی ہو۔" وہ ہکلاتا ہوا نظر آنے لگا تھا۔

"مجرم جب تک قانون کی گرفت میں نہ آئے، شریف ہی کہلاتا ہے۔ وہ لڑکی گیارہ قتل کرنے کے باوجود کبھی پولیس کی نظر میں نہیں آسکی۔ خیر دفع کرو ان باتوں کو، ہم یہاں سے ابھی رخصت ہو جاتے ہیں۔"

وہ خوف اور تشکر سے لبریز نگاہوں سے میری طرف دیکھتا رہا اور میں اسے آنکھ مارتا ہوا دفتر سے نکل گیا۔

اوپری منزل پر میں دستک دے کر کمرے میں داخل ہوا تو ان دونوں کے چہروں پر دور تک برہمی کا شائبہ نہیں تھا۔ سلطان شاہ کی نگاہیں مسکرا رہی تھیں اور چہرہ گلنار ہو رہا تھا جب کہ ایلی نور کی آنکھوں میں فاتحانہ چمک کوند رہی تھی۔ میں نے اندر جاتے ہی اخبار ایلی نور کی گود میں ڈال دیے۔

"اخبار بعد میں پڑھنا، فی الحال یہاں سے روانگی کی تیاری کرو۔"

میں نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔ میرے اس ناگہانی اعلان پر وہ دونوں ہی حیران نظر آتے تھے۔

"اولینی کی نیت میں فتور آ گیا ہے، منیجر اس سے ملا ہوا ہے" میں نے کہا "اولینی ہوٹل ڈی فرانس پہنچنے کے بجائے کہیں روپوش ہو گیا ہے اور منیجر ہماری کڑی نگرانی کرا رہا ہے۔ ہماری ٹپ پا کر ایک بیرے نے مجھے منیجر کے گندے عزائم سے آگاہ کیا ہے اور ڈی فرانس میں نے فون کیا تھا۔"

"لیکن ہم کہاں جائیں گے؟" سلطان شاہ نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے سوال کیا۔ ایلی نور مسہری کے نیچے سے ڈالروں سے بھرا ہوا بیگ نکال رہی تھی۔

"ہم اپنے پروگرام پر عمل کریں گے۔" میں نے کہا "ایلی نور کوئی فلیٹ کرائے پر لے کر ہمیں اپنے مہمانوں کے طور پر ساتھ رکھے گی یا پھر ہمیں کسی پارک کی بنچوں پر رات گزارنا ہو گی۔"

"وقت ہو تو میں یہاں سے دو چار فون کر لوں۔" ایلی نور کی آواز میں ہیجان پیدا ہو گیا تھا "تم شروع سے ہی اس کم بخت اولینی کی طرف سے بدکے ہوئے تھے اور اب آخر کار وہ سامنے آ ہی گیا۔"

"میرا بس چلے تو میں لفٹ کے بجائے کھڑکی سے کود کر نکل جاؤں۔" میں نے کہا "یہاں ہر لمحہ بھیانک خطرہ ہے، یہ ہوٹل کسی بھی وقت ہمارے لیے موت کا پنجرہ بن سکتا ہے۔"

ایلی نور نے پھرتی سے رقم کا تھیلا اٹھا لیا، اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی سامان نہیں تھا اس لیے ہم تینوں فوراً ہی کمرے سے راہداری میں نکل آئے۔ مجھے منیجر نے بتا دیا تھا کہ اس کا کوئی آدمی قریب رہ کر ہماری نگرانی کر رہا تھا، اس لیے وہ شخص میری نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکا جو کم و بیش ہمارے ساتھ ہی ایک قریبی کمرے سے برآمد ہوا تھا۔

اس کے چہرے پر کسی خانگی جاسوس جیسی روایتی یتیمی طاری تھی۔ کوٹ کی اوپری جیب میں دو قلم لگے ہوئے تھے جن کے پیچھے نوٹ بک اڑسی ہوئی تھی تاکہ باز پرس کرتے ہوئے عین وقت پر قلم کاغذ کی تلاش میں نہ دوڑنا پڑے۔ اس وقت لفٹ فلور پر نہیں تھی لہٰذا اسے ہمارے ساتھ ہی رکنا پڑا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس کا مضحکہ اڑانے کی نیت سے دانت نکال دیے۔ وہ ویسے تو ہم تینوں سے نظریں چرا رہا تھا لیکن میرے دانت نکالنے پر جوابی انداز میں اسے بھی مسکرانا پڑ گیا۔ اس کے لب مسکرائے تھے لیکن باقی چہرے پر تشویش کے آثار بدستور منجمد تھے۔

اسی لمحے خالی لفٹ فلور پر آ گئی اور میں نے اندر داخل ہوتے ہی پورے اعتماد کے ساتھ مضبوطی سے اس کے داہنے شانے پر ہاتھ رکھ دیا "ہمارا پیچھا کرنے سے پہلے منیجر سے مشورہ کر لینا۔ ہم دشمن کے شانوں کو بلا توقف کھوپڑی کے وزن سے آزاد رکھنے کے عادی ہیں..."

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" اس کی انگریزی قابلِ رحم اور لہجہ خالفانہ تھا "میں کسی کا پیچھا نہیں کر رہا، حجامت خانے جا رہا ہوں، پتا نہیں تم کون ہو اور کیا بکواس کر رہے ہو۔"

"یہ حرام مونچھیں ضرور ترشوا لینا۔" میں نے مضحکانہ انداز میں اس کی بل ہوئی داہنی مونچھ کو چھو کر کہا "ورنہ منیجر انہی کے سہارے تمھیں لٹکا دے گا۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اس کے شانے سے ہاتھ ہٹا لیا۔

"ماروں اسے؟" سلطان شاہ نے اردو میں سوال کیا۔

میں نے آنکھ کے اشارے سے اسے روک دیا اور اسی لمحے لفٹ گراؤنڈ فلور پر رک گئی، دروازہ کھلتے ہی وہ بھڑک کر سب سے پہلے باہر نکلا تھا، جیسے اسے لفٹ کے دھنسنے کا خوف رہا ہو۔ لفٹ سے نکل کر وہ بجلی کی سی سرعت کے ساتھ منیجر کے کمرے والی راہداری کی طرف لپکا تھا اور پلٹ پلٹ کر ہمیں بھی دیکھتا جا رہا تھا۔

میرا خیال تھا کہ عجلت اور لوکھلاہٹ میں منیجر اپنے اس خانگی جاسوس کو تبدیل شدہ حکمتِ عملی سے آگاہ نہیں کر سکا تھا ورنہ وہ بے چارہ اس غیر ضروری تذلیل سے ضرور بچ جاتا جو میرے ہاتھوں اسے لفٹ میں سہنا پڑی۔ وہ راہداری میں غائب ہو گیا۔ مجھے یقین تھا کہ اب وہ واپس نہیں آئے گا اس لیے میں ایلی نور اور سلطان شاہ کے ہمراہ بے فکری سے نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔

"یہ کون تھا جس سے تم الجھ رہے تھے؟" ہوٹل سے نکلتے ہوئے ایلی نور نے سوال کیا۔

"خانگی جاسوس جو ہماری نگرانی پر مامور تھا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "ان کا ہر انداز اس قدر فرسودہ اور کتابی ہوتا ہے کہ دور سے پہچانے جاتے ہیں، اب وہ منیجر کے دفتر میں اس سے الجھ رہا ہو گا۔"

"تم نے اس کو چھیڑ کر غلطی کی۔ پہچان لیا تھا تو ہم اسے کہیں بھی جُل دے سکتے تھے۔"

"میں نے اسے وہم میں ڈالا ہے۔" میں نے قریب ہی رکنے والی ٹیکسی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا "جتنی دیر میں وہ منیجر سے بات کر کے لوٹے گا، ہم دور نکل چکے ہوں گے۔"

ہم تینوں کے سوار ہوتے ہی ایلی نور نے ڈرائیور کو کسی مقام کا نام بتایا اور ٹیکسی پیرس کی صاف و شفاف سڑکوں پر پھسلنے لگی۔ ہوٹل والے جاسوس کی طرف سے مجھے کوئی فکر نہ تھی لیکن ذہن پر شی کے کارندوں کا خوف سوار تھا۔ ہم نے ان کی کارروائی سے پہلے ہوٹل چھوڑنے میں کامیابی حاصل کر لی تھی لیکن یہ اندیشہ برقرار تھا کہ کہیں پہلے سے پارک ہوٹل کی نگرانی نہ ہو رہی ہو۔ اولینی کا وہاں سے نکلتے ہی اغوا ہو جانا محض اتفاق نہیں ہو سکتا تھا۔ شام کے اخبارات کی شہ سرخیوں میں بریسٹ کے واقعے کی موجودگی سے یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ شی کے اس بحری اڈے کی تباہی کی خبر ہم سے بہت پہلے پیرس پہنچ چکی تھی جس کے نتیجے میں پیرس میں شی کے کارندوں کا سرگرم ہو جانا بعید از قیاس نہیں تھا۔ اگر ان لوگوں نے اولینی کو پارک ہوٹل میں داخل ہوتے ہوئے پہچانا تھا تو نہ صرف ہم تینوں بلکہ کوسٹر میں موجود سارے آدمی دیکھ لیے گئے تھے اور غالباً وہ بھی اولینی جیسے انجام سے دوچار ہوئے تھے کیوں کہ ان میں سے کسی نے پارک ہوٹل فون کر کے اپنے ٹھکانے سے آگاہ نہیں کیا تھا جب کہ طے یہ ہوا تھا کہ وہ کہیں بھی قیام کرتے ہی پہلی فرصت میں مجھے اپنے ٹھکانے سے آگاہ کریں گے۔

ٹیکسی اس وقت پیرس کی ایک مصروف اور بارونق شاہراہ پر سفر کر رہی تھی جہاں ٹریفک کے اژدہام میں تعاقب کرنے والی کسی گاڑی کا سراغ لگانا ناممکن تھا لیکن اس کے باوجود میری نگاہیں اضطراری طور پر بار بار پیچھے کا طواف کر رہی تھیں اور میں ٹیکسی کے کسی ویران سڑک پر گھومنے کا انتظار کر رہا تھا تاکہ اپنے خدشات کی تصدیق یا تردید کر سکوں لیکن ٹیکسی مسلسل بولیوارڈ سینٹ جرمین پر سفر کر رہی تھی۔

سینٹ جرمین کے اختتام پر سینٹ برنارڈ اسٹریٹ کو عبور کرتی ہوئی جب ٹیکسی دریائے سین کے پونٹ سلی نامی پل کی طرف چلی تو ایلی نور کچھ مضطرب ہو گئی اور اس نے فرنچ میں ٹیکسی ڈرائیور کو ٹوکا۔ اس پر دونوں میں فرنچ زبان میں چند فقروں کا تبادلہ ہوا اور پھر خاموشی چھا گئی لیکن ایلی نور کے چہرے پر اضطراب کی لہریں مچل رہی تھیں۔

"کیا بات ہے؟" میں نے آہستگی سے اس سے انگریزی میں سوال کیا۔

"کچھ نہیں مونسیور!" ایلی نور سے پہلے ہی ٹیکسی ڈرائیور ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں بول پڑا "ہمیں سینٹ مارسل کے علاقے میں جانا ہے جو دریا کے اسی کنارے پر ہے لیکن راستے میں یونیورسٹی کے لڑکے لڑکیوں کا ایک بے لگام جلوس آ رہا ہے، اس لیے میں نے محفوظ راستہ لیا ہے۔ دوسرے پل سے واپس لوٹ کر ہم چند منٹ میں منزل پر پہنچ جائیں گے۔"

"ٹیکسی روک لو۔" میں نے اس کی نیت آزمانے کی غرض سے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"پل پر گاڑی روکنا جرم ہے مونسیور!" ڈرائیور نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا "تمھیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، پیرس کے ٹیکسی ڈرائیور دنیا بھر میں سب سے شریف تسلیم کیے جاتے ہیں۔"

اسی لمحے میرا ماتھا ٹھنک گیا، یقینی طور پر دال میں کچھ کالا تھا اور وہ ہمیں بہلا پھسلا کر اپنے کسی ٹھکانے پر لے جانا چاہ رہا تھا لہٰذا میں نے فوراً ہی جیب سے بیم گن نکال لی۔

"میرے ہاتھ میں بے آواز پستول ہے۔" میں نے سخت تحکمانہ لہجے میں کہا "پل عبور کرتے ہی گاڑی سڑک کے کنارے لگا کر انجن بند کر دو اور ڈرائیونگ سیٹ سے میری طرف کھسک آؤ ورنہ اسی وقت ٹھنڈے ہو جاؤ گے۔"

اس وقت سامنے سڑک صاف تھی، اس نے پل عبور کرتے ہی انتہائی تیزی سے ٹیکسی کو سڑک پر لہرایا اور میرا توازن بگڑنے سے فائدہ اٹھا کر میری بیم گن پر ہاتھ ڈالنا چاہا لیکن میں پوری طرح چوکنا تھا۔ میں نے بیم گن کو بچاتے ہوئے پوری قوت سے اس کے چہرے پر ٹکر ر... کی۔ میرا جوابی حملہ اس کے لیے غیر متوقع تھا اور شاید اس کی آنکھو... کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا کیوں کہ ٹیکسی سڑک پر آڑی ہو گئی لیکن اس سے پیشتر کہ وہ وسطی سبزہ زار کی پختہ منڈیر سے ٹکرا کر الٹتی، میں نے پوری قوت سے ہینڈ بریک کھینچ لیا۔ پچھلے ٹائروں کی پُرشور آواز کے ساتھ ٹیکسی رک گئی اور گاڑی چوتھے گیئر میں ہونے کی وجہ سے انجن دھڑ دھڑ کرتے ہوئے خود بخود بند ہو گیا۔

سڑک اس وقت اتفاقاً صاف تھی لیکن حقیقت میں وہ شہر کی ایک مصروف شاہراہ تھی اور ٹیکسی اس وقت بہت غلط پوزیشن میں رکی تھی لیکن ایلی نور کو مجھ سے زیادہ اس صورتِ حال کا ادراک تھا۔ ٹائروں کی پُرشور آواز بلند ہوتے ہی وہ دروازہ کھول کر نیچے اتری تھی اور ٹیکسی ٹھہرتے ہی ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر گھس آئی اور اپنے جسم کا زور لگا کر نیم بے ہوش ڈرائیور کو بے رحمی سے میری طرف دھکیل دیا۔

وہ سب آناً فاناً میں ہو گیا اور ٹیکسی سڑک پر ایک بار پھر آگے بڑھ گئی۔ اسی اثنا میں ڈرائیور اپنے چہرے پر پڑنے والی ٹکر کے اثرات سے سنبھلا تو میری بیم گن کی نال اس کی پسلیوں میں اڑی ہوئی تھی۔

"تم بچ نہیں سکو گے۔" ڈرائیور بے بسی کے عالم میں غصیلے لہجے میں غرایا "میں نے ریڈیو فون پر نمبر ملایا ہوا تھا۔ یہ ساری بات چیت دوسری طرف سنی گئی ہو گی اور تم چند ہی منٹ میں گھیر لیے جاؤ گے۔"

میں چونک پڑا۔ ڈرائیور کی وہ بکواس ہمارے حق میں مفید تھی۔ کیوں کہ ہمیں آنے والے خطرے کی پیشگی اطلاع مل گئی تھی۔ اس وقت میں نے ایلی نور کی زبان سے پہلی بار ننگی، بازاری گالیاں سنیں جو ٹیکسی ڈرائیور کو دی گئی تھیں اور پھر اس نے ڈیش بورڈ کا ایک سوئچ دبا کر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

ٹیکسی کی اگلی نشست پر اس وقت دو کے بجائے تین افراد موجود تھے۔ ڈرائیور میرے اور ایلی نور کے درمیان پھنسا ہوا تھا اور اپنی... ہرزہ سرائی سے یہ ظاہر کر چکا تھا کہ اس کا تعلق شی سے تھا اور وہ ہوٹل پارک کی نگرانی پر مامور تھا۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ وہ ہم تینوں کو اغوا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا لیکن یہ بات باعثِ تشویش

پیرس میں ہماری آمد کی خبر پھیل چکی تھی اور ہمارے خلاف شی سائل حرکت میں آچکے تھے۔

ایلی نور نے پونٹ سٹی عبور کرتے ہی ٹیکسی بائیں طرف پہلی گلی موڑلی اور پھر دریائے سین کے شمال میں پیرس کی پُرپیچ گلیوں ہمارا سفر شروع ہوگیا۔ ایلی نور ماہرانہ انداز میں ٹیکسی کو تیز رفتاری تنگ گلیوں میں گھمارہی تھی تاکہ ریڈیو فون پر سنی جانے والی گفتگو کے نتیجے میں کسی نے تعاقب کا آغاز کیا ہو تو آسانی سے ہم تک پہنچ سکے۔

"تم نے ریڈیو فون پر کون سا نمبر ملایا ہوا تھا؟" ایلی نور نے ٹیکسی کرتے ہوئے سخت لہجے میں ڈرائیور سے سوال کیا۔

"گاڑی کسی ویرانے کی طرف موڑلو" ڈرائیور کو خاموش پاکر میں شت لہجے میں کہا "اس ولدالحرام کو مار کر کہیں راستے میں پھینک ہمہ اگر یہ بولنے پر آمادہ نہیں ہوتا تو اسے گلے کا ہار بنائے رکھنا ہے۔"

میرے ان الفاظ پر ڈرائیور اس قدر خوفزدہ ہوا کہ اپنی پسلیوں تنی ہوئی نال کی پروا کیے بغیر ایلی نور سے لپٹ گیا۔ اس کی جنونی کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ آخر کار ٹیکسی ایلی نور قابو سے باہر ہو کر کہیں جا ٹکرائے گی۔ وہ بار بار اسٹیئرنگ سنبھالنے کوشش کر رہی تھی مگر وہ مردود وحشی اس کے جسم کے حساس کو نوچے کھسوٹے جا رہا تھا۔ میں نے اسے ایلی نور سے دور ہٹانے کی کرتے ہوئے وارننگ بھی دی لیکن وہ باز نہ آیا تو میں نے اس کی داہنی پسلیوں میں نال اڑا کر ٹرائیگر دبا دیا۔ اس کے بدن کو ایک ہلکا سا جھٹکا وہ یوں ہی ایلی نور کے وجود پر ڈھیر ہوگیا۔ میں نے بے رحمی کے اسے ایلی نور کے بدن سے علیحدہ کیا اور پھر اس کے گرم گرم لیکن بدن کو کسی نہ کسی طرح پائیدان میں ٹھونس دیا۔

"ذرا سی دیر میں ہم ایک ویران سڑک پر نکلیں گے، وہیں اس کی لاش پھینک دینا۔" ایلی نور نے اپنے چڑھتے ہوئے سانسوں پر قابو پاتے ہوئے کہا "راستے میں کسی سے مڈبھیڑ ہوگئی تو اس کی لاش کے بارے میں جواب دہی مشکل ہو جائے گی۔"

"لاش کو گولی مارو۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا "ہمیں اب یہ ٹیکسی ہی چھوڑ دینا چاہیے۔ وہ ہر طرف سے اس ٹیکسی کو گھیرنے کی کوشش کریں گے، اسے چھوڑ کر ہم زیادہ محفوظ رہیں گے۔"

"تم تو آئی مین ہو پھر ان سے کیوں بچ رہے ہو؟" اس نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا لیکن اس کے الفاظ معنی خیز تھے۔

"اس وقت ہمارا ہانکا ہو رہا ہوگا جس میں بالکل نئے لوگ بھی شامل ہوں گے، وہ کیا جانیں کہ آئی مین کیا ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میرے سلور آئی دکھانے کے باوجود وہ مجھے گولی مار دیں۔"

وہ اعصاب زدہ انداز میں ہنس پڑی "عُذر تراشی تو کوئی تم سے سیکھے، تمھیں اب بھی اصرار ہے کہ تم آئی مین ہو؟"

"سلور آئی میری تحویل میں ہونے کے باوجود تم مجھے آئی مین تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہو..... اس کا ایک ہی علاج ہے کہ میں تمھاری روح کو قفسِ عنصری کے جھمیلوں سے آزاد کر دوں یا تمھیں اپنا قیدی بنالوں۔"

"قیدی تو بنا ہی چکے ہو۔" وہ لذّت آمیز انداز میں ہنستے ہوئے بولی "روح اور جسم کے ساتھ ہی دل و دماغ پر بھی تصرّف حاصل کر چکے ہو۔ اس سے زیادہ قید اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس وقت بھی جو چاہو گے، آنکھیں بند کر کے وہی کر گزروں گی۔ اس کے لیے تمھارا آئی مین ہونا یا نہ ہونا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔"

ٹیکسی میں میرے پائیدان میں ایک تازہ لاش پڑی ہوئی تھی اور ایلی نور کے ذہن پر عشق کا بھوت سوار ہو رہا تھا جس سے صرف اور صرف ایک ہی بات ظاہر ہوتی تھی کہ اس کے مزاج میں اذیت پرستی کا کسی نہ کسی حد تک دخل تھا۔ اپنے ساتھ ہونے والے ناگفتہ جسمانی تشدّد کے بعد ٹیکسی ڈرائیور کی موت نے اس کے خوابیدہ احساسات کو بیدار کر دیا تھا اور وہ اچانک میرے ساتھ اظہارِ تعلق پر تل گئی تھی لہٰذا میری دانست میں وہ حقیقت کے اعتراف کا مناسب ترین وقت تھا جو ایلی نور کے حوالے سے میرے لیے بہت زیادہ سازگار تھا۔

"اور اگر میں یہ کہوں کہ میں آئی مین نہیں بلکہ ڈمی ہوں اور میں نے اپنی طاقت کے بل پر ایک آئی مین کو موت کے گھاٹ اتار کر سلور آئی حاصل کی ہے تو تمھارا کیا تاثر ہوگا؟" میں نے کہا۔

"کاش تم یہ کہہ دو۔" وہ ٹیکسی ڈرائیو کرتے ہوئے حسرت آمیز لہجے میں بولی "یہی تو میرا خواب ہے۔ میں یہی سوچتی رہی ہوں کہ کاش! تم اصلی آئی مین نہ ہو اور ایک دن مجھے اپنی بانہوں میں سمیٹ کر مشرق کے ان پُراسرار دھندلکوں میں لے جاؤ جہاں انسان اپنی ذات کو فراموش کر کے ایک طلسم میں ڈوب جاتا ہے۔"

"مشرق فسوں خیز ضرور ہے لیکن اتنا بھی نہیں جتنا تم نے سوچ لیا ہے۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا "زندگی رہی تو تمھیں ادھر بھی لے جاؤں گا کیوں کہ وہی میرا وطن، میری مٹی ہے۔ اسی کے خمیر نے مجھے ڈمی بنایا اور ڈمی آج تمھارے جمی لائیڈ کے خوابوں کا عذاب بنا ہوا ہے۔"

اس نے بے اختیار میرا بایاں ہاتھ تھام کر چوم لیا "آخر اسے تم سے کیا خطرہ ہے؟ وہ تمھارے خون کا پیاسا کیوں ہو رہا ہے؟" اس کا لہجہ سوز اور محبت سے لبریز تھا۔

"اب یہ بھی سن لو کہ اس صدی میں صرف ایک ہی جمی لائیڈ پیدا ہوا ہے۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا "وہی شی کا سربراہ ہے اور وہی کنگ لائنز کا مالک...."

"نہیں!" ایلی نور بے اختیار چیخ پڑی اور اسٹیئرنگ پر اس کے ہاتھ بہک گئے۔

"لیکن اس نے بڑی خوب صورتی کے ساتھ اپنی دونوں شخصیتوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھا ہوا ہے۔ اس کوشش میں وہ اس حد تک کامیاب ہے کہ اس کی جہاز راں کمپنی میں ملازم رہنے والی تم جیسی لڑکی بھی اس پر کسی قسم کا شبہ نہیں کر سکی۔" میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "اس کے دونوں روپ ایک دوسرے سے اتنے متضاد ہیں کہ کوئی ان میں ذرا بھی مشابہت تلاش نہیں کر سکتا۔"

"سب کچھ درست ہے لیکن اس کی پرواز بہت بلند ہے، اس کا تم سے کسی طرح کوئی جوڑ نہیں پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمھاری اور اس کی دشمنی کہاں سے شروع ہوگئی؟"

"ہیروئن کے بارے میں باتیں کرنا یا دو چار کلو کا لین دین کر کے کروڑ پتی بن جانا بہت آسان اور خوشگوار لگتا ہے، شیش محلوں میں رہنے والے آئے دن ہیروئن کی تباہ کاریوں کے بارے میں اخباری بیان جاری کرتے رہتے ہیں لیکن اس کے اثرات بہت کم لوگوں نے دیکھے ہوں گے۔ میں نے بہت نچلی سطح پر ہیروئن کے عادیوں کا عبرتناک حشر دیکھا ہے اور وہیں سے میرے دل میں تنظیم کے خلاف نفرت بیٹھتی چلی گئی۔ وسیع مالی فائدے کے لیے یہ لوگ پوری دنیا میں زہر بیچ رہے ہیں اور پاکستان جیسا غریب ملک بھی ان کا نشانہ بنا ہوا ہے کیوں کہ وہ ہیروئن کی آسان پیداواری منڈی اور گزرگاہ ہے، بس اسی وجہ سے میں نے تنظیم سے الگ ہونا چاہا اور وہ سب میرے خون کے پیاسے ہوگئے۔"

"ایسے دھندوں میں شامل ہونا آسان ہوتا ہے لیکن اس چکر سے نکلنا ناممکن ہوتا ہے۔ کنارہ کشی کی آسان صورت تو یہ ہوتی کہ تم خاموشی سے پاکستان چھوڑ کر کسی دور دراز ملک میں گوشہ نشینی اختیار کر لیتے۔" وہ بولی۔

"یہ میرے ضمیر نے گوارا نہیں کیا۔ میں جو کچھ کر چکا تھا اس کے ازالے کی واحد صورت یہی تھی کہ میں پاکستان میں تنظیم کے مفادات کو ایسی زک پہنچاؤں کہ ان کے لیے اپنی سرگرمیاں جاری رکھنا محال ہو جائے اور میں اپنی کوششوں میں اب تک کامیاب ہوتا رہا ہوں جس کے نتیجے میں وہ ہر قیمت پر مجھے ختم کر دینے کے درپے ہوگئے ہیں۔"

"ایک عالمگیر تنظیم کے سامنے تمھاری بساط ہی کیا ہے۔" وہ جھرجھری لیتے ہوئے بولی "یہ تو ایسا ہی ہے جیسے تم بالٹی سے سمندر خالی کرنے کی کوشش کرو۔ ان کے سامنے ڈٹے رہے تو ایک نہ ایک دن وہ تمھیں زیر کر ہی لیں گے۔"

"شی کا روحِ رواں جمی لائیڈ ہے۔ جس دن میرے ہاتھ اس کی گردن تک پہنچ گئے، اسی دن شی کا شیرازہ بکھر جائے گا۔"

اس وقت ہم گلیوں میں سفر کرتے ہوئے ایک ویران سڑک پر نکل آئے تھے، اس لیے میں نے فوراً ہی موضوع بدلتے ہوئے ایلی نور کو ٹیکسی روکنے کا مشورہ دیا اور اس نے گاڑی کنارے لگا کر روک دی۔

ہم تینوں سرعت کے ساتھ ٹیکسی سے اُترے تھے، رقم کا تھیلا بدستور ایلی نور کی ذمّے داری بنا ہوا تھا۔

"یہ علاقہ تو تمھارا دیکھا بھالا ہوگا۔" میں نے سڑک سے وسیع میدان میں اُترتے ہوئے سوال کیا۔

"ہم غالباً سینٹ ہونور کے آس پاس ہیں۔" وہ گرد و پیش میں نگاہیں دوڑاتے ہوئے بولی "اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو دس پندرہ منٹ بعد ہی ہم ایک پارک کے قریب جا نکلیں گے۔ تمھیں وہاں چھوڑ کر میں کہیں سے بھی فون پر رہائش کا بندوبست کر لوں گی، اس وقت کسی ہوٹل کا رُخ کرنا خطرناک ہو سکتا ہے۔"

"لیکن اس وقت ہمیں یکجا ہی رہنا چاہیے، وہ لوگ شہر میں ہمارے علاوہ گن بوٹ کے عملے کو بھی گھیر رہے ہوں گے، تم دور ہی سے پہچان لی جاؤ گی۔"

"ہم تینوں اکٹھے رہے تو زیادہ آسانی کے ساتھ پہچان لیے جائیں گے۔" وہ فکرمندانہ لہجے میں بولی "میری کوشش تو یہ ہے کہ کسی اسٹیٹ بیورو کو فون کر کے ہی معاملات طے کر لوں اور براہِ راست اسے طے شدہ پراپرٹی پر بلا کر کرائے اور کمیشن کی رقم ادا کر دوں تاکہ میرا زیادہ ایکسپوژر نہ ہو۔"

"اگر براہِ راست ایسا کرنا ممکن ہے تو کام بہت آسان ہوگا۔ پبلک فون تو تمھیں کسی اچھے پارک میں بھی مل جائے گا۔" میں نے کہا "وہاں سے ہم اکٹھے مکان کی طرف جا سکیں گے۔"

"ہاں۔ یہ زیادہ بہتر ہوگا۔" اس نے کہا اور پھر ہم خاموشی کے ساتھ آگے بڑھنے لگے۔ اس وقت میرے ذہن پر بس یہی ایک فکر سوار تھی کہ کسی طرح پیرس میں اپنا قیام مختصر کر کے جلد از جلد جمی لائیڈ کے ٹھکانے کی طرف روانہ ہو سکوں۔

♠

ڈوربیل سنتے ہی میں بُری طرح چونک پڑا۔

سینٹ جرمین کے مہنگے رہائشی علاقے میں دو بیڈ روم کے اس فلیٹ میں آئے ہمیں چند ہی گھنٹے گزرے تھے۔ ایلی نور اور سلطان شاہ خواب گاہوں میں تھے اور میں آراستہ ڈرائنگ روم میں صوفے پر دراز تھا، اس لیے گھنٹی کی آواز پر مجھے ہی بڑھ کر دروازہ کھولنا تھا لیکن گھنٹی کی وہ غیر متوقع آواز میرے اعصاب پر کسی بم کے دھماکے کی طرح

اثر انداز ہوئی اور میں یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ پیرس جیسے اجنبی شہر میں ہمارا کون ساشناسا پیدا ہو گیا تھا۔

اسی لمحے ایلی نور شب خوابی کے باریک لباس پر گاؤن کی ڈوریاں کستی ہوئی باہر آگئی "تم ٹھہرو، میں دیکھتی ہوں کہ کون آیا ہے۔" اس نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"جو بھی ہو اس سے ذرا ہٹ کر بات کرنا۔" میں نے کشن کے نیچے سے بیم گن نکالتے ہوئے کہا "میرے اور آنے والے کے درمیان حائل نہ ہونا تاکہ ضرورت پڑنے پر میں کوئی کارروائی کر سکوں۔"

ایلی نور نے دروازے کے قریب جا کر فرنچ میں سوال کیا جس کا باہر سے جواب دیا گیا اور ایلی نور نے اندر سے دروازے کا بولٹ گرا دیا۔ بولٹ گرتے ہی دروازے کا پٹ خود بخود تیزی سے اندر کھلا تھا۔ شاید آنے والوں نے اس پر طبع آزمائی کی تھی۔

کھلے ہوئے دروازے سے اندر آنے والے پر نگاہ پڑتے ہی مجھے طیش آیا تھا کیوں کہ وہ کرائے پر مکانات دلوانے والی فرم کا وہی دلال تھا جو کچھ دیر قبل ہمیں اس آراستہ فلیٹ میں چھوڑ کر گیا تھا۔ لیکن میرا غصہ زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکا۔ اس کے پیچھے دو قوی ہیکل افراد موجود تھے جن کے ہاتھ سیاہ ادنی کوٹوں کی جیبوں میں پڑے ہوئے تھے۔ اندر گھستے ہی انھوں نے پھرتی کے ساتھ اپنی جیبوں سے پستول نکالے اور ایک نے پلٹ کر دروازہ اندر سے بولٹ کر دیا۔

وہ ساری کارروائی اس قدر سرعت سے ہوئی کہ مجھے بیم گن استعمال کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ میں جتنی دیر میں دلال پر غصے کی لہر پر قابو پانے میں کامیاب ہوا، اتنی دیر میں دونوں نووارد مجھے پستولوں کی زد پر لے چکے تھے۔

"گن پھینک کر ہاتھ اٹھا لو۔" نوواردوں میں سے عینک والے نے انگریزی میں غرا کر کہا "ورنہ کھوپڑی میں روشندان کھول دیا جائے گا۔"

"تم لوگ کون ہو اور میری اجازت کے بغیر اندر کیسے داخل ہوئے؟" ایلی نور نے انگریزی میں احتجاج کرتے ہوئے پراپرٹی ڈیلر کے کوٹ کا کالر دونوں ہاتھوں میں تھام کر اسے جھنجوڑ ڈالا۔

"میں مجبور تھا میڈموازیل!" وہ بے بسی کے ساتھ بولا "اسلحہ کے زور پر کسی بھی شریف آدمی کو مرغ کی طرح بانگ دینے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ یہ لوگ تو مجھے فلیٹ تک ہی لائے ہیں۔"

"اور تم لوگ کون ہو؟" ایلی نور ان کی طرف مڑ کر غرائی۔ میں نے محسوس کیا کہ ان مسلح اجنبیوں کو اپنے سر پر مسلط دیکھ کر بھی وہ قطعاً خائف نہیں ہوئی تھی۔ اس اثنا میں میں نے بیم گن صوفے پر ڈال کر اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیے تھے تاکہ وہ دونوں مجھ پر خصوصی توجہ مرکوز نہ کر سکیں۔

"سوال کرنے کا حق صرف ان کو ہوتا ہے جو بالادست ہوں۔" ستواں چہرے والا غیر معنک شخص گمبھیر لہجے میں بولا "اور اس وقت دو پستولوں کی وجہ سے بالادستی ہمیں حاصل ہے لہٰذا تم کو سوال کرنے کے بجائے جوابات دینے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"

"میں تمھارے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گی۔" ایلی نور تنک کر بولی "مجھے نہیں معلوم تھا کہ آج کل سینٹ جرمین کا علاقہ بھی لفنگوں کی زد میں آیا ہوا ہے۔"

"ہم لفنگے نہیں، کالے گلابوں کے تاجر ہیں اور یہ شعبہ شاید تمھارے لیے بھی اجنبی نہیں ہوگا۔" ستواں چہرے والے نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ کالے گلاب کا حوالہ غالباً شناخت کے طور پر دیا گیا تھا۔

"میں سمجھ گئی۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی "لیکن بل ایتھی کو میری نجی زندگی میں دخل انداز ہونے کا حق کس نے دیا ہے، تم لوگ اس طرح میرے سر پر کیوں سوار ہوئے ہو؟"

"اس کا جواب بل ایتھی ہی دے سکے گا۔ ہم اس کا حکم ماننے پر مجبور ہیں اور اس کی یہ ہدایت ہے کہ تمھیں اپنے ساتھیوں سمیت فوری طور پر پکڑ لیا جائے، شاید تمھارا نام ایلی نور ہی ہے۔" اسی شخص نے کہا۔

"ہاں میں ایلی نور ہوں۔" وہ غصیلی آواز میں بولی "بل ایتھی پیرس والوں کا خدا ہو سکتا ہے لیکن میں اس کی تابع نہیں ہوں، میرا اپنا یونٹ ہے اور میں صرف اسی کو جواب دہ ہوں۔"

"یہ تمھارا اور اس کا معاملہ ہے، ہمیں بتایا گیا ہے کہ بریسٹ کا بیس اسٹیشن تباہ ہو گیا، گن بوٹ لاپتا ہے لہٰذا اس سے تعلق رکھنے والا جو بھی فرد مل سکے اسے تحویل میں لے لیا جائے۔ آج دوپہر تک اولینی اور رمیراں سمیت کئی آدمی مل چکے ہیں، ان کے بیان کے مطابق تم دو اجنبیوں کے ساتھ لاپتا تھیں، سنا ہے کہ ایک آدمی تم تک پہنچ گیا تھا مگر اسے ہلاک کر دیا گیا، یہاں ایک تو نظر آ رہا ہے تمھارا دوسرا ساتھی کہاں ہے؟"

"میں تمھارے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گی۔ بل ایتھی کو جو کچھ معلوم کرنا ہے، خود یہاں آ کر مجھ سے معلوم کرے۔" ایلی نور واقعی برہم نظر آنے لگی تھی۔ ان دونوں کی گفتگو سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ بل ایتھی شاید پیرس میں شی کی مقامی تنظیم کا سربراہ تھا۔

"ایسی صورت میں ہم تمھیں زبردستی لے جائیں گے۔" وہ کسی خاص ردِ عمل کا مظاہرہ کیے بغیر بولا "ہمیں یہی بتایا گیا تھا کہ ہوٹل سے فرار کے بعد تم کہیں نہ کہیں کرائے کا مکان لینے کی کوشش کرو گی اور تم دیکھو کہ ہم تمھارے پراپرٹی ڈیلر کے ذریعے چند ہی گھنٹوں میں تم تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔"

"تم لوگ سخت بے احتیاطی کے مرتکب ہو رہے ہو۔" میں نے حالات سے بے پروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سخت لہجے میں کہا "تم لوگ وہی کرو گے جس کی تمھیں ہدایت ملی ہے لیکن آپس کی گفتگو میں یہ غیر آدمی کیوں شامل کیا گیا ہے؟" میرا اشارہ پراپرٹی ڈیلر کی طرف تھا۔

"تم نے غور نہیں کیا کہ اس کے ہاتھ نہیں اٹھوائے گئے۔" اس نے میری بات کا مضحکہ اڑانے کے بجائے سنجیدگی سے کہا "یہ اپنے پیشے سے مجبور ہے اور غیر ضروری بکواس کرنے کا عادی ہو گیا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ ہمارے لیے کام کرتا ہے اور تمھاری بدقسمتی کہ تمھیں بھرے شہر میں یہی ایک پراپرٹی ڈیلر نظر آیا تھا، تم اس خاتون کو سمجھاؤ کہ ہمیں تشدد کرنے پر مجبور نہ کرے۔

"تم غسل خانوں اور کمروں میں تیسرے کو تلاش کرو۔" عینک والے نے پراپرٹی ڈیلر سے کہا اور وہ سیدھا سلطان شاہ کے کمرے کی طرف بڑھ گیا جس کا دروازہ ادھ کھلا تھا۔

وہ شخص کمرے کے دروازے پر پہنچا ہی تھا کہ فیوز اڑنے کی ہلکی سی آواز کے ساتھ فلیٹ میں گھور اندھیرا چھا گیا۔ لمحے بھر کے لیے میری کچھ سمجھ میں نہ آ سکا لیکن سلطان شاہ کے کمرے کی طرف سے پراپرٹی ڈیلر کی گھٹی گھٹی غراہٹ سنتے ہی مجھے ہوش آ گیا۔

"جو جہاں ہے وہیں ٹھہرے ورنہ میں بے دریغ گولی مار دوں گا۔" ان دونوں میں سے ایک کی بوکھلائی ہوئی آواز ابھری اور میں نے بیم گن سنبھال کر اسی پر جست لگا دی، اتنی دیر میں ایلی نور اس کے ساتھی سے لپٹ پڑی تھی اور اندھیرے فلیٹ میں اچھی خاصی ہڑبونگ پھیل گئی تھی جس میں ہمیں پیش رفت کا فائدہ حاصل تھا۔

میں نے حملہ آور ہوتے ہی اپنے حریف کی گردن اپنی بغل میں دبوچی تھی اور پھر بیم گن اس کے پیٹ میں پسلیوں کے اختتام پر گاڑ کر ٹرائیگر دبا دیا۔ ایسا کرتے ہوئے میں نے اپنے ہاتھ کو کئی سمتوں میں جنبش دی تھی تاکہ وہ مہلک شعاعیں ایک ہی وار میں اس کے سارے اعضائے رئیسہ کو خاکستر کر دیں اور ہوا بھی یہی، کیوں کہ اسی لمحے وہ کسی بے جان بوجھ کی طرح میری گرفت میں جھول گیا اور میں نے آہستگی سے اسے فرش پر ڈال لیا۔

اس سے نمٹ کر میں نے ایلی نور کا ہاتھ بٹانے کا ارادہ کیا تو پتا چلا کہ سلطان شاہ پہلے ہی وہاں پہنچ چکا تھا اور وہ دونوں مل کر اپنے شکار کی درگت بنا رہے تھے جب کہ پراپرٹی ڈیلر نہ جانے کہاں غائب تھا۔

"کمال ہے، ایک آدمی تم دونوں کے قابو میں نہیں آ رہا۔" میں نے نیچی آواز میں ہانک لگائی "یہ دھما چوکڑی جلد ختم کرو ورنہ نچلی منزل والے بوکھلا کر اوپر آ جائیں گے۔"

"تم فکر نہ کرو، نچلی منزل کا فلیٹ غیر آباد پڑا ہوا ہے۔" چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان ایلی نور کی آواز آئی "ہم اسے زندہ پکڑنے کی فکر میں ہیں۔"

پھر یکلخت اندھیرے میں ساری آوازیں معدوم ہو گئیں اور بس کسی کے گھٹتے ہوئے بھاری سانسوں کی گونج فضا میں باقی رہ گئی، شاید ان دونوں نے اپنے شکار کو زیر کر لیا تھا اور سلطان شاہ اس کا گلا دبا کر اسے بے ہوش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے جیب سے ماچس نکال کر دیا سلائی جلائی تو میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ اس وقت تک سلطان شاہ نووارد کے سارے کس بل نکال کر اسے بے حس و حرکت کر چکا تھا۔

"بورڈ تلاش کر کے فیوز باندھو۔" سلطان شاہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "میں ٹیبل لیمپ کے بلب میں سے سکہ الگ کرنے جا رہا ہوں۔"

"تو یہ فیوز تم نے اڑایا تھا؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔ گڑبڑ کا احساس ہوتے ہی میں نے ٹیبل لیمپ کا بلب نکال کر اس کے کیپ پر ایک سکہ رکھ کر بلب دوبارہ ہولڈر میں لگا دیا تھا پھر بات بڑھتے ہی میں نے ٹیبل لیمپ کا سوئچ آن کیا تو سکے کی وجہ سے فیوز اڑ گیا۔ مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ پورے فلیٹ میں ایک ہی مشترکہ فیوز رہا ہوگا۔"

"باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی، پہلے روشنی کا بندوبست کرو۔" میں نے کہا اور دوسری دیا سلائی جلا کر ایلی نور کے اشارے پر سوئچ بورڈ کی طرف بڑھ گیا جس کے محل وقوع سے صرف ایلی نور ہی واقف تھی، فیوز باندھنے کے لیے اندھیرے میں تار تلاش کرنا دشوار تھا لہٰذا میں نے سگریٹ کے پیکٹ کی پنی گرپ میں لگا کر اسے واپس فیوز شو میں بٹھا دیا اور فلیٹ میں روشنی بحال ہو گئی۔

اس وقت ڈرائنگ روم کی حالت ابتر تھی۔ ایلی نور کے جسم سے نائٹ گاؤن اتر گیا تھا جو اس نے آراستہ فلیٹ کے وارڈ روب سے نکالا تھا۔ شب خوابی کا لباس بھی کئی جگہ سے پھٹ گیا تھا۔ اپنے بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ اس وقت وہ اکھاڑے سے نکلی ہوئی پہلوان نظر آ رہی تھی۔ میرے شکار کی جھلسی ہوئی لاش قالین پر کسمپرسی کے عالم میں پڑی ہوئی تھی، اس سے ذرا دور دوسرا نووارد ایک گٹھڑی کی صورت میں بے حس و حرکت پڑا گہرے گہرے سانس لے رہا تھا، اس کا چہرہ کئی جگہ سے زخمی تھا اور داہنی آنکھ نیلی ہو کر سوج گئی تھی۔

"اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اس کے دونوں ہاتھ پشت پر باندھ دو۔" ایلی نور کو یہ ہدایت دیتے ہوئے میں سلطان شاہ کی خواب گاہ کی طرف بڑھ گیا، جہاں وہ قالین پر بے سدھ پڑے ہوئے پراپرٹی ایجنٹ کو ہلا جلا کر اس کی حالت کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔

اندر قدم رکھتے ہی میری چھٹی حس نے موت کی بُو سونگھ لی، میں نے بڑھ کر پراپرٹی ایجنٹ کی نبضیں ٹٹولیں تو وہ موت کی اتھاہ وادیوں میں ڈوب چکی تھیں جب کہ بظاہر اس کے جسم پر کسی ٹوٹ پھوٹ کے آثار نہیں تھے اور نہ ہی سلطان کے کمرے سے زیادہ دھینگا مشتی کی آوازیں سنائی دی تھیں۔

"یہ مر چکا ہے۔ کیا کیا تھا تم نے اس کے ساتھ؟" میں نے سلطان شاہ کو گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"شاید اشتعال میں زوردار ہاتھ پڑ گیا ہوگا۔ میں نے اس کی گردن پر کراٹے کا وار کیا تھا۔" اس نے ندامت کے کسی احساس کے بغیر کہا۔

"پھر اس کی گردن ہی ٹوٹی ہوگی۔" میں نے کہا "اب اس میں کچھ نہیں رکھا۔ دوسری لاش ڈرائنگ روم میں پڑی ہے، اب انھیں چھپانے کی کوشش کرو، کوئی اور نکل آیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

"دونوں کو مسہری کے نیچے ٹھونس دوں گا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اس واقعے کے بعد ہم اب یہاں سے نکلنے کی ہی سوچیں گے۔" اس نے تائید طلب لہجے میں کہا اور میں سر ہلاتے ہوئے باہر آگیا۔

وہاں ایلی نور بڑی محنت سے اپنے کام میں مصروف تھی، قیدی کے ہاتھ اس کی پشت پر باندھنے کے لیے اس نے گاؤن کی مضبوط اور خوب صورت ڈوری استعمال کی تھی۔ میں اس کی کارروائی کا جائزہ لیتے ہوئے سگریٹ سلگا کر صوفے پر نیم دراز ہوگیا۔

ہم پر وہ ناگہانی افتاد جس غیر متوقع انداز میں نازل ہوئی تھی، اسی تیزی کے ساتھ نمٹ بھی گئی تھی اور نوواردوں میں سے ایک نے مرنے سے پہلے یہ بھی بتا دیا تھا کہ پراپرٹی ایجنٹ بذاتِ خود شی کا جز وقتی کارندہ تھا اور ایلی نور نے رہائش کی فراہمی کے لیے انجانے میں اسی کا انتخاب کیا تھا جب کہ اس وقت شی سے تعلق رکھنے والے کتے بھی شہر میں ہم تینوں کی بُو سونگھتے پھر رہے تھے۔

پراپرٹی ایجنٹ نے ہمیں فلیٹ کا قبضہ دیتے ہی یقینی طور پر ان دونوں پر اپنے شبہے کا اظہار کیا ہوگا اور پھر ان تینوں نے ہی فلیٹ پر چڑھائی کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اگر اس راز سے وہی تینوں واقف تھے تو ہمارے سر سے ہر خطرہ ٹل چکا تھا اور ہم وہیں ٹھہر کر سکون کے ساتھ اپنے اگلے پروگرام کی منصوبہ بندی کرسکتے تھے بصورتِ دیگر ان کی واپسی میں تاخیر ہونے کی صورت میں ان کے مددگار زیادہ قوت اور نفری کے ساتھ کسی بھی لمحے ہم پر حملہ آور ہوسکتے تھے۔

"یہ بل ایتھی کیا بلا ہے؟" ایلی نور کے فارغ ہوجانے پر میں نے اس سے سوال کیا۔

"پیرس میں شی کا سربراہ ہے اور اس قدر بد طینت آدمی ہے کہ اس سے یہاں کے جرائم پیشہ لوگ بھی پناہ مانگتے ہیں لیکن پولیس اور دوسرے سرکاری محکموں میں رسوخ کا یہ عالم ہے کہ کوتوالیوں میں مہمان کے طور پر عزت کے ساتھ بلایا جاتا ہے اور جو کچھ کہہ دے، اس پر من و عن یقین کرلیا جاتا ہے۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

"اس سے تمھاری اتنی زیادہ واقفیت کیسے ہوگئی؟"

"ایک بار اپنے چند دوستوں کے ساتھ بریسٹ والی سمندری کھاڑی میں آبی پرندوں کا شکار کھیلنے آیا تھا تو کئی دن تک بیس اسٹیشن پر ٹھہرا تھا، وہیں ملاقات ہوئی تھی۔ نگاہوں کا بھی بہت گندا ہے۔ ہر عورت کو حریص اور لبھانے والی نظروں سے دیکھنے کا عادی ہے۔ مجھے تو اس کی صورت ہی سے چڑ ہوگئی تھی۔"

اسی اثنا میں سلطان شاہ آیا اور بیم گن کے شکار کی لاش کو قالین پر گھسیٹتے ہوئے اپنی خواب گاہ کی طرف لے جانے لگا۔

"مُردے ڈھونے کے بہانے مجھے اپنی توانائی کی بحالی کا احساس ہو رہا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے خوش دلی کے ساتھ کہا۔

"تم لوگ بہت عجیب ہو۔" ایلی نور جھرجھری لے کر بولی "لاشوں کی موجودگی میں بھی ہنس لیتے ہو۔۔۔ میں تو ہفتوں اس منظر کو نہ بھول سکوں گی۔"

"سلطان دو عدد لاشیں اپنی مسہری کے نیچے ٹھونسے گا، اور پھر اسی مسہری پر سکون سے رات گزارے گا۔ دشمنوں سے انتقام لینے کی یہ لذت بڑی عجیب ہوتی ہے۔ ہم ذرا بھی چوکے ہوتے تو ہمارا حشر شاید ان سے بھی بُرا ہوا ہوتا۔" میں نے کہا "اب تم اس کے منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے دے کر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرو تاکہ اس کے بیان کی روشنی میں ہم یہاں ٹھہرنے یا فوری روانگی کے بارے میں کوئی فیصلہ کرسکیں۔"

"میری دانست میں تو یہاں سے نکل چلنا ہی بہتر ہوگا۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی اور کچن سے ٹھنڈے پانی کی بوتل لا کر بے ہوش قیدی کے منہ پر چھینٹے مارنے لگی۔

میری تیسری سگریٹ ختم ہونے سے پہلے ہی وہ ہڑبڑا کر ہوش میں آگیا۔ اس کے چہرے پر اذیت کے آثار ضرور نمایاں تھے مگر آنکھوں سے دہشت کے بجائے نفرت جھانک رہی تھی۔

میں نے قریب جا کر اس کے بالوں کو تھام کر ایک ہلکا سا جھٹکا دیا اور وہ ایلی نور کو بھول کر مجھے گھورنے لگا۔ اس کے تیوروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اگر اس کے ہاتھ بندھے ہوئے نہ ہوتے تو وہ نتائج کی پروا کیے بغیر مرنے مارنے پر تل گیا ہوتا۔ اس کے منہ میں حلق تک کپڑا بھر دیا گیا تھا لہٰذا وہ کوئی آواز بھی نہ نکال سکا۔

"تم پوری طرح بے بس ہو چکے ہو۔" میں نے اس کی لاتوں کی زد سے بچ کر قالین پر اکڑوں بیٹھتے ہوئے کہا "تمھارے دونوں ساتھی مارے جا چکے ہیں۔ یہ تمھاری خوش نصیبی ہے کہ ایلی نور جیسی حسین عورت سے زور آزمائی کرکے زندہ بچ گئے ہو۔ اگر تم نے ہمارے سوالات کے سیدھے سیدھے جوابات دیے تو فائدے میں رہو گے ورنہ اپنے ساتھیوں سے جا ملو گے۔"

اس نے غصّے اور بے بسی کے ساتھ اپنے سر اور گردن کو تیزی سے جھٹکے دیے، مطلب شاید یہی تھا کہ دہانہ آزاد ہوئے بغیر وہ کچھ بھی نہ کہہ سکے گا مگر میں نے اس کی آنکھوں میں خون کی پیاس دیکھ لی تھی۔

"یہ بیم گن ہے۔" میں نے اپنا وہ نادر ہتھیار جیب سے نکال کر اس کی نال پیتل کے ایک آرائشی گلدان کی طرف کرتے ہوئے کہا "یہ پلک جھپکتے میں ہر چیز کو جلا کر خاک کر دیتی ہے۔"

میں نے آہستگی سے ٹریگر دبایا اور موت کی نیلی شعاعوں نے اس گلدان میں آر پار سوراخ کر دیا۔ "اس کا شکار ہونے والے کو اپنا سانس بھی پورا کرنے کی مہلت نہیں ملتی۔" میں نے ٹریگر پر سے انگلی کا دباؤ ختم کرتے ہوئے کہا "میں تمھارے منہ سے کپڑا نکال رہا ہوں۔ اگر تم نے شور مچانے کی کوشش کی تو یہ شعاعیں تمھارے سینے کو جلا کر راکھ کر دیں گی۔"

وہ بہت بے خوف آدمی تھا یا اس وقت اشتعال کی وجہ سے پاگل ہو رہا تھا کیوں کہ میری دھمکی کے باوجود اس کے چہرے کے تاثرات نہ بدل سکے اور اسی لمحے میرے ذہن میں ایک نئی تجویز جنم لے بیٹھی۔

وہ تینوں فلیٹ میں آئے، خونریز تصادم ہوا اور ان میں سے دو مارے گئے لیکن اس پورے واقعے میں مجھے سلور آئی کو آزمانے کا موقع نہیں مل سکا تھا جب کہ اپنے بارے میں بل ایتھی کی معلومات کی گہرائی جانچنے کے لیے وہ چال ضروری تھی۔

"تم خودکشی کے راستے پر چل رہے ہو۔ اپنے دماغ کو ٹھنڈا رکھو گے تو بہت دن جی سکو گے۔" میں نے نرم لہجے میں کہا "بل ایتھی ایک نیم دیوانہ آدمی ہے جو میرے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہوگیا ہے جب کہ میں آئی مین ہوں۔" یہ کہتے ہوئے میں نے جیب سے نقرئی آنکھ والا وہ پُراسرار طلائی سکہ نکال کر اس کے سامنے کر دیا اور وہ بے اختیار قالین پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

سلور آئی دیکھتے ہی اس کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا اور ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔ اس کا وہ ردِعمل اس قدر اضطراری اور حقیقی تھا کہ میں نے اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر اس کے منہ میں ٹھونسا ہوا کپڑا نکالنا شروع کر دیا۔

منہ صاف ہوتے ہی اس پر شدید کھانسی کا دورہ پڑا تھا، چند ثانیوں بعد اسے سکون نصیب ہوا تو وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا تھا۔

"میں معافی چاہتا ہوں چیف، مجھے معلوم نہیں تھا کہ بل ایتھی یوں مکاری سے کام لے کر ہمیں تمھارے مقابل کھڑا کردے گا۔"

"مجھے پوری بات بتاؤ، یہ سب کیسے ہوا اور اس کی ہدایات کیا تھیں؟" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ ایلی نور نے میری اس کارروائی اور اس کے حوصلہ افزا ردِعمل کو بہت حیرت سے دیکھا تھا۔

"یہ تو تمھیں بھی معلوم ہوگا کہ رات بریسٹ کا ایک نیول بیس تباہ کر دیا گیا۔ اس کے بعد سے گن بوٹ بھی لاپتا تھی پھر آج شہر بھر میں آدمی پھیلا دیے گئے تاکہ گن بوٹ کے عملے کا کوئی فرد نظر آئے تو اسے بل ایتھی تک پہنچا دیا جائے، اس مہم کے نتیجے میں گن بوٹ کے عملے کے کئی آدمی ہاتھ لگے۔ انھوں نے کیا بتایا، یہ صرف بل ایتھی جانتا ہے۔" وہ رُک رُک کر بول رہا تھا اور اس کے لہجے میں غصّے کے بجائے حلیمی پیدا ہوگئی تھی "پھر معلوم ہوا کہ ایلی نور اور اس کے دو ساتھیوں نے بل ایتھی کے ایک آدمی کو ہلاک کر دیا۔ اسی وقت ہمیں تم تینوں کو تلاش کرنے اور زندہ یا مردہ پکڑنے کے احکام ملے تھے۔"

"تمھیں میرے بارے میں کیا بتایا گیا تھا؟" میں نے سوال کیا۔

"خاص طور پر تو کچھ بھی نہیں کہا گیا تھا لیکن بل ایتھی نے یہ ضرور بتایا تھا کہ ایلی نور کا ایک ساتھی جعلی آئی مین بنا پھر رہا ہے لیکن میں سلور آئی اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد اس خرافات پر کیسے یقین کرسکتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ بل ایتھی کو کوئی سنگین غلط فہمی ہوئی ہو یا اسے خود ہی غلط اطلاع ملی ہو۔"

"بل ایتھی کو یہ علم ہے کہ تم نے ہمارا سراغ لگا لیا ہے؟" میں نے سپاٹ لہجے میں وہ اہم سوال کر ڈالا۔

"راجر نے جب ہمیں تم لوگوں کے بارے میں بتایا تو سچی بات ہے کہ اس پر اعتماد ہونے کے باوجود ہمیں یقین نہ آیا کہ تم لوگ اتنی آسانی سے خود ہی آ پھنسو گے، اس لیے ہم کسی کو مطلع کیے بغیر راجر کے ساتھ سیدھے ادھر چلے آئے۔ مجھے شبہ بھی ہوتا کہ ہم ایک عظیم آئی مین کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کرنے جا رہے ہیں تو میں ہرگز ادھر کا رُخ نہ کرتا۔"

"ہم لوگوں کو کہاں پہنچانے کا پروگرام تھا؟"

"بل ایتھی کی حویلی ہی لے جاتے کیوں کہ جب کوئی مہم درپیش نہ ہو تو وہ عموماً وہیں رنگ رلیاں مناتا رہتا ہے۔"

"گن بوٹ کے عملے کے دوسرے لوگ بھی وہیں لے جائے گئے ہوں گے؟"

"مجھے کچھ علم نہیں۔۔۔ ان کے بارے میں مجھے اڑتی اڑتی خبریں ملی ہیں۔" اس نے رُک کر تھوک نگلتے ہوئے اپنا حلق تر کرنے کی کوشش کی پھر خوشامدانہ لہجے میں بولا "میرے حلق میں کانٹے پڑ رہے ہیں، دو بوند

پانی پلا دو تو بڑا احسان ہوگا۔"
"تم اس مہربانی کے مستحق تو نہیں ہو لیکن ایلی نور تمھاری یہ خواہش ضرور پوری کرے گی۔"

"میں تمھارا مجرم ہوں، تم میرے سر پر جوتے بھی لگاؤ گے تو سر جھکا کر پٹتا رہوں گا۔ میں تو تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کسی دن اپنے کسی آئی مین کے سامنے آؤں گا۔"

ایلی نور نے بوتل سے پانی اس کے دہانے میں انڈیلنا شروع کیا اور وہ بے تابانہ انداز میں آدھی بوتل پی گیا۔ "اس کے ہاتھ بھی کھول دو۔" میں نے ایلی نور سے کہا اور اگلے ہی لمحے وہ آزاد تھا۔

"تم واقعی عظیم آئی مین ہو۔" وہ دونوں ہاتھوں سے اپنی کلائیاں مسلتے ہوئے بھرائی ہوئی، احسان مندانہ آواز میں بولا۔ "تم چاہتے تو مجھے سسکا سسکا کر پیاسا بھی مار سکتے تھے... ہم نچلے اور درمیانی درجے کے لوگ اپنے بڑوں پر بلاوجہ ناز نہیں کرتے، ہماری ایک ایک سانس کا دار و مدار تمھاری خبر گیری اور ہمدردی پر ہوتا ہے۔"

بے تحاشا ٹھکائی ہونے کے بعد اس کی جو دُرگت بنی تھی، اس کی بنا پر یہ سوچنا محال تھا کہ وہ اس وقت چاپلوسی کر رہا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ سلور آئی کی زیارت کرتے ہی اس پر شرمندگی اور ندامت کا ایسا بھرپور اخلاقی حملہ ہوا تھا کہ اس کے لیے میرا سامنا کرنا دشوار ہوا جا رہا تھا اور میں دل ہی دل میں اس کے انجام پر ہنس رہا تھا۔

وہ قاتلوں اور موت کے سوداگروں کے گروہ کا ایک کارندہ تھا اور یقینی طور پر اس کا دامن بہتیرے جرائم سے داغ دار تھا۔ اس کے دو ساتھی جہنم واصل ہو چکے تھے، اس لیے اسے بھی ان کے تعاقب میں روانہ ہونا تھا لیکن اپنے بارے میں بل ایتھی اور دوسروں کی لاعلمی کی اطلاع ملنے کے بعد میرے اعصاب پر چھایا ہوا تناؤ ختم ہو چکا تھا اور میں اس سے بتدریج سب کچھ اگلوا کر سکون سے اس پر کاری وار کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

ایلی نور اپنا پھٹا ہوا شب خوابی کا لباس تبدیل کرنے کے لیے خواب گاہ میں چلی گئی اور سلطان شاہ دونوں لاشوں کو ٹھکانے لگا کر میرے پاس آ موجود ہوا تھا۔

"وہ دونوں کہاں ہیں؟" قیدی نے متلاشی نظروں سے فلیٹ کا جائزہ لیتے ہوئے متامل لہجے میں سوال کیا۔

"اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر دونوں ہی نکل بھاگے، تمھاری بدقسمتی تھی کہ گھیر لیے گئے۔" میں نے لطف لینے کی نیت سے کہا اور وہ یک بیک مضطرب ہو گیا۔

"یہ بہت بُرا ہوا۔" وہ بے تابانہ لہجے میں بولا۔ "تمھیں فوراً ٹھکانا تبدیل کر لینا چاہیے کیوں کہ وہ وقت ضائع کیے بغیر پوری تیاری کے ساتھ دوبارہ دھاوا بولیں گے۔ بدقسمتی سے وہ بل ایتھی کی باتوں میں آئے ہوئے ہیں، انھیں تمھارے مرتبے کا علم ہی نہ ہو سکا ہوگا، ان کے لوٹنے سے پہلے تمھیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

"انھیں آنے دو۔ میری شناخت اب تم ہی کراؤ گے... وہ لوگ یہاں تک کیسے پہنچے تھے؟"

"سڑک کے کنارے سُرخ بیجو پارک کی تھی... اس کی چابیاں راجر ہی کے پاس تھیں، وہ اسی کار میں واپس بھاگے ہوں گے اور اس بار وہ براہِ راست بل ایتھی سے کمک لے کر آئیں گے۔"

"گاڑی کا نمبر بتاؤ، میں ان کا بھی بندوبست کیے لیتا ہوں۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ اس نے نہایت سعادت مندی کے ساتھ کار کا نمبر بتایا تھا اور پھر میں اسے اشارہ کرتے ہوئے سلطان شاہ کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

خواب گاہ بالکل صاف پڑی ہوئی تھی۔ سلطان شاہ نے دونوں لاشیں بہت مہارت اور صفائی کے ساتھ چھپائی تھیں۔ وہ اندر جا کر سٹپٹائے ہوئے انداز میں کمرے کے وسط میں کھڑا ہو گیا۔

"مسہری کے نیچے دیکھو۔" میں نے جیب میں بیم گن کے دستے پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے اس سے نرم لہجے میں کہا اور وہ فوراً ہی گھٹنوں کے بل قالین پر جھک گیا۔

نیچے اس [illegible] کچھ دیکھا، اس کے بعد وہ تیزی سے سیدھا ہونا چاہ رہا تھا لیکن میں نے اس کی پشت سے بائیں پہلو پر بیم فائر کی اور وہ کوئی آواز پیدا کیے بغیر وہیں قالین پر ڈھیر ہو گیا۔ اس وقت پہلی بار مجھے گن کی اس خوبی کا احساس ہوا کہ اس سے خونریزی بہت صاف ستھری ہوتی تھی اور قالین گندا ہونے کا خطرہ مول لیے بغیر آسانی سے فائر کیا جا سکتا تھا۔

"اسے یہاں تک کیوں لائے تھے؟" سلطان شاہ نے بُرا سا منہ بنا کر سوال کیا۔

"خود چل کر آ گیا ورنہ تمھیں گھسیٹنا پڑتا۔ اب جلدی سے راجر کی جیب سے بیجو کی چابیاں نکال کر تیسرے کو بھی اندر ٹھونس دو۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "ہمیں آج رات ہی میں کسی وقت یہاں سے نکل جانا چاہیے، صبح تک ان تینوں کی گم شدگی کی وجہ سے نت نئی پریشانیاں جنم لے سکتی ہیں۔"

اسی وقت ایلی نور شعلہ جوالہ بنی ہوئی وہاں آ پہنچی۔ "اوہ! تو تم نے اسے بھی ختم کر دیا!" تیسری لاش پر نظر پڑتے ہی اس کے منہ سے تحیر آمیز آواز نکلی تھی۔

"لیکن تم ہمیں بھی زندہ نہیں رہنے دو گی۔" میں نے ایک ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ "رات کے دو بجے اتنی زبردست تیاری کس کے لیے کی ہے کہ تمھاری طرف نظر بھر کر دیکھنا محال ہو رہا ہے۔"

"میرا اندازہ تھا کہ ہم اسی وقت فلیٹ کو خیر باد کہیں گے، اس لیے شب خوابی کا پھٹا ہوا لباس اتار کر ذرا ڈھنگ کا لباس پہن لیا ہے اور تھوڑی سی سرخی وغیرہ لگائی ہے۔"

"سہولتوں سے آراستہ مکانات کرائے پر ملنے کا ذکر تو میں سنتا آیا تھا لیکن یہ پہلا فلیٹ دیکھا ہے جہاں مکان اور ساز و سامان کے ساتھ لباس بھی کرائے میں شامل ہیں۔" سلطان شاہ بولا۔

"لباس کرائے میں شامل نہیں ہے احمق آدمی۔" ایلی نور خفت آمیز مگر بے تکلفانہ لہجے میں بولی اور میں حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر سلطان شاہ کو دیکھنے لگا جو ایلی نور کے اس طرزِ تخاطب پر پانی پانی ہوا جا رہا تھا اور وہ کہہ رہی تھی۔ "میں نے اپنی ضرورت کے لیے غیر اخلاقی حرکت کرتے ہوئے ایک وارڈ روب میں قفل شکنی کی ہے۔ فلیٹ کا مالک جوڑا دو مہینے کی تفریح پر باہر جاتے ہوئے چابیاں اپنے پراپرٹی ایجنٹ کو دے گیا تھا تاکہ اس مدت میں فلیٹ سے کچھ آمدنی حاصل ہو سکے۔"

"اور اتفاق ہے کہ لباس بھی تمھارے ہی سائز کے ہیں۔" میں نے کہا۔ "لیکن یہ تو بتاؤ کہ تیسرے کی ہلاکت پر تمھیں حیرت کیوں ہو رہی ہے؟"

"میرا خیال تھا کہ تم اسے زندہ رکھو گے۔" وہ سنجیدگی کے ساتھ بولی۔ "سب سے بڑی بات یہ تھی کہ بل ایتھی کی زہر فشانی کے باوجود اس نے تمھیں آئی مین تسلیم کر لیا تھا اور اب وہ بے چون و چرا تمھارے اشاروں پر عمل کرتا اور کچھ نہیں تو پیرس سے نکلنے کے لیے وہ ہمارے ڈرائیور کی خدمات ہی انجام دے لیتا۔"

"اُدھڑے ہوئے ورم آلود چہرے والا ڈرائیور ہوتا تو پولیس خواہ مخواہ ہماری طرف متوجہ ہو جاتی۔ اس سیٹ پر تم براجمان ہو گی تو کوئی رُو کنے کی ہمت نہیں کر سکے گا۔ سُنا ہے کہ فرانسیسی مرد خوبصورت عورتوں کے حق میں بڑے نرم خو ہوتے ہیں۔"

"جس نے میرے کپڑے پھاڑ کر درگت بنائی تھی، وہ بھی فرنچ ہی تھا۔" وہ استہزائیہ لہجے میں بولی۔ "سُنی سُنائی باتیں ہمیشہ خوبصورت ہوتی ہیں مگر تجربات تلخ ہوتے ہیں۔"

وہ لباس تبدیل کر کے اپنا حلیہ درست کر چکی تھی۔ مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ ہم دونوں بھی مقدر آزمائیں، ہم دونوں کے جسم کم و بیش یکساں تھے اور اگر ایک کو لباس فٹ آ جاتا تو دوسرے کا کام بھی بن سکتا تھا۔

ایلی نور والی خواب گاہ زنانی تھی اور وہاں کی الماری میں سارے ہی زنانے ملبوسات تھے۔ اس لیے میرے ایما پر ایلی نور نے ایک تار کی مدد سے سلطان شاہ والی خواب گاہ کی دیوار گیر چوبی الماری کے قفل پر طبع آزمائی کی تو دروازہ کھلتے ہی طبیعت خوش ہو گئی اور ایلی نور فخریہ انداز میں اٹھلاتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

"کیا بات ہے، وہ تم سے بڑے لاڈ سے بات کر رہی تھی۔" میں نے الماری میں سے اپنے لیے لباس منتخب کرتے ہوئے معنی خیز لہجے میں سلطان شاہ سے پوچھا۔

"تم سے نگاہ بچا کر صبح سے مجھے چڑانے پر تُلی ہوئی تھی۔" وہ مجھ سے نظریں چراتے ہوئے جھینپی ہوئی آواز میں بولا۔ "جب تم پارک ہوٹل سے اخبارات لینے گئے تو اس نے ہاتھا پائی شروع کر دی تھی۔"

"اور تم اس سے پِٹ گئے ہو گے۔" میں نے اسے خاموش پا کر چھیڑا۔

"پِٹنا کیا تھا، بس اسی وقت سمجھ میں آیا کہ بڑے بوڑھے عورت سے دور رہنے کا مشورہ کیوں دیتے ہیں۔ عورت شرارت پر اتر آئے تو مرد کو اندھا کر دیتی ہے۔"

میں قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ "مجھے معلوم ہوتا کہ وہ تمھاری بینائی پر اس حد تک اثر انداز ہو رہی ہے تو ذرا دیر سے واپس آتا۔ ویسے کسی خوش فہمی میں نہ رہنا۔ یہ مغربی عورتیں بڑی مردمار اور حیلے سے عاری ہوتی ہیں۔ وہ تمھیں تمھارے خول سے باہر نکالنا چاہ رہی تھی اور شاید اس میں کامیاب بھی ہو گئی۔"

"کوئی دوسری بات کرو۔" وہ چڑ کر بولا۔ "اس وقت کی پچویشن یاد کر کے اب اپنے اوپر غصہ آ رہا ہے۔ دیکھنے میں بڑی معصوم اور خوبصورت نظر آتی ہے لیکن ویرا سے بھی کہیں زیادہ آزاد خیال معلوم ہوتی ہے۔"

"ویرا کا نام کہاں سے دیا۔" میں نے اپنے لیے منتخب کیے ہوئے نفیس اونی سوٹ کی پتلون پہنتے ہوئے گہرا سانس لے کر کہا۔ "بیتھام سے وہ ایسی بچھڑی ہے کہ دیکھو اب کہاں ملتی ہے۔"

"لیکن تمھارا عورتوں والا خانہ خالی نہیں رہتا، وہ بچھڑی نہیں تھی کہ ایلی نور چاروں ہاتھ پیروں سے تمھارے سر پر سوار ہو گئی۔ دیکھو، یہ کب تمھارا پیچھا چھوڑتی ہے۔" وہ بے تکلفی کے ساتھ بولا کیونکہ اس وقت ہماری گفتگو اردو میں ہو رہی تھی جو باہر یا دوسرے کمرے میں موجود ایلی نور کے لیے ناقابلِ فہم تھی۔

"یہ زیادہ دن ساتھ رہے گی۔" میں نے قدِ آدم آئینے میں پتلون کی شاندار فٹنگ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "ویسے تم نے صبح کے خریدے ہوئے اخبارات خوب یاد دلائے۔ انھیں تو ہم بھول ہی بیٹھے تھے۔ ان میں بریسٹ کی تباہی کی بڑی پُراسرار کہانیاں چھپی ہوں گی کیونکہ آتش زنی کے باوجود وہاں سے حساس اور پیچیدہ مواصلاتی تنصیبات کے آثار ملے ہوں گے، پھر گن بوٹ کی برتھ بھی سراسر غیر قانونی ہی تھی، اب ہم اخبارات دیکھ کر ہی یہاں سے روانہ ہوں گے۔"

سلطان شاہ نے میرے لباس کی تبدیلی کو رشک آمیز

نگاہوں سے دیکھا اور میں ٹائی کی ناٹ درست کرتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آگیا جہاں رقم کا تھیلا صوفے پر رکھا ہوا تھا اور اخبارات اسی میں اڑسے ہوئے تھے۔ ایلی نور کی گنگنانے کی آواز کچن سے آرہی تھی اور فضا میں چائے کی بھینی بھینی اشتہا انگیز بو پھیلی ہوئی تھی۔

میں نے اخبارات کے بنڈل میں سے واحد انگریزی اخبار نکالا اور اپنے سامنے میز پر پھیلالیا۔ خوف ناک آتش زنی، راکھ بنے ہوئے تین انسانی ڈھانچوں اور تین گولیوں سے چھلنی لاشوں کے حوالے سے اخبارات نے بریسٹ کے ساحلی علاقے میں واقع اس حسین اور ویران وادی کو مجرموں کی جنت قرار دیا تھا جو آپس کی کسی چپقلش کی بنا پر موت کے جہنم میں بدل گئی تھی۔ ساحل پر پختہ برتھ اور تیل اور پانی کی ٹنکیوں کو ماہرین کے علاوہ اخباری نمائندوں نے بھی حیرت سے دیکھا تھا لیکن یہ اندازہ لگانے سے قاصر رہے تھے کہ وہ کس قسم کے خفیہ بحری ٹریفک کے لیے استعمال کی جاتی ہوگی کیونکہ حکام نے ان اطراف میں کسی کو تجارتی یا شوقیہ جہاز رانی کا اجازت نامہ جاری نہیں کیا تھا۔

مختلف ذرائع سے اس حادثے کی اطلاع دینے کے بعد اخباری نمائندے نے یہ رائے قائم کی تھی کہ اس دشوار گزار کھاڑی میں یقینی طور پر بحری قزاقوں کا کوئی مستحکم اور منظم اڈا قائم تھا جس پر قابض ہونے کے لیے دو مضبوط گروہوں میں خون ریز تصادم ہوا جس کے نتیجے میں نہ صرف جانی اتلاف ہوا بلکہ دونوں متحارب گروہوں کو لاشیں چھوڑ کر وہاں سے فرار ہونا پڑا کیونکہ جنگلات میں بھڑکنے والے ہولناک شعلے میلوں دور آبادیوں میں بھی دیکھے گئے اور پھر آگ بجھانے والی امدادی پارٹیاں رات گئے وہاں پہنچنا شروع ہو گئیں۔

پوری کہانی میں حسبِ معمول نہ فتی کا نام موجود تھا نہ ہیروئن کی عالمی تجارت کا تذکرہ تھا جس کے بطن سے وہ ساری ضمنی بلائیں جنم لے رہی تھیں۔

اتنی دیر میں ایلی نور ٹرے میں چائے کے ساتھ کچھ بسکٹ سجا کر لے آئی۔ "بڑے سج رہے ہو۔" اس نے کچن سے نکلتے ہی مجھے دیکھ کر کہا تھا۔

"کپڑوں سے اندازہ ہو رہا ہے کہ یہاں رہنے والا جوڑا اس معاملے میں بہت خوش ذوق ہے لیکن تم میری توقع کے خلاف بہت بدذوق ثابت ہوئی ہو۔" میں نے آخری فقرہ ملامت آمیز لہجے میں ادا کیا تھا۔

"کیا بدذوقی سرزد ہو گئی مجھ سے؟" اس نے چائے کی پیالی میری طرف بڑھاتے ہوئے حیرت سے سوال کیا۔

"تم نے سلطان پر بھی ڈورے ڈالنا شروع کر دیے۔" میں نے اپنے لہجے میں خفگی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

وہ دل کھول کر ہنسی تھی اور جب اس کی کھنکتی ہوئی ہنسی تھمی تو وہ بولی۔ "آخر کار یہ بات بھی اس کے پیٹ میں نہ ٹک سکی۔ وہ ہر وقت اس طرح لیے دیے رہتا ہے کہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بھی خوف آتا ہے لیکن تمہارے جاتے ہی وہ پارک ہوٹل کے کمرے میں خود کو میرے ساتھ تنہا پاکر بوکھلا گیا تھا اور مجھے اس پر حاوی ہونے کا موقع مل گیا۔ تم یقین نہیں کرو گے کہ اس نے مجھ سے اپنا پیچھا چھڑانے کے لیے ہاتھ جوڑ کر دیوار پر اپنی ناک تک رگڑی تھی۔ اگر تم چند منٹ اور نہ آتے تو وہ کمرے سے نکل کر بھاگ گیا ہوتا۔"

"جب وہ خشک بننے کی کوشش کرتا ہے تو تم اسے کیوں چھیڑتی ہو۔ اسے اس کے حال میں مست رہنے دو۔"

"تنہائی میں اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار دیکھ کر مجھے واقعی ایسا محسوس ہوا جیسے اس پر عمر بھر عورت کا سایہ نہ پڑا ہو اور وہ پہاڑ کے انڈے سے پیدا ہوا ہو۔ بس میری رگ پھڑک اٹھی اور اب میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ شادی کے بعد تمہارا دوست اپنی جورو کا مثالی غلام ثابت ہوگا۔"

"چاہو تو تمہارا رشتہ طے کرا دوں اس سے۔ ابھی لباس بدل کر نکلے گا تو دیکھ لینا کہ ہزاروں کی بھیڑ میں الگ نظر آئے گا۔" میں نے فخر آمیز لہجے میں کہا۔ "اس دور میں ایسے سادہ لوح اور مخلص لوگ ملنے محال ہیں۔"

"میں دوسرے ہی نظریات رکھتی ہوں۔" وہ اخبارات کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولی۔ "میرا تو مشاہدہ یہ ہے کہ جذبے مضبوط اور رشتے کمزور ہوتے ہیں ورنہ دنیا میں ہر طرف شادی شدہ مردوں اور عورتوں کی بے وفائی کی کہانیاں عام نہ ہوتیں۔"

وہ بات اس نے کسی خاص مقصد کے بغیر روا روی میں کہی تھی مگر اپنے حالات کے پیشِ نظر میرے دل کو لگ گئی۔ گو غزالہ کے ساتھ میرا کوئی رشتہ قائم نہیں ہوا تھا لیکن دونوں طرف یہ نیت اور ارادہ ضرور موجود تھا جو قانونی نہ سہی، اخلاقی طور پر دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ وفا کرنے کا پابند کرتا تھا لیکن ایلی نور کی بات درست ہو رہی تھی۔ انگلینڈ کی سرزمین پر غزالہ سے بچھڑنے کے بعد میرے دل میں مسلسل ایک آگ سی ضرور بھڑک رہی تھی مگر میرا رویّہ بے اعتدالیوں کے رُخ پر تھا۔ دیرالائیڈ سے ملاقات ہوئی تو اس کی ذات اور خوش کلامی کے سحر میں ڈوب گیا اور اب ایلی نور ملی تو اس نے اپنے طلسم میں گرفتار کر لیا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے غزالہ سے بچھڑ کر میں بالکل بے یار و مددگار رہ گیا ہوں اور میرا کچھ بھی نہیں ہے حتیٰ کہ میرے جذبات بھی خود میرے اپنے نہیں

تھے، جو جاہتی تھی ذرا سی محنت سے نفس کے سانپ کی کنڈلی کے سامنے بین بجاتی تھی اور وہ ہولناک ناگ ایک خوف ناک پھنکار کے ساتھ بیدار ہو کر سارے نیک اور لطیف جذبات کو نگل جاتا تھا اور میرے سامنے صرف اور صرف وہی بین بجانے والی رہ جاتی تھی۔

میری منزل دور مگر بہت صاف اور سیدھے راستے پر تھی لیکن اس راستے میں ہر قدم پر پگڈنڈیاں مل رہی تھیں۔ اس وقت پہلی بار مجھے اپنی ذات پر ندامت ہوئی کہ میں طبیعت کے تجسس اور نفس کی طلب سے مجبور ہو کر پگڈنڈیوں کی سیر کرتا آگے بڑھ رہا تھا۔ مجھے اپنے اس زیاں کا کوئی احساس نہیں تھا جو میرے سفر کی طوالت کے سبب رونما ہو سکتا تھا۔ ہجر کی مدت طویل ہونے لگے تو دلوں کو خود بخود قرار سا آنے لگتا ہے کیونکہ قدرت نے وقت کو انسان کے تمام دکھوں کا مداوا بنایا ہے۔ غزالہ مجھے مردہ تصور کر کے صبر کر سکتی تھی اور صبر کے ان لمحات میں جب وہ اپنے ماضی میں اپنے گھر کے جھروکوں پر نگاہ ڈالتی تو اسے ہر گوشہ تاریک نظر آتا۔ اس کا حرماں نصیب بھائی، کامران ایڈکشن کیور سوسائٹی کے زیرِ سایہ مشکوک سرگرمیوں میں مصروف ایک علاج گاہ میں زیرِ علاج تھا۔ اس کی ماں بیٹی کی جدائی کا داغ اپنے فگار سینے پر لیے موت کی اندھی اور بے رحم وادیوں میں جا سوئی تھی۔ کرنل زردار زیدی یعنی غزالہ کے معصوم باپ نے بیوی کی موت سے کوئی سمجھوتا کرنے کے بجائے خودکشی کر لی تھی اور یوں غزالہ بھری دنیا میں بالکل تنہا رہ گئی تھی۔

وہ ایک لڑکی تھی، لڑکی ہی نہیں، مشرقی لڑکی تھی جو سہاروں کے بغیر زندگی کے کٹھن سفر میں اکثر آبلہ پا یا لہولہان ہو جاتی ہے، وہ کسی بھی مرحلے پر محبت کی خاطر نہیں، محض باعزت زندگی گزارنے کے لیے کسی کا ہاتھ تھام سکتی تھی، کسی کو اپنا سکتی تھی، کسی کو میری جگہ دے سکتی تھی۔ وہ لمحہ گزرنے کے بعد میں کندن ہو کر بھی اس کے سامنے جاتا تو اس کا کچھ بھی نہ ہوتا، اس کے لیے ایک اجنبی ہوتا جس کا نہ کسی پر کوئی حق ہوتا ہے اور نہ مطالبہ۔

انسان کتنا بھی زور آور ہو مگر خیالات شہ زور ہوتے ہیں، جب ان کی لہر چلتی ہے تو ہر انسان بے بس اور مضطرب ہو جاتا ہے۔ اس وقت یہی کچھ کیفیت میری ہوئی اور میں چائے کی پیالی ادھوری چھوڑ کر بے تابانہ انداز میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ میرے دل و دماغ میں اچانک ہی طاغوتی بگولوں نے وحشیانہ انداز میں رقص شروع کر دیا تھا۔

نمناک رات کے سائے ڈھلتے جا رہے تھے اور پیرس کی رات پر تسکان کا عنصر پوری طرح حاوی ہو چلا تھا۔ ایلی نور سُرخ پیجو ڈرائیو کر رہی تھی، میں اپنے خیالات کی چتا میں سلگتا اس کے برابر والی نشست پر خاموش بیٹھا تھا۔ سلطان شاہ نے عقبی نشست سنبھالی ہوئی تھی۔ سنسان سڑک پر اس وقت پیجو کے انجن کی دھیمی اور مسلسل گونج کے سوا کوئی اور آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔

اپنے دشمنوں کی کار میں سفر کا آغاز کرنے سے پہلے ہم نے کار کا اچھی طرح جائزہ لے کر یہ اطمینان کر لیا تھا کہ اس میں بظاہر ایسا کوئی ٹرانسمیٹر یا آلہ موجود نہیں ہے جو کسی کو ہماری نقل و حرکت سے باخبر کرتا رہے۔

ایلی نور کافی دیر تک شست رو دریائے سین کے شمالی کنارے کے ساتھ خوبصورت شاہراہ پر خاموشی سے کار ڈرائیو کرتی رہی پھر اس نے ہی جمود توڑنے میں پہل کی۔ "رات کافی ڈھل چکی ہے، چاہو تو شہر کا ایک چکر لگاتے ہوئے چلیں۔"

"نہیں، سیدھی نکل چلو۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ اس وقت میں ایلی نور سے بے تکلفانہ لہجے میں بات کرنا بھی اپنے ضمیر پر بوجھ سمجھ رہا تھا کیونکہ خیالات کی رو غزالہ کے مصائب میں اُلجھی ہوئی تھی۔

"بہت خوبصورت شہر ہے اور یہ دریائے سین ایک قوس کی شکل میں شہر کو دو حصّوں میں بانٹتا ہوا تینتیس پلوں کے نیچے سے گزرتا ہے۔ تم بھی شاید پہلی بار پیرس آئے ہو، دیکھتے چلو، پھر نہ جانے کب ادھر آنا ہوگا۔" وہ دھیمے دھیمے بولتی رہی۔

"نہیں۔ تفریح کے لیے ساری عمر پڑی ہے۔" میرا لہجہ بالکل خشک اور سرد تھا۔ "رات ہر بڑے شہر میں جرائم پیشہ لوگوں کے لیے ایک آڑ ثابت ہوتی ہے۔ بل ایتھی کے کسی گرگے نے کار پہچان لی تو ہمارے چہرے ناقابلِ شناخت بنا دیے جائیں گے۔"

"تم جس موڈ میں بھی رہو، بات پتے کی کرتے ہو۔" پیچھے سے سلطان شاہ بولا۔ "فلیٹ میں تم اچھے خاصے تھے پھر چلتے چلتے اچانک تم پر خاموشی اور اداسی کیوں طاری ہو گئی؟" اس نے اس بار اردو کا ہی سہارا لیا تھا۔

"اداسی کوئی خود سے طاری نہیں کرتا۔ ان چیزوں کا تعلق دل سے ہوتا ہے، بس اچانک ہی غزالہ کی طرف سے ذہن پریشان ہو گیا ہے۔ وہ نہ جانے کہاں اور کس حال میں ہوگی؟" میں نے بھی اردو ہی میں کہا۔ انگریزی زبان پر خاصی حد تک عبور رکھنے کے باوجود میرا تجربہ تھا کہ جب بات ریاکاری سے ہٹ کر سچے جذبوں کی ہو تو انسان کی اپنی زبان ہی اس کی صحیح عکاسی کر سکتی ہے۔

"وہ مظلوم لڑکی!" سلطان شاہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "مقدر بھی واقعی عجیب ہوتا ہے۔ انگلینڈ میں وہ ملتے ملتے بھی تم سے نہ مل سکی، بظاہر ہمارے راستے الگ ہو گئے ہیں لیکن کچھ پتا نہیں کہ کب کہاں سامنا ہو جائے۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ شاید ایلی نور سے تمہاری کچھ ان بن ہو گئی ہے۔"

"میں نے اپنا نام سُنا ہے" ایلی نور بول پڑی "تم لوگ ایسی کیا باتیں کر رہے ہو جس میں مجھے شریک کرنا نہیں چاہتے؟"

"سلطان شاہ تمھاری تعریف کر رہا ہے" میں نے اسی سپاٹ لہجے میں کہا "میرا خیال ہے کہ آج سے تم اس کا چارج سنبھال لو۔ اسے تربیت کی ضرورت ہے تم یہ کام بہتر طور پر کر سکو گی"

"دو دن میں سدھا لوں گی" وہ کار کی رفتار کم کرتے ہوئے فخریہ لہجے میں بولی "بس تم ہمارے معاملات میں کسی بھی صورت میں دخل انداز نہ ہونا"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن کار کی رفتار کیوں کم کر رہی ہو؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"احتیاطاً" وہ بے پروائی سے بولی "پیچھے کسی کار کے ہیڈ لیمپس نظر آ رہے ہیں۔ اسے آگے نکل جانے کا موقع دے رہی ہوں، مقابلہ شی سے ہو تو چھوٹی سے چھوٹی بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا"

میں نے گردن گھما کر دیکھا تو پیچھے کافی فاصلے سے ایک کار تیزی کے ساتھ لمحہ بہ لمحہ ہمارے قریب آتی جا رہی تھی۔ میں نے اضطراری طور پر اپنے پائیدان میں رکھے ہوئے رقم کے تھیلے میں سے ڈالرز کی چند گڈیاں نکال کر ان دونوں کی طرف اچھال دیں اور دو گڈیاں اپنی جیبوں میں اڑس لیں۔

"یہ کیوں بانٹ رہے ہو؟" ایلی نور نے اپنی گود میں سے رقم اٹھاتے ہوئے سوال کیا۔

"احتیاطاً!" میں نے اسی کے انداز میں کہا اور وہ بے ساختہ ہنس پڑی "ہم پر کوئی برا وقت بھی پڑ سکتا ہے"

"برا وقت آیا تو تم رقم لے کر بھاگ تو نہیں جاؤ گے"

"یہ گڈیاں جیب میں رکھ لو، ہو سکتا ہے کہ کہیں کسی سے تصادم ہو جائے اور ہمیں فرار ہوتے ہوئے یہ تھیلا ساتھ لے جانے کی مہلت ہی نہ مل سکے تو کم از کم بھوکے ننگے تو نہیں رہیں گے!" میرے ذہن پر جمی ہوئی گرد رفتہ رفتہ صاف ہونے لگی تھی اور خطرے کے امکانات سامنے آتے ہی موڈ بحال ہونا شروع ہو گیا تھا۔

پیچھے سے آنے والی تیز رفتار کار ہماری گاڑی کے قریب آ کر زن سے آگے نکلتی چلی گئی اور میں نے دل ہی دل میں اطمینان کا سانس لیا کہ خطرہ ٹل گیا تھا۔ اس اثنا میں ایلی نور نے رقم کی گڈیاں اپنے کوٹ کی جیب میں رکھ لی تھیں۔

"تم ویرا لائیڈ کو جانتی ہو؟" اچانک سلطان شاہ غیر متوقع طور پر براہِ راست ایلی نور سے سوال کر بیٹھا اور میں اپنی جگہ دم بخود رہ گیا کیونکہ میں نے شروع سے اس وقت تک دانستہ ایلی نور سے اس موضوع پر بات نہیں کی تھی۔

"وہی حرافہ جو خود کو جمی لائیڈ کی ناجائز بیٹی کہتی پھرتی ہے؟"

اس نے تائید طلب لہجے میں تیزی سے کہا "اور اسی آڑ میں شی میں بڑی حد تک اپنی من مانی کرتی رہتی ہے۔۔۔۔ اسے تم کیسے جانتے ہو؟"

"جب جمی لائیڈ سے مخاصمت مول لی ہے تو اس کے پورے کنبے کو جاننا پڑے گا!" میں نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا "کیا کبھی تمھارا بھی اس سے واسطہ پڑ چکا ہے؟"

"بہت بے ضمیر عورت ہے کئی بار گن بوٹ پر بھی رہ چکی ہے" وہ تلخ لہجے میں بولی "ادلینی کو تو اس نے اپنا بے دام غلام بنایا ہوا تھا جب بھی گن بوٹ پر آتی بیشتر وقت ریڈیو روم میں ہی گھسی رہتی تھی۔ شاید وہ پہلی اور آخری عورت تھی جس سے کوئی ذاتی پرخاش نہ ہونے کے باوجود میں اسے سخت ناپسند کرتی تھی"

"ذاتی پرخاش تو ہو ہی گئی ہو گی" میں نے کہا "وہ بڑے جارحانہ مزاج والی لڑکی ہے۔ اس کی موجودگی میں تم کو بری طرح نظر انداز کیا جاتا ہو گا"

"لوگوں کی توجہ کا مرکز بن کر مجھے کوئی خوشی نہیں ہوتی، میں تو بس اپنے حال میں مست رہنے کی عادی ہوں۔ تم دونوں میں سے وہ کس سے زیادہ قریب رہی ہے؟"

"کسی سے بھی نہیں!" میں نے دانستہ سفید جھوٹ کا سہارا لیا۔

"اس کا بس چلے تو ہم دونوں کو زندہ کولھو میں پلوا دے۔ ہماری بیخ کنی کی ذمے داری سب سے پہلے اسی پر ڈالی گئی تھی اور پاکستان میں اس سے خاصی آنکھ مچولی ہوتی رہی جس کا نتیجہ ہمیشہ ہمارے حق میں ہی نکلتا رہا"

"واقعی بہت سنگدل عورت ہے!" ایلی نور بولی "مردوں کو خاص طور سے اپنا کھلونا تصور کرتی ہے۔ شی میں اس نے کم از کم دو ایسے آدمیوں کو اپنے ہاتھوں سے ہلاک کیا ہے جو اس سے قرب کے دعوے دار تھے۔ اس کی تم تک رسائی ہو گئی تو وہ واقعی تمھیں زندہ نہیں چھوڑے گی کیونکہ تم اس کے باپ کے دشمن ہو!"

"وہ عموماً کہاں رہتی ہے؟"

"میں نے کبھی سنجیدگی سے اس کے بارے میں جاننے کی کوشش نہیں کی لیکن سُنا ہے کہ وہ اپنا زیادہ وقت لندن میں گزارتی ہے اور اسی کو اسٹیشن بنا کر پورے یورپ میں کارروائیاں کرتی پھرتی ہے۔ مجھ سمیت ہر ایک کو حیرت اس بات پر ہے کہ اس کے جمی لائیڈ سے تعلق کے کھلے دعووں کے باوجود اسے زندہ کیوں رکھا گیا ہے؟"

"کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اس کا دعویٰ سچا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"ہو سکتا ہے لیکن اسے دنیا بھر میں خود کو لٹاتے پھرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کے باپ کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں، وہ چاہے تو آسانی کے ساتھ اپنی بیٹی کا گھر آباد کرا سکتا ہے لیکن اس نے آج

تک کھل کر کبھی ویرا کی سرپرستی نہیں کی بس اسے ڈھیل ہی دیتا رہا ہے"

"اگر ویرا کا دعویٰ درست مان لیا جائے تو اس کی رگوں میں ایک بڑے مجرم کا خون دوڑ رہا ہے اس لیے اخلاقیات کے بارے میں اس کے اپنے اصول ہوں گے، طبیعت بھی مہم جویانہ رہی ہو گی، ہو سکتا ہے کہ اس کا باپ اسی طرح اسے اپنے گندے پیشے کی بھرپور تربیت دے رہا ہو"

"ہاں، یہ ہو سکتا ہے" وہ پُرخیال لہجے میں بولی "لیکن تمھیں یہ بات عجیب محسوس نہیں ہوتی؟ میرا تو اندازہ ہے کہ کوئی کتنا ہی گھٹیا مجرم کیوں نہ ہو، اپنی اولاد کو گناہ آلود زندگی سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے!"

"یہ وہی مجرم کرے گا جس کا ضمیر زندہ ہو اور وہ اپنے کاموں کو بُرا سمجھتا ہو جو لوگ اپنے غلط کاموں کا جواز رکھتے ہیں، وہ اپنی ہر قسم کی مجرمانہ سرگرمیوں کو ایک کاروبار قرار دیتے ہیں۔۔۔ اس طرح غور کرو تو جمی لائیڈ اپنی بیٹی کو کاروبار کی تربیت دے رہا ہے"

ایلی نور سے وہ سب کہتے ہوئے مجھے بے اختیار ویرا کی کہانی کا وہ باب یاد آ گیا جس میں جمی لائیڈ نے ڈان مرسیانو کے روپ میں اُسے گردن تک غلاظتوں میں دھکیل دیا تھا۔

"اُس نے دیدہ و دانستہ مجرمانہ زندگی اختیار کی ہے مگر میں نے میڈوسا سے برطرفی کے بعد گن بوٹ پر ملازمت کی پیش کش قبول کی تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ میں کسی غلط راستے پر چل پڑی ہوں مگر پھر رفتہ رفتہ میں اس دلدل میں دھنستی چلی گئی، رفتہ رفتہ میں اُن کے اتنے رازوں سے واقف ہو گئی کہ اب میری واپسی عملاً ناممکن ہو کر رہ گئی تھی!" چند ثانیوں کی بوجھل خاموشی کے بعد ایلی نور نے افسردہ لہجے میں کہنا شروع کیا "پھر تم درمیان میں آ گئے۔ تمھیں آئی مین سمجھ کر میں نے تمھاری اطاعت قبول کی تھی مگر تم شی کے دشمنوں میں سے نکلے اب وہ جانتے ہیں کہ میں تمھارے ساتھ ہوں۔ اس دوران میں تم اُن کے چار آدمیوں کو ہلاک کر چکے ہو وہ مجھے اِن جرائم میں پوری طرح ملوث سمجھ رہے ہوں گے۔ اس طرح ان لوگوں میں میری واپسی کے راستے مسدود ہو چکے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اب میرا مستقبل کیا ہو گا؟ تم کب تک مجھے ساتھ لیے پھرتے رہو گے؟"

"جب تک حالات اجازت دیں تم ہماری تحویل میں رہ سکتی ہو" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "تم زندگی بھر بھی ہمارے ساتھ رہ سکتی ہو۔۔۔"

"نہیں" وہ تڑپ کر میری بات کاٹتے ہوئے جذباتی لہجے میں بولی "اپنی کسی باعزت شناخت کے بغیر یوں کسی مرد کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ وقتی دوستی اور بات ہے لیکن مستقل ساتھ نہیں ہو سکتا"

"تم خوب صورت اور خوش مزاج ہو، ہماری ذہنی ہم آہنگی بھی ہے" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا "لیکن میری زندگی کسی سے وابستہ ہے اُس کی زندگی میں میں اپنا عہد نہ توڑ سکوں گا۔ اس کے علاوہ تم جو شناخت چاہو وہ اختیار کر سکتی ہو"

وہ یک بیک اُداس ہو گئی "اچھا ہوا کہ تم نے بتا دیا۔۔۔ جب میں تمھارے قریب آئی تو عارضی رفاقت کے سوا میرے ذہن میں کچھ بھی نہیں تھا لیکن تمھارے ساتھ رہ کر رفتہ رفتہ میں تم سے مانوس ہو کر اپنے ذہن میں مستقبل کے کچھ نازک سے گھروندے بنانے لگی تھی جو اچھا ہوا کہ بننے سے پہلے ہی بکھر گئے۔۔۔ میرا خیال ہے کہ تمھیں میری ضرورت صرف اس لیے تھی کہ تم جمی لائیڈ تک پہنچنا چاہتے ہو جو شی کی سربراہی کے ساتھ کنگ لائنز کا بھی مالک ہے، اس کے بعد تمھارا راستہ بدل جائے گا"

"میں جمی لائیڈ تک ضرور پہنچنا چاہتا ہوں لیکن اس کے لیے تمھیں آلۂ کار نہیں بنانا چاہتا۔ یہ تصور تمھارے ذہن کی پیداوار ہے تم جب تک چاہو خوشی کے ساتھ میرے ساتھ رہ سکتی ہو اور نہ چاہو تو ابھی سے کسی الگ راستے کا انتخاب کر سکتی ہو۔ یہ ساری رقم تمھاری ہے، جو چاہو گزارے کے لیے ہاتھ اٹھا کر ہمیں دے دینا"

"میں تمھارے ساتھ نہیں رہ سکتی" وہ بھرآئی ہوئی آواز میں بولی "ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کا گزارہ نہیں ہو سکتا۔ یہ نہ میں برداشت کر سکوں گی نہ تمھاری محبوبہ تمھیں اجازت دے گی۔۔۔"

"ضروری نہیں کہ عورت بیوی یا محبوبہ ہی بن کر رہے، تم بہن بھائی بھی بن سکتے ہو" سلطان شاہ اُس کی بات کاٹتے ہوئے ناصحانہ لہجے میں بولا اور میرا وجود سُن ہو کر رہ گیا۔

ایلی نور بھی کچھ نہ بول سکی۔ ہم دونوں ہی جانتے تھے کہ گن بوٹ پر تعارف کی ابتدا ہوتے ہی ہم نے اپنے درمیان ایسے کسی پاکیزہ رشتے کی گنجائش بالکل ختم کر دی تھی۔

کار کی رفتار کم ہونے لگی، میں نے بوکھلا کر پیچھے کا جائزہ لیا تو سڑک دور تک ویران پڑی ہوئی تھی۔ شاید اس وقت ہم کافی فاصلہ طے کر کے پیرس کے مضافات میں آ نکلے تھے۔ میں نے ایلی نور سے اس بارے میں استفسار کیا تو اُس نے رُندھی ہوئی آواز میں بتایا کہ اُس کے لیے گاڑی چلانا دشوار ہو رہا تھا۔

خود میں بھی محسوس کر رہا تھا کہ جب سے اُس نے اپنے غیر یقینی مستقبل کا ذکر چھیڑا تھا، اسٹیئرنگ پر اس کا ہاتھ مسلسل بہک رہا تھا اور کار ویران سڑک پر لہراتے ہوئے چل رہی تھی لیکن میں نے اُسے ٹوکنا مناسب نہ سمجھا مگر اب کول تار کی چمکتی ہوئی سڑک

سے آنے والے انعکاس میں اُس کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو لرزتے نظر آ رہے تھے اور بہتر یہی تھا کہ وہ ڈرائیونگ سیٹ چھوڑ کر اپنے اُس جذباتی اُبال پر یکسوئی کے ساتھ قابو پاتی۔

آخر کار اُس نے گاڑی سڑک سے اتار کر آہستگی سے کچے میں روک دی۔ انجن بند کرتے ہوئے اُس کا بدن بے آواز ہچکیوں کے سبب لرز رہا تھا۔ شاید وہ ضرورت سے زیادہ ہی دل گرفتہ ہو گئی تھی۔

"تم اِدھر آ جاؤ، تمھیں سکون کی ضرورت ہے، ڈرائیونگ میں کر لوں گا۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا اور اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اُتر گیا۔

کھُلی فضا میں اُترتے ہی پہلے یخ بستہ کھُلی ہوا کے تھپیڑوں نے استقبال کیا پھر میں جوں ہی ایلی نور کی سمت کے دروازے پر پہنچا، اچانک وہ ویرانہ پولیس کار کے سائرن کے آسیبی شور سے گونج اُٹھا۔ اسی کے ساتھ پیچھے ویران سڑک پر تین روشنیاں جل اُٹھیں جن میں سے دو واضح طور پر کسی کار کے ہیڈ لیمپس تھے اور تیسری کار کی چھت پر گردش کرتی ہوئی ایمرجنسی لائٹ تھی۔

سڑک بالکل سیدھی تھی۔ میں نے چند تانیے قبل ہی دیکھا تھا کہ وہاں کسی کار کی روشنی کا پتا نہیں تھا۔ اب وہ روشنیاں جس طرح اچانک نمودار ہوئی تھیں، اس سے مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ شاید وہ پولیس کار تھی اور کافی دیر سے تمام روشنیاں گُل کیے ہماری کار کا تعاقب کر رہی تھی لیکن ہماری کار کے رُکتے ہی انھوں نے غالباً قریب آ کر اپنا اطمینان کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

ایلی نور کے پاس سارے کاغذات موجود تھے جبکہ میرے پاس نہ ڈرائیونگ لائسنس تھا اور نہ پاسپورٹ۔ اگر اس وقت میں ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لیتا تو گشتی پولیس کی بازپُرس سے بچنا محال تھا۔ لہٰذا سائرن کی آواز سنتے ہی میں کار کے گرد گھوم کر دوبارہ پسنجر سیٹ کی طرف پہنچ گیا جہاں ایلی نور سرک کر منتقل ہو چکی تھی۔

پولیس کار برق رفتاری سے قریب آتی جا رہی تھی۔ میں نے دروازہ کھول کر اضطراری طور پر ایلی نور کو دوبارہ ڈرائیونگ سیٹ کی طرف دھکیل دیا۔ "اسٹیئرنگ تم ہی سنبھالو، میرے پاس لائسنس نہیں ہے۔"

وہ جیب سے رومال نکال کر جلدی جلدی آنکھیں صاف کرنے لگی اور میں نے بیم گن جیب سے نکال کر پھرتی کے ساتھ ڈرائیونگ سیٹ کے نیچے ڈال دی۔ پھر ایلی نور نے اگنیشن لگانے کی نیت سے ہیڈ لیمپس آف کیے ہی تھے کہ پولیس کار تیز رفتاری سے ہماری کار کے آگے ایک شدید جھٹکے کے ساتھ اس طرح رکی کہ ہمارا راستہ مسدود ہو گیا۔

پولیس کار کے پوری طرح رکنے سے پہلے ہی اونی کوٹوں میں ملبوس دو باوردی پولیس افسران دروازے کھول کر نیچے کود ے تھے، تیسرا ڈرائیونگ سیٹ پر موجود رہا۔ پھر اُترنے والے افسران دونوں سمتوں سے تیر کی طرح ہماری کار کی طرف آئے تھے، اُن میں سے ایک کے ہاتھ میں ٹارچ دبی ہوئی تھی۔

ایلی نور نے اپنی طرف کی کھڑکی کا شیشہ اتار دیا، میں نے بھی اس کی تقلید کی۔ اس کی طرف والے پولیس افسر نے فرنچ میں کچھ کہتے ہوئے اپنی ٹارچ کی روشنی ایلی نور کے چہرے پر ڈالی تھی اور بے اختیار سیٹی سی بجا کر رہ گیا پھر وہ روشنی باری باری میرے اور سلطان شاہ کے چہروں پر پڑی تھی۔

اس افسر نے ایک مرتبہ پھر فرنچ میں کچھ کہا، لہجہ استفسار طلب تھا۔ ایلی نور نے فرنچ میں مختصر سا جواب دیا پھر انگریزی میں بولی۔ "میرے دوست فرنچ نہیں جانتے، بہتر ہوگا کہ ہم انگریزی میں بات کریں۔"

"پہلے ڈرائیونگ لائسنس اور گاڑی کے کاغذات دکھاؤ۔" وہی افسر انگریزی میں بولا۔ "اس کے بعد تم سے فرنچ میں بات ہوگی اور تمھارے ساتھیوں سے انگریزی میں، اس طرح کوئی بھی تضاد بیانی آرام سے پکڑی جا سکے گی۔"

"تو تم یہ فرض کر کے آئے ہو کہ ہم تضاد بیانی ضرور کریں گے۔" ایلی نور نے برہمی کے عالم میں کہا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کی آواز بدستور بھرائی ہوئی تھی۔

"تم کہہ رہی ہو کہ یہ اغوا کی واردات نہیں ہے۔ ہم مانے لیتے ہیں لیکن تمھیں شاید اندازہ نہیں کہ تم اس شاہراہ پر کافی دیر سے اسٹیئرنگ لہرا کر ڈرائیونگ کر رہی تھیں جو ایک سنگین جرم ہے۔ کاغذات دکھاؤ۔"

ایلی نور نے اپنا ڈرائیونگ لائسنس نکال کر غصّے سے اُس کی طرف بڑھا دیا۔ اس دوران میں تیسرا افسر بدستور پولیس کار میں موجود رہا تھا۔ گاڑی سے وائرلیس سیٹ پر آنے والی آوازوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ نہ صرف نشر ہونے والے پیغامات سن رہا تھا بلکہ اپنے ہیڈ کوارٹر کو اپنی تازہ ترین پوزیشن سے بھی آگاہ کر رہا تھا۔

ایلی نور نے کیبن لائٹ جلا کر ڈیش بورڈ کے خانے میں سے گاڑی کے کاغذات تلاش کر کے نکالے اور روشنی میں ان پر ایک نگاہ ڈال کر اُسی افسر کی طرف بڑھا دیے۔

"خوب!" وہ ٹارچ کی روشنی میں کاغذات دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ گاڑی کس کے نام پر ہے؟"

"بل ایتھی!" ایلی نور کی زبان سے وہ نام سنتے ہی میں چونک پڑا لیکن مجھے یقین تھا کہ ایلی نور نے وہ نام یقیناً گاڑی کے کاغذات پر ہی پڑھا ہو گا ورنہ وہ اتنے اعتماد سے جواب نہ دیتی۔

"پھر یہ تمھارے پاس کیسے ہے؟" افسر نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"وہ میرا دوست ہے، اُس سے میں نے یہ گاڑی عاریتاً لی ہے۔" ایلی نور آہستہ آہستہ خود پر قابو پاتی جا رہی تھی۔

"مجھے افسوس ہے میڈموازیل! کہ اُس نے صرف ڈیڑھ گھنٹے پہلے اپنی کار چوری ہونے کی رپورٹ درج کرائی ہے۔" پولیس افسر کا لہجہ استہزائیہ ہو گیا۔ "باہر سردی ضرور ہے لیکن تم تینوں کو نیچے اُترنے کی زحمت کرنا پڑے گی، ہم گاڑی کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔"

"تم جو چاہو کر سکتے ہو، ہم ذرا بھی مزاحمت نہیں کریں گے۔" ایلی نور نے مصالحانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن ہمیں صبح ہونے سے پہلے سینٹ میل پہنچنا ہے، تم چاہو تو کوئی باہمی سمجھوتا بھی ہو سکتا ہے۔ کار کی چوری کا معاملہ ہم واپسی پر بل ایتھی سے حل کر کے طے کر لیں گے۔ تم یقین کرو کہ بل ایتھی کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"سمجھوتا!" وہ ایک دم ہتھّے سے اُکھڑ گیا۔ "کیا مطلب ہے تمھارا؟ تم قانون کو خریدنا چاہتی ہو؟"

"وہ قانون کی نہیں، تمھاری بات کر رہی تھی آفیسر!" میں نے نرم لہجے میں دخل انداز ہوتے ہوئے کہا۔ "قانون اپنی جگہ اٹل اور واجب الاحترام ہے لیکن اس وقت تم قانون کے مالک ہو، تمھارا ہر فیصلہ قانون سمجھا جائے گا۔"

"پہیلے دار باتیں نہ کرو۔" وہ غرّایا۔ "کھُل کر کہو کیا کہہ رہے ہو؟" شاید میرا ابتدائی جملہ پوری طرح اس کے پلّے نہیں پڑ سکا تھا۔

"بل ایتھی نے رپورٹ درج کرائی ہے اور ہم اس کار میں سفر کرتے ہوئے روکے گئے ہیں لہٰذا ہم تمھارے مجرم ہیں۔" میں نے پہلو بدل کر نرمی سے کہنا شروع کیا۔ "لیکن قانون کا تعلق کار کی بازیابی سے ہے، ہم چور اُچکے نہیں بلکہ باحیثیت لوگ ہیں، ایسی دس کاریں خرید کر خیرات کر سکتے ہیں لیکن سینٹ میل کا سفر ملتوی نہیں کر سکتے۔ تم افسرِ مجاز ہو، اس کار کی قیمت کا تعین کرو، ہم اتنی رقم تمھیں نقد دے دیتے ہیں جو تمھارے پاس ہمارا زرِ ضمانت ہو گا۔ اگر ہم رات آٹھ بجے تک کار سمیت تمھارے پاس واپس نہیں پہنچتے تو وہ رقم تمھاری ہو جائے گی جس پر ہمارا کوئی مطالبہ نہیں ہو گا اور تم ہمارے خلاف ہر کارروائی کرنے کے لیے آزاد ہو گے۔"

"لیکن قانون مجھے ایسا کوئی اختیار نہیں دیتا مونسیور!" غیر ارادی طور پر اس کے لہجے میں نرمی آ گئی۔

"مجھے معلوم ہے کہ قانون اندھا اور بے رحم ہوتا ہے لیکن مہربان افسروں کے ہاتھ میں قانون کی یہی کتاب آغوشِ مادر کی طرح مہربان بن جاتی ہے۔ اپنی مجبوری کے تحت ہم تمھیں صرف یہ یقین دلانا چاہتے ہیں کہ ہم چور نہیں ہیں، اسی لیے کار کی قیمت کا تعین تمھارے ہاتھ میں دے رہے ہیں۔ چاہو تو تمھارے اس تعاون کے لیے ہم کوئی ہرجانہ بھی ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ہم واپس لوٹیں یا نہ لوٹیں، ہرجانے کی رقم کے تم مالک ہو گے، یہ میرا شریفانہ وعدہ ہے۔"

فرض شناسی اور ایمان داری اپنی جگہ لیکن تھے وہ تنخواہ دار ملازم ہی ــــ اس قدر کھُلی کھُلی پیش کش سُن کر میری طرف کھڑے ہوئے افسر کی رال ٹپک پڑی۔ "یہ بات نہیں بنے گی کیونکہ میری دانست میں یہ کار کسی طرح سو ہزار فرانک سے کم مالیت کی نہیں ہو گی۔" وہ کار کا جائزہ لیتے ہوئے بڑبڑایا۔

"تم کار کی دُگنی سے زیادہ مالیت جانچ رہے ہو۔" میں نے احتجاج کیا۔

"اسی لیے میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ بات نہیں بنے گی۔" وہ بولا۔ "اگر تم واپس نہ آئے تو ہم تینوں کے حصّے میں صرف تینتیس ہزار فرانک فی کس آئیں گے جو زیادہ بڑی رقم نہیں ہو گی۔"

"خیر اس پر میں بحث نہیں کرتا۔" میں نے کہا۔ "حسبِ وعدہ ہم لوٹ آئے تو رقم واپس مل ہی جائے گی۔"

"لیکن رقم اسی وقت نقد ادا کرنا ہو گی۔" وہ ڈھٹائی کے ساتھ بولا۔

"ٹھہرو ــــ پہلے ہم آپس میں مشورہ کر لیں۔" ایلی نور کی طرف والا افسر بول پڑا اور وہ دونوں ہماری کار سے ہٹ کر اپنی کار میں بیٹھے ہوئے تیسرے ساتھی کی طرف چلے گئے۔

میدان صاف ہوتے ہی میں نے بیم گن نشست کے نیچے سے نکال لی۔

"تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟" سلطان شاہ نے اُردو میں اضطراری طور پر سوال کیا۔

"دیکھتے جاؤ۔" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "بات نہ بنی تو بہت بُرا ہو گا لیکن ہم ہتھیار نہیں ڈالیں گے۔"

"وہ لالچ میں تو آ گئے ہیں۔" ایلی نور نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "لیکن دیکھنا یہ ہو گا کہ اِن تینوں میں اتفاقِ رائے بھی ہوتا ہے یا نہیں ویسے سو ہزار فرانک کی رقم بہت بڑی ہوتی ہے۔"

"فرانک کی مالیت کیا ہوتی ہے؟" سلطان شاہ نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔

"اپنے تین روپے۔ سمجھ لو، سیدھے تین لاکھ بن گئے۔ ویسے اتنی رقم میں بھی یہ سودا بُرا نہیں رہے گا۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اپنے اعصابی تناؤ پر قابو پانے کے لیے سگریٹ سلگا لی۔ میری نگاہیں ونڈ اسکرین کے پار کھڑی ہوئی پولیس کار پر جمی ہوئی تھیں، جس

میں تینوں پولیس افسران مشاورت میں مصروف تھے۔

چند منٹ کے اعصاب شکن سکوت کے بعد وہ تینوں ہی ایک ساتھ کار سے اُتر پڑے اور ٹارچ والے افسر نے آتے ہی ہمیں بھی نیچے اُترنے کے لیے کہا تھا۔ اُس کا لہجہ نارمل تھا لیکن اس میں کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ میری چھٹی حس یکلخت بیدار ہو گئی۔

"ہینڈز اپ۔" ہمارے اُترتے ہی تینوں پولیس افسروں نے اپنے پستول نکال لیے اور ٹارچ والا ایک قدم آگے بڑھ آیا۔ "اب تمھیں یہ بھی بتانا ہوگا کہ تمھارے پاس اتنی رقم کہاں سے آئی اور تم اس وقت رقم لے کر کیوں گھوم رہے ہو؟"

"رقم ہماری اپنی ہے اور ہم ایک کاروباری سودے کے لیے سینٹ میل جا رہے ہیں۔" میں نے اپنا لہجہ پُرسکون رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "شاید اس بارے میں تمھارے تیسرے ساتھی نے ہی تمھیں بہکایا ہے۔"

ٹارچ والا تلخ اور مغرور لہجے میں ہنسا۔ "بہکایا نہیں بلکہ سمجھایا ہے۔ تم یقیناً کوئی بڑی واردات کر کے آ رہے ہو جب ہی اپنی گلو خلاصی کے لیے اتنی فیاضانہ پیش کش کر رہے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ تمھاری واپس آنے کی کوئی نیت نہیں تھی اور تم زرِ ضمانت رشوت کے طور پر دے رہے ہو۔ اب سچ سچ بتاؤ کہ تمھارے پاس کتنا مال ہے اور کہاں سے آیا ہے؟"

"مال تو یہ لو!" میں نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اپنی جیب سے ڈالروں کی ایک گڈی نکال کر ان کی طرف اچھال دی جو میرے ناخن کی رگڑ سے کمزور ہونے والا ربر بینڈ ٹوٹنے کی وجہ سے گرتے ہوئے بکھر گئی۔

تیسرا افسر حریصانہ انداز میں بکھرے ہوئے نوٹوں کو سمیٹنے میں مصروف ہو گیا اور ٹارچ والا کہنے لگا۔ "شاید بات بن ہی جاتی لیکن ہماری کار پر موجود ریڈیو فون پر ہمارا ساتھی ہم سے مشورہ کیے بغیر کار کے رجسٹریشن نمبر کی بنا پر بل اتھی کو اطلاع دے چکا ہے کہ اس کی کار پکڑ لی گئی ہے۔ اس کے پولیس میں گہرے مراسم ہیں اور وہ کسی بھی لمحے یہاں پہنچ سکتا ہے۔"

"ایسے مواقع بار بار نہیں ملتے۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔ "ابھی بھی اگر تم ہمیں نکل جانے دو تو یہ دس ہزار ڈالر تمھارے ہو سکتے ہیں۔"

"اب تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔" وہ فیصلہ کُن لہجے میں بولا۔ اس کا اشارہ پاکر دوسرا افسر ہماری کار کی طرف بڑھا اور میں نے دوبارہ اپنی جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔

میری جیب پھولی ہوئی تھی۔ ٹارچ والے نے میری اس حرکت کو دیکھا لیکن کوئی تعرض نہیں کیا۔ شاید وہ یہی سمجھا ہوگا کہ میں اسے کبھانے کے لیے مزید رقم نکالنا چاہتا تھا لیکن میرے لیے بل اتھی کی کسی بھی لمحے آمد کی اطلاع اعصاب شکن ثابت ہوئی تھی۔ میں ان لوگوں کے ساتھ مزید مذاکرات میں الجھ کر وقت برباد نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بل اتھی ایک بدنام گروہ بند بدمعاش تھا اور اگر وہ وہاں آ رہا تھا تو اس کے ساتھ یقیناً حواریوں کا ایک جلوس بھی ہوتا اور ہمارے لیے مسلح بدمعاشوں کی اس بھیڑ سے بچ نکلنا ناممکن ہو کر رہ جاتا۔

میرا ہاتھ جیب سے برآمد ہوا تو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس میں بیم گن ہوگی اور پھر وہ ویرانہ ٹارچ والے پولیس افسر کی دردناک چیخ سے لرز اُٹھا کیوں کہ عجلت میں میرا نشانہ خطا ہونے کے سبب اس کا چہرہ جُھلس گیا تھا اور صورتِ حال یک بیک بہت سنگین ہو گئی تھی۔

کار کی طرف جانے والے پولیس افسر نے اپنے ساتھی کی چیخ سنتے ہی فائر کیا تھا مگر سلطان شاہ موقع کی نزاکت بھانپتے ہی اس پر ٹوٹ پڑا تھا۔ اس اثنا میں مَیں نے اپنی غلطی کا ازالہ کرتے ہوئے زخمی پولیس افسر کا سینہ چھید دیا۔ اس وقت نوٹ اُٹھانے والا میرے سینے کا نشانہ لے کر فائر کرنا چاہ رہا تھا لیکن اپنے ساتھی کو کٹے ہوئے بے جان شہتیر کی طرح گرتے دیکھ کر وہ لمحہ بھر کے لیے تذبذب میں مبتلا ہوا اور اسی اثنا میں ایلی نور نے اس کی کلائی پر ٹھوکر مار کر اس کے ہاتھ سے ریوالور نکال دیا جو زمین پر گرتے ہی چل پڑا۔

اسے غیر مسلح ہوتے ہی نوشتۂ دیوار جلی حروف میں نظر آ گیا تھا اس لیے وہ اپنے جسم کی پوری قوت مجتمع کر کے گرے ہوئے پستول کی طرف جھپٹا اور میں نے اسے اپنی بیم گن کی مہلک نیلی شعاعوں کی زد پہ لے لیا۔ جسم کے مختلف حصوں پر شعاعوں کی جہنمی تپش محسوس کرتے ہی وہ ذبح ہوتے ہوئے کسی وحشی درندے کی طرح بلبلاتا ہوا میری طرف بڑھا تھا اور یوں اس کا دل براہِ راست میری زد میں آ گیا۔ وہ دونوں ہاتھ فضا میں اچھال کر منہ کے بل زمین پر آ رہا۔

اسے ڈھیر کرتے ہی میں تیسرے کی طرف مڑا جو سُرخ کار کی اوٹ میں سلطان شاہ سے وحشیانہ انداز میں لڑ رہا تھا۔ وہ دونوں کار کی اوٹ میں گرے ہوئے تھے اس لیے مجھے نظر نہ آ سکے لیکن جو کچھ نظر آیا وہ میرے رونگٹے کھڑے کر دینے کے لیے کافی تھا۔

ویران شاہراہ پر چھ سات گاڑیوں کے ہیڈ لیمپس ایک قطار کی صورت میں تیزی کے ساتھ ہماری طرف بڑھے چلے آ رہے تھے۔ وہ یقینی طور پر شی کے سفاک مقامی سربراہ بل اتھی اور اس کے مسلح حواریوں کا جلوس تھا جو اپنی پوری قوت کے ساتھ ہماری پیشوائی کے لیے آخر کار آ ہی پہنچا تھا۔

"گاڑی میں سے رقم کا تھیلا سنبھالو! وہ آ گئے ہیں۔" میں نے ہذیانی انداز میں چیخ کر ایلی نور سے کہا اور پھر سُرخ کار کی اوٹ میں غرا غرا کر ایک دوسرے کو ادھیڑتے ہوئے سلطان شاہ اور تیسرے پولیس افسر کی طرف بڑھ گیا۔

اچانک سُرخ کار کا انجن بیدار ہوا اور کار پوری رفتار سے گھوم گئی۔ لمحہ بھر بعد ہی ایلی نور اس کار کو سڑک کے وسط میں آڑا پارک کر کے اُتری اور اس نے دوڑتے ہوئے پولیس کار میں سوار ہو کر اس کا انجن اسٹارٹ کر دیا۔

میں نے کئی بار بیم گن فائر کرنے کا ارادہ کیا لیکن ہر بار ارادہ ترک کرنا پڑا کیوں کہ وہ دونوں آپس میں لڑتے ہوئے اتنی تیزی کے ساتھ ایک دوسرے کو روند رہے تھے کہ ہر لمحے ان کی پوزیشن بدل رہی تھی اور ایک کو بچاتے ہوئے دوسرے کو نشانہ بنانا محال تھا۔

غصّے اور اضطراب کی حالت میں مجھے کچھ اور نہ سوجھا تو میں نے بڑھ کر پوری قوت سے اس پولیس افسر کی کھوپڑی پر ٹھوکریں برسانا شروع کر دیں۔ دوسری طرف آنے والا گاڑیوں کا جلوس اتنے قریب پہنچ چکا تھا کہ اگر وہ رائفل سے گولیاں چلاتے تو ہم ان کی رینج میں ہوتے۔

معاً مجھے احساس ہوا کہ سلطان شاہ کی حالت خراب تھی۔ میری ٹھوکروں کی ضربیں پڑنے کی وجہ سے پولیس افسر نہ صرف بوکھلا گیا تھا، بلکہ اس کی مزاحمت بھی دم توڑتی جا رہی تھی لیکن سلطان شاہ سے پھر بھی زمین سے نہیں اٹھا جا رہا تھا۔

اسی وقت ایلی نور پولیس کار کو ریورس کر کے ہمارے قریب لے آئی۔ "جلدی کرو، وہ سر پر آ گئے ہیں۔ وہ ہمیں چیونٹیوں کی طرح مسل کر ہمیں فنا کر دیں گے۔"

میں نے تیسرے پولیس افسر کو بھی مہلک شعاعوں کی زد پہ لے لیا۔ اور پھر سلطان شاہ کو کندھے پر لاد لیا جو کراہ رہا تھا۔

اسے پولیس کار کی عقبی نشست پر ڈالتے ہوئے میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ سُرخ کار سڑک کے وسط میں اس طرح کھڑی کی گئی تھی کہ سڑک مسدود ہو کر رہ گئی تھی۔ اس سے نیچے پولیس افسران کی لاشیں اس بے ترتیبی سے بکھری ہوئی تھیں کہ انھیں روندے یا راستے سے ہٹائے بغیر پیچھے راستے سے بھی گاڑیاں بڑھا لے جانا ممکن نہیں تھا۔

پولیس کار کا انجن بیدار تھا۔ ایلی نور نے اس کا روح فرسا سائرن اور گردشی لائٹ بھی آن کر دی پھر میرے سوار ہوتے ہی کار کا طاقتور انجن تیزی سے غرّایا اور پولیس کار ناہموار کچی سڑک پر اچھلتی ہوئی سپاٹ سڑک پر آئی اور برق رفتاری سے آگے تیرتی چلی گئی۔ صرف چند ثانیوں کے لیے پیچھے آنے والی کاروں سے ہمارا فاصلہ برقرار رہا پھر انھیں جائے واردات پر ٹھہرنا پڑ گیا اور ہم انھیں پیچھے چھوڑتے ہوئے آندھی اور طوفان کی رفتار سے آگے بڑھنے لگے۔

اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ ڈرائیونگ میں ایلی نور کو قابلِ رشک مہارت حاصل تھی۔

پولیس کار

پیرس کی اس مضافاتی شاہراہ پر سائرن بجاتی برق رفتاری کے ساتھ آگے پھسلتی جا رہی تھی اور پیچھے رُکی ہوئی گاڑیوں کے ہیڈ لیمپس سکڑتے سکڑتے اب روشن نقطوں کی مانند نظر آ رہے تھے۔ پولیس کار کے انجن کی طاقت اور رفتار کو دیکھتے ہوئے مجھے پوری اُمید تھی کہ ان لوگوں نے سڑک صاف کر کے ہمارا تعاقب جاری رکھا تب بھی اس درمیانی فرق اور فاصلے کو کسی طرح کم نہ کر سکیں گے لیکن اس وقت ان سے لاحق خطرات سے کہیں زیادہ تشویش مجھے سلطان شاہ کے بارے میں تھی۔ گن بوٹ پر برفانی تشدد کے اثرات سے وہ ابھی پوری طرح سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ گشتی پولیس کے افسر سے ہونے والی سوح فرسا زور آزمائی نے اسے پھر نڈھال کر کے رکھ دیا تھا۔ مجھے تشویش یہ تھی کہ ہم اس شاہراہ پر یا اسی طرف کسی اور سمت میں سفر جاری رکھتے ہوئے زیادہ دیر تک پولیس کار پر قابض نہیں رہ سکتے تھے۔ موقع سے ہمارے فرار ہونے سے قبل ہی بل اتھی اپنے مسلح بدمعاشوں کے لشکر کے ساتھ جائے واردات پر پہنچ چکا تھا اور سُرخ پیجو کے قریب تین باوردی پولیس افسران کی لاشیں دیکھنے کے بعد اس کے لیے یہ سمجھنا نہایت آسان تھا کہ اس کے حریف پولیس افسران کو زیر کر کے ان کی کار لے بھاگے تھے۔ اس کے ساتھ آنے والی گاڑیوں کی تعداد اتنی تھی کہ وہ بھاری نفری کے ساتھ ہمارا تعاقب جاری رکھتے ہوئے بہ آسانی ایک گاڑی حکّامِ بالا کو باخبر کرنے کے لیے روانہ کر سکتا تھا۔

فرانس کے مہذب معاشرے میں تین پولیس افسران کی بیک وقت ہلاکت کی خبر پورے محکمے کو ہلا ڈالنے کے لیے کافی تھی۔ وہ خبر پھیلتے ہی ہر سمت سے پولیس کی مسلح گاڑیاں اسی سمت میں سمٹنا شروع ہو جاتیں جدھر ہم جا رہے تھے پھر ہم آسانی کے ساتھ چاروں طرف سے گھیر کر بے دست و پا کیے جا سکتے تھے اس لیے ہمارے حق میں بہتر یہی تھا کہ جلد از جلد اس پولیس کار سے چھٹکارا حاصل کر لیں جو جائے واردات سے فرار میں ہماری مددگار ثابت ہونے کے بعد ہمیں برقی کرسی تک بھی پہنچا سکتی تھی۔

لیکن اہم ترین مسئلہ یہ تھا کہ تعاقب کرنے والوں سے اپنا فاصلہ برقرار رکھتے ہوئے ہمیں کسی مناسب مقام پر گاڑی چھوڑتے ہی پوری قوت سے کسی محفوظ سمت میں بھاگنا تھا مگر سلطان شاہ اس جدوجہد میں ساتھ دینا محال نظر آ رہا تھا۔ نہ ہی میں اس کو اپنے کندھے پر لاد کر دوڑ لگانے کی طاقت رکھتا تھا۔

"تم کیا محسوس کر رہے ہو؟" کئی ثانیوں کے طویل اور اعصاب شکن سکوت کے بعد میں نے بوجھل لہجے میں سلطان شاہ سے سوال کیا۔

"اب کچھ بہتر ہوں۔" اس کی آواز سرد اور بالکل سپاٹ تھی۔ "مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ وہ لوگ آ پہنچے ہیں اور ہم زیادہ دیر اس کار میں سفر جاری

نہیں رکھ سکیں گے... تم میری فکر نہ کرو، مجھے بھول کر اپنی زندگیاں بچانے کی کوشش کرو۔"

وہ خطرات سے بے خبر نہیں تھا۔ اپنی ذات کو لاحق بھیانک انجام بھی شاید اس کے سامنے تھا لیکن اس نے گڑگڑا کر زندگی کے لیے بھیک مانگنے کے بجائے مردانہ وار خطرات کا مقابلہ کرتے ہوئے موت کو اپنے گلے سے لگانے کا فیصلہ کر لیا تھا اسی لیے اس کی آواز جذبات سے عاری اور سخت ہو گئی تھی۔

"کیا تم اپنی ٹانگوں پر کھڑے نہیں ہو سکتے؟" میں نے کرب آمیز لہجے میں سوال کیا۔ وہ وہی کہہ رہا تھا جو اسے اس سنگین موڑ پر کہنا چاہیے تھا لیکن میری مجبوری یہ تھی کہ میں اس کے کہے ہوئے پر عمل نہیں کر سکتا تھا۔ طویل رفاقت کے بعد اس نے میرے لیے میرے وجود کے ایک اہم حصے کی حیثیت اختیار کر لی تھی جسے چھوڑ جانے کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

"کوشش کروں تو شاید تھوڑا بہت چل بھی لوں گا لیکن دوڑ نہ سکوں گا۔" اس کی آواز میں مایوسی کی کوئی رمق نہیں تھی، بس سپاٹ لہجہ تھا۔ "اس وحشی سے زور آزمائی کرتے ہوئے اچانک ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے تمام اعصاب کی توانائی ختم ہو رہی ہو۔"

میرے دل میں اُمید کی کرن جاگ اٹھی۔ "سیٹ پر سیدھے ہو کر بیٹھو اور ہاتھ پیر ہلانے کی کوشش کرو۔ برف زدہ اعصاب کی کمزوری کی وجہ سے تم اس کیفیت سے دوچار ہوئے ہو، ذرا سی ہمت اور کوشش کرو گے تو کھوئی ہوئی توانائی بحال ہو جائے گی۔" میں نے لمحہ بھر کے لیے خاموش ہو کر اسے سہارا دے کر نشست پر سیدھا بٹھایا اور دوبارہ کہا۔ "یہ لڑکی شاید نکل جائے لیکن یہ یاد رکھنا کہ میں تمھیں چھوڑ کر نہیں بھاگوں گا۔ یہ سمجھ لو کہ اب ہم دونوں کی زندگی کا انحصار تمھاری اور صرف تمھاری ہمت پر ہے۔"

اس نے اپنے ہاتھ پیروں کو فضا میں ہلانا شروع کر دیا۔ اس کی جسمانی کاوشیں اپنی جگہ تھیں لیکن میں نے اس پر نفسیاتی دباؤ بھی بڑھا دیا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ میری وہ تدبیر کارگر رہی تھی، پہلے اسے صرف اپنی فکر لاحق تھی اور اب میں نے اس پر واضح کر دیا تھا کہ میری بقا بھی اس کی سلامتی سے وابستہ تھی۔

"ہمیں یہ گاڑی جلد از جلد چھوڑنا ہوگی۔" ایلی نور نے پولیس کار کے ریڈیو ٹرانسمیٹر کے خاموش ہونے پر تشویش زدہ لہجے میں کہا۔ "ابھی اس بارے میں ہدایات نشر کی گئی ہیں اور پولیس کے سارے موبائیل عملے کو اس اغوا شدہ کار کو گھیرنے کا حکم دیا گیا ہے۔"

میں نے مڑ کر پیچھے دیکھا تو کافی فاصلے پر بل ایتھی کی کاروں کے ہیڈ لیمپس بدستور نظر آ رہے تھے گو ان کا فاصلہ کافی زیادہ تھا لیکن وہ روشنیاں معدوم نہیں ہوئی تھیں جس کا مطلب تھا کہ وہ لوگ راستے کی رکاوٹیں ہٹا کر اپنا سفر جاری رکھے ہوئے تھے۔

اس وقت ہمارے پاس بیم گن اور رائیکیولوڈر کے علاوہ ایک پولیس افسر کے ہولسٹر سے چھینا ہوا پستول بھی موجود تھا لیکن اس وقت کی صورتِ حال کے پیشِ نظر وہ تینوں ہتھیار کھلونوں سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتے تھے، ان کی مدد سے دو چار حریفوں کا مقابلہ تو کیا جا سکتا تھا لیکن خون کے پیاسے مسلح بھیڑیوں کے غول کو روکنا ناممکنات میں سے تھا۔ آتشگیر یا رودی بموں یا اسی نوعیت کے اسلحے کے بل پر ضرور ان کی پیش قدمی روکی جا سکتی تھی لیکن ہمارے پاس ایسا کوئی مہلک اسلحہ موجود نہیں تھا۔

"فیول گیج کی پوزیشن کیا ہے؟" میں نے سوال کیا۔ اس وقت کی صورتِ حال کی وجہ سے میرے اعصاب پر بھی زبردست تناؤ طاری ہونے لگا تھا جو لمحہ بہ لمحہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

"ٹنکی آدھی سے زیادہ بھری ہوئی ہے... میرا خیال ہے کہ اب ہمیں یہ سڑک چھوڑ کر کوئی ذیلی راستہ اختیار کرنا چاہیے ورنہ بے موت مارے جائیں گے۔" ایلی نور بولی۔

"کار کی ایمرجنسی لائٹ اور سائرن آف کر دو۔" میرے الفاظ مکمل ہونے سے پہلے ہی فضا میں سائرن کی دل ہلا دینے والی مہیب آواز موقوف ہو گئی۔ ساتھ ہی گرد و پیش میں پڑنے والا گردشی روشنی کا گھٹتا بڑھتا انعکاس بھی معدوم ہو گیا۔

"چاندنی رات ہے۔" میں نے کھڑکی کے چڑھے ہوئے شیشے سے اپنی سمت کے ویرانے پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "گاڑی کی روشنیاں گل کر کے ڈرائیونگ جاری رکھ سکو تو ہم انھیں چکما دینے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔"

"جو کچھ تم کہہ رہے ہو اس کے علاوہ کچھ اور کرنا ہی ناممکن ہے۔" ایلی نور تلخ لہجے میں بولی پھر اس نے کار کی داہنی سمت کا انڈیکیٹر آن کر دیا۔ "میں گاڑی کچے میں اتار رہی ہوں تاکہ ٹائروں کے نشان انھیں دھوکا دے سکیں... مختصر سا چکر کاٹ کر ہم روشنیاں گل کر کے دوبارہ سڑک پر آ جائیں گے۔"

اچانک ہی کار نے سڑک چھوڑ دی اور شدید ہچکولوں کے ساتھ داہنی سمت کے ناہموار پتھریلے میدان میں اتر گئی۔ ایلی نور نے ایسا کرتے ہوئے کار کی رفتار کم نہیں کی تھی، ہر لمحے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کار اس کے قابو سے باہر ہو کر الٹ جائے گی مگر وہ ان خطرناک لمحات میں اسٹیئرنگ پر اپنی بے مثال مہارت کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ اس وقت اگر ایلی نور کی جگہ میں کار ڈرائیو کر رہا ہوتا تو شاید اس سے بہتر مہارت کا مظاہرہ نہ کر پاتا۔

کچھ دور تک یوں ہی طوفانی رفتار سے بڑھتے رہنے کے بعد ایلی نور نے کار کا رُخ گھمایا، میں نے دیکھا کہ اس دوران میں بل ایتھی کی گاڑیوں کی روشنیاں نسبتاً واضح ہو چکی تھیں لیکن وہ ابھی بھی ہم سے کافی دور تھیں لہٰذا ہمارے لیے دوبارہ سڑک پر آنے کے لیے خاصی مہلت تھی بشرطیکہ

ایلی نور کو کسی مجبوری کی وجہ سے کار کی رفتار کم نہ کرانا پڑتی۔

پھر اچانک کار کے آگے پھیلی ہوئی روشنی کی وسیع چادر یک بیک معدوم ہو گئی اور ویرانے میں صرف چاند کی پھیکی روشنی باقی رہ گئی جو فضا میں موہوم سی کہر کی وجہ سے قدرے دھندلائی ہوئی تھی۔

روشنیاں گل کرتے ہی ایلی نور نے بریکوں کا استعمال ترک کر دیا کیونکہ عقب میں بریک لائٹس کے بار بار جلنے بجھنے سے دشمنوں کو ہماری اسکیم کا اندازہ ہو سکتا تھا، اس کے بجائے وہ کار کی رفتار گھٹانے بڑھانے کے لیے گیئر استعمال کر رہی تھی جس کی وجہ سے انجن کی آواز غضب ناک غرّاہٹوں میں بدل گئی تھی۔

اندھیرے میں ناہموار میدان میں وہ سفر بہت تکلیف دہ تھا۔ ہم بار بار اپنی نشستوں سے اچھل رہے تھے، کئی بار سر کافی شدت سے چھت سے بھی جا ٹکرایا، اگر ہم ان شدید جھٹکوں کے لیے تیار نہ ہوتے تو بڑی آسانی کے ساتھ اپنی گردن تڑوا سکتے تھے۔ آخر کار وہ جاں گداز لمحات آخری سانسوں پر آ گئے کیونکہ چمکتی ہوئی سیاہ سڑک دوبارہ سامنے نظر آنے لگی تھی۔

پھر کار کا اگلا ایک پہیّہ زمین پر اُبھری ہوئی خودرو جھاڑیوں پر سے گزرتے ہوئے اچانک نادیدہ گڑھے میں جا گرا، نچلے حصّے میں سے کسی کمانی کے ٹوٹنے کی پُرشور آواز پیدا ہوئی مگر کار قدرے گھوم کر اس رکاوٹ سے نکل گئی اور جب کار دوبارہ پختہ سڑک پر آئی تو آگے سے بائیں طرف جھکی ہوئی تھی۔

"اگلے سسپنشن میں کچھ ٹوٹا ہے۔" کیبن میں ایلی نور کی بھرائی ہوئی آواز گونجی۔ "شاید ہمیں رفتار کم رکھنا ہوگی۔"

"جب تک سڑک پر کوئی پُرزہ رگڑنے کی آواز نہ آئے، بے خطر ہو کر گاڑی دوڑاتی رہو اور اب جہاں بھی راستہ نظر آئے یہ سڑک چھوڑ دینا۔ اسی میں ہماری عافیت ہے۔"

ہیڈ لیمپس بجھانے کے بعد کئی میل تک سفر جاری رہا۔ پیچھے آنے والے ہماری توقع سے کہیں زیادہ چالاک تھے اور اپنی عددی بالادستی کو پوری طرح استعمال کرنا چاہتے تھے۔ ان کی چند گاڑیاں اسی مقام پر رُک گئی تھیں جہاں ایلی نور نے پولیس کار کو کچے میدان میں اتارا تھا۔ شاید کوئی گاڑی ٹائروں کے نشانات کے تعاقب میں سڑک سے اتر کر ویرانے میں بھی گئی تھی اور کم از کم تین گاڑیاں بدستور ہمارے پیچھے بڑھی چلی آ رہی تھیں۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ ان کی احتیاطی تدبیر تھی ورنہ اتنے فاصلے سے ہماری گاڑی کا نمبر دیکھ لیا جانا ناممکنات میں سے تھا۔ چاند کی روشنی سے جو اُجالا پھیلا ہوا تھا وہ چند سو گز دور تک ہی مددگار تھا، اس کے آگے چاندنی کے اثرات کو ہلکی کہر نے ختم کر دیا تھا۔

اچانک میں چونک پڑا۔ پولیس کار کے انجن کی آواز بدل رہی تھی جس میں بھاری پن نمایاں تھا، میں نے مضطرب ہو کر ڈیش بورڈ پر نگاہ ڈالی پھر اپنی اس اضطراری حرکت پر خود ہی نادم ہو کر پشت گاہ سے ٹک گیا کیونکہ کار کی تمام روشنیاں گل تھیں جس کی وجہ سے ڈیش بورڈ بھی تاریک تھا ورنہ وہاں نصب کسی نہ کسی میٹر سے انجن کی بدلتی ہوئی آواز کا سبب معلوم ہو سکتا تھا۔

"انجن دم توڑتا جا رہا ہے۔" اسی لمحے ایلی نور کی تھکی ہوئی آواز سُنائی دی۔ "پورا ایکسیلریٹر دینے کے باوجود رفتار لمحہ بہ لمحہ کم ہوتی ہوئی محسوس ہو رہی ہے۔"

"اندھیرے میں کچھ اندازہ نہیں ہو سکتا۔" میں نے بے بسی کے ساتھ کہا۔ "اور ہم روشنی کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ میرا خیال ہے کہ کچے راستے پر کسی پتھر وغیرہ سے ریڈی ایٹر لیک ہو گیا ہے۔ پانی نکل جانے کی وجہ سے انجن گرم ہوتا جا رہا ہے۔"

"پھر تو یہ کسی بھی لمحے سیز ہو سکتا ہے۔" وہ بولی۔

"خدا کرے کہ اس سے پہلے ہی کوئی راستہ مل جائے، اس سڑک پر کار کھڑی ہو گئی تو ہم بے موت مارے جائیں گے۔" میں نے پُرتفکر لہجے میں کہا۔

وہ شاید دعاؤں کی قبولیت کی کوئی ساعتِ سعید ہی تھی کیونکہ اسی لمحے بائیں طرف سے ایک ذیلی سڑک شاہراہ سے ملتی ہوئی نظر آئی اور ایلی نور نے گیئر بدل کر کار کی رفتار کی کمی کا سارا زور گرم ہوتے ہوئے انجن پر ڈال دیا۔

اِدھر ہم بائیں طرف والی ذیلی سڑک پر گھومے اور اسی وقت ہمارے پیچھے آنے والے طویل تعاقب سے اُکتا کر واپس لوٹتے نظر آئے کیونکہ ان کی اگلی گاڑی نے یو ٹرن لے لیا تھا اور اس کے ہیڈ لیمپس کے بجائے عقبی سُرخ روشنیاں نظر آنے لگی تھیں۔

"پیچھے میدان صاف ہو گیا۔" سلطان شاہ کی آواز میں خوشی کے جذبات نمایاں تھے۔ "میرا خیال ہے کہ اب ہمیں ان کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"لیکن پولیس کی گاڑیاں کسی بھی سمت سے نمودار ہو سکتی ہیں۔" میں نے اسے یاد دلایا۔ "ہم ابھی تک پیرس کے مضافات سے زیادہ دور نہیں نکل سکے ہیں۔"

"ہیڈ لیمپس تو جلا لوں نا؟" ایلی نور نے دریافت کیا۔ "اندھیرے میں ڈرائیونگ کرتے کرتے آنکھیں دُکھنے لگی ہیں۔"

میری اجازت پا کر اس نے ہیڈ لیمپس روشن کیے اور ڈیش بورڈ پر روشنی بحال ہوتے ہی اس کے حلق سے غیر ارادی طور پر تحیّر آمیز آواز آزاد ہو گئی۔ "تمھارا اندازہ درست تھا۔ انجن کا درجۂ حرارت بتانے والی سوئی ڈائل کے سُرخ بینڈ پر پہنچی ہوئی ہے۔ کیوں نہ ہمیں رُک کر انجن

کا جائزہ لے لیں۔"

"ایسی حماقت کبھی نہ کرنا۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "اوّل تو ہم ٹوٹے ہوئے ریڈی ایٹر کی مرمت نہ کرسکیں گے، دوئم یہ کہ ہمیں جلد از جلد اس کار سے پیچھا چھڑانا ہے اور سوئم یہ کہ کار جب تک چل رہی ہے، چل رہی ہے، ایک بار انجن بند کیا تو دوبارہ اسٹارٹ کرنا محال ہوجائے گا۔"

لیکن ہماری وہ ساری احتیاط بے سود ثابت ہوئی اور چند منٹ بعد ہی حرارت پیما کی سوئی آخری سرے پر پہنچنے کے بعد انجن نے چند تیز جھٹکے لیے۔ ایلی نور نے فوراً کلچ دبا کر گیئر نیوٹرل کردیا اور انجن کے خودبخود بند ہوجانے کے باوجود کار کی رفتار سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کچے میں اتار دیا۔

انجن بند ہونے کے بعد اس میں سے سیٹیوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ بانٹ کے کناروں سے بھاپ بھی نکل رہی تھی۔ اسی کے ساتھ ناہموار زمین پر ٹوٹی ہوئی اگلی کمانی بھی تیز آوازیں پیدا کررہی تھی لیکن ہمارے کسی حادثے سے دوچار ہوئے بغیر کار کافی دور جاکر خودبخود رُک گئی۔ ایلی نور کی حاضر دماغی کی بنا پر ہم مسروقہ پولیس کار کو ذیلی سڑک سے اتنی دور لے آنے میں کامیاب ہوگئے تھے کہ سڑک سے بادی النظر میں اس کار کا دیکھا جانا ممکن نہیں رہا تھا۔

دروازہ کھول کر نیچے اترتے ہی برف میں بھیگی ہوئی ہلکی ہواؤں نے استقبال کیا تھا ایلی نور بھی اپنی نشست چھوڑ کر تیر کی طرح میری طرف آئی تھی تاکہ میرے ساتھ سلطان شاہ کو سہارا دے کر نیچے اترنے میں مدد دے سکے لیکن اسی اثنا میں سلطان شاہ دوسری سمت کا دروازہ کھول کر نیچے اتر چکا تھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ ابھی میں اپنی ٹانگوں پر کھڑے ہونے کے قابل ہوں۔" اس نے نیچے اترتے ہی قدرے خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ اور بات ہے کہ بھاگ دوڑ میں شاید پوری رفتار سے تمھارا ساتھ نہ دے سکوں۔" یہ کہہ کر وہ آہستہ آہستہ مگر ہموار قدموں سے چلتے ہوئے ہمارے قریب آگیا۔ اس کی کیفیت دیکھتے ہوئے مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ اس کے کمزور اعصاب غیر معمولی مشقت آپڑنے کے باعث وقتی طور پر مفلوج ہوگئے تھے اور زور آزمائی کا مرحلہ گزرنے کے بعد تدریجی طور پر لمحہ بہ لمحہ ان کی کھوئی ہوئی قوت بحال ہوتی جارہی تھی جو ایک حوصلہ افزا بات تھی۔

"یہ کون سا علاقہ ہے؟ اور اب ہمیں کدھر کا رُخ کرنا چاہیے؟" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد میں نے ایلی نور سے سوال کیا جو کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"وہ سب سوچ رہے ہوں گے کہ ہم پیرس سے فرار ہوگئے ہیں اس لیے ان کی پوری توجہ پیرس سے نکاسی کے دور افتادہ مقامات پر مرکوز ہوتی چلی جائے گی تاکہ وہ ہمیں گھیر سکیں۔ میرا خیال ہے کہ ان حالات میں ہماری پیرس واپسی ہی سب سے زیادہ محفوظ رہے گی۔ وہ سوچ بھی نہ سکیں گے کہ ہم ایک بار پھر شہر میں گھسنے کی جرأت کریں گے۔" وہ بولی۔

"تجویز معقول ہے بشرطیکہ پیرس واپسی کا کوئی محفوظ راستہ ہماری نظروں میں ہو۔"

"صبح ہونے والی ہے۔ تھوڑی دیر میں دودھ اور سبزیوں کے ٹرکوں کا ٹریفک پیرس میں داخل ہونا شروع ہوجائے گا۔ ان ٹرکوں پر ڈرائیور اور کلینر کے علاوہ عموماً کوئی تیسرا نہیں ہوتا۔ اگر ہم ہوشیاری سے کام لیں تو ایسے ہی کسی ٹرک پر بہ آسانی قبضہ کرسکتے ہیں۔" اس نے ایک طرف پیش قدمی کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن ہمارے پاس وقت کم ہے۔" میں نے قدرے سکوت کے بعد کہا۔ "ہم اسی وقت تک کچھ کرسکتے ہیں جب تک اس ویرانے میں پولیس کار دریافت نہیں کی جاتی۔ ایک بار کار کا سراغ ملنے کے بعد وہ سمجھ جائیں گے کہ ہم ان ہی اطراف میں کہیں ہوں گے اور یہ علاقہ چھلنیوں سے چھان ڈالا جائے گا۔"

"ابھی ہمارے پاس کافی وقت ہے۔" وہ بولی۔ "انجن نے ساتھ دیا ہوتا تو میں کار کو اور اندر لے جاتی۔ پھر بھی جہاں وہ اس وقت موجود ہے وہاں دن کا اُجالا پھیلنے سے قبل نہ دیکھی جاسکے گی۔ وہ لوگ سوچ بھی نہ سکیں گے کہ ہم نے پولیس کار کسی ویرانے میں چھوڑ دی ہوگی۔ بھرپور روشنی طلوع ہونے تک ان کی ساری توجہ سڑکوں اور شاہراہوں پر ہی مرکوز رہے گی جس سے ہم فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔"

سردی کا احساس مٹانے کے لیے میں نے سگریٹ سلگا کر اپنے کوٹ کے کالر کھڑے کرلیے اور خود کو ایلی نور کے رحم و کرم پر چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا کیونکہ اس وقت وہی اس علاقے کے جغرافیے سے کسی حد تک واقف تھی اور رہنمائی کے فرائض بہتر طور پر انجام دے سکتی تھی۔

ہم تینوں شاہراہ کی مخالف سمت میں کافی دور تک کچے میدان میں ذیلی سڑک کے متوازی آگے بڑھتے رہے اور پھر سڑک کی طرف ہولیے اس وقت میرے ذہن میں بس ایک ہی خوف جاگزیں تھا کہ اگر ہم پہلے ٹرک کو روکنے میں ناکام رہے تو اس کا عملہ اتنے منہ اندھیرے ہمیں اس ویران سڑک پر دیکھ کر شبہات میں مبتلا ہوسکتا تھا اور عین ممکن تھا کہ وہ آگے جاکر پولیس کی کسی گشتی گاڑی کو اپنے شبہات کے حوالے سے ہماری موجودگی کی خبر دے دیتا۔ ایسی صورت میں ہمارا منصوبہ بُری طرح ناکام ہوسکتا تھا اور ہم بے سروسامانی کے عالم میں وہیں گھیرے جاسکتے تھے۔

سڑک تک پہنچتے پہنچتے میں اس بارے میں ایک اٹل فیصلہ کرچکا تھا۔ مرنے والوں میں سے ایک پولیس افسر نے خونریز تصادم سے قبل ریڈیائی رابطے پر اپنے ہیڈ کوارٹرز کو ہمارے بارے میں تفصیلات سے

آگاہ کردیا تھا لہٰذا پولیس کے ساتھ ہی ہمارے حریفوں کی توجہ ایسی عورت کی تلاش پر مرکوز رہی ہوگی جس کے ساتھ دو مرد بھی موجود ہوں لہٰذا بہتر یہی تھا کہ سلطان شاہ کو کسی آڑ میں چھپا کر میں ایلی نور کے ہمراہ سڑک کے کنارے کھڑا ہوتا تاکہ ہمارے دشمنوں میں سے کوئی ادھر آنکلتا تو محض تعداد کی مناسبت سے ہماری طرف متوجہ نہ ہوتا۔

میں نے یہ طے کرلیا تھا کہ آنے والی پہلی گاڑی کو ہمیں ہر صورت میں روکنا ہوگا۔ اگر ڈرائیور ہمارے اشارے کا مثبت جواب دینے پر آمادہ نہ ہوتا تو میں پولیس افسران سے حاصل کیے ہوئے پستول سے فائر کرکے گاڑی کا ایک ٹائر پھاڑ سکتا تھا جسے فاضل ٹائر سے تبدیل کرکے ہم فرار ہوسکتے تھے۔

ہم سڑک کے کنارے پہنچے تو سلطان شاہ ایک تناور درخت کی اوٹ میں چھپ گیا اور میں ایلی نور کے ہمراہ سڑک کے کنارے کھڑا ہوگیا۔ بھرا ہوا پستول میری تحویل میں تھا جسے میں بوقت ضرورت استعمال کرسکتا تھا۔ یم گن ایلی نور کے پاس تھی اور سلطان شاہ ایکسپلوڈر سے مسلح تھا۔

ہم اس وقت جس ذیلی سڑک پر موجود تھے اس سے ایلی نور پوری طرح واقف نہیں تھی لیکن اس کا اندازہ تھا کہ وہاں سے شاہراہ پر واپس پہنچ کر پیرس کے شمالی حصّے میں براہِ راست داخل ہوا جاسکتا تھا اور آگے سے گھوم کر غالباً پیرس کے جنوبی حصّے تک جانے والے راستے تک رسائی حاصل کی جاسکتی تھی جس کا مطلب تھا کہ دوسری طرف سے آنے والا صرف وہی ٹریفک اس ذیلی شاہراہ پر آتا جس کی منزل پیرس کے شمال میں ہوتی۔

ہم چاند کی پھیکی روشنی میں وقت گزاری کے لیے ان ہی امکانات پر باتیں کررہے تھے کہ اچانک سناٹے میں کسی انجن کی موہوم سی آواز سنائی دی اور چند ثانیوں بعد شاہراہ والی سمت سے دو روشنیاں اپنی طرف بڑھتی ہوئی نظر آئیں۔

"اب تمھاری باری ہے۔" ایلی نور پُرجوش لہجے میں بولی۔ "مجھے ہیجان خیز زندگی ہمیشہ سے پسند رہی ہے لیکن عملاً میں پہلی بار ایسے سنسنی خیز حالات سے گزر رہی ہوں۔"

"یہ ٹرک نہیں کوئی جیپ معلوم ہوتی ہے۔" میں نے آنے والی روشنیوں کا جائزہ لیتے ہوئے تشویش زدہ لہجے میں کہا کیونکہ کسی کار کے مقابلے میں ان ہیڈ لیمپس کی سڑک سے بلندی قدرے زیادہ تھی لیکن دونوں روشنیوں کا درمیانی فاصلہ اسے چھوٹی باڈی والی گاڑی ثابت کررہا تھا۔

"اگر یہ جیپ ہے تو اسے جانے دو۔" وہ میرا بازو تھام کر بولی۔ "کہیں اس میں بل ایتھی کے ہی آدمی نہ ہوں۔ ہمیں بھی کسی اوٹ میں دبک جانا چاہیے۔"

"پتا نہیں دوسری گاڑی کب آتی ہے۔ میں یہ موقع گنوانا نہیں چاہتا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "اگر وہ لوگ بھی ہوئے تو ہم ان سے نمٹ لیں گے کیونکہ اس ایک گاڑی میں ان کی تعداد چار چھ سے زیادہ نہ ہوگی۔"

"پھر تم کہیں چھپ جاؤ۔" وہ اضطراری لہجے میں بولی۔ "وہ جو کوئی بھی ہوئے، ویرانے میں ایک لڑکی کو تنہا دیکھ کر گاڑی ضرور روکیں گے۔ پوشیدہ رہ کر تم زیادہ مؤثر کردار ادا کرسکو گے۔ میدان صاف ہوا تو میں تم دونوں کو بلالوں گی۔ خطرے کی صورت میں پوشیدہ رہ کر تم ان پر کاری وار کرسکو گے۔"

اس کی بات میں خاصا وزن تھا۔ میں نے ذیلی سڑک پر آنے والی روشنیوں کی طرف دیکھا جو تیزی سے قریب آتی جارہی تھیں اور نگاہوں ہی نگاہوں میں ایلی نور کو الوداع کہہ کر درختوں کی طرف بڑھ گیا۔

"یہ بھی رکھو۔" میرے جاتے جاتے ایلی نور نے یم گن بھی میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "وہ ہمدرد ثابت ہوئے تو مجھے اس کی ضرورت نہیں پڑے گی، دشمن نکلے تو اس کے استعمال کی نوبت ہی نہیں آسکے گی۔"

"ادھر ہی آجاؤ۔" سلطان شاہ نے اپنی کمین گاہ سے ہانک لگائی۔ "یہ تنا آسانی سے ہم دونوں کو آڑ فراہم کرسکتا ہے، تم سے مشورہ بھی ہوتا رہے گا۔"

"الگ الگ مورچے زیادہ مؤثر ثابت ہوں گے۔" میں نے اس سے ذرا دور دوسرے درخت کی آڑ لیتے ہوئے کہا۔

"تم تو اس طرح تیاری کررہے ہو جیسے ان سے واقعی بھڑ جانے پر تُلے ہوئے ہو۔"

"چھٹی حس تصادم کی بُو محسوس کررہی ہے۔"

"تم دیکھ لینا کہ کچھ بھی نہ ہوگا۔" وہ مجھے اکسانے والے لہجے میں بولا۔ "انھیں روکنے کے لیے تم نے اتنا حسین چارا لگایا ہے کہ اسے غیبی انعام سمجھ کر اُنھیں رُکنا ہی پڑے گا۔ یہ ضرور ہے کہ بعد میں ہم دونوں کو دیکھ کر اُنھیں کباب میں ہڈیوں کی موجودگی کا ناخوشگوار احساس ہوگا لیکن پھر بھی وہ بداخلاقی نہ دکھا سکیں گے۔"

"اب چپ چاپ اور ہوشیار بیٹھے رہو، وہ قریب آگئے ہیں۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔

جوں ہی ایلی نور آنے والی کار کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں آئی، اس نے سڑک کے کنارے کھڑے ہوکر بے تابانہ انداز میں اپنے دونوں ہاتھ فضا میں لہرانے شروع کردیے۔

معاً سڑک پر تیرتی ہوئی روشنی کی چادر تیز ہوگئی۔ شاید انھوں نے ایلی نور کو دیکھ کر ہی ہیڈ لیمپس پورے آن کردیے تھے اور ان کی فل بیم نے سڑک کو دور تک منور کردیا تھا اسی کے ساتھ آنے والی گاڑی کی رفتار میں کمی کے آثار نمودار ہوئے تھے جو ہمارے منصوبے کے لیے حوصلہ افزا تھے۔

جیسے جیسے گاڑی قریب آتی گئی' ایلی نور کے ہاتھ لہرانے کی رفتار میں کمی آتی چلی گئی اور پھر وہ سڑک کا کنارا چھوڑ کر کچی زمین پر کھڑی ہوگئی۔ آنے والی گاڑی میرے اندازے کے مطابق آہنی باڈی والی لینڈ روور تھی۔ رُکنے سے قبل وہ رینگ ہی رہی تھی کہ ڈرائیور کے پہلو والی اگلی نشست کا دروازہ کھلا اور چرمی جیکٹ میں ملبوس ایک قوی الجثہ آدمی کود کر تیزی سے ایلی نور کی طرف جھپٹا۔ اسے دیکھتے ہی ایلی نور کے حلق سے ایک سُریلی خوفزدہ چیخ آزاد ہوگئی جس کا مطلب تھا کہ سیاہ چرمی جیکٹ والا اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ اس اثنا میں قوی الجثہ شخص نے بڑھ کر اسے دونوں بازوؤں سے دبوچ لیا تھا۔

ایلی نور کو پکڑ کر وہ شخص فرنچ میں کچھ غرانے لگا تھا۔ لینڈ روور رُکتے ہی عقبی نشست سے چھریرے بدن والا ایک اور جیکٹ پوش برآمد ہوا تھا جس کے ہاتھ میں رائفل دبی ہوئی تھی۔ پھر گاڑی کے ہیڈ لیمپس گُل کر دیے گئے لیکن انجن بند ہونے کے بعد بھی پارکنگ لائٹس روشن رہیں اور ڈرائیو کرنے والا بھی ان دونوں کے ساتھ آملا۔

ایلی نور نے تقریباً چیختے ہوئے' خوفزدہ آواز میں باز پُرس کرنے والے کو کوئی جواب دیتے ہوئے خود کو اس کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کی تھی جو میری توقع کے برعکس بارآور ثابت ہوئی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ایلی نور ان کو کوئی کہانی سنا کر مصالحانہ رویہ اختیار کرنے پر آمادہ کر چکی تھی۔

اس کے بعد قوی الجثہ شخص نے نرم لہجے میں سوالات کا آغاز کیا اور ایلی نور ان کے جواب دینے لگی۔ ساری گفتگو فرنچ میں ہو رہی تھی اس لیے اس کا ایک لفظ بھی میرے پلے نہ پڑ سکا لیکن ایلی نور کے بار بار ہاتھ کے اشاروں سے یہ اندازہ ضرور ہو گیا کہ وہ انھیں ویرانے میں کھڑی ہوئی از کار رفتہ پولیس کار کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

چند منٹ تک وہ باز پُرس یوں ہی پُرسکون انداز میں جاری رہی پھر اس نے بحث کا رُخ اختیار کر لیا جس کے اختتام پر قوی الجثہ جیکٹ پوش نے جو بظاہر ان کا سربراہ معلوم ہوتا تھا' اپنے ساتھیوں کو پولیس کار کی سمت میں اشارے کرتے ہوئے کچھ ہدایات دیں اور وہ دونوں سڑک چھوڑ کر میدان میں اتر گئے۔ چھریرے بدن والے جیکٹ پوش نے اپنی رائفل کندھے سے لٹکا کر جیب سے ٹارچ نکال کر روشن کر لی تھی۔

ایلی نور نے جو کچھ بھی کہانی تراشی ہو' وہ یقیناً لاجواب رہی تھی۔ وہ صرف خود تشدد سے محفوظ رہی تھی بلکہ اس نے دو کو وہاں سے روانہ کر کے ہمارا کام بھی آسان کر دیا تھا۔ تین کے بجائے ایک حریف کو گھیر کر مغلوب کر لینا زیادہ دشوار نظر نہیں آ رہا تھا لیکن میرے یہ سب سوچتے ہی لینڈ روور کے قریب تشدد کا آغاز ہو گیا۔

وہ جو کوئی بھی تھا نہایت سنگدل اور حیوان صفت آدمی تھا۔ تخلیہ میسر آتے ہی اس نے ایلی نور کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا۔ ایلی نور نے بوکھلا کر خود کو دور ہٹانا چاہا لیکن قوی الجثہ شخص نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کر اسے اپنی بانہوں میں دبوچ لیا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" سلطان شاہ کی کمین گاہ سے مضطربانہ سرگوشی ابھری جسے میں نے نظرانداز کر دیا کیونکہ اس وقت اجنبی کا چہرہ اور ایلی نور کی پشت ہماری جانب تھی جس پہ اجنبی کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے جمے ہوئے تھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ ان دونوں کی وہ پوزیشن زیادہ دیر برقرار نہیں رہے گی۔ ایلی نور کے رویّے سے معلوم ہو رہا تھا کہ اس نے خود کو درپیش خطرناک صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے مزاحمت ترک کر کے اس زیادتی پر سمجھوتا کر لیا تھا۔

طاقت اور بالادستی کے زعم میں مبتلا اس اجنبی کے وجود میں شاید بنی سنوری ایلی نور کو تنہا دیکھ کر کوئی حیوانی جوالا مکھی پھٹ پڑا تھا کیونکہ اسے کسی کل قرار نہیں آ رہا تھا۔ اس کے قدم متحرک تھے اور اسی کے ساتھ اس کے جنگل میں کسی بے بس پنچھی کی طرح پھنسی ہوئی ایلی نور بھی ہولے ہولے رُخ بدل رہی تھی۔

پھر جوں ہی اجنبی کی پشت ہماری سمت میں آئی' میں نے اپنی کمین گاہ چھوڑ کر پنجوں کے بل اس کی طرف دوڑ لگا دی اور اس سے پیشتر کہ وہ سیماب صفت دوبارہ رخ بدلتا' میں نے پستول کی نال عقب سے اس کے بائیں پہلو میں اڑا دی۔

"ہینڈز اپ!" میری للکار سُنتے ہی اس نے ایلی نور کو اتنی سُرعت سے چھوڑا تھا کہ اگر وہ دونوں ہاتھوں سے اس کے چرمی جیکٹ میں نہ جھول جاتی تو سر کے بل بری طرح سڑک پر گری ہوتی۔

شاید اس شخص کا ارادہ پلٹ کر مجھ پر وار کرنے کا تھا جو ایلی نور کی حرکت کی وجہ سے روبہ عمل نہ لایا جا سکا اور وہ غضب ناک انداز میں ایلی نور پر برستے ہوئے اپنی جیکٹ کو اس کی گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش کرنے لگا۔ اسی اثنا میں میں نے شور اور دھماکے سے گریز کرنے کی نیّت سے اپنی جیب سے بیم گن نکال کر پستول جیب میں ڈال لیا۔

"یہی اُلّو کا پٹھا بل ایتھی ہے۔" ایلی نور اس سے الگ ہوتے ہوئے نفرت کے ساتھ بولی۔ "اب اسے بتاؤ کہ پورے چاند کی روشنی میں محبت کیسے کی جاتی ہے۔"

اضطراری ردِعمل کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ وہ میرے اسلحہ کو نظرانداز کر کے نتائج کی پروا کیے بغیر مجھ سے بھڑ سکتا تھا لیکن ایلی نور نے اس کی جیکٹ سے ہٹ کر اسے سوچنے کے لیے قلیل سی مہلت فراہم کر دی تھی' اس لیے اس نے مشینی انداز میں اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے اور میں اسے وارننگ دیتے ہوئے اس سے چند قدم دور ہٹ کر اس طرح اس کے سامنے آ گیا کہ سڑک کے ساتھ والا میدانی علاقہ بھی میری نگاہ میں رہے تاکہ اگر اس کے ساتھی واپس آتے ہوئے نظر آئیں تو میں باز پُرس کا سلسلہ وہیں ترک کر کے فوری طور پر اسے موت کے گھاٹ اتار سکوں۔

اس کا چہرہ کسی بلڈاگ کی تھوتھنی کی طرح چوڑا تھا جس پر بھاری جبڑے لٹکے ہوئے تھے۔ بڑی بڑی سرد آنکھوں میں اس وقت سرخی تیر رہی تھی اور اس کے منہ سے وسکی کے بھبکے اُٹھ رہے تھے۔ شاید ہمارے پکڑے جانے کی اطلاع ملتے وقت وہ اپنی حویلی میں شراب سے شغل کر رہا تھا اور اسی حالت میں اس مہم پر دوڑا چلا آیا۔ اس کے قد کاٹھ اور ہاتھ پیروں سے اس کی وحشیانہ طاقت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا۔ قد میں وہ مجھ سے بھی ڈیڑھ دو انچ نکلتا ہوا تھا۔ اس کے سامنے دھان پان سی ایلی نور موم کی گڑیا کی طرح مختصر اور حقیر نظر آ رہی تھی۔ سلطان شاہ ایکسپلوڈر ہاتھ میں لیے ویرانے کی طرف نگراں تھا اور سڑک پر چڑھ آنے کے بجائے کچی ڈھلوان پر کھڑا تھا تاکہ میدان میں جانے والوں کی واپسی پر نگاہ رکھ سکے جس کا فوری امکان نہیں تھا۔ اگر بل ایتھی چیخ دھاڑ شروع کر دیتا یا ہم پستول استعمال کر بیٹھتے تو ان لوگوں کا واپس پلٹ پڑنا قرینِ قیاس ہو سکتا تھا۔

بل ایتھی نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بھرائی ہوئی آواز میں کچھ کہا جو میرے پلے نہ پڑ سکا۔

"انگریزی میں بات کرو۔" ایلی نور نے غرا کر اسے حکم دیا۔ "مجھے معلوم ہے کہ تم انگریزی بول سکتے ہو۔"

بل ایتھی نے اسے سرد اور قہر بار نظروں سے گھورا پھر مجھ سے مخاطب ہو گیا۔ "تمھارا دوسرا ساتھی کہاں ہے؟"

"وہ بھی آس پاس ہی موجود ہوگا۔" میں نے دانستہ اسے اس کے عقب میں سلطان شاہ کی موجودگی سے باخبر کیے بغیر کہا۔ "یہ بتاؤ کہ تمھاری قبر کہاں کھودی جائے؟"

"بے سود ہوگا۔" وہ سر ہلا کر بولا۔ "تم سمجھتے ہو کہ مجھے اور میرے دو ساتھیوں کو مار کر خود بچ جاؤ گے لیکن ایسا نہیں ہو سکے گا' اس وقت میرے بیسیوں آدمیوں کے علاوہ پولیس کی بھاری مسلّح نفری چپے چپے پر تمھاری بُو سونگھتی پھر رہی ہے.... اور یہ چلتا پھرتا اشتہار تو تمھیں مروا ہی دے گا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے حقارت سے ایلی نور کی طرف اشارہ کیا۔ "سب کو دو ایسے غیر ملکیوں کی تلاش ہے جن کے ساتھ ایک حسین مقامی ناگن بھی لگی ہوئی ہے۔"

"تمھیں علم ہے کہ تم کس سے مخاطب ہو؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے پانسا پھینکا۔

"آئی مین والی کہانی کم از کم میرے ساتھ نہیں چل سکے گی۔" وہ بے خوفی کے ساتھ بولا۔ "اس لیے کہ میں خود شی میں آئی مین کا درجہ رکھتا ہوں اور یہ راز صرف شی کے آئی مین ہی جانتے ہیں کہ لندن میں داؤد نامی ایک ایشیائی کو قتل کر کے کسی دشمن نے ایک سلور آئی حاصل کر لی ہے جو شاید تمھارے پاس ہے۔ اولیس نے جب مجھے گن بوٹ پر آئی مین کی موجودگی کی کہانی سنائی تھی تو اسی لمحے میں معاملے کی تہ تک پہنچ گیا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تمھیں مار کر میں دوسری سلور آئی حاصل کر سکوں گا۔" میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔ "اور تمھاری جلی ہوئی لاش یہاں پورے چاند کی روشنی میں اپنی حسرتوں کا ماتم کرتی رہ جائے گی۔"

"پیرس میں کوئی مجھ سے آنکھیں چار کرنے کی جرأت نہیں رکھتا۔ اہم سرکاری اہلکار مجھ سے بھاری ماہانہ مشاہرے پاتے ہیں۔ مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا جو ہر وقت سلور آئی ساتھ لیے پھرتا رہوں۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "داؤد ایشیائی تھا اور تم لوگ حد درجہ غیر ذمے دار اور دولت کے حرام ہوتے ہو اسی لیے ایک سلور آئی تنظیم سے باہر نکل گئی ورنہ سلور آئی کی حفاظت ہر آئی مین کے لیے مقدس فریضے کی حیثیت رکھتی ہے۔"

ایلی نور نے بجلی کی سی سُرعت سے جھپٹ کر اس کے چہرے پر پوری قوت سے طمانچہ رسید کر دیا اور اس کی گرفت میں آتے آتے لپک کر میری اوٹ میں آ گئی۔ بل ایتھی اس کے پیچھے آیا تھا لیکن بیم گن کا سامنا کرتے ہی اس کے قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے۔ اس کی آنکھوں میں اپنی تذلیل پر خون اتر آیا تھا لیکن بیم گن شاید اس کے لیے نامانوس نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا نشانہ خطا ہو کر بھی خطا نہیں ہوتا تھا۔

"عورت جتنی حسین ہوتی ہے اسی قدر زہریلی بھی ہوتی ہے۔ بالکل کسی ناگن کی طرح۔" وہ غصّے سے کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ "کل تک گن بوٹ پر میرا دل بہلاتی تھی اور آج اس نے مجھ پر ہاتھ اُٹھا لیا ہے۔ میں نہ سہی تو اب تم ہی یہاں سے جانے سے پہلے اس کے بدن کے چیتھڑے اُڑا دو۔ اگر تم اس کی وجہ سے پکڑے نہ گئے تو کسی وقت یہ تم پر بھی جوتی اُٹھائے گی۔"

"مجھ سے ہمدردی کا شکریہ۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "تم اپنی فکر کرو۔ پہلے اس کی مٹھاس دیکھی تھی' اب زہر بھی چکھو۔ یہی عورت میری حفاظت میں جوتیاں مار مار کر تمھارا بھیجا ناک کے راستے بہائے گی۔ تم سارے سفید سُور اسی قابل ہوتے ہو کہ تمھیں ان ہی کے ہاتھوں جوتیاں لگوائی جائیں جو شادی کے بغیر تمھارے ساتھ رہنے پر مجبور کی جاتی ہیں۔"

"بس میں اس کی صورت سے دھوکا کھا گیا۔" وہ غصّے اور تاسّف کے ملے جلے جذبات کے تحت بولا۔ "جب اس نے بتایا کہ یہ تم دونوں کو پولیس کار میں بے ہوش کر کے بمشکل اپنی عزت بچا کر فرار ہوئی ہے تو میں نے اس پر یقین کر لیا۔ اس کُتیا کو اسی وقت دو چار تھپڑ لگائے ہوتے تو نہ صرف سچ اُگل بیٹھتی بلکہ اس وقت صورتِ حال ہی کچھ اور ہوتی۔"

"یہاں وقت کیوں برباد کر رہے ہو؟" اچانک سلطان شاہ نے اکتائے ہوئے لہجے میں اردو میں ہانک لگائی۔ "وہ دونوں لوٹ آئے تو یہ معاملہ بگڑ بھی سکتا ہے۔"

بل ایتھی اس کی آواز سُن کر چونکا تھا لیکن میں نے اسے کوئی تبصرہ کرنے کا موقع نہیں دیا البتہ میں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ سلطان شاہ کی آواز سنتے ہی اس کا چہرہ تاریک پڑ گیا تھا کیونکہ تعداد کے اعتبار سے

میں آ تا تو شناختی کاغذات کا مسئلہ سنگین صورت اختیار کر سکتا تھا۔

لینڈ رو ور میں روانگی کے بعد ہم نے کافی دور جا کر سڑک سے نیچے ایک سنگلاخ ویرانے میں بل ایتھی کی لاش سے چھٹکارا حاصل کیا تھا پھر راستے میں کسی روک ٹوک کے بغیر پیرس کے اس ریلوے اسٹیشن پر پہنچے جہاں سے باہر جانے کے لیے ٹرینیں روانہ ہوتی تھیں۔ ہمارے پہنچنے کے بعد روانہ ہونے والی پہلی ٹرین پیرس سے قدرے جنوب مشرق کی طرف ڈیژوں نامی شہر کے لیے روانہ ہونے والی تھی جو ایلی نور کی رائے میں ہمارے لیے مناسب جگہ نہیں تھی کیونکہ وہاں کے مقامی ماحول میں ہم بہ آسانی دوسروں کی نگاہ میں آ سکتے تھے مگر ہم پیرس میں زیادہ دیر رکنے کا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتے تھے اس لیے طے یہ پایا کہ ہم پہلی ٹرین سے فوراً ہی روانہ ہو جائیں کیونکہ اس وقت تک ہماری تلاش کی ساری کوششیں شاہراہوں پر مرکوز تھیں۔ وہ لوگ یہ سوچ بھی نہ سکے ہوں گے کہ ہم نے دوبارہ پیرس میں داخل ہو کر ٹرین سے فرار ہونے کا منصوبہ بنایا تھا۔ ایلی نور کا خیال تھا کہ ڈیژوں جا کر وہیں قیام کرنے کے بجائے ہم لوگ اس شہر سے تقریباً دو سو کلومیٹر جنوب میں لیون جانے والی دوسری ٹرین پکڑ سکتے تھے اور وہیں ٹک کر اپنا آئندہ پروگرام بھی طے کر سکتے تھے۔

اس طرح ہم شام سے پہلے لیون پہنچ گئے جو فرانس کا ایک خوبصورت اور ترقی یافتہ شہر تھا۔ پیرس کی طرح اس شہر کے وسط سے بھی ایک دریا گزرتا ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہو گا کہ شہر کے عین وسط میں دو دریا ایک دوسرے سے مل کر آگے بڑھتے ہیں ان میں سے ایک مشرق سے آنے والا دریائے سون ہے اور دوسرا مشرق میں سوئٹزرلینڈ کی سرحد سے آنے والا دریائے رہون ہے جو باہم شیر و شکر ہو کر راستے میں آنے والی زمینوں کو سیراب کرتے، بجلی بناتے اور روزنی بجروں کو اپنے سینے پر گزرگاہیں فراہم کرتے رہون کے ہی نام سے سمندر میں جا ملتے ہیں۔

ایلی نور نے بتایا کہ لیون کا شمار فرانس کے قدیم شہروں میں ہوتا تھا جس کے آثار جا بجا پرانی تعمیرات کی صورت میں دیکھے جا سکتے تھے۔ فرنچ عام طور پر اسے ایک پُراسرار شہر قرار دیتے ہیں جس کا اپنا ایک مزاج اور انداز ہے جسے سمجھنا اجنبیوں کے لیے عموماً آسان نہیں ہوتا۔ قدیم شہر مشرق میں دریائے سون کے داہنے کنارے پر پہاڑیوں میں پھیلا ہوا ہے جن کے سینے اس شہر کی بیس صدی کی تاریخ کے امین ہیں۔ ان کے نیچے اور دریائے سون کے بائیں کنارے پر خال خال پرانی عمارات کے ساتھ کثیر المنزلہ جدید عمارات کا جال پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔

"شاید تم ہمیں مستقل طور پر اسی شہر میں قیام کا مشورہ دینے والی ہو۔" میں نے اس کی طویل تعارفی تقریر سے اکتا کر کہا تھا۔ "ہمیں لیون سے اس سے زیادہ کیا دلچسپی ہو سکتی ہے کہ ہم یہاں بس ایک آدھ روز ہی گزاریں گے۔"

"راستے میں میں نے تم سے ذکر نہیں کیا تھا لیکن جمی لائیڈ کے بارے میں صحیح معلومات یہاں سے بھی مل سکتی ہیں۔" اس نے دلآویز مسکراہٹ کے ساتھ انکشاف کیا اور میں چونک پڑا۔

"جمی لائیڈ کا یہاں کیا کام؟"

"تم نے میری باتوں پر غور نہیں کیا۔" وہ بدستور مسکراتے ہوئے بولی۔ "دریائے رہون آبی گزرگاہ کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور سمندر سے بھاری بجرے ساز و سامان لے کر کئی سو کلومیٹر تک اندر آتے ہیں۔ اس روٹ پر کنگ لائنز کے بجرے بھی چلتے ہیں اور لیون کے ایک ہوٹل میں اس کمپنی کا باقاعدہ دفتر بھی قائم ہے۔"

"اوہ، اور یہ معلومات تم نے مجھ سے اب تک چھپائے رکھی تھیں!" میں نے حیرت سے کہا۔

"چھپانے کی کوئی بات ہی نہیں تھی۔" وہ اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے بولی۔ "بس یہ بات یاد نہیں آئی تھی کیونکہ کنگ لائنز کے لیون آفس سے میرا کبھی واسطہ نہیں پڑا البتہ کسی سے اس کا ذکر سنا تھا۔ ابھی تمہیں لیون کی پرانی تاریخ بتاتے ہوئے اچانک ہی مجھے یہ بات یاد آئی اور پھر یہ بھی خیال آیا کہ تم جمی لائیڈ کی جستجو میں ہو تو اس کے بارے میں خاصی معلومات یہاں سے بھی مل سکتی ہیں کم از کم اتنا تو پتا چل ہی جائے گا کہ وہ ان دنوں یورپ کے کس حصے میں مقیم ہے۔"

"اس کمپنی کا دفتر کس ہوٹل میں ہے؟"

"ڈائرکٹری میں دیکھنا پڑے گا۔" ایلی نور نے بیڈ سائیڈ ٹیبل کے نچلے خانے کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا اور پھر وہ ٹیلیفون ڈائرکٹری کی ورق گردانی میں مصروف ہو گئی۔

چند منٹ بعد ہی وہ ڈائرکٹری میں کنگ لائنز کا پتا تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئی جس کے دفاتر ہوٹل ڈی وائل ڈی لیون کی تیسری منزل پر واقع تھے۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ کمپنی کے مقامی عہدیداروں کے نام شروع ہونے سے قبل سرفہرست کمپنی کے چیئرمین جمی لائیڈ کا نام درج تھا جس کے آگے دو فون نمبر براہِ راست تھے اور تیسرا ہوٹل کے ٹیلیفون ایکسچینج کی معرفت ملوایا جا سکتا تھا جس کا مطلب تھا کہ کبھی کبھار جمی لائیڈ بھی لیون آ کر دفتر میں بیٹھا کرتا تھا۔

اس وقت دفتر کھلا ہوا ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا لیکن وہ انکشاف اتنا اہم اور دعوت انگیز تھا کہ میں اسی وقت جمی لائیڈ کے نمبروں پر فون کرنے کی اپنی خواہش پر قابو نہ پا سکا۔

انسٹرومنٹ پر صفر ڈائل کر کے میں نے پہلے براہِ راست ڈائل ٹون حاصل کی اور پھر جمی لائیڈ کا نمبر ملایا۔ تیسری گھنٹی بجنے پر دوسری طرف سے ریسیور اٹھا لیا گیا تو میرا دل بے اختیار اچھل کر حلق میں آ گیا۔

دوسری طرف سے ایک خوشگوار نسوانی آواز سنائی دی تھی جس کے کہے ہوئے الفاظ میں سے صرف کنگ لائنز ہی میرے پلے پڑ سکا کیونکہ باقی الفاظ فرنچ میں ادا کیے گئے تھے۔

"میں فرنچ نہیں سمجھ سکتا۔ کیا تم انگریزی بول سکتی ہو؟" میں نے کہا۔

اس کی گلو خلاصی کا کوئی موہوم سا امکان بھی باقی نہیں رہا تھا۔

"ٹھہرو۔" بیم گن کی نال کی جنبش اور میرے عزائم کو محسوس کرتے ہی وہ اضطراری انداز میں بول پڑا۔ "مجھے مار کر تم کو کچھ بھی حاصل نہ ہو سکے گا، اگر تم میری جان بخش کر دو تو میں یقین دلاتا ہوں کہ تم فائدے میں رہو گے۔"

"تمہیں مار کر مجھے سب سے بڑی خوشی یہ ہو گی کہ میں دوسرے یورپی آئی مین کو مار دوں گا۔ پہلا آئی مین تو بقول تمہارے ایشیائی ہونے کی وجہ سے بالکل ہی گھامڑ اور بودا تھا۔"

"لو وہ بھی آ گئے۔" اس نے اچانک میرے عقب میں دیکھتے ہوئے بشاش لہجے میں کہا۔ وہ کسی حریف کی توجہ مبذول کرانے کا بہت پرانا اور گھسا پٹا حربہ تھا لیکن بل ایتھی نے وہ الفاظ اتنے اعتماد کے ساتھ ادا کیے کہ میری گردن بے اختیار پیچھے گھوم گئی اور وہ اس مہلت کا فائدہ اٹھا کر کسی دیوہیکل چٹان کی طرح مجھ پر ٹوٹ پڑا۔

اس کی کوشش میرے قبضے سے بیم گن حاصل کرنے کی تھی لیکن اس پر میری مضبوط گرفت کے باعث وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ البتہ اپنے بائیں ہاتھ سے میری داہنی کلائی تھام کر کسی جونک کی طرح مجھ سے لپٹ گیا اور میری ٹانگوں میں اپنی پنڈلیاں اڑا کر مجھے نیچے گرانے کی کوشش کرنے لگا۔

زور آزمائی کرتے ہوئے جب مجھے پورا یقین ہو گیا کہ بل ایتھی میری مرضی کے خلاف نیچے جھک کر بیم گن نہ اٹھا سکے گا تو میں نے اس ہتھیار کو نیچے گرا دیا۔ اس کی جسمانی طاقت کو دیکھتے ہوئے مجھے خوف تھا کہ بیم گن میری تحویل میں رہتی تو وہ کسی بھی لمحے طاقت اور چالاکی سے اسے حاصل کر سکتا تھا لیکن نیچے گرانے کے بعد سلطان شاہ اور ایلی نور میں سے کوئی بھی اس پر قابض ہو سکتا تھا۔

اس بارے میں میرا اندازہ سو فیصد درست ثابت ہوا۔ ایلی نور نے فوراً ہی بیم گن اٹھا کر بل ایتھی کو اس کی زد پر لے لیا تھا اور غراتے ہوئے بولی تھی: "دونوں ہاتھ اوپر اٹھاؤ ورنہ پشت چھلنی کر دوں گی۔"

بل ایتھی نے دونوں ہاتھ اٹھا لیے اور میں نے اس سے الگ ہوتے ہی اس کے لٹکے ہوئے جبڑے پر داہنے ہاتھ سے اتنا شدید مکا رسید کیا کہ وہ ایک کراہ کے ساتھ لڑکھڑا کر رہ گیا۔ اس کے ساتھ اس کے منہ سے فرنچ میں پے در پے کئی الفاظ آزاد ہوئے تھے جو گالیوں سے کم نہیں تھے کیونکہ ان کے ردِ عمل میں ایلی نور نے قدرے پیچھے ہٹ کر پوری قوت سے بل ایتھی کی پشت پر لات جمائی تھی۔

ایلی نور کی نرم و نازک نسوانی لات بل ایتھی کے تابوت کی آخری کیل بن گئی کیونکہ لات کھاتے ہی وہ کسی پاگل بھیڑیے کی طرح غراتا اور دانت پیستا ہوا ایلی نور کی طرف پلٹا تھا اور اس نے قدرے خوف زدگی کی حالت میں اپنا ہاتھ سیدھا کر کے بیم گن کا ٹرائیگر دبا دیا۔

نال کے باریک سوراخ سے پتلی سی ہلکی نیلگوں شعاع خارج ہوئی اور بل ایتھی کی گردن کو جھلسانے لگی۔ وہ تکلیف اور اذیت سے بلبلاتے ہوئے دونوں ہاتھ نیلگوں موت کے دھارے میں لے آیا، جیسے ان شعاعوں کو ہاتھ سے روکنا چاہتا ہو۔ فضا اس کے ہاتھوں کے جلنے کی چراند سے بوجھل ہو گئی۔ اسی اثنا میں ایلی نور کا خوف کم ہونے کے ساتھ اعتماد بحال ہوا اور نیلگوں شعاع بل ایتھی کے سینے اور درمیان میں آئے ہوئے بازو کو جلاتی ہوئی بائیں پہلو میں پیوست ہو گئی۔ بل ایتھی اپنی شہ زوری کے باوجود خود کو اس دردناک انجام سے نہ بچا سکا اور کرب و اذیت کے آخری اثرات اس کے چہرے پر یوں ہی ٹھٹھر کر رہ گئے۔ موت کے بے رحم فرشتے نے اتنی تیزی کے ساتھ اسے اپنی آغوش میں سمیٹا تھا کہ وہ یوں ہی کھڑے کھڑے مر گیا۔ اس کی بے جان ٹانگیں اس گرانڈیل کا وزن نہ سہار سکیں اور وہ منہ کے بل پختہ سڑک پر پُرشور آواز سے ڈھیر ہو گیا۔

"چلو۔" سلطان شاہ نے تیزی کے ساتھ لینڈ رو ور کی طرف بڑھتے ہوئے کہا لیکن میں نے اسے روک دیا۔

"بل ایتھی کی لاش بھی ساتھ لے جانا ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"تمہیں واقعی مُردے ڈھونڈنے کا شوق ہے۔" سلطان شاہ چڑچڑے لہجے میں بولا۔ "تم لاش لے جاؤ گے لیکن اس کے ساتھی ذرا سی دیر میں یہ خبر ہر طرف پھیلا دیں گے۔"

"بل ایتھی شراب کے نشے میں دُھت تھا اور ایلی نور کو دیکھتے ہی اس کے ذہن پر رومان کا بھوت سوار ہونے لگا تھا۔ میرے پاس وقت ہوتا تو اس کے ساتھیوں کو بھی ٹھکانے لگا کر واپس ہوتا لیکن ہمارا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ وہ لوگ ہم دونوں کی موجودگی سے لاعلم ہیں۔ گاڑی اور لڑکی سمیت بل ایتھی کو غائب پا کر وہ سوچ بھی نہ سکیں گے کہ ان کا باس لڑکی کے ہاتھوں مارا گیا ہو گا۔ ان کے ذہن میں پہلا خیال یہی آئے گا کہ بل ایتھی لڑکی کو ساتھ لے گیا ہے۔۔" میں نے انگریزی میں کہا۔

"تمہارا خیال درست ہے۔" ایلی نور نے جلدی سے میری تائید کی۔ "عورتوں اور لڑکیوں کے بارے میں بل ایتھی کی شہرت بہت گندی ہے۔ اس طرح ہمیں مزید مہلت مل جائے گی۔"

میں نے سلطان شاہ کے ساتھ مل کر بل ایتھی کی وزنی لاش کو لینڈ رو ور کے عقبی پائیدان میں ٹھونسا۔ میری ہدایت پر سلطان شاہ عقبی نشست پر دراز ہو گیا۔ میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور ایلی نور پسنجر سیٹ پر آ گئی۔

لینڈ رو ور کی چابی اگنیشن میں موجود تھی۔ میں نے انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھا دی۔

لیون خوبصورت اور صاف ستھرا شہر تھا جہاں ہمیں کسی دشواری کے بغیر ایک ہوٹل میں کمرے مل گئے۔ وہاں ایلی نور کا فرنچ نژاد ہونا کام آیا تھا اور کمرے اسی کے حوالے سے مل گئے تھے ہم دونوں کا نام درمیان

"بہت کم اور ٹوٹی پھوٹی لیکن سمجھ ضرور لیتی ہوں۔" دوسری طرف سے مترنم ہنسی کے ساتھ کہا گیا۔ "میں کنگ لائنز کے چیئرمین کے دفتر سے بول رہی ہوں۔"

"کیا میں تمھارے چیئرمین سے بات کرسکتا ہوں؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ سوال کیا۔

"وہ موجود نہیں ہیں۔ میں ان کی سکریٹری ہوں، کوئی پیغام ہو تو تم مجھے نوٹ کرا سکتے ہو ٹیلکس پر انھیں مطلع کردیا جائے گا۔" اس کے خوشگوار لہجے میں حوصلہ افزائی کا عنصر نمایاں تھا۔

"پیغام تمھارے لیے تو ہوسکتا ہے، تمھارے خشک اور تندخو باس کے لیے نہیں۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر محض بات بڑھانے کی نیت سے کہا۔ ڈر تھا کہ کہیں وہ برا مان کر سلسلہ منقطع نہ کردے۔

اس کی کھنکتی ہوئی ہنسی سنائی دی۔ "میرا باس بہت نرم اور مہربان ہے... تم نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا؟"

"اوہ، میرا نام رونکا ہے، آج ہی پولینڈ سے آیا ہوں۔" میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ "اور تمھارا نام کیا ہے؟"

"کیا میرا صرف سکریٹری ہونا کافی نہیں؟" وہ بھی باتونی معلوم ہو رہی تھی۔

"گلاب کو صرف پھول کہنا ظلم ہوتا ہے۔ اسے جب تک اس کے اپنے نام سے نہ پکارا جائے نہ اس کی پوری شناخت ہوتی ہے نہ اس کی مہک کا تصور کیا جاسکتا ہے۔"

"تم تو شاعر معلوم ہوتے ہو۔ میرا نام لوسیلا ہے۔ میں محسوس کررہی ہوں کہ تم باس کے لیے اپنا پیغام بھول کر میری ذات میں دلچسپی لینے لگے ہو جو اچھی بات نہیں ہے۔" اس کے الفاظ میں مزاح ضرور تھا لیکن لہجے میں دور تک ملامت کا کوئی شائبہ نہیں تھا جس کی وجہ سے میری مزید حوصلہ افزائی ہوئی۔

"میں فطرت کے اعتبار سے جمال پسند ہوں۔" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔ "بچپن میں میری ماں مجھے پرچون کی دکان سے دال آٹا لینے بھیجتی تھی تو میں اکثر قریبی ندی سے خوبصورت سنگریزے چننے بیٹھ جاتا تھا اور اپنی اس دھن میں پیسے کہیں بھول کر دال آٹے کے بجائے جیبوں میں پتھر لے کر گھر پہنچتا تھا۔ میں بہت بے ضرر طبیعت کا مالک ہوں، کیا یہ ممکن ہے کہ میں تمھیں دیکھ سکوں؟ تمھاری آواز میں مجھے جھرنوں کا سا ترنم رچا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔ اس مشینی دور میں اتنی تر و تازہ اور دلکش آوازیں برسوں میں سننے کو ملتی ہیں۔" میں نے اپنے لہجے میں گداز پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا اس دوران میں ایلی نور مجھے یوں حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی جیسے میرا دماغ چل گیا ہو۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ تم نے صرف مجھ سے ملنے کا بہانہ پیدا کرنے کے لیے یہ فون کیا ہو؟" وہ ایک دم ہی سنبھل گئی تھی کیونکہ اس کی آواز میں سنجیدگی عود کر آئی تھی۔

"نہ یہ دفتر کا وقت ہے اور نہ مجھے الہام ہوسکتا تھا کہ دفتر میں اپنے چیئرمین کے بجائے تم موجود ہوگی، بس اتفاقاً ہی تمھاری آواز دل پر اثر کرگئی ہے۔"

"چیئرمین کسی بھی وقت آسکتا ہے۔ وہ عموماً اٹلی میں ہوتا ہے لیکن جب وہ یہاں آتا ہے تو ہر چیز مکمل دیکھنا چاہتا ہے۔ آج کام زیادہ تھا اس لیے میں ریکارڈ مکمل کرنے کے لیے رکی ہوئی ہوں... ویسے باس سے تمھارا کیا تعلق ہے؟"

"بہت پرانا اور قریبی تعلق ہے، ملوگی تو تفصیل سے بتاؤں گا۔"

"تم عجیب آدمی ہو مسٹر رونکا۔" شاید وہ میرے جواب سے محظوظ ہوئی تھی۔ "مجھ پر اتنا زور دکھا رہے ہو جیسے میں واقعی تمھاری بات مان لوں گی۔ ہوسکتا ہے کہ میں تم سے نہ مل سکوں۔"

"مجھے یقین ہے کہ تم انکار نہیں کروگی۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ "میں صرف چند منٹ کے لیے تم سے ملنا اور باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ تمھاری مرضی کے خلاف ذرا بھی گستاخی کروں تو تم فوراً چلی جانا۔"

"پھر نو بجے ہوٹل کے نیچے والے کافی شاپ میں آجانا میں صرف چند منٹ دے سکوں گی۔"

"بہت بہت شکریہ، لیکن میں تمھیں کیسے پہچان سکوں گا؟"

"کیا میری آواز کافی نہیں ہوگی؟" وہ کھلکھلا کر ہنسی پھر سنجیدگی سے بولی۔ "کاؤنٹر پر معلوم کرلینا وہ تمھیں بتادیں گے۔"

میں نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

"اب کس سے عشق لڑا رہے تھے؟" فارغ ہوتے ہی سلطان شاہ کا کڑا لہجہ سنائی دیا۔ "تمھارے مزاج کی یہ رنگینی کسی دن تمھیں لے ڈوبے گی۔ عورت کی آواز سنتے ہی پھسل پڑتے ہو۔"

ایلی نور تائیدی انداز میں خاموش کھڑی رہی کیونکہ سلطان شاہ نے اپنے الفاظ میں شاید اس کے جذبات بھی سمو دیے تھے اور میں ان دونوں کے سامنے خود کو نرا احمق محسوس کررہا تھا۔

"تمھیں معلوم ہے کہ میں نے کہاں فون کیا تھا؟" میں نے سلطان شاہ کو گھورتے ہوئے سخت لہجے میں سوال کیا۔

"لیکن خوش قسمتی سے اس نمبر پر جمی لائیڈ کے بجائے ایک لڑکی ٹکرا گئی۔" وہ ڈھٹائی کے ساتھ بولا۔

"تم جہنم میں جاؤ... میں اس سے ملنے نہیں جاؤں گا۔" میں نے چڑ کر کہا۔ "میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم دونوں کو اس بات پر بے حد خوشی ہوگی کہ میں نے جمی لائیڈ کی سیکرٹری کو شیشے میں اتار لیا ہے۔"

"میں کسی لڑکی سے اس کا نام پوچھنے کی بھی ہمت نہیں کرسکتا اور تم اسے ندی سے پتھر چننے کی کہانیاں سنانے بیٹھ گئے تھے اور حیرت ہے کہ وہ تمھاری ساری باتیں سن کر بھی وقت دینے پر آمادہ ہوگئی۔"

سلطان شاہ کے تلخ لہجے پر اس بار ایلی نور ہنس پڑی۔ "تو اس میں ڈینی کا کیا قصور ہے؟ اور تم اس معاملے میں بالکل نکمے ہو، اپنا موازنہ ڈینی سے کروگے تو شرمندگی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔"

"دنیا کی ہر عورت تعریف اور خوشامد کی بھوکی ہوتی ہے۔" میں نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "بظاہر وہ کتنا ہی غصہ دکھائے ان حرکتوں پر من ہی من میں اتراتی ہے اور آخرکار جال میں آجاتی ہے اس کے لیے اس سے بڑی خوشی کی بات کیا ہوگی کہ ایک اجنبی غیر ملکی اس کی آواز کی تعریف کررہا تھا۔"

"تم جانتے ہو کہ جمی لائیڈ کس پائے کا مجرم ہے اس کی سیکرٹری اتنی احمق نہیں ہوسکتی کہ اس پر دو میٹھے بول کام کر جائیں، ہوسکتا ہے کہ اپنے باس میں تمھاری دلچسپی کی وجہ سے وہ خود تم کو گھیرنا چاہ رہی ہو۔"

چلو دونوں ہی اپنی اپنی کوشش کرلیں گے، کامیاب وہی ہوگا جو سیانا ہوگا۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"یہ خیال غلط ہے۔" ایلی نور اس کی تردید کرتے ہوئے بولی۔ "کنگ لائنز ایک خالص کاروباری ادارہ ہے اور جمی لائیڈ اس کا معزز سربراہ ہے، وہاں مجرمانہ سازشوں کا کوئی گزر نہیں ہے۔ میں خود اس ادارے میں ملازم رہ چکی ہوں، میرا دعویٰ ہے کہ ڈینی نے اس لڑکی کو کامیابی سے بے وقوف بنایا ہے۔"

وہ دونوں اس نئے موضوع پر اپنے اپنے انداز میں رائے زنی کرتے رہے اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر لوسیلا پر میرا داؤ چل گیا تو جمی لائیڈ پر ہاتھ ڈالنا نہایت آسان ہوجائے گا۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ پیرس میں مشکلات کا آغاز ہوتے ہی ہم نے لیون کا رخ کیا تھا جہاں جمی لائیڈ کا ایک ٹھکانا موجود تھا مگر اسی کے ساتھ مجھے یہ فکر بھی لاحق تھی کہ جمی لائیڈ گن بوٹ کے حشر سے واقف ہونے کے بعد اس وقت تک پیرس کے خون ریز واقعات سے بھی باخبر ہوچکا ہوگا۔ اس طرح اسے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری پیش نہ آتی کہ اس کے بدترین دشمن فرانس کی حدود میں دندناتے پھر رہے تھے اور لیون بھی فرانس ہی میں تھا۔

گو میں نے کبھی بھی کوئی ایسا اشارہ نہیں چھوڑا تھا جس سے یہ تاثر مل سکے کہ میں جمی لائیڈ کی دہری شخصیت سے واقف ہوچکا تھا یا شی اور کنگ لائنز کے باہمی تعلق سے باخبر ہوچکا تھا، لیکن جمی لائیڈ نے مجھے اور سلطان شاہ کو انگلینڈ کے ڈیلٹا کیمپ میں قید کرکے نہایت چالاکی سے یہ دریافت کرلیا تھا کہ میں لاہور کے لائیڈز کاٹیج کی تباہی سے قبل ایک خفیہ کمرے میں اس کی قدِ آدم رنگین قلمی تصویر دیکھ چکا تھا۔ اس کے نزدیک اس کی خودساختہ بیٹی ویرا لائیڈ کے علاوہ میں

واحد شخص تھا جو جمی لائیڈ کی صورت سے واقف ہوچکا تھا... محض اسی بنا پر کنگ لائنز والے جمی لائیڈ کی دہری شخصیت کو ... کرسکتا تھا۔

ان تمام امکانات کو یکجا کرکے جمی لائیڈ کئی دور رس نتائج ... کرسکتا تھا۔ یورپ نہ صرف اس کی کاروباری بلکہ مجرمانہ سرگرمیوں کا بھی مرکز تھا اور میں برطانیہ سے بحفاظت فرار ہوکر یورپ کے قلب، فرانس میں داخل ہوچکا تھا اسی لیے اپنے سابقہ تجربے پر جمی لائیڈ کسی بھی پہلو کو نظرانداز نہیں کرسکتا تھا۔

ٹیکسی میں ایلی نور میرے ساتھ تھی۔ اس کا کام صرف مجھے کافی ہاؤس تک پہنچا کر باہر ہی میری واپسی کا انتظار ... شاید میں اسے ساتھ نہ لیتا لیکن فرانس میں داخل ہو... میں نے یہ محسوس کرلیا تھا کہ انگریزی زبان کے بارے ... فرانسیسیوں کا عام رویہ بہت متعصبانہ تھا۔ بہتیرے ... جانتے ہوئے بھی اس زبان میں بات کرنا پسند نہیں کر... جس کی وجہ سے نچلے طبقے کا ذریعۂ اظہار صرف فرنچ ... ہوکر رہ گیا تھا اس لیے ٹیکسی ڈرائیور تک اپنا مدعا ... لیے میں نے ایلی نور کو محض گائیڈ کے طور پر ساتھ لے لیا ... دریا کے کنارے خوب صورت سڑک پر ٹیکسی ... سے آگے بڑھتی رہی مشہور مقامات اور بعض تاریخی ... کو دیکھتے ہوئے ہم دونوں دریاؤں کے مقام اتصال ... اور پھر دونوں دریاؤں کے درمیانی علاقے میں تھوڑا ... سفر کرنے کے بعد ہوٹل ڈی وائل ڈی لیون کی عمارت ... لگی جو بلامبالغہ دونوں دریاؤں کے درمیان کھڑی تھی۔ اسی کے ساتھ دریائے سون کے داہنے کنارے پر کسی نشریاتی ادارے ... ٹاور نظر آرہا تھا۔

میری رسٹ واچ میں اس وقت نو بجنے میں چند منٹ ... تھے۔ کرایہ ادا کرکے ہم دونوں ٹیکسی سے اتر آئے، اس دوران ... نے نچلی منزل پر کافی ہاؤس کا روشن بورڈ دیکھ لیا تھا۔

"میں یہیں کہیں تم سے آملوں گی۔" وہ مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولی۔ "تمھیں میری تلاش میں بھٹکنا نہیں پڑے گا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے گرم جوشی کے ساتھ مغربی انداز میں الوداع کہا اور میں مڑ کر کافی ہاؤس کی طرف ہولیا۔ اس وقت بیم گن میرے کوٹ کی جیب میں موجود تھی تاکہ کسی ناگہانی حادثے کا مقابلہ کیا جاسکے۔

کافی کی تیز اور تلخ بو کافی ہاؤس کی خواب ناک فضا میں رچی ہوئی تھی جسے سگریٹ، پائپ اور سگار کے ملے جلے دھوئیں نے

مزید بوجھل بنا دیا تھا۔ دھیمی دھیمی روشنیوں میں کافی ہاؤس کی بیشتر میزیں آباد نظر آ رہی تھیں۔ مجھے خوشی ہوئی کہ یورپ کے اس ترقی یافتہ شہر میں ایسے جوڑوں کی کمی نہیں تھی جو اپنی شامیں شراب خانوں کے بجائے کافی ہاؤس میں گزارنے کو ترجیح دیتے تھے ورنہ یہ دَور تو سراسر رفتار، سرعت اور مقابلے کا دَور بن کر رہ گیا تھا جس میں ذہنی سکون کے لیے چائے یا کافی تو درکنار، روایتی نشے تک بُری طرح ناکام ہو رہے تھے۔ جن کی جگہ جوان نسلوں میں تیز اور نئے نشے مقبول ہو رہے تھے۔

لوگ چرس افیم اور بھنگ کو بھول کر اب مارفین، کوکین اور ہیروئن کی آغوش میں پناہ لے رہے تھے۔ نئے نشے مہنگے تھے کیونکہ ان کی طلب رسد سے کہیں زیادہ تھی اس لیے ان نشوں کے عادی زیادہ کمانے پر مجبور رہتے تھے۔ زیادہ کمانے کی فکر میں ذہنی دباؤ دن بہ دن بڑھتا جا رہا تھا اور ذہن اور زیادہ شدت سے نشے کا طلب گار ہوتا جا رہا تھا۔ اس طرح ہر طرف ایک ختم نہ ہونے والا طاغوتی چکر چل نکلا تھا جس میں لوگ گرہ سے خطیر رقمیں خرچ کر کے مہنگے نشے خرید رہے تھے، مسائل سے فرار کے لیے اپنی جانوں کو ذگار کر رہے تھے اور اُن کے اس جنون سے جمی لائیڈ جیسے بھیڑیے دولت کی کانیں سمیٹ رہے تھے۔

ایک ویٹریس کی نرم و مترنم آواز نے میرے خیال کی رَو درہم برہم کر دی۔ اُس نے جو کچھ پوچھا تھا وہ میری سمجھ سے بالا تھا۔ لہٰذا میں بھی اُس کے ہونٹوں پر سجی ہوئی پیشہ ورانہ مُسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیتے ہوئے کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا لیکن وہ فرض کی ماری میرا پیچھا چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئی اور لپک کر میرے سامنے آ گئی۔

"مَیں تمھاری کیا مدد کر سکتی ہوں؟" اس بار اُس نے شکستہ انگریزی کا سہارا لیا تھا۔

"مَیں لوسیلا سے ملنے کے لیے آیا ہوں۔" مَیں نے اُس کی چمکتی ہوئی سیاہ آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

"آؤ میرے ساتھ۔ اُس نے جسم کو قدرے خم دے کر دونوں ہاتھوں کے اشارے سے، ادا کے ساتھ ایک طرف اشارہ کیا اور مَیں مسحور سا اُس کے پیچھے ہو لیا۔

"پھر پھسل پڑے عورت کو دیکھتے ہی۔" میرے ذہن کے کسی گوشے میں سلطان شاہ نے ہانک لگائی اور مَیں جھنجھلا کر اپنی پیشانی مَسل کر رہ گیا۔ شاید وہ مردود سچ ہی کہتا تھا کہ قدرت نے صنفِ نازک کے حق میں مجھے بہت بااخلاق بنایا تھا اور اگر سامنے والی کی صورت و گفتار اچھی ہو تو یہ خوش خلقی کچھ زیادہ ہی زور مارنے لگتی تھی۔

مَیں نے زیرِ لب لاحول پڑھ کر اپنے ڈھلکے ہوئے شانے سیدھے کیے اور اس کے پیچھے میزوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے اپنے چہرے پر کرخت مردانہ سنجیدگی طاری کرنے کی کوشش کرنے لگا اور اُسی لمحے وہ ویٹریس ہال کے گوشے میں ایک ایسی میز کے قریب رُک گئی جس میز کے گرد سیاہ مخملی لباس میں ایک حسین ساحرہ بیٹھی ہوئی تھی جس کے یاقوتی لبوں پر غیر محسوس سی مسکراہٹ ثبت تھی۔

"مادام لوسیلا،" ویٹریس نے اپنے سر کو خم دے کر مجھ سے کہا۔ پھر سیاہ پوش ساحرہ سے بولی۔ "نو بج رہے ہیں، شاید یہی تمھارے وہ مہمان ہیں جن کا انتظار تھا۔"

بے اختیار میرے شانے پھر ڈھلک گئے اور مَیں مردانہ سنجیدگی کو خیرباد کہہ کر مُسکرانے پر مجبور ہو گیا کیونکہ وہ شعلہ جوالہ میرے استقبال کے لیے کرسی چھوڑ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"خوش آمدید مسٹر ردنکا!" اُس نے رسیلی اور مترنم آواز میں وہ کلمات ادا کرتے ہوئے اپنا مرمریں ہاتھ میری طرف بڑھا دیا جسے مَیں نے نہایت احتیاط اور نرمی سے اپنی کرخت ہتھیلی میں چھپا لیا اور اُس کے وجود کی حرارت میرے اندر کے آدمی کو پگھلانے لگی۔ وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرائے جا رہی تھی۔ اُس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی بھی کوشش نہیں کی تھی لیکن اُس وقت میری وہ حرکت غیر ارادی نہیں تھی بلکہ میں اُسے یقین دلانا چاہ رہا تھا کہ میں صرف جمال پرست تھا اور اس سے ملاقات میں میری کوئی دوسری غرض پوشیدہ نہیں تھی۔ اس طرح مَیں اُسے آسانی سے راہ پر لا سکتا تھا۔

"ناقابلِ یقین۔" چند ثانیوں بعد میں آہستگی سے اُس کا ہاتھ آزاد کرتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تمھارا چہرہ آواز سے زیادہ حسین ہوگا۔ . . مونالیزا کی مسکراہٹ شاید تمھارے ہی لبوں سے چُرائی گئی ہے۔"

"بیٹھو۔" وہ خفت آمیز لہجے میں بولی لیکن اندر کی خوشی اُس کے چہرے سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔ "میرا خیال ہے کہ یہ ہماری پہلی ملاقات ہے اور ہمیں اس کی ابتدا محتاط انداز میں کرنا چاہیے۔"

"محتاط نہ رہا ہوتا تو آتے ہی تمھارے قدموں میں بیٹھ گیا ہوتا۔"

"میرا شوہر شوقیہ باکسر ہے . . . یہ بھی یاد رکھنا۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"تمھارا شوہر کوئی بھی ہو سکتا ہے، اس سے میرا کوئی جھگڑا نہیں کیونکہ مَیں تم پر کوئی دعویٰ نہیں رکھتا، نہ تم سے شادی کی درخواست کرنے کا ارادہ لے کر آیا ہوں، میرا مسلک تو یہ ہے کہ حسن آفاقی ہوتا ہے اور کبھی کسی کی ملکیت نہیں ہو سکتا، اُسے آزاد ہی رہنا چاہیے ورنہ مُرجھا جاتا ہے۔"

"اب سچ سچ بتاؤ کہ تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" وہ یک بیک سنجیدہ ہو گئی۔

"مَیں ردنکا ہوں اور صرف اتنی اجازت چاہتا ہوں کہ کبھی کبھی تم سے ملتا رہوں۔" مَیں نے ملتجیانہ لہجے میں کہا۔

"مسٹر جمی لائیڈ کے کاروبار یا اُن کے کسی حریف سے تمھارا کوئی تعلق نہیں؟"

"میرا ہالینڈ میں شوگر کا کاروبار ہے اور میرا سارا مال تمھاری کمپنی کے جہازوں کے ذریعے ہی برآمد ہوتا ہے۔" مَیں نے فی البدیہہ جواب دیتے ہوئے اس کا ردِعمل دیکھنے کے لیے دانستہ شوگر کا لفظ استعمال کیا تھا لیکن اُس کا چہرہ سپاٹ رہا اور مَیں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "اسی سلسلے میں جمی لائیڈ سے ملنا چاہ رہا تھا۔"

"وہ کسی بھی دن یہاں آ سکتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ مہینوں اِدھر کا رُخ نہ کرے، تم ہمارے برانچ مینجر سے کیوں نہیں مل لیتے؟"

"میرے کام کا تعلق لیون سے نہیں بلکہ دوسرے بین الاقوامی وِنگس سے ہے اس لیے میرا جمی سے ہی ملنا ضروری ہے۔" مَیں نے اُس کے چہرے سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

"لیکن چہرے مُہرے سے تو تم پولش سے زیادہ اطالوی نظر آتے ہو اور لہجہ نہ پولش ہے نہ اطالوی ــــ بہتر یہ ہوگا کہ تم مجھ سے کھُل کر بات کرو کہ کیا چاہتے ہو اور مجھ سے کیوں مل بیٹھنا چاہ رہے تھے؟"

یکایک میری چھٹی حِس بیدار ہو گئی۔ اس وقت تک میرا خیال تھا کہ میں اداکاری کر کے اُسے بےوقوف بنا رہا تھا لیکن اُس نے آخری سوال کر کے اپنے بارے میں میری ہر غلط فہمی دُور کر دی تھی۔

مَیں نے اپنے لہجے میں کوئی تبدیلی لائے بغیر کہا۔ "حقیقت مَیں بتا چکا ہوں لیکن میرا تجربہ بتاتا ہے کہ بعض لوگ خوش گلو اور خوب صورت ہونے کے باوجود ذرا سے مغرور یا بددماغ ہوتے ہیں، اگر تمھارا تعلق اس قبیلے سے ہے تو ہم اسی وقت ایک دوسرے سے علیحدہ ہو سکتے ہیں۔ ابھی تک مَیں نے تمھاری کافی بھی نہیں پی ہے جو تمھیں کسی خسارے کا احساس ہو۔"

"کافی یہاں ذرا دیر سے لیکن اہتمام کے ساتھ سرو کی جاتی ہے۔" اُس نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ اُس کے چہرے پر چھا جانے والی متانت کے نتیجے میں اس کی عمر یک بیک دس برس زیادہ نظر آنے لگی تھی۔ "تم آئے اپنی مرضی سے ہو لیکن میری اجازت کے بغیر واپس نہ جا سکو گے۔ مَیں تم سے ایک مرتبہ پھر اصرار کر رہی ہوں کہ حقیقت بیان کر چلو۔"

"اگر تم دھمکی دے رہی ہو تو مَیں ابھی جا کر دکھاتا ہوں۔"

"ارے نہیں۔" اُس نے جلدی سے میرا ہاتھ تھام لیا پھر بولی۔ "اگر تم واقعی کنگ لائنز کے ساتھ کام کرتے رہے ہو تو تمھیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ مسٹر جمی لائیڈ بہت کم لوگوں سے اور پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق ملتے ہیں کیونکہ وہ بہت مصروف آدمی ہیں، ایسی صورت میں تمھاری فوری ملاقات کی خواہش حیرت انگیز تھی۔ اگر تم خود ہی مجھ سے ملنے کی خواہش کا اظہار نہ کرتے تو مَیں خود تمھیں دفتر آنے کی دعوت دیتی لہٰذا اب اپنی جمال پرستی کی کہانی بھول جاؤ۔ وہ مَیں اُسی وقت تک سنتی رہی تھی جب تک میرے مددگار اس ہال میں نہیں آ گئے۔ اس وقت وہ دونوں میرے ایک اشارے پر تمھیں بےبس کر کے پولیس کے حوالے کر دیں گے کیونکہ یہاں عورتوں سے تُند خوئی یا بدتمیزی قابلِ دست اندازئ پولیس تصور کی جاتی ہے۔"

میرے بدن میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی، وہ حسین ساحرہ معصومیت کی کینچلی اُتار کر تیزی کے ساتھ اپنے اصل روپ میں سامنے آتی جا رہی تھی۔ میں نے غیر ارادی طور پر سر گھما کر اپنے قرب و جوار کا جائزہ لیا لیکن لوسیلا کے ساتھیوں کی نشاندہی میں کامیاب نہ ہو سکا۔ "لیکن مَیں نے ابھی تک تمھارے ساتھ کوئی بدتمیزی نہیں کی۔" مَیں نے کہا۔

"اس کی تصدیق صرف مَیں ہی کر سکتی ہوں۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولی۔ "تم نہ صرف مَرد ہو بلکہ مشکوک اور غیر ملکی بھی ہو، تمھارے مقابلے میں میری بات توجہ کے ساتھ سُنی جائے گی۔"

"مجھے علم نہیں تھا کہ تمھاری جہاز راں کمپنی بدمعاشوں کا ٹولہ ہے۔" مَیں نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "تم نہایت بےخوفی کے ساتھ مجھے مسلسل دھمکیاں دیے جا رہی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمھیں اپنے پشت پناہوں پر ضرورت سے زیادہ اعتماد ہے۔"

"تمھیں علم نہیں کہ مسٹر جمی لائیڈ پورے یورپ میں جہاز رانی کی صنعت کے بےتاج بادشاہ ہیں۔" وہ کہنیوں کے بل میز پر میری طرف جھکتے ہوئے بولی۔ "اُن کی یہ کاروباری بالادستی اُن کے رقیبوں کو ہضم نہیں ہوتی، وہ ہر قیمت پر بادشاہی کا یہ تاج اپنے سر پر سجانا چاہتے ہیں، اِسی لیے مسٹر جمی لائیڈ میل جول میں احتیاط کرتے ہیں۔ حفظِ ماتقدم کے طور پر انھوں نے اپنی جان کو درپیش اِن خطرات کے بارے میں یورپ کے ہر ملک میں رپورٹ درج کرائی ہوئی ہے۔ شاید اب تمھیں اندازہ ہو گیا ہوگا کہ مجھے چھیڑ کر تم خود کو کیسی خطرناک صورتِ حال سے دوچار کر بیٹھے ہو۔"

"مَیں تمھیں جو کچھ بتا چکا ہوں وہ لفظ بلفظ سچ ہے۔ اس کے بعد تم کیا چاہتی ہو، یہ میری سمجھ سے باہر ہے۔"

اسی وقت ویٹریس کافی کی ٹرے لے آئی اور ہماری گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع ہو گیا۔

لوسیلا ٹرے سے کافی کی دو پیالیاں تیار کرنے میں مصروف ہو گئی اور مَیں فرصت کے ان لمحات میں خود کو پیش آمدہ واقعات کا تجزیہ کرنے میں مصروف ہو گیا۔ اپنے ہوٹل سے کنگ لائنز کے دفتر میں جمی لائیڈ کے براہِ راست نمبر پر فون کرنے کے بعد مجھے اچانک ہی اپنی مہم بہت جلد ختم ہوتی نظر آنے لگی تھی لیکن درحقیقت میں

اس بے صورت لڑکی کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس کر رہ گیا تھا۔ میرے پاس سفری دستاویزات ہی مکمل ہوتیں تو میں کافی ہاؤس میں بھگدڑ کر کے نکل بھاگنے کی کوشش کر سکتا تھا ناکامی کی صورت میں زیادہ سے زیادہ پولیس سے سامنا ہوتا تو میں اپنی شناخت کروا کے خلاصی حاصل کر سکتا تھا لیکن اس وقت میں نہ اُن کا قیدی بننے کے لیے تیار تھا اور نہ ہی پولیس کا سامنا کرنے کی ہمت رکھتا تھا۔

غنیمت تھا کہ لوسیلا کو نہ میری اصلیت کا علم تھا نہ یہ معلوم تھا کہ میں پیرس میں کم از کم چار افراد کے قتل میں کسی نہ کسی طرح ملوث تھا ورنہ وہ میری ناک میں نکیل ڈال کر مجھے کسی چوپائے کی طرح چلنے پر مجبور کر سکتی تھی۔

"پھر کیا سوچا تم نے؟" کافی پیتے ہوئے لوسیلا نے سوال کیا۔

"غالباً مجھے تمہارا قیدی بننا ہی پڑے گا کیونکہ تم سچ کو قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہو۔" میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

"پھر تم حقیقت بھی سن لو کہ مسٹر جمی لائیڈ کو پورا یقین تھا کہ تم اُن تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرو گے۔" اُس نے یہ انکشاف کر کے گویا میرے اعصاب پر ایک کاری ضرب لگائی۔

"وہ کیسے؟ تم تو کہہ رہی تھیں کہ . . .!"

"میں جو کچھ کہتی ہوں اُسے بھول جاؤ اور اب وہ سنو جو میں بتا رہی ہوں۔ آج دوپہر میں کسی نامعلوم مقام سے مسٹر جمی لائیڈ کا فون آیا تھا جو اتفاق سے میں نے ہی ریسیو کیا تھا۔ انھوں نے بتایا تھا کہ اُن کے دشمنوں کے عزائم اب حد سے تجاوز کر چکے ہیں اور اُن لوگوں نے مسٹر جمی لائیڈ کے قتل کے لیے کرائے کے آدمی مامور کیے ہیں جن میں سے کوئی لیون بھی پہنچ سکتا ہے۔ لہٰذا کوئی بھی اجنبی اُن کے حوالے سے رابطہ قائم کرے تو ہمیں اسے اعتماد میں لے کر اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ہیں۔ اور اگر اس پر ذرا بھی شبہ ہو تو اُسے مسٹر جمی لائیڈ کی پیرس میں درج کرائی ہوئی پولیس رپورٹ کے حوالے سے مشتبہ قاتل کے طور پر مقامی پولیس کے حوالے کرنے کا حکم دیا ہے۔" وہ مسلسل میرے چہرے پر نظریں مرکوز کیے کہے جا رہی تھی۔ "اس طرح تم نہایت آسانی سے میرے جال میں آ پھنسے ہو۔ اب بتاؤ کہ کیا تم مسٹر جمی لائیڈ کے خون کے پیاسے نہیں ہو؟"

بظاہر اُس نے بساط پر اپنا آخری مہرہ کھیل کر مجھے مات دے دی تھی۔ اُس کی بات اس قدر مدلل اور بھرپور تھی کہ چند ثانیوں کے لیے مجھے اپنے دل کی دھڑکنیں ڈوبتی ہوئی محسوس ہونے لگیں اور لوسیلا مجھے میلوں دور رکھا ہوا کوئی آسیبی مجسمہ نظر آنے لگی مگر میں نے فوراً ہی سنبھالا لے کر کہا۔ "تم اگر سچ بول رہی ہو تو تمہارا قائم کیا ہوا اندازہ سو فی صد درست نظر آتا ہے لیکن میری مشکل یہ ہے کہ میں فی الحال پولیس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا۔ یہاں تمہارے دو مددگار موجود ہیں۔ میں رضاکارانہ طور پر خود کو تمہارے حوالے کرنے کو تیار ہوں جمی لائیڈ سے میرے بارے میں تصدیق یا تردید ہونے کے بعد میرے مستقبل کے فیصلے کا اختیار تم کو ہوگا اُس دوران تم لوگ مجھے اپنی نجی قید میں رکھ سکتے ہو۔"

"تم ہمیں بلا سبب ایک جرم کے ارتکاب کا مشورہ دے رہے ہو۔ کسی کو نجی قید میں رکھنا سنگین جرائم میں شمار ہوتا ہے۔ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم اس قانون شکنی کے مرتکب ہوں؟"

میں نے جواب میں کچھ کہے بغیر کافی ہاؤس کے نیم روشن اور آباد ہال کا جائزہ لیا۔ مجھے نظر آرہا تھا کہ لوسیلا سیدھی طرح راہ پر نہ آسکے گی۔ اس کے لیے کوئی نہ کوئی ہنگامہ آرائی ناگزیر نظر آرہی تھی۔

پھر اُسی وقت ایک حیرت ناک واقعہ رونما ہوا۔ کافی ہاؤس کے باہر سے پے در پے کئی نسوانی چیخیں سنائی دیں پھر شیشے کی دیواروں کے باہر ہجوم میں بھگدڑ نظر آئی۔ اسی کے ساتھ کافی ہاؤس میں بیٹھے ہوئے بیشتر افراد ہراس کے عالم میں اپنی نشستوں سے کھڑے ہوگئے۔ کئی پرجوش نوجوان صورت حال کا بہ نفس نفیس جائزہ لینے کے لیے نکاسی کے راستے کی طرف لپکے تھے۔ میرے ساتھ لوسیلا بھی کافی چھوڑ کر کھڑی ہوگئی تھی اور گھبرائی ہوئی نظر آرہی تھی۔

اچانک باہر سے پے در پے دو گولیاں چلنے کی آواز آئی اور ایک کربناک نسوانی چیخ سے فضا لرز کر رہ گئی، ساتھ ہی کافی ہاؤس میں بھگدڑ مچ گئی۔ سب لوگ اپنی حیثیت یا رُتبے کا خیال کیے بغیر دیوانوں کی طرح چیختے چلاتے، گرتے پڑتے نکاسی کے عقبی راستے کی طرف دوڑے تھے۔ ساری بھیڑ ادھر ط... سمٹ آنے کی وجہ سے مین گیٹ کی طرف چڑیا کا بچہ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ کافی ہاؤس کا سارا عملہ بھی بھاگنے والوں میں شامل ہوگیا تھا۔

میں نے میدان صاف دیکھ کر مین گیٹ کی طرف دوڑ لگا دی لیکن لوسیلا وحشت کے باوجود جونک کی طرح میرے پیچھے لگی رہی، اس کے مددگار اس افراتفری میں نہ جانے کدھر بھٹک گئے تھے۔ اس وقت کسی کو کسی کا ہوش نہیں تھا اور میرے لیے کچھ کر گزرنے کا موقع میسر آگیا تھا۔

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات پانچویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں